ذخیرۃ الجنان

فی

فہم القرآن

جلد 5 ← حصہ 13، 14، 15

افادات

امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر

مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نظر ثانی

مولانا علامہ زاہد الراشدی

شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

جمع و ترتیب

مولانا محمد نواز بلوچ

فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

ناشر

لقمان اللہ میر برادران

سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

من ابی الزاہد

الیٰ جمیع اولادی و احبابی و تلامذتی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

راقم اثیم گکھڑ میں قرآن کریم و حدیث شریف
کا پنجابی میں جو درس دیتا رہا اس درس
قرآن کریم کا بڑی عرق ریزی کے ساتھ اردو میں ترجمہ
مولانا محمد نواز بلوچ صاحب نے کیا جسکی طباعت
کا انتظام الحاج میر محمد لقمان اللہ صاحب
نے اور ان کے بھائیوں نے کیا ہے راقم اثیم
طباعت کے حقوق انکو دیتا ہے ہاں اگر علمی
طور پر اصلاح کی ضرورت پڑے تو راقم اثیم
کے بچے مثلاً عزیزم زاہد اور عزیزم قارن سلمہما
تعالیٰ وغیرہ مشورہ دے سکتے ہیں باقی
سب حقوق طباعت جناب میر صاحب
کو دیدئے ہیں واللہ الموفق۔

ابو الزاہد محمد سرفراز عفی عنہٗ

۱۲ صفر ۱۴۲۳ھ

۲۸ / اپریل ۲۰۰۲ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡاَنۡبِیَآءِ مَکِّیَّۃٌ

سُوۡرَۃُ الۡحَجِّ مَدَنِیَّۃٌ

سُوۡرَۃُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ مَکِّیَّۃٌ

ناشر
لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

نام کتاب .... ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن
جلد 5 ⟸ حصہ 13، 14، 15

افادات .... امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر
مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ

مرتب .... مولانا محمد نواز بلوچ
فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

نظر ثانی .... مولانا علامہ زاہد الراشدی
شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

سرورق .... محمد خاور بٹ، گوجرانوالہ

طابع و ناشر .... لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

فون .... 0300 - 8741292
0321 - 8741292

قیمت ....

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ تیرہ)

بسم الله الرحمن الرحیم
اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّد وّعلیٰ آلِ محمّد
کما صلّیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آلِ ابراھیم
انّک حمیدٌ مّجید
اللّٰھمّ بارک علیٰ محمّد وّعلیٰ آلِ محمّد
کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آلِ ابراھیم
انّک حمیدٌ مّجید

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پیشِ لفظ

نَحْمَدُهٗ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ العزیز برصغیر پاک وہند وبنگلہ دیش کو فرنگی استعمار سے آزادی دلانے کی جدوجہد میں گرفتار ہو کر مالٹا جزیرے میں تقریباً ساڑھے تین سال نظر بند رہے اور رہائی کے بعد جب دیوبند واپس پہنچے تو انہوں نے اپنے زندگی بھر کے تجربات اور جدوجہد کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نزدیک مسلمانوں کے ادبار و زوال کے دو بڑے اسباب ہیں۔ ایک قرآن پاک سے دوری اور دوسرا باہمی اختلافات وتنازعات۔ اس لیے مسلم اُمہ کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو عام کیا جائے اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد ومفاہمت کو فروغ دینے کے لیے محنت کی جائے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا یہ بڑھاپے اور ضعف کا زمانہ تھا اور اس کے بعد جلد ہی وہ دنیا سے رخصت ہو گئے مگر ان کے تلامذہ اور خوشہ چینوں نے اس نصیحت کو پلے باندھا اور قرآن کریم کی تعلیمات کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے نئے جذبہ و لگن کے ساتھ مصروف عمل ہو گئے۔ اس سے قبل حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے عظیم المرتبت فرزندوں حضرت شاہ عبد العزیز، حضرت شاہ عبد القادر اور حضرت شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ نے قرآن کریم کے فارسی اور اردو میں تراجم اور تفسیریں کر کے اس خطہ کے مسلمانوں کی توجہ دلائی تھی کہ ان کا قرآن کریم کے ساتھ فہم وشعور کا تعلق قائم ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر وہ کفر وضلالت کے حملوں اور گمراہ کن افکار ونظریات کی یلغار سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

جب کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں کی یہ جدوجہد بھی اسی کا تسلسل تھی بالخصوص پنجاب میں بدعات واوہام کے سراب کے پیچھے بھاگتے چلے جانے والے ضعیف العقیدہ مسلمانوں کو خرافات ورسوم کی دلدل سے نکال کر قرآن وسنت کی تعلیمات سے براہِ راست روشناس کرانا بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ لیکن اس کے لیے جن اربابِ عزیمت نے عزم وہمت سے کام لیا اور کسی مخالفت اور طعن وتشنیع کی پروا کیے بغیر قرآن کریم کو عام لوگوں کی زبان میں ترجمہ وتفسیر کے ساتھ پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا ان میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی قدس سرہ العزیز آف واں بھچراں ضلع میانوالی، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ العزیز اور حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی نور اللہ مرقدہ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

جنہوں نے اس دور میں علاقائی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر سے عام مسلمانوں کو روشناس کرانے کی مہم شروع کی جب عام سطح پر اس کا تصور بھی موجود نہیں تھا۔ مگر ان ارباب ہمت کے عزم واستقلال کا ثمرہ ہے کہ آج پنجاب کے طول وعرض میں قرآن کریم کے دروس کی محافل کو شمار کرنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی ہے۔ جنہوں نے ۱۹۴۳ء میں گکھڑ کی جامع مسجد بوہڑ والی میں صبح نماز کے بعد روزانہ درسِ قرآن کریم کا آغاز کیا اور جب تک صحت نے اجازت دی کم وبیش پچپن برس تک اس سلسلہ کو پوری پابندی کے ساتھ جاری رکھا۔ انہیں حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے اور ترجمہ وتفسیر میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ واجازت حاصل ہے اور انہی کے اسلوب وطرز پر انہوں نے زندگی بھر اپنے تلامذہ اور خوشہ چینوں کو قرآن وحدیث کے علوم وتعلیمات سے بہرہ ور کرنے کی مسلسل محنت کی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے درس قرآن کریم کے چار الگ الگ حلقے رہے ہیں ایک درس بالکل عوامی سطح کا تھا جو صبح نمازِ فجر کے بعد مسجد میں ٹھیٹھ پنجابی زبان میں ہوتا تھا۔ دوسرا حلقہ گورنمنٹ نارمل سکول گکھڑ میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے تھا جو سالہا سال جاری رہا۔ تیسرا حلقہ مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں متوسطہ اور منتہی درجہ کے طلبہ کیلئے ہوتا تھا اور دو سال میں مکمل ہوتا تھا اور چوتھا مدرسہ نصرۃ العلوم میں ۱۹۷۶ء کے بعد شعبان اور رمضان کی تعطیلات کے دوران دورۂ تفسیر کی طرز پر تھا جو پچیس برس تک پابندی سے ہوتا رہا اور اس کا دورانیہ تقریباً ڈیڑھ ماہ کا ہوتا تھا۔ ان چار حلقہ ہائے درس کا اپنا اپنا رنگ تھا اور ہر درس میں مخاطبین کی ذہنی سطح اور فہم کے لحاظ سے قرآنی علوم ومعارف کے موتی ان کے دامن قلب وذہن میں منتقل ہوتے چلے جاتے تھے۔ ان چاروں حلقہ ہائے درس میں جن علماء کرام، طلبہ، جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں اور عام مسلمانوں نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے براہِ راست استفادہ کیا ہے ان کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس ہزار سے زائد بنتی ہے۔

﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

ان میں عام لوگوں کے استفادہ کے لئے جامع مسجد گکھڑ والا درسِ قرآن کریم زیادہ تفصیلی اور عام فہم ہوتا تھا جس کے بارے میں متعدد حضرات نے خواہش کا اظہار کیا اور بعض دفعہ عملی کوشش کا آغاز بھی ہوا کہ اسے قلمبند کر کے شائع کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہو سکیں لیکن اس میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ درس خالص پنجابی میں ہوتا تھا جو اگرچہ پورے کا پورا ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے محفوظ ہو چکا ہے مگر اسے پنجابی سے اُردو میں منتقل کرنا سب سے کٹھن مرحلہ تھا اس لیے بہت سی خواہشیں بلکہ کوششیں اس مرحلہ پر آکر دم توڑ گئیں۔

البتہ ہر کام کا قدرت کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور اس کی سعادت بھی قدرتِ خداوندی کی طرف سے طے شدہ ہوتی ہے۔ اس لئے تاخیر در تاخیر کے بعد یہ صورت سامنے آئی کہ اب مولانا محمد نواز بلوچ فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم اور برادرم

محمد لقمان میر صاحب نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور تمام تر مشکلات کے باوجود اس کا آغاز بھی کر دیا جس پر دونوں حضرات اور ان کے دیگر سب رفقاء نہ صرف حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں بلکہ ہمارے پورے خاندان کی طرف سے بھی ہدیۂ تشکر و تبریک کے مستحق ہیں۔ خدا کرے کہ وہ اس فرضِ کفایہ کی سعادت کو تکمیل تک پہنچا سکیں اور ان کی یہ مبارک سعی قرآنی تعلیمات کے فروغ، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے افادات کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے اور اَن گنت لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور بارگاہِ ایزدی میں قبولیت سے سرفراز ہو۔ (آمین)

یہاں ایک امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ یہ دروس کی کاپیاں ہیں اور درس و خطاب کا انداز تحریر سے مختلف ہوتا ہے اس لیے بعض جگہ تکرار نظر آئے گا جو درس کے لوازمات میں سے ہے۔ لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ اس کو ملحوظ رکھا جائے اس کے ساتھ ہی ان دروس کے ذریعے محفوظ کرنے میں محمد اقبال آف دبئی اور محمد سرور منہاس آف گکھڑ کی مسلسل محنت کا تذکرہ بھی ضروری ہے جنہوں نے اس عظیم علمی ذخیرہ کو ریکارڈ کرنے کے لیے سالہا سال تک پابندی کے ساتھ خدمت سرانجام دی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

یکم مارچ ۲۰۰۲ء

ابوعمار زاہد الراشدی

خطیب جامع مسجد مرکزی، گوجرانوالہ

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم-اے پنجابی بھی کیا ہے۔ اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم-اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم-اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔ دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدِّ راہ بن گئی۔ وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔ تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔ اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔ اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم و فاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡاَنۡبِیَآءِ مَکِّیَّةٌ

پارہ ⇐ اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ

۱۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

﴿اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ﴾ قریب آ گیا ہے لوگوں کے لیے ﴿حِسَابُهُمۡ﴾ ان کا حساب ﴿وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ﴾ اور وہ غفلت میں ہیں ﴿مُّعۡرِضُوۡنَ﴾ اعراض کرنے والے ﴿مَا یَاۡتِیۡهِمۡ﴾ نہیں آتی ان کے پاس ﴿مِّنۡ ذِکۡرٍ﴾ کوئی نصیحت ﴿مِّنۡ رَّبِّهِمۡ﴾ ان کے رب کی طرف سے ﴿مُّحۡدَثٍ﴾ تازہ ﴿اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ﴾ مگر وہ سنتے ہیں اس کو ﴿وَهُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ﴾ اور وہ کھیل میں لگے ہوئے ہیں ﴿لَاهِیَةً قُلُوۡبُهُمۡ﴾ غفلت میں ہیں دل ان کے ﴿وَاَسَرُّوا النَّجۡوَی﴾ اور مخفی کی ہے ان لوگوں نے سرگوشی ﴿الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا﴾ جنھوں نے ظلم کیا ہے ﴿هَلۡ هٰذَاۤ﴾ نہیں ہے یہ ﴿اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ﴾ مگر بشر تمھارے جیسا ﴿اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ﴾ کیا پس تم پھنستے ہو جادو میں ﴿وَاَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ﴾ حالانکہ تم دیکھ رہے ہو ﴿قٰلَ﴾ فرمایا پیغمبر نے ﴿رَبِّیۡ یَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ﴾ میرا پروردگار ہی جانتا ہے بات کو ﴿فِی السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ﴾ آسمان میں اور زمین میں ﴿وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ﴾ اور وہی سننے والا، جاننے والا ہے ﴿بَلۡ قَالُوۡۤا﴾ بلکہ کہا انھوں نے ﴿اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ﴾ پریشان خیالات ہیں ﴿بَلِ افۡتَرٰىهُ﴾ بلکہ گھڑ کے لایا ہے اس کو ﴿بَلۡ هُوَ شَاعِرٌ﴾ بلکہ یہ شاعر ہے ﴿فَلۡیَاۡتِنَا﴾ پس چاہیے کہ لائے ہمارے پاس ﴿بِاٰیَةٍ﴾ کوئی نشانی ﴿کَمَاۤ اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ﴾ جیسا کہ بھیجے گئے ہیں پہلے ﴿مَاۤ اٰمَنَتۡ قَبۡلَهُمۡ﴾ نہیں ایمان لائے ان سے پہلے ﴿مِّنۡ قَرۡیَةٍ﴾ کسی بستی والے ﴿اَهۡلَکۡنٰهَا﴾ جن کو ہم نے ہلاک کیا ﴿اَفَهُمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ﴾ کیا پس یہ ایمان لے آئیں گے ﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے ﴿قَبۡلَکَ﴾ آپ سے پہلے ﴿اِلَّا رِجَالًا﴾ مگر مردوں کو ﴿نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ﴾ وحی بھیجی ہم نے ان کی طرف ﴿فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّکۡرِ﴾ پس سوال کرو اہل علم سے ﴿اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ اگر تم نہیں جانتے۔

سورۃ انبیاء کی وجہ تسمیہ اور نبی کا معنی

اس سورۃ کا نام سورۃ الانبیاء ہے۔ انبیآء ، نَبِیٌّ کی جمع ہے۔ نبی کا معنیٰ ہے خبر دینے والا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخلوق کو خبر دیتا ہے۔ ان خبروں میں اہم خبر توحید کی ہے، اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کا عقیدۂ توحید پر اتفاق ہے یہ اتنا اہم مسئلہ ہے کہ کسی پیغمبر کا دوسرے پیغمبر کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یعنی وہ سورت جس میں نبیوں نے توحید کا بنیادی عقیدہ بیان کیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، بہتر [۷۲] سورتیں اس

سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اس کا تہتر واں [۷۳] نمبر ہے۔اس کے سات [۷] رکوع اور ایک سو بارہ [۱۱۲] آیات ہیں۔

لوگ آخرت سے غافل ہیں ؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ﴾ قریب آ گیا ہے لوگوں کے لیے ان کا حساب ﴿وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ﴾ اور وہ غفلت میں ہیں مُعْرِضُوْنَ اعراض کرنے والے، روگردانی کرنے والے ہیں۔ دنیا میں مختلف شعبوں کے جو نصاب مقرر ہیں ان کے امتحانات جوں جوں قریب آتے ہیں پڑھنے والوں کو فکر ہوتی ہے، ماں باپ اور اساتذہ کو فکر ہوتی ہے وہ تیاری کی تاکید کرتے ہیں امتحان دینے والے بڑی محنت کرتے ہیں دن میں تیاری کرتے ہیں راتوں کو جاگتے ہیں، تکرار کرتے ہیں، دہراتے ہیں۔ کوئی مغفل ہوگا، بے پروا ہوگا جو تیاری نہ کرے ورنہ ہر آدمی امتحان کے دنوں میں تیاری کرتا ہے۔ مگر یہ دنیا کے امتحان آخرت کے امتحان کے مقابلہ میں کیا ہیں؟ کچھ بھی نہیں ہیں۔ ان کی اتنی بھی حیثیت نہیں ہے جتنی کھیل کی ہوتی ہے۔ تو آخرت کے امتحان کی کتنی تیاری ہونی چاہیے؟ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حساب لوگوں کا قریب آ گیا ہے اور وہ غفلت میں اعراض کر رہے ہیں کوئی تیاری نہیں کرتے موت واقع ہونے کی دیر ہے حساب شروع۔ لوگ سمجھتے ہیں موت صرف بوڑھوں کے لیے ہیں۔ ایسی بات نہیں ہے موت سب کے لیے ہے نوجوانوں کے لیے بھی، بوڑھوں کے لیے بھی، بچوں کے لیے بھی، مردوں اور عورتوں کے لیے بھی ہے۔ کوئی شخص یہ سمجھے کہ میں بوڑھا ہو کر مروں گا تو وہ غلط فہمی کا شکار ہے۔ کوئی یہ خیال کرے کہ میں تندرست ہوں بیمار ہو کر مروں گا تو اس کا یہ خیال غلط ہے۔ تندرست بھی مرتے ہیں بیمار بھی مرتے ہیں۔ آخرت کی ہر وقت تیاری ہونی چاہیے۔ اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے ((صَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ)) "جب تو نماز پڑھے تو یہ سمجھ کر پڑھ کہ یہ میری آخری نماز ہے۔" ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد مجھے موقع نہ ملے۔

تو فرمایا لوگ غفلت میں اعراض کر رہے ہیں کوئی تیاری نہیں کی ﴿مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ﴾ نہیں آتی ان کے پاس کوئی نصیحت ﴿مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ ان کے رب کی طرف سے ﴿مُّحْدَثٍ﴾ تازہ۔ قرآن پاک کا کوئی نیا حکم نہیں آتا ﴿اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ﴾ مگر وہ اس کو سنتے ہیں اس کی طرف کان لگاتے ہیں ﴿وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ اور وہ کھیل میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تازہ حکم آتا ہے اس کو سن کر اس کا مذاق اُڑاتے ہیں دل لگی کرتے ہیں مانتے نہیں ﴿لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ﴾ غفلت میں ہیں دل ان کے۔ ان کے دل غفلت میں مبتلا ہیں ﴿وَاَسَرُّوا النَّجْوَى﴾ اور مخفی کی ہے ان لوگوں نے سرگوشی۔ کون سے لوگوں نے مخفی سرگوشی کی ہے؟ فرمایا ﴿الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ جنھوں نے ظلم کیا ہے، جو ظالم ہیں انھوں نے مخفی طور پر مشورہ کیا ہے۔ کہنے لگے ﴿هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ نہیں ہے یہ پیغمبر مگر بشر تمھارے جیسا۔

ہر زمانے میں مشرکوں نے نبی کی بشریت کا انکار کیا ؟

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک مشرکوں کا یہی خیال رہا ہے کہ پیغمبر کو بشر نہیں

ہونا چاہیے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ بشر ہو پھر نبی ہو۔ وہی بات انھوں نے کی کہ یہ بشر ہے اس کو نبوت کہاں سے مل گئی؟ شروع سے مشرکوں نے اس باطل نظریے کی ترویج کی ہے کہ پیغمبری اور بشریت اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو بشر سمجھا اور اپنی کمزوریاں سامنے رکھیں اور سمجھا کہ پیغمبر بھی ہمارے جیسا بشر ہے اور ہمارے جیسی کمزوریاں ان میں ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ!) تو پھر ہم میں اور اس میں کوئی فرق نہ ہوا۔ حالاں کہ بشریت، آدمیت اور انسانیت بہت بلند چیز ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم بندے نہیں ہیں۔ صحیح معنیٰ میں بندے اور بشر ہیں ہی پیغمبر، صحیح معنیٰ میں انسان وہ ہیں۔ تو اصل بشر اور انسان پیغمبر ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھنے والوں نے پوچھا: "اے امی جان! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر سے باہر کی زندگی تو ہمارے سامنے ہے مسجد میں، میدان جہاد میں، سفر میں، حج میں، عمرے میں جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے وہ تو ہمارے سامنے ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے جاتے ہیں تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے ہیں؟" تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ((كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ)) "آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے ((يَفْلِيْ ثَوْبَهٗ وَ يَحْلِبُ شَاتَهٗ وَ فِيْ رِوَايَةٍ يَكْنِسُ بَيْتَهٗ وَيَخْصِفُ نَعْلَيْهِ)) آپ کسی وقت کپڑے اُتار کر جوئیں تلاش کر لیتے تھے، بکری کا دودھ اپنے ہاتھ سے دوہ لیتے تھے اور ایک روایت میں ہے (کہ اگر مجھے کوئی تکلیف ہوتی تو) گھر میں جھاڑو بھی پھیر لیتے تھے اور جوتا مبارک بھی اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے تھے۔" جو کام انسان کرتے ہیں وہ سب آپ کرتے تھے۔ ہاں! رب تعالیٰ نے ان کو درجہ دیا ہے پیغمبروں کا سردار بنایا، سید الاوّلین والآخرین بنایا، امام الانبیاء والمرسلین بنایا مگر تھے بشر، آدمی اور انسان۔

تو کافروں نے یہ بات کہہ کر نصیحت ٹرخادی کہ یہ نہیں ہے مگر ہمارے جیسا بشر ﴿اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ﴾ کیا پس تم پھنستے ہو جادو میں ﴿وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾ حالاں کہ تم دیکھتے ہو کہ بشر ہے کھاتا پیتا ہے بیویاں ہیں بچے ہیں سارے بشری لوازمات اس کے ساتھ ہیں یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے تم پھنستے ہو۔ ﴿قٰلَ﴾ فرمایا پیغمبر علیہ السلام نے ﴿رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ﴾ میرا رب جانتا ہے بات ﴿فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں میں اور زمین میں۔ مشرکوں کا اس وقت بھی یہ نظریہ تھا اور آج بھی یہی نظریہ ہے کہ ہمارے معبود علم غیب جانتے ہیں اور وہ ہماری باتیں سنتے ہیں نزدیک سے بھی اور دور سے بھی۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ صرف میرا رب جانتا ہے آسمانوں اور زمین کی بات۔

دیکھو! ﴿يَعْلَمُ﴾ فعل ہے، قاعدے کے مطابق ﴿رَبِّيْ﴾ بعد میں آنا چاہیے تھا لیکن لفظ ﴿رَبِّيْ﴾ کو پہلے لائے ہیں حصر پیدا کرنے کے لیے۔ معنیٰ ہوگا میرا رب ہی جانتا ہے بات آسمانوں کی اور زمین کی۔ اس میں ان کے عقیدے کا رد ہے کہ تمھارے معبود نہیں جانتے صرف میرا رب جانتا ہے ﴿وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ اور وہی سننے والا، جاننے والا ہے۔ اس سے مشرکوں کے عقیدے پر ضرب لگی تو انھوں نے کہا پھر ہمارے بزرگ کدھر گئے، ہمارے الٰہ کدھر گئے؟ وہ نہیں سنتے، وہ نہیں جانتے؟ یہ بات تھی جس کی بنا پر انھوں نے شور مچا دیا کبھی کچھ کہا اور کبھی کچھ کہا۔

عقیدۂ حاضر وناظر کفریہ ہے ؟

آج بھی جاہل قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر، ولی حاضر ناظر ہیں اور سب کچھ جانتے ہیں۔ یہ کفریہ عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے فقہائے کرام رحمہم اللہ کو جنھوں نے لوگوں کے عقائد کی حفاظت کے لیے صاف صاف لفظوں میں احکام بیان فرمائے ہیں۔ فتاویٰ بزازیہ، البحر الرائق اور مجموعہ فتاویٰ میں ہے: ((مَنْ قَالَ اَرْوَاحُ الْمَشَائِخِ حَاضِرَۃٌ تَعْلَمُ یَکْفُرُ)) "جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ ہمارے بزرگوں کی روحیں ہمارے پاس حاضر ہیں اور ہمارے حالات کو جانتی ہیں پکا کافر ہے۔" تو جب یہ کہا جاتا ہے کہ رب ہی جانتا ہے، رب ہی سنتا ہے ہر جگہ صرف رب ہی ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [الحدید: ۴] "اور وہ اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔" تو ان کے عقیدے پر زد پڑتی تھی اس لیے چیختے چلاتے تھے۔ یہ معمولی مسائل نہیں ہیں یہ بنیادی مسائل ہیں ان کو فروعی مسائل نہ سمجھنا ان پر ایمان کا مدار ہے۔

﴿بَلْ قَالُوْٓا﴾ بلکہ انھوں نے کہا ﴿اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ﴾ پریشان خیالات ہیں ﴿بَلِ افْتَرٰىهُ﴾ بلکہ یہ نبی اس قرآن کو گھڑ کے لایا ہے ﴿بَلْ هُوَ شَاعِرٌ﴾ بلکہ یہ شاعر ہے۔ جو جس کے منہ میں آیا اس نے کہا۔ اَضْغَاث ضِغْثٌ کی جمع ہے ضِغْثٌ کا معنیٰ ہے گھاس کی مٹھی، گھاس کا دستہ، اس میں کوئی تنکا لمبا ہوتا ہے، کوئی چھوٹا ہوتا ہے، کوئی موٹا ہوتا ہے، کوئی باریک ہوتا ہے، کوئی ہرا، کوئی خشک، مختلف ہوتے ہیں۔ پریشان کا معنیٰ ہے بکھرے ہوئے، پریشان ہیں اور اَحْلَام حُلُمٌ کی جمع ہے۔ لام پر ضمہ بھی آتا ہے اور سکون بھی آتا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے خیال۔ تو کہنے لگے یہ قرآن پریشان خیالات ہیں۔ کبھی کوئی واقعہ شروع کر دیتے ہیں کبھی کوئی قصہ شروع کر دیتے ہیں۔ کبھی آدم اور حوا علیہما السلام کبھی فرعون کا، کبھی جنت کا، کبھی دوزخ کا، کبھی ہود علیہ السلام، کبھی صالح علیہ السلام کا۔ حالاں کہ رب تعالیٰ نے جو واقعات بیان فرمائے ہیں وہ غور وفکر کرنے کے لیے بیان فرمائے ہیں۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۷۶ ﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ "آپ بیان کریں واقعات تاکہ یہ لوگ غور وفکر کریں۔" کہ نیکوں کا یہ بنا اور بروں کا یہ نتیجہ نکلا مگر کافروں نے کہا کہ پریشان خیالات ہیں بکھرے ہوئے خیالات ہیں۔ کبھی کہا کہ اپنے پاس سے گھڑ لایا ہے۔ اس کا جواب تفصیلاً سن چکے ہو۔

قرآن کا چیلنج آج تک کسی نے قبول نہیں کیا ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان کو کہہ دیں ﴿قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ﴾ [بنی اسرائیل: ۸۸] "البتہ اگر اکٹھے ہو جائیں انسان اور جنات سارے اس بات پر کہ وہ لائیں اس قرآن کے مثل تو نہیں لا سکیں گے اس کے مثل۔" ان کو کہو میرا چیلنج ہے ﴿فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ﴾ [ہود: ۱۳] "لاؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی ﴿وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور بلا لو جس کو تم طاقت رکھتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا فرشتوں کو بھی ساتھ ملا۔" اور آخر میں فرمایا ﴿بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ "پس لاؤ تم ایک سورت اس کے مثل ﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [بقرہ: ۲۳] "اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر

باقی جتنے امدادی تمھیں مل سکتے ہیں ان کو بلالو۔" یہ نہ کر سکنے کے باوجود یہ رٹ لگائے رکھنا یہ قرآن کو گھڑ کے لایا ہے تو یہ غلط بات ہے۔ کبھی کہتے شاعر ہے یہ بات بھی غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ یٰسین میں فرمایا ﴿وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ "اور ہم نے نبی کو شعر و شاعری نہیں سکھائی اور وہ ان کی شان کے لائق بھی نہیں۔" شاعروں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ﴾ [شعراء:۲۲۶] "اور بے شک وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔" یہاں تو اقبال مرحوم جیسے لوگ بھی کہہ گئے: ؎

گفتار کا یہ غازی تو بنا
کردار کا غازی بن نہ سکا

ہمارے اس دور کے بڑے شاعر ہیں لیکن گفتار کے ہیں کردار کے نہیں ہیں۔ کاش کہ کردار بھی ساتھ ہوتا تو اس دور کا ولی ہوتا۔ اب تو صرف شاعر مشرق ہی ہے۔ شاعر تو ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں۔ شعر و شاعری پیغمبروں کی شان کے لائق نہیں ہے۔ ﴿فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ﴾ پس لائے ہمارے پاس کوئی نشانی ﴿كَمَاۤ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ جیسا کہ بھیجے گئے ہیں پہلے۔ یعنی پہلے پیغمبروں کو جو معجزات ملے ہیں ایسا کوئی معجزہ ہمیں دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ﴿مَاۤ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ﴾ نہیں ایمان لائے ان سے پہلے کسی بستی والے ﴿اَهْلَكْنٰهَا﴾ جس بستی کو ہم نے ہلاک کیا ﴿اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ﴾ کیا پس یہ ایمان لائیں گے کیا ان لوگوں نے حضرت ہود علیہ السلام کے معجزات، حضرت صالح علیہ السلام کا اونٹنی والا معجزہ، موسیٰ علیہ السلام کے معجزے آنکھوں کے ساتھ نہیں دیکھے تھے؟ کیا وہ مان گئے تھے؟ کیا انھوں نے شق قمر کا معجزہ نہیں دیکھا؟ طاقت ور جادو کہہ کر جھٹلا دیا۔ یہ صرف ان کی باتیں ہیں شوشے چھوڑتے ہیں۔

پیغمبر جتنے بھی آئے مرد ہی آئے

﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے مگر مردوں کو وحی کی ہم نے ان کی طرف۔ پیغمبر جتنے بھیجے مرد بھیجے عورت کا بھیجنا صحیح نہیں تھا۔ کیوں کہ پیغمبر شکل و صورت، عقل و صحت ہر لحاظ سے اعلیٰ ہوتا ہے اگر عورت بھیجتے تو وہ بھی ایسی ہی ہوتی اور عورت کے پیچھے تو لوگ ویسے لگے رہتے ہیں۔ اور پیغمبر دن کو تبلیغ کرتا ہے رات کو تبلیغ کرتا ہے، تنہائی میں جاتا، نیکوں کے پاس بھی، بُروں کے پاس بھی، کیا عورت ایسا کر سکتی تھی؟ ہرگز نہیں! عورت کا نبی بنانا حکمت کے خلاف تھا لہٰذا کوئی عورت نبی نہیں قطعاً نہیں! اور نہ عورت کی حکمرانی جائز ہے۔

عورت جائز کام کر سکتی ہے

ہاں! جو کام عورتوں کے لیے جائز ہیں وہ کریں۔ عورتوں کے لیے زنانہ کالج ہیں وہ جہاں تک پڑھیں پڑھائیں کوئی پابندی نہیں ہے عورتیں عورتوں کا فیصلہ کریں، جج بھی عورت ہو، وکیل بھی عورت ہو، عورتیں مقدمہ لڑیں کوئی پابندی نہیں ہے۔ عورتوں کے ہسپتال ہوں وہاں عورتیں جائیں عورتوں کے آپریشن عورتیں کریں کوئی پابندی نہیں۔ یہ جو کہتے ہیں کہ مولوی تنگ نظر

ہیں ہرگز نہیں! ہم یہ کہتے ہیں کہ جو کام مردوں کے ہیں وہ مرد کریں اور جو عورتوں کے ہیں وہ عورتیں کریں۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے بات تو ٹھیک کہی تھی کہ کسی عورت کی حکمرانی جائز نہیں چاہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کیوں نہ ہوں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیوں نہ ہوں۔ مگر سب صحافی ان کے پیچھے پڑ گئے کہ اس نے غلط بات کہی ہے، مولوی جاہل ہیں۔ خدا جانے ان کو کیا کچھ کہا حالاں کہ انھوں نے بات ٹھیک کہی تھی عورت کی بادشاہی نہیں دھکے شاہی ہے۔ دھکے شاہی اور چیز ہے اور بادشاہی اور چیز ہے۔ اپنا ایمان نہ ضائع کرو ہم کرتو کچھ نہیں سکتے مگر جائز کو جائز اور ناجائز کو ناجائز تو کہہ سکتے ہیں۔

تو فرمایا ہم نے آپ سے پہلے صرف مرد پیغمبر بھیجے ہیں جن کی طرف ہم نے وحی کی۔ ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ اے لوگو! تم اہل علم سے پوچھو ﴿اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم نہیں جانتے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو مسئلے کا علم نہیں ہے تو وہ اہل علم سے پوچھے رب تعالیٰ کا حکم ہے۔ اہل حدیث مسلک کے بڑے بزرگ عالم گزرے ہیں مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی۔ وہ اپنی کتاب "معیار الحق" میں لکھتے ہیں کہ جو آدمی خود مسائل نہیں جانتا وہ قرآن کے حکم سے پابند ہے اہل علم سے پوچھنے کا۔ پھر فرماتے ہیں کہ آدمی اس کا مکلف نہیں ہے کہ سب علماء سے پوچھے، ایک مولوی سے پوچھ لے گا تو کافی ہو جائے گا۔ بھئی! ہم اسی کو تقلیدِ شخصی کہتے ہیں کہ ایک ثقہ قابل اعتماد عالم سے پوچھو گے تو قرآن پاک کی آیت پر عمل ہو جائے گا اور تم عہدہ برآ ہو جاؤ گے۔ تم اس کے مکلف نہیں ہو کہ یہاں سے لے کر کراچی تک کے علماء سے پوچھتے رہو یا ادھر پشاور تک چلے جاؤ اور پوچھتے رہو۔ ایک ثقہ اور قابلِ اعتماد عالم سے پوچھ لو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اہل علم سے پوچھو اگر تم خود نہیں جانتے۔

﴿وَمَا جَعَلْنٰهُمْ﴾ اور نہیں بنایا ہم نے ان (رسولوں) کو ﴿جَسَدًا﴾ ایسے جسم ﴿لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ﴾ کہ نہ کھائیں وہ کھانا ﴿وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ﴾ اور نہیں تھے وہ ہمیشہ رہنے والے ﴿ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ﴾ پھر ہم نے سچا کیا ان کے ساتھ وعدہ ﴿فَاَنْجَيْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے ان کو نجات دی ﴿وَمَنْ نَّشَآءُ﴾ اور جس کو ہم نے چاہا ﴿وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ﴾ اور ہم نے ہلاک کیا حد سے بڑھنے والوں کو ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ﴾ البتہ تحقیق ہم نے نازل کی تمھاری طرف ﴿كِتٰبًا﴾ کتاب ﴿فِيْهِ ذِكْرُكُمْ﴾ جس میں تمھارے لیے نصیحت ہے ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس تم نہیں سمجھتے ﴿كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ﴾ اور کتنی ہی پیس ڈالی ہم نے بستیاں ﴿كَانَتْ ظَالِمَةً﴾ جو تھیں ظلم کرنے والی ﴿وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا﴾ اور ہم نے پیدا کیں ان کے بعد ﴿قَوْمًا اٰخَرِيْنَ﴾ دوسری قومیں ﴿فَلَمَّآ اَحَسُّوْا﴾ پس جس وقت انھوں نے محسوس کیا ﴿بَاْسَنَآ﴾ ہمارا عذاب ﴿اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ﴾ اچانک وہ ان بستیوں سے بھاگنے لگے ﴿لَا تَرْكُضُوْا﴾ نہ بھاگو ﴿وَارْجِعُوْٓا﴾ اور لوٹو ﴿اِلٰى مَآ﴾ ان چیزوں کی طرف ﴿اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ﴾ جن میں تمھیں

آسودگی دی گئی تھی ﴿وَ مَسٰكِنِكُمْ﴾ اور اپنے گھروں کی طرف لوٹو ﴿لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ﴾ تا کہ تم سے سوال کیا جائے ﴿قَالُوْا﴾ انھوں نے کہا ﴿یٰوَیْلَنَاۤ﴾ ہائے افسوس ہمارے اُوپر ﴿اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ﴾ بے شک ہم ظالم تھے ﴿فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ﴾ پس ہمیشہ رہی یہی ان کی پکار ﴿حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ﴾ یہاں تک کہ ہم نے کر دیا ان کو ﴿حَصِیْدًا﴾ کاٹی ہوئی کھیتی ﴿خٰمِدِیْنَ﴾ بجھی ہوئی آگ ﴿وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ﴾ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان کو ﴿وَ الْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿وَ مَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ﴿لٰعِبِیْنَ﴾ کھیلتے ہوئے ﴿لَوْ اَرَدْنَاۤ﴾ اگر ہم ارادہ کرتے ﴿اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا﴾ کہ ہم بنائیں کوئی تماشا ﴿لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ﴾ البتہ ہم بناتے اپنے پاس سے ﴿اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ﴾ اگر ہم کرنے والے ہوتے ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ﴾ بلکہ ہم پھینکتے ہیں حق کو ﴿عَلَى الْبَاطِلِ﴾ باطل پر ﴿فَیَدْمَغُهٗ﴾ پس وہ اس کے دماغ کو پھاڑ دیتا ہے ﴿فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ پس اچانک وہ اڑنے والا ہوتا ہے ﴿وَ لَكُمُ الْوَیْلُ﴾ اور تمھارے لیے خرابی ہے ﴿مِمَّا تَصِفُوْنَ﴾ ان چیزوں کی وجہ سے جو تم بیان کرتے ہو۔

تمام پیغمبر بشر تھے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کے سب انسان تھے، بشر تھے، آدمی تھے اور مشرکوں نے شروع ہی سے کہا کہ بشر نبی کیسے بن گیا۔ کل کے سبق میں تم پڑھ چکے ہو کہ ظالموں کافروں نے کہا یہ بشر ہے تم اس کے جادو کے پھندے میں کیوں آتے ہو؟ اور کافر یہ بھی کہتے تھے کہ یہ پیغمبر کھاتے پیتے کیوں ہیں اور مکے والوں نے بھی یہی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہی ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ﴾ [فرقان: ۷] "کیا ہے اس رسول کو کھانا کھاتا ہے اور چلتا ہے بازاروں میں۔" اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے نظریے کا رد فرمایا۔

ارشاد ربانی ہے ﴿وَ مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ﴾ اور ہم نے نہیں بنائے نہیں دیئے پیغمبروں کو ایسے جسم کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔ جب انسان ہیں، بشر ہیں، آدمی ہیں، آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ تو جو ضرورتیں آدم علیہ السلام کی اولاد کی ہیں وہ تمام ان کی بھی ہیں۔ کھانا بھی کھائیں گے، پانی بھی پئیں گے، گرمی سردی بھی لگے گی، بھوک پیاس بھی لگے گی، بیمار بھی ہوں گے۔ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی کو کھانے پینے کا استثنیٰ حاصل نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے ہم تم حلال بھی کھا جاتے ہیں حرام بھی الا ماشاء اللہ۔ مگر انبیائے کرام علیہم السلام کو حکم ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ [المومنون: ۵۱] "اے رسولو! پاکیزہ کھانے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔" اور ہم انا پ شناپ کھا جاتے ہیں۔ تو انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی بھوک لگتی ہے۔ خندق کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکوہ کیا کہ ہم بھوکے ہیں پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں کہ انتڑیاں نہ

جھکیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ایک پتھر باندھا ہوا ہے میں نے دو پتھر باندھے ہوئے ہیں۔

ترمذی شریف اور شمائل ترمذی کی روایت ہے، ایک موقع پر آنحضرت ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے، آگے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے۔ سلام کے بعد فرمایا ابوبکر کیسے باہر آئے ہو؟ انہوں نے بات نہ بتلائی کہ آپ ﷺ کو تکلیف ہوگی دراصل بھوک باہر لائی تھی۔ باتیں کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے، سلام کیا۔ فرمایا عمر! کیسے آئے ہو؟ صاف بات کہہ دی حضرت! بھوک لگی ہوئی ہے کچھ ہے کھانے کو؟ فرمایا کچھ نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھے بھی بھوک نے گھر سے نکالا ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! میرا بھی یہی معاملہ ہے۔ یہ تینوں بزرگ ابوالہیثم انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ ان کے بیوی بچے گھر تھے خود پانی لینے گئے ہوئے تھے، بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ پانی لے کر آئے تو کھجور کے گچھے لا کر آگے رکھ دیئے۔ بکری ذبح کرنے کے لیے چھری پکڑی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِیَّاكَ وَالْحَلُوْبَ)) "دودھ والی بکری ذبح نہ کرنا کیوں کہ اس سے دودھ کی قلت پیدا ہوتی ہے۔" چنانچہ انھوں نے ایک بکری ذبح کر کے پکا کر سامنے رکھی۔ جب سارے حضرات سیر ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ جو آپ نے بکری کھائی ہے اور ٹھنڈا پانی پیا ہے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ تو پیغمبر کھاتے پیتے بھی ہیں اور دنیا سے رخصت بھی ہوتے ہیں۔ ﴿وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ﴾ اور نہیں تھے وہ ہمیشہ رہنے والے۔

اہل حق کے عقیدے کے مطابق تقریباً دو ہزار سال ہو چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے آسمان پر زندہ ہیں قیامت کے قریب اُتریں گے، چالیس سال حکومت کریں گے پھر وفات ہوگی۔ ہمیشہ کی زندگی کسی کے لیے نہیں ہے صرف رب تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ [رحمٰن: ۲۷] "اور باقی رہے گی تیرے پروردگار کی ذات جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔" مخلوق میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا۔ فرشتے بھی سارے ختم ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ﴾ پھر ہم نے سچا کیا ان کے ساتھ وعدہ ﴿فَاَنْجَيْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے ان کو نجات دی ﴿وَمَنْ نَّشَآءُ﴾ اور جس کو ہم نے چاہا۔ وہ مومن تھے پیغمبروں کے ساتھی تھے ان کو بھی نجات دی۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [المومن: ۵۱] "بے شک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے۔" یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا۔ ﴿وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ﴾ اور ہم نے ہلاک کر دیا حد سے بڑھنے والوں کو۔ جو رب تعالیٰ کے نافرمان تھے، مسرف تھے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ تو جس طرح پہلی قوموں کی طرف پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں اسی طرح ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا﴾ البتہ تحقیق ہم نے نازل کی آپ کی طرف کتاب ﴿فِيْهِ ذِكْرُكُمْ﴾ جس میں تمھارے لیے نصیحت ہے۔

اب نجات صرف آخری پیغمبر کی شریعت میں بند ہے

قرآن پاک اوّل تا آخر نصیحت ہے اس کا نام ہی ذکر ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ "بے شک ہم

نے نازل کیا ذکر کو نصیحت کو اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" عقائد اس کے ساتھ بنتے ہیں، اعمال اس کے ساتھ سنورتے ہیں، دنیا و آخرت اس کے ساتھ بنتی ہے مگر اس کے لیے جو اس کو سمجھے اور حلال و حرام کی تمیز کرے اور اگر نہ سمجھے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک نازل ہونے کے بعد اب نجات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی شریعت پر عمل کرنے پر موقوف ہے۔ اس وقت جو قومیں دوسرے پیغمبروں کی قائل ہیں موسیٰ علیہ السلام کے قائل ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کے قائل ہیں ان کے لیے نجات نہیں ہے۔

اس کو آپ حضرات اس طرح سمجھیں کہ رات کو لوگ چاند کی روشنی سے بھی فائدہ اُٹھاتے ہیں ستاروں کی روشنی سے بھی فائدہ اُٹھاتے ہیں لیکن سورج طلوع ہونے کے بعد نہ چاند کی روشنی کی ضرورت ہے نہ ستاروں کی روشنی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آفتابِ نبوت ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد کسی پیغمبر سے روشنی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے اور قرآن کریم کو پڑھتے اور سمجھتے ہیں، اس کو ہاتھ لگاتے ہیں، اس کو دیکھتے ہیں، اس کا پڑھنا ثواب، اس کا سمجھنا ثواب، اس کا دیکھنا ثواب اس کو ہاتھ لگانا ثواب۔

میں کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ ایک آدمی عشاء کی نماز کے بعد طلوع فجر تک نفل پڑھے ذکر کرے اور دوسرا آدمی قرآن کریم کی ایک آیت کو ترجمہ کے ساتھ سیکھے تو اس کا ثواب ساری رات بیدار رہنے والے سے زیادہ ہے۔ مگر ہم نے قرآن پاک کو، اللہ تعالیٰ کی کتاب کو قل شریف کے لیے رکھا ہوا ہے یا پھر قسم اُٹھانے کے لیے رکھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں پیسے قرآن پاک پر رکھتا ہوں وہاں سے اُٹھا لو۔ یہ رب تعالیٰ کی کتاب ہدایت ہے اس کو پڑھو سمجھو باقی ورد وظیفے بھی اپنے اپنے درجے میں ہیں مگر قرآن کریم کی تلاوت سے بڑا وظیفہ کوئی نہیں ہے قرآن پاک کا درجہ سب سے زیادہ ہے۔

بعض لوگ صرف مطلب کے لیے پڑھتے ہیں کہ سورۃ یٰسین مبینوں کے ساتھ پڑھو تو تمھارا کام ہو جائے گا اس لیے پڑھ رہا ہے۔ مطلب کے لیے پڑھنا بھی گناہ نہیں ہے مگر تم اس کو رب تعالیٰ کی کتاب سمجھ کر پڑھو وہ تمھارے مسائل بھی حل کرے گا۔ مطلب کے لیے پڑھی پھر چھوڑ دی یہ تو مطلب پرستی ہوئی۔ کسی بزرگ نے کسی موقع پر سوا لاکھ مرتبہ پڑھی ہوگی رب تعالیٰ نے اثر ظاہر کیا ہوگا اب لوگوں نے اس بات کو پلے باندھ لیا ہے کہ سوا لاکھ مرتبہ پڑھے تو کام ہو جائے گا۔ پھر اس کے لیے بڑے چھوٹوں کو زبردستی چائے کی پیالی پر جمع کرتے ہیں۔ پھر بچے کیا کرتے ہیں ایک مرتبہ پڑھنے پر چار دانے گراتے ہیں۔ بھئی! اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اخلاص کے بغیر سارے دانے گرانے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کوئی نہیں بچ سکتا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کیا پس تم نہیں سمجھتے ﴿ وَ كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ ﴾ قاف صاد کے ساتھ قصم ہو تو اس کا معنیٰ ہے پیس ڈالنا۔ جیسے چکی میں دانے پیستے ہیں۔ معنیٰ ہوگا اور کتنی ہی پیس ڈالیں ہم نے بستیاں ﴿ كَانَتْ ظَالِمَةً ﴾ جو ظلم

کرنے والی تھیں۔ ان بستیوں کے رہنے والے ظالم تھے مجرم تھے، رب تعالیٰ کے حقوق ضائع کرنے والے تھے، بندوں کے حقوق ضائع کرنے والے تھے اس لیے ہم نے ان کو پیس ڈالا ﴿وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ﴾ اور ہم نے پیدا کیں ان کے بعد دوسری قومیں۔ جس وقت ان ظالموں پر ہمارا عذاب آیا ﴿فَلَمَّاۤ اَحَسُّوْا بَاْسَنَاۤ﴾ پس جس وقت انھوں نے محسوس کیا ہمارا عذاب، ہماری پکڑ کبھی زلزلے کی شکل میں، کبھی پتھروں کی شکل میں، کبھی کسی اور شکل میں۔ تو ﴿اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَرْكُضُوْنَ﴾ اچانک وہ ان بستیوں سے بھاگنے لگے۔ جس طرح آج کل زلزلہ آئے تو لوگ جوتا پہنے بغیر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں کہ ہم پر مکان نہ گر جائے، دکان نہ گر جائے حالاں کہ یہ تو رب تعالیٰ کی طرف سے معمولی تنبیہات ہیں۔

قیامت کی نشانیوں میں سے زلزلوں کا کثرت سے آنا، سیلاب کی کثرت ہوگی، مصائب کثرت سے ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الهرج الهرج الهرج))۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا حضرت! ھرج کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((القتل القتل القتل)) کثرت سے قتل ہوں گے۔ نہ مارنے والے کو معلوم ہوگا کہ میں کیوں مار رہا ہوں اور نہ مرنے والے کو معلوم ہوگا کہ مجھے کیوں قتل کیا گیا ہے۔ جوں جوں قیامت قریب آئے گی توں توں برائیاں بڑھتی جائیں گی اس دور میں ایمان بچانا مشکل ہو جائے گا بڑا کامیاب مومن ہوگا جو اس دور میں ایمان لے کر دنیا سے چلا جائے گا۔ کوٹھیاں بن جائیں گی، کارخانے بن جائیں گے، باغات لگ جائیں گے ایمان بچانا مشکل ہوگا۔ اور یہ بڑی بات ہے۔

تو انھوں نے جب رب تعالیٰ کا عذاب محسوس کیا تو بھاگنا شروع کیا۔ رب تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی ﴿لَا تَرْكُضُوْا﴾ نہ بھاگو ﴿وَارْجِعُوْۤا اِلٰى مَاۤ اُتْرِفْتُمْ فِیْهِ﴾ اور لوٹو ان چیزوں کی طرف جن میں تمھیں آسودگی دی گئی تھی۔ اپنی کرسی، صوفے اور پلنگ کی طرف آؤ۔ جہاں قالین بچھے ہوئے ہیں وہاں آؤ تکبرانہ انداز میں ٹیک لگا کر بیٹھو۔ بھاگتے کیوں ہو؟ ﴿وَمَسٰكِنِكُمْ﴾ اور اپنے گھروں کی طرف لوٹو ﴿لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ﴾ تاکہ تمھارے سے سوال کیا جائے کہ تم یہاں کیا کرتے تھے۔ جس طرح تم نوکروں اور ملازموں سے پوچھتے تھے کہ آج کیا کیا ہے؟ اب تمھارے سے پوچھا جائے گا ﴿قَالُوْا﴾ انھوں نے کہا ﴿یٰوَیْلَنَاۤ﴾ ہائے افسوس ہمارے اُوپر ﴿اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ﴾ بے شک ہم ظالم تھے لیکن: ۔

اب پچھتائے کیا ہوت
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

اب عذاب بھگتو بچ نہیں سکتے۔ ﴿فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ﴾ پس ہمیشہ رہی ان کی یہی پکار، ہائے افسوس ہم پر، ہم بڑے ظالم ہیں ﴿حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِیْدًا﴾ یہاں تک کہ ہم نے کر دیا ان کو کٹی ہوئی کھیتی، ایسے ہو گئے ﴿خٰمِدِیْنَ﴾ بجھی ہوئی آگ۔ نہ کوئی شعلہ نہ کوئی بھڑک نہ کوئی روشنی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ﴾ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان کو اور زمین کو ﴿وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ﴿لٰعِبِیْنَ﴾ کھیلتے ہوئے۔ یہ کھیل نہیں ہے اس کے پیدا کرنے کا مقصد ہے۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ سکول، کالج، یونیورسٹی قائم کی جاتی ہے اس کا نصاب ہوتا ہے۔ تو کہا جاتا ہے کہ یہ ادارہ تمھارے لیے بنایا

ہے تا کہ تم اس کا نصاب پڑھو۔اسی طرح رب تعالیٰ نے یہ زمین آسمان بنائے ہیں اور ہمارے ذمہ ایک نصاب لگایا ہے جس میں عقائد ہیں، اعمال ہیں حقوق اللہ، حقوق العباد ہیں ان کو پڑھنا ہے، عمل کرنا ہے۔ یہ آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر نہیں پیدا فرمایا۔

انسان کے لیے دنیا میں ایک نصاب ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا﴾ اگر ہم ارادہ کرتے کہ ہم بنائیں کوئی تماشا ﴿لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ﴾ البتہ ہم بناتے اپنے پاس سے اپنی کسی چیز کا جو حادث اور فنا ہونے والی نہ ہوتی۔ اپنی کسی قدیم صفت کے ساتھ بناتے۔ صفت علم ہے، قدرت ہے، ارادہ ہے اور مشیّت ہے۔ تو اپنی کسی صفت کے ساتھ تماشا کرتے۔ زمین آسمان تو حادث ہیں، حادث اور فنا ہونے والی چیز کے ساتھ تماشا کرنے کی کیا ضرورت ہے ﴿اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾ اگر ہم کرنے والے ہوتے۔ تماشا کرنا ہوتا یہ زمین آسمان جو تمھارے لیے پیدا کیے ہیں۔ تو یہاں کچھ نصاب ہے تمھارے ذمہ کچھ پروگرام ہے یہ اس کی تفصیل ہے۔

فرمایا ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ﴾ بلکہ ہم پھینکتے ہیں حق کا گولہ باطل پر ﴿فَيَدْمَغُهٗ﴾ پس وہ اس کے دماغ کو پھاڑ دیتا ہے وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے ﴿فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ پس اچانک وہ باطل جانے والا ہوتا ہے۔ پہلے باطل نے قدم خوب جما لیے ہوتے ہیں لیکن حق کا گولہ جب اس پر آ کر پڑتا ہے تو وہ ایسے ختم ہو جاتا ہے کہ کسی کے تصور میں بھی نہیں ہوتا۔ مدینہ طیبہ میں یہود بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع صدیوں سے رہ رہے تھے کسی کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ وہ یہاں سے جائیں گے مگر جب وہ شرارتوں سے باز نہ آئے تو ان پر حق کا گولہ پڑا۔ پہلے خیبر کی طرف جلاوطن ہوئے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خیبر سے اذرحاء اور تیما کے علاقے کی طرف جلاوطن کیے گئے۔ یہی حال مشرکین مکہ کا ہے۔ کیا مشرکوں کے تصور میں بھی یہ بات آسکتی تھی کہ ہمارے عقیدے ختم ہو جائیں گے اور ہمارے تین سو ساٹھ معبود ختم ہو جائیں گے۔ لیکن حق کا گولہ پڑا تو اس نے ہر شے کا صفایا کر دیا ﴿وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ﴾ اے کافرو! مشرکو! تمھارے لیے خرابی ہے ان چیزوں کی وجہ سے جو تم بیان کرتے ہو۔ رب کا شریک بناتے ہو، رب تعالیٰ کا بیٹا بناتے ہو۔ کوئی رب تعالیٰ کی بیٹیاں بناتا ہے کوئی کسی چیز کو شریک کرتا ہے کوئی کسی چیز کو شریک کرتا ہے حالاں کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

﴿وَلَهٗ﴾ اور اسی کے لیے ﴿مَنْ﴾ وہ مخلوق ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو آسمانوں میں ہے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور جو زمین میں ہے ﴿وَمَنْ عِنْدَهٗ﴾ اور جو اس کے پاس ہے ﴿لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ وہ تکبر نہیں کرتے ﴿عَنْ عِبَادَتِهٖ﴾ اس کی عبادت سے ﴿وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ﴾ اور نہ وہ تھکتے ہیں ﴿يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ﴾ پاکیزگی بیان کرتے ہیں رات کو ﴿وَالنَّهَارَ﴾ اور دن کو ﴿لَا يَفْتُرُوْنَ﴾ وہ سستی نہیں کرتے ﴿اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً﴾ کیا انھوں نے بنا لیے ہیں معبود

﴿مِنَ الْاَرْضِ﴾ زمین سے ﴿هُمْ یُنْشِرُوْنَ﴾ وہ ان کو اٹھائیں گے ﴿لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ﴾ اگر ہوتے آسمان اورزمین میں ﴿اٰلِهَةٌ﴾ معبود ﴿اِلَّا اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿لَفَسَدَتَا﴾ البتہ آسمان اور زمین کا نظام درہم برہم ہوجاتا ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ﴿رَبِّ الْعَرْشِ﴾ جوعرش کا رب ہے ﴿عَمَّا یَصِفُوْنَ﴾ ان چیزوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں ﴿لَا یُسْـَٔلُ﴾ اس سے سوال نہیں کیا جاسکتا ﴿عَمَّا یَفْعَلُ﴾ اس چیز کے متعلق جو وہ کرتا ہے ﴿وَهُمْ یُسْـَٔلُوْنَ﴾ اوران سے سوال کیا جائے گا ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا﴾ کیا انھوں نے بنالیے ہیں ﴿مِنْ دُوْنِهٖۤ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿اٰلِهَةً﴾ معبود ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هَاتُوْا﴾ لاؤ ﴿بُرْهَانَكُمْ﴾ اپنی دلیل ﴿هٰذَا﴾ یہ قرآن ﴿ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ﴾ دلیل ہے ان کی جو میرے ساتھ ہیں ﴿وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ﴾ اور دلیل ہے ان کی جو میرے سے پہلے گزرے ہیں ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے ﴿الْحَقَّ﴾ حق کو ﴿فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ پس وہ اعراض کرنے والے ہیں ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا﴾ اورنہیں بھیجا ہم نے ﴿مِنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ کوئی رسول ﴿اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ﴾ مگر ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف ﴿اَنَّهٗ﴾ بے شک شان یہ ہے ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا﴾ نہیں کوئی معبود مگر میں ﴿فَاعْبُدُوْنِ﴾ پس تم میری عبادت کرو ﴿وَقَالُوا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا﴾ ٹھہرالی ہے رحمٰن نے اولاد ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ اس کی ذات پاک ہے ﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ﴾ بلکہ بندے ہیں باعزت ﴿لَا یَسْبِقُوْنَهٗ﴾ نہیں سبقت کرتے اس سے ﴿بِالْقَوْلِ﴾ گفتگو میں ﴿وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ﴾ اور وہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں ﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ﴾ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے ﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ اور جو ان کے پیچھے ہے ﴿وَلَا یَشْفَعُوْنَ﴾ اور وہ سفارش نہیں کرتے ﴿اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی﴾ مگر اس کے لیے جس سے رب راضی ہے ﴿وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرنے والے ہیں ﴿وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ﴾ اور جو کہے ان میں سے ﴿اِنِّیْۤ اِلٰهٌ﴾ بے شک میں معبود ہوں ﴿مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ﴾ پس ایسے شخص کو ہم بدلہ دیں گے جہنم ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو۔

دنیا میں اکثریت مشرکوں کی ہے :

دنیا میں اکثریت شرک کرنے والوں کی رہی ہے، اب بھی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ کافروں کا ایک طبقہ تو رب تعالیٰ کے وجود کا بھی قائل نہیں ہے۔ یہ کمیونسٹ وغیرہ کہتے ہیں کہ رب ہے ہی نہیں معاذ اللہ تعالیٰ۔ اور جو رب تعالیٰ کو مانتے

ہیں ان میں دو طبقے ہیں۔ایک توحید کا قائل ہے کہ رب تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں وحدہٗ لاشریک ہے اور وہ اکیلا تمام نظام کائنات کو چلا رہا ہے۔اور دوسرا طبقہ مشرکوں کا ہے جو کہتا ہے کہ رب تعالیٰ نے نبیوں ولیوں کو اختیارات دیئے ہیں وہ یہ کر سکتے ہیں وہ کر سکتے ہیں،فلاں نے یہ کیا فلاں نے یہ کیا۔یوں سمجھو کہ انھوں نے رب تعالیٰ سے نیچے چھوٹے چھوٹے رب بنائے ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی تردید فرماتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے ﴿وَ لَهٗ﴾ اور اسی رب تعالیٰ کے لیے ہے ﴿مَنْ﴾ وہ مخلوق ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو آسمانوں میں ہے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور جو زمین میں ہے۔آسمانوں کی مخلوق فرشتے بھی اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور ان پر رب تعالیٰ کا تصرف ہی چلتا ہے۔زمین میں جو مخلوق ہے یہ بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اس پر بھی اسی کا تصرف چلتا ہے ﴿وَمَنْ عِنْدَهٗ﴾ اور وہ فرشتے جو رب تعالیٰ کے پاس ہیں،رب تعالیٰ کے عرش کے پاس ہیں،حاملین عرش ﴿لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ﴾ وہ تکبر نہیں کرتے رب تعالیٰ کی عبادت سے ﴿وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ﴾ اور نہ وہ تھکتے ہیں۔انسان مشقت والا کام کرنے سے تھک جاتا ہے کیوں کہ یہ مٹی، پانی،آگ اور ہوا سے مرکب ہے۔بدن میں تھکاوٹ ہو جاتی ہے۔فرشتے نوری مخلوق ہے ان کو قطعاً کسی قسم کی تھکاوٹ نہیں ہوتی ﴿يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ پاکیزگی بیان کرتے ہیں رات کو اور دن کو۔فرشتوں کی تسبیح ہے سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ۔مستدرک میں حدیث ہے کہ اس تسبیح کی برکت سے اللہ تعالیٰ رزق کا دروازہ کشادہ فرماتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بالکل حق ہے کہ اس تسبیح سے اللہ تعالیٰ مخلوق پر رزق کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔لیکن یہ اس کی مرضی ہے کہ جلدی کھول دے یا دیر سے۔لیکن ہم لوگ بڑے جلد باز ہیں ہم دو چار دن ورد وظیفہ کرتے ہیں رزق نہیں بڑھتا تو کہتے ہیں کہ رزق بڑھا کیوں نہیں؟ بھئی! یہ چیز تو رب تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم نے اس کی مرضی کے مطابق پڑھا بھی ہے یا نہیں؟ پھر تمھارے پڑھنے کو اس نے قبول بھی کیا ہے یا نہیں۔تو ہمیں کمزوریوں کو سامنے رکھنا چاہیے۔

عبادت کو غرض کے ساتھ معلق نہیں کرنا چاہیے

اور اولاً تو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ عبادت کو کسی شے کے ساتھ معلق نہیں کرنا چاہیے۔رب تعالیٰ دے یا نہ دے ہمیں اس کا ذکر اور عبادت ضرور کرنی چاہیے۔اسی لیے شریعت نے نذر اور منت کو پسند نہیں کیا۔نذر،منت یہ کہ آدمی کہے اے پروردگار! میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اتنے نفل پڑھوں گا یا تیرے راستے میں دیگ دوں گا یا بکرا،چھترا دوں گا۔شریعت اس کو پسند نہیں کرتی کہ عبادت کو غرض کے ساتھ معلق کیا جائے۔رب تعالیٰ کی عبادت بغیر کسی غرض اور مطلب کے کرنی چاہیے۔جو آدمی یہ کہتا ہے کہ اے پروردگار! مجھے شفا دے دے تو میں یہ کروں گا وہ کروں گا یہ تو رب تعالیٰ کے ساتھ سودا بازی ہوئی۔بھئی! ہم تو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں وہ کرے یا نہ کرے ہمیں تو اس کی عبادت کرنا ہے۔لیکن اگر کسی کی منت پوری ہو گی اس کا کام ہو گیا تو اب اس کا ادا کرنا واجب ہے۔

تو فرمایا فرشتے نہ تکبر کرتے ہیں اور نہ اس کی عبادت سے تھکتے ہیں ﴿یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ﴾ تسبیح بیان کرتے ہیں رات کو اور دن کو ﴿لَا یَفْتُرُوْنَ﴾ وہ سستی نہیں کرتے۔ کام کے درمیان میں جو سستی ہوتی ہے اس کو فطور کہتے ہیں۔ آپ نے مزدوروں کو کام کرتے دیکھا ہوگا کہ مالک پاس ہو تو کام جلدی جلدی کرتے ہیں چلا جائے تو سست ہو جاتے ہیں واپس آ جائے تو جلدی جلدی ہاتھ پاؤں مارتے ہیں کہ اس کو پتا چلے کہ ہم صحیح کام کر رہے ہیں ڈیوٹی دے رہے ہیں لیکن فرشتے ایسا نہیں کرتے وہ عبادت کے درمیان سستی نہیں کرتے کیوں کہ فرشتے خیانت اور بد یانتی سے پاک ہیں، معصوم ہیں۔

مسئلہ سمجھ لیں کہ جتنا انسان کے بس میں ہے اتنا کام ضرور کرے اگر اس میں کوتاہی کرے گا تو اس کی کمائی حلال کی نہیں ہوگی اور ایسی کمائی جب اولاد کھائے گی تو اس پر نیکی کا کیا اثر ہوگا۔ اسی طرح جو کمائی ہم نمازیں چھوڑ کر کریں گے، روزے چھوڑ کر کریں گے تو ان کمائیوں کا ہم پر کیا اثر ہوگا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَمِ اتَّخَذُوْۤا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ﴾ کیا ان لوگوں نے بنا لیے ہیں معبود زمین سے۔ کوئی لات کو معبود بنائے پھرتا ہے، کوئی منات کو، کوئی عزّیٰ کو، کوئی کسی کو، کوئی کسی کو ﴿هُمْ یُنْشِرُوْنَ﴾ یہ معبود ان کے ان کو اٹھائیں گے قبروں سے۔ قبروں سے اٹھانا ان کا کام ہے؟ بالکل نہیں۔ جب ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہے وہ کر کچھ نہیں سکتے تو معبود کس وجہ سے بن گئے؟

توحید کی دلیل

اس کے بعد رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ﴾ اگر ہوتے زمین آسمان میں کئی معبود ﴿اِلَّا اللّٰهُ﴾ سوائے اللہ تعالیٰ کے ﴿لَفَسَدَتَا﴾ البتہ زمین آسمان کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ کیوں کہ جب ایک سے زائد خدا ہوتے اور ان کی قوت اور طاقت بھی برابر کی ہوتی تو اولاً تو زمین آسمان بنتے ہی نہ۔ کیوں کہ ایک کہتا میں نے بنانے ہیں دوسرا کہتا میں نے نہیں بننے دینے اور اگر ان کی صلح ہو جاتی تو ایک کہتا میں نے بنانے ہیں دوسرا کہتا میں نے بنانے ہیں۔ پھر اس پر جھگڑا ہوتا کہ ایک کہتا میں نے فلاں کو مارنا ہے دوسرا کہتا میں نے زندہ رکھنا ہے۔ ایک کہتا میں نے فلاں کو مال دار بنانا ہے، خزانہ دینا ہے دوسرا کہتا میں نے اس کو بھوکا رکھنا ہے۔ ایک کہتا میں نے بارش برسانی ہے دوسرا کہتا میں نے ایک بوند بھی نہیں گرنے دینی تو نظام کس طرح چل سکتا تھا۔ دونوں الٰہوں کی آپس میں ٹکر ہوتی، کشتی ہوتی یہ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ ہمارے ملک میں دو پارٹیاں برسرِ اقتدار آئیں ایک دوسرے کو تسلیم نہیں کیا ملک دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور اب بھی کم بخت سیاسی پارٹیاں جو تماشا کر رہی ہیں اس کا نتیجہ بھی سامنے آ جائے گا۔ ہم چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے کچھ بچوں نے باری کھیلنے کے لیے لکیریں لگائی ہوتی تھیں۔ دوسرے آتے کہتے ہم نے بھی کھیلنا ہے۔ پہلے کہتے ہم نے تمھیں نہیں کھیلنے دینا تو وہ پاؤں مار کر لکیریں ختم کر دیتے تھے۔ تو برابر کے ایک دوسرے کو کھیلنے نہیں دیتے، ایک پاور اور طاقت کے خدا کیسے نظام چلنے دیں گے۔

تو فرمایا اگر ہوتے زمین آسمان میں کئی الٰہ تو یہ نظام درہم برہم ہو جاتا ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ کی

ذات تمام عیوب سے، اولاد سے، شریکوں سے ﴿رَبِّ الْعَرْشِ﴾ عرش کا مالک ہے، پاک ہے ﴿عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ ان چیزوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو برابر کرتے ہیں رب تعالیٰ کے شریک بناتے ہیں۔ فرمایا ﴿لَا يُسْئَلُ﴾ اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کیا جاسکتا ﴿عَمَّا يَفْعَلُ﴾ اس چیز کے بارے میں جو رب کرتا ہے ﴿وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ اور ان سے سوال کیا جائے گا۔ مخلوق سے سوال ہوگا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا کوئی نہیں ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اللہ تعالیٰ نے پوچھا۔ وہ اس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خانگی حالات درست کرنے کے لیے صرف اپنی ذات کے لیے شہد حرام کیا تھا اُمت کے لیے نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے نہیں، گھر کے افراد کے لیے نہیں، صرف اپنی ذات کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ تحریم نازل فرمائی ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾ "اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کیوں حرام قرار دیتے ہیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال ٹھہرائی ہے کیا آپ چاہتے ہیں خوشنودی اپنی بیویوں کی۔" تو رب پوچھنے والا ہے۔

غزوۂ تبوک

ہجرت کے نویں سال غزوہ تبوک کے لیے ایک مہینے کا لمبا سفر تھا گرمی کا موسم تھا فصلیں پکی ہوئی تھیں رومیوں کی آزمودہ اور تجربہ کار فوج کے ساتھ مقابلہ تھا اس میں چند گنے چنے منافقوں کے علاوہ کوئی منافق شریک نہیں ہوا۔ مختلف بہانے کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لی۔ مثلاً: کسی نے کہا حضرت! میری ماں بالکل قریب المرگ ہے اور گھر دفنانے والا بھی کوئی نہیں ہے کسی نے کہا حضرت! میرا مزدور بھاگ گیا ہے میرے جانوروں کو، اُونٹوں کو، بکریوں کو چرانے والا پانی پلانے والا کوئی نہیں ہے، فصل بالکل تیار ہے کوئی کاٹنے والا نہیں ہے، ضائع ہو جائے گی، عجیب قسم کے بہانے کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر تنبیہ فرمائی۔ سورہ توبہ آیت نمبر ۴۳ میں ہے ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ﴾ "اللہ تعالیٰ نے یہ آپ کی لغزش معاف کر دی ﴿لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ آپ نے ان کو کیوں اجازت دی۔" انھوں نے جانا تو تھا نہیں اگر آپ اجازت نہ دیتے تو ان کا جھوٹ سچ ظاہر ہو جاتا اب وہ اجازت لے کر بیٹھ گئے۔ تو رب پوچھنے والا ہے ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ رب تعالیٰ نے پوچھا ہے مگر اللہ تعالیٰ کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً﴾ کیا انھوں نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ﴾ آپ کہہ دیں لاؤ اپنی دلیل اپنے معبودوں کے معبود ہونے پر، دلیل کے بغیر دعوے کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور میری دلیل سننا چاہتے ہو تو سنو! ﴿هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ﴾ یہ قرآن پاک دلیل ہے ان کی جو میرے ساتھ ہیں ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم۔ ﴿وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ﴾ اور ان کی دلیل ہے جو پیغمبر مجھ سے پہلے گزرے ہیں۔ ان کی دلیل ابھی پچھلی آیات میں بیان ہوئی ہے ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ تم اپنی دلیل بیان کرو جس سے ثابت ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی اور بھی معبود ہے۔ دلیل نہیں پیش کر سکتے ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ﴾ بلکہ ان کی اکثریت حق کو نہیں جانتی ﴿فَهُمْ

مُعْرِضُوْنَ﴾ پس وہ اعراض کرنے والے ہیں۔ سمجھ دار لوگ دنیا میں بہت کم ہیں۔ بخاری شریف میں حدیث پاک ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی اُونٹنی یا اُونٹ جو سفر میں پورا ساتھ دے سو میں سے ایک ہوگا۔ اسی طرح فرمایا لوگوں میں سو میں سے ایک صاحب بصیرت اور سمجھ دار ہوگا۔ سچ فرمایا ہے۔ کسی میں کوئی خامی، کسی میں کوئی کمی، کسی میں کوئی کمی، صحیح معنیٰ میں انسان سو میں سے ایک ہی ہوتا ہے اکثر سطحی قسم کے لوگ ہوتے ہیں حق کو نہیں سمجھتے۔

تمام پیغمبروں کا مشن توحید ہے

فرمایا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول ﴿اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ﴾ مگر ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف ﴿اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا﴾ بے شک شان یہ ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر میں ﴿فَاعْبُدُوْنِ﴾ پس میری ہی عبادت کرو۔ جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ان کا سبق یہیں سے شروع ہوا ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ [سورہ ہود] "اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارے لیے اس کے سوا کوئی معبود۔" یہ تمام پیغمبروں کا متفقہ عقیدہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیغمبروں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی کی اولاد ہو مختلف عورتوں سے، تو ان کی مائیں الگ الگ ہوں گی اور باپ ایک ہی ہوگا۔ فرمایا سب پیغمبروں کا دین ایک ہے توحید، رسالت، قیامت وَ اُمَّهَاتُهَا شَتّٰى اور مائیں علیحدہ علیحدہ ہیں یعنی شریعتیں الگ الگ ہیں۔ ہمارے لیے پانچ نمازیں ہیں بنی اسرائیل کے لیے دو تھیں۔ ہماری شریعت میں زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے، ان کی شریعت میں زکوٰۃ چوتھا حصہ تھا۔ ہماری شریعت میں تیمم کی اجازت ہے ان کی شریعت میں تیمم کی اجازت نہیں تھی ہمارے لیے مالِ غنیمت حلال ہے ان کے لیے کھانا حرام تھا۔ لیکن اصول سب کے ایک ہے کہ رب تعالیٰ کے سوا الٰہ کوئی نہیں ہے، رسالت حق ہے، قیامت حق ہے۔

﴿وَقَالُوا﴾ اور کہا ان احمقوں نے ﴿اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا﴾ ٹھہرا لی ہے رحمٰن نے اولاد۔ یہ ان لوگوں کا رد ہے جو فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں بناتے ہیں ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ رب تعالیٰ کی ذات پاک ہے نہ اس کے بیٹے ہیں اور نہ بیٹیاں ہیں ﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ﴾ بلکہ بندے ہیں باعزت۔ فرشتے رب تعالیٰ کے باعزت بندے ہیں ﴿لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ﴾ نہیں سبقت کرتے اس سے گفتگو میں، بڑے باادب ہیں رب تعالیٰ اجازت دیتے ہیں تو بولتے ہیں ﴿وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ﴾ اور وہ رب کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں ﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ﴾ رب تعالیٰ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے ﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ اور جو ان کے پیچھے ہے ﴿وَلَا یَشْفَعُوْنَ﴾ اور وہ فرشتے سفارش نہیں کرتے ﴿اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ مگر اس کے لیے جس سے رب راضی ہے ﴿وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔ فرشتے اب بھی مومنوں کے لیے رب کے حضور سفارش کرتے رہتے ہیں۔ سورۃ المومن آیت نمبر ۷، ۸، ۹ میں ہے" وہ جو اُٹھا رہے ہیں عرش کو اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ تسبیح بیان کرتے ہیں، اپنے رب کی حمد کرتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں اس پر ﴿وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور بخشش طلب

کرتے ہیں ان کے لیے جو ایمان لائے اور کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً﴾ اے ہمارے پروردگار! وسیع ہے ہر چیز پر تیری رحمت ﴿وَّعِلْمًا﴾ اور علم۔ آپ وسیع ہیں ہر شے کو رحمت کے لحاظ سے اور علم کے لحاظ سے۔ اے پروردگار! ﴿فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ﴾ پس بخش دے ان لوگوں کو جنھوں نے توبہ کی اور تیرے راستے پر چلے ﴿وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ﴾ اور ان کو بچا آگ کے عذاب سے ﴿رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ﴾ اے ہمارے پروردگار! اور داخل کر ان کو ہیشگی کے باغوں میں ﴿الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ﴾ وہ جو آپ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا ہے ﴿وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىٕهِمْ﴾ اور ان کو بھی جو نیک ہوں ان کے آباء اجداد میں سے ﴿وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ﴾ اور ان کی بیویوں اور اولاد میں سے ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ بے شک آپ غالب حکمت والے ہیں ﴿وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ﴾ اور بچا ان کو برائیوں سے ﴿وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَىٕذٍ﴾ اور جس کو آپ بچائیں برائیوں سے اس دن ﴿فَقَدْ رَحِمْتَهٗ﴾ پس بے شک تو نے اس پر مہربانی فرمائی ﴿وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ اور یہ ہے وہ بڑی کامیابی۔"

تو اللہ تعالیٰ کے معصوم فرشتے ان الفاظ کے ساتھ سفارشیں اور دعائیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ﴾ اور جو کہے ان فرشتوں میں سے بالفرض ﴿اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ بے شک میں معبود ہوں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ﴾ پس ایسے شخص کو ہم بدلہ دیں گے دوزخ، اس کو دوزخ میں ڈالیں گے۔ یہ جملہ شرطیہ فرضیہ ہے۔ اگر بالفرض کوئی کہے ان میں سے کہ میں الٰہ ہوں تو وہ بھی دوزخ میں پھینکا جائے گا ہماری سزا اور گرفت سے نہیں بچ سکے گا ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے اور شرک سے بچائے۔

﴿اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ﴾ اور کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے ﴿كَفَرُوْۤا﴾ جو کافر ہیں ﴿اَنَّ السَّمٰوٰتِ﴾ بے شک آسمان ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین ﴿كَانَتَا رَتْقًا﴾ تھے دونوں بند ﴿فَفَتَقْنٰهُمَا﴾ پس ہم نے کھول دیا ان کو ﴿وَجَعَلْنَا﴾ اور کی ہم نے ﴿مِنَ الْمَآءِ﴾ پانی سے ﴿كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ﴾ ہر چیز زندہ ﴿اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ کیا پس وہ ایمان نہیں لاتے ﴿وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور بنائے ہم نے زمین میں ﴿رَوَاسِیَ﴾ مضبوط پہاڑ ﴿اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ﴾ تاکہ ان کو لے کر جھک نہ پڑے ﴿وَجَعَلْنَا فِیْهَا﴾ اور بنائے ہم نے زمین میں ﴿فِجَاجًا﴾ کشادہ ﴿سُبُلًا﴾ راستے ﴿لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ﴾ تاکہ وہ راہنمائی حاصل کریں ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ﴾ اور بنایا ہم نے آسمان کو ﴿سَقْفًا﴾ چھت ﴿مَّحْفُوْظًا﴾ محفوظ ﴿وَّهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا﴾ اور وہ ان کی نشانیوں سے ﴿مُعْرِضُوْنَ﴾ اعراض کرتے ہیں ﴿وَهُوَ الَّذِیْ﴾ اور وہی ذات ہے ﴿خَلَقَ الَّیْلَ﴾ جس نے پیدا کیا رات کو ﴿وَالنَّهَارَ﴾ اور دن کو ﴿وَالشَّمْسَ﴾ اور سورج کو ﴿وَالْقَمَرَ﴾ اور چاند کو ﴿كُلٌّ﴾ ہر ایک ﴿فِیْ فَلَكٍ﴾ اپنے دائرے میں ﴿یَّسْبَحُوْنَ﴾ تیرتے ہیں ﴿وَمَا

﴿جَعَلْنَا لِبَشَرٍ﴾ اور نہیں بنایا ہم نے کسی بشر کے لیے ﴿مِّنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿الْخُلْدَ﴾ ہمیشہ زندہ رہنا ﴿اَفَاۡىِٕنْ مِّتَّ﴾ کیا پس اگر آپ فوت ہو جائیں ﴿فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾ پس یہ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ﴾ ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے ﴿وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ﴾ اور ہم تمھارا امتحان لیں گے تکلیف کے ساتھ ﴿وَالْخَیْرِ﴾ اور راحت پہنچا کر ﴿فِتْنَةً﴾ آزمائش کے لیے ﴿وَ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ اور ہماری طرف ہی تم لوٹائے جاؤ گے ﴿وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ﴾ اور جب دیکھتے ہیں آپ کو وہ لوگ ﴿كَفَرُوْۤا﴾ جو کافر ہیں ﴿اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ﴾ نہیں بناتے وہ آپ کو ﴿اِلَّا هُزُوًا﴾ مگر ٹھٹھا (اور کہتے ہیں) ﴿اَهٰذَا الَّذِیْ﴾ کیا یہ وہ شخص ہے ﴿یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ﴾ جو ذکر کرتا ہے تمھارے الٰہوں کا ﴿وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ حالاں کہ وہ رحمٰن کے ذکر کے منکر ہیں۔

اس سے پہلے رکوع میں پڑھ چکے ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ "اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ زمین آسمان میں اور معبود ہوتے تو زمین آسمان کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔" اس کا صحیح چلنا اور قائم رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی دلیلیں پیش کرتے ہیں کہ اس کی قدرت، اس کی طاقت اور پاور کا اندازہ لگانے کے لیے ان چیزوں پر غور کرو۔ فرمایا ﴿اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ﴾۔ رُؤیۃ کا معنیٰ عربی لغت میں دیکھنے کا بھی آتا ہے اور جاننے کا بھی آتا ہے۔ تو مفسرین کرام رحمہم اللہ معنیٰ کرتے ہیں کیا نہیں جانتے وہ لوگ ﴿كَفَرُوْۤا﴾ جو کافر ہیں ﴿اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا﴾ بے شک آسمان اور زمین تھے دونوں بند۔

مشرک بھی خالق و مالک رب تعالیٰ کو مانتے تھے

نزولِ قرآن کریم کے وقت جو لوگ سرزمین عرب میں تھے ان کا عقیدہ تھا کہ زمین آسمان کا خالق مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ چاند، سورج کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے۔ سورۂ عنکبوت میں ہے ﴿وَ لَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ "اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے اُتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے مرنے یعنی خشک ہونے کے بعد تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔" تو مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ بارش برسانے والا اور اس کے ذریعے خشک اور مردہ زمین کو سرسبز کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ روزی دینے والا، کان، آنکھ کا مالک بھی رب تعالیٰ کو مانتے تھے، سب کاموں کی تدبیر کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے۔ زمین پر رہنے والی تمام مخلوق کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے بلکہ سات آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے۔ بڑے لطف کی بات ہے کہ ساری چیزوں کا اختیار رکھنے والا بھی محض اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے تھے مگر اس کے باوجود وہ مشرک تھے کیوں؟ اس

لیے کہ یہ سب کچھ ماننے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نیچے اور اس سے ورے دوسری مخلوق کو الٰہ مانتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ مشرک قرار پائے۔ اور یہ عقیدہ بھی آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت سے اڑھائی سو سال پہلے ان میں آیا ورنہ اس سے پہلے سب لوگ موحد تھے اور اور شرکیہ نظریہ آنے کے بعد بھی بہت سے لوگ موحد تھے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں زید بن عمرو بن نفیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا زمانہ جاہلیت کے موحدین میں سے تھے اور شرک کی بہت تردید کرتے تھے آپ ﷺ کی بعثت سے چند دن پہلے فوت ہو گئے اگر وہ زندہ ہوتے تو کھل کر آنحضرت ﷺ کی حمایت کرتے۔ تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کیا نہیں جانتے اور سمجھتے کہ بے شک آسمان اور زمین بند تھے ﴿فَفَتَقْنٰهُمَا﴾ پس ہم نے ان کو کھول دیا۔

فَفَتَقْنٰهُمَا کی تفسیر ؟

بند ہونے کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ آسمان اور زمین آپس میں جڑے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ آسمانوں کو اوپر اُٹھا لیا اور ایک دوسرے سے الگ کر دیئے۔ سات آسمان بنا دیئے اور زمین کو نیچے رکھا اور سات زمینیں بنائیں اور اپنے اپنے مرکز پر زمینوں کو چھوڑ دیا تھا اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ آسمان بند تھے کہ ان سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین بند تھی کہ اس سے کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی تھی اللہ تعالیٰ نے آسمان کا منہ کھول دیا کہ بارشیں شروع ہو گئیں اور زمین کا منہ کھول دیا کہ فصلیں وغیرہ پیدا ہونی شروع ہو گئیں ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ﴾ اور کی ہم نے پانی سے ہر چیز زندہ۔ حیوانات نباتات وغیرہ عالم اسباب میں پانی کے محتاج ہیں باقی حجریات جمادات ہیں ان کو پانی کی ضرورت نہیں ہے۔ تو ان چیزوں کو دیکھ کر حق تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لانا چاہیے تھا ﴿اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ کیا پس وہ ایمان نہیں لاتے۔

اور سنیں! ﴿وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ﴾ اور بنائے ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ۔ ﴿رَوَاسِیَ﴾، رَاسِیَۃٌ کی جمع ہے مضبوط پہاڑ کو کہتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا فرمائی تو ہلتی تھی ظاہر بات ہے کہ اگر ایسے ہی رہتی تو اس میں لوگوں کا رہنا مشکل تھا۔ دیکھو! آج معمولی سا زلزلے کا جھٹکا لگتا ہے تو لوگ نہ جوتا دیکھتے ہیں نہ پگڑی کہ کہاں ہے، بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو اگر زمین ہلتی رہتی تو اس میں مکان کس طرح بنتے، کارخانے کس طرح بنتے تو اس میں بود و باش کس طرح ہو سکتی تھی؟ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو میخ کی طرح زمین میں ٹھونک دیا۔ سورہ نبا میں ہے ﴿وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ "اور کیا پہاڑوں کو زمین میں کیل کی طرح نہیں گاڑ دیا۔"

پہلا پہاڑ جبل ابو قبیس ہے ؟

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلا پہاڑ جبلِ قبیس ہے جو کعبۃ اللہ کے دروازے کے سامنے ہے اس کے نیچے سعودیہ والوں نے سرنگیں نکال لیں ہیں جو منیٰ کی طرف جا رہی ہیں۔ اسی پہاڑ کے اوپر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کی صدا لگائی تھی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ﴾ [حج: ۲۷] "اور اعلان

کرو لوگوں میں حج کا آئیں گے وہ تمھاری طرف پیدل اور پتلی دبلی اُونٹنیوں پر۔" جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرق، مغرب، شمال، جنوب کی طرف چہرہ کر کے آواز دی اے لوگو! جن کے پاس مال ہے ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حج فرض ہے لہٰذا تم حج کے لیے آؤ۔ آج جو حاجی لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ کہتے ہوئے وہاں پہنچتے ہیں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز کا جواب ہے۔

تو فرمایا ہم نے بنائے، رکھے زمین میں مضبوط پہاڑ ﴿اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ﴾ تاکہ ان کو لے کر جھک نہ پڑے۔ یہاں لا لفظوں میں نہیں ہے لیکن مقدر ہے۔ عربی قاعدے کے مطابق لِئَلَّا تَمِیْدَ بِهِمْ ہے۔ مگر یہ بات استاد کے بغیر سمجھ نہیں آسکتی جب استاد کے بغیر ترجمہ پڑھے گا تو حیران ہوگا کہ نہیں کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ تو بغیر استاد کے کوئی چیز سمجھ نہیں آتی۔ فرمایا ﴿وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا﴾ اور بنائے ہم نے زمین میں کشادہ راستے۔ کشادہ راستے کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب آدمی تنگ راستے میں پھنس جاتا ہے۔ بسا اوقات آدمی تنگ راستے میں پھنس جاتا ہے کہ خوشی غمی میں شریک ہونے سے رہ جاتا ہے جنازے میں شریک نہیں ہوسکتا۔ تو کشادہ راستہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں اس کا ذکر فرمایا ہے ﴿لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ﴾ تاکہ وہ راہنمائی حاصل کریں اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا﴾ اور بنایا ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بغیر کسی ستون اور دیوار کے۔

نظامِ قدرت کی پائیداری

ہم چھوٹی سی چھت بناتے ہیں تو اس کے نیچے دیواریں اور ستون کھڑے کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے کہ آسمان والی چھت بغیر کسی دیوار اور ستون کے محفوظ ہے۔ زلزلے آئیں یا جو کچھ بھی ہو اس پر کوئی اثر انداز نہیں ہوسکتا ﴿وَهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ﴾ اور وہ ان کی نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں۔ آسمان کتنا بلند ہے؟ پھر اس میں چاند، سورج، ستارے ہیں ان میں کچھ ثوابت ہیں جو اپنی جگہ قائم رہتے ہیں اور کچھ سیارے ہیں جو حرکت کرتے ہیں اور اتنی تیز حرکت کہ ایک منٹ میں لاکھوں کروڑوں میل طے کرتے ہیں کوئی مشرق کی طرف جاتا ہے کوئی مغرب کی طرف، کوئی شمال کی طرف، کوئی جنوب کی طرف اور آپس میں ٹکراتے بھی نہیں ہیں حالاں کہ دنیا میں گاڑی گاڑی کے ساتھ ٹکرا جاتی ہے، تانگا تانگے کے ساتھ ٹکرا جاتا ہے، جانور جانور کے ساتھ ٹکرا جاتا ہے، آدمی آدمی کے ساتھ ٹکرا جاتے ہیں لیکن آج تک کسی نے نہیں سنا ہوگا کہ ستارہ ستارے کے ساتھ ٹکرا گیا ہے۔ کیوں؟ ﴿ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴾ [یٰسین: ۳۸] "یہ اندازہ ٹھہرایا ہوا ہے زبردست علم والے کا۔" یہ اس خالق کا نظام ہے جو سب پر حاوی ہے۔ تو فرمایا یہ اس کی نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں۔

جب آدمی کی عقل ماری جائے تو غیر اللہ کی پوجا کرتا ہے

﴿وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے پیدا کیا رات کو ﴿وَالنَّهَارَ﴾ اور دن کو ﴿وَالشَّمْسَ﴾

اورسورج کو ﴿وَالْقَمَرَ﴾ اور چاند کو۔ ان سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے مگر ایسے بے وقوف لوگ بھی ہیں جو چاند سورج کی پوجا کرتے ہیں، درختوں کی پوجا کرتے ہیں ان کے خالق کی پوجا نہیں کرتے جب انسان کی عقل ماری جائے تو پھر یہی کچھ ہوتا ہے۔ اگر ہوش وحواس قائم ہوں تو سوچے کہ چاند، سورج، ستارے تو انسان سے زیادہ بے بس ہیں مجبور ہیں۔ جتنے اختیارات اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیئے ہیں وہ تو ان میں سے کسی کو حاصل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے بیٹھنے کا، اُٹھنے کا جب جی چاہے اٹھتا بیٹھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے چلنے کا آہستہ چلے تیز چلے، آگے جائے پیچھے مڑ جائے اختیار ہے۔ دائیں بائیں مڑنے کا اختیار ہے چاند سورج کو توان میں سے کوئی بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ آہستہ چلیں یا تیز چلیں یا دائیں بائیں مڑ سکیں نہ ستاروں کو یہ اختیار حاصل ہے۔ اس چھوٹے سے قد والے کو بڑے اختیارات دیئے گئے ہیں تو یہ بے وقوف اتنے اختیار والا ہو کر جھکتا ہے چاند، سورج، ستاروں کے آگے محض ان کی چمک دمک دیکھ کر، یہ نری حماقت ہے اور مشرکوں کی حماقت کا واقعہ قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے۔

چاند، سورج کی پجارن ملکہ سبا کے آنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے محل کے صحن میں ایسے انداز سے شیشہ لگوایا کہ وہ پانی محسوس ہوتا تھا جب وہ محل میں داخل ہونے کے لیے چلی تو ٹانگوں سے کپڑا اونچا کر لیا کہ پانی سے گزرنا ہے کہیں میری شلوار بھیگ نہ جائے سورۂ نمل آیت نمبر ۴۴ میں ہے ﴿قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ﴾ "کہا گیا اس عورت سے داخل ہو جا محل میں ﴿فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً﴾ جب دیکھا اس کو تو گمان کیا اس کو پانی کی موج ﴿وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا﴾ اور اس نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھایا قَالَ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ﴾ یہ ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔" اس سے سلیمان علیہ السلام اس کو بتانا چاہتے تھے کہ تمھاری عقل اتنی ہے کہ تم یہ بھی نہیں سمجھ سکی کہ یہ شیشہ ہے یا پانی ہے۔ پانی سمجھ کر تو نے پنڈلیاں ننگی کر لی ہیں شیشے کی چمک دمک کو تو نے پانی سمجھ لیا ہے اور سورج کی چمک کو دیکھ کر اس کو الٰہ بناتی رہی ہے۔ اس کو عقل کی خامی بتلائی۔ ایسا نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے سنا ہوا تھا کہ اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں اور وہ بال دیکھنے کے لیے یہ تدبیر کی۔ حاشا وکلا! ایسی کوئی بات نہیں ہے بس اس کو بتانا چاہتے تھے کہ تمھاری اتنی عقل ہے کہ تم پانی اور شیشے میں فرق نہیں کر سکی۔

فرمایا ﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ ہر ایک اپنے دائرے میں تیرتے ہیں۔ سورج اپنے مدار میں چلتا ہے، چاند اپنے مدار میں چلتا ہے، ستارے اپنے مدار میں چلتے ہیں کیا مجال ہے کہ اپنی رفتار میں کمی بیشی کر سکیں یا دائیں بائیں ہو جائیں حاشا وکلا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کھری باتیں سن کر کافر کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہماری جان چھڑا دے اس نے ہمارے خداؤں کو ذلیل وخوار کر کے رکھ دیا ہے ہمارا سکون برباد کر دیا ہے، لڑائیاں شروع کرادی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ اور نہیں بنایا ہم نے کسی بشر کے لیے آپ سے پہلے ہمیشہ زندہ رہنا۔ ہمیشہ کی زندگی ہم نے کسی کو نہیں دی ﴿اَفَاۡئِنْ مِّتَّ﴾ کیا پس اگر آپ وفات پا جائیں ﴿فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾ پس یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ کسی کے فوت ہو جانے سے خوشی تو

حب ہو کہ اس نے زندہ رہنا ہو۔ موت تو سب کے لیے ہے کوئی کل گیا کوئی آج گیا کوئی کل چلا جائے گا۔ لیکن اپنی اپنی سوچ ہے ان کا خیال تھا کہ اس نے ہمیں بے آرام کیا ہوا ہے ہر وقت لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ ہی سناتا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود، مشکل کشا نہیں ہے یہ فوت ہو جائے گا تو ہماری جان چھوٹ جائے گی۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا یہ فوت ہو گیا تو تم زندہ رہو گے؟ سب نے مرنا ہے۔

قادیانیوں کا غلط استدلال

قادیانی اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں کیوں کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کے لیے ہمیشگی نہیں بنائی۔ تو قادیانیوں کا اس آیت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ آیت کریمہ میں ہمیشگی کی نفی ہے اور کوئی بھی مسلمان اس کا قائل نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہمیشگی حاصل ہے اور ان پر موت نہیں آئے گی۔ بلکہ مسلمانوں کا یہ نظریہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں سے نازل ہوں گے چالیس سال حکومت کریں گے اس کے بعد فوت ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک میں ان کو دفن کیا جائے گا۔

تو خلد کے معنیٰ ہمیشگی کے ہیں اور ہمیشگی کسی کے لیے نہیں ہے۔ شیطان کو دیکھ لو ہزار ہا سال سے زندہ چلا آ رہا ہے جنات کی تخلیق آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے ہوئی ہے اور مورخین بتاتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کو سات ہزار سال ہو چکے ہیں۔ جو لوگ لاکھوں کروڑوں کہتے ہیں یہ خرافات ہیں سات ہزار سال ہوئے ہیں اور دو ہزار سال پہلے کے، تو نو ہزار سال سے شیطان زندہ ہے لیکن وہ بھی اپنے وقت پر مرے گا۔ فرشتے جنات سے بھی پہلے کی مخلوق ہے ان پر بھی موت آئے گی حتیٰ کہ جان نکالنے والا فرشتہ بھی مرے گا بقا کسی کے لیے نہیں ہے بجز پروردگار کے ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ [رحمٰن: ۲۷]

تو فرمایا ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ﴾ ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے۔ موت سے کسی کو چارہ نہیں ہے ﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ اور ہم تمہارا امتحان لیں گے تکلیف کے ساتھ اور راحت پہنچا کر آزمائش کے لیے۔ کبھی انسان بیمار ہو جاتا ہے، کبھی مال کی قلت ہو جاتی ہے، کبھی اولاد کی پریشانی ہوتی ہے، کبھی راحت آرام ہوتا ہے، مال، اولاد کی فراوانی ہوتی ہے۔ یہ سب انسان کے لیے امتحانات ہیں۔ مومن وہ ہے جو ہر حال میں اپنا تعلق رب تعالیٰ کے ساتھ قائم رکھتا ہے اور ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب فرشتے کسی کے بیٹے کی روح قبض کر کے لے جاتے ہیں تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے بیٹے کی تم نے روح قبض کی تو اس نے کیا کہا تھا تو فرشتے کہتے ہیں پروردگار! اس نے کہا تھا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے اس بندے کے لیے جنت میں ایک محل بنا دو اور اس کا نام رکھو "بیت الحمد" اور اس بات پر گواہ رہو کہ اس نے اس حال میں بھی میری تعریف کی ہے ﴿وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ اور ہماری ہی طرف تم لوٹائے جاؤ گے، آنا ہمارے پاس ہی ہے۔

فرمایا ﴿وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا﴾ اور جب دیکھتے ہیں آپ کو وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا﴾ نہیں بناتے وہ آپ کو مگر ٹھٹھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی گلی سے گزرتے تھے یا بازار جاتے تھے تو مشرک ایک دوسرے کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے ﴿اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ﴾ کیا یہ وہ شخص ہے جو ذکر کرتا ہے تمھارے خداؤں کا۔ یہ تمھارے الٰہوں کی تردید اور رد کرتا ہے۔ مذاق اُڑاتے تھے وہ اپنے الٰہوں کو نہیں بھولتے ﴿وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ حالاں کہ وہ رحمٰن کے ذکر کے منکر ہیں۔ رب کے ذکر سے غافل ہیں اس کے احکامات کو ٹالتے ہیں اس کا کوئی خیال نہیں ہے۔ انسان کی عادت ہے کہ اپنا عیب نظر نہیں آتا دوسروں کی طرف دھیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ﴾ پیدا کیا گیا انسان ﴿مِنْ عَجَلٍ﴾ جلد باز ﴿سَاُورِیْكُمْ﴾ عنقریب میں دکھاؤں گا تم کو ﴿اٰیٰتِیْ﴾ اپنی نشانیاں ﴿فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ﴾ پس تم جلدی نہ کرو مجھ سے ﴿وَ یَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے ہیں یہ لوگ ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ کب ہوگا یہ وعدہ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ﴾ اگر جان لیں وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ﴾ جس وقت نہیں روک سکیں گے ﴿عَنْ وُّجُوْهِهِمُ﴾ اپنے چہروں سے ﴿النَّارَ﴾ آگ کو ﴿وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ﴾ اور نہ اپنی پشتوں سے ﴿وَ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴾ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿بَلْ تَاْتِیْهِمْ﴾ بلکہ آئے گی ان کے پاس ﴿بَغْتَةً﴾ اچانک ﴿فَتَبْهَتُهُمْ﴾ پس ان کو حیران کر دے گی آگ ﴿فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا﴾ پس وہ طاقت نہیں رکھیں گے اس کو رد کرنے کی ﴿وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ﴾ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ﴿وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ﴾ اور البتہ تحقیق ٹھٹھا کیا گیا ﴿بِرُسُلٍ﴾ کئی رسولوں کے ساتھ ﴿مِّنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿فَحَاقَ﴾ پس گھیر لیا ﴿بِالَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿سَخِرُوْا مِنْهُمْ﴾ جنھوں نے ٹھٹھا کیا تھا ان میں سے ﴿مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اس عذاب نے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ یَّكْلَؤُكُمْ﴾ کون حفاظت کرتا ہے تمھاری ﴿بِالَّیْلِ﴾ رات کو ﴿وَ النَّهَارِ﴾ اور دن کو ﴿مِنَ الرَّحْمٰنِ﴾ رحمٰن کی گرفت سے ﴿بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ﴾ بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے ﴿مُّعْرِضُوْنَ﴾ اعراض کرتے ہیں ﴿اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾ کیا ان کے معبود ہیں ﴿تَمْنَعُهُمْ﴾ جو ان کو بچائیں گے ﴿مِّنْ دُوْنِنَا﴾ ہماری گرفت کے سامنے ﴿لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ﴾ نہیں طاقت رکھتے وہ اپنی جانوں کی مدد کی ﴿وَ لَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ﴾ اور نہ وہ ہماری گرفت سے بچائے جا سکتے ہیں۔

رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کرنے والوں کا انجام

کل کے درس میں تم نے پڑھا ﴿وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا﴾ "اے نبی کریم ﷺ! یہ کافر جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کے ساتھ مسخرہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کیا یہ وہ شخص ہے جو تمھارے معبودوں کی تردید کرتا ہے۔" آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ان کو سوچنا چاہیے، غور و فکر کرنی چاہیے کہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ یہ اس کے لیے جلد بازی نہ کریں، باقی انسان ہے جلد باز۔

جلد بازی اچھی چیز نہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ پیدا کیا گیا ہے انسان جلد باز۔ انسان ہر چیز میں جلدی کا خواہش مند ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: اَلتُّؤَدَةُ مِنَ الرَّحْمٰنِ وَ الْعُجْلَةُ مِنَ الشَّیْطٰنِ "بردباری اور تحمل کے ساتھ کام کرنا رب تعالیٰ کی طرف سے ایک صفت ہے اور جلد بازی یہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔" کسی قول، فعل میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔

لطیفہ

کہتے ہیں کہ ایک آدمی کا نام تھا خدا بخش۔ یہ کسی مسجد میں گیا تو کسی نے اس سے پوچھا کہ تمھارا نام کیا ہے؟ اس نے ابھی خدا کا لفظ منہ سے نکالا تو اس نے ڈنڈا مار دیا کہ تو خدا بنا پھر رہا ہے۔ تو اس جلد باز نے بخش کہنے ہی نہیں دیا اس سے پہلے اس کا سر پھوڑ دیا۔ تو جلد بازی بہت بری چیز ہے۔ اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے: لَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا "ایسی بات نہ کرو کہ کل اس پر معذرت کرنا پڑے، پچھتانا پڑے۔" پہلے سوچو پھر بولو۔ جلد بازی قول میں ہو یا فعل میں ہو مذموم ہے۔ یہ سبق کے طور پر یاد رکھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ﴾ عنقریب میں دکھاؤں گا تم کو اپنی نشانیاں ﴿فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ﴾ پس تم جلدی نہ کرو مجھ سے ان کا مطالبہ۔ تم جو کہتے ہو کہ اگر آپ سچے ہیں اور ہم جھوٹے ہیں ہمارا مذہب جھوٹا ہے تو پھر ہم آپ کے رب کو کہتے ہیں ﴿فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ [الانفال: ۳۲] "پھر برسادے ہم پر پتھر آسمان کی طرف سے یا لے آ ہمارے پاس کوئی دردناک عذاب۔" فرمایا تم مجھ سے جلدی نہ کرو میں تمھیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھاؤں گا پھر تم پچھتاؤ گے۔

حضور ﷺ کی بددعا

جب کافروں نے آنحضرت ﷺ کی بات نہ مانی اور ظلم و جور کی انتہا کر دی تو آپ ﷺ نے بددعا فرمائی اے پروردگار! ان پر اس طرح کے سال مسلط فرما قحط سالی کے جس طرح کے حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں تھے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر قحط سالی مسلط فرمائی حَتّٰى اَكَلُوا الْمَیْتَةَ وَالْجُلُوْدَ وَالْعِظَامَ "یہاں تک کہ انھوں نے

مردار کھائے، چمڑے کھائے اور ہڈیاں کھائیں۔" چمڑے پانی میں بھگو بھگو کر کھاتے تھے اور ہڈیاں پیس کر پھانکتے تھے۔ آنکھیں کھولتے تھے تو بھوک کی وجہ سے اندھیرا اندھیرا نظر آتا تھا اور بخاری شریف کی اسی روایت میں ہے کہ ابوسفیان جو اس وقت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نہیں ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے پاک جگہ میں بددعا کی ہے قحط سالی کی جس کی وجہ سے آپ کی برادری بھوکی مر رہی ہے۔ ان کے لیے دعا کریں کہ رب تعالیٰ ان کو خوب سیر کر کے روٹی دے۔ فرمایا چچا جی! ان کو کہو اللہ تعالیٰ کی توحید قبول کر لیں، میری رسالت مان لیں، قیامت کا اقرار کریں۔ ابوسفیان نے کہا نہ نہ، یہ بات نہ کریں۔ اب اس ضد کا دنیا میں کوئی علاج ہے؟ یہ لوگ دنیا کے اعتبار سے بڑے سمجھ دار تھے مگر دین کے معاملے میں ضد نے ان کو دور رکھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کا جواب

ان کے ضدی ہونے کا اندازہ یہاں سے لگاؤ کہ ۶ ھ میں جب صلح حدیبیہ کی شرائط لکھنا تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھوایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کہنے لگے یہ نہیں لکھنا کیوں کہ یہ تمھارا عقیدہ ہے۔ ہم اس طرح لکھوائیں گے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ تو بسم اللہ کو مٹا کر یہ لکھنا پڑا۔ اور جب یہ جملہ لکھا: هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ محمد رّسول ﷺ۔ تو قریش کے نمائندے سہیل ابن عمرو نے کہا اگر ہم آپ کو رسول اللہ مان لیں تو پھر جھگڑا کس چیز کا ہے۔ رسول اللہ کے لفظ کو مٹاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھ رہے تھے کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ زود نویس بھی تھے اور خوش نویس بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: يَا عَلِيُّ اُمْحُ رسول اللہ ﷺ "اے علی! رسول اللہ کا لفظ مٹا دو۔" اس کی جگہ لکھو مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قسم اُٹھا کر کہا: وَ اللّٰهِ لَا اَمْحُ اَبَدًا "اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں کبھی نہیں مٹاؤں گا۔"

اب ہم رافضیوں سے پوچھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات اور حکم نہیں مانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مٹا دو "رسول اللہ" کا لفظ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا کر کہا کہ میں اس لفظ کو کبھی نہیں مٹاؤں گا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی فتویٰ لگانا چاہیے کہ نہیں؟ کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی ہے۔ یا یہ فتویٰ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ہے۔ وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف بہت زیادہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قلم دوات لاؤ میں تمھیں کچھ لکھ کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے بعد جھگڑا نہ کرنا۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ "اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے پاس ہے۔" (اور اس میں ہے ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ "اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو۔") یہ واقعہ پیش کر کے رافضی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا قلم دوات لانے کا اور عمر رضی اللہ عنہ نے روک دیا، لانے نہیں دیا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے کافر ہو گئے۔

سوال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو حکم نہیں دیا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! قلم دوات لاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

تکلیف زیادہ تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ لفظ فرمائے حسبنا کتاب اللہ "ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے۔" تو تم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ارتداد کا فتویٰ لگاتے ہو اور وہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام لے کر فرمایا اے علی! "رسول اللہ" کا لفظ مٹا دو۔ اور انھوں نے کہا اللہ کی قسم! میں یہ لفظ کبھی نہیں مٹاؤں گا۔ تو یہاں فتویٰ کیوں نہیں لگاتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی ہے۔ ہمارے نزدیک تو نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کوئی فتویٰ ہے اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی فتویٰ ہے دونوں نے محبت کی وجہ سے کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی محبت کی بنا پر فرمایا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت تکلیف بہت زیادہ تھی۔ فرمایا حضرت! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے ہم اس پر عمل کریں گے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی محبت کی بنا پر کہا کہ کافروں کے نمائندہ کے سامنے دل گوارا نہیں کرتا کہ "رسول اللہ" کا لفظ کاغذ سے مٹاؤں۔ حقیقت اتنی ہی ہے مگر ضد کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہیں۔

اذان میں ترجیع کی وجہ

ضد کی ایک اور مثال سمجھ لو۔ یہ جو غیر مقلد ہیں یہ شہادتین میں ترجیع کرتے ہیں۔ دو دو مرتبہ آہستہ آہستہ اور دو دو مرتبہ زور زور سے۔ یہ بھی ضد کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں ورنہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اصل واقعہ اس طرح ہے کہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا اذانیں شروع ہوئیں بچوں نے اذان کی نقل اُتارنا شروع کی۔ بچوں کی عادت ہے نقالی کرنا۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو اذان کی نقل اُتار رہے تھے ان میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جن کا نام سمرہ بن مُعیر تھا یہ دیگر بچوں سے زیادہ عمر والے تھے اور آواز بھی سریلی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پکڑ کر کہا کہو کیا کہتے تھے۔ اس نے اللہ اکبر، اللہ اکبر زور سے کہا کیوں کہ اس جملہ کے سبب سے اس کے عقیدہ پر زد نہیں پڑتی تھی لیکن جب شہادتین کے جملوں پر آیا تو وہ آہستہ آہستہ کہے کیوں کہ عقیدہ پر زد پڑتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِرْجِعْ فَامْدُدْ مِنْ صَوْتِكَ "پھر کہو اور اُونچی کہو۔"

اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی مسلمان ہو گئے۔ پھر انھوں نے کہا کہ حضرت! مجھے موذّن مقرر کر دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم موذّن ہو۔ تو وہ دوہری اذان کہتے تھے کیوں کہ انھوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ایک دفعہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آہستہ کہا اور ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند کہلوایا۔ حالاں کہ یہاں تعلیم اذان نہ تھی بلکہ اس کے دل میں شہادتین سے جو نفرت تھی اسے کم کرنا تھا باقی مدینہ طیبہ میں کسی نے دوہری اذان نہیں دی۔ نہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نہ حضرت عبداللہ ابن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ نہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ نے اور حضرت زیاد بن حارث رضی اللہ عنہم وغیرہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ میں موذن تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے مدینہ طیبہ میں کبھی دوہری اذان نہیں ہوئی۔ ان تمام دلائل کے ہوتے ہوئے بھی وہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اب اس ضد کا کیا علاج ہے؟

فرمایا تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو میں خود تمھیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا ﴿وَيَقُولُونَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ یہ وعدہ کب پورا ہوگا ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے تو عذاب کا وعدہ پورا کرو، عذاب لاؤ۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اگر جان لیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ﴾ جس وقت نہیں روک سکیں گے ﴿عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ﴾ اپنے چہروں سے آگ کو ﴿وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ﴾ اور نہ اپنی پشتوں سے ﴿وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ اس وقت پتا چلے گا کہ کون سا عذاب مانگتے تھے۔ نہ جنت دور ہے نہ دوزخ دور ہے آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حِفَرِ النِّيْرَانِ "قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔" تو اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے ﴿بَلْ تَأْتِيْهِمْ بَغْتَةً﴾ بلکہ آئے گی ان کے پاس اچانک۔ موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں ہے۔ اچانک جب تمھاری موت آئے گی ﴿فَتَبْهَتُهُمْ﴾ پس ان کو حیران کردے گی آگ ﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا﴾ پس نہیں طاقت رکھیں گے اس کے رد کرنے کی۔ رد تو وہ کرسکتا ہے جو معاذ اللہ تعالیٰ رب سے طاقت ور ہو ﴿وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ فوراً عذاب کا تعلق ان کے ساتھ قائم کردیا جائے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں کہ اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں ہے اور نہ گھبرانے کی ضرورت ہے ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ اور البتہ تحقیق ٹھٹھا کیا گیا کئی رسولوں کے ساتھ آپ سے پہلے ﴿فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ﴾ پس گھیر لیا ان لوگوں کو جنھوں نے ٹھٹھا کیا تھا ان میں سے ﴿مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اس عذاب نے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے کہ ہم پر پتھر برساؤ نا، آگ لاؤ نا، جو عذاب لانا ہے لاؤ۔ تو اس عذاب میں وہ پکڑے گئے دنیا میں اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔

آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ﴾ کون حفاظت کرتا ہے تمھاری رات کو ﴿وَالنَّهَارِ﴾ اور دن کو ﴿مِنَ الرَّحْمٰنِ﴾ رحمٰن کے عذاب سے رب تعالیٰ کی گرفت سے کون بچاتا ہے۔ رحمان ہی تو ہے جو تمھاری حفاظت کرتا ہے اس نے تمھاری حفاظت کے لیے دس فرشتے دن کو اور دس فرشتے رات کو مقرر کیے ہیں جب تک حفاظت رب تعالیٰ کو منظور ہوتی ہے۔ ﴿بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرتے ہیں ﴿اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾ کیا ان کے معبود ہیں۔ حاجت روا ہیں، مشکل کشا ہیں، فریادرس ہیں، دست گیر ہیں ﴿تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا﴾ جو ان کو بچائیں گے ہماری گرفت کے سامنے۔ لات، منات، عزیٰ، کوئی پیر فقیر ہے؟ رب تعالیٰ کی گرفت سے کون بچا سکتا ہے؟

اختیارات سارے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں

دیکھو! کائنات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی ہستی کوئی نہیں ہے۔ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سارے خاندان کو جمع کیا اپنی پھوپھی کو بھی، اپنی بیٹی کو بھی اور فرمایا: اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ

فَاِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا "اپنی جانوں کو آگ سے بچالو، اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچالو میں تمھیں رب تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچاسکتا۔" فرمایا میری بیٹی سِلِیْنِیْ مِنْ مَّالِیْ مَا شِئْتِ "میرے پاس جو مال ہے مجھ سے مانگو میں دوں گا دریغ نہیں کروں گا لیکن اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ تمھیں اپنے آپ کو دوزخ سے بچانا ہے دوزخ کے عذاب سے میں نہیں بچاسکوں گا۔" یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ جب آنحضرت ﷺ کسی کو نہیں بچاسکتے اور کون ہے جو بچاسکے کسی کو یا بچائے گا۔ عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین فوت ہوگیا۔ آپ ﷺ نے اپنا کرتہ مبارک اس کو بطور کفن کے پہنایا، اپنا لعاب مبارک اس کے بدن پر ملا، اس کا جنازہ پڑھایا جس میں اس کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ آپ ﷺ کی اقتدا میں سب صحابہ کرام تھے رضی اللہ عنہم۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ معصوم پیغمبر جنازہ پڑھائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنازہ پڑھیں اور کہیں اے پروردگار! اس کو بخش دے اور رب تعالیٰ قرآن پاک میں فرمائیں کہ ایک دفعہ نہیں ستر مرتبہ بھی استغفار کریں میں نہیں بخشوں گا۔ جو لوگ غیر اللہ کے پیچھے دوڑے پھرتے ہیں انھوں نے خدا کو سمجھا ہی نہیں ہے اور نہ ہی خدائی اختیارات کو سمجھا ہے۔ یہ ملنگوں کے خورجے سمجھتے ہیں جس کو تقسیم کر کے دے دیں۔ رب، رب ہے اس نے اپنے اختیارات کسی کو نہیں دیئے۔

تو فرمایا کیا ان کے پاس الٰہ ہیں جو ان کو ہمارے عذاب سے بچائیں گے ﴿لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ﴾ نہیں طاقت رکھتے وہ ان کے الٰہ اپنی جانوں کی مدد کی۔ جن کو یہ الٰہ سمجھتے ہیں وہ اپنی جانوں کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ دیکھو! عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہیں، مشکل کشا مانتے ہیں، منجی مانتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب سولی پر چڑھایا گیا تو انھوں نے کہا: اِیْلِیْ اِیْلِیْ لِمَا سَبَقْتَنِیْ "اے میرے رب، اے میرے رب، آپ نے مجھے ان کے ہاتھوں کیوں پھنسا دیا ہے۔" اب سوال یہ ہے جو اپنے آپ کو نہیں بچاسکتا وہ تمھیں کیا بچائے گا اور وہ تمھارا منجی کیسے بنے گا؟ کیوں کہ عیسائیوں کا یہ بھی نظریہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے او بے ایمانو! گناہ تم کرو دو ہزار سال بعد اور ان کا کفارہ ہو جائے دو ہزار سال پہلے۔ اُلٹی منطق ہے۔ فرمایا ﴿وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ﴾ اور نہ وہ ہماری گرفت سے بچائے جاسکتے ہیں۔ نہ وہ تمھارے مالک ہیں نہ وہ اپنی جانوں کے مالک ہیں۔ مالک صرف رب تعالیٰ کی ذات ہے۔

﴿بَلْ مَتَّعْنَا﴾ بلکہ ہم نے فائدہ دیا ﴿هٰٓؤُلَآءِ﴾ ان لوگوں کو ﴿وَاٰبَآءَهُمْ﴾ اور ان کے آباء واجداد کو ﴿حَتّٰى طَالَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ﴾ یہاں تک کہ لمبی ہوگئی ان کی عمر ﴿اَفَلَا یَرَوْنَ﴾ کیا پس یہ دیکھتے نہیں ہیں ﴿اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ﴾ بے شک ہم چلے آتے ہیں زمین پر ﴿نَنْقُصُهَا﴾ ہم اس کو گھٹاتے ہیں ﴿مِنْ اَطْرَافِهَا﴾ اس کے کناروں سے ﴿اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ کیا پس یہ غالب آئیں گے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَآ﴾ پختہ بات ہے ﴿اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ﴾ میں تمھیں ڈراتا ہوں وحی کے ساتھ ﴿وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ﴾ اور نہیں سنتے بہرے لوگ پکار کو ﴿اِذَا

﴿مَا يُنْذَرُوْنَ﴾ جس وقت ان کو ڈرایا جائے ﴿وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ﴾ اور اگر پہنچے ان کو ﴿نَفْحَةٌ﴾ ایک جھونکا ﴿مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ﴾ تیرے رب کے عذاب کا ﴿لَيَقُوْلُنَّ﴾ البتہ ضرور کہیں گے ﴿يٰوَيْلَنَآ﴾ ہائے افسوس ہم پر ﴿اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ بے شک ہم ظالم تھے ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ﴾ اور ہم رکھیں گے ترازو انصاف کے ﴿لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا﴾ پس نہیں ظلم کیا جائے گا کسی نفس پر کسی شے کا ﴿وَاِنْ كَانَ﴾ اور اگر ہوگا عمل ﴿مِثْقَالَ حَبَّةٍ﴾ ایک دانے کے برابر ﴿مِّنْ خَرْدَلٍ﴾ رائی کے ﴿اَتَيْنَا بِهَا﴾ ہم لائیں گے اس کو ﴿وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾ اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے ﴿مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ موسیٰ علیہ السلام کو اور ہارون علیہ السلام کو ﴿الْفُرْقَانَ﴾ فیصلہ کن چیز ﴿وَضِيَآءً﴾ اور روشنی ﴿وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور نصیحت پرہیزگاروں کے لیے ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ﴿يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بن دیکھے ﴿وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ﴾ اور وہ قیامت سے ﴿مُشْفِقُوْنَ﴾ خوف رکھتے ہیں ﴿وَهٰذَا ذِكْرٌ﴾ اور یہ قرآن پاک ایسی کتاب ہے ﴿مُّبٰرَكٌ﴾ برکت والی ﴿اَنْزَلْنٰهُ﴾ ہم نے اس کو نازل کیا ﴿اَفَاَنْتُمْ﴾ کیا پس تم ﴿لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾ اس کا انکار کرتے ہو۔

کل کے سبق میں آپ حضرات نے پڑھا تھا ﴿اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا﴾ "کیا ان کے لیے اور الٰہ ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہیں ہمارے سوا۔" ان کی حاجات پوری کرتے ہیں ہمارے سوا، مشکلات حل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ بات نہیں ہے ﴿بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ﴾ بلکہ ہم نے فائدہ دیا ان لوگوں کو۔ جو اس وقت موجود ہیں ان سب کو ہم نے فائدہ دیا، بدن دیا، بدن کے اعضاء دیئے، خوراک دی، لباس دیا ظاہری، باطنی نعمتیں ہم نے ان کو دیں ﴿وَاٰبَآءَهُمْ﴾ اور ان کے آباؤ اجداد کو۔ جو ان سے پہلے تھے ان کو بھی ہم نے نفع دیا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون داتا ہے؟ دینے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ داتا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ﴿حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ﴾ یہاں تک کہ لمبی ہوگئی ان کی عمر۔ ان لوگوں کی عمریں زیادہ تھیں لمبی عمروں میں انھوں نے رب تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھایا ﴿اَفَلَا يَرَوْنَ﴾ کیا پس یہ کافر دیکھتے نہیں ہیں ﴿اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ﴾ بے شک ہم چلے آتے ہیں زمین پر، زمین کی طرف ﴿نَنْقُصُهَا﴾ ہم اس کو گھٹاتے ہیں ﴿مِنْ اَطْرَافِهَا﴾ اس کے کناروں سے ﴿اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ کیا پس یہ غالب آئیں گے۔

تھوڑے سے عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب فرمایا

مسلمانوں کے پاس زمین کم تھی کافروں کے پاس بہت زیادہ تھی۔ ساری دنیا میں کفر ہی کفر تھا الا ماشاء اللہ۔ مدینہ طیبہ میں معیشت اور سیاست کے اعتبار سے یہودی غالب تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے

تھوڑے عرصہ میں حق کو غالب فرمایا اور پورے مدینہ طیبہ پر کنٹرول حاصل ہو گیا۔ اس سے یہودی بڑے خائف ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہر قسم کے منصوبے بنائے یہاں تک کہ قتل کا منصوبہ بھی تیار کیا لیکن جس کو رب رکھے اس کو کون چکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مدینہ طیبہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کیے پھر اللہ تعالیٰ نے اردگرد کی بستیوں پر کنٹرول عطا کیا۔ ہجرت کے ساتویں سال خیبر فتح ہوا اور اس کے ساتھ ہی یہودیوں کی کمر ٹوٹ گئی ہجرت کے آٹھویں سال مکہ مکرمہ فتح ہوا جس سے مشرکوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ پھر طائف فتح ہوا، اوطاس فتح ہوا پھر نجران فتح ہوا اور تقریباً ساری سرزمین عرب پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں قبرص کا علاقہ فتح ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شام، عراق، مصر، ایران، افغانستان فتح ہوا۔ وہ وقت بھی آیا کہ کاشغر تک جو کہ چین کا صوبہ ہے اور اس وقت بھی تقریباً دس کروڑ مسلمان وہاں موجود ہیں۔ اس طرح کافروں کی زمین گھٹتی چلی گئی اور مسلمانوں کی زمین بڑھتی چلی گئی۔ سرزمین عرب پر دوسرے نمبر پر یہودیوں کی آبادی تھی، عیسائی بھی تھے، مجوسی بھی تھے اور ایک فرقہ صابئین کا بھی تھا مگر ان کی تعداد کم تھی اور کنٹرول سب پر اسلام کا تھا۔ لیکن یہودی انتہائی قسم کے سازشی تھے ان میں سب سے زیادہ پیش پیش عبداللہ ابن سبا یمنی یہودی تھا۔ مسلمان ہو کر اس نے وہ کچھ کیا کہ خدا پناہ! یہ جتنے باطل اور غلط نظریات ہیں سب اسی کے اختراع کیے ہوئے ہیں۔ یہ یہود و نصاریٰ بہت خطرناک ہیں۔ اسلام کے خلاف ہر وقت سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَخْرِجُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ)) "یہود و نصاریٰ کو عرب کے جزیرہ سے نکال دینا۔" یہ تمھیں سکھ کا سانس نہیں لینے دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا ہے یہ قومیں مسلمانوں کی ازلی دشمن ہیں۔

یہود و نصاریٰ کی چال

اس وقت یہودی تجارت کے ذریعے ساری دنیا پر قابض ہیں۔ امریکہ بھی ان کے سامنے مجبور ہے۔ سب فیکٹریاں کارخانے یہودیوں کے ہیں اور عیسائی مشنریاں پوری دنیا میں عیسائیت پھیلانے اور مسلمانوں کو مٹانے پر لگی ہوئی ہیں۔ اس وقت دیکھو! صومالیہ میں کیا ہو رہا ہے۔ صومالیہ میں سوا کروڑ آبادی ہے اور اٹھانوے فیصد مسلمان ہیں پختہ قسم کے۔ ان کی پختگی کا اندازہ یہاں سے لگاؤ کہ پورے چالیس سال عیسائی مشنریاں وہاں کام کرتی رہی ہیں اور چالیس سالوں میں ایک آدمی بھی عیسائی نہیں بنا سکے۔ امریکہ نے اپنے پادریوں کی سرزنش کی کہ ہم نے تم پر اتنا روپیہ خرچ کیا ہے تم نے چالیس سالوں میں ایک آدمی بھی عیسائی نہیں بنایا۔ ایک رپورٹ کے مطابق اب وہاں سے اپنی مشنریاں نکال رہے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

اب وہاں دوسرے طریقے سے حملہ آور ہو رہے ہیں۔ وہاں تیل کے چشمے اتنے ہیں کہ اگر سارے نکل آئیں تو سعودیہ سے بھی وہاں تیل زیادہ ہے اور صومالیہ کے ساتھ سوڈان لگتا ہے۔ سوڈان کے حکمران نے بڑے احسن طریقے سے تھوڑی تھوڑی کر کے اسلامی اصطلاحات نافذ کی ہیں۔ کل تک جو بھوکے مرتے تھے اب کافی حد تک گندم میں وہ خود کفیل ہو گئے ہیں۔ امریکہ

چوں کہ اسلام سے خائف ہے ان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اقوام متحدہ کو استعمال کر رہا ہے۔ اب وہاں سات ہزار پاکستانی فوج بھیجی گئی ہے اپنوں کے ساتھ لڑنے کے لیے۔ شروع شروع میں چار پانچ امریکی مرے ہیں اور بس۔ اب پاکستانی فوج آگے آگے ہے اور بھارت کے فوجیوں کو ہسپتالوں پر لگایا ہوا ہے وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے ہیں اور یہ لڑتے ہیں۔ وہ بھی نمازیں پڑھتے ہیں اور یہ بھی نمازیں پڑھ کر ان پر حملہ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں پاکستانیوں تم ہمارے ساتھ کیوں لڑتے ہو تم ہمیں امریکہ کے ساتھ لڑنے دو ہم اس کے ساتھ نمٹ لیں گے مگر یہ ہمارے سارے لٹو ہیں ان کے ہاتھوں استعمال ہو رہے ہیں۔ یہ بڑی خبیث قومیں ہیں ان سے رب بچائے۔ یہ نہیں چاہتے کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں مسلمان اسلام پر قائم رہیں ہر جگہ ان خبیث قوموں نے ٹانگیں اڑائی ہوئی ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ سارے مسلمان ہمارے دست نگر بن کے رہیں اور کنٹرول ان کے پاس رہے۔ علماء چیختے چلاتے ہیں لیکن ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی جو کچھ امریکہ کہتا ہے وہ کچھ کرتے ہیں۔

وہاں کے علماء نے ہمارے ساتھیوں کے ساتھ رابطہ کیا۔ ملک عبدالرؤف صاحب نصرۃ العلوم کے فارغ ہیں اور متحدہ علماء کونسل کے ممبر ہیں انھوں نے کہا کہ تم اپنا وفد بھیجو اور ہمارے حالات معلوم کرو اور ہمیں بتاؤ کہ پاکستانی فوج ہمارے ساتھ کیوں لڑتی ہے۔ یہاں سے وفد گیا جس میں زاہد (مولانا زاہد الراشدی صاحب) بھی گیا تھا۔ اسی سوموار کو واپس آئے ہیں۔ حالات سن کر بڑی حیرانی ہوتی ہے۔ نیروبی گئے تھے وہ کہتے ہیں کہ تم مسلمان ہو کر ہم مسلمانوں پر گولیاں چلاتے ہو نمازیں پڑھ کر۔ ہمیں امریکہ کے مقابلہ میں چھوڑ دو۔ مگر امریکہ نے اپنے مقاصد کے لیے پاکستانیوں کو آگے کیا ہوا ہے۔ یہ بڑی خبیث قومیں ہیں۔ جب افغانستان میں طالبان کو کامیابی ملی تھی میں نے اس وقت کہا تھا کہ اب امریکہ ان کو آپس میں لڑائے گا۔ کبھی حکمت یار کے ساتھ لڑائی ہو جاتی ہے کبھی مسعود شاہ کے ساتھ، آپس میں لڑائی ہو رہی ہے اور لڑ مر رہے ہیں۔

تو فرمایا کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین پر چلے آتے ہیں اور ہم زمین کو گھٹاتے ہیں اطراف سے کافروں کے قبضے سے نکالتے ہیں اور اسلام کے نیچے لاتے ہیں۔ کیا یہ کافر غالب آئیں گے۔ قُلْ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ﴾ پختہ بات ہے میں تمھیں ڈراتا ہوں وحی کے ساتھ۔ اپنے پاس سے کچھ نہیں کہتا رب تعالیٰ کا جو حکم آتا ہے وہ میں تم کو سنا دیتا ہوں لیکن ﴿وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ﴾ اور نہیں سنتے بہرے لوگ پکار کو جس وقت ان کو ڈرایا جائے۔ ظاہری کان تو ہیں لیکن دل کے کانوں سے بہرے ہیں ﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ﴾ "بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔" حق کی بات نہیں سنتے، حق کہنے کے لیے تیار نہیں ہیں ویسے بڑے بڑے باتونی ہیں حق کی بات زبان سے نہیں نکالتے۔ مثلاً: دیکھو! اقوام متحدہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ کشمیر کا مسئلہ استصواب رائے کے ساتھ حل کیا جائے گا۔ وہاں کے لوگوں کی رائے کے ساتھ ان کی مرضی کے مطابق حل ہوگا۔ لیکن یہ بات ایجنڈے میں نہیں لاتے کبھی ادھر بھاگ جاتے ہیں کبھی ادھر بھاگ جاتے ہیں، کبھی کوئی شوشہ چھوڑتے ہیں کبھی کوئی شوشہ چھوڑتے ہیں حق بات سننے کے لیے کوئی تیار ہی نہیں ہے۔ دونوں کشمیر ملا کر ایک کروڑ بیس لاکھ کی آبادی ہے مقبوضہ کشمیر اور

آزاد کشمیر۔ ہزاروں کی تعداد میں بے چارے شہید ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں مگر کوئی ان کی پکار کو سننے کے لیے تیار نہیں ہے بہرے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ﴾ اور اگر ان کو پہنچے ایک جھونکا ﴿مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ﴾ آپ کے رب کے عذاب کا۔ پنکھے کو ایک دفعہ ہلانے سے جو ہوا آتی ہے اس کو عربی میں نفحہ کہتے ہیں اور اردو میں جھونکا۔ تو ان کو اگر رب تعالیٰ کے عذاب کا ایک جھونکا آجائے ﴿لَيَقُوْلُنَّ﴾ البتہ ضرور کہیں گے ﴿يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ ہائے افسوس ہم پر بے شک ہم ظالم تھے ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ﴾ اور رکھیں گے ہم ترازو انصاف کے ﴿لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا﴾ پس نہیں ظلم کیا جائے گا کسی نفس پر کسی شے کا۔ اعمال کا تلنا حق ہے نیکیاں بھی تلیں گی اور بدیاں بھی تلیں گی دو طبقے دو گروہوں کا حساب کتاب نہیں ہوگا۔ ایک ایسے مومن جن کی نیکیاں ہی نیکیاں ہوں گی ان کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔ ان کی تعداد بخاری شریف کی روایت کے مطابق ستر ہزار آئی ہے اور دیگر صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ستر ہزار میں سے ہر ہر آدمی کے ساتھ ستر ستر ہزار ہوں گے۔ یہ بڑی تعداد بن جاتی ہے جن کا حساب نہیں ہوگا۔ دوسرا طبقہ کافروں کا ہے، مشرکوں کا ہے جن کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔ سورۃ الکہف آیت نمبر ۱۰۵ میں ہے ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ "پس ہم نہیں قائم کریں گے قیامت والے دن ان کے لیے ترازو۔"

اعمال کے تلنے کی حقیقت

تو اعمال کا تولا جانا حق ہے۔ ان دو طبقوں کے علاوہ دوسروں کی نیکیاں بھی تلیں گی اور بدیاں بھی تلیں گی اس کے متعلق زندیقوں نے بہت کچھ کہا ہے کہ اعمال کیسے تلیں گے۔ یہ انسان کی صفت ہیں بات زبان سے نکلتی ہے کوئی عمل ہاتھ سے ہوتا ہے کوئی پاؤں سے ہوتا ہے اس کی اپنی کوئی صورت نہیں ہے اس کا ظاہری کوئی جسم نہیں ہے یہ کیسے تُلیں گے؟ لیکن یاد رکھنا! اُس جہان میں ان اعمال کے باقاعدہ جسم ہوں گے باتوں کا بھی جسم ہوگا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ معراج والی رات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہوئی ساتویں آسمان پر تو ابراہیم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمت کے لیے ایک تو سلام بھیجا کہ میری طرف سے اپنی امت کو سلام دے دینا عَلَيْهِ وَعَلٰى نَبِيِّنَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ اور ایک پیغام بھیجا۔ فرمایا اپنی اُمت کو میری طرف سے کہہ دینا جنت کی زمین بڑی زرخیز ہے مگر اس پر پودے وہاں سے لگا کر لانے ہیں۔ ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے سے جنت میں درخت لگ جائے گا۔ ایک دفعہ الحمد للہ کہنے سے درخت لگ جائے گا اللہ اکبر کہنے سے درخت لگ جائے گا لا الٰہ الا اللہ کہنے سے درخت لگ جائے گا۔ یہاں کی نیکیاں ہی وہاں کے گھنے باغ ہوں گے۔ تو نیکیوں اور بدیوں کا باقاعدہ جسم ہوگا ترازو میں تلیں گی اور یہ بات عقائد میں سے ہے اَلْمِيْزَانُ حَقٌّ ترازو میں نیکیوں اور بدیوں کا تلنا حق ہے اَلصِّرَاطُ حَقٌّ پل صراط سے گزرنا حق ہے، میدانِ محشر میں حق تعالیٰ کی عدالت کا لگنا حق ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، جو

کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے وہ حق ہے اور اُمت اس کو مانتی چلی آ رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ﴾ اور اگر ہوگا عمل ایک دانے کے برابر ﴿مِّنْ خَرْدَلٍ﴾ رائی کے ﴿اَتَيْنَا بِهَا﴾ ہم لائیں گے اس کو، وزن ہوگا اس کا۔ سورۃ زلزال میں ہے ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ "اور جس نے ایک ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی اس کو دیکھ لے گا۔" ﴿وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾ اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اور ہارون علیہ السلام کو ﴿الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً﴾ فیصلہ کن چیز اور روشنی ﴿وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور نصیحت پرہیزگاروں کے لیے۔ تین چیزیں عطا فرمائیں۔ فرقان سے مراد عصا مبارک والا معجزہ ہے کہ اس کو ڈالتے تھے تو اژدہا بن جاتا تھا جس کے متعلق تفصیل سن چکے ہو کہ بہتر ہزار جادوگروں کے ساتھ مقابلہ میں سب کے سانپوں کو نگل گیا ﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [اعراف:۱۱۸] جادوگر سمجھ گئے اور کہنے لگے ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى﴾ [طٰہٰ:۷۰] "ہم ایمان لائے ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے رب پر۔" اور ضیاء سے مراد ہاتھ کا سفید ہونے والا معجزہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈالتے تھے وہ سورج کی طرح روشن ہو جاتا تھا اور ذکر سے مراد تورات ہے جو قرآن کریم کے بعد تمام آسمانی کتابوں میں بڑی اہم تھی۔ چھٹے پارے میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر، علماء اور مشائخ صدیوں اس پر چلتے آئے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں کی دو موٹی علامتیں بیان فرمائی ہیں ﴿الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ﴾ وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے۔ رب تعالیٰ کو دیکھا نہیں غائبانہ طور پر اس سے ڈرتے ہیں کہ رب کا عذاب بڑا سخت ہے۔ تنہائی میں بھی رب تعالیٰ کا خوف ان پر ہوتا ہے۔ بندوں کے سامنے کون گناہ کرتا ہے۔ مجلس میں گناہ نہ کرنا تو کوئی کمال نہیں ہے کمال یہ ہے کہ بندہ تنہائی میں سمجھے کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے چاہے اور کوئی نہ بھی دیکھ رہا ہو۔ دوسری علامت: ﴿وَ هُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ﴾ اور وہ قیامت سے خوف رکھتے ہیں کہ قیامت آئے گی حساب ہوگا قیامت حق ہے۔ اور فرمایا جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو کتاب دی ﴿وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ﴾ اور یہ قرآن پاک ایسی کتاب ہے جو نصیحت ہے اور برکت والی ہے ﴿اَنْزَلْنٰهُ﴾ ہم نے اس کو نازل کیا ہے۔ کیسی شان والی وہ آنکھیں ہیں جو اس کو دیکھتی ہیں اور وہ زبانیں جو پڑھتی ہیں اور وہ ذہن جو اس کو سمجھتے ہیں۔ اول تا آخر برکت ہی برکت ہے۔ مگر اس برکت والی کتاب کو یا تو ہم نے ختموں کے لیے رکھا ہوا ہے یا قسموں کے لیے رکھا ہوا ہے۔ نہ سمجھنے کے لیے اور نہ عمل کرنے کے لیے اور نہ اس کے مطابق عقیدہ بنانے کے لیے۔ فرمایا ﴿اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾ کیا پس تم اس کا انکار کرتے ہو۔ اس کا انکار نہ کرو یہ اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے اس کو مانو، پڑھو، سمجھو اور اس پر عمل کرو۔ رب تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَاۤ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے ﴿اِبْرٰهِیْمَ﴾ ابراہیم علیہ السلام کو ﴿رُشْدَهٗ﴾ ان کی سمجھ ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ﴾ اور ہم اس کو جاننے والے تھے ﴿اِذْ قَالَ﴾ جس وقت فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿لِاَبِیْهِ﴾ اپنے باپ سے ﴿وَ قَوْمِهٖ﴾ اور اپنی قوم سے ﴿مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ﴾ کیا ہیں یہ مورتیاں ﴿الَّتِیْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ﴾ جن کے سامنے تم جھکے ہوئے ہو ﴿قَالُوْا﴾ انھوں نے کہا ﴿وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا﴾ پایا ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ﴿لَهَا عٰبِدِیْنَ﴾ ان کی عبادت کرنے والے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ﴾ البتہ تحقیق ہو تم بھی ﴿وَ اٰبَآؤُكُمْ﴾ اور تمھارے باپ دادا بھی ﴿فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ کھلی گمراہی میں ﴿قَالُوْۤا﴾ انھوں نے کہا ﴿اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ﴾ کیا لائیں ہیں آپ ہمارے پاس حق کو ﴿اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ﴾ یا آپ کھیل کرنے والوں میں سے ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿بَلْ رَّبُّكُمْ﴾ بلکہ تمھارا رب ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا ﴿الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ﴾ جس نے ان کو پیدا کیا ہے ﴿وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ﴾ اور میں اس بات پر گواہوں میں سے ہوں ﴿وَ تَاللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قسم ﴿لَاَكِیْدَنَّ﴾ البتہ ضرور میں تدبیر کروں گا ﴿اَصْنَامَكُمْ﴾ تمھارے بتوں کے بارے میں ﴿بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا﴾ بعد اس کے کہ تم چہرے پھیرو گے ﴿مُدْبِرِیْنَ﴾ پشت دکھاتے ہوئے ﴿فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا﴾ پس حضرت ابراہیم نے کر دیا ان کو ٹکڑے ٹکڑے ﴿اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ﴾ مگر جو ان کا بڑا تھا ﴿لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ﴾ تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ﴿قَالُوْا﴾ انھوں نے کہا ﴿مَنْ فَعَلَ هٰذَا﴾ کس نے کی ہے یہ کارروائی ﴿بِاٰلِهَتِنَاۤ﴾ ہمارے معبودوں کے ساتھ ﴿اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ البتہ بے شک وہ ظالموں میں سے ہے ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿سَمِعْنَا فَتًی﴾ سنا ہے ہم نے ایک نوجوان ﴿یَّذْكُرُهُمْ﴾ جو ان بتوں کا ذکر کرتا ہے ﴿یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ﴾ کہا جاتا ہے اس کو ابراہیم ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿فَاْتُوْا بِهٖ﴾ پس لاؤ تم اس کو ﴿عَلٰۤی اَعْیُنِ النَّاسِ﴾ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ﴿لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ﴾ تاکہ وہ گواہی دیں اور دیکھ لیں۔

تمام مخلوقات میں پہلا درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے

پچھلے رکوع کے آخر میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا ذکر تھا کہ ہم نے ان کو فرقان، ضیاء اور ذکر عطا کیا پرہیزگاروں کے لیے۔ اب ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ پروردگار فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی سمجھ ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے پہلے۔ کیوں کہ ان سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کا دور تھا۔ سمجھ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ بعض آدمیوں کا قد کاٹھ بڑا ہوتا ہے ان کی شکل وصورت، قد وقامت کو دیکھ کر آدمی بڑا مرعوب ہوتا

ہے اور جب وہ بات کرتا ہے تو ایسی نکمی کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ اس نے کہا کیا ہے۔ تو عقل و سمجھ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ محض قد کاٹھ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

تو فرمایا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو سمجھ عطا فرمائی ﴿وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ﴾ اور ہم اس کو جاننے والے تھے۔ اہل حق کا نظریہ اور عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں پہلا درجہ اور مقام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ دوسرا درجہ ابراہیم علیہ السلام کا ہے اور تیسرا درجہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ اندازہ لگاؤ کہ کتنا بڑا مقام اور درجہ کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں انسان بھی ہیں، جنات بھی ہیں، فرشتے بھی ہیں، ذوالعقول اور غیر ذوالعقول بھی ہیں۔ کتنی تعداد آ چکی ہے اور کتنی تعداد قیامت تک آئے گی۔ ساری مخلوق میں پہلا درجہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور دوسرا درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔

بت گر کے گھر بت شکن پیدا فرمایا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا علاقہ عراق تھا اس وقت وہاں کلدانیوں کی حکومت تھی کلدانی بڑا خاندان تھا نمرود ابن کنعان انہی کا فرد تھا بڑا ظالم جابر بادشاہ تھا عقیدے کے لحاظ سے بڑا مشرک تھا۔ کوثیٰ بروزن طوبیٰ شہران کا دارالخلافہ تھا۔ آج کے جغرافیہ میں اس کا نام اُر لکھتے ہیں۔ آج کل یہ چھوٹا سا قصبہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا جیسا کہ سورۃ الانعام آیت نمبر ۷۴ میں مذکور ہے ﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ﴾ "اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو۔" جو لوگ اس کی تاویل کرتے ہیں کہ چچا تھا بالکل غلط ہے۔ رب تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے۔ آزر بت ساز کو کہتے ہیں۔ یہ مذہبی امور اور محکمہ اوقاف کا وزیر تھا اس کا کام تھا بت خانے بنانا اور بت بنا کر ان کی ضرورت پوری کرنا۔ رب تعالیٰ کو منظور ہوا کہ بت ساز کے گھر بت شکن پیدا کرے، والد بت بنائے اور بیٹا توڑے، ڈھائے اور گرائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑی سمجھ عطا فرمائی تھی۔

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ﴾ جس وقت فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے ﴿وَ قَوْمِهٖ﴾ اور اپنی قوم سے ﴿مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ﴾ کیا ہیں یہ مورتیاں۔ تَمَاثِیْل تِمثال کی جمع ہے بمعنی بت، صورت اور مورت۔ یہ بت کیا ہیں ﴿الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ﴾ جن کے سامنے تم جھکے ہوئے ہو۔ کوئی ان کو سجدہ کر رہا ہے، کوئی عطر مل رہا ہے، کوئی ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہے، کوئی رکوع کر رہا ہے، کوئی طواف کر رہا ہے، کوئی چادر ڈال رہا ہے۔ یہ جو تم سارا دن ان کے سامنے کھڑے رہتے ہو یہ کیا ہیں؟ ﴿قَالُوْا﴾ انھوں نے جواب دیا ﴿وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ﴾ پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرنے والے۔ ہمارے پاس سو دلیلوں کی ایک دلیل ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد ان کی پوجا کرتے تھے ہم بھی کرتے ہیں۔ ﴿قَالَ﴾ فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ﴾ البتہ تحقیق ہو تم بھی اور تمھارے آباؤ اجداد بھی تھے ﴿فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ کھلی گمراہی میں۔ تم بھی گمراہ ہو اور تمھارے باپ دادا بھی گمراہ تھے جو ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے ﴿قَالُوْٓا﴾ انھوں نے کہا ﴿اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ﴾ کیا لائے

ہیں آپ ہمارے پاس حق کو یا آپ کھیل کرنے والوں میں سے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے دل میں اور بات ہوتی ہے محض دل لگی، مذاق اور چھیڑ خانی کے لیے اور بات کرتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ آپ جو ہمیں اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ کہہ رہے ہو اس کو تم حق سمجھتے ہو یا ویسے ہی ہمارے ساتھ دل لگی کر رہے ہو، مذاق کر رہے ہو۔

تو ﴿قَالَ﴾ فرمایا میں تمھارے ساتھ دل لگی نہیں کر رہا ﴿بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ بلکہ تمھارا رب وہ ہے جو آسمانوں کا رب ہے اور زمینوں کا رب ہے۔ میں تمھیں حقیقت بتا رہا ہوں کہ جن کو تم الٰہ اور رب سمجھ رہے ہو یہ تمھارے رب نہیں ہیں تمھارا رب وہ ہے جو آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے ﴿الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ﴾ جس نے ان کو پیدا کیا ہے ﴿وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ﴾ اور میں اس بات پر گواہوں میں سے ہوں کہ رب رب ہے یہ کچھ نہیں ہیں۔ میری بات کو مذاق اور دل لگی نہ سمجھو میں تمھارے ساتھ کھری کھری بات کر رہا ہوں ﴿وَتَاللّٰهِ﴾ حرف واؤ قسم کے لیے ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قسم ہے ﴿لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ﴾ البتہ ضرور میں تدبیر کروں گا تمھارے بتوں کے بارے میں۔ میں ان کی درگت بناؤں گا مگر کب؟ ﴿بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ﴾ بعد اس کے کہ تم چہرے پھیرو گے پشت دکھاتے ہوئے، جب تم چلے جاؤ گے کیوں کہ میں اکیلا ہوں اور تم زیادہ ہو جب تم پشت پھیر کر چلے جاؤ گے پھر میں ان کی درگت بناؤں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

عید کا دن تھا جوان کے ہاں عید ہوتی تھی۔ بت خانے کو انہوں نے خوب رنگ روغن کر کے چمکایا ہوا تھا کیوں کہ عید والے دن نمرود ابن کنعان آکر ان کی پوجا کرتا تھا۔ بت خانے میں بہتر (۷۲) بت تھے۔ لوگوں نے کسی کے سامنے سویاں لا کر رکھیں کسی کے آگے حلوا کسی کے آگے قورما کسی کے آگے روٹیاں، تاکہ ان میں برکت پڑ جائے۔ کیوں کہ بتوں نے تو نہیں کھانا تھا برکت پڑ جائے گی ہمارے بچے کھائیں گے با برکت ہو جائیں گے۔ پہلے باہر سیر کے لیے جاتے پھر بت خانے میں آتے۔ اتفاق کی بات ہے کہ مجاور بھی سارے سیر کے لیے نکلے ہوئے تھے کیوں کہ کوئی خطرہ تو تھا نہیں۔ کیوں کہ سارے لوگ بت خانے کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں کوئی کارروائی ہو گی اور ان کی کوئی بے حرمتی کر سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام لکڑیاں کاٹنے والی چھوٹی سی کلہاڑی لے کر آئے۔ پہلے تو بتوں کے ساتھ مذاق کیا سورۃ الصّٰفّٰت آیت نمبر ۹۱-۹۲ میں ہے ﴿فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾ "پس کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں۔" حلوا پڑا ہوا ہے یہ تمھارے سامنے سویاں پڑی ہیں، کھیر پڑی ہے، یہ کھانے پینے کی چیزیں تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟ مگر کس نے کھانا تھا؟ پھر فرمایا ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ﴾ "کیا ہے کہ تم بولتے نہیں ہو۔" سرکار بولو تو سہی جواب تو دو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑی پکڑی ان میں سے اکہتر بتوں کو توڑا اور ایک کو چھوڑ دیا جو ان کا بڑا تھا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ادب و احترام کے لحاظ سے بڑا تھا اس کا جسم اتنا بڑا تھا بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جسم اور قد کے لحاظ سے چھوٹا ہوتا ہے مگر رتبے عہدے کے اعتبار سے بڑا ہوتا ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ جسم کے لحاظ سے بڑا تھا ﴿فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا﴾ پس حضرت ابراہیم نے کر دیا ان کو ٹکڑے ٹکڑے۔ جُذَاذًا جُذَاذَۃٌ کی جمع ہے

بمعنی ٹکڑا۔ ﴿اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ﴾ مگر جوان کا بڑا تھا اس کو چھوڑ دیا۔ اس کو کیوں چھوڑا؟ ﴿لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ﴾ تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ﴿اِلَیْهِ﴾ کی ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے کہ اس کو چھوڑ دیا کہ تحقیق کے بعد جب مجھے طلب کریں گے اور مجھ سے پوچھیں گے تو میں کہوں گا اس بڑے سے پوچھ لو کہ یہ کس نے کیا ہے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ﴿اِلَیْهِ﴾ کی ضمیر کبیر کی طرف لوٹتی ہے۔ معنی ہوگا تاکہ اس بڑے کی طرف رجوع کریں کہ جب مجھ سے سوال جواب ہوں گے تو میں کہوں گا یہ بڑا گرو گھنٹال ہے اس سے پوچھو یہ کس نے کیا ہے۔ یہ خود رہ گیا ہے اور باقیوں کو اُڑا دیا گیا ہے۔ جس وقت مجاور اور پجاری آئے اور اپنے بتوں کی درگت بنی ہوئی دیکھی تو ان کے کلیجے جل گئے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کس نے کی ہے۔ عقیدہ عقیدہ ہوتا ہے چاہے جھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ﴾ کس نے کی ہے یہ کارروائی ہمارے معبودوں کے ساتھ ﴿اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ البتہ بے شک وہ ظالموں میں سے ہے۔ جس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے وہ ظالم ہے ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿سَمِعْنَا فَتًى﴾ سنا ہے ہم نے ایک نوجوان ﴿یَّذْكُرُهُمْ﴾ جوان بتوں کو یاد کرتا ہے ﴿یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ﴾ کہا جاتا ہے اس کو ابراہیم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑا مقام عطا فرمایا۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۳۰ ﴿وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ "اور البتہ تحقیق ہم نے چنا ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں اور بے شک وہ آخرت میں نیکوکاروں میں سے ہوں گے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام مذاہب میں مسلم شخصیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام مذاہب میں مسلم شخصیت تھے۔ مسلمانوں کے تو خیر عقیدے کا حصہ ہیں۔ یہودی، عیسائی، صابی سب ان کو اچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہندوستان میں برہما مہاراج ہیں ان کے متعلق مشہور صوفی عبدالکریم جیلی جو بڑے اکابر اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں۔ تصوف کے موضوع پر ان کی کتاب ہے "الانسان الکامل" اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ہندو جن کو برہما کہتے ہیں اس سے مراد ابراہیم علیہ السلام ہی ہیں۔ پھر وہ اس پر دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں ﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ [بقرۃ: ۱۲۴] "بے شک میں بنانے والا ہوں آپ کو لوگوں کا امام، پیشوا، مقتداء۔" تو فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں رہنے والے بھی تو لوگ ہی ہیں ان کا بھی ان کو پیشوا ہونا چاہیے۔ حضرت کی دلیل بڑی وزنی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کی قدر کرنے والوں میں وہ بھی تھے بعد والوں نے ان کی تعلیمات کو بگاڑ دیا جیسا کہ عرب کے مشرکوں نے ابراہیم علیہ السلام کی توحید کو بگاڑ دیا اور وہ گھر جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تھا اس میں انھوں نے تین سو ساٹھ بت رکھ دیئے۔

ابن عساکر بہت بڑے محدث ہوئے ہیں ان کی کتاب ہے "ابن عساکر" پہلے نایاب تھی اب طبع ہو چکی ہے۔ اس میں انھوں نے کچھ روایات نقل کی ہیں کہ آدم علیہ السلام بھی سب سے پہلے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ تو کہنے لگے ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے وہ ان کا ذکر بہت کرتا ہے اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔ ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْیُنِ النَّاسِ﴾ لاؤ تم اس کو

لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ﴿لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ﴾ تاکہ وہ گواہی دیں اور دیکھ لیں کہ واقعی یہ نوجوان تھا جس نے کہا تھا ﴿تَاللهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں ضرور تمہارے بتوں کی درگت بناؤں گا۔ زندگی رہی تو باقی واقعہ کل آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

﴿قَالُوْٓا﴾ کہنے لگے لوگ ﴿ءَ اَنْتَ﴾ کیا آپ نے ﴿فَعَلْتَ هٰذَا﴾ کی ہے یہ کارروائی ﴿بِاٰلِهَتِنَا﴾ ہمارے معبودوں کے ساتھ ﴿يٰٓاِبْرٰهِيْمُ﴾ اے ابراہیم (علیہ السلام)! ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ بلکہ کی ہوگی یہ کارروائی ان کے اس بڑے نے ﴿فَسْــَٔلُوْهُمْ﴾ تم ان سے سوال کرو ﴿اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ﴾ اگر یہ بولتے ہیں ﴿فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ پس لوٹے وہ اپنی جانوں کی طرف ﴿فَقَالُوْٓا﴾ پس کہنے لگے ﴿اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ بے شک تم ظالم ہو ﴿ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ﴾ پھر اندھے کیے گئے اپنے سروں کے بل ﴿لَقَدْ عَلِمْتَ﴾ البتہ تحقیق آپ جانتے ہیں ﴿مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ﴾ نہیں ہیں یہ گفتگو کرتے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اَفَتَعْبُدُوْنَ﴾ کیا پس تم عبادت کرتے ہو ﴿مِنْ دُوْنِ اللهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْــًٔا﴾ اس مخلوق کی جو نہیں نفع دے سکتی تمھیں کچھ بھی ﴿وَّلَا يَضُرُّكُمْ﴾ اور نہ تمھیں نقصان دے سکتی ہے ﴿اُفٍّ لَّكُمْ﴾ ہلاکت ہے تمھارے لیے ﴿وَ لِمَا﴾ اور ان کے لیے ﴿تَعْبُدُوْنَ﴾ جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿مِنْ دُوْنِ اللهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس تم عقل نہیں رکھتے ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿حَرِّقُوْهُ﴾ جلاؤ اس کو ﴿وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ﴾ اور مدد کرو اپنے معبودوں کی ﴿اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ﴾ اگر ہو تم کرنے والے ﴿قُلْنَا﴾ ہم نے کہا ﴿يٰنَارُ كُوْنِيْ﴾ اے آگ ہو جا ﴿بَرْدًا﴾ ٹھنڈی ﴿وَّسَلٰمًا﴾ اور سلامتی والی ﴿عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾ ابراہیم علیہ السلام پر ﴿وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا﴾ اور انھوں نے ارادہ کیا ان کے بارے میں تدبیر کرنے کا ﴿فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ﴾ پس کر دیا ہم نے ان کو بہت زیادہ نقصان اُٹھانے والے ﴿وَنَجَّيْنٰهُ﴾ اور ہم نے نجات دی ابراہیم علیہ السلام کو ﴿وَلُوْطًا﴾ اور لوط علیہ السلام کو ﴿اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ﴾ اس زمین کی طرف ﴿بٰرَكْنَا فِيْهَا﴾ جس میں ہم نے برکت رکھی ﴿لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ جہان والوں کے لیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کی درگت بنانا

کل کے سبق میں تم نے یہ بات سنی ہے کہ نمرود بن کنعان جو بڑا ظالم، جابر اور مشرک بادشاہ تھا۔ اس کے شاہی بت خانے میں بہتر بت رکھے ہوئے تھے جن کے متعلق ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں ضرور ان کی درگت بناؤں گا۔ عید کا دن تھا

لوگوں نے بتوں کوخوشبوؤں کے ساتھ خوب سجایا ہوا تھا اور کھانے پینے کی چیزیں ان کے سامنے لاکر رکھیں تھیں۔ان کے مجاور سیر وسیاحت کے لیے گئے ہوئے تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے موقع پاکر پہلے تو ان کے ساتھ مذاق کیا کہ یہ تمھارے سامنے کھانے رکھے ہوئے ہیں کھاتے کیوں نہیں ہو؟ باتیں کیوں نہیں کرتے؟ کلہاڑی سے ان کو توڑ پھوڑ دیا سوائے بڑے کے اور خوب ان کی درگت بنائی۔جب ان لوگوں نے آکر یہ منظر دیکھا تو ان کے کلیجے پھٹ گئے کہ یہ ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے یہ کارروائی کس نے کی ہے؟ کہنے لگے ایک نوجوان ہے جس کو ابراہیم کہتے ہیں یہ اس کی کارروائی ہے۔کہنے لگے اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ لوگ گواہی دیں کہ واقعی اس نے یہ لفظ کہے تھے ﴿لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ﴾ "میں ضرور درگت بناؤں گا تمھارے معبودوں کی۔" چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا اور عدالت قائم ہوئی،اس کا ذکر ہے۔

﴿قَالُوْٓا﴾ کہا ان افسروں نے جو تحقیق کے لیے مقرر تھے ﴿ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا﴾ کیا آپ نے یہ کارروائی کی ہے ﴿بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ﴾ ہمارے معبودوں کے ساتھ اے ابراہیم علیہ السلام کہ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے ﴿قَالَ﴾ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ﴿بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْــَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ﴾ بلکہ یہ کارروائی کی ہوگی ان کے اس بڑے نے جو کھڑا ہوا ہے پس تم ان سے پوچھو تو سہی کہ یہ کس نے کیا ہے اگر یہ گفتگو کرتے ہیں۔دنیا میں مشاہدے کی بات ہے کہ بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں،بڑے اژدہا چھوٹے سانپوں کو کھا جاتے ہیں،بڑی حکومتیں چھوٹی حکومتوں کو کھا جاتی ہیں ان سے پوچھو شاید یہ جو بڑا کھڑا ہے اس نے یہ کارروائی کی ہو۔اگر باتیں کرتے ہیں تو ان سے پوچھو۔تحقیق کرنے والے افسر نے ﴿فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ پس رجوع کیا اپنی جانوں کی طرف،فکر کیا،غور کیا ﴿فَقَالُوْٓا﴾ پس کہنے لگے ﴿اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ بے شک تم ظالم ہو۔جو اپنے آپ کو نہ بچا سکے اور اب عدالت کو بھی نہیں بتا سکتے کہ ہمارے ساتھ یہ کارروائی کس نے کی ہے ان کے ساتھ اُمیدیں رکھنا ہماری غلطی ہے۔جمہور ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنی غلطی کو مان لیا کہ جو اپنے آپ کو نہیں بچا سکے وہ اوروں کو کیا بچائیں گے اور جو انکوائری اور تحقیق کے موقع پر بات نہیں کر سکتے وہ ہمارے کیا کام آئیں گے۔اور بعض مفسرین رحمۃ اللہ علیہم یہ تفسیر کرتے ہیں کہ یہ بات تحقیق کرنے والے افسروں نے مجاوروں کو کہی کہ بے شک تم ظالم ہو کہ اتنے ملازم ہوکر سارے باہر چلے گئے تمھاری ڈیوٹی تھی تم نے ڈیوٹی میں کوتاہی کر کے ظلم کیا ہے۔چلو اگر جانا ہی تھا تو ایک آدھ چلا جاتا تم سارے چلے گئے لہٰذا تم مجرم ہو ﴿ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ﴾ پھر انھوں نے سر جھکا لیے نگاہیں نیچی کر لیں اور ابراہیم علیہ السلام کو کہنے لگے ﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ﴾ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ گفتگو نہیں کرتے یہ بولتے نہیں ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کیا پس تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔اللہ تعالیٰ کی ذات سے ورے ورے ان کی عبادت کرتے ہو ﴿مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْــًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ﴾ جو نہ تمھیں نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں ﴿اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ہلاکت ہے تمھارے لیے اور ان کے لیے جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔تمھارے اُوپر اُف ہے تمھارے اُوپر تف ہے! تمھارے معبودوں پر بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو۔جو اپنے آپ کو نہیں بچا سکے اور تحقیق کے موقع پر کچھ بتا نہیں سکے اور تم نے خود

اقرار کیا ہے کہ یہ گفتگو نہیں کرتے یہ مفت میں تمھارے الٰہ بن گئے ہیں ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس تم عقل نہیں رکھتے۔اتنی بات تمھیں سمجھ نہیں آتی۔

دنیا میں ضد کا کوئی علاج نہیں

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو کو سن کر جو مدلل تھی اور ان کی کارروائی کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتے مگر ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ اُلٹا کہنے لگے کہ اس نے ہمارے کلیجے جلائے ہیں ہمارے بت توڑ کر ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿حَرِّقُوْهُ﴾ جلاؤ اس کو تاکہ ہمارے دل ٹھنڈے ہوں۔ چنانچہ بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ فلاں مقام پر ہم نے آگ کا بھٹا گرم کرنا ہے جس میں سب کے سامنے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنا ہے۔

گالیاں دینے اور رد کرنے میں فرق ہے

تاریخ اور تفسیر کی کتابوں میں بڑے عجیب قسم کے واقعات آئے ہیں کہ بوڑھی بوڑھی عورتیں جو سیدھی ہو کر چل نہیں سکتی تھیں پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا ہاتھ میں لاٹھی کبڑی ہو کر جا رہی تھیں۔ پوچھا گیا بی بی! کہاں جا رہی ہے اتنی مشقت کے ساتھ؟ تو کہتی تمھیں معلوم نہیں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو جلانا ہے بھٹے کے لیے ایندھن لے کر جا رہی ہوں۔ کیوں کہ ان کے عقیدے پر بڑی کاری ضرب آئی تھی اور عقیدہ عقیدہ ہی ہوتا ہے چاہے صحیح ہو یا غلط ہو۔اسی لیے رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[انعام:۱۰۸] "تم گالیاں نہ دو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا پس وہ گالیاں دیں گے اللہ تعالیٰ کو تجاوز کرتے ہوئے جہالت کی وجہ سے۔" گالیاں دینے اور رد کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔مثلاً: یہ کہنا کہ لات، منات، عزّیٰ وغیرہ خالق، مالک، رازق نہیں ہیں، عالم الغیب والشہادہ نہیں ہیں، حاضر و ناظر نہیں ہیں ان کے پاس خدائی اختیارات نہیں ہیں، یہ حق ہے اور فریضہ ہے۔مگر اس طرح کہنا کہ تمھارے لات کی ایسی کی تیسی منات کی ایسی کی تیسی العیاذ باللہ اگر تم اس طرح کرو گے تو وہ تمھارے سچے خدا کو گالیاں دیں گے۔تو گالی اور چیز ہے اور رد کرنا اور چیز ہے۔ہاں! اگر کوئی اپنے غلط نظریات کی تردید کو توہین سمجھے تو یہ بات الگ ہے بے شک سمجھتے رہیں باطل کی تردید کرنا ہے۔

مہاجرین حبشہ کی استقامت

احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ مشرکین مکہ نے جب مسلمانوں پر مظالم کی انتہاء کر دی تو چوہتر کے قریب مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کی مگر مکے والوں کو پھر بھی سکون نہ آیا۔مہاجرین کے تعاقب کے لیے ایک وفد حبشہ بھیجا جس میں عمرو ابن العاص اور عبداللہ ابن ربیعہ شامل تھے۔ یہ بڑے ہوشیار، چالاک اور سمجھ دار آدمی تھے۔انھوں نے بادشاہ کو کہا کہ کچھ لوگ ہمارے ملک سے بھاگ کر تمھارے ملک میں آئے ہیں ان کو ہمارے ساتھ بھیج دو۔ بادشاہ نجاشی بڑا عقل مند تھا اس

نے کہا کہ میں دوسروں کی بھی بات سنوں گا یک طرفہ کارروائی نہیں کروں گا اور یہ بہترین اصول ہے کہ دونوں طرف سے بات سنو اور پھر فیصلہ کرو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک علاقے کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو میں نے کہا حضرت! میں نوعمر ہوں اور تجربہ کوئی نہیں ہے بڑے بڑے مشکل مسائل اور مقدمے آئیں گے تو میں کیسے فیصلہ کروں گا؟ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری چھاتی پر ہاتھ مارا اور فرمایا میں تجھے گر کی بات بتا دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ جب تمھارے سامنے ایک فریق اپنا موقف پیش کرے تو فیصلہ نہیں کرنا جب تک دوسرے فریق کا موقف نہ سن لینا۔ فرماتے ہیں فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا "میں جج بن گیا۔"

تو نجاشی نے کہا کہ میں ان کی بھی بات سنوں گا۔ کہنے لگے ان کی بات سننے کی کیا ضرورت ہے وہ ایسے ہیں ویسے ہیں۔ ہمارے قرضی (مقروض) ہیں ہمارے غلام ہیں ہمارے ساتھ بھیج دو۔ فرمایا ایسے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی وقت دیا گیا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ مہاجرین کے نمائندے تھے، ان کی باتیں سنیں اور فرمایا حضرت! واقعی یہ چار پانچ پہلے ان کے غلام تھے اب نہیں ہیں اب یہ رقم دے کر آزاد ہو گئے ہیں۔ رہا مسئلہ قرضے کا تو اکثر تو ادا کر چکے ہیں اگر ایک آدھ کا ہو گا تو وہ کھاتے نہیں ہیں اِن شاء اللہ تعالیٰ ادا کر دیں گے۔ جب مشرکوں کے وفد سے بات نہ بنی تو پینترا بدلا۔ کہنے لگے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرتے ہیں ان کو ابن اللہ نہیں مانتے۔ نجاشی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تمھارا کیا نظریہ ہے؟ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے پچیسویں پارے کی آیات پڑھیں جن میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ﴾ [زخرف:۵۹] "نہیں ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام مگر ایک بندہ جس پر ہم نے انعام کیا اور بنایا ہم نے اس کو نمونہ بنی اسرائیل کے لیے۔" جب یہ آیت کریمہ پڑھی تو عمرو بن العاص نے کہا دیکھو جی! توہین کر گیا بندہ کہا ہے۔ نجاشی نے ایک تنکا اُٹھایا اور اس کا کنارہ سامنے کر کے کہا کہ اتنی بھی توہین نہیں ہوئی واقعی عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اپنے ذہن میں کوئی توہین سمجھے تو سمجھے بلکہ حقیقت یہی ہے۔ جیسے آج کل کے جاہل کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بندہ کہنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوتی ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ اگر اس میں توہین ہے تو پھر معاذ اللہ تعالیٰ ہم ہر نماز میں توہین کے مرتکب ہوتے ہیں کیوں کہ التحیات کے بغیر تو نماز پوری نہیں ہوتی اور التحیات میں ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ اور اگر لفظ عبد میں توہین ہوتی تو رب تعالیٰ ہمیں کبھی یہ پڑھنے کا سبق نہ دیتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بزرگوں کو حاضر و ناظر نہ سمجھے، مختار کل نہ سمجھے، رزاق نہ سمجھے تو اہل بدعت کہتے ہیں کہ یہ بزرگوں کی توہین کرتا ہے۔ یہ ان کی سمجھ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء، اولیاء، فرشتوں کے اپنے اپنے درجے ہیں نہ ان میں کوئی خالق ہے، نہ مالک ہے، نہ حاضر ناظر ہے، نہ مختار کل ہے، نہ کوئی عالم الغیب ہے۔ ان صفات کی ان سے نفی کرنا اور اچھے طریقے سے ان کی تردید کرنا اہل حق کا فریضہ ہے اور یہ گالی نہیں ہے۔

منجنیق تیار کرنے والے انجینئر کا نام

چنانچہ آگ کا بہت بڑا بھٹا (الاؤ) تیار کیا گیا اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پھینکنے کے لیے ھیزن نامی انجینئر نے آلہ منجنیق تیار کیا کہ اس کے ذریعے درمیان میں پھینکیں کہ ابراہیم علیہ السلام باہر نہ آجائیں اور "دارمی شریف" جو حدیث کی کتاب ہے اس میں ہے کہ جُرِّدَ عَنِ الثِّيَابِ "ابراہیم علیہ السلام کے سارے کپڑے انھوں نے اُتار دیئے۔" ننگا کر کے رسیوں میں جکڑ کر منجنیق میں بٹھا کر آگ کے درمیان میں پھینک دیا۔ اس کا ذکر ہے کہ انھوں نے کہا کہ اس کو جلا ڈالو ﴿وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ﴾ اور مدد کرو اپنے معبودوں کی ﴿اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ﴾ اگر ہو تم کچھ کرنے والے۔ جب انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا فرمایا ﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا﴾ کہا ہم نے اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی والی ﴿عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾ ابراہیم علیہ السلام پر۔ حافظ ابن کثیر نقل فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بھٹے سے بالکل صحیح سالم باہر آ گئے تو ان کو باپ نے یہ الفاظ کہے: نِعْمَ الرَّبُّ رَبُّكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ "اے ابراہیم! تیرا رب بڑا خوب صورت ہے بہت اچھا ہے۔" مگر ایمان پھر بھی نہیں لایا۔ اپنا دھڑا نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا﴾ اور انھوں نے ارادہ کیا ان کے بارے میں تدبیر کرنے کا۔ یعنی ان کو جلانے کی تدبیر کی ﴿فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ﴾ پس کر دیا ہم نے ان کو بہت زیادہ نقصان اٹھانے والے۔ لکڑیاں جمع کرتے کرتے ہاتھ پاؤں تھکائے وہ جل کر راکھ ہو گئیں حاصل کچھ بھی نہ ہوا۔

چھپکلی مارنے کا ثواب

اس مقام پر بعض سیرت نگار اور تاریخ والے لکھتے ہیں بخاری شریف میں روایت ہے کہ گھروں میں جو چھپکلی ہوتی ہے یہ پھونک مارتی تھی کہ آگ تیز ہو۔ بھئی! تیری پھونک مارنے سے کیا ہو گا؟ پہلے آگ کے شعلے آسمان کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں مگر وہ اپنا خبث باطن ظاہر کر رہی تھی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو اس کو ایک ہی ضرب سے مارے گا اس کو سو نمبر کا ثواب ملے گا اور جو دو ضربوں کے ساتھ مارے گا تو پھر بھی اتنا ہی ثواب ملے گا اور جو تین ضربوں کے ساتھ مارے گا تو اس کو دس نمبر کا ثواب ملے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن دنوں میں نماز نہیں پڑھتی تھیں چھڑی لے کر ان کے پیچھے لگی رہتی تھیں۔

اور تاریخ میں یہ لکھا ہے کہ کالی کات اور بعض نے بلبل کا کہا ہے کہ یہ قطرہ پانی کا لے کر بہت بلندی پر گئی اور اس بھٹے پر پانی کا قطرہ گرایا پرندوں نے مذاق کیا کہ تیرے اس چونچ والے قطرے سے بھٹا بجھ جائے گا؟ اس نے کہا کہ میں بجھا تو نہیں سکتی مگر اللہ تعالیٰ کے خلیل کی تائید میں ایک قطرہ پانی کا تو گرا سکتی ہوں۔

فرمایا ﴿وَنَجَّيْنٰهُ﴾ اور ہم نے ان کو نجات دی ﴿وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ اور لوط علیہ السلام کو بھی جو ان کے سگے بھتیجے تھے اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی جہان والوں کے لیے۔ اس زمین سے مراد شام کا علاقہ ہے۔ اس وقت اردن، لبنان، موجودہ شام اور اسرائیل یہ سارا علاقہ شام کہلاتا تھا۔ اب ان باطل قوتوں نے اس کو ٹکڑے

ٹکڑے کر دیا ہے اور مسلمان سربراہوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں ایسی نفرت بھری ہے کہ وہ کافروں کے ساتھ تو صلح کر سکتے ہیں مگر آپس میں مل کر نہیں بیٹھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ عطا فرمائے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام شام کی طرف ہجرت کر گئے۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ﴾ اور بخشا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ﴿اِسْحٰقَ﴾ اسحاق ﴿وَيَعْقُوْبَ﴾ اور یعقوب ﴿نَافِلَةً﴾ انعام میں ﴿وَكُلًّا﴾ اور ہر ایک کو ﴿جَعَلْنَا﴾ بنایا ہم نے ﴿صٰلِحِيْنَ﴾ نیک ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے بنایا ان کو ﴿اَئِمَّةً﴾ پیشوا ﴿يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ راہنمائی کرتے تھے ہمارے حکم کے مطابق ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ﴾ اور ہم نے وحی کی ان کی طرف ﴿فِعْلَ الْخَيْرٰتِ﴾ اچھے کام کرنے کی ﴿وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ﴾ اور نماز قائم کرنے کی ﴿وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرنے کی ﴿وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ﴾ اور تھے وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے ﴿وَلُوْطًا﴾ اور لوط علیہ السلام کو ﴿اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا﴾ دیا ہم نے حکم ﴿وَّعِلْمًا﴾ اور علم ﴿وَّنَجَّيْنٰهُ﴾ اور نجات دی ہم نے ان کو ﴿مِنَ الْقَرْيَةِ﴾ اس بستی سے ﴿الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ جس کے باشندے بُرے عمل کرتے تھے ﴿اِنَّهُمْ﴾ بے شک وہ ﴿كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ﴾ بری قوم تھے ﴿فٰسِقِيْنَ﴾ نافرمان ﴿وَاَدْخَلْنٰهُ﴾ اور داخل کیا ہم نے لوط علیہ السلام کو ﴿فِيْ رَحْمَتِنَا﴾ اپنی رحمت میں ﴿اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ بے شک وہ نیکوں میں سے تھے ﴿وَنُوْحًا﴾ اور نوح علیہ السلام کو ﴿اِذْ نَادٰى﴾ جس وقت اس نے پکارا ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ﴾ پس ہم نے قبول کیا اس کی دعا کو ﴿فَنَجَّيْنٰهُ﴾ پس ہم نے نجات دی اس کو ﴿وَاَهْلَهٗ﴾ اور اس کے گھر والوں کو ﴿مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ﴾ بڑی پریشانی سے ﴿وَنَصَرْنٰهُ﴾ اور ہم نے مدد کی اس کی ﴿مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ﴾ اس قوم کے مقابلے میں ﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا﴾ بے شک وہ تھی ﴿قَوْمَ سَوْءٍ﴾ بُری قوم ﴿فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ کل آپ حضرات نے تفصیل سے سنا کہ ان ظالموں نے جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے الاؤ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا وہ گل وگلزار ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو باغ و بہار بنا دیا آگ نے صرف رسیاں جلائیں جن سے ابراہیم علیہ السلام کو باندھا گیا تھا۔ جب آگ سے باہر تشریف لائے تو والد نے کہا نِعْمَ الرَّبُّ رَبُّكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ "اے ابراہیم آپ کا رب بہت اچھا ہے۔" مگر دھڑا نہیں چھوڑا، ایمان نہیں لایا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے ہمراہ یہاں سے شام ہجرت کر گئے۔ راستے میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ ایک ظالم

بادشاہ نے بی بی پر ہاتھ ڈالنا چاہا مگر رب تعالیٰ نے اس کو کامیابی نہ دی۔ آخر پیغمبر کی بیوی تھی بلکہ اس نے اپنے پاس سے ایک لونڈی حضرت ہاجرہ علیہاالسلام ابراہیم علیہ السلام کو دی جن کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام عمر میں اسحاق علیہ السلام سے بڑے ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ حضرت سارہ علیہاالسلام ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے انعامات

تو اس مقام پر ارشاد ہے ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً﴾ اور بخشا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق اور یعقوب پوتا انعام میں۔ عربی زبان میں نَافِلَةً کے معنیٰ زیادتی کے بھی آتے ہیں۔ اور نفلوں کو نفل اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ فرضوں سے زائد ہوتے ہیں۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے اولاد مانگی رب تعالیٰ نے ان کو اولاد بھی دی اور ان کی زندگی میں پوتا بھی دیا اور اسحاق علیہ السلام اس بیوی سے ہوئے جس کو اولاد کی اُمید بھی نہیں تھی۔ سورہ ہود آیت نمبر ۷۲ میں ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خوش خبری سنائی تو حضرت سارہ علیہاالسلام کہنے لگیں ﴿قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ﴾ "ہائے افسوس مجھ پر کیا میں بچہ جنوں گی حالاں کہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرا خاوند بوڑھا ہے بے شک البتہ یہ تو عجیب بات ہے۔" میری عمر ننانوے سال ہے اور میرے خاوند کی عمر ایک سو بیس سال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے کہا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ "کیا آپ تعجب کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر۔" تو اللہ تعالیٰ نے بیٹا بھی دیا اور پوتا بھی دیا وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ اور ہر ایک کو بنایا ہم نے نیک۔ حضرت اسحاق علیہ السلام پیغمبر ہیں پیغمبر سے زیادہ کون نیک ہو سکتا ہے۔ یعقوب علیہ السلام بھی پیغمبر ہیں پھر ان کے بیٹے یوسف علیہ السلام بھی پیغمبر ہیں۔

ع ایں خانہ ہمہ آفتاب است

﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً﴾ اور ہم نے بنایا ان کو امام اور پیشوا ﴿يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ وہ راہنمائی کرتے تھے ہمارے حکم کے مطابق اپنے حق میں نیک اور دوسرے لوگوں کی اصلاح کرتے تھے۔

دوسروں کے اصلاح کی فکر کرنا چاہیے

دیکھو! بے شک خود نیک ہونا بڑی بات ہے لیکن حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا: ((لَاَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمْرِ النِّعَمِ)) "یاد رکھو! آپ کی وجہ سے ایک آدمی کو بھی ہدایت نصیب ہو جائے تو سرخ رنگ کے اُونٹوں سے آپ کے لیے بہتر ہے۔" یعنی عرب میں سرخ رنگ کے جتنے بھی قیمتی اُونٹ ہیں ان سب کو تم صدقہ کر دو تو اتنا ثواب نہیں ملے گا جتنا ایک شخص کے ہدایت یافتہ ہونے کا ملے گا۔ جو اصل تڑپ تھی تبلیغ والی وہ ہم چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو انھوں نے سوئے ہوئے سلسلے کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ الحمد للہ! اس وقت پوری دنیا میں تبلیغی ساتھی موجود ہیں ہم سب کو فکر کرنی چاہیے۔ پہلے اپنے گھر کے افراد کی اصلاح کرنے کی پھر اپنے محلے اور برادری کی اور یہ نہ سمجھو کہ یہ فکر صرف مولوی نے کرنی ہے اور ہم مزے کرتے رہیں۔ سب کو فکر مند ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ "تم بہترین اُمت ہو تمھیں لوگوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔"

فرمایا کہ ہم نے ان کو پیشوا بنایا راہنمائی کرتے تھے ہمارے حکم کے مطابق ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ﴾ اور ہم نے وحی کی ابراہیم، اسحاق، یعقوب اور اُوپر موسیٰ علیہم السلام کا بھی ذکر ہوا ہے، کی طرف اچھے کام کرنے کی ﴿وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ﴾ اور نماز قائم کرنے کی ﴿وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرنے کی۔ یہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو خطاب کر کے ان کی اُمتوں کو سبق دیا ہے۔ دنیا میں نیکی کرنے اور موت وحیات کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے بنایا ہے تاکہ وہ تمھارا امتحان لے ﴿الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ [الملک:۲] "رب تعالیٰ نے موت کو پیدا فرمایا اور زندگی بنائی تاکہ تمھارا امتحان لے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے۔" ہر آدمی کو یہ عزم کر لینا چاہیے حتی الوسع جو نیکی میری توفیق میں ہوگی وہ نہیں چھوڑوں گا اور برائی نہیں کروں گا۔ یہ اختیاری چیز ہے۔ جتنا کسی کے اختیار میں ہے اتنا کرے۔

ایمان کے بعد تمام عبادتوں میں نماز سرفہرست ہے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا اور قرآن پاک میں آتا ہے دوزخی لوگ ایک دوسرے سے پوچھیں گے ﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ﴾ "تمھیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا ہے۔" وہ کہیں گے ﴿لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ﴾ [سورۃ المدثر] "ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے۔" تو پہلا جرم یہ بتلائیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے جو تمام عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ بدنی، مالی، زبانی سب اس میں آجاتی ہیں اور نماز کے بغیر اسلام کا کوئی تصور نہیں ہے ((الصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ)) "نماز دین کا ستون ہے۔" ستون کے بغیر عمارت کھڑی نہیں ہو سکتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم مومن اور کافر کے درمیان فرق صرف نماز سے سمجھتے تھے۔ پڑھتا ہے تو مومن ہے نہیں پڑھتا تو کافر ہے۔

فرمایا ہم نے ان انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی اچھے کام کرنے کی، نماز قائم کرنے کی زکوٰۃ ادا کرنے کی ﴿وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ﴾ اور تھے وہ ہماری عبادت کرنے والے۔ ہمارے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے ﴿وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ اور لوط علیہ السلام کو دیا ہم نے حکم اور علم۔ حکم سے مراد ہے کہ ہم نے ان کو نبی بنایا اور حکم دیا کہ لوگوں کی اصلاح کریں اور علم عطا فرمایا جو ان کی شان کے لائق اور مناسب تھا ﴿وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ﴾ اور ہم نے ان کو نجات دی اس بستی سے ﴿الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ جس کے باشندے بُرے کام کرتے تھے۔

ہم جنسی کے مرض کی ابتداء

اس بستی کا نام سدوم تھا۔ یہ اس علاقے کی بڑی بستی تھی اور اس کی کافی آبادی تھی اس کے آس پاس چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں۔ اس بستی کے رہنے والے پہلے مجرم ہیں اس گناہ کے کہ وہ مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے تھے۔ سورہ عنکبوت آیت

نمبر ۲۸ میں ہے ﴿مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ "نہیں سبقت کی اس بے حیائی کے ساتھ تم سے پہلے کسی ایک نے جہان والوں میں سے۔" نہ بوڑھے کو دیکھتے تھے نہ جوان نہ بچے کو۔ کبوتر اُڑاتے، ایک دوسرے پر پتھر پھینکتے، ایک دوسرے پر تھوکنا، گوز بازی یعنی ہوا خارج کرنے کا مقابلہ کرنا کہ کس کا دھما کا زیادہ ہوتا ہے۔ تَطْرِيْفُ الْاَصَابِعِ انگلیوں کے ناخنوں کو رنگنا، جیسے آج کل ناخن پالش لگاتے ہیں۔ یہ تمام جرائم ان میں تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو بڑا سمجھایا مگر وہ باز نہیں آئے۔ جب کوئی آدمی ضد پر اڑ جائے تو اس کو کوئی بات سمجھ نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قوم پر چار قسم کا عذاب آیا۔

ان کی آنکھوں کی بینائی ختم کر دی گئی۔ سورۃ القمر میں ہے ﴿فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ﴾ "ہم نے مٹا دیں ان کی آنکھیں۔" پھر ان کے سروں پر پتھر برسائے، پھر ایسی ڈراؤنی آواز آئی کہ ان کے کلیجے پھٹ گئے، پھر جبرئیل علیہ السلام نے سارے علاقے کو پَر پر اٹھا کر الٹا دیا ﴿جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ [سورۃ ہود: ۸۲] "ہم نے کر دیا اوپر والے حصے کو نیچے۔" اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کے واقعات ہمارے سامنے اس لیے بیان فرمائے ہیں کہ جن جرائم کی وجہ سے وہ قومیں تباہ ہوئی ہیں ہم ان سے بچ جائیں۔ مگر آج حالت یہ ہے کہ جو گناہ ایک ایک قوم کرتی تھی وہ سارے اس قوم میں موجود ہیں۔ دفعتاً ہلاک نہ ہونے کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے ورنہ ان میں ایک ایک عیب تھا ہمارے اندر سارے عیب ہیں۔

فرمایا ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ﴾ بے شک وہ بُری قوم تھے نافرمان ﴿وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا﴾ اور داخل کیا ہم نے لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں ﴿اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ بے شک وہ نیکوں میں سے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں بعض روایات میں تین کا بھی ذکر آتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نے ان کا ساتھ نہیں دیا بیٹیاں مومن تھیں اور چند اور مومن تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ آپ یہاں سے چلیں جائیں ہم نے اس علاقے کو اُلٹ کر پھینک دینا ہے۔

﴿وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ﴾ اور نوح علیہ السلام کو ہم نے نجات دی جب پکارا اس نے اس سے پہلے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب اور لوط علیہم السلام سے پہلے ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال قوم کو وعظ، تبلیغ کی۔ دن کو، رات کو، کھلے لفظوں میں، چھت پر چڑھ کر اعلان کیا ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [الاعراف: ۵۹] "اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔" اور پوشیدہ طور پر بھی توحید کی دعوت دی یعنی ایک ایک کے کان میں کہا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی تعداد

سورہ نوح میں پوری تفصیل موجود ہے۔ سورہ ہود آیت نمبر ۴۰ میں ہے ﴿وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ "اور نہیں ایمان لائے ان کے ساتھ مگر بہت تھوڑے۔" بعض تفسیروں میں ۸۰ کا ذکر آتا ہے بعض میں چوراسی کا، سو آدمی پورا نہیں ہوا، بیوی ایمان نہیں لائی، ایک بیٹا ایمان نہیں لایا کنعان اس کا نام تھا۔ تو نوح علیہ السلام نے پکارا ستائیسواں پارہ سورۃ القمر میں ہے ﴿فَدَعَا

رَبَّہٗۤ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ ﴾ "پس دعا کی نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے بے شک میں عاجز ہوں پس میرا بدلہ لے۔" ساڑھے نو سو سال مقابلہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاسۡتَجَبۡنَا لَہٗ﴾ پس ہم نے قبول کیا اس کی دعا کو ﴿فَنَجَّیۡنٰہُ وَ اَہۡلَہٗ﴾ پس ہم نے نجات دی اس کو اور اس کے اہل کو جو مومن تھے ﴿مِنَ الۡکَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ﴾ بڑی پریشانی سے۔ کرب عظیم سے مراد وہ دکھ ہے جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے لوگوں کو دیکھتے تھے تو ان کو ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی پوجا بھی ختم کی اور غیر اللہ کے پوجا کرنے والے بھی ختم کیے۔ اور بعض کرب عظیم سے وہ غرقابی مراد لیتے ہیں جس میں ساری قوم غرق ہوئی۔ رب تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے ان کو نجات دی۔ ﴿وَ نَصَرۡنٰہُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا﴾ اور ہم نے مدد کی ان کی اس قوم کے مقابلے میں جنھوں نے جھٹلایا ﴿بِاٰیٰتِنَا﴾ ہماری آیتوں کو ﴿اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ﴾ بے شک وہ بُری قوم تھے ﴿فَاَغۡرَقۡنٰہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ﴾ پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا سیلاب میں۔ یہ واقعات اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اس لیے بیان کیے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے نقش قدم پر چلو اور کافر قوموں کے طریقے نہ اپناؤ۔

~~~

﴿وَ دَاوٗدَ﴾ اور آپ یاد کریں تذکرہ داؤد علیہ السلام کا ﴿وَ سُلَیۡمٰنَ﴾ اور سلیمان علیہ السلام کا ﴿اِذۡ یَحۡکُمٰنِ﴾ جس وقت انہوں نے فیصلہ کیا ﴿فِی الۡحَرۡثِ﴾ کھیتی کے بارے میں ﴿اِذۡ نَفَشَتۡ فِیۡہِ﴾ جس وقت رات کو جا پڑیں اس میں ﴿غَنَمُ الۡقَوۡمِ﴾ ایک قوم کی بھیڑ بکریاں ﴿وَ کُنَّا لِحُکۡمِہِمۡ شٰہِدِیۡنَ﴾ اور تھے ہم ان کے فیصلے کے گواہ ﴿فَفَہَّمۡنٰہَا سُلَیۡمٰنَ﴾ پس ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سلیمان علیہ السلام کو ﴿وَ کُلًّا اٰتَیۡنَا حُکۡمًا﴾ اور ہر ایک کو ہم نے حکم دیا ﴿وَّ عِلۡمًا﴾ اور علم دیا ﴿وَّ سَخَّرۡنَا﴾ اور ہم نے مسخر کیے ﴿مَعَ دَاوٗدَ﴾ داؤد علیہ السلام کے ساتھ ﴿الۡجِبَالَ﴾ پہاڑ ﴿یُسَبِّحۡنَ﴾ وہ تسبیح پڑھتے تھے ﴿وَ الطَّیۡرَ﴾ اور پرندے ﴿وَ کُنَّا فٰعِلِیۡنَ﴾ اور ہم کرنے والے تھے ﴿وَ عَلَّمۡنٰہُ﴾ اور ہم نے تعلیم دی ان کو ﴿صَنۡعَۃَ﴾ بنانے کی ﴿لَبُوۡسٍ﴾ زرہ ﴿لَّکُمۡ﴾ تمھارے لیے ﴿لِتُحۡصِنَکُمۡ﴾ تاکہ وہ بچائے تمھیں ﴿مِّنۡۢ بَاۡسِکُمۡ﴾ تمھاری لڑائی میں ﴿فَہَلۡ اَنۡتُمۡ شٰکِرُوۡنَ﴾ پس کیا تم شکر ادا کرتے ہو ﴿وَ لِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ﴾ اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہم نے مسخر کیا ہوا کو ﴿عَاصِفَۃً﴾ بڑی تیز چلتی تھی ﴿تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِہٖۤ﴾ چلتی تھی ان کے حکم سے ﴿اِلَی الۡاَرۡضِ الَّتِیۡ﴾ اس زمین کی طرف ﴿بٰرَکۡنَا فِیۡہَا﴾ جس میں ہم نے برکت رکھی ہے ﴿وَ کُنَّا بِکُلِّ شَیۡءٍ عٰلِمِیۡنَ﴾ اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں ﴿وَ مِنَ الشَّیٰطِیۡنِ﴾ اور جنات میں سے ہم نے تابع کیے ﴿مَنۡ یَّغُوۡصُوۡنَ لَہٗ﴾ جو غوطہ لگاتے تھے ان کے لیے ﴿وَ یَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا﴾ اور عمل کرتے تھے عمل کرنا ﴿دُوۡنَ ذٰلِکَ﴾ اس
~~~

کے علاوہ ﴿وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ﴾ اور تھے ہم ان کے نگران۔

شرعی طور پر وکیل کی کوئی ضرورت نہیں ؟

حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام خلیفۃ اللہ فی الارض کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی اور زبور کتاب عطا فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کا بادشاہ بنایا۔ ایک دن اپنی عدالت میں فصل خصومات یعنی مقدمات سننے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ لوگ پریشان ہو کر آئے۔ اس زمانے میں ججوں اور قاضیوں کے ساتھ براہ راست گفتگو ہو سکتی تھی۔ آج وکیل کے بغیر جج کے ساتھ گفتگو نہیں کر سکتے اور اسلامی قانون کے مطابق تمھیں جج کو ملنے کے لیے کسی وکیل کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں! اگر تم مناسب سمجھو کہ اپنے مقدمے کی اچھی طرح پیروی نہیں کر سکتے یا جج اور قاضی کی زبان تم نہیں جانتے تو گنجائش ہے کہ اپنا وکیل مقرر کر لو ورنہ تمھیں شرعی طور پر کسی وکیل کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی درخواست دینے کے لیے کسی کورٹ فیس ٹکٹ کی ضرورت ہے۔ آج تو اپنا مقدمہ لڑنے کا حال ہی کوئی نہیں ہے۔

تو خیر کچھ لوگ اپنا مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں آئے۔ کہنے لگے حضرت! ہم نے بڑی محنت کے ساتھ کھیتی کاشت کی، اس کی گوڈی (نلائی) کی، پانی لگایا اور اس کھیتی کے علاوہ عالم اسباب میں ہمارا اور کوئی گزر اوقات بھی نہیں ہے۔ اور ہمارے ہمسائیوں کی بے شمار بھیڑ بکریاں رات کو کھیتی میں جا پڑیں اور صفایا کر دیا۔ حضرت! بے شک خود تشریف لے جا کر معاینہ کر لیں یا اپنا نمائندہ بھیج کر تحقیق کر لیں ہمارا بڑا نقصان ہوا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے تحقیق کی تو واقعتا بات ٹھیک تھی دوسرے لوگوں کی کھیتیاں بڑی اُونچی اُونچی تھیں اور ان کے ہاں ایک پودا بھی نظر نہیں آتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کچھ سمجھ دار آدمیوں سے جو کھیتی کے فن کو جانتے تھے مشورہ کیا ان کا کتنا نقصان ہوا ہے؟ مثال کے طور پر انھوں نے بتایا کہ ان کا پانچ ہزار کا نقصان ہوا ہے۔ منشی کو فرمایا کہ لکھ لو مدعی کا پانچ ہزار کا نقصان ہوا ہے بھیڑ بکریوں والوں سے پوچھا کہ تم نقد کی صورت میں ان کا یہ نقصان ادا کر سکتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس تو صرف یہی ریوڑ ہے۔ جب ریوڑ کی قیمت لگائی تو بھی پانچ ہزار بنتی تھی۔ فرمایا یہ بھیڑ بکریاں کھیتی والے کے حوالے کر دو۔ یہ فیصلہ سنا دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی مقدمہ سن رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں القاء کیا۔ کہنے لگے ابا جی! میں بھی کوئی بات کر سکتا ہوں؟ فرمایا کیوں نہیں! کہنے لگے ابھی کھیتی کی جڑیں موجود ہیں یہ ریوڑ والے کے حوالے کر دو وہ اس کو پانی دے، گوڈی کرے، اس کی حفاظت کریں اور ان کا ریوڑ کھیتی والے کے حوالے کر دیں وہ ان کا دودھ نکال نکال کر پئیں۔ جب کھیتی جوان ہو جائے تو کھیتی کھیتی والوں کے حوالے کر دی جائے اور ریوڑ ریوڑ والوں کے حوالے کر دیا جائے۔ نہ ان کا نقصان ہو اور نہ ان کا نقصان ہو۔ اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ﴾ اور آپ ذکر کریں داؤد علیہ السلام کا اور سلیمان علیہ السلام کا ﴿اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ﴾ جس وقت انھوں نے فیصلہ کیا کھیتی کے بارے میں ﴿اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ﴾ جس وقت رات کو جا پڑیں اس میں ایک قوم کی بھیڑ بکریاں ﴿وَکُنَّا لِحُکْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ﴾ اور تھے ہم ان کے فیصلے کے گواہ ﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ﴾ پس ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سلیمان علیہ السلام کو۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی حق تھا اور سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ بھی حق تھا۔

معصوموں کی رائے میں اختلاف ہو سکتا ہے تو اماموں کی رائے میں کیوں نہیں ہو سکتا ؟

اس سے معلوم ہوا کہ معصوموں کے فیصلے میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ دونوں پیغمبر ہیں اور پیغمبر معصوم ہوتا ہے۔ تو جب معصوموں کی رائے میں اختلاف ہو سکتا ہے اور دونوں کی رائے صحیح ہے ایک کی زیادہ صحیح ہے اور ایک کی اس سے ذرا کم۔ تو اماموں کی رائے میں اختلاف کیوں نہیں ہو سکتا جب کہ ہم اماموں اور مجتہدین کو معصوم بھی نہیں سمجھتے۔ بات ہے ائمہ مجتہدین کی جو واقعتاً مجتہد ہیں۔ ویسے کوئی یونہی اعتراض کرے تو اس کی بات ہم نہیں کرتے۔ لہٰذا ائمہ مجتہدین کے فیصلے اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، ثابت ہیں چاہے ایک دوسرے سے ٹکراتے کیوں نہ ہوں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ مجتہد سے غلطی بھی ہو جائے تو پھر بھی رب تعالیٰ اس کو اجر دے گا اور اگر صحیح بات کو پہنچ گیا تو دوہرا اجر ملے گا۔ تو رائے کا اختلاف ہو سکتا ہے۔

دینی مجلس کی فضیلت ؟

بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے جہاں کوئی اچھی مجلس ہوتی ہے۔ مثلاً: قرآن پاک کے درس کی مجلس ہے، حدیث شریف کے درس کی مجلس ہے، کہیں دین کی باتیں ہو رہی ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہے، غرض کہ جو بھی نیکی کی مجلس ہو وہاں پر فرشتوں نے ان لوگوں کے سروں سے لے کر آسمان تک فضا کو گھیرا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کو جا کر سناتے ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ "میرے بندوں کو تم نے کس حال میں چھوڑا ہے۔" کہتے ہیں اے پروردگار! آپ کی رضا کے لیے اکٹھے ہوئے تھے آپ کے دین کی باتیں اور احکام سنتے تھے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں فرشتو! گواہ ہو جاؤ میں نے ان کو بخش دیا ہے۔ ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے اے پروردگار! ایک آدمی بخشنے کے قابل نہیں ہے وہ مجلس میں شریک نہیں تھا اس کو مجلس والوں میں سے کسی کے ساتھ کام تھا۔ مثلاً: چابی لینے آیا تھا یا کوئی پیغام دینے آیا تھا یا کسی سے کچھ پوچھنے کے لیے آیا تھا۔ اس فرشتے کی رائے تھی کہ اس کی بخشش نہیں ہونی چاہیے۔ باقی فرشتوں کی رائے تھی کہ سب کی بخشش ہونی چاہیے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس مجلس کی برکت سے سب کو بخش دیا۔ تو فرشتوں کی رائے میں اختلاف موجود ہے۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ پہلی اُمتوں میں سے ایک آدمی نے ننانوے قتل کیے پھر دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں نے بڑے گناہ کئے ہیں بڑا مجرم ہوں کسی عالم سے مسئلہ پوچھوں کہ میرے لیے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ اس کو بتلایا گیا کہ

فلاں گاؤں میں ایک بہت بڑے عالم ہیں ان سے جا کر مسئلہ پوچھو۔ ان کے پاس گیا اور کہنے لگا میں ننانوے آدمیوں کا قاتل ہوں ھل لی توبۃ "کیا میرے لیے کوئی توبہ ہے؟" اس نے کہا کہ ننانوے آدمیوں کا تو قاتل ہے تیرے لیے توبہ کہاں سے ہوگی؟ وہ جذباتی آدمی تھا اس نے اس عالم پادری کو بھی قتل کر دیا اب سو پورے ہو گئے۔ پھر پوچھا کہ اس علاقے میں کوئی عالم ہے جو میرا مسئلہ حل کر دے؟ لوگوں نے بتلایا کہ فلاں علاقے میں ایک بڑے پادری ہیں۔ ادھر جاتے ہوئے راستے میں فوت ہو گیا اور اس نے مرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو اس بستی کی طرف گھسیٹا۔

بخاری شریف میں روایت ہے عذاب والے فرشتے آگئے کہ یہ سو آدمیوں کا قاتل ہے ہم نے اس کو دوزخ میں لے جانا ہے۔ اور رحمت والے فرشتے بھی آگئے کہ یہ توبہ کی نیت سے جا رہا تھا ہم نے اس کو جنت میں لے جانا ہے۔ اب فرشتوں میں اختلاف ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم پیمائش کر لو کہ توبہ کے لیے جس گاؤں کی طرف جا رہا تھا اگر وہ قریب ہے تو رحمت والے فرشتے لے جائیں اور اگر جدھر سے آیا ہے وہ سفر کم ہے تو عذاب والے فرشتے لے جائیں۔ پیمائش ہوئی تو جدھر جا رہا تھا اس طرف کی مسافت ایک بالشت کم نکلی۔ فرمایا رحمت کے فرشتے لے جائیں۔ دیکھو! اختلاف تو معصوم فرشتوں کی رائے میں بھی ہو گیا البتہ اس میں ایک بڑا اشکال ہے اور محدثین بڑے پریشان ہیں کہ سو آدمیوں کا قاتل کیسے جنت میں چلا گیا؟ قتل تو ایک بھی بڑا گناہ ہے۔ شارح حدیث، محدثین، فقہاء اس سلسلے میں بڑے پریشان ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو آخری بات فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اصحاب حقوق کے حقوق پورے کر دے گا ان کو راضی کر دے گا۔ کیوں کہ حقوق العباد ضروری ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ راضی ہو تو پھر سب راضی ہیں وہ خود انتظام کرے گا۔

تو فرمایا ہم نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا ﴿وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ اور ہر ایک کو ہم نے حکم دیا اور علم دیا۔ داؤد علیہ السلام بھی پیغمبر ہیں اور سلیمان علیہ السلام بھی پیغمبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ فی الارض بنایا اور جوان کی شان کے لائق علم تھا عطا فرمایا۔ ﴿وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ﴾ اور ہم نے مسخر کیے داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ، تابع کیے۔ کیسے تابع کیے ﴿يُسَبِّحْنَ﴾ وہ تسبیح پڑھتے تھے۔ مثلاً: حضرت داؤد علیہ السلام کہتے سبحان اللہ! تو ساتھ پہاڑ بھی کہتے سبحان اللہ! وہ کہتے الحمد للہ! ساتھ پہاڑ بھی کہتے الحمد للہ!

منکرین معجزات کی خرافات

وہ لوگ جو معجزات اور کرامات کے منکر ہیں ان کی خرافات بھی سن لو۔ وہ کہتے ہیں کہ بات یہ تھی کہ جب داؤد علیہ السلام پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہو کر کہتے تھے سبحان اللہ! تو پہاڑوں سے جو واپسی آواز آتی ہے جس کو صدائے بازگشت کہتے ہیں یہ پہاڑوں کی تسبیح تھی۔ بھئی! اگر یہ معنیٰ ہو تو پھر ﴿سَخَّرْنَا﴾ کا کیا معنیٰ ہے کہ ہم نے مسخر کیے داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ؟ اگر ان کی بات مان لی جائے تو پھر تو میرے جیسا گنہگار، بلغم کا مارا ہوا بھی پہاڑ کے دامن میں جا کر کہے سبحان اللہ! تو واپسی کی آواز آئے گی۔

پھر داؤد علیہ السلام کی خصوصیت کیا ہوئی؟ میری بات کچھ سمجھ آرہی ہے نا؟ لہٰذا حقیقتاً پہاڑ داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے۔

﴿وَالطَّيْرَ﴾ اور پرندے بھی ہم نے مسخر کیے۔ پرندے بھی داؤد علیہ السلام کے ساتھ سبحان اللہ! الحمد للہ! پڑھتے تھے جوان کے آس پاس ہوتے تھے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے انکار نہ کرنا، شک نہ کرنا کیوں؟ ﴿وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾ اور ہم کرنے والے تھے۔ اگر آواز ہی واپس آنی تھی تو رب تعالیٰ کو یہ الفاظ فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ فرمایا ﴿وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ﴾ اور ہم نے ان کو تعلیم دی زرہ بنانے کی تمھارے لیے۔ ﴿لَبُوْسٍ﴾ زرہ کو کہتے ہیں۔ لڑائی کے وقت لوہے کا جو کوٹ پہنتے ہیں جس پر تیر تلوار اثر نہیں کرتی اور سر پر جو ٹوپی پہنتے ہیں لوہے کی اس کو خود کہتے ہیں ﴿لِتُحْصِنَكُمْ﴾ تاکہ وہ زرہ تمھیں بچائے ﴿مِّنْۢ بَاْسِكُمْ﴾ تمھاری لڑائی میں۔ میدان جنگ میں زرہ پہن لو دشمن کا تیر، تلوار، نیزہ تمھارے بدن پر اثر نہیں کرے گا ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ﴾ پس کیا تم شکر ادا کرتے ہو اپنے رب کی نعمتوں کا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے دیکھو! انسان کی نبض چلتی ہے اور اس سے دل حرکت کرتا ہے اور حیات باقی رہتی ہے۔ تو انسان اس نبض کے حرکت کرنے کا شکر ادا نہیں کر سکتا، سانس کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ باقی رب تعالیٰ کی نعمتوں کا تو شمار ہی نہیں ہے ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ [ابراہیم: ۳۴] "اور اگر تم شمار کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو شمار نہیں کر سکتے۔"

فرمایا ﴿وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ﴾ اور ہم نے مسخر کیا سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو ﴿عَاصِفَةً﴾ بڑی تیز چلتی تھی ﴿تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ﴾ چلتی تھی ان کے حکم کے ساتھ ﴿اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا﴾ اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی ہے۔ اب جو زائغین اور کج رو ہیں انھوں نے یہاں بھی تاویل کی ہے۔ کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی بڑی بڑی کشتیاں تھیں تیز ہوا ان کو دھکیلتی ہوئی چلتی تھی۔ سوال یہ ہے کہ وہ ہوا آج بھی چلتی ہے پہلے بھی چلتی تھی پھر سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کے مسخر کرنے کا کیا معنی ہے؟ ان تاویلوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے حق یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک بڑا تخت تھا اس میں سیٹیں تھیں جیسے جہاز میں ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا آتی تھی تخت کو اٹھا کر بلندیوں پر چلتی تھی اور جہاں حکم ہوتا تھا وہاں رکھ دیتی تھی۔ یہاں ﴿عَاصِفَةً﴾ کا لفظ ہے تیزی کے ساتھ۔ اور تیئیسویں پارہ میں سورہ ص میں ﴿رُخَآءً﴾ کا لفظ ہے آہستہ چلتی تھی۔ اس کی تطبیق یوں دیتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کو جلدی ہوتی تھی تو تیز چلتی تھی اور اگر جلدی نہیں ہوتی تھی تو آہستہ چلتی تھی۔ جیسے ریل گاڑیاں، بسیں وغیرہ ہیں ڈرائیور تیز چلائیں تو تیز چلتی ہیں آہستہ چلائیں تو آہستہ چلتی ہیں۔ صبح سے لے کر دوپہر تک ایک مہینے کا سفر ہوتا تھا اور دوپہر سے لے کر شام تک ایک مہینے کا سفر ہوتا تھا۔ سورہ سبا آیت نمبر ۱۲ میں ہے ﴿غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾ "اس کا پہلا پہر ایک ماہ کی مسافت طے کرتا تھا اور پچھلا پہر بھی ایک ماہ کی۔" یعنی لوگ طبعی طور پر ایک ماہ میں جتنا سفر کرتے ہیں۔ مثلاً: اُسْتَخر ایک مقام ہے ایران میں وہاں سے کابل کا ایک مہینے کا سفر ہے۔ تو ایک مہینے کا سفر صبح سے دوپہر تک ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ نے ہوا کو ان کے تابع کیا تھا وہ ان کے حکم کے ساتھ چلتی تھی کسی شک، شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ برکت والی زمین سے مراد شام کا علاقہ ہے آج کا شام، اردن، لبنان، فلسطین اور جو علاقہ اسرائیل کے پاس ہے یہ سارا شام بھی کہلاتا تھا اور کنعان بھی کہلاتا تھا اب ان مغربی باطل

قوتوں نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے کہ یہ آپس میں سر جوڑ کر بیٹھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔

دشمنان دین کی سازش :

یہ ایسی خبیث قومیں ہیں کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر فضا میں دو پرندے لڑتے ہوں تو ہمیں خدشہ ہوتا ہے کہ اس میں بھی برطانیہ کا ہاتھ ہوگا اور اگر سمندر میں دو مچھلیاں لڑتی ہوں تو ہم کہتے ہیں کہ اس میں بھی اس شیطان کا ہاتھ ہوگا۔ وہ اسلام اور مسلمان کے نام سے جلتے ہیں لیکن مسلمانوں کے ساتھ ان کے مفاد بھی ہیں۔ تیل مسلمانوں کے پاس ہے، سونا ان کے پاس ہے دنیا کا نصف سے زیادہ حصہ مسلمانوں کے پاس ہے جس میں ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے مگر افسوس ہے کہ مسلمان ابھی تک سنبھلے نہیں ہیں غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں۔ چین پاکستان سے دو سال بعد آزاد ہوا ہے اس نے ایٹم بم، ہائیڈروجن بم بنا لیے ہیں، ہم ٹینکوں میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے ابھی تک کوئی جہاز نہیں بنا سکے ہم آپس میں لڑتے ہیں کوٹھیاں بناتے ہیں وغیرہ۔ پبلک کے لیے کچھ نہیں کرتے اپنے پیٹ کے لیے کرتے ہیں۔ اپنی برادری، عزیز رشتہ داروں کو خوب نوازتے ہیں ملک وقوم کے لیے کچھ نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ﴾ اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں ﴿وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ اور جنات میں سے ہم نے تابع کیے سلیمان علیہ السلام کے، جنات پر ان کی حکمرانی تھی ﴿مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ﴾ جو غوطہ لگاتے تھے ان کے لیے سمندروں میں، دریاؤں میں ہیرے اور موتی نکالتے تھے ﴿وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ اور عمل کرتے تھے عمل اس کے علاوہ۔ عمارتیں بناتے تھے، مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں جنات کا کافی حصہ ہے، قلعے بناتے تھے ﴿وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ﴾ اور تھے ہم ان کے نگران۔ ہمیں سمجھتے ہو کہ نہیں؟ یہ نہ سمجھنا کہ جنات انسان کے تابع ہو گئے ہم حفاظت کرنے والے تھے۔ انکار کی کوئی بات نہیں ہے۔

﴿وَاَيُّوْبَ﴾ اور ذکر کریں ایوب علیہ السلام کا ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ﴾ جس وقت پکارا اس نے اپنے رب کو ﴿اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ﴾ بے شک مجھے پہنچی ہے تکلیف ﴿وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ اور آپ سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ﴾ پس ہم نے قبول کی اس کی دعا ﴿فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ﴾ پس ہم نے دور کی جو اس کی تکلیف تھی ﴿وَّاٰتَيْنٰهُ﴾ اور ہم نے دیئے ان کو ﴿اَهْلَهٗ﴾ ان کے گھر کے افراد ﴿وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ﴾ اور ان جیسے اور بھی ان کے ساتھ ﴿رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ رحمت کرتے ہوئے اپنی طرف سے ﴿وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ﴾ اور نصیحت ہے عبادت کرنے والوں کے لیے ﴿وَاِسْمٰعِيْلَ﴾ اور ذکر کریں اسماعیل علیہ السلام کا ﴿وَاِدْرِيْسَ﴾ اور ادریس علیہ السلام کا ﴿وَذَا الْكِفْلِ﴾ اور ذوالکفل علیہ السلام کا ﴿كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ سب کے سب صبر کرنے والوں میں سے تھے ﴿وَاَدْخَلْنٰهُمْ﴾ اور داخل کیا ہم

نے ان کو ﴿فِيْ رَحْمَتِنَا﴾ اپنی رحمت میں ﴿اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ بے شک وہ نیکوں میں سے تھے ﴿وَذَا النُّوْنِ﴾ اور مچھلی والے کا بھی ذکر کرو ﴿اِذْ ذَّهَبَ﴾ جس وقت وہ گیا ﴿مُغَاضِبًا﴾ ناراض ہوکر ﴿فَظَنَّ﴾ پس اس نے خیال کیا ﴿اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ یہ کہ ہم اس پر تنگی نہیں کریں گے ﴿فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ﴾ پس پکارا اس نے اندھیروں میں ﴿اَنْ لَّآ اِلٰهَ﴾ یہ کہ نہیں ہے کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ﴿اِلَّآ اَنْتَ﴾ مگر آپ ہی ﴿سُبْحٰنَكَ﴾ آپ کی ذات پاک ہے ﴿اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک میں تھا ظالموں میں سے ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ﴾ پس ہم نے قبول کیا اس کی دعا کو ﴿وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ﴾ اور ہم نے نجات دی اس کو پریشانی سے ﴿وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور اسی طرح ہم نجات دیتے ہیں مومنوں کو۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد اور مال کا ذکر

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبروں کا ذکر اور حال چلا آ رہا ہے۔ پہلے نوح علیہ السلام کا پھر داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کا۔ اب ایوب علیہ السلام کا ذکر ہے ان کا علاقہ ایشیائے کوچک ہے جو اس وقت ترکوں کے پاس ہے ان کے والد محترم کا نام عیش تھا۔ ایوب بن عیش علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت و رسالت عطا فرمائی اور اس کے ساتھ ساتھ دنیا، مال و دولت سے بھی نوازا۔ "ایوب" مستقل کتاب ہے بائبل میں۔ اس میں تصریح ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے سات لڑکے اور تین لڑکیاں عطا فرمائیں۔ سب کے سب جوان ہوئے اور ان کی شادیاں کر دیں۔ ان کی اہلیہ محترمہ کا نام تھا رحمت بنت فراثیم رحمہا اللہ تعالیٰ۔ تین ہزار اُونٹ، سات ہزار بھیڑ بکریاں، پانچ سو جوڑی بیلوں کی ان کے پاس تھی بڑا عجیب قسم کا منظر تھا لنگر ہر وقت جاری رہتا تھا، مہمانوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام ان کے سامنے دین کا صحیح نقشہ پیش فرماتے کہ توحید کو قبول کرو رسالت اور قیامت کو تسلیم کرو۔ وہ کھانا کھاتے، تقریر سنتے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا ابتلا

تفسیروں میں بہت ساری باتیں لکھی ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ ایوب علیہ السلام کے ذہن میں خیال آیا کہ اس علاقہ میں مجھ سے بڑا مال دار کوئی نہیں ہے یعنی اپنے مال پر تھوڑا سا ناز کیا یہ رب تعالیٰ کو پسند نہ آیا رب تعالیٰ نے امتحان میں مبتلا کر دیا۔ اور یہ وجہ بھی لکھی ہے کہ کسی جگہ جا رہے تھے راستے میں ایک مظلوم نے اپنی مظلومیت بیان کی اور مدد مانگی ان کو جلدی تھی چلے گئے اور اس کی مدد نہ کی اور تیسری وجہ یہ لکھی ہے کہ ایک دن ایوب علیہ السلام نے اپنے اہل خانہ کو فرمایا کہ بکری ذبح کر کے بھونو۔ خود بھی کھاؤ اور مجھے بھی کھلاؤ۔ پہلے پڑوسیوں کو دینے کی عادت تھی اس دن بھول گئے اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہ آیا۔ کوئی بھی وجہ ہو یہ بات حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انانیت پسند نہیں ہے، فخر و ناز پسند نہیں ہے، تواضع اور عاجزی پسند ہے۔ ایک دن ایسا ہوا

کہ ایک لڑکے نے سب بہن بھائیوں کی دعوت کی والدین سمیت۔ والدہ رحمت بی بی رحمہا اللہ اور والد ایوب علیہ السلام نے کہا کہ سارے مکان کو بند کر کے جانا مشکل ہے۔ بہت بڑا مکان تھا کوئی کتا بلا اندر نہ آ جائے تم سارے جا کر کھا کر فارغ ہو کر آ جاؤ پھر ہم جا کر کھا لیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ رب تعالیٰ کی قدرت کھانا کھا رہے تھے کہ مکان گرا سب نیچے آ کر دب کے مر گئے۔ بیٹے بیٹیاں، داماد، بہوئیں، بڑے چھوٹے کوئی ایک بھی نہ بچا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا۔

دیکھو! آج گھر میں ایک فرد فوت ہو جائے تو کتنا صدمہ ہوتا ہے؟ آخر وہ بھی انسان تھے ان کے کفن دفن کا انتظام کیا صدمے کا کوئی حساب نہیں تھا۔ ملازموں سے کہا یہ مال ڈنگر تمہارا ہے اب مجھے ان کا کیا کرنا ہے۔ ملازموں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی غلط فائدہ اٹھایا کچھ ملازم لے گئے کچھ دوسرے لوگ لے گئے حتیٰ کہ وہ وقت بھی آیا کہ بی بی! گھروں میں جا کر کام کرتی اور روٹی وغیرہ لے کر آتی۔ جہاں ہر وقت دیگیں پکتی ہوں وہاں یہ حال ہو جائے کہ کسی کے گھر جھاڑ و پھیر کر روٹی لائے بہت بڑا امتحان ہے۔ یہ حالت کتنا عرصہ رہی؟ تین سال، سات سال، تیرہ سال اور اٹھارہ سال بھی لکھے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بلند پائے کے محدث ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ سند کے لحاظ سے تیرہ سال والی روایت قوی ہے۔ آج تو بندہ ایک دن کی تکلیف گوارا نہیں کر سکتا۔ تین، سات سال بھی کیا کم ہیں؟ پہلے جو لوگ آتے جاتے، کھاتے اور مونچھیں تر کر کے جاتے تھے اب وہ قریب بھی نہیں لگتے۔ یہ دنیا کا وطیرہ ہے جب رب تعالیٰ کسی کو مال و دولت دے تو سارے رشتہ دار بن جاتے ہیں کہ میرا یہ رشتہ ہے میرا یہ رشتہ ہے۔ غریب کے قریب کوئی نہیں آتا۔ یہاں بعض تفسیروں میں کہاوتیں لکھی ہیں جو صحیح نہیں ہیں کہ ان کے بدن میں کیڑے پڑ گئے تھے، یہ تھا اور وہ تھا یہ نری خرافات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو ایسی بیماری سے محفوظ رکھتا ہے جو لوگوں کی نفرت کا سبب ہو۔ کوئی پیغمبر گنجا نہیں تھا، کانا نہیں تھا، کوئی کوڑھ والا نہیں تھا۔ البتہ جسم کے اندر درد، پیٹ درد، بخار، صدمہ وغیرہ یہ چیزیں نبوت کے خلاف نہیں ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی باوفا بیوی کا ذکر

بہر حال بی بی! بڑی وفادار تھی۔ محنت مشقت کر کے لاتی خود بھی کھاتی ان کو بھی کھلاتی اس نے ساتھ نہیں چھوڑا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ واپس گھر آ رہی تھی ایک جگہ مجمع لگا ہوا تھا اس میں ایک حکیم کھڑا تھا لوگوں کو گولیاں اور پڑیاں دے رہا تھا یہ بھی جا کر کھڑی ہو گئیں اور کہا کہ میرا خاوند بیمار ہے اور میرے پاس پیسہ دھیلا بھی کوئی نہیں ہے۔ اس نے کہا تمھارا کیا نام ہے؟ انھوں نے کہا رحمت بی بی بنت فراثیم۔ خاوند کا کیا نام ہے؟ ایوب بن عیش علیہ السلام۔ کہنے لگا بی بی! میں نے کوئی پیسہ نہیں لینا یہ دوائی مفت لے جاؤ مگر اتنی بات کہہ دینا کہ حکیم نے شفا دے دی، حکیم نے شفا دے دی۔ وہ بناوٹی حکیم ابلیس لعین تھا۔ بی بی پڑیاں لے کر گھر گئی اور کہا کہ حکیم نے دوائی مفت میں دی ہے اور کہا ہے کہ بس اتنا کہہ دینا کہ حکیم نے شفا دی ہے۔ یہ شرکیہ جملہ تھا اگرچہ اس کی تاویل ہو سکتی تھی کہ حکیم شفا کا سبب بنا ہے شفا تو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔

دوا اس سے شفا اُس سے نہ دوسرا شافی پایا
حکیموں کے بھی نسخوں پر ھوالشافی لکھا پایا

پہلے جو حکیم تھے نسخہ لکھتے تھے تو کنارے پر ھوالشافی لکھتے تھے۔ اب تو اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے بھی کم ہو گئے ہیں۔ بہر حال حضرت ایوب علیہ السلام کو اس جملے پر غصہ آیا کہ کہہ دینا حکیم نے شفا دی ہے۔ فرمایا میں تجھے سو لاٹھیاں ماروں گا ابلیس کو اتنی جرأت ہو گئی ہے کہ وہ میرے ایمان پر ڈاکا ڈالتا ہے۔ یہ لاٹھیوں کا ذکر سورۃ ص میں ہے۔ ایک دن رب تعالیٰ کی رحمت نے جوش مارا حضرت ایوب علیہ السلام کو فرمایا ﴿اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ﴾ اپنے پاؤں کو زمین پر مارو ﴿هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ﴾ [ص:۴۲] "یہ ایک چشمہ ہے نہانے کے لیے ٹھنڈا اور پینے کے لیے۔" حضرت ایوب علیہ السلام جوان کی طرح ہو گئے۔ حضرت رحمت بی بی رحمہا اللہ تعالیٰ لوگوں کے گھروں میں کام کر کے واپس آئی تو پہچان نہ سکی۔ کہنے لگی یہاں میرے بیمار کمزور خاوند تھے۔ فرمایا میں ہی ہوں۔ بیوی نے کہا میرے ساتھ مسخرہ نہ کرو میں پیغمبر کی بیوی ہوں۔ فرمایا میں ہی ایوب پیغمبر ہوں اللہ تعالیٰ نے تندرستی دی ہے۔ پھر آگے دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسی اولاد کو زندہ کیا اور اتنے بچے اور دیئے اور یہ خدا کی قدرت سے بعید نہیں ہے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت دی پہلے سات بیٹے تھے اب چودہ بیٹے عطا فرمائے۔ تین بیٹیاں تھیں اب چھ دے دیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام غسل کر رہے تھے تو اوپر سے سونے کی ٹڈیاں گر رہی تھیں، ڈھیر لگ گیا۔ ایوب علیہ السلام نے جلدی جلدی کپڑے سے لپیٹنا شروع کیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی يَا اَيُّوْبُ اَلَمْ اَكُنْ اُغْنِيْكَ "اے ایوب! میں نے تجھے غنی نہیں کیا مال کے ساتھ۔" کہنے لگے اے پروردگار! جب آپ دینے والے ہیں تو پھر میں کیوں نہ لوں؟ یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ﴾ اور ذکر کریں ایوب علیہ السلام کا جس وقت پکارا اس نے اپنے رب کو ﴿اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ﴾ بے شک مجھے پہنچی ہے تکلیف ﴿وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ اور آپ سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ﴾ پس ہم نے قبول کیا اس کی دعا ﴿فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ﴾ پس ہم نے دور کر دیا اس کو جو ان کو تکلیف تھی ﴿وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ﴾ اور ہم نے دیئے ان کو ان کے گھر کے افراد ﴿وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ﴾ اور ان جیسے اور بھی ان کے ساتھ۔ سات بیٹے پہلے تھے اب چودہ ہو گئے پہلے تین بیٹیاں تھیں اب چھ ہو گئیں ﴿رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ رحمت کرتے ہوئے اپنی طرف سے ﴿وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ﴾ اور نصیحت ہے عبادت کرنے والوں کے لیے کہ جو رب کے پجاری ہیں رب تعالیٰ ان کو محروم نہیں کرتے۔

﴿وَ اِسْمٰعِيْلَ﴾ اور ذکر کریں اسماعیل علیہ السلام کا جو فرزند تھے ابراہیم علیہ السلام کے ﴿وَ اِدْرِيْسَ﴾ اور ادریس علیہ السلام کا جو نوح علیہ السلام کے پردادا تھے ﴿وَ ذَا الْكِفْلِ﴾ اور ذا الکفل علیہ السلام کا ذکر کریں جن کا نام بشر تھا اور وہ ایوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت عطا فرمائی اور ان کو ذوالکفل اس لیے کہتے ہیں کہ ستر (۷۰) پیغمبر اپنے اپنے علاقے سے ہجرت کر کے ان کے پاس رہتے تھے جن کو ان کی ظالم قوموں نے نہیں چھوڑا تھا۔ انھوں نے ان کی کفالت کی تھی اس

لیے ان کو ذوالکفل کہا جاتا ہے۔ نام بشرا بن ایوب بن عیش تھا۔ ﴿كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ یہ سب کے سب صبر کرنے والے تھے ﴿وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا﴾ اور ہم نے ان کو داخل کیا اپنی رحمت میں ﴿اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ بے شک وہ نیکوں میں سے تھے ﴿وَذَا النُّوْنِ﴾ اور مچھلی والے کا بھی ذکر کرو، یونس بن متّٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ

ملک عراق کے صوبہ موصل میں نینوا شہر تھا ایک لاکھ بیس ہزار کے قریب آبادی تھی حضرت یونس علیہ السلام کو ان کی نصیحت کے لیے بھیجا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے شادی کی اللہ تعالیٰ نے ان کو دولڑکے عطا فرمائے۔ ایک کی عمر آٹھ سال ہوگئی اور دوسرے کی گیارہ سال کے قریب۔ اتنی بڑی آبادی میں سے ایک آدمی نے بھی کلمہ نہ پڑھا، ایک آدمی بھی ایمان نہ لایا اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو میں تم پر عذاب نازل کروں گا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ایک دن وعظ کرتے ہوئے فرمایا اگر تم حق کو قبول نہیں کروں گے تو عذاب آئے گا۔ کسی نے پوچھا کتنے دنوں میں آئے گا۔ آگے مختلف روایتیں ہیں تین دنوں میں، چالیس دنوں میں، یہ دنوں کی تعیین رب تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھی انھوں نے اپنے اجتہاد کے ساتھ کی۔ جس وقت دن قریب آنے لگے بیوی بچے لیے اور چل پڑے کہ ان لوگوں پر تو عذاب آنا ہی ہے ہم یہاں کیوں رہیں۔

اور یہ تفسیر بھی شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی گئی ہے کہ خیال ہوا کہ میری زبان سے تین کا لفظ یا چالیس دنوں کا لفظ نکلا ہے رب تعالیٰ تو میری زبان کا پابند نہیں ہے خدانخواستہ اگر عذاب نہ آیا تو قوم مجھے شرمندہ کرے گی میں چلا ہی جاؤں تو بہتر ہے۔ چلتے ہوئے راستے میں ایک قافلہ نظر آیا قافلے والوں نے کہا کہ یہ بی بی کون ہے کہاں لے جارہے ہو؟ فرمایا یہ میری بیوی ہے یہ میرے بچے ہیں وہ زیادہ تھے ان سے بیوی چھین لی۔ آگے ایک نہر آئی ایک بچے کو نہر کے کنارے بٹھایا دوسرے کو کندھے پر بٹھایا کہ اس کو عبور کرا کے دوسرے کو لے جاؤں گا۔ نہر تیز چل رہی تھی درمیان میں پہنچے تو اُس بچے کو بھیڑیے نے اٹھالیا جس کو کنارے بٹھا کر گئے تھے گھبرائے تو دوسرا بھی گر گیا۔ ایک کو بھیڑیا لے گیا دوسرے کو نہر لے گئی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ آگے دریائے دجلہ یا فرات تھا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرات کا نام لیتے ہیں کشتی لوگوں سے بھری ہوئی تھی یہ بھی ساتھ سوار ہو گئے لوگوں کے ساتھ جارہے ہیں کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ کیا کرنا ہے۔ کشتی تھوڑی سی چلی اور رک گئی۔ ملاحوں نے کہا کہ ہمارا تجربہ ہے کہ جب کوئی غلام آقا سے بھاگ کر آتا ہے تو کشتی نہیں چلتی۔ قرعہ اندازی ہوئی تو ان کا نام آیا ان کو دریا میں گرا دیا گیا اور مچھلی نے نگل لیا۔ کتنا عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رہے؟ تین دن، دس دن، چالیس دن بھی لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی سے فرمایا یہ تمھاری خوراک نہیں ہے بلکہ تمھارا پیٹ ان کے لیے جیل ہے۔

تو فرمایا آپ ذکر کریں مچھلی والے کا ﴿اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا﴾ جس وقت وہ گیا ناراض ہو کر ﴿فَظَنَّ﴾ پس اس نے خیال کیا ﴿اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ یہ کہ ہم اس پر تنگی اور سختی نہیں کریں گے ﴿فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ﴾ پس پکارا اس نے اندھیروں میں۔ مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، دریا کی گہرائی کا اندھیرا۔ بعض فرماتے ہیں کہ تیسرا اندھیرا بادل کا تھا اور بعض فرماتے ہیں تیسرا اندھیرا رات کا تھا۔ تو

ان اندھیروں میں پکارا ﴿اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ یہ کہ نہیں ہے کوئی حاجت روا اور مشکل کشا، فریاد رس، دست گیر مگر آپ ہی ہیں۔ اے پروردگار! تیری ذات پاک ہے بے شک میں ہی تھا ظالموں میں سے کہ مجھ سے خطا ہوئی ہے کہ میں اپنی رائے سے دن متعین کر کے چل پڑا آپ کی اجازت کے بغیر یہ میری غلطی تھی۔ سورہ صٰفّٰت آیت نمبر ۱۴۴-۱۴۳ ﴿فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ۝ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝﴾ "پس اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ تسبیح پڑھنے والوں میں سے ہوتے تو البتہ وہ ٹھہرتے مچھلی کے پیٹ میں لوگوں کو دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک۔"

اس دعا کے بعد مچھلی نے ان کو کنارے پر ڈال دیا۔ ہل جل نہیں سکتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے کدو کی بیل کو درخت بنا دیا وہ ان پر چھا گیا سایہ کیا تا کہ دھوپ نہ لگے اور رب تعالیٰ کی قدرت کہ ایک ہرنی آتی ان کو دودھ پلا جاتی تھی جسم میں قوت وطاقت آئی چل پڑے دیکھا تو ایک قافلہ آ رہا ہے ان کے پاس ان کا لڑکا تھا۔ فرمایا یہ لڑکا میرا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم بھی اس کے وارث کی تلاش میں تھے ہم نے اس کو بھیڑیئے سے چھینا ہے۔ فرمایا میرا ایک اور بچہ نہر میں بہہ گیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ فلاں جگہ ایک ڈیرا ہے ان کے پاس اسی لڑکے کی شکل کا ایک لڑکا ہے۔ انھوں نے ہمیں کہا تھا کہ اگر کوئی اس کا وارث مل جائے تو ہمارے پاس بھیج دینا۔ وہاں گئے تو دوسرا بچہ بھی مل گیا دونوں بچے مل گئے بڑے خوش ہوئے۔ وہ قافلے والے جنھوں نے بیوی چھینی تھی وہ فرشتے تھے رب تعالیٰ کی طرف سے امتحان تھا انھوں نے کہا کہ لو یہ تمھاری بیوی ہے اپنی امانت لے لو ہم فرشتے ہیں ہمیں رب تعالیٰ کا حکم تھا۔ اِدھر یہ کارروائی ہوئی اُدھر قوم من حیث القوم سب نے توبہ کی، استغفار کیا، مسلمان ہو گئے۔ اس شہر میں ایک آدمی بھی بغیر کلمے کے نہ رہا۔ اس کے بعد دنیا کی تاریخ میں تین قومیں من حیث القوم مسلمان ہوئی ہیں۔ پہلے عربی، دوسرے ترکی اور تیسرے افغانی۔ عربی جب مسلمان ہوئے تو کوئی عربی غیر مسلم نہ رہا۔ ترکی جب عثمان اول کے زمانے میں مسلمان ہوئے تو ان میں کوئی غیر مسلم نہ رہا۔ افغانی جب مسلمان ہوئے تو ان میں بھی کوئی غیر مسلم نہ رہا۔ اب روس، امریکہ، برطانیہ، جرمنی، فرانس، ان باطل اور خبیث قوموں نے مسلمانوں کے ذہن بگاڑ دیئے ہیں۔

تو یونس علیہ السلام کی ساری قوم مسلمان ہو گئی اور ان کی تلاش میں نکلے کہ وہ اللہ کا بندہ ہمیں ملے تو ہم اس سے معافی مانگیں، اس کے پاؤں پکڑیں، پاؤں دھوئیں۔ ادھر سے یہ بھی جا پہنچے قوم نے استقبال کیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہمارے سروں پر آ گیا تھا ہم نے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ﴾ پس ہم نے قبول کیا اس کی دعا کو اور ہم نے نجات دی اس کو پریشانی سے ﴿وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور اسی طرح ہم نجات دیتے ہیں مومنوں کو۔

پریشان حال آدمی کے لیے دعا

ایک بات سمجھ لیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ((دَعْوَةُ الْمَكْرُوْبِ دَعْوَةُ ذِی النُّوْنِ)) "جو آدمی پریشان ہو وہ، وہ دعا کرے جو مچھلی والے پیغمبر نے کی تھی۔ "لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اخلاص اور توجہ کے ساتھ ایک

دفعہ بھی ذکر کرو تو کافی ہے۔ کسی موقع پر کسی بزرگ نے سوا لاکھ مرتبہ اس کا ورد کیا اب لوگوں نے اس کو پلے باندھ لیا ہے۔ قطعاً اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے ویسے ہی لوگوں کو مجبور کرتے ہیں۔ عورتوں بچوں کو اکٹھا کرتے ہیں وہ ایک گٹھلی کی جگہ چار گراتے ہیں اور سارا دھیان رس گلّوں کی طرف ہوتا ہے۔ اس دعا کا کیا اثر ہوگا؟ اخلاص کے ساتھ ایک دفعہ پڑھو اثر ہوگا اخلاص کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا اخلاص دعا کا جز ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: ((لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ الدُّعَآءَ مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ)) "اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں فرماتے۔" اللہ تعالیٰ سے مانگو ایمان کے ساتھ، اخلاص کے ساتھ اور پورے یقین کے ساتھ تو قبول ہوگی۔ خواہ مخواہ قیدیں لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بچیوں، بچوں کو تلاش کرو، یہ سب خرافات ہے۔

﴿وَزَكَرِيَّآ﴾ اور زکریا علیہ السلام کا قصہ بھی بیان کرو ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ﴾ جس وقت پکارا اس نے اپنے رب کو ﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ﴾ اے میرے رب نہ چھوڑیں آپ مجھ کو ﴿فَرْدًا﴾ اکیلا ﴿وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ﴾ پس ہم نے قبول کر لی اس کی دعا ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى﴾ اور عطا کیا ہم نے اس کو یحیٰ علیہ السلام ﴿وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ﴾ اور ہم نے درست کر دی اس کے لیے اس کی بیوی ﴿اِنَّهُمْ﴾ بے شک وہ ﴿كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ﴾ تھے جلدی کرتے ﴿فِي الْخَيْرٰتِ﴾ اچھے کاموں میں ﴿وَيَدْعُوْنَنَا﴾ اور ہمیں پکارتے تھے ﴿رَغَبًا﴾ شوق کرتے ہوئے ﴿وَّرَهَبًا﴾ اور ڈرتے ہوئے ﴿وَكَانُوْا لَنَا﴾ اور وہ تھے ہمارے سامنے ﴿خٰشِعِيْنَ﴾ عاجزی کرنے والے ﴿وَالَّتِيْٓ﴾ اور اس عورت کا بھی ذکر کریں ﴿اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ جس نے حفاظت کی اپنے ناموس کی ﴿فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا﴾ پس پھونکی ہم نے اس بی بی کے بدن میں اپنی طرف سے روح ﴿وَجَعَلْنٰهَا﴾ اور ہم نے بنایا اس کو ﴿وَابْنَهَآ﴾ اور اس کے بیٹے کو اٰيَةً نشانی ﴿لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ جہان والوں کے لیے ﴿اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ﴾ بے شک یہ لوگ ہیں تمھارا گروہ ﴿اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ایک ہی گروہ ﴿وَّاَنَا رَبُّكُمْ﴾ اور میں تمھارا رب ہوں ﴿فَاعْبُدُوْنِ﴾ پس میری ہی عبادت کرو ﴿وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ﴾ اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا لوگوں نے اپنا معاملہ آپس میں ﴿كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ﴾ سب کے سب ہماری طرف ہی لوٹ کر آنے والے ہیں۔

اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہوا پھر حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا پھر حضرت ایوب علیہ السلام کا پھر حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہما السلام حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا پھر مچھلی والے حضرت یونس علیہ السلام کا۔ ان تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے نام اسی رکوع میں آتے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ

اس کے ساتھ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ زَكَرِيَّآ﴾ اور آپ ان کے سامنے زکریا علیہ السلام کا ذکر کریں ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ﴾ جس وقت پکارا زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو یہ فرماتے ہوئے ﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا﴾ اے میرے پروردگار! نہ چھوڑیں آپ مجھ کو اکیلا ﴿وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ اور آپ تمام وارثوں میں بہتر وارث ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا علاقہ بھی شام تھا۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ دو بہنیں تھیں ایک حَنّہ بنت فاقوذ اور دوسری تھیں عیشاعہ بنت فاقوذ۔ حَنّہ بنت فاقوذ حضرت عمران رحمۃ اللہ علیہ کے نکاح میں تھیں جو مسجد اقصیٰ کے امام اور خطیب تھے۔ بڑے نیک طبع آدمی تھے ان کو رب تعالیٰ نے ایک لڑکا عطا فرمایا جس کا نام تھا ہارون رحمۃ اللہ علیہ۔ اس کی جوانی ہی میں اس کے تذکرے ہوتے تھے اور یہ جوانی میں ہی فوت ہو گیا اور کوئی اولاد نہ ہوئی تو حضرت حَنّہ نے دعا کی اے پروردگار! مجھے اولاد عطا فرما تاکہ وہ آپ کے گھر کی خدمت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے لڑکے کی بجائے لڑکی عطا فرمائی حضرت مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ۔ دوسری بہن عیشاعہ بنت فاقوذ کا نکاح حضرت زکریا علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر مبارک پچیس سال تھی۔ شادی کے بعد پچانوے سال گزر گئے حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال ہو گئی بیوی کی عمر ننانوے سال لکھی ہے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی اے پروردگار! وارث عطا فرما یہ نیکی کا کام چلتا رہے۔ اس کا ذکر ہے ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ﴾ جس وقت پکارا اس نے اپنے رب کو ﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ اے میرے رب نہ چھوڑیں آپ مجھ کو اکیلا اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں۔

پیغمبر کی وراثت علمی ہوتی ہے نہ کہ مالی

اس وراثت سے مراد دینی اور علمی وراثت ہے کہ یہ اچھا کام چلتا رہے دین کی خدمت ہمارے خاندان میں رہے۔ جن نادانوں نے یہ سمجھا ہے کہ مال کا وارث مانگا تھا انھوں نے غلط سمجھا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے ہاں مال کی حیثیت کیا ہے؟ اگر دعا مانگنے والے ہم ہوتے تو بات علیحدہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے معصوم پیغمبر کو مال کے ساتھ اتنی محبت ہوتی ہے جتنی ہمیں ہے؟ قطعاً نہیں!

دوسری بات یہ ہے کہ زکریا علیہ السلام کے پاس کتنا مال تھا؟ تیشہ آری چلا کر اپنا وقت گزارتے تھے۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے: ((كَانَ عَبْدًا نَجَّارًا)) "ترکھان تھے۔" پھر مشینی دور بھی نہیں تھا کہ بٹن دبایا اور بہت کچھ ہو گیا۔ نمازیں بھی پڑھنی ہیں، تبلیغ کا کام بھی کرنا ہے اور دین کے کام بھی کرنے ہیں، مہمانوں کو بھی بھگتنا ہے۔ ایک جان ہے گھر میں اور کوئی ہے بھی نہیں۔ تو تیشے آری سے کتنی دولت انھوں نے کمائی ہوگی جس کی فکر تھی کہ وارث مانگ رہے تھے۔ اور سورۃ مریم آیت نمبر ۶ میں تم پڑھ چکے ہو ﴿يَّرِثُنِیْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ "وہ میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث ہو۔" اگر مال کی وراثت مراد ہو تو حضرت زکریا علیہ السلام کی وراثت تو مل سکتی ہے یعقوب علیہ السلام کے سارے خاندان کی وراثت اس کو کیسے مل سکتی ہے؟

مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ اس وقت کوئی سید دعا کرے کہ اے پروردگار! مجھے بیٹا دے جو میرا بھی وارث بنے اور سب سیدوں کا وارث بنے، کوئی جاٹ برادری کا دعا کرے کہ اے پروردگار! مجھے بیٹا عطا فرما جو میرا بھی وارث بنے اور سب جاٹوں کا وارث بنے۔ بھئی! تیرا بیٹا تیرا تو وارث بنے گا باقیوں کا کیسے وارث بنے گا؟ یہ الفاظ خود بتلا رہے ہیں کہ رسالت کی وراثت، دین کی وراثت، شریعت کی وراثت مراد ہے۔ یہ کس موقع پر دعا کی؟ حضرت مریم علیہا السلام ان کی کفالت میں تھیں ابھی بالغ بھی نہیں ہوئی تھیں جالی دار کمرہ تھا تازہ ہوا آتی رہتی تھی حضرت زکریا علیہ السلام جب جاتے تھے تو تالا لگا کر جاتے تھے اور چابی اپنے پاس رکھتے تھے۔ جب واپس آتے تو ان کے پاس پھلوں کا ڈھیر لگا ہوا دیکھتے ﴿قَالَ﴾ "فرمانے لگے ﴿یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ هٰذَا﴾ اے مریم! یہ روزی کہاں سے آتی ہے ﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ [آل عمران: ۳۷] فرمانے لگیں یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔" حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی۔ نبی کا معجزہ ہوتا ہے امت کی کرامت ہوتی ہے۔ پھر وہ بے موسم کا پھل ہوتا تھا یہ دیکھ کر زکریا علیہ السلام کے دل میں رقت پیدا ہوئی کہ جو پروردگار ان کو بے موسم کے پھل دے سکتا ہے تو مجھے بھی بغیر موسم کے پھل دے سکتا ہے ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗ﴾ اسی کمرے میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور دعا کی اے پروردگار! اگرچہ میری عمر تو نہیں ہے ایک سو بیس سال میری عمر ہے ﴿وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ﴾ اور بیوی میری بانجھ ہے، مجھے بغیر موسم کے پھل عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی ابھی نماز میں تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری دعا قبول فرمالی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو لڑکا دے گا اور اس کا نام بھی خود رکھا ہے یحییٰ علیہ السلام۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے تعجب کا اظہار کیا ﴿اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ﴾ "میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا بڑھاپے کی وجہ سے میری کمر ٹیڑھی ہوگئی ہے ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا﴾ سر کے بال سفید ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے کہا رب تعالیٰ کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے ﴿قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَیْئًا﴾ [مریم: ۹] تحقیق میں نے تجھے پیدا کیا اس سے پہلے اور نہیں تھے آپ کوئی چیز۔" حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا کہ مجھے کوئی نشانی بتلاؤ کہ جس سے میں سمجھ جاؤں کہ میری بیوی باامید ہوگئی ہے۔ فرمایا نشانی یہ ہے کہ ﴿اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا﴾ [مریم: ۱۰] تین راتوں کا ذکر بھی ہے اور تین دنوں کا ذکر بھی ہے کہ آپ لوگوں سے بات کرنا چاہیں گے تو آپ کی زبان نہیں چلے گی۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی اور ہوگی بھی زبان ٹھیک کسی تکلیف یا بیماری کی وجہ سے رکاوٹ نہیں بنے گی۔ چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے جوان کے صحیح جانشین بنے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ﴾ پس ہم نے قبول کی اس کی دعا ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی﴾ اور ہم نے عطا کیا زکریا علیہ السلام کو یحییٰ علیہ السلام ﴿وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ﴾ اور ہم نے درست کر دی، ٹھیک کر دی ان کی بیوی۔ جو بانجھ پن کی وجہ سے نقص تھا وہ دور کر دیا۔ جائز عملیات کی کتابوں میں ہے کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ اس دعا کو پڑھے ﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ﴾ اگر رب تعالیٰ کی طرف سے اولاد کی منظوری ہوگئی تو اولاد ملے گی اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے منظوری نہ ہوئی تو پھر کچھ بھی نہیں ہوگا اولاد رب تعالیٰ ہی نے دینی ہے۔ سورۃ شوریٰ آیت نمبر ۴۹-۵۰ میں ہے ﴿یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا﴾ "بخشا

ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں ﴿وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ﴾ اور بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹے ﴿اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا﴾ یا جوڑے جوڑے دیتا ہے بیٹے بیٹیاں ﴿وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا﴾ اور بنا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بانجھ۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طبعی خواہش تھی کہ رب تعالیٰ مجھے کوئی اولاد دے مگر رب تعالیٰ کی طرف سے مقدر نہیں تھی نہیں ملی۔ حالاں کہ امام الانبیاء اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے اعلیٰ شخصیت کی بیوی ہیں۔ تو مقدر نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طبعی خواہش تھی اللہ تعالیٰ مجھے اولاد دے؟

ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے عبداللہ ابن زبیر جو حضرت اسماء بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لڑکے ہیں کو گود میں بٹھایا ہوا تھا۔ فرمانے لگیں رب تعالیٰ مجھے بھی کوئی بچہ دیتا تو میں بھی خوشی کرتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تیرا بھانجا ہے یہ بھی تیرا بچہ ہے اس کو بیٹا بنالو۔ تو انھوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بیٹا بنالیا اور انھی کی نسبت سے ان کی کنیت ہے اُمّ عبداللہ۔ آدمی ان کی کنیت پڑھ کے حیران ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تو اولاد نہیں تھی وہ اُمّ عبداللہ کیسے ہوگئیں؟ وہ اصل میں بھانجے ہیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمھارا بیٹا ہے۔ رب تعالیٰ کی حکمتیں ہیں ہم آپ نہیں سمجھ سکتے۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا بیوی کو ٹھیک کر دیا اور یحییٰ علیہ السلام عطا فرمائے۔ کیوں؟ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ﴾ بے شک وہ تھے جلدی کرتے نیک کاموں میں۔ ہم تو دنیا کے کاموں میں دنیا کمانے میں جلدی کرتے ہیں اور دین کے بارے میں بڑے لاپرواہیں۔ وہ دین کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے حالاں کہ ہمیں حکم ہے ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ [البقرہ:۱۴۸] "نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔" ﴿وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا﴾ اور ہمیں پکارتے تھے شوق کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے۔ خوشی اور غمی میں ہمیں ہی پکارتے تھے۔ ایسے نہیں کہ غمی آئے تو کوئی اور حاجت روا، مشکل کشا اور دست گیر ہو جائے اور خوشی اور راحت آجائے تو کسی اور جگہ دیگیں چڑھانے لگ جائیں۔ وہ ہر حال میں اپنے رب ہی کو پکارتے تھے ﴿وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ﴾ اور وہ تھے ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

﴿وَالَّتِيْٓ﴾ اور اس بی بی کا بھی ذکر کرو ﴿اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ جس نے حفاظت کی اپنے ناموس کی، اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا ﴿فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا﴾ پس پھونکی ہم نے اس بی بی کے بدن میں اپنی طرف سے روح ﴿وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ اور ہم نے بنایا اس کو اور اس کے بیٹے کو نشانی جہان والوں کے لیے۔

یہ تفصیل آپ حضرات سورۃ مریم میں سن چکے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام جب جوان ہوئیں سولہ سترہ سال کی عمر تھی مکان کے شرقی کونے میں دو دیواروں کے ساتھ کپڑا لٹکا کر غسل کیا سادہ زمانہ تھا غسل کے بعد کپڑے پہنے تو دیکھا کہ ایک صحت مند نوجوان کھڑا ہے، گھبرا گئیں۔ فرمانے لگیں ﴿اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ [مریم:۱۸] "میں پناہ لیتی ہوں رحمان کے

ساتھ تجھ سے اگر تو ڈرنے والا ہے۔" تو یہاں سے چلا جا۔ خیال گزرا کہ تنہائی میں کسی بُرے ارادے سے آیا ہے۔ وہ حقیقت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ "وہ متمثل ہوئے ان کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں۔" فرمایا بی بی! ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ﴿إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ﴾ "میں تو آپ کے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں جبرئیل علیہ السلام۔" تاکہ آپ کو لڑکا دوں اور لڑکا اس طرح دوں گا کہ میں بدن میں پھونک ماروں گا رب تعالیٰ آپ کے بدن میں بچے کا وجود بنا دے گا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے کہا ﴿أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا﴾ [مریم: ۲۰] "کہاں سے ہوگا میرے لیے لڑکا اور نہیں چھوا مجھے کسی انسان نے اور نہیں ہوں میں بدکار۔" میری شادی نہیں ہوئی کہ جائز طریقے سے ہو اور میں نے ناجائز بھی کوئی حرکت نہیں کی۔ یہی دو طریقے ہیں بچہ ہونے کے۔

اللہ تعالیٰ کے معصوم فرشتے نے کہا ﴿كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ [آل عمران: ۴۷] "اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔" حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد کے پیدا ہوئے ہیں چوں کہ ان کا والد کوئی نہیں ہے اس لیے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ اور بنایا ہم نے مریم علیہا السلام اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو نشانی جہان والوں کے لیے کہ بی بی کو بغیر خاوند کے بیٹا ملا اور بیٹا بغیر باپ کے پیدا ہوا۔

عیسائیوں کے غلط نظریہ کا رد

بات سمجھ لیں کہ عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ چنانچہ ہجرت کے نویں سال رجب کے مہینے میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا مناظرہ تو نہ ہوا سرسری گفتگو ہوئی، مناظرہ ہی سمجھ لو۔ ایک پادری بولا کہ آپ بتائیں اگر عیسیٰ علیہ السلام کا والد اللہ تعالیٰ نہیں ہے معاذ اللہ تعالیٰ تو پھر کون ہے؟ سورہ آل عمران آیت نمبر ۵۹ میں اس کا جواب ہے ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ﴾ "بے شک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی ہے جیسے آدم علیہ السلام ﴿خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ﴾ پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے۔" اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا دلیل ہے اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہونے کی تو پھر آدم علیہ السلام تو ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے ہیں ورنہ بتلاؤ آدم علیہ السلام کا باپ کون ہے اور ان کی ماں کون ہے؟ لہٰذا کہو نا کہ آدم علیہ السلام رب تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور تم سب رب تعالیٰ کے پوتے پڑپوتے اور نور سے ہوئے معاذ اللہ تعالیٰ۔ کتنی صاف آیتیں ہیں سمجھنے کے لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی طرح کلمہ کُن سے پیدا فرمایا ہے بغیر باپ کے جس طرح آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ہے بغیر ماں باپ کے۔

مرزا قادیانی کی زبان درازی

لیکن ناس ہو جائے قادیانیوں کا اور ان کے جھوٹے نبی کا جس نے عیسیٰ علیہ السلام کا باپ اور بہن بھائی بھی بنا ڈالے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتاب "کشتی نوح" طبع قادیان صفحہ نمبر ۱۶ پر لکھا ہے کہ مولوی بڑی بری چیز ہوتے ہیں۔ پھر مولوی کو حرف

ہجی کے لحاظ سے گالیاں دی ہیں الف سے اُلو وغیرہ۔ کہتا ہے کہ یہ مولوی کہتے ہیں میں عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرتا ہوں میں تو عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کرتا ہوں، اس کی ماں کی تعظیم کرتا ہوں، ان کے والد یوسف نجار کی تعظیم کرتا ہوں، عیسیٰ علیہ السلام کے چھ بہن بھائیوں کی تعظیم کرتا ہوں مجھ سے زیادہ احترام کرنے والا کون ہے؟ یہ ہے تعظیم کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے اور یہ لکھتا ہے کہ یوسف نجار والد ہے۔ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اکیلا پیدا کیا اور اس نے چھ بہن بھائی بنا ڈالے۔ اور اس کی ایک کتاب ہے" تریاق القلوب" اس میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین دادیاں اور تین نانیاں زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اس موضوع پر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ لکھا" الشہاب الثاقب" ظفر اللہ قادیانی (جو پاکستان کا وزیر خارجہ تھا) نے اس پر پابندی لگوائی تھی۔ بڑا علمی رسالہ ہے علماء کا ایک وفد گورنر پنجاب سردار عبد الرب نشتر کو ملا حوالے پیش کیے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ حقیقت ہے وہ حوالے سن کر رو پڑا اور کہا کہ علماء کی چیخ پکار بالکل صحیح ہے لیکن میں مجبور ہوں ملازم ہوں تم اوپر رابطہ کرو۔ اب مرزائیت کا خطرہ کم ہے چوں کہ اس پر بڑا کام ہو چکا ہے اور رافضیت کا خطرہ زیادہ ہے۔ معلوم نہیں ہمارے بادشاہ ایران سے کیا آرڈر لے کر آئے ہیں اس بات کو بھولنا نہیں نوٹ کر لیں کہ پاکستان کے لیے اس وقت سب سے بڑا فتنہ رافضی اور شیعہ ہے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ﴾ بے شک یہ لوگ ہیں تمھارا گروہ ﴿اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ایک ہی گروہ۔ یہ جن بزرگوں کا ذکر ہوا ہے نوح، ابراہیم، ایوب، زکریا، داؤد، سلیمان، اسماعیل علیہم السلام وعلی ھذا القیاس یہ سچا گروہ ایک ہی گروہ تھا ﴿وَّاَنَا رَبُّكُمْ﴾ اور میں تمھارا رب ہوں ﴿فَاعْبُدُوْنِ﴾ پس تم عبادت میری کرنا ان کی نہ کرنا یہ پیغمبر ہیں خدا نہیں ہیں ﴿وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ﴾ اور لوگوں نے اپنا معاملہ آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ کوئی کچھ بن گیا کوئی کچھ بن گیا صحیح دین پر نہ رہے اور شک نہ کریں ﴿كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ﴾ سب کے سب ہماری طرف ہی لوٹ کر آنے والے ہیں ہم ان کے ساتھ نمٹ لیں گے۔

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ﴾ پس جو شخص عمل کرے گا ﴿مِنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ اچھے کاموں کا ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ بشرطیکہ وہ مومن ہو ﴿فَلَا كُفْرَانَ﴾ پس ناقدری نہیں کی جائے گی ﴿لِسَعْيِهٖ﴾ اس کی محنت کی ﴿وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس کو لکھنے والے ہیں ﴿وَحَرٰمٌ﴾ اور لازم ہو چکا ہے ﴿عَلٰى قَرْيَةٍ﴾ اس بستی پر ﴿اَهْلَكْنٰهَاۤ﴾ جس کو ہم نے ہلاک کیا ہے ﴿اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ کہ بے شک وہ نہیں لوٹیں گے ﴿حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ﴾ یہاں تک کہ جب کھولے جائیں گے یاجوج ماجوج ﴿وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ﴾ اور وہ ہر اونچی جگہ سے ﴿يَّنْسِلُوْنَ﴾ پھسلتے ہوئے چلے آئیں گے ﴿وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ اور قریب ہو گا وعدہ سچا ﴿فَاِذَا هِيَ﴾ پس قصہ یہ ہو گا ﴿شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ

﴿الَّذِیْنَ﴾ کھلی رہ جائیں گی آنکھیں ان لوگوں کی ﴿کَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿یٰوَیْلَنَا﴾ کہیں گے ہائے افسوس ہمارے اُوپر ﴿قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا﴾ تحقیق تھے ہم غفلت میں اس چیز کے بارے میں ﴿بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ﴾ بلکہ ہم ظالم تھے ﴿اِنَّكُمْ﴾ بے شک تم ﴿وَمَا تَعْبُدُوْنَ﴾ اور جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ جہنم کا ایندھن ہوں گے ﴿اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ﴾ تم اس میں وارد ہونے والے ہو ﴿لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً﴾ اگر ہوتے یہ الٰہ ﴿مَّا وَرَدُوْهَا﴾ تو نہ وارد ہوتے دوزخ میں ﴿وَ كُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ اور سب کے سب اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ﴾ ان کے لیے اس جہنم میں گدھے کی آواز ہوگی ﴿وَّ هُمْ فِیْهَا لَا یَسْمَعُوْنَ﴾ اور وہ اس دوزخ میں سنیں گے نہیں۔

کراماً کاتبین کی ڈیوٹیوں کا ذکر

اس سے پہلی آیت کا آخری جملہ ہے ﴿كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ﴾ "سب کے سب ہماری طرف لوٹ کر آنے والے ہیں۔" اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں قیامت والے دن پیش ہونا ہے۔ پھر کیا ہوگا؟ ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ پس جو شخص عمل کرے گا اچھے کاموں کا اور نرے اچھے کام معتبر نہیں ہیں ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ بشرطیکہ وہ مومن ہو۔ مومن ہے اور اچھے کام کرتا ہے ﴿فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ﴾ پس ناقدری نہیں کی جائے گی اس کی محنت کی بلکہ ایک نیکی کا اجر دس گنا ملے گا اور جو نیکی فی سبیل اللہ کی مد میں ہوگی اس کا اجر سات سو گنا ملے گا ﴿وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس کو لکھنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود نہیں لکھتے اس کے حکم سے اس کے فرشتے کراماً کاتبین لکھتے ہیں۔ نیکیاں لکھنے والا دائیں کندھے پر بیٹھا ہے اور بدیاں لکھنے والا بائیں کندھے پر بیٹھا ہے ﴿عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ﴾ [ق:۱۷] دو فرشتوں کی ڈیوٹی دن کی ہے اور دو کی رات کی ہے اور ان کی ڈیوٹیاں نماز کے وقت تبدیل ہوتی ہیں۔ مثلاً:

اب جب تم نے فجر کی نماز شروع کی اور اللہ اکبر کہا تو اس مسجد کے ساتھ جتنے لوگ وابستہ ہیں محلے کے سب فرشتوں کی ڈیوٹی بدل گئی رات کے فرشتے بدل گئے دن کے فرشتوں نے چارج لے لیا۔ ﴿مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ﴾ [ق:۲۶] "نہیں بولتا وہ کوئی لفظ مگر اس کے پاس ایک نگران ہوتا ہے تیار۔" جو فوراً لکھ لیتا ہے۔ نیکی ہے تو فوراً لکھی جاتی ہے برائی ہے تو تھوڑا سا وقفہ کرتے ہیں کہ شاید یہ بندہ توبہ کر لے اگر توبہ کر لے تو پھر نہیں لکھتے پھر توبہ لکھی جاتی ہے اور وہ نیکی ہوگئی۔ تو فرشتے نیکیاں بدیاں لکھتے ہیں۔ قول بھی، فعل بھی آنکھوں کے اشارے بھی اور یہ سارا لکھا ہوا قیامت والے دن سامنے آئے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا﴾ [بنی اسرائیل: ۱۴] "پڑھ اپنی کتاب کافی ہے تیرا نفس آج کے دن تجھ پر محاسبہ کرنے والا۔" دنیا میں کوئی پڑھنا جانتا ہے یا نہیں جانتا وہاں سارے اپنا اعمال نامہ خود پڑھیں گے سب کو

اللہ تعالیٰ ادراک وشعور عطا فرمائے گا۔تھوڑا سا پڑھے گا رب تعالیٰ فرمائیں گے ذرا ٹھہر جا! اَقَدْ ظَلَمَكَ كَتَبَتِىْ "کیا میرے فرشتوں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے؟" جو کچھ تو نے کیا اور کہا ہے وہی کچھ لکھا ہے نا۔ کہے گا اے پروردگار! جو کچھ کہا تھا اور جو کچھ کیا تھا وہی لکھا ہے۔فرمائیں گے اچھا اور پڑھو۔ جب کچھ صفحات پڑھ لے گا رب تعالیٰ فرمائیں گے بتلا بندے! میرے فرشتوں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی؟ کہے گا نہیں۔تو بندہ اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا اور یہ جتنی باتیں میں نے کی ہیں سب قرآن پاک میں موجود ہیں۔تو فرمایا ﴿فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ﴾ اس کی محنت کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور بے شک ہم اس کو لکھنے والے ہیں۔

اعمال لکھنے کی وجہ

کسی سائل نے سوال کیا کہ کیوں لکھتے ہیں؟ فرمایا ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنے اعمال کا انکار کریں گے۔ جب پہلی پیشی ہوگی کہ بتلاؤ وہ تمھارے شریک ہیں جن کے متعلق تم بڑے دعوے کرتے تھے؟ کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ [الانعام:۲۳] "قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جو ہمارا پروردگار ہے نہیں تھے ہم شرک کرنے والے۔" پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اپنی کتاب پڑھو، تو پھر اقرار کریں گے۔ یہ باتیں مختلف اوقات میں ہوں گی۔فرمایا ﴿وَحَرٰمٌ﴾ یہاں حرام کا معنیٰ لازم اور واجب ہے۔اور مقرر اور لازم ہو چکا ہے ﴿عَلٰى قَرْيَةٍ﴾ اس بستی پر ﴿اَهْلَكْنٰهَآ﴾ جس بستی کو ہم نے ہلاک کیا کہ ﴿اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ بے شک وہ نہیں لوٹیں گے دنیا کی طرف۔

خرق عادت کے طور پر مردہ دنیا میں آسکتا ہے

قانون یہی ہے کہ جو اس دنیا سے گیا ہے واپس نہیں آئے گا۔ ہاں! معجزے اور خرقِ عادت کے طور پر مردوں کا زندہ ہونا قرآن پاک میں موجود ہے۔موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک آدمی کو ناحق قتل کر دیا گیا تھا یہ قضیہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو کہو ایک بیل ذبح کر کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے بدن پر مارو وہ زندہ ہو کر بتلا دے گا۔ چنانچہ اس نے زندہ ہو کر بتلا دیا کہ میرا قاتل فلاں ہے۔قرآن پاک میں مذکور ہے کہ وہ زندہ ہوا۔موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو کوہ طور لے گئے، رب تعالیٰ کا کلام سن کر کہنے لگے ہمیں کیا معلوم کون بول رہا ہے؟ جن بول رہا ہے، فرشتہ بول رہا ہے ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ [بقرہ:۵۵] "ہم ہرگز آپ کی تصدیق نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کو ظاہر۔" اللہ تعالیٰ نے ان پر بجلی گرائی وہ ستر کے ستر ہلاک ہو گئے۔رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کو زندہ کیا ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ﴾ "پھر اُٹھایا ہم نے تم کو تمھاری موت کے بعد۔" اسی طرح حضرت حزقیل علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بھی دوسرے پارے میں آتا ہے۔ ان کی قوم کے ہزاروں لوگوں نے جہاد سے بھاگ کر جنگل میں ڈیرا لگا لیا۔رب تعالیٰ نے فرمایا سب مر جاؤ۔آٹھ دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور بتایا کہ جہاد سے کوئی نہیں مرتا جب تک زندگی باقی ہو اور جس نے مرنا ہے وہ گھر میں ہو پھر بھی

موت آجائے گی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی موت کا واقعہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ موت کے وقت بڑے روتے تھے۔ساتھی عیادت کے لیے آتے تو کہتے حضرت آپ صحابی ہیں اور جہاد میں بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں شام کا علاقہ آپ کے ہاتھ پر فتح ہوا ہے آخرت کے لیے بڑا ذخیرہ جمع کیا ہے کیوں روتے ہو؟ فرماتے اس وجہ سے نہیں روتا کہ مجھے کوئی آخرت کی فکر ہے کہ کیا بنے گا؟ روتا اس لیے ہوں کہ میرے سر سے لے کر پاؤں تک کوئی عضو ایسا نہیں ہے جہاں کافر کی تلوار، نیزہ یا تیر نہ لگا ہو مگر میں شہادت سے محروم رہا ہوں اس لیے روتا ہوں۔ غزوہ موتہ میں جب جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پکڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللهِ)) "اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے جھنڈا پکڑ لیا ہے اب فتح ہوگی۔" کیوں کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زبان سے سیف اللہ کا لقب ملا تھا تو اس تلوار کو کون توڑ سکتا تھا۔علماء فرماتے ہیں کہ اسی لیے وہ شہید نہیں ہوئے اگر وہ شہید ہو جاتے تو لوگ کہتے کہ اللہ تعالیٰ کی تلوار کو کافروں نے توڑ دیا ہے۔تو خیر قاعدہ یہی ہے کہ جس بستی کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا وہ واپس دنیا میں نہیں آئے گی مگر خرقِ عادت کے طور پر۔

سام، حام کی اولاد

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ﴾ یہاں تک کہ جب کھولے جائیں گے یاجوج ماجوج ﴿وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ﴾ اور وہ ہر اونچے ٹیلے اور پہاڑی سے یعنی ہر اُونچی جگہ سے پھسلتے ہوئے چلے آئیں گے نیچے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے چار بیٹے تھے بیٹی کوئی نہیں تھی۔ایک کا نام یام تھا اور اسی کا لقب کنعان تھا جو ایمان نہیں لایا تھا باقی تینوں بیٹے حام، سام، یافث مسلمان ہوئے رحمہم اللہ تعالیٰ۔ان کی آگے نسلیں چلی ہیں۔سام کی اولاد میں عربی، فارسی اور رومی ہیں اور حام کی اولاد میں حبشی اور سوڈانی ہیں اور یافث کی اولاد میں ترکی، افغانی اور یاجوج ماجوج ہیں۔یہ چین، روس اور منگولیا کے لوگ یہ سب یاجوج ماجوج کی نسل سے ہیں۔

آج کی دنیا میں سب سے زیادہ آبادی چین کی ہے، ایک ارب سولہ کروڑ۔اتنی آبادی اور کسی ملک کی نہیں ہے۔اس کے بعد دوسرے نمبر پر ہندوستان ہے جس کی آبادی نوے (۹۰) کروڑ کے قریب ہے۔امریکہ کی آبادی چالیس کروڑ ہے اور روس کی آبادی تقریباً بتیس (۳۲) کروڑ ہے۔باقی ملک چھوٹی چھوٹی آبادیوں والے ہیں بنگالی ہم سے زیادہ ہیں ان کی آبادی پندرہ کروڑ کے قریب ہے اور ہم بارہ کروڑ ہیں۔تو چین آبادی کے اعتبار سے اس وقت دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے چین میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً دس کروڑ ہے پہلے ان پر حکومت کی طرف سے پابندیاں تھیں اب تھوڑی رہائی ملی ہے۔گزشتہ سال چین کے ایک عالم میرے پاس دورہ تفسیر پڑھ کر گئے ہیں انھوں نے وہاں بڑا کام کیا ہے۔چین کے مسلمان اسلام سے

واقف نہیں ہیں بس یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں حکومت چین نے ان کو دبا کر رکھا ہوا ہے اور یہی حال روس کا ہے تقریباً چھ کروڑ مسلمان روس میں ہیں۔ روسی انقلاب کے بعد وہاں کے بزرگوں نے تہہ خانوں میں چھپ کر ان کو کلمہ سکھایا اور بتلایا کہ ہم مسلمان ہیں۔ اب وہ اتنا جانتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں باقی ان کو حلال حرام کی کوئی تمیز نہیں ہے اللہ کرے کہ وہ لوگ دینی تعلیم سے آراستہ ہو جائیں۔ ان باطل قوتوں نے مسلمانوں کو ہر جگہ سے مٹانے کی کوشش کی ہے۔

شاہ ولی اللہ اور علماء دیوبند کا اُمت پر احسان

الحمد للہ! دعائیں دو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے خاندان کو اور علماء دیوبند کو کہ ان لوگوں نے ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان میں اسلام کی حفاظت کی ہے۔ یقین مانو اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو ہمیں صحیح معنیٰ میں کلمہ بھی نہ آتا۔ اگر آتا بھی تو تمام بدعات میں آلودہ ہو کر آتا۔ خاندان شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور پھر علمائے دیوبند کی شاخیں جہاں جہاں تھیں، دہلی، سہارن پور، ڈھابیل وغیرہ میں ان حضرات نے بڑی محنت کی ہے ان حضرات کی خدمات کا اندازہ تو وہ آدمی لگا سکتا ہے جس کو دین کے ساتھ دلچسپی ہو۔ تاریخ دیکھے پھر اسے معلوم ہوگا ورنہ ان حضرات کی خدمات کا علم نہیں ہو سکتا۔ الحمد للہ! ان علاقوں میں لوگ مستحبات تک کو جانتے ہیں اور دوسرے علاقوں میں لوگوں کو فرائض کا بھی علم نہیں ہے اور یہاں علمائے کرام کی محنت کے نتیجے میں ایسے لوگ بھی مستحب پر عمل کر کے حج عمرے کا ثواب کماتے ہیں۔ صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر درس سنتے ہیں سورج نکلنے کے پندرہ منٹ بعد اشراق پڑھ کر جاتے ہیں۔

ترمذی شریف میں حدیث ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اور بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے (اور یہ بھی یاد رکھنا کہ محض ذکر سے قرآن وحدیث کے سننے کا بہت زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ ادھر قرآن کا درس ہو رہا ہے اور وہ تسبیح گھمار ہے ہوتے ہیں ان کو کچھ سمجھ نہیں آتی۔ اپنی جگہ ذکر بھی بڑی چیز ہے مگر قرآن وحدیث کا سمجھنا بہت زیادہ ثواب ہے۔) جب سورج طلوع ہو جائے تو دو رکعت اشراق کی پڑھے تو اس کو پورے حج اور عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تَامَّة تَامَّة تَامَّة پورے حج عمرے کا، پورے حج عمرے کا، پورے حج عمرے کا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔ الحمد للہ! یہ اکابر کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ہمارے علاقے میں ایسے لوگ بھی ہیں جو مستحبات کی بھی پابندی کرتے ہیں۔

یاجوج ماجوج یافث رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں

تو یاجوج ماجوج حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے حضرت یافث رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں قیامت کے قریب جب یہ کھولے جائیں گے تو حالات ایسے پیدا ہو جائیں گے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کا آپس میں اتحاد ہوگا ان کا ایک بلاک بنے گا۔ عیسائی دل سے صاف نہیں ہوں گے وہ مسلمانوں کو قربانی کا بکرا بنائیں گے پھر ان کی ان کے ساتھ لڑائی ہوگی۔ کسی غلط فہمی میں نہ

رہنا کہ روس اس وقت مغلوب ہوگیا ہے ختم ہوگیا ہے ایک وقت آئے گا دو بلاک بنیں گے ایک روسی اور ایک امریکی۔ پھر ان کی آپس میں لڑائی ہوگی اور مسلمان بھی پیش پیش ہوں گے۔

یاجوج ماجوج کی آمد پر عیسائیوں اور مسلمانوں کے حالات

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک اُونچی جگہ اور علاقہ ہوگا بڑا ٹھنڈا، وہاں باغات ہوں گے اس علاقے میں مسلمان اور عیسائی اکٹھے ہوں گے مسلمان کہیں گے اسلام کی وجہ سے فتح ہوئی ہے اور عیسائی کہیں گے صلیب کی وجہ سے فتح ہوئی ہے اور آپس میں لڑ پڑیں گے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ عیسائی مسلمانوں کے خلاف اسّی (۸۰) ڈویژن فوج استعمال کریں گے۔ جب مطلب نکل جائے گا تو پھر یہ حال ہوگا۔

دیکھو! طالبان جب روس کے خلاف لڑ رہے تھے تو مجاہد تھے، حریت پسند تھے جب امریکہ کا مقصد پورا ہوگیا تو اب وہ دہشت گرد ہیں ان پر مقدمات چلتے ہیں اور وہ جیلوں میں بند ہیں۔ ابھی سینکڑوں کی تعداد میں بحرین، کویت اور سعودیہ کی جیلوں میں پڑے ہیں یہ امریکی خبیث قوم ہے اور یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلتی۔ او بے حیا حکمرانو! تم سے زیادہ بے حیا اور بے غیرت کون ہے کہ ابھی تک ان کے دم چھلا بنے ہوئے ہو جو وہ کہتا ہے کرتے ہو۔ اس وقت بھی یہاں ہماری حکومت نہیں ہے امریکہ کی ہے ہمارا صرف نام ہے ہم اس کے اشارے کے بغیر شلوار قمیص، کوٹ نہیں بدل سکتے۔ میں عوام کی بات نہیں کر رہا حکمران طبقے کی بات کر رہا ہوں۔

تو فرمایا جب یاجوج ماجوج کھولے جائیں گے ہر ٹیلے سے نیچے پھسلتے ہوں گے ﴿وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ اور قریب ہوگا وعدہ سچا ﴿فَاِذَا هِيَ﴾ پس قصہ یہ ہوگا ﴿شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کھلی رہ جائیں گی آنکھیں ان لوگوں کی جو کافر ہیں۔ جب رب تعالیٰ کی طرف سے عذاب آئے گا تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور کہیں گے ﴿يٰوَيْلَنَا﴾ ہائے ہماری خرابی ﴿قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا﴾ تحقیق ہم غفلت میں تھے اس چیز کے بارے میں ﴿بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ بلکہ ہم ظالم تھے۔ جب قیامت قائم ہوگی اور رب تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے تو پھر ایسے ہی واویلا کریں گے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ بے شک تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ جہنم کا ایندھن اور بالن ہوں گے ﴿اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ﴾ اور تم اس دوزخ میں داخل ہونے والے ہو ﴿لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً﴾ اگر ہوتے یہ معبود، مشکل کشا، حاجت روا، فریاد رس، دست گیر تو ﴿مَّا وَرَدُوْهَا﴾ نہ وارد ہوتے دوزخ میں۔ نہ تم دوزخ میں داخل ہوتے اور نہ تمھارے معبود داخل ہوتے ﴿وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ سب کے سب اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ﴾ ان کے لیے اس دوزخ میں آواز ہوگی گدھے کی ﴿وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ اور وہ اس دوزخ میں سنیں گے نہیں۔ آوازیں اتنی ہوں گی کہ ایک دوسرے کی نہیں سنیں گے۔

نیک لوگ جہنم سے بچا لیے جائیں گے؟

جس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں تو عبداللہ ابن زبعریٰ کی جو بڑا منہ پھٹ اور پروپیگنڈے کا ماہر تھا بعد میں رضی اللہ عنہ ہو گیا تھا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔ کہنے لگا دیکھو جی! محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم بھی اور جن کی تم عبادت کرتے ہو سب کے سب دوزخ میں جاؤ گے تو عبادت تو عزیر علیہ السلام کی بھی ہوئی ہے، مسیح علیہ السلام کی بھی ہوئی ہے، فرشتوں کی بھی ہوئی ہے تو پھر ایسے دوزخ میں جانے کا تو کوئی حرج نہیں ہے جس میں یہ سارے ہوں گے۔ اس کا جواب کل کی آیات میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿سَبَقَتْ لَهُمْ﴾ کہ طے ہو چکی ہے ان کے لیے ﴿مِّنَّا﴾ ہماری طرف سے ﴿الْحُسْنٰٓى﴾ بھلائی ﴿اُولٰٓئِكَ عَنْهَا﴾ وہ لوگ اس دوزخ سے ﴿مُبْعَدُوْنَ﴾ دور رکھے جائیں گے ﴿لَا یَسْمَعُوْنَ﴾ وہ نہیں سنیں گے ﴿حَسِیْسَهَا﴾ اس کی آہٹ ﴿وَهُمْ فِیْ مَا﴾ اور وہ اس چیز میں ﴿اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ﴾ جس میں ان کے نفس چاہیں گے ﴿خٰلِدُوْنَ﴾ ہمیشہ رہیں گے ﴿لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ نہیں غم میں ڈالے گی ان کو بڑی پریشانی ﴿وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اور ملیں گے ان سے فرشتے اور کہیں گے ﴿هٰذَا یَوْمُكُمُ﴾ یہ تمھارا دن ہے ﴿الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ﴿یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ﴾ جس دن ہم لپیٹیں گے آسمان کو ﴿كَطَیِّ السِّجِلِّ﴾ جیسے لپیٹا جاتا ہے بستہ ﴿لِلْكُتُبِ﴾ کتابوں پر ﴿كَمَا بَدَاْنَآ﴾ جیسا کہ ہم نے پیدا کیا ﴿اَوَّلَ خَلْقٍ﴾ ابتداءً مخلوق کو ﴿نُّعِیْدُهٗ﴾ ہم لوٹائیں گے ﴿وَعْدًا عَلَیْنَا﴾ وعدہ ہے ہمارے ذمے ﴿اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ﴾ بے شک ہم کرنے والے ہیں ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے لکھ دیا ہے ﴿فِی الزَّبُوْرِ﴾ زبور میں ﴿مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ﴾ نصیحت کے بعد ﴿اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا﴾ بے شک زمین کے وارث ہوں گے ﴿عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ میرے نیک بندے ﴿اِنَّ فِیْ هٰذَا﴾ بے شک اس میں ﴿لَبَلٰغًا﴾ البتہ پہنچا دینا ہے ﴿لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو عبادت کرنے والے ہیں ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ﴿اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ مگر رحمت کرتے ہوئے جہان والوں کے لیے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَا یُوْحٰٓى اِلَیَّ﴾ پختہ بات ہے یہ وحی کی گئی ہے میری طرف ﴿اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ﴾ پختہ بات ہے الٰہ تمھارا ﴿اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ ایک ہی الٰہ ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ پس کیا تم مسلمان ہونا چاہتے ہو ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر وہ پھر جائیں ﴿فَقُلْ﴾ تو آپ کہہ دیں ﴿اٰذَنْتُكُمْ﴾ میں نے خبردار کر دیا ہے تم کو ﴿عَلٰى سَوَآءٍ﴾ برابری پر ﴿وَاِنْ اَدْرِیْٓ﴾ اور میں نہیں جانتا ﴿اَقَرِیْبٌ﴾ کیا قریب ہے ﴿اَمْ

﴿بَعِيْدٌ﴾ یا دور ہے ﴿مَّا تُوْعَدُوْنَ﴾ وہ چیز جس کا وعدہ کیا جا رہا ہے تمھارے ساتھ ﴿اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ﴾ بے شک رب ہی جانتا ہے ظاہری ﴿مِنَ الْقَوْلِ﴾ بات کو ﴿وَيَعْلَمُ﴾ اور جانتا ہے ﴿مَا تَكْتُمُوْنَ﴾ وہ چیز جو تم چھپاتے ہو ﴿وَاِنْ اَدْرِيْ﴾ اور میں نہیں جانتا ﴿لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ﴾ شاید کہ آزمائش ہو ﴿لَّكُمْ﴾ تمھارے لیے ﴿وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾ اور فائدہ ہے ایک وقت تک ﴿قٰلَ﴾ پیغمبر علیہ السلام نے کہا ﴿رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ﴾ اے پروردگار فیصلہ کر دے حق کے ساتھ ﴿وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ﴾ اور ہمارا رب رحمٰن ہے ﴿الْمُسْتَعَانُ﴾ جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ﴿عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾ ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو۔

کل کے سبق میں تم نے پڑھا اور سنا کہ ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ "بے شک تم اور جن کی تم اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے عبادت کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔" اس پر عبداللہ ابن زبعریٰ جو بڑا زبان آور، سینہ زور اور پروپیگنڈا کرنے والا آدمی تھا اس نے مکہ مکرمہ میں پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ دیکھو! ایک طرف تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں کہ تم عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہو، عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہو، فرشتوں کی عبادت کرتے ہو، پیغمبروں اور نیکوں کی عبادت کرتے ہو اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ تم بھی اور تمھارے معبود بھی سب دوزخ میں جائیں گے۔ پھر تو مزے ہو گئے کہ عزیر، عیسیٰ، ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں ہوں گے۔ تو اس پروپیگنڈے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى﴾ بے شک وہ لوگ جن کے لیے طے ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی ﴿اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾ وہ لوگ اس دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ کیوں کہ وہ نہ تو اس پر راضی تھے اور نہ ہی انھوں نے اپنی عبادت کرنے کا کہا ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے کب فرمایا ہے کہ میری عبادت کرو؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کب کہا ہے کہ میری عبادت کرو، فرشتوں نے کب کہا ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کے مقبول اور پیارے بندے ہیں اور وہ معبود جنھوں نے اپنی عبادت کروائی ہے، شرک کروایا ہے اور اس پر راضی تھے وہ جہنم میں جائیں گے اور انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم تو دوزخ سے دور رکھے جائیں گے ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا﴾ وہ نہیں سنیں گے دوزخ کی آہٹ، چھوں چھوں۔ تنور یا بھٹی کی آگ تیز ہو تو شوں شوں کی آواز آتی ہے اور جہنم کی آگ تو بڑی تیز ہوگی۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ نہیں سنیں گے جہنم کی آگ کی شوں شوں، اتنے دور ہوں گے۔ اور ہوں گے کہاں؟ ﴿وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ﴾ اور وہ ان خوشیوں میں ہونگے جو ان کے نفس چاہیں گے ﴿خٰلِدُوْنَ﴾ ہمیشہ رہیں گے۔ تم خلط مبحث نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو پیارے پیغمبروں کو معبودانِ باطلہ کے ساتھ نہ جوڑو۔

بزرگوں نے کبھی شرک کی تعلیم نہیں دی

ان بزرگوں نے توحید بتلائی اور سکھائی ہے، رب تعالیٰ کا دین سکھایا ہے۔ یہ تو پچھلوں کی بے وقوفی ہے کہ انھوں نے ان کو رب بنا لیا ہے بزرگوں کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ پاکستان، ہندوستان میں جتنے بزرگ ہیں اصل اسلام تو انھوں نے پہنچایا ہے

بادشاہوں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ ان بزرگوں کی بڑی دینی خدمات ہیں بڑے کارنامے ہیں لیکن بعد والوں نے گڑبڑ کی ہے اور ان کی قبروں کو شرک گڑھ (شرک کا مرکز) بنا دیا ہے۔ آپ لاہور جا کر دیکھیں سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو جس کو لوگ داتا دربار کہتے ہیں وہاں کتنا شرک ہو رہا ہے اور بدعات ہو رہی ہیں حالاں کہ یہ بزرگ ان چیزوں کو مٹانے کے لیے آئے تھے نہ کہ پھیلانے کے لیے۔

فرمایا ﴿لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ نہیں غم میں ڈالے گی ان کو بڑی پریشانی، بڑی گھبراہٹ۔ وہ بڑی گھبراہٹ اس وقت ہوگی جب رب تعالیٰ کی عدالت سے فیصلہ ہوگا کہ مجرموں کو دوزخ میں ڈالو اور سب مجرموں کو سب کے سامنے دوزخ میں پھینکا جائے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان کو پریشانی سے بچائے گا۔ کیوں کہ کسی کو آگ میں پھینکا جائے تو دیکھنے والوں کے بھی ہوش وحواس اڑ جاتے ہیں۔ ﴿وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اور ان کے ساتھ فرشتے ملاقات کریں گے اور کہیں گے ﴿هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ یہ تمھارا وہ دن ہے جس کا تمھارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا۔ وہاں فرشتے ان سے عقیدت کے ساتھ پیش آئیں گے، سلام کریں گے اور مبارک باد پیش کریں گے۔ یہ لوگ جس وقت جنت کے قریب چلیں جائیں گے تو ﴿وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ﴾ [زمر: ۷۳] "اور کہیں گے ان کو داروغے سلام ہو تم پر خوش رہو ﴿فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ﴾ داخل ہو جاؤ جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے۔" تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے دوزخ سے دور کر دیئے جائیں گے۔ کافر کہتے تھے جب قیامت آئے گی تو یہ اتنے بڑے بڑے پہاڑ کہاں جائیں گے یہ آسمان کہاں جائیں گے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ﴾ جس دن ہم لپیٹیں گے آسمان کو، آسمان کو اکٹھا کریں گے جیسے بستے کو اکٹھا کیا جاتا ہے ﴿لِلْكُتُبِ﴾ کتابوں پر۔ تو جس طرح پڑھنے کے بعد کتابوں کو بستے میں لپیٹ دیتے ہو ایسے ہی سات آسمانوں کو لپیٹ دیں گے۔ سورۃ الکہف آیت نمبر ۴۷ میں ہے ﴿وَ یَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً﴾ "اور جس دن ہم چلائیں گے پہاڑوں کو دیکھے گا تو زمین کو بالکل کھلی ہوئی۔" اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ فرمایا ﴿كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ﴾ جس طرح ہم نے پیدا کیا مخلوق کو پہلے، ہم لوٹائیں گے اس کو۔ پیدا ہونے کا تو کوئی انکار نہیں کرتا تھا کیوں کہ ہر روز پیدا ہوتے اور مرتے دیکھتے تھے۔

مشرک قیامت کے منکر تھے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس طرح ہم نے تمھیں پہلی دفعہ پیدا کیا ہے اس طرح دوبارہ بھی لوٹائیں گے مشرک قیامت کے بڑے منکر تھے۔ ایک دفعہ ابوجہل یا عقبہ ابن ابی معیط پرانی کھوپڑی رومال میں لپیٹ کر لایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔ کہنے لگا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اس ہڈی کو ہاتھ لگا کر ذرا دیکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ لگایا چوں کہ بالکل بوسیدہ تھی ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے لگ گئی۔ قہقہہ لگا کر کہنے لگا ﴿مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ﴾ "ان بوسیدہ ہڈیوں میں کون جان ڈالے گا ان کو کون زندہ کرے گا؟" فرمایا ﴿قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ [سورۃ یٰسین] "آپ فرما دیں ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا

ہے۔"وہ پیدا کرے گا جس نے حقیر قطرے سے پیدا کیا ہے، وہ پیدا کرے گا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے۔

فرمایا ﴿وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾ وعدہ ہے ہمارے ذمے بے شک ہم کرنے والے ہیں۔ تم ہماری قدرت کو نہیں مانتے اور یاد رکھنا! وہ رب تعالیٰ کی ذات کے منکر نہیں تھے۔ وہ رب تعالیٰ کو مالک، خالق، رازق اور تمام اختیارات کا مالک مانتے تھے۔ سورۃ المومنون آیت نمبر ۸۸ میں ہے قُلْ آپ ان سے کہہ دیں ﴿مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ "کون ہے جس کے قبضہ قدرت میں ہے اختیار ہر چیز کا ﴿وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾ اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جا سکتی ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر ہو تم جانتے ﴿سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ تو یہ کہیں گے اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔" کہتے تھے ہر چیز کا کنٹرول تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ہاں جزوی اختیارات بزرگوں کو دیئے ہوئے ہیں۔ خدائی صفات بزرگوں کے لیے ثابت کرتے تھے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں۔ زبور اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی چنانچہ سورۃ النساء میں ہے ﴿وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ "اور داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور عطا کی۔" ﴿مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ﴾ نصیحت کے بعد۔ پہلے ہم نے نصیحت کی حق کی باتیں بتلائیں پھر یہ بات سمجھائی کہ جو نصائح کو قبول کریں گے اور ان پر عمل کریں گے تو اس کا نتیجہ ہوگا ﴿اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ بے شک زمین کے وارث ہوں گے میرے نیک بندے۔ اس زمین کی اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں وضاحت فرمائی ہے ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا﴾ [زمر: ۷۳] "اور چلائے جائیں گے وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے جنت کی طرف گروہ در گروہ ﴿حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا﴾ یہاں تک کہ وہ جنت کے پاس پہنچیں گے ﴿وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا﴾ اور کھولے جائیں گے اس کے دروازے ﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا﴾ اور کہیں گے ان کو داروغے اس کے ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ﴾ سلامتی ہو تم پر خوش رہو ﴿فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾ پس داخل ہو جاؤ جنت میں ہمیشہ رہنے والے ﴿وَقَالُوا﴾ اور جنتی کہیں گے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ﴾ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿صَدَقَنَا وَعْدَهٗ﴾ جس نے سچا کیا ہمارے ساتھ اپنا وعدہ ﴿وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ﴾ اور ہمیں وارث بنایا زمین کا ﴿نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ﴾ ہم ٹھکانا پکڑتے ہیں جنت میں ﴿حَيْثُ نَشَآءُ﴾ جہاں بھی چاہیں ﴿فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾ پس کیا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا۔" تو اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کے ساتھ جنت کی زمین کی وراثت کا وعدہ کیا تھا اور وہ پورا کر دیا ہے۔ اب باطل پرستوں نے جو عجیب قسم کی ٹھوکریں کھائی ہیں وہ بھی سن لیں۔

وراثتِ ارضی سے مراد جنت کی وراثت ہے

ایک تھا علامہ عنایت اللہ مشرقی۔ اس کی کئی کتابیں ہیں "تذکرہ" اور "مقالات" اور "مولوی کا غلط مذہب نمبر ا، نمبر ۲ سے لے کر چودہ نمبر" تک لکھی ہیں کہ مولوی کا مذہب غلط ہے اور میرا اور میرے ساتھیوں کا مذہب صحیح ہے۔ میں نے اس کے "تذکرہ" میں اس آیت کے متعلق پڑھا جو اس نے لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دیکھو! قرآن کہتا ہے کہ نیک لوگ زمین کے وارث ہوں گے اور اس وقت زمین کی وراثت تو برطانیہ، روس، امریکہ اور فرانس کے پاس ہے لہٰذا از روئے قرآن یہ مومن اور نیک ہوئے اور یہ جو

اپنے آپ کو مومن اور نیک کہتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾ "یہی پکے کافر ہیں۔" کیوں کہ ان کے پاس کوئی حکومت نہیں ہے۔اس لیے میں نے آپ حضرات کو قرآن کریم سورہ زمر کی آیت نمبر ۷۴ نکال کر دکھادی ہے کہ وراثت ارضی سے مراد اس دنیا والی زمین کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ اس سے جنت کی زمین مراد ہے۔تاکہ آپ حضرات اس قسم کے باطل پرستوں کے دھوکے میں نہ آئیں۔تو علامہ مشرقی نے چودہ رسالے نکالے کہ مولوی کا مذہب غلط ہے۔یہ سب اسلام کے دشمن ہیں اور میری نصیحت کو یاد رکھنا! بھولنا نہ۔کسی نہ کسی روحانی شخصیت کے ساتھ تعلق جوڑے رکھنا۔جس شخص کا کسی روحانیت والے بزرگ کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا اور جس نے کسی بزرگ کے جوتے نہیں اُٹھائے اور ان کے پاؤں نہیں پکڑے وہ ٹھوکریں کھاتا ہے اسلام کے سمجھنے میں۔اس کو اسلام سمجھ نہیں آتا چاہے کوئی بھی ہو۔

مودودی صاحب نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں

یہی حال مودودی صاحب کا ہے کہ اس نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں کچھ کا کچھ کہہ گیا ہے۔یقین جانو! ہم قرآن کے سمجھنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محتاج ہیں، تابعین اور تبع تابعین کے محتاج ہیں، فقہائے کرام اور محدثین عظام کے محتاج ہیں بزرگانِ دین کے محتاج ہیں۔از خود کوئی قرآن نہیں سمجھ سکتا چاہے کتنا ہی لائق کیوں نہ ہو۔الحمدللہ! ثم الحمدللہ! اٹھارہ سال میں نے پڑھا ہے اور چھپن (۵۶) سال مجھے پڑھاتے ہوئے ہو گئے ہیں مگر اب بھی دین کی پوری سمجھ نہیں ہے۔بزرگوں کے دامن میں آتے ہیں ان کے قدم پکڑتے ہیں تو پھر سمجھ آتی ہے پتا چلتا ہے اور آج چار جماعتیں پڑھ کر صحافی بن جاتا ہے، مجتہد بن جاتا ہے، مجتہد کا بیٹا بن جاتا ہے اور قرآن وحدیث کو لتاڑتا پھرتا ہے۔دین ایسی چیز نہیں ہے کہ جس میں اپنی رائے کو دخل دیا جائے۔اپنی رائے پر کبھی بھی اعتماد نہ کرنا گمراہ ہو جاؤ گے۔دین کے سمجھنے میں بزرگوں پر اعتماد کرنا ہے۔

تو زمین سے مراد جنت کی زمین ہے دنیا کی زمین مراد نہیں ہے۔فرمایا ﴿اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا﴾ بے شک اس میں البتہ پہنچا دینا ہے۔اس قرآن کریم کے ذریعے ہم نے بات پہنچادی ہے ﴿لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو عبادت کرنے والی ہیں۔ فرمایا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے نہیں بھیجا آپ کو ﴿اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ مگر رحم کرتے ہوئے جہان والوں پر۔ہم نے جہان والوں پر رحمت کی ہے کہ آپ جیسا پیغمبر ہم نے ان کو عطا کیا ہے۔قُلْ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ﴾ پختہ بات ہے میری طرف وحی کی جاتی ہے ﴿اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ پختہ بات ہے الٰہ تمھارا ایک ہی الٰہ ہے، معبود تمھارا ایک ہی معبود ہے ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ پس کیا تم مسلمان ہونا چاہتے ہو، اسلام لاتے ہو، حق کو مانتے ہو ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر وہ پھر جائیں ﴿فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ﴾ پس آپ کہہ دیں میں نے خبردار کر دیا ہے برابری پر۔برابری کا معنیٰ سمجھو۔برابری کا معنیٰ یہ ہے کہ جس طرح میں جانتا ہوں کہ رب تعالیٰ کے سوا کوئی اور الٰہ اور معبود نہیں ہے اسی طرح میں نے تمھیں بھی بتلا دیا واضح اور صاف لفظوں میں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود اور الٰہ نہیں ہے الٰہ صرف ایک ہے۔اب میرے بتلانے کے بعد تمھیں بھی

علم ہوگیا کہ الٰہ صرف ایک ہے۔تو اس جاننے میں ہم برابر ہیں مانو یا نہ مانو وہ تمھاری مرضی ہے۔

﴿وَاِنْ اَدْرِیْ﴾ اور میں نہیں جانتا ﴿اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ﴾ کیا قریب ہے یا بعید ہے وہ چیز وہ عذاب جس کا وعدہ کیا جا رہا ہے تمھارے ساتھ۔جس عذاب کی دھمکی میں تمھیں دیتا ہوں اس کے متعلق مجھے معلوم نہیں ہے کہ وہ دور ہے یا نزدیک ہے ﴿اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ﴾ بے شک رب ہی جانتا ہے ظاہری بات کو کھلی بات کو ﴿وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ﴾ اور جانتا ہے وہ چیز جس کو تم چھپاتے ہو۔ظاہر، باطن کو جاننے والا صرف پروردگار ہے ﴿عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ صرف اللہ تعالیٰ ہے، عالم الغیب والشہادہ صرف پروردگار ہے میں تو اس کا رسول ہوں اس کا بھیجا ہوا ہوں وَاِنْ اَدْرِیْ اور میں نہیں جانتا ﴿لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ﴾ شاید کہ تمھارے لیے بڑی آزمائش ہو۔جو عذاب آئے گا وہ معمولی چیز تو نہیں ہوگی اور قیامت کوئی معمولی چیز تو نہیں ہے ﴿وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ﴾ [القمر:۴۶] ”اور قیامت بڑی دہشت ناک اور بڑی کڑوی چیز ہے۔“ جب برپا ہوگی تو معلوم ہوگی ﴿وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾ اور فائدہ ہے ایک وقت تک۔دنیا میں کتنا کھا پی لو گے، کب تک زندہ رہو گے؟ دس سال، بیس سال، سو سال، آخر مرنا ہے۔

﴿قٰلَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے ﴿رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ﴾ اے پروردگار! فیصلہ کردے حق کے ساتھ۔میں ان کو حق سنا اور سمجھا چکا ہوں مگر یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں ﴿وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ﴾ اور ہمارا رب ہی رحمٰن ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ﴿عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾ ان چیزوں پر، ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو۔مجنوں کہتے ہو، جادوگر کہتے ہو، کاہن اور شاعر کہتے ہو، جو تمھارے منہ میں آتا ہے کہتے ہو۔ان سب چیزوں کے خلاف ہم رب ہی سے مدد مانگتے ہیں وہی ہمارا مستعان ہے۔

آج بروز سوموار ۲۰ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۴ رمئی ۲۰۱۱ء

سورۃ الانبیاء مکمل ہوئی۔

والحمد للہ علی ذلك

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس جناح روڈ گوجرانوالا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡحَجِّ مَدَنِيَّةٌ

پارہ ⇐ اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ

(۱۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿اتَّقُوْا رَبَّكُمْ﴾ ڈرو تم اپنے پروردگار سے ﴿اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ﴾ بے شک قیامت کا زلزلہ ﴿شَيْءٌ عَظِيْمٌ﴾ بڑی چیز ہے ﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا﴾ جس دن تم دیکھو گے زلزلے کو ﴿تَذْهَلُ﴾ غافل ہو جائے گی ﴿كُلُّ مُرْضِعَةٍ﴾ ہر دودھ پلانے والی ﴿عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ﴾ اس بچے سے جس کو وہ دودھ پلا رہی ہوگی ﴿وَتَضَعُ﴾ اور ڈال دے گی ﴿كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ﴾ ہر حمل والی ﴿حَمْلَهَا﴾ اپنے حمل کو ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى﴾ اور آپ دیکھیں گے لوگوں کو نشے میں ﴿وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى﴾ حالاں کہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے ﴿وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہوگا ﴿وَمِنَ النَّاسِ﴾ اور لوگوں میں بعض ﴿مَنْ﴾ وہ ہیں ﴿يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ﴾ جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ علم کے بغیر ﴿وَّيَتَّبِعُ﴾ اور پیروی کرتے ہیں ﴿كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ﴾ ہر شیطان کی جو مردود ہے ﴿كُتِبَ عَلَيْهِ﴾ اس پر لکھ دیا گیا ہے ﴿اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ﴾ کہ بے شک شان یہ ہے کہ جس نے دوستی کی شیطان سے ﴿فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ﴾ پس بیشک وہ اس کو بہکاتا ہے ﴿وَيَهْدِيْهِ﴾ اور اس کی راہنمائی کرتا ہے ﴿اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ شعلے مارنے والی آگ کے عذاب کی طرف ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ﴾ اگر ہو تم شک میں ﴿مِّنَ الْبَعْثِ﴾ اُٹھ کر کھڑے ہونے میں ﴿فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ﴾ پس بے شک ہم نے تمھیں پیدا کیا ہے ﴿مِّنْ تُرَابٍ﴾ مٹی سے ﴿ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ پھر نطفے سے ﴿ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ﴾ پھر جمے ہوئے خون سے ﴿ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ﴾ پھر گوشت کے ٹکڑے سے ﴿مُّخَلَّقَةٍ﴾ جو پوری ہے ﴿وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ اور جو ادھوری ہے ﴿لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ﴾ تاکہ ہم بیان کریں تمھارے سامنے ﴿وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ﴾ اور ہم ٹھہراتے ہیں رحموں میں ﴿مَا نَشَآءُ﴾ جو ہم چاہتے ہیں ﴿اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ایک مدت مقرر تک ﴿ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ﴾ پھر ہم نکالتے ہیں تم کو ﴿طِفْلًا﴾ بچپن کی حالت میں ﴿ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا﴾ پھر تاکہ تم پہنچ جاؤ ﴿اَشُدَّكُمْ﴾ اپنی قوت اور جوانی کو ﴿وَمِنْكُمْ﴾ اور تم میں سے بعض ﴿مَّنْ﴾ وہ ہیں ﴿يُّتَوَفّٰى﴾ جو فوت ہو جاتے ہیں جوانی میں ﴿وَمِنْكُمْ﴾ اور بعضے وہ ہیں ﴿مَّنْ يُّرَدُّ﴾ جو لوٹائے جاتے ہیں ﴿اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ﴾ نکمی عمر کی طرف ﴿لِكَيْلَا يَعْلَمَ﴾ تاکہ نہ جانے وہ ﴿مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا﴾ علم کے بعد کچھ بھی ﴿وَتَرَى الْاَرْضَ﴾ اور آپ دیکھتے ہیں زمین کو ﴿هَامِدَةً﴾ دبی ہوئی

﴿فَاِذَآ اَنۡزَلۡنَا﴾ پس جب ہم نازل کرتے ہیں ﴿عَلَيۡهَا الۡمَآءَ﴾ اس زمین پر بارش ﴿اهۡتَزَّتۡ﴾ وہ حرکت کرتی ہے ﴿وَرَبَتۡ﴾ اور پھولتی ہے ﴿وَاَنۡۢبَتَتۡ﴾ اور اُگاتی ہے ﴿مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ بَهِيۡجٍ﴾ ہر قسم کی تروتازہ چیزیں ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ ﴿بِاَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الۡحَـقُّ﴾ ہی حق ہے ﴿وَاَنَّهٗ يُحۡىِ الۡمَوۡتٰى﴾ اور بے شک وہ مردوں کو زندہ کرے گا ﴿وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

رب تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب

اس سورۃ کا نام حج اس لیے ہے کہ اس میں حج کے کچھ مسائل بیان ہوئے ہیں۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ایک سو دو سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے دس [۱۰] رکوع اور اٹھتر [۷۸] آیتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ رب تعالیٰ تو بڑا رحمن اور رحیم ہے اس سے ڈرنے کا کیا معنیٰ ہے؟ اس کی ناراضی اور اس کے عذاب سے ڈرو اس کی مخالفت نہ کرو۔ اگر رب تعالیٰ کی مخالفت کرو گے تو عذاب میں مبتلا ہو گے ﴿اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَىۡءٌ عَظِيۡمٌ﴾ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے۔ یہ زلزلہ دو دفعہ ہوگا۔ ایک زلزلہ قیامت قائم ہونے سے پہلے ہوگا جیسے شدید قسم کے زلزلے آتے ہیں یہ ان سے بھی شدید ہوگا۔ اس زلزلے کے بعد سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور صفا کی چٹان سے دابۃ الارض بیل کی طرح کا ایک جانور نکلے گا۔ قرآن پاک میں ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ گفتگو کرے گا اور لوگ اس کی بات سمجھیں گے۔ جس طرح اب میں تمھارے ساتھ بول رہا ہوں اور تم سمجھ رہے ہو اور لوگ اس کی باتوں پر یقین کریں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ لوگ انسانیت سے نکل کر حیوان ہو گئے ہیں۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے:

اَلۡجِنۡسُ يَمِيۡلُ اِلَى الۡجِنۡسِ

"جنس کو جنس کے ساتھ بڑی محبت ہوتی ہے۔"

ان کے پاس پیغمبر آئے پیغمبروں کے نائبین آئے، واعظین آئے، ان کو سمجھایا مگر انھوں نے ان کی بات نہیں مانی اور اب جانور کی بات مان رہے ہیں۔ تو انسان صفت نہیں رہیں گے۔ (مزید اس مقام پر تفسیر قرطبی اور تفسیر کبیر کا مطالعہ کریں۔ نواز بلوچ)

قیامت کے دن کی سختی کا ذکر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَوۡمَ تَرَوۡنَهَا﴾ جس دن تم دیکھو گے زلزلے کو۔ بعض فرماتے ہیں کہ ھا ضمیر زلزلے کی طرف لوٹتی ہے۔ تم اس زلزلے کو دیکھو گے۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ الساعۃ کی طرف لوٹتی ہے یعنی جب تم قیامت کو دیکھو گے۔ دونوں تفسیریں صحیح ہیں۔ فرمایا جب تم دیکھو گے اس قیامت کو ﴿تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ﴾ غافل ہو جائے گی ہر دودھ پلانے والی ﴿عَمَّاۤ

اَرۡضَعَتۡ ﴾ اس بچے سے جس کو وہ دودھ پلا رہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ماؤں میں اولاد کے لیے بڑی شفقت اور محبت رکھی ہے۔ اگر یہ شفقت اور محبت نہ ہوتی تو بچوں کی کبھی تربیت نہیں ہو سکتی تھی۔ محبت کے بغیر کون پیشاب پاخانہ صاف کرتا ہے۔ ماں بیمار بھی ہو تو اس کو اپنے سے زیادہ بچوں کی فکر ہوتی ہے کہ بھوکے پیاسے نہ رہیں۔ مگر جب قیامت آئے گی تو دودھ پلانے والی اپنے بچے سے غافل ہو جائے گی کوئی دھیان نہیں ہوگا کہ بچہ کہاں ہے اپنی فکر ہوگی ﴿ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمۡلٍ حَمۡلَهَا ﴾ اور ڈال دے گی ہر حمل والی اپنے حمل کو۔ ڈر اور افراتفری کی وجہ سے حمل گر جائے گا۔ قیامت کوئی آسان چیز نہیں ہے۔ نفخہ اولیٰ کے وقت بھی ایسے ہی ہو گا اور ثانیہ کے بعد بھی اسی طرح ہوگا کہ کسی کو کسی کا خیال نہیں ہوگا یہاں تک کہ ماں کو اپنے بچے کا خیال نہیں رہے گا۔

سورہ عبس پارہ نمبر تیس [۳۰] میں ہے ﴿ يَوۡمَ يَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِيۡهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيۡهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيۡهِ ۝ ﴾ "جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔" کہ مجھ سے کوئی نیکی نہ مانگ لے۔ تفسیروں میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ مثلاً: ایک آدمی کے پاس پچاس نیکیاں ہوں گی اور پچاس بدیاں ہوں گی ترازو کا پلہ مساوی ہوگا کسی طرف نہیں جھکے گا۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے اے بندے! ایک نیکی لاؤ تاکہ نیکیوں کا پلہ جھک جائے۔ پہلے تو وہ بڑا خوش ہوگا کہ ایک نیکی کیا ہے۔ وہ جائے گا اپنے دوستوں اور لنگوٹیے یاروں کے پاس اور کہے گا یارو! مجھے ایک نیکی دے دو تاکہ میری نیکیوں کا پلہ بھاری ہو جائے۔ وہ کہیں گے کہ پیچھے ہٹ جا ہم تجھے نیکی دے کر خود کہاں جائیں۔ پھر خیال آئے گا کہ میرا بھائی ہوتا تھا وہ میرا بازو تھا اس کے پاس جاتا ہوں۔ بھائی کے پاس جائے گا وہ بھی انکار کر دے گا۔ پھر خیال کرے گا کہ میرا باپ مجھ پر بڑا شفیق اور مہربان تھا۔ باپ کے پاس جائے گا وہ بھی انکار کر دے گا۔

آخری مرحلہ یہ ہوگا کہ ماں کے پاس جائے گا کہ وہ مجھ سے بڑی شفقت اور پیار کرتی تھی۔ ماں کے سامنے کھڑا ہو کر کہے گا اَتَعۡرِفِيۡنِيۡ "کیا مجھ کو پہچانتی ہے میں کون ہوں؟" وہ کہے گی ہاں پہچانتی ہوں تم میرے بیٹے ہو میں نے تجھے جنا ہے، پالا ہے۔ کہے گا امی! مجھے ایک نیکی دے دو۔ وہ کہے گی اِلَيۡكَ عَنِّيۡ "میرے سے پیچھے ہٹ جا۔" میں تجھے نیکی دے کر خود کہاں جاؤں؟ سارے میدان محشر میں سے ایک نیکی نہیں ملے گی اور جن کے لیے یہاں تم بڑے پاپڑ بیلتے ہو حلال حرام کی تمیز کیے بغیر الا ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بھی ہیں ان کی بات نہیں ہو رہی عام لوگوں کی بات ہے وہ وہاں ایک نیکی بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

﴿ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى ﴾ اور آپ دیکھیں گے لوگوں کو نشے میں۔ جیسے نشئی بدحواس ہوتے ہیں ﴿ وَمَا هُمۡ بِسُكٰرٰى ﴾ حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے ﴿ وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيۡدٌ ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہوگا جس سے ایسے بدحواس ہوں گے جیسے نشئی ہوتے ہیں ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ ﴾ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں۔ ایسے بہت سارے لوگ تھے جیسے نضر ابن حارث۔ یہ بڑا منہ پھٹ اور بے باک آدمی تھا اور عقبہ ابن ابی معیط اور ابوجہل وغیرہ یہ ایک دوسرے سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھتے تھے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں نضر ابن

رث کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ بغیر علم کے رب کا شریک بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لات، منات، عزیٰ
رے کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی اولاد ہے فرشتے رب تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا انکار
رتے ہیں اوران کوستاتے ہیں، قیامت کا انکار کرتے ہیں۔

یہ سب رب تعالیٰ کے احکام ہیں لہٰذا ان کے متعلق جھگڑا کرنا رب تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرنا ہے۔ یہ مشرکوں کی
ت ہے۔ یہود ونصاریٰ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنایا اور عیسائیوں
نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنایا ﴿وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ﴾ اور پیروی کرتے ہیں ہر شیطان کی جو مردود ہے۔ اگر میم کا ضمہ ہو
رِید تو اس کا معنیٰ ہے ارادہ کرنے والا۔ اور اگر میم کا فتح ہو مَرِید تو اس کا معنیٰ ہے پھٹکارا ہوا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں رب کا
یصلہ لکھا ہوا ہے ﴿كُتِبَ عَلَيْهِ﴾ اس پر لکھ دیا گیا ہے۔ کیا لکھ دیا گیا ہے؟ فرمایا ﴿اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ جس
نے دوستی کی شیطان کے ساتھ ﴿فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ﴾ پس وہ شیطان اس کو بہکاتا ہے ﴿وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ اور اس کی
راہنمائی کرتا ہے شعلے مارنے والی آگ کے عذاب کی طرف۔ شیطان کا یہی تو کام ہے کہ لوگوں کے سامنے برے اعمال کو مزین
کر کے پیش کرتا ہے اس طرح ان پر اپنا جال ڈال کر دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔

قیامت کے حق ہونے کی دلیلیں

آگے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے حق ہونے پر دو دلیلیں بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿اِنْ كُنْتُمْ
فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ﴾ اگر ہو تم شک میں بعث بعد الموت کے بارے میں کہ ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا تو سن لو!
﴿فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ پس بے شک ہم نے پیدا کیا تم کو مٹی سے۔ تمھارے باپ آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے
﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [آل عمران: ۵۹] "پیدا کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پھر فرمایا اس کو ہو جا پس وہ ہو گیا۔"
اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ہاتھوں سے پہلے مٹی کو گوندھا پھر ڈھانچا بنایا پھر اس میں روح ڈالی اپنی طرف سے۔ آدم علیہ السلام
کھڑے ہو گئے پھر آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حوا علیہا السلام کو نکالا۔ تو آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا ﴿ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ پھر نطفے سے جو
ماں کے رحم میں ٹھہرتا ہے ماں کے نطفے کے ساتھ اشتراک کے بعد ﴿ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ﴾ پھر جمے ہوئے خون سے۔ نطفہ خون بن
جاتا ہے ﴿ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ﴾ پھر گوشت کے ٹکڑے سے۔ پھر خون گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے ﴿مُّخَلَّقَةٍ﴾ وہ گوشت کا ٹکڑا پورا ہے
﴿وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ اور جو ادھورا ہے وہ گوشت کا ٹکڑا پورا نہیں ہے۔

مُخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ کی تفسیر

بعض بچوں کے اعضاء سارے صحیح ہوتے ہیں اور بعض کی ٹانگ نہیں ہوتی، کان نہیں ہوتے، آنکھیں نہیں ہوتیں، یہ غیر
مخلقہ ہیں۔ ماں کے پیٹ میں جب چار ماہ سے کچھ اُوپر دن گزرتے ہیں تو پوری انسانی شکل بن جاتی ہے۔ لڑکا ہے، لڑکی ہے، **کالا**

ہے، گورا ہے، پھر رب تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس میں روح پھونکتے ہیں اور وہ ماں کے پیٹ میں حرکت کرنے لگ جاتا ہے۔ جان پڑنے کے بعد وہ پانچ ماہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے جہاں نہ ہوا، نہ روشنی۔ آج گرمی کے موسم میں کسی کو کمرے میں بند کردو تو اس کا سانس بند ہو جائے گا لیکن وہ بغیر سانس کے ماں کے پیٹ میں زندہ رہتا ہے۔ رب تعالیٰ کی قدرت سمجھنی ہو تو کوئی مشکل نہیں ہے۔ بعض دفعہ دو بچے ماں کے پیٹ میں ہوتے ہیں بعض دفعہ زیادہ بھی ہوتے ہیں۔ آج سے دو تین مہینے پہلے کی بات ہے اخبار میں آیا تھا کہ ایک عورت نے بیک وقت پندرہ بچے جنے ہیں۔ ماں اور بچوں کی تصویر بھی آئی تھی۔ خدا کی قدرت سے کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ﴾ تاکہ ہم بیان کریں تمھارے سامنے اپنی قدرت کاملہ کہ جس ذات نے تمھیں خاک سے پیدا کیا ہے اور حقیر قطرے سے پیدا کیا ہے وہ تمھیں دوبارہ بھی اٹھائے گا انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ فرمایا ﴿وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ﴾ اور ہم ٹھہراتے ہیں رحموں میں جو ہم چاہتے ہیں ﴿إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ایک مدت مقرر تک۔ عموماً بچے ماں کے پیٹ میں نو ماہ تک رہتے ہیں۔ شرعی طور پر حمل کی ادنیٰ مدت چھ ماہ ہے۔ شادی کے چھ ماہ بعد جو بچہ پیدا ہوگا وہ حلال ہوگا۔ سات ماہ کے بعد بھی پیدا ہوتے ہیں، آٹھ ماہ کے بعد بھی پیدا ہوتے ہیں۔ بعض بچے ایک سال ماں کے پیٹ میں اور بعض دو سال ماں کے پیٹ میں رہتے ہیں۔

مشہور تابعی حضرت ضحاک ابن مُزاحم رحمۃ اللہ علیہ چار سال ماں کے پیٹ میں رہے۔ جب پیدا ہوئے تو دانت بھی تھے اور ٹھاہ! ٹھاہ! کر کے ہنسنا شروع کر دیا اسی لیے ان کا نام ضحاک رکھا، ہنسنے والا۔ تو رب تعالیٰ کی قدرتیں ہیں۔ خیر حمل کی ادنیٰ مدت چھ ماہ ہے۔ اگر باپ انکار کرے کہ میرا نہیں ہے تو پھر لعان ہوگا جس کی تفصیل سورہ نور میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ کہ جج کے سامنے مرد عورت قسمیں کھائیں گے۔ مرد کہے گا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے اور عورت کہے گی اسی کا ہے۔ بہرحال چھ ماہ بعد پیدا ہونے والا بچہ شرعی طور پر حلال ہوتا ہے ﴿ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا﴾ پھر ہم نکالتے ہیں تمھیں بچپن کی حالت میں۔ کوئی ہوش و حواس نہیں ہوتے ہم تمھیں زندگی دیتے ہیں ﴿ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ﴾ پھر تاکہ تم پہنچ جاؤ اپنی قوت اور جوانی کو۔ تقریباً تیس سال کی عمر میں انسان کی ساری قوتیں نمایاں ہو جاتی ہیں ﴿وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ﴾ اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو فوت ہو جاتے ہیں جوانی میں، ادھیڑ عمر میں، بچپن میں ﴿وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ﴾ اور تم میں سے بعضے وہ ہیں جو لوٹائے جاتے ہیں نکمی عمر کی طرف ﴿لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا﴾ تاکہ نہ جانیں وہ علم کے بعد کچھ بھی۔ ایسے بوڑھے بھی ہوتے ہیں جو بے چارے اپنے گھر کے دروازے کا پوچھتے ہیں کہ ہمارا دروازہ کون سا ہے۔ اپنے پوتوں، پڑپوتوں کے نام نہیں آتے پہچان نہیں ہوتی۔ تو جس رب نے حقیر قطرے سے یہاں تک پہنچایا وہ تمھیں دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت نہیں رکھتا؟

اب دوسری دلیل سنیے! ﴿وَتَرَى الْأَرْضَ﴾ اور اے مخاطب آپ دیکھتے ہیں زمین کو ﴿هَامِدَةً﴾ دبی ہوئی۔ بارش نہ ہو تو زمین خشک ہو کر دب جاتی ہے ﴿فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ﴾ پس جب ہم اس پر نازل کرتے ہیں پانی، بارش ﴿اهْتَزَّتْ﴾ وہ

حرکت کرتی ہے ﴿وَ رَبَتۡ﴾ اور پھولتی ہے ﴿وَ اَنۡۢبَتَتۡ﴾ اور اُگاتی ہے ﴿مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍۭ بَهِیۡجٍ﴾ ہر قسم کی تروتازہ چیزیں، سبزیاں، کھیت وغیرہ۔ تو جو رب تعالیٰ اس زمین سے تروتازہ چیزیں اُگاتا ہے اور یہ چیزیں تمھارے مشاہدے میں ہیں وہی تمھیں دوبارہ زندہ کرے گا ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ﴾ یہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے ﴿وَ اَنَّهٗ یُحۡیِ الۡمَوۡتٰی﴾ اور بے شک وہ مردوں کو زندہ کرے گا۔ شک شبہ کی بات نہیں ہے ﴿وَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت پر دو دلیلیں پیش فرمائی ہیں ماننے والے کے لیے کافی ہیں اور نہ ماننے والے کے سامنے دلائل کے انبار بھی لگا دیے جائیں تو وہ نہیں مانے گا۔

﴿وَّ اَنَّ السَّاعَةَ﴾ اور بے شک قیامت ﴿اٰتِیَةٌ﴾ آنے والی ہے ﴿لَّا رَیۡبَ فِیۡهَا﴾ اس میں کوئی شک نہیں ہے ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿یَبۡعَثُ﴾ اُٹھائے گا ﴿مَنۡ﴾ ان کو ﴿فِی الۡقُبُوۡرِ﴾ جو قبروں میں ہیں ﴿وَ مِنَ النَّاسِ﴾ اور بعض لوگ وہ ہیں ﴿مَنۡ﴾ جو ﴿یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ﴾ جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿بِغَیۡرِ عِلۡمٍ﴾ بغیر علم کے ﴿وَّ لَا هُدًی﴾ اور ہدایت بھی نہیں ﴿وَّ لَا کِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ﴾ اور نہ کوئی کتاب ہے روشنی پہنچانے والی ﴿ثَانِیَ عِطۡفِهٖ﴾ موڑنے والے ہیں اپنے پہلو کو ﴿لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ﴾ تاکہ گمراہ کریں اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿لَهٗ فِی الدُّنۡیَا خِزۡیٌ﴾ اس شخص کے لیے دنیا میں رسوائی ہوگی ﴿وَّ نُذِیۡقُهٗ﴾ اور ہم اس کو چکھائیں گے ﴿یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ﴾ جلانے والا عذاب ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ ﴿بِمَا قَدَّمَتۡ یَدٰكَ﴾ اس سبب سے کہ جو بھیجی ہے آگے تیرے دونوں ہاتھوں نے ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ﴾ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر ﴿وَ مِنَ النَّاسِ﴾ اور لوگوں میں سے بعض ﴿مَنۡ﴾ وہ ہیں ﴿یَّعۡبُدُ اللّٰهَ﴾ جو عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ﴿عَلٰی حَرۡفٍ﴾ کنارے پر ﴿فَاِنۡ اَصَابَهٗ خَیۡرُ﴾ پس اگر پہنچے اس کو کوئی خیر ﴿اطۡمَاَنَّ بِهٖ﴾ تو اس پر مطمئن ہو جاتا ہے ﴿وَ اِنۡ اَصَابَتۡهُ فِتۡنَةُ﴾ اور اگر پہنچے اس کو کوئی مصیبت ﴿انۡقَلَبَ عَلٰی وَجۡهِهٖ﴾ پلٹ جاتا ہے اپنے چہرے کے بل ﴿خَسِرَ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَةَ﴾ نقصان اُٹھایا اس نے دنیا میں اور آخرت میں ﴿ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِیۡنُ﴾ یہی ہے کھلا نقصان ﴿یَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ پکارتا ہے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿مَا﴾ اس مخلوق کو ﴿لَا یَضُرُّهٗ﴾ جو اس کو ضرر نہیں دے سکتی ﴿وَ مَا﴾ اور اس مخلوق کو ﴿لَا یَنۡفَعُهٗ﴾ جو اس کو نفع نہیں دے سکتی ﴿ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِیۡدُ﴾ یہی ہے گمراہی دور کی ﴿یَدۡعُوۡا﴾ پکارتا ہے ﴿لَمَنۡ﴾ اس کو ﴿ضَرُّهٗۤ﴾ جس کا ضرر ﴿اَقۡرَبُ مِنۡ نَّفۡعِهٖ﴾ زیادہ قریب ہے اس کے نفع سے ﴿لَبِئۡسَ الۡمَوۡلٰی﴾ البتہ بُرا ہے آقا ﴿وَ لَبِئۡسَ الۡعَشِیۡرُ﴾

اور البتہ بُرا ہے ساتھی۔

قیامت حق ہے!

سورت کی ابتدا قیامت کے ذکر سے تھی ﴿اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ﴾ کہ قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے۔آج کی آیات میں بھی قیامت کے متعلق بیان ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ﴾ اور بے شک قیامت آنے والی ہے ﴿لَّا رَیْبَ فِیْهَا﴾ قیامت کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے۔ساتھیو! یہ نہ سمجھو کہ ابھی قیامت دور ہے۔وہ تو عالم کبریٰ کی قیامت دور ہے تیری قیامت تو سر پر کھڑی ہے بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے۔قبر قیامت ہے، برزخ قیامت ہے، میدان محشر قیامت ہے، مرنے کے بعد آگے لمبا سلسلہ ہے۔کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں ابھی جوان اور تندرست ہوں بوڑھا ہوں گا بیمار ہوں گا پھر مروں گا۔اس غلط فہمی کا شکار نہ ہونا موت ہر وقت سر پر کھڑی ہے۔حیرت الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

تو فرمایا قیامت کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے ﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اٹھائے گا ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو قبروں میں دفن نہیں کیے جاتے جلا دیئے جاتے ہیں یا جن کو درندے اور پرندے کھا جاتے ہیں وہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔سب کے سب دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔چوں کہ عرب میں جتنے بھی مذہبی فرقے تھے، مشرک، یہودی، عیسائی، صابی وغیرہ وہ مردوں کو دفن کرتے تھے جلاتے نہیں تھے ان کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے کہ جو قبروں میں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اٹھائے گا۔اٹھائے سارے جائیں گے۔

بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی امتوں میں ایک شخص بڑا گنہگار تھا اس کے متعلق نباش کے لفظ بھی بخاری شریف میں ہیں کہ مردوں کے کفن کھینچ لیتا تھا۔پھر اس کو رب نے بڑا مال اور اولاد دی۔اس دور کا کلمہ پڑھنے والا تھا۔بیمار ہوا تو بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ میں تمھارا کیسا باپ ہوں تمھارے حق میں کیسے رہا ہوں؟ انھوں نے کہا خَیْرُ اَبٍ "ہمارے حق میں بہت بہتر رہے ہیں۔" اولاد کو جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب آپ نے مہیا کی ہیں۔کہنے لگا مجھے قسم دو کہ میری بات پر عمل کرو گے پھر میں بتلاؤں گا۔کہنے لگے ابا جی! بغیر قسم کے بھی ہم آپ کی بات پر عمل کریں گے۔کہا نہیں قسم اٹھاؤ۔بیٹوں نے قسم اٹھائی تو والد نے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو بہت سارا ایندھن اکٹھا کر کے مجھے اس میں رکھ کر آگ لگا دینا (جیسے ہندو جلاتے ہیں) جلانے کے بعد ہڈیاں وغیرہ پیس لینا کچھ راکھ ہوا میں اڑا دینا اور کچھ راکھ سمندر میں بہا دینا۔بیٹے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگ گئے۔یہ کام ان کے لیے بڑا مشکل تھا۔مثلاً: ہمیں یہاں کوئی کہے کہ مجھے جلا دینا تو یہ ہمارے لیے خاصا مشکل ہے کیونکہ جلانے کا طریقہ مسلمانوں کا نہیں ہے اور اپنے معمول سے نکلنا کافی مشکل ہوتا ہے۔ان قوموں میں بھی مردوں کا جلانا

رائج نہیں تھا۔ بہر حال وہ فوت ہو گیا بیٹوں نے باپ کی وصیت پر عمل کیا۔ جلا کر پیس کر آدھی راکھ ہوا میں اڑا دی اور آدھی سمندر میں بہا دی۔ لوگ ان کے پیچھے پڑ گئے کہ تم نے والد کو جلا دیا۔ جب رواج نہ ہو تو یہ باتیں تو ہوتی ہیں۔ منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ بخاری شریف کی روایت ہے اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ ایک ذرہ نہ ضائع ہو۔ اللہ تعالیٰ نے راکھ کو اکٹھا کر کے انسان بنا دیا جیسے زندگی میں تھا اور فرمایا کہ اے میرے بندے! تو نے یہ کیا کاروائی کی ہے۔ رب تعالیٰ کو تو معلوم تھا پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی مگر حکمتیں ہوتی ہیں۔ اس نے کہا اے پروردگار! آپ جانتے ہیں کہ میں نے زندگی میں کوئی انسانوں والا کام نہیں کیا تو آپ کے ڈر کی وجہ سے ایسا کیا ہے کہ پکڑا گیا تو میرا حشر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا میں نے تجھے بخش دیا ہے۔ تو جو جلا دیئے جاتے ہیں یا جن کو درندے پرندے کھا جاتے ہیں، مچھلیاں کھا جاتی ہیں سب زندہ کیے جائیں گے۔ یقین جانو! رب تعالیٰ کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ لوگ ویسے ہی عقلی شوشے چھوڑتے ہیں کہ جس کو جلا دیا جاتا ہے یا جو کو مچھلیاں کھا جاتی ہیں ان کو عذاب کہاں ہوتا ہے۔ جن کو شیر گیدڑ کھا جاتے ہیں ان کو کہاں عذاب ہوتا ہے؟ بھئی! کچھ بھی ہو اور تم کچھ بھی کہو رب تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ جو جہاں بھی ہو گا اس کو سزا ہو گی اور جہاں اس کے جسم کے ذرات ہوں گے وہی اس کی قبر ہو گی چاہے جس شکل میں ہو۔ نہ کوئی راحت سے محروم رہے گا اور نہ کسی کو عذاب سے چھٹکارا ہے۔ تو من فی القبور کا لفظ اس لیے فرمایا کہ وہاں جلانے کا رواج نہیں تھا قبروں میں ہی دفناتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللهِ﴾ اور بعض لوگ وہ ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ بغیر علم کے، علم بھی نہیں ہے ﴿وَّلَا هُدًى﴾ اور ہدایت بھی نہیں ہے ﴿وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾ اور نہ کوئی کتاب ہے روشنی پہنچانے والی دلائل کے ساتھ۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ

یہ آیتیں نضر ابن حارث اور ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ابو جہل کا نام ابو الحکم عمرو بن ہشام تھا۔ یہ مکہ مکرمہ کا چودھری تھا۔ یہ بڑا مال دار، منہ پھٹ، بے لحاظ آدمی تھا اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عداوت تھی۔ ایک دفعہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بڑے نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ جس طرح آج کل بھی عیسائی کافر استعمال کرتے رہتے ہیں۔ گوجرانوالا میں بھی چند عیسائی لڑکوں نے دیواروں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھ کر آگے گالیاں لکھیں۔ پکڑے گئے اور جیل بھیج دیئے گئے اور امریکی سفیر نے رہا کرائے۔ تو ابو جہل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازیبا اور برے قسم کے الفاظ استعمال کیے۔ ایک لونڈی بھی سن رہی تھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شکار کر کے آرہے تھے ان کے پاس کمان اور دو چار خرگوش یا پرندے تھے جو انھوں نے پیچھے لٹکائے ہوئے تھے۔ لونڈی دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھنے کے بعد کہنے لگی چچا جان! میں تم کو ایک بات بتاتی ہوں مگر میرا نام نہ کسی کو بتانا۔ آج ابو جہل عمرو ابن ہشام نے آپ کے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بری گالیاں دی ہیں۔ میں لونڈی

ہوں عورت ذات ہوں مگر مجھے بھی اچھی نہیں لگیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سیدھے ابوجہل کی طرف چل پڑے۔ وہ دارالندوہ میں ننگے سر بیٹھا ہوا تھا انھوں نے جا کر تین چار کمانیں اس کے سر پر ماریں۔ لوگوں نے کہا حمزہ پاگل ہو گئے ہو کیا بات ہے؟ فرمایا پاگل نہیں ہوں ٹھیک ٹھاک ہوں اس خبیث نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دی ہیں۔ مجلس والوں نے کہا کیا تم بھی اس کے طرف دار ہو گئے ہو۔ فرمایا ہاں! ہو گیا ہوں۔ وہاں سے سیدھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور مسلمان ہو گئے۔

تو فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے بغیر علم، بغیر ہدایت کے اور نہ اس کے پاس کوئی روشن کتاب ہے ﴿ثَانِيَ عِطْفِهٖ﴾ موڑنے والا ہے اپنے پہلو کو یعنی پہلو تہی کرتا ہے ﴿لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ تاکہ گمراہ کرے اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔ ہر وقت لوگوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے کہ محمد کی اطاعت نہ کرنا اس کی بات نہ سننا۔ فرمایا ہمارا فیصلہ بھی سن لو ﴿لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ﴾ اس شخص کے لیے دنیا میں رسوائی ہوگی۔ یہ بدر کے مقام پر انتہائی ذلت کے ساتھ مارا گیا ﴿وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور ہم اس کو چکھائیں گے قیامت والے دن ﴿عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ جلانے والا عذاب ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ﴾ یہ اس لیے کہ جو بھیجی ہے آگے تیرے دونوں ہاتھوں نے کمائی ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر۔ رب تعالیٰ جیسا مہربان کوئی نہیں ہے۔ باقی جو جس نے کہا ہے اس کا پھل پائے گا۔

مطلبی اور مفاد پرست لوگوں کا ذکر

آگے مطلب پرست، مفاد پرست اور خود غرض لوگوں کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ﴾ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں ﴿يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں کنارے پر۔ جس طرح مجلس سے نکلنے والا آدمی کنارے پر بیٹھتا ہے تاکہ مجھے نکلتے وقت کوئی دقت نہ پیش آئے۔ اور جو بات سننے کا ارادہ رکھتا ہے اور پختہ ہوتا ہے وہ قریب بیٹھتا ہے کہ مجھے فائدہ ہو۔ یہ منافق لوگ مجلس کے کنارے پر بیٹھتے تھے تاکہ بھاگنے میں آسانی ہو ﴿فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ﴾ پس اگر پہنچے ان کو کوئی خیر۔ مال مل جائے زکوٰۃ عشر وغیرہ ﴿اطْمَاَنَّ بِهٖ﴾ تو اس پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ مال مل گیا ہے۔ پھر خوب مزے اُڑاتا ہے ﴿وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ﴾ اور اگر پہنچے کوئی آزمائش ﴿انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ﴾ پلٹ جاتا ہے اپنے چہرے کے بل۔ یعنی فائدہ پہنچے ساتھ ہیں اگر تکلیف آ گئی تو پیٹھ پھیر لی۔ بخلاف مخلص مسلمانوں کے کہ تکلیف پہنچے راحت پہنچے، خوشی آئے غمی آئے ہر حال میں وہ دین کے ساتھ جڑے رہتے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کسی کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے اور فرشتے جان نکال کر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادَ عَبْدِي "میرے بندے کے بیٹے کی جان تم نے نکال لی۔" فرشتے کہتے ہیں آپ کا حکم تھا۔ تو میرے بندے نے کیا کہا؟ فرشتے کہتے ہیں پروردگار اس نے کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اس کے بعد کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کے لیے جنت میں ایک کوٹھی بنا دو اور اس کا نام رکھو "بَيْتُ الْحَمْدِ" کہ اس نے مجھے غمی میں بھی نہیں

بھلایا۔ اور جو مطلب پرست ہیں مطلب حاصل ہوا تو مطمئن ہو گئے اور آزمائش پہنچی تو منہ پھیر لیا۔ ایسے لوگ ﴿خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ﴾ نقصان اٹھایا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ﴾ یہی ہے کھلا نقصان کہ دنیا میں بھی گھاٹا اور آخرت میں بھی گھاٹا ﴿یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ پکارتا ہے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿مَا لَا یَضُرُّهٗ وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ﴾ اس مخلوق کو جو اس کو ضرر نہیں دے سکتی اور اس مخلوق کو جو اس کو نفع نہیں دے سکتی۔

نفع نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے

جو خود مخلوق ہے اس کے پاس نفع نقصان کہاں؟ رب تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نفع نقصان کا اختیار نہیں ہے ﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ "اور اگر پہنچائے آپ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پس نہیں کھولنے والا دور کرنے والا اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ﴿وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾[یونس:۱۰۷] اور اگر وہ ارادہ کرے آپ کے ساتھ بھلائی کا تو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے اس کے فضل کو۔" دیکھو! عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے منجی ہیں ہمیں نجات دینے والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، رب تعالیٰ کے شریک ہیں۔ اور ایسے بے وقوف ہیں کہ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو سولی پر لٹکایا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جب ان کو سولی پر لٹکایا جا رہا تھا تو وہ کہہ رہے تھے: اِیْلِیْ اِیْلِیْ لِمَا سَبَقْتَنِیْ "اے میرے رب! اے میرے رب! تو نے مجھے ان ظالموں کے ہاتھوں پھنسا دیا ہے۔" اب سوال یہ ہے کہ جو اپنے گلے سے پھندا نہ اتار سکے اپنے آپ کو نہ بچا سکے، اپنے آپ کو نجات نہ دے سکے وہ تمہارے کیسے منجی بن گئے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا احترام ہمارے دلوں میں ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں لیکن وہ نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن پاک میں اعلان کروایا ﴿قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾[جن:۲۱] "اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اعلان کر دیں میں تمہارے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" اور یہ بھی اعلان کر دیں ﴿لَاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾[اعراف:۱۸۸] "میں اپنے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر جو رب چاہتا ہے۔" اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں پہلا نمبر ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اپنی ذات کے نفع نقصان کے مالک ہیں اور نہ کسی اور کے نفع نقصان کے مالک ہیں تو پھر اور کون ہو سکتا ہے کہ وہ نفع نقصان کا مالک ہو اور اس کو پکارا جائے۔ ﴿ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ﴾ یہی ہے گمراہی دور کی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو نافع اور ضار سمجھنا اور ان کو حاجات میں پکارنا جب کہ اللہ تعالیٰ کے سوا، نہ کوئی نافع ہے، نہ کوئی ضار ہے، نہ کوئی دافع البلاء ہے۔

درود تاج پڑھنے سے سب اعمال برباد ہو جاتے ہیں

دیکھو! ان لوگوں نے درود تاج بنایا ہوا ہے اور اس کو پڑھنا بڑا قابلِ ثواب سمجھتے ہیں۔ اس میں یہ کلمات بھی ہیں دَافِعُ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْاَلَمِ "کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلائیں ٹالتے ہیں، مصیبتیں ٹالتے ہیں، قحط ٹالتے ہیں اور رنج ٹالتے

ہیں۔"لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔رب تعالیٰ تو فرمائیں کہ اعلان کرو کہ میں تمھارے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں اور یہ لوگ کہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ یہ انھوں نے اپنے پاس سے خرافات بنا کر پیش کی ہیں حاشا وکلا! یہ سب شرکیہ الفاظ ہیں دافع البلاء والوباء والقحط والالم۔ یہ جو پڑھے گا اس کی نمازیں برباد، روزے برباد ہر چیز برباد ہو جائے گی۔اور یہ بیماری زیادہ عورتوں میں ہے۔درود تاج پڑھو، درود ماہی پڑھو، خدا جانے کیا کیا درود بنائے ہوئے ہیں۔جو درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں پڑھنے کے لیے بتایا ہے درود ابراہیمی اس سے بہتر درود دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

فرمایا ﴿یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّہٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِہٖ﴾ پکارتا ہے اس کو جس کا ضرر زیادہ قریب ہے اس کے نفع سے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر، فریاد رس سمجھ کر، دستگیر سمجھ کر پکارا تو کافر ہو گیا۔اور کفر سے بڑھ کر کون سا ضرر ہے؟ دیکھو! یہ تم روزمرہ سنتے ہو:۔

امداد کن امداد کن از رنج وغم آزاد کن
در دین ودنیا شاد کن یا غوث اعظم دست گیر

تو مسئلہ یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر پکارے گا وہ کافر ہو جائے گا۔اب اس نے اپنے فہم کے مطابق، اپنے خیال کے مطابق ان کو نافع سمجھ کر پکارا کہ وہ مجھے نفع پہنچائیں گے۔ وہ تو نہیں پہنچا مگر کفر کا ضرر ہو گیا کیوں کہ یہ کفر ہے۔یہ کفر اور اسلام کے مسئلے ہیں کوئی معمولی مسئلے نہیں ہیں۔غیر اللہ کو پکارنے والے کو نفع تو نہیں ہوگا البتہ کفر لازم ہو جائے گا اور وہ مشرک ہوگا۔﴿لَبِئْسَ الْمَوْلٰی﴾ البتہ بُرا ہے اس کا آقا جس کے ذریعے کافر ہوا اور مشرک ہوا ﴿وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ﴾ اور البتہ بُرا ہے ساتھی۔رب تعالیٰ کے بغیر نہ کوئی نافع ہے اور نہ کوئی ضار ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ ﴿یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور جنھوں نے عمل کیے اچھے ﴿جَنّٰتٍ﴾ ایسے باغات میں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ﴾ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿اِنَّ اللّٰہَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ﴾ کرتا ہے وہ جو ارادہ کرتا ہے ﴿مَنْ کَانَ یَظُنُّ﴾ جو شخص خیال کرتا ہے ﴿اَنْ﴾ اس بات کا ﴿لَّنْ یَّنْصُرَہُ اللّٰہُ﴾ کہ ہرگز نہیں مدد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ﴿فِی الدُّنْیَا﴾ دنیا میں ﴿وَالْاٰخِرَۃِ﴾ اور آخرت میں ﴿فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ﴾ پس چاہیے کہ دراز کرے رسی کو ﴿اِلَی السَّمَآءِ﴾ آسمان کی طرف ﴿ثُمَّ لْیَقْطَعْ﴾ پھر کاٹ دے ﴿فَلْیَنْظُرْ﴾ پس چاہیے کہ وہ دیکھے ﴿ہَلْ یُذْہِبَنَّ کَیْدُہٗ﴾ کیا دور کرتی ہے اس کی تدبیر ﴿مَا یَغِیْظُ﴾ اس چیز کو جو اس کو غصے میں ڈالتی ہے ﴿وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنٰہُ﴾ اور اسی طرح ہم نے نازل کیا ہے

اس کو ﴿اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ آیتیں ہیں صاف صاف ﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ﴾ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَالَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ اور وہ لوگ جو یہودی ہیں ﴿وَالصّٰبِئِيْنَ﴾ اور جو صابی ہیں ﴿وَالنَّصٰرٰى﴾ اور جو نصرانی ہیں ﴿وَالْمَجُوْسَ﴾ اور جو مجوسی ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يَسْجُدُ لَهٗ﴾ سجدہ کرتی ہے اس کو ﴿مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ وہ مخلوق جو آسمانوں میں ہے ﴿وَمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور وہ مخلوق جو زمین میں ہے ﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ اور سورج اور چاند ﴿وَالنُّجُوْمُ﴾ اور ستارے ﴿وَالْجِبَالُ﴾ اور پہاڑ ﴿وَالشَّجَرُ﴾ اور درخت ﴿وَالدَّوَآبُّ﴾ اور جانور ﴿وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ﴾ اور بہت سے لوگوں میں سے ﴿وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ﴾ اور بہت سے ایسے ہیں کہ ثابت ہے ان پر عذاب ﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو ذلیل کرے اللہ تعالیٰ ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ﴾ پس نہیں ہے کوئی اس کو عزت دینے والا ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہے ﴿هٰذٰنِ﴾ یہ دو گروہ ہیں ﴿خَصْمٰنِ﴾ جھگڑا کرتے ہیں ﴿اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ﴾ انھوں نے جھگڑا کیا اپنے رب کے بارے میں ﴿فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پس وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ﴾ کاٹے جائیں گے ان کے لیے کپڑے ﴿مِّنْ نَّارٍ﴾ آگ سے ﴿يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ﴾ بہایا جائے گا ان کے سروں پر ﴿الْحَمِيْمُ﴾ گرم پانی ﴿يُصْهَرُ بِهٖ﴾ نکالا جائے گا اس کے ذریعے ﴿مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ﴾ جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے ﴿وَالْجُلُوْدُ﴾ اور ان کی کھالیں اُتاری جائیں گی ﴿وَلَهُمْ﴾ اور ان کے لیے ﴿مَّقَامِعُ﴾ ہتھوڑے ہوں گے ﴿مِنْ حَدِيْدٍ﴾ لوہے کے ﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا﴾ جب بھی وہ ارادہ کریں گے ﴿اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا﴾ کہ وہ نکلیں دوزخ سے ﴿مِنْ غَمٍّ﴾ غم کی وجہ سے ﴿اُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ لوٹا دیے جائیں گے اس کے اندر (اور کہا جائے گا) ﴿وَذُوْقُوْا﴾ اور چکھو ﴿عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ جلانے والے عذاب کا مزہ۔

پچھلی آیات میں کافروں کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ایسوں کو پکارتے ہیں جو نہ ان کے نفع کے مالک ہیں اور نہ نقصان کے اور یہ کھلی گمراہی ہے۔ ان کے مدمقابل اب مومنوں کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنھوں نے عمل اچھے کیے۔ ایمان بھی لائے اور عمل

بھی اچھے کیے۔کہاں داخل کرے گا؟ ﴿جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ﴾ ایسے باغات میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔اس چیز کی قدر ہمیں تو یہاں نہیں ہو سکتی کیوں کہ یہاں ہر چیز موجود ہے، باغات بھی ہیں، نہریں بھی ہیں، درخت بھی ہیں۔

اس کی قدر عربوں سے پوچھو کہ ان کو درختوں اور پانی کی کتنی قدر تھی کہ عرب کا علاقہ خشک ہے اور گرمی انتہائی درجے کی۔بیس بیس، تیس تیس میل تک پانی نہیں ملتا تھا اور گرمی کے زمانے میں سر چھپانے کے لیے کوئی سایہ دار درخت نظر نہیں آتا تھا۔ان چیزوں کی قدر ان کو تھی۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھانے کے لیے فرمایا وہاں باغات ہوں گے اور ان کے نیچے نہریں چل رہی ہوں گی اور ﴿لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ فِيۡهَا﴾ [سورۃ ق:۳۵] "اور ان کے لیے ہوگا جو وہ چاہیں گے اس میں۔" فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہے۔اس کے ارادے کو کوئی ٹال نہیں سکتا اس کا ارادہ ہی اصل ہے۔

کافروں کی سرزنش

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنۡ كَانَ يَظُنُّ﴾ جو شخص خیال کرتا ہے ﴿اَنۡ لَّنۡ يَّنۡصُرَهُ اللّٰهُ﴾ اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ اس کی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی مدد نہیں کرے گا ﴿فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ﴾ دنیا اور آخرت میں۔آنحضرت ﷺ جب یہ فرماتے کہ میرا کلمہ پڑھ لو اس میں تمھاری دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ایک وقت آئے گا یہ ساری دنیا تمھارے ماتحت ہوگی اور اللہ تعالیٰ نورِ ایمان اور نورِ توحید کو مکمل کرے گا۔﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ [صف:۸] "اور اللہ تعالیٰ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں۔" تو بعض کافر شوشے چھوڑتے تھے کہ اس کے پاس کیا ہے کہ ساری دنیا اس کے زیر اثر ہو جائے گی۔یہ چند کمزور آدمی اور غلام بھوکے ننگے دنیا پر فتح پائیں گے۔یہ ہمیں خواہ مخواہ ورغلاتا ہے اور غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔

تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہرگز مدد نہیں کرے گا۔ہ ضمیر آنحضرت کی طرف راجع ہے۔تو جس شخص کا یہ خیال ہے اس کو کیا کرنا چاہیے؟ ﴿فَلۡيَمۡدُدۡ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ﴾ پس چاہیے کہ دراز کرے، تان لے رسی زمین سے آسمان تک اور لٹکتا لٹکتا وہاں پہنچ جائے جہاں سے رب تعالیٰ کی مدد پیغمبر پر نازل ہوتی ہے۔ویسے تو نہیں پہنچ سکتا رسی لٹکا لے اور پہنچ جائے ﴿ثُمَّ لۡيَقۡطَعۡ﴾ پھر کاٹ دے جہاں سے رب کی مدد آرہی ہے وہ دروازہ بند کر آئے۔اگر اس کے اختیار میں ہے تو ایسا کرلے ﴿فَلۡيَنۡظُرۡ هَلۡ يُذۡهِبَنَّ كَيۡدُهٗ﴾ پس چاہیے کہ وہ دیکھے کیا دور کرتی ہے اس کی تدبیر ﴿مَا يَغِيۡظُ﴾ اس کو جو اس کو غصے میں ڈالتی ہے۔کیا اس کا یہ مکر اور اس کی یہ تدبیر اس کے غصے کو ٹھنڈا کرتی ہے۔فرمایا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ﴿وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ﴾ اور اسی طرح ہم نے نازل کیا ہے اس کو۔جیسے ہم نے پہلے پیغمبروں پر کتابیں نازل کی تھی اسی طرح نازل کی ہیں ﴿اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ آیتیں ہیں صاف صاف۔اللہ تعالیٰ صاف صاف بیان فرماتے ہیں لیکن ہمارے لیے تو مشکل ہیں۔تو بھئی! ہمارے لیے مشکل اس لیے ہیں کہ عربی ہماری زبان نہیں ہے ان کی زبان عربی تھی وہ اہل لسان تھے، اہل زبان تھے۔وہ قرآن

پاک کی فصاحت اور بلاغت کو سمجھتے تھے اور دنیا میں اس سے زیادہ کوئی فصیح کتاب نہیں ہے۔ اس کا آج تک کوئی مقابلہ نہیں کر سکا اور نہ قیامت تک کوئی کرے گا۔ اس کو مٹانے کی بڑی کوشش کی گئی ہے لیکن اس کی حفاظت کا ذمہ رب تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ ہاں جب قیامت برپا کرنا مقصود ہوگا اس وقت اس کو اٹھا لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے اس کو جو ہدایت کا ارادہ کرے۔ زبردستی ہدایت اللہ تعالیٰ کسی کو نہیں دیتا۔

• بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت عرب میں فرقوں کی تعداد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت سرزمین عرب پر مومنوں کے علاوہ پانچ فرقے تھے۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے۔ دوسرا فرقہ ﴿وَالَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ اور وہ لوگ جو یہودی ہیں ﴿وَالصّٰبِئِيْنَ﴾ اور جو صابی ہیں، یہ تیسرا فرقہ تھا۔ اور چوتھا فرقہ ﴿وَالنَّصٰرٰى﴾ اور وہ جو نصرانی ہیں ﴿وَالْمَجُوْسَ﴾ اور وہ جو مجوسی ہیں، یہ پانچواں فرقہ تھا ﴿وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا، یہ چھٹا فرقہ ہوا۔ تو اسلام کے علاوہ پانچ فرقے تھے۔ مدینہ طیبہ میں یہودی کافی تعداد میں تھے۔ خیبر کے علاقہ پر تو قبضہ ہی ان کا تھا اور فدک بھی سارا ان کے پاس تھا اور نجران کے علاقے میں نصاریٰ تھے اور اب بھی اکا دکا ہیں۔ اور صابئین کے بارے میں مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فرقہ نماز روزے کا قائل تھا اور قیامت کے بھی قائل تھے حضرت داؤد علیہ السلام کو مانتے تھے اور زبور کا بڑا احترام کرتے تھے اس کے ساتھ ساتھ ستاروں کی بھی پوجا کرتے تھے۔ اس لیے بعض محدثین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی بگڑی ہوئی امت تھی جیسے عرب کے مشرک کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے طریقے پر تھے صدیوں تک اسی طریقے پر رہے۔ عمرو ابن لُحی بن قمع بنو خزاعہ قبیلے کا آدمی تھا جس نے سب سے پہلے عرب میں شرک کی ترویج کی۔

یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً اڑھائی سو سال پہلے گزرا ہے۔ یہ شخص اخلاق میں بھی بڑا گرا ہوا تھا۔ اس زمانے میں لوگ حج عمرے والے بہت تھوڑے ہوتے تھے اب تو خدا پناہ! بے شمار مخلوق ہے۔ اس نے چھڑی کے ساتھ کنڈی بنائی ہوئی تھی جیسے مچھلیاں پکڑنے والی کنڈی ہوتی ہے طواف کرتے ہوئے کسی کے کندھے پر اچھی چادر دیکھتا یا اچھا کمبل دیکھتا کیوں کہ عام طواف میں کپڑا رکھ سکتے ہیں تو کنڈی کے ساتھ وہ چادر اور کمبل اُٹھا کر اپنے تھیلے میں چھپا لیتا تھا اگر کسی کو خبر ہو جاتی تو کہتا معاف رکھنا بے احتیاطی میں کنڈی کے ساتھ لگ گئی ہے۔ اندازہ لگاؤ کہ یہ شخص اخلاق میں کتنا گرا ہوا تھا کہ طواف کرتے ہوئے بھی لوگوں کے کپڑے اڑا لیتا تھا۔ لیکن لوگ اس کے پیچھے بھی چل پڑے۔ آج بعض بے وقوف غلط فہمی کا شکار ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر فلاں آدمی کے پاس کچھ نہیں ہے تو لوگ اس کے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہیں؟ دیکھو! لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ تم کپڑے اتار کر بازار چلے جاؤ تو کتنی مخلوق تمھارے پیچھے چل پڑے گی۔ تو کسی کے ساتھ لوگوں کا لگ جانا اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے ہیں اور مجوسی آگ کی پوجا کرتے ہیں اور مشرک مخلوق کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا ان سب فرقوں کے درمیان قیامت والے دن۔ یہ عملی فیصلہ ہوگا کہ حق والوں کو جنت میں داخل کرے گا اور باطل فرقوں کو دوزخ میں ڈالے گا ورنہ دلائل کے لحاظ سے حق باطل کا فیصلہ دنیا میں ہو چکا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اے مخاطب! کیا آپ نہیں دیکھتے ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ﴾ ہی کو سجدہ کرتی ہے وہ مخلوق جو آسمانوں میں ہے۔ آسمانوں میں فرشتے ہیں ﴿وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ اور وہ مخلوق جو زمین میں ہے اور زمین میں انسان ہیں، فرشتے ہیں، جنات ہیں ﴿وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ﴾ اور سورج اور چاند بھی سجدہ کرتے ہیں جس طرح ان کی شان کے لائق ہے ﴿وَ النُّجُوْمُ﴾ اور ستارے بھی سجدہ کرتے ہیں ﴿وَ الْجِبَالُ﴾ اور پہاڑ بھی سجدہ کرتے ہیں ﴿وَ الشَّجَرُ﴾ درخت بھی ﴿وَ الدَّوَآبُّ﴾ اور جانور چوپائے بھی سجدہ کرتے ہیں۔ ہر ایک کا سجدہ علیحدہ علیحدہ ہے اپنے اپنے انداز میں ﴿وَ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ﴾ اور بہت سارے انسان بھی سجدہ کرتے ہیں ﴿وَ كَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ﴾ اور بہت سے ایسے ہیں کہ ثابت ہے ان پر عذاب وہ سجدہ نہیں کرتے۔

سجدے کی کیفیت

سجدے کے متعلق بھی سمجھ لیں۔ سجدے میں پیشانی بھی زمین پر رکھنی ہے اور ناک بھی۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ((لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ یَمَسَّ اَنْفُهُ الْاَرْضَ)) "اس شخص کی نماز نہیں ہے جس کی ناک زمین کے ساتھ نہیں لگی۔" تو حالت صحت میں پیشانی اور ناک دونوں زمین کے ساتھ لگیں۔ ہاں! بیماری کا مسئلہ الگ ہے کہ اگر کسی نے آنکھ کا آپریشن کروایا ہے یا اور کوئی تکلیف ہے اور سر کے ساتھ سجدہ نہیں کر سکتا تو وہ اشارے کے ساتھ کرے گا البتہ نماز معاف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ﴾ پس نہیں ہے کوئی اس کو عزت دینے والا ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہے۔ یہ آیتِ سجدہ ہے لہٰذا اب تمام پر سجدہ لازم ہو گیا ہے اور یہ بات کئی دفعہ بیان ہو چکی ہے کہ سجدہ تلاوت کے لیے وہی شرائط ہیں جو نماز کے لیے ہیں۔ کپڑوں کا پاک ہونا، بدن کا پاک ہونا، جگہ کا پاک ہونا، نماز کا وقت ہونا۔ اگر سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے وقت اور زوال کے وقت سجدہ کرو گے تو ادا نہیں ہوگا۔ کیوں کہ ان تین اوقات میں نماز، سجدہ تلاوت، جنازہ کوئی شے جائز نہیں ہے۔ ہاں! قرآن کریم کی تلاوت کر سکتے ہو، ذکر کر سکتے ہو، فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے نفلی نماز نہیں پڑھ سکتے فرض نماز قضاء کر سکتے ہو۔ اگر اس وقت جنازہ ہو جائے تو جنازہ بھی پڑھ سکتے ہو۔

صبح صادق سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک نفلی نماز مکروہ ہے اور عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک نفلی

نماز مکروہ ہے قضا پڑھ سکتے ہو۔ سجدۂ تلاوت واجب ہے کر سکتے ہو نماز جنازہ فرض کفایہ ہے پڑھ سکتے ہو۔ تو یہ آیت سجدے والی ہے پڑھنے والے پر بھی اور سننے والوں پر بھی سجدہ لازم ہو گیا ہے۔ اگر کسی کا وضو نہیں ہے یا جس وقت پڑھی وہ سجدے کا وقت نہیں تھا تو اپنے پاس نوٹ کر لے جب نماز کا وقت آئے سجدہ کرے اور سجدہ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ زبان سے اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں چلا جائے تین، پانچ، سات مرتبہ تسبیح پڑھ کر اللہ اکبر کہہ کر اُٹھ جائے۔ اس میں التحیات ہے نہ دائیں بائیں سلام پھیرنا ہے۔

کافروں کا انجام

﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ﴾ یہ دو گروہ ہیں جو آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ ایک گروہ مومنوں کا ہے دوسرا باطل فرقوں کا ہے۔ یہودی، عیسائی، صابی، مجوسی اور مشرک ﴿اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ﴾ یہ جھگڑا کر رہے ہیں اپنے رب کے بارے میں ﴿فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ پس وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ﴾ کاٹے جائیں گے ان کے لیے کپڑے آگ سے۔ جیسے ہم کپڑے سلواتے ہیں تو درزی ماپ لے کر کپڑا کاٹتا ہے اور برابر کرتا ہے۔ تو کافروں کے بدن پر آگ کے لباس کو فٹ کیا جائے گا ﴿یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ﴾ بہایا جائے گا ان کے سروں پر گرم پانی۔ اتنا گرم ہو گا کہ ﴿یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ﴾ نکالا جائے گا اس کے ذریعے جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے۔ پاخانے کے راستے سب کچھ نکل جائے گا ﴿وَالْجُلُوْدُ﴾ اور ان کی جلدیں، چمڑے اُتار دیے جائیں گے۔ اس پانی کے ذریعے چمڑا نیچے گر جائے گا۔ اتنا پانی گرم ہو گا اللہ تعالیٰ بچائے آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آج اگر گرم پانی بدن پر پڑ جائے تو آدمی کے بدن کا حلیہ بگڑ جاتا ہے۔

﴿وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ﴾ اور ان کے لیے ہتھوڑے ہوں گے لوہے کے۔ فرشتوں کے پاس لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے ﴿كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا﴾ جب کبھی وہ مجرم ارادہ کریں گے کہ وہ نکلیں دوزخ سے ﴿مِنْ غَمٍّ﴾ جو غم اور پریشانی کی وجہ سے ہے۔ آگ کے شعلے بلند ہونے کی وجہ سے یہ اوپر آجائیں گے تھوڑی سی امید لگے گی کہ نکل جائیں کنارے والے فرشتے لوہے کے ہتھوڑے زور سے ماریں گے پھر نیچے چلے جائیں گے۔ اسی طرح آگ کے شعلوں کے ساتھ اوپر آتے رہیں گے اور فرشتے ہتھوڑے مار کر نیچے کرتے رہیں گے رب کے عذاب اور دوزخ سے باہر نہیں نکل سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اُعِیْدُوْا فِیْهَا﴾ لوٹا دیے جائیں گے اس کے اندر ہتھوڑے مار کر اور فرشتے کہیں گے ﴿وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ﴾ اور چکھو جلانے والے عذاب کا مزہ۔ دنیا میں تم نے بڑے مزے اڑائے اب عذاب کا مزہ چکھو۔ اللہ تعالیٰ تمام مومنین، مومنات اور مسلمین، مسلمات کو محفوظ فرمائے۔ [آمین!]

﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿یُدْخِلُ﴾ داخل کرے گا ﴿الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿جَنّٰتٍ﴾ باغات میں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جاری

ی گی ان کے نیچے نہریں ﴿یُحَلَّوْنَ فِیْهَا﴾ پہنائے جائیں گے ان جنتوں میں ﴿مِنْ اَسَاوِرَ﴾ کنگن ﴿مِنْ ذَهَبٍ﴾ سونے کے ﴿وَّلُؤْلُؤًا﴾ اور موتی ﴿وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ﴾ اور ان کا لباس جنتوں میں ریشمی ہوگا ﴿وَهُدُوْۤا اِلَى الطَّیِّبِ﴾ اور ان کو ہدایت دی گئی پاکیزہ ﴿مِنَ الْقَوْلِ﴾ بات سے ﴿وَهُدُوْۤا﴾ اور ہدایت دی گئی ﴿اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِیْدِ﴾ قابل تعریف ذات کے راستے کی طرف ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿وَیَصُدُّوْنَ﴾ اور روکتے ہیں ﴿عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے ﴿وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اور مسجد حرام سے ﴿الَّذِیْ﴾ وہ مسجد حرام ﴿جَعَلْنٰهُ﴾ جس کو ہم نے بنایا ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے ﴿سَوَآءَ ﰳالْعَاكِفُ فِیْهِ﴾ برابر ہے جو وہاں کا مقیم ہے ﴿وَالْبَادِ﴾ اور جو باہر سے آنے والا ہے ﴿وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ﴾ اور جو ارادہ کرے گا حرم میں ﴿بِاِلْحَادٍ﴾ کج روی کا ﴿بِظُلْمٍ﴾ زیادتی کرتے ہوئے ﴿نُّذِقْهُ﴾ ہم چکھائیں گے اس کو ﴿مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ دردناک عذاب ﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا﴾ اور جس وقت ہم نے ٹھکانا بتایا ﴿لِاِبْرٰهِیْمَ﴾ ابراہیم علیہ السلام کو ﴿مَكَانَ الْبَیْتِ﴾ بیت اللہ کی جگہ ﴿اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ﴾ یہ کہ نہ شریک ٹھہرانا میرے ساتھ ﴿شَیْــٴًـا﴾ کسی چیز کو ﴿وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ﴾ اور پاک رکھ میرے گھر کو ﴿لِلطَّآىٕفِیْنَ﴾ طواف کرنے والوں کے لیے ﴿وَالْقَآىٕمِیْنَ﴾ اور قیام کرنے والوں کے لیے ﴿وَالرُّكَّعِ﴾ اور رکوع کرنے والوں کے لیے ﴿السُّجُوْدِ﴾ سجدہ کرنے والوں کے لیے ﴿وَاَذِّنْ﴾ اور اعلان کریں ﴿فِی النَّاسِ﴾ لوگوں میں ﴿بِالْحَجِّ﴾ حج کا ﴿یَاْتُوْكَ رِجَالًا﴾ آئیں گے آپ کے پاس پیدل چل کر ﴿وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ﴾ اور ہر لاغر اُونٹ، اُونٹنی پر ﴿یَّاْتِیْنَ﴾ جو آئیں گے ﴿مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ﴾ ہر دور دراز کے راستے سے۔

مومنوں کا انعام

ان آیات سے پہلے تھا کہ کافروں کو کہا جائے گا کہ جلانے والی آگ کا مزہ چکھو۔ ان کے مدمقابل ان مومنوں کا ذکر ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں پہنچا دے گا۔ فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور خالی ایمان ہی نہیں ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل بھی اچھے کیے۔ نہ ایمان عمل کے بغیر مکمل ہے اور نہ عمل ایمان کے بغیر مکمل ہے۔ کہاں داخل کرے گا؟ ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ باغات میں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿یُحَلَّوْنَ فِیْهَا﴾ پہنائے جائیں گے ان کو ان باغات میں ﴿مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ﴾۔ اَسَاوِرَ، اَسْوِرَةٌ کی جمع ہے اور اَسْوِرَةٌ، سَوَارٌ کی جمع ہے۔ اور سَوَارٌ کا معنیٰ ہے کنگن۔ تو معنیٰ ہوگا سونے کے کنگن۔ اس زمانے میں رواج تھا کہ ملک کا

بادشاہ اور رئیس اپنے ہاتھوں میں کنگن پہنتا تھا جیسے تم گھڑی کا چین پہنے ہوئے ہو۔

حضرت سراقہ ابن مالک رضی اللہ عنہ جب انعام کے لالچ میں آپ کے پیچھے لگے ہجرت کے موقع پر کہ ان کو شہید کر کے دو سو اُونٹ لوں گا۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ گھوڑا دو دفعہ زمین میں دھنس گیا تو اس نے معافی مانگی کہ حضرت! مجھے معاف کر دیں۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كَيْفَ بِكَ إِذَا لَبِسْتَ سِوَارَيْ كِسْرَى "اے سراقہ! آج تو آپ دو سو اُونٹوں کے لالچ میں میرے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ وقت کیسا ہوگا کہ آپ کسریٰ کے کنگن پہنیں گے۔" کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایمان کی دولت سے نوازے گا ایران فتح ہوگا اور کسریٰ کے کنگن مالِ غنیمت میں آئیں گے اور تجھے پہنائے جائیں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پوری ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کے سامنے تھوڑی دیر کے لیے کسریٰ ایران کے کنگن حضرت سراقہ ابن مالک رضی اللہ عنہ کو پہنائے۔ یہاں سونے کا لفظ ہے اور دوسرے مقام پر چاندی کا لفظ ہے۔ تو سونے کے بھی ہوں گے اور چاندی کے بھی ہوں گے۔

﴿وَلُؤْلُؤًا﴾ اور موتیوں کے ﴿وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ﴾ اور ان کا لباس جنت میں ریشمی ہوگا۔ دنیا میں سونا اور ریشم مردوں کے لیے حرام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں سونے کا ٹکڑا لیا اور دوسرے ہاتھ میں ریشم کا ٹکڑا اور فرمایا: إِنَّ اللهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي وَ أَحَلَّهُمَا عَلَى أُنَاثِ أُمَّتِي "بے شک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو میری اُمت کے مردوں کے لیے حرام فرمایا ہے اور عورتوں کے لیے حلال فرمایا ہے۔" جنت میں دونوں چیزیں جائز ہوں گی۔

﴿وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ اور ہدایت دی گئی ان کو دنیا میں پاکیزہ بات کی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں طیب من القول سے مراد کلمہ طیبہ ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کلمہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی ﴿وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ﴾ قابل تعریف ذات کے راستے کی طرف ہدایت دی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات قابل تعریف ہے اور اس کا راستہ صراط مستقیم ہے۔ اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی۔ صراط مستقیم میں نمازیں بھی ہیں روزے، حج، زکوٰۃ، قربانی، فطرانہ وغیرہ سب شامل ہیں۔ یعنی ایمان کی بھی توفیق دی اور اچھے اعمال کی بھی توفیق دی۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ﴾ اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو کہ ایمان نہ لاؤ ﴿وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اور مسجد حرام میں آنے سے روکتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کلمہ پڑھنے کے بعد مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی کوشش کرتے تھے تو کافر ان پر حملہ کر دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد حرام میں نماز شروع کی کافروں نے آ کر ان کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا کہ اے صابی تمہارا مسجد کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس وقت اہل حق کو صابی کہتے تھے جیسے آج کل اہل حق کو وہابی کہتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے تو ابوجہل نے دھمکی دی کہ اگر پھر مسجد میں آئے تو میں تمھاری گردن دباؤں گا۔ سورہ اقرا میں ذکر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابوجہل قریب آتا تو فرشتے اس کی گردن مروڑ دیتے۔

تو فرمایا مسجد حرام میں آنے سے روکتے ہیں حالاں کہ ﴿الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ﴾ مسجد حرام وہ مقام ہے جس کو ہم نے بنایا ہے لوگوں کے لیے ﴿سَوَآءَ ِۨالْعَاكِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ﴾ برابر ہے جو وہاں مقیم ہے اور جو باہر سے آنے والا ہے۔ مسافر اور مقیم سب کے لیے برابر ہے۔ یہ مسجد اہل محلہ نے رب تعالیٰ کی توفیق سے بنائی ہے لیکن اس میں نماز پڑھنے کا سب کو حق ہے۔ محلے والے کسی مسافر کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم یہاں نماز نہیں پڑھ سکتے تم نے کوئی چندہ دیا ہے۔ ایسا کرنا گناہ ہے اور ہر مسجد کا یہی حکم ہے کہ اس میں جتنا حق مقامیوں کا ہے اتنا ہی حق مسافروں کا ہے۔ ہاں! اگر کوئی شرارت کے لیے آئے تو اس کا مسئلہ علیحدہ ہے وہ چاہے محلہ دار ہو یا باہر سے آنے والا ہو تو اس کا علاج کیا جائے گا اس کو روکا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍ﴾ اور جو شخص ارادہ کرے گا حرم میں کج روی کا اور شرارت کا ﴿بِظُلْمٍ﴾ زیادتی کرتے ہوئے ﴿نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ چکھائیں گے اس کو ہم دردناک عذاب۔

نیکی بدی کے بارے میں ضابطہ

نیکی بدی کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے اور روایت بخاری شریف کی ہے اگر کوئی شخص نیکی کا ارادہ کرے جس کو فقہائے کرام رحمہم اللہ عزم کہتے ہیں تو فرشتہ اس کے لیے ایک نیکی لکھ لیتا ہے۔ مثلاً: اگر کوئی شخص ارادہ کرے کہ میں نے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنی ہے جب کہ ظہر کے وقت میں ابھی دیر ہے تو اس کے اس ارادے سے ایک نیکی لکھی جائے گی۔ اگر عصر کا بھی ارادہ کرے تو دوسری نیکی لکھی جائے گی۔ غرض کہ جتنی نیکیوں کا ارادہ کرے گا اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی اور جب عملاً نیکی کرے گا تو ایک نیکی پر دس نیکیاں لکھی جائیں گی ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ [الانعام: ۱۶۰] "جس نے ایک نیکی کی اس کو دس گنا اجر ملے گا۔" یہ قاعدہ عام نیکیوں کے لیے ہے اور وہ نیکی جو فی سبیل اللہ کی مد میں کی جاتی ہے تو اس کا ادنیٰ ترین بدلہ سات سو نیکیوں کا ہے ﴿وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ "اور اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔" مزید حساب رب تعالیٰ کے پاس ہے ہمارے پاس نہیں ہے۔

اور یہ بات میں کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ فی سبیل اللہ کی کئی قسمیں ہیں۔ قرآن وحدیث کا درس سننے کے ارادے سے جو گھر سے چلتا ہے تو یہ بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ اور ایک قدم پر ادنیٰ ترین نیکی سات سو ہے۔ علم دین حاصل کرنا فی سبیل اللہ کی مد میں ہے اور دین کی ترویج اور تبلیغ کے لیے نکلنا بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے اور جہاد مع الکفار کے لیے نکلنا بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ حج کا سفر بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ ایک آدمی کا عقیدہ صحیح ہے نماز، روزے کا پابند ہے جائز کمائی کے لیے گھر سے نکلتا ہے کہ کما کر خود کھاؤں گا، بیوی بچوں کو کھلاؤں گا، عزیز رشتہ داروں کو کھلاؤں گا تو اس کا ہر ہر قدم فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ اور برائی کا ارادہ کرنے پر برائی نہیں لکھی جاتی جب تک کرے گا نہیں۔ مثلاً: ایک شخص ارادہ کرتا ہے کہ میں فلاں آدمی کو ماروں گا تو جب تک مارے پیٹے گا نہیں اس وقت تک برائی نہیں لکھی جائے گی۔ پھر ایک گناہ پر ایک گناہ ہی لکھا جائے گا دس

نہیں لکھے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تم یہاں سے سمجھ سکتے ہو کہ نیکیاں کمانی کتنی آسان ہیں۔ بیٹھے بیٹھے ایک دفعہ سبحان اللہ، الحمد للہ کہا، اللہ اکبر، کہا تو دس نیکیاں مل گئیں اور ایک صغیرہ گناہ بھی مٹ گیا اور ایک درجہ بھی بلند ہو جائے گا اور ایک درخت بھی جنت میں لگ جائے گا۔ یہ قانون عام جگہوں کے متعلق ہے اور جو شخص مسجد حرام میں کج روی یا شرارت کا ارادہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے۔

مسجد حرام کے بانی اور جگہ کی تعیین

آگے مسجد حرام کے بانی اور اس کی جگہ کی تعیین کا ذکر ہے۔ ﴿وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ﴾ اور جس وقت ہم نے ٹھکانا بتایا ابراہیم علیہ السلام کو ﴿مَكَانَ الْبَیْتِ﴾ بیت اللہ کی جگہ کا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کی وجہ سے بیت اللہ شہید ہو گیا تھا اور نام ونشان بھی مٹ گیا تھا۔ ابھرا ہوا ٹیلا سا تھا اور بھی اردگرد ٹیلے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کو حکم دیا بیت اللہ کو تعمیر کرنے کا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معمار کا کام کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مزدور کا اور مقام ابراہیم والے پتھر نے "گوہ" کا کام دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو ابراہیم علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا اُوپر نیچے دائیں بائیں جدھر کا ارادہ فرماتے یہ پتھر ادھر ہی چل پڑتا تھا نیچے تختے اور بانس لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ فرمایا میں کعبۃ اللہ کی نشان دہی کے لیے آیا ہوں۔ پھر چاروں دیواروں کی بنیادوں کی نشان دہی فرمادی۔ چوالیس مربع فٹ اور اونچائی پچاس فٹ ہے۔ اور فرمایا کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کا گھر بنانا ہے۔ اس زمانے میں کعبۃ اللہ سے بلند کوئی عمارت نہیں تھی اور اب اتنی بلند بلڈنگیں ہیں کہ کعبۃ اللہ دور سے نظر نہیں آتا۔ اور حجر حطیم جس کو کہتے ہیں یہ بھی کعبۃ اللہ کا حصہ ہے۔ مشرکین کے پاس خالص حلال کی رقم اتنی نہیں تھی کہ اس پر چھت ڈال سکتے۔ جگہ بتانے کے بعد پہلی بات یہ فرمائی ﴿اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا﴾ یہ کہ نہ شریک ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو۔ او ظالمو! تم اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے ہو اور بیت اللہ کی بیرونی دیواروں پر تین سو ساٹھ بت بھی نصب کیے ہوئے ہیں حالانکہ بیت اللہ کی بنیاد اس پر تھی کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ لہٰذا تمھارا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ ﴿وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ﴾ اور پاک رکھ میرے گھر کو کفر شرک سے اور ظاہری طور پر بھی۔

پاگلوں اور چھوٹے بچوں کو مسجد میں نہ آنے دو

حدیث پاک میں آتا ہے: جَنِّبُوْا مَجَانِیْنَ وَالصِّبْیَانَ "اپنی مسجدوں میں پاگلوں اور چھوٹے ناسمجھ بچوں کو نہ آنے دو۔" پیشاب پاخانہ کر دیں مسجد کی بے حرمتی ہوگی۔ پاگل کو ہوش ہی نہیں ہے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا اور مسجد کی صفائی دین کا حصہ ہے۔ فرمایا میرے گھر کو پاک رکھ ﴿لِلطَّآىٕفِیْنَ﴾ طواف کرنے والوں کے لیے ﴿وَالْقَآىٕمِیْنَ﴾ اور قیام کرنے والوں کے لیے۔ اس میں نماز کے اندر قیام کرنے والے بھی آ گئے باہر سے آ کر ٹھہرنے والے بھی اور جو اعتکاف کے لیے ٹھہرنے والے

ہیں سب اس میں آ گئے۔ کیوں کہ بیت اللہ اور حرم پاک دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے ہے ﴿وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ اور رکوع سجود کرنے والوں کے لیے۔ نماز پڑھنے والوں کے لیے بھی حرم کی طہارت ضروری ہے۔

دوسرا حکم ﴿وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾ اور اے ابراہیم علیہ السلام! اعلان کریں لوگوں میں حج کا کہ اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر ہو چکا ہے آؤ حج کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! یہاں آبادی تو ہے کوئی نہیں یہاں بے آباد جنگل میں میرے اور اسماعیل علیہ السلام کے سوا اور تو کوئی ہے نہیں اعلان کو سن کر کون آئے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کا کام ہے اعلان کرنا۔ اے لوگو! فَقَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ "تحقیق فرض کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر حج کو۔" اس اعلان کو لوگوں تک پہنچانا میرا کام ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آواز روئے زمین کے تمام انسانوں تک یہاں تک کہ ماؤں کے رحموں میں جو موجود تھے اور پھر آدم علیہ السلام کی پشت سے ساری نسل انسانی تک پہنچائی اور جس جس نے اس آواز پر لبیک کہی وہ ضرور پہنچے گا حج کے لیے ﴿يَاْتُوْكَ رِجَالًا﴾ آئیں گے آپ کے پاس پیدل چل کر ﴿وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ﴾ اور ہر لاغر اُونٹ، اُونٹنی پر ﴿يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ﴾ جو آئیں گے ہر دور دراز کے راستے سے تاکہ اس فرض کو ادا کریں۔

﴿لِّيَشْهَدُوْا﴾ تاکہ وہ حاضر ہوں ﴿مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ فائدوں کی جگہ پر ﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ﴾ اور ذکر کریں اللہ تعالیٰ کے نام کا ﴿فِیْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ﴾ معلوم دنوں میں ﴿عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ﴾ اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو روزی دی ہے ﴿مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ چوپائیوں اور مویشیوں میں سے ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا﴾ پس کھاؤ ان جانوروں میں سے ﴿وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ﴾ اور کھلاؤ پریشان حال فقیر کو ﴿ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ﴾ پھر چاہیے کہ دور کریں اپنا میل کچیل ﴿وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ﴾ اور چاہیے کہ پوری کریں اپنی نذریں ﴿وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ اور چاہیے کہ طواف کریں بیت عتیق کا ﴿ذٰلِكَ﴾ یہی کچھ ہونا چاہیے ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ﴾ اور جس نے تعظیم کی اللہ تعالیٰ کی عزت والی جگہوں کی ﴿فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ﴾ پس وہ اس کے لیے بہتر ہے ﴿عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ اس کے رب کے ہاں ﴿وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ﴾ اور حلال کیے گئے تمھارے لیے مویشی ﴿اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ مگر وہ جو تمھیں پڑھ کر سنائے جائیں گے ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ﴾ پس بچو تم گندگی سے ﴿مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ جو بت ہیں ﴿وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ اور بچو تم جھوٹی بات سے ﴿حُنَفَآءَ لِلّٰهِ﴾ یکسو ہونے والے ہو اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ﴾ نہ شرک کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ اور جس شخص نے شرک کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿فَكَاَنَّمَا خَرَّ﴾ پس گویا کہ وہ گرا ﴿مِنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان سے ﴿فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ﴾ پس اُچک لیا اس کو

پرندوں نے ﴿ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ ﴾ یا پھینک دیا اس کو ہوا نے ﴿ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ ﴾ کسی گہری جگہ میں ﴿ ذٰلِكَ ﴾ ایسے ہی ہے ﴿ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ ﴾ اور بے شک جس نے تعظیم کی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی ﴿ فَاِنَّهَا ﴾ پس بے شک ہے یہ تعظیم ﴿ مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴾ دل کے تقویٰ کی وجہ سے ﴿ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ ﴾ تمھارے لیے ان جانوروں میں نفع ہے ﴿ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ ایک مقررہ مدت تک ﴿ ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ ﴾ پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ ﴿ اِلَى الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴾ پرانا گھر ہے۔

کل کے درس میں تم نے یہ بات سنی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں حج کا اعلان کریں وہ آپ کے پاس آئیں گے پیدل چل کر بھی اور ہر پتلے دبلے اُونٹ اونٹنی پر دور دراز کے راستوں سے۔ کیوں آئیں گے؟ اس کا ذکر ہے۔ ﴿ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ ﴾ تاکہ وہ حاضر ہوں فائدوں کی جگہ پر۔

حج کے فوائد ومقاصد

حج میں بہت سے منافع ہیں دینی بھی دنیوی بھی۔ ایک تو دینی نفع ظاہر ہے کہ صحیح معنٰی میں سنت کے مطابق حج ہو تو حاجی کو اللہ تعالیٰ بلند مقام عطا فرماتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ مختلف ممالک اور مختلف علاقوں سے لوگ آئے ہوئے ہوتے ہیں شکلیں مختلف، رنگ مختلف، زبانیں مختلف، اللہ تعالیٰ کی شان اور قدرت سمجھ آتی ہے۔ پھر اکٹھا ہونے میں یہ بھی نفع ہے کہ ایک دوسرے سے اسلام کے متعلق حالات معلوم کریں ترجمان کے ذریعے کہ تمھارے ملک میں اسلام کا کیا حال ہے؟ کافروں کی کیا پوزیشن ہے وہ تمھارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟ حج کے مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ مسلمان آپس میں سر جوڑ کر بیٹھیں اور سوچیں اور سمجھیں کہ ہم نے اپنے اپنے ملک اور علاقے میں اسلام کے لیے کیا کرنا ہے؟ مگر آج یہ نکتہ مسلمان بالکل بھول گئے ہیں۔ بس گئے اور بھاگے۔ عوام تو عوام حکمران بھی اس نکتے کو بھول گئے ہیں ایک آدھ کے علاوہ سب بے دین ہیں۔ تو ان بے دینوں نے دین کے متعلق کیا سوچنا ہے؟ ان بے غیرتوں کو اپنی عیاشیوں اور تن آسانی سے کام ہے اور بس! ان کو کوئی فکر ہے کہ اس وقت بوسنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ کشمیر میں کیا ہو رہا ہے؟ فلسطین میں کیا ہو رہا ہے اور دیگر ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ کیا کچھ ہو رہا ہے؟ غیرت مند مسلمان تو خاموش نہیں رہ سکتا بے غیرتوں کا کیا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے فرمایا مسلمانوں کی مثال کَجَسَدٍ وَّاحِدٍ ایک وجود کی طرح ہے ایک عضو میں تکلیف ہو تو سارے اعضاء بے چین ہوتے ہیں انگلی کو درد ہو آنکھ کو درد ہو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آنکھ میں درد ہو تو باقی اعضاء کہیں خیر صلا ہے ہمیں تو کوئی تکلیف نہیں ہے۔ مگر آج کا مسلمان یہ نکتہ بھول چکا ہے۔ اور حج کے منافع میں سے ضمنی طور پر کوئی چیز خریدنا بیچنا بھی ہے۔ مستقل طور پر مقصد تجارت ہو تو پھر حج تو نہ ہوا ہاں یہ ہے کہ حاجی ضمنی طور پر کوئی چیز خرید بھی سکتا ہے بیچ بھی سکتا ہے۔ دوسرے پارے میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حج کے موقع پر چیزیں خریدنی اور بیچنی پسند نہ کی کہ حج

میں فرق نہ آجائے تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ [بقرہ:۱۹۸] "تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس بات میں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔" کوئی چیز بیچ کر فائدہ حاصل کرلو کوئی چیز خرید کر فائدہ حاصل کرلو۔ تو مومنوں کے لیے دینی دنیوی دونوں قسم کے منافع ہیں ﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ﴾ اور ذکر کریں اللہ تعالیٰ کے نام کا ﴿فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ﴾ معلوم دنوں میں۔

قربانی تین دن ہے؟

ان معلوم دنوں کے متعلق حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ قربانی کے تین دن ہیں۔ صحیح روایات بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چوتھے دن بھی قربانی درست ہے لیکن جو روایات پیش کرتے ہیں وہ تین سندوں کے ساتھ ہیں اور تینوں سندیں ضعیف اور کمزور ہیں اور دین کے معاملے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو عید والے دن اور دو دن بعد میں یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرو۔ اور مسئلہ یاد رکھنا! کہ جس طرح یہ مسئلہ ہے کہ نمازی نماز میں الفاظ اتنی آواز سے بولے کہ اس کے کان سنیں ورنہ نماز نہیں ہوگی بشرطیکہ بہرہ نہ ہو۔ اسی طرح جانور ذبح کرتے وقت بھی بسم اللہ اللہ اکبر اتنی آواز سے کہے کہ اس کے اپنے کان سنیں ورنہ جانور حلال نہیں ہوگا۔ "البحر الرائق" وغیرہ کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں ﴿عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو روزی دی ہے ﴿مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾۔ بَهِيْمَه کی جمع بہائم آتی ہے۔ بَهِيْمَه چار ٹانگوں والے جانور کو کہتے ہیں۔ پھر اضافت فرمائی انعام کی طرف کہ وہ چار ٹانگوں والے جو انعام کی مد سے ہوں ورنہ چار ٹانگیں تو کتے کی بھی ہوتی ہیں۔

کن کن جانوروں کی قربانی ہوسکتی ہے؟

اور اَنعام کی مد میں کون کون سے جانور آتے ہیں؟ ان کا ذکر سورۃ الانعام میں ہے۔ بکرا، بکری، بھیڑ، نر مادہ، گائے، بیل، اُونٹ، اُونٹنی، ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ بھینس عرب کے علاقے میں نہیں ہوتی تھی کیوں کہ یہ ٹھنڈے علاقے کا جانور ہے عرب کی سرزمین میں نہ پانی وافر مقدار میں تھا اور نہ گھاس ہوتا تھا اس لیے وہ لوگ بھینس نہیں رکھتے تھے۔ فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا متفقہ فیصلہ ہے کہ: اَلْجَامُوْسُ نَوْعٌ مِّنَ الْبَقَرِ "بھینس بھی بقر کی جنس سے ہے۔" اس کا دودھ، گوشت اور گھی حلال ہے اور اس کی قربانی بھی درست ہے۔ غیر مقلدین کے بڑے بزرگ ہیں قاضی شوکانی مرحوم۔ ان سے سوال کیا گیا کہ عقیقہ میں گائے بھینس ذبح کیے جاسکتے ہیں اور ان کی قربانی ہوسکتی ہے؟ تو انھوں نے اپنی کتاب "نیل الاوطار" میں تصریح فرمائی ہے کہ گائے، بھینس، بیل کی قربانی ہوسکتی ہے عقیقہ کا حصہ بھی ان میں رکھا جاسکتا ہے۔

بڑے جانور کے سات حصے ہوتے ہیں۔ مثلاً: اگر ایک گھر میں دو بچے پیدا ہوئے ہوں اور تین بچیاں پیدا ہوئی ہوں تو بڑا جانور سب کی طرف سے عقیقہ میں ذبح کر دیا جائے تو جائز ہے۔ لیکن قربانی ایسے جانور کی افضل ہے جس کا گوشت لذیذ ہو۔

ایک ہے افضل ہونا اور ایک ہے جائز ہونا۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ قربانی اُونٹ کی بھی جائز ہے، گائے، بیل، بھینس، بکرا، چھترا وغیرہ انعام میں جو بھی آتے ہیں سب کی جائز ہے۔ لیکن ان میں سے جس کا گوشت زیادہ لذیذ ہوگا وہ زیادہ افضل ہوگا۔ اور پھر حدیث پاک میں یہ بھی آتا ہے کہ جتنے بال ہوں گے اتنی نیکیاں ملیں گی۔ چھوٹا جانور ایک کی طرف سے اور بڑا جانور سات آدمیوں کی طرف سے ہوگا۔ بھیڑ، دنبے پر بال زیادہ ہوتے ہیں لہٰذا ان کی قربانی افضل ہوگی۔

﴿فَكُلُوْا مِنْهَا﴾ پس کھاؤ ان جانوروں میں سے قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں ﴿وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ﴾ اور کھلاؤ پریشان حال فقیر کو۔ بعض ایسے فقیر بھی ہوتے ہیں جن کو سارا سال گوشت کوئی زیادہ نصیب ہی نہیں ہوتا ان کو بھی کھلاؤ۔ قربانی کرنے کے بعد تم احرام سے نکل آؤ ﴿ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ﴾ پھر چاہیے کہ دور کریں اپنا میل کچیل۔ احرام کی حالت میں چوں کہ بدن کو رگڑ کر نہانا جائز نہیں ہے کہ بدن سے کوئی بال نہ اکھڑ جائے کیوں کہ بال جھڑنے سے اگرچہ احرام تو فاسد نہیں ہوتا مگر مکروہ ہے۔ اب چوں کہ احرام سے نکل آئے ہو خوب رگڑ کر بدن کو صاف کرو ﴿وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ﴾ اور چاہیے کہ پوری کریں اپنی نذریں۔ حج سے پہلے بہت سے لوگ نذریں مانتے ہیں کہ اگر میں وہاں پہنچ گیا تو اتنے طواف کروں گا، اتنے عمرے کروں گا، اتنی قربانی دوں گا، اتنا صدقہ کروں گا، اتنے نفل پڑھوں گا۔ تو جو نذریں مانی ہیں وہ پوری کریں۔

عتیق کے معانی

﴿وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ﴾ اور چاہیے کہ طواف کریں بیت عتیق کا۔ عتیق کے دو معنیٰ مشہور ہیں۔ ایک پرانا، چوتھے پارے میں مذکور ہے ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا﴾ [آل عمران:۹۶] "بے شک پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا مکہ مکرمہ میں برکت والا ہے۔" تو اس لحاظ سے کعبۃ اللہ تمام عمارتوں سے پرانا ہے۔

اور عتیق کا دوسرا معنیٰ ہے آزاد کیا ہوا غلام۔ اس معنیٰ میں کعبۃ اللہ کو عتیق کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ کعبۃ اللہ دشمنوں کے شر سے آزاد کیا ہوا ہے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ صنعاء کا گورنر ابرہہ بن صباح ہاتھیوں کا لشکر لے کر کعبۃ اللہ کو گرانے کے لیے جب وادی مُحَسِّر میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ابابیل پرندوں کا لشکر بھیجا انھوں نے بمباری کی، مسور کے دانے کے برابر کنکر پھینکتے تھے ہاتھی بھی مرجاتا تھا اور اس پر سوار آدمی بھی مرجاتا تھا۔ چوں کہ اس نے بے حرمتی کا ارادہ کیا تھا اس لیے اس کو اللہ تعالیٰ نے تباہ کر دیا۔

آج سے چند سال پہلے کچھ باغیوں نے حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے کعبۃ اللہ پر قبضہ کیا تھا مگر وہ بے حرمتی کے لیے نہیں تھا۔ سترہ (۱۷) دن مسجد حرام پر باغیوں کا قبضہ رہا تھا۔ اتنے دن نہ اذان ہوئی اور نہ نماز پڑھی جا سکی۔ اس واقعہ کے بعد مجھے وہاں جانے کا موقع ملا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تھی لوگوں نے متضاد سی باتیں بتائیں۔ ایک بات یہ بتائی گئی کہ شاہی خاندان میں سے گورنر یا کوئی اور تھا جس نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے ان لوگوں کو استعمال کیا تھا واللہ اعلم۔ کسی حد تک یہ

روایت صحیح ہے اور یہ بات بھی میں نے سنی کہ کچھ نیک لوگوں کی فکر تھی کہ سعودیہ کا علاقہ اسلام کا منبع اور مرکز ہے یہاں سینما خانے بنے ہوئے ہیں، گانے، گانے، ناچنے کے دھندے ہو رہے ہیں تو ان جذباتی نوجوانوں نے اس کو روکنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا۔ ان کا مقصد مور چا بنا کر اپنا مقصد حاصل کرنا تھا بے حرمتی مقصد نہیں تھا لیکن ان کا یہ طریقہ غلط تھا۔ اگر حکومت ہی حاصل کرنا مقصد تھا تو اس کے اور طریقے بھی تھے احتجاج کے لیے کوئی اور طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا تھا۔

﴿ذٰلِكَ﴾ فرمایا جو ہم نے بیان کیا ہے ایسے ہی ہے ﴿وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ﴾ اور جو شخص تعظیم کرے گا عزت والی جگہوں کی جن کی حرمت اور عزت اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے ﴿فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ﴾ پس وہ اس کے لیے بہت بہتر ہے ﴿عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ اس کے رب کے ہاں ﴿وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ﴾ اور حلال کیے گئے تمھارے لیے مویشی ﴿اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ مگر وہ جو تمھیں پڑھ کر سنائے جائیں گے۔

حرام جانور

چھٹا پارہ نکالو تاکہ تمھیں بات سمجھ آجائے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ "حرام کیا گیا تم پر مردار۔ یعنی ایسا جانور جو ذبح نہ کیا جا سکے ﴿وَالدَّمُ﴾ اور ذبح کرتے وقت جو خون نکلتا ہے وہ بھی حرام ہے ﴿وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ﴾ اور خنزیر کا گوشت بھی ﴿وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ اور وہ جانور جو نامزد کیا گیا ہو غیر اللہ کے تقرب کے لیے۔" جیسے جاہل لوگ کرتے ہیں کہ یہ بکرا فلاں کا ہے، یہ بھینسا فلاں کا ہے، یہ گائے فلاں کی ہے، یہ حلوا فلاں کا ہے۔ غیر اللہ کے تقرب کے لیے ایسا کرتے ہیں یاد رکھنا! ان پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنے کے باوجود حلال نہیں ہیں ﴿وَالْمُنْخَنِقَةُ﴾ "اور جو گلا گھٹنے سے مر گیا۔ زنجیر یا رسی کے ساتھ یہ بھی حرام ہے ﴿وَالْمَوْقُوْذَةُ﴾ اور جو چوٹ لگنے سے ہلاک ہو گیا۔ یہ بھی حلال نہیں ہے ﴿وَالْمُتَرَدِّيَةُ﴾ اور جو اونچی جگہ سے گر کر ہلاک ہو گیا وہ بھی حلال نہیں ہے ﴿وَالنَّطِيْحَةُ﴾ اور جس کو دوسرے جانور نے سینگ مار کر ہلاک کر دیا وہ حلال نہیں ہے ﴿وَ مَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ﴾ اور جس کو درندوں نے کھا لیا ہو۔ ان کا بچا ہوا بھی حلال نہیں ہے ﴿اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ مگر وہ جس کو تم نے ذبح کر لیا ہو ﴿وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ اور وہ جو ذبح کیا گیا ہو بتوں کے نام پر۔" یہ سب جانور حرام ہیں۔

فرمایا ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ﴾ پس بچو تم گندگی سے۔ وہ کون سی گندگی ہے؟ فرمایا ﴿مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ وہ بت ہیں۔ ظاہری طور پر تو گندگی نظر نہیں آتی مگر حقیقتاً انتہائی نجس ہیں ان سے بچو ﴿وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ اور بچو تم جھوٹی بات سے۔ زُوْر کا معنیٰ جھوٹ ہے۔ جھوٹی بات نہ کرو ﴿حُنَفَآءَ لِلّٰهِ﴾ یکسو ہونے والے ہو اللہ تعالیٰ کے لیے۔ ایسا نہیں کہ ایک ٹانگ اسلام کی طرف اور دوسری ٹانگ کفر کی طرف۔

ع آدھا تیتر آدھا بٹیر

جیسے آج کل ہمارا حکمران طبقہ ہے کہ نام اسلام کا لیتے ہیں اور کرتے سارا کفر ہیں۔

مشرک کا انجام ؟

﴿غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ﴾ نہ شرک کرنے والے ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ نہ رب تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہراؤ اور نہ صفات میں ﴿وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ﴾ اور جس نے شرک کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا۔ اس کی مثال یوں سمجھو ﴿فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ﴾ پس گویا کہ وہ گرا آسمان سے ﴿فَتَخْطَفُہُ الطَّیْرُ﴾ پس اُچک لیا اس کو پرندوں نے ﴿اَوْ تَھْوِیْ بِہِ الرِّیْحُ﴾ یا پھینک دیا اس کو ہوا نے ﴿فِیْ مَکَانٍ سَحِیْقٍ﴾ کسی گہری جگہ میں کہ نکل نہ سکے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے مشرک کی مثال بیان فرمائی ہے اب تم اس مثال کو سمجھو۔ وہ اس طرح کہ رب تعالیٰ نے توحید کو آسمان کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو جب شرک کیا تو توحید کی بلندی سے گرا اور دو نمبر پیروں اور مولویوں نے پکڑ لیا یا اپنی نفسانی خواہشات نے ایسی جگہ میں گرایا کہ وہاں سے نکل نہیں سکتا۔ جیسے پیٹ کا دھندا ہے، تیجا، ساتا، دسواں وغیرہ یہ سب چیزیں خواہشات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے ساری زندگی محفوظ فرمائے۔

﴿ذٰلِكَ﴾ ایسے ہی ہے جیسے ہم نے بیان کیا ہے ﴿وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ﴾ جس نے تعظیم کی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی۔ شَعَآئِر جمع ہے شَعِیْرَۃٌ کی اور شَعِیْرَہ کا معنیٰ ہے نشانی، علامت۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کے اندر فرماتے ہیں شعائر اللہ تو بہت ساری چیزیں ہیں مگر چار کا ان میں سے بہت بلند مقام ہے۔ نبی، کعبہ، قرآن، نماز۔ یہ چار شعائر اللہ میں بڑھ کر ہیں۔ باقی صفا مروہ بھی شعائر اللہ میں سے ہے اور جن جانوروں کے گلے میں پٹے ڈالے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کی نیاز کے لیے جا رہے ہوتے ہیں وہ بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔ اگلے رکوع میں آ رہا ہے کہ یہ شعائر اللہ ہیں ان کی بے حرمتی نہ کرو۔ مساجد کا خیال رکھو، قرآن کریم کا ادب کرو، پیغمبر کی تعظیم کرو۔

تو جس نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کی ﴿فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ﴾ پس ہے یہ تعظیم دل کے تقویٰ کی وجہ سے ﴿لَکُمْ فِیْھَا مَنَافِعُ﴾ تمھارے لیے ان جانوروں میں منافع ہیں جن جانوروں کا پہلے ذکر ہوا ہے ﴿اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ ایک مقررہ مدت تک۔ اُونٹ پر سوار ہو سکتے ہو اونٹنی کا دودھ پی سکتے ہو اسی طرح دوسرے جانور ہیں۔ اسی طرح گائے، بکری کا دودھ پی سکتے ہو۔ ان کے گلے میں ہار ہوں گے ﴿ثُمَّ مَحِلُّھَآ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ﴾ پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ پرانا گھر ہے۔ حرم کے علاقے میں قربانی کرنا ہے۔

﴿وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ﴾ اور ہر اُمت کے لیے ﴿جَعَلْنَا﴾ بنائی ہم نے ﴿مَنْسَکًا﴾ قربانی ﴿لِّیَذْکُرُوا﴾ تاکہ وہ ذکر کریں ﴿اسْمَ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کا نام ﴿عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ﴾ اس پر جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے ﴿مِّنْ بَھِیْمَۃِ﴾ چوپائے

میں سے ﴿الْاَنْعَامِ﴾ جو مویشی ہیں ﴿فَاِلٰهُكُمْ﴾ پس تمھارا معبود ﴿اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ ایک ہی معبود ہے ﴿فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا﴾ پس اس کے سامنے جھکو ﴿وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ﴾ اور خوش خبری سنا دے عاجزی کرنے والوں کو ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ﴾ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ﴿وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ڈر جاتے ہیں دل ان کے ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ﴾ اور صبر کرنے والے ﴿عَلٰى مَاۤ﴾ اُن تکلیفوں پر ﴿اَصَابَهُمْ﴾ جو ان کو پہنچتی ہیں ﴿وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ﴾ اور قائم کرنے والے ہیں نماز کو ﴿وَمِمَّا﴾ اور اس چیز میں سے ﴿رَزَقْنٰهُمْ﴾ جو ہم نے ان کو دی ہے ﴿يُنْفِقُوْنَ﴾ خرچ کرتے ہیں ﴿وَالْبُدْنَ﴾ اور قربانی کا بڑا جانور ﴿جَعَلْنٰهَا لَكُمْ﴾ بنایا ہے ہم نے تمھارے لیے ﴿مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ﴿لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ﴾ تمھارے لیے اس میں خیر ہے ﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا﴾ پس یاد کرو اللہ تعالیٰ کا نام ان پر ﴿صَوَآفَّ﴾ جب وہ تین ٹانگوں پر کھڑے ہوں ﴿فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا﴾ پس جب وہ گر جائیں پہلو کے بل ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا﴾ پس کھاؤ ان میں سے ﴿وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ﴾ اور کھلاؤ قناعت کرنے والے کو ﴿وَالْمُعْتَرَّ﴾ اور بے قرار کو ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿سَخَّرْنٰهَا﴾ ہم نے تابع کیا ان کو ﴿لَكُمْ﴾ تمھارے لیے ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ تم شکر ادا کرو (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا) ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا﴾ ہرگز نہیں پہنچتے اللہ تعالیٰ کو ان کے گوشت ﴿وَلَا دِمَآؤُهَا﴾ اور نہ ان کے خون ﴿وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ اور لیکن اس کو پہنچتا ہے تمھاری طرف سے تقویٰ ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿سَخَّرَهَا لَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے تابع بنایا ان جانوروں کو تمھارے لیے ﴿لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ﴾ تاکہ تم بڑائی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ اس نعمت پر جو اس نے تمھیں ہدایت بخشی ہے ﴿وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور خوش خبری سنائیں نیکی کرنے والوں کو ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يُدٰفِعُ﴾ دفاع کرے گا ﴿عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يُحِبُّ﴾ محبت (پسند) نہیں کرتا ﴿كُلَّ خَوَّانٍ﴾ کسی خیانت کرنے والے کو ﴿كَفُوْرٍ﴾ ناشکری کرنے والے کو۔

قربانی ہر اُمت پر تھی؟

اوپر ذکر تھا قربانی کا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں جانور دیئے ہیں قربانی کے دنوں میں ان کی قربانی کرنی ہے۔ آگے ارشاد ہے ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ اور ہر اُمت کے لیے ہم نے قربانی مقرر کی ہے۔ قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے چلی آ رہی ہے۔ سورہ مائدہ آیت نمبر ۲۷ میں پڑھ چکے ہو ﴿اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا﴾ "جب آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں نے قربانی دی۔" ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ تو جب سے آدمیت چلی ہے تب سے قربانی بھی چلی آ رہی ہے لیکن ان کی اور

ہماری قربانی میں بڑا فرق ہے انہیں قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت نہیں تھی وہ قربانی کا جانور کھلے میدان میں رکھ دیتے تھے آگ آتی جلا دیتی تھی۔ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۸۲ میں ہے ﴿بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ﴾ "ایسی قربانی لائے جس کو آگ کھا جائے۔"
انہیں مالِ غنیمت کھانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ ہمیں رب تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے وسیلے سے قربانی کا گوشت کھانے کی بھی اجازت دی ہے اور مالِ غنیمت بھی ہمارے لیے حلال فرمایا ہے۔ قربانی کی کھال بھی استعمال کرنے کی اجازت ہے ہاں! اگر بیچ دی تو پھر رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ تو فرمایا ہم نے ہر اُمت کے لیے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے ﴿لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کریں اس چیز پر جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے جو چوپائے مویشیوں کی صورت میں ہیں۔ چنانچہ قربانی انھی مویشیوں کی ہوتی ہے جن کا ذکر سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۳ میں کیا ہے۔ بھیڑوں میں سے نر مادہ، بکریوں میں سے نر مادہ، اُونٹوں میں سے نر مادہ، گائے (بھینسوں) میں سے نر مادہ۔ یہ ایسے جانور ہیں جو انسان سے زیادہ قریب اور مانوس ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں انسانوں کی خدمت کا جذبہ رکھا ہے۔

جس جانور کے حلق پر چھری رکھ کر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے وہ جانور حلال ہوتا ہے۔ اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو جانور حلال نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص جانوروں کو قطار میں کھڑا کر کے گولی مار دے یا اُوپر سے مشین چلا کر گردن کاٹ دے یا تلوار کا وار کر کے گردن جدا کر دے تو یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ بعض لوگ چھری پر بسم اللہ لکھ کر ذبح کرتے ہیں اور زبان سے بسم اللہ اللہ اکبر ادا نہیں کرتے یہ طریقہ بھی غلط ہے۔ ہر جانور کے حلق پر بسم اللہ پڑھ کر چھری چلانا ضروری ہے۔ ہاں! اگر کوئی مجبوری ہو جائے تو پھر دوسرے طریقے بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً: جانور ایسی جگہ پھنس گیا کہ جہاں حلق پر چھری نہیں چلائی جا سکتی یا ڈر گیا ہے اور قابو میں نہیں آتا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اگر اس کی ران پر بھی زخم لگا دو گے تو وہ جانور حلال ہو جائے گا۔ قربانی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہے اگر کوئی جانور غیر اللہ کی خوشنودی کے لیے ذبح کیا جائے گا تو وہ حرام ہو جاتا ہے بے شک اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے۔ اس لیے جہاں اللہ تعالیٰ نے مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کا ذکر فرمایا ہے وہاں ﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ [بقرۃ: ۱۷۳] کہہ کر غیر اللہ کے تقرب کے لیے کی جانے والی قربانی کو بھی قطعی حرام قرار دیا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ پس تمھارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے ﴿فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا﴾ پس اسی کے سامنے جھکو اور اسی کی فرماں برداری کرو اور اسی ایک کا حکم مانو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ ﴿وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ﴾ اور خوشخبری سنا دے عاجزی کرنے والوں کو۔

عاجزی کرنے والوں کی صفات

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عاجزی کرنے والوں کی چند صفات بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿اِذَا

﴿ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو ڈر جاتے ہیں دل ان کے۔ اللہ تعالیٰ بڑی بلند ذات ہے اس کے ذکر سے دل میں خشیت پیدا ہوتی ہے، دل پر اللہ تعالیٰ کے جلال کا اثر ہوتا ہے اور وہ ڈر جاتے ہیں۔

دوسری صفت ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ﴾ اور صبر کرنے والے ہیں ان تکلیفوں پر جو ان کو پہنچتی ہیں۔ حق کے راستے میں، حق پہنچانے سے، حق بیان کرنے سے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے سے جو اندرونی اور بیرونی تکلیفیں آتی ہیں ان پر وہ صبر کرتے ہیں جزع فزع اور واویلا نہیں کرتے، بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں۔ تیسری صفت ﴿وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ﴾ اور قائم کرنے والے ہیں نماز کو اپنے وقت پر جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں ایسے نہیں کہ کبھی پڑھ لی اور کبھی نہ پڑھی اور کبھی جماعت کے ساتھ اور کبھی اکیلے اپنی خواہش کے مطابق۔ بلکہ نماز پر ہمیشگی اختیار کرتے ہیں۔ چوتھی صفت ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ اور اس چیز میں سے جو ہم نے ان کو دی ہے خرچ کرتے ہیں عزیز رشتہ داروں پر، دوست احباب پر، مہمانوں پر غرباء اور مساکین پر، حج، عمرے اور جہاد کے لیے خرچ کرتے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ قربانی کے جانوروں کے متعلق مزید فرماتے ہیں ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ اور قربانی کا بڑا جانور بنایا ہے ہم نے تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے۔

بدن سے مراد

بُدْنَ کا لفظ موٹے اور بڑے جانور پر بولا جاتا ہے۔ اُونٹ چوں کہ بڑی کلانی کا جانور ہے اس لیے عام طور پر یہ لفظ اُونٹ کے لیے بولا جاتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بُدْنَ سے مراد صرف اُونٹ ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ گائے، بھینس کو بھی بُدْنَ میں شامل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ "ایک اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہوسکتی ہے اور ایک گائے کی قربانی میں بھی سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔" لہٰذا یہ بھی بُدْنَ میں شامل ہے۔ البتہ اونٹ کی بڑائی کی وجہ سے اس میں فائدہ زیادہ ہے اس لیے گائے، بھینس پر اس کو فضیلت حاصل ہے۔ فرمایا ﴿لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ﴾ تمھارے لیے اس میں خیر ہے۔ ان کو سواری اور مال برداری کے لیے استعمال کرتے ہو، ان کی پشم بھی استعمال کرتے ہو، ان کی نسل بڑھتی ہے تو تمھاری مالیت بڑھتی ہے۔ یہ تو دنیا کی خیر ہوئی اور آخرت کی خیر یہ ہے کہ تمھیں اجر و ثواب ملے گا۔ ﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ﴾۔ صَوَآفَّ صَآفٌّ کی جمع ہے۔ صاف اس کو کہتے ہیں کہ جس کی تین ٹانگیں کھلی ہوں اور ایک ٹانگ باندھی ہوئی ہو اور کھڑا کر کے نحر کرتے ہیں۔ اُونٹ میں نحر مستحب ہے میں نے آج تک دیکھا نہیں ہے مگر اُونٹ کی قربانی کا یہی طریقہ ہے۔ وَانْحَرْ سورہ کوثر میں ہے "اور نحر کریں۔" اور باقی جانوروں کو زمین پر لٹا کر ذبح کرتے ہیں۔ جن کو لٹا کر ذبح کیا جائے اس کو ذبح کہتے ہیں۔ تو فرمایا ذکر کرو تم اللہ تعالیٰ کا نام ان پر جب وہ تین ٹانگوں پر کھڑے ہوں ﴿فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا﴾ پس جب وہ گر جائیں پہلو کے بل کہ خون نکل کر بہہ گیا، جان نکل گئی ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا﴾ پس

کھاؤ تم ان میں سے۔

قربانی کے گوشت کا حکم

خود بھی قربانی کا گوشت کھا سکتے ہیں امیر، غریب، کافر سب کو دے سکتے ہیں۔ سید کو بھی دے سکتے ہیں مگر ذبح کرنے والوں کو معاوضے میں نہیں دے سکتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب تم جانور ذبح کراؤ تو کھال سری وغیرہ اجرت میں نہ دو اگر ایسا کرو گے تو قربانی ناقص ہوگی۔ اجرت مزدوری علیحدہ دو اور محلے دار مسلمان ہونے کی حیثیت سے گوشت دینا ہے تو وہ الگ دو ان کا بھی حق ہے لیکن وہ خود نہ رکھیں کہ وہ بڑے استاد ہوتے ہیں کہ گوشت کا اچھا حصہ خود رکھ لیتے ہیں اس کی اجازت نہیں ہے یہ تمھاری مرضی پر موقوف ہے کہ جتنا دو اور جہاں سے دو۔

تو خیر قربانی کا گوشت بھی کھا سکتے ہو اور امیر، غریب، سید وغیرہ کو بھی دے سکتے ہو۔ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ تین دن سے زیادہ تم گوشت نہیں رکھ سکتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سال دور دراز سے کافی مسلمان آئے ہوئے تھے اگر لوگ گھروں میں رکھ لیتے تو مہمانوں کے لیے دشواری ہوتی۔ یہ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے۔ جب دسواں سال آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ سال اعلان فرمایا تھا کہ تین دن یعنی عید والا دن اور دوسرا اور تیسرے دن کے بعد گوشت گھر میں نہ رکھنا تو کیا اس سال بھی یہی حکم ہے؟ فرمایا نہیں وہ حکم گزشتہ سال کے لیے تھا لِاَجْلِ دَافَّةٍ دَفَّتْ چوں کہ باہر سے بہت سارے مسلمانوں کے قافلے آئے ہوئے تھے ان کی خاطر میں نے کہا تھا اب كُلُوْا وَادَّخِرُوْا کھاؤ اور ذخیرہ بھی کر سکتے ہو۔ فرمایا ﴿وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ﴾۔ قناعت سے ہے، صبر کرنے والا۔ بعض محتاج ایسے ہوتے ہیں کہ تھوڑا بھی مل جائے تو صبر کر لیتے ہیں تو قناعت کرنے والے کو بھی کھلاؤ ﴿وَ الْمُعْتَرَّ﴾ اور معتر اس کو کہتے ہیں جو پیچھے پڑ جائے، بے قرار۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ دو چار روٹیوں پر صبر نہیں آتا اور مانگتے ہیں اور مانگتے ہیں۔

تو فرمایا جو پیچھے پڑ کر مانگتا ہے اس کا بھی حق ہے۔ ﴿كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ﴾ اسی طرح ہم نے تابع کیا ان جانوروں کو تمھارے لیے۔ اُونٹ کو اللہ تعالیٰ نے کتنی طاقت دی ہے۔ آدمی کی طاقت اس کے مقابلے میں کیا ہے؟ مگر ہزار اُونٹ کی قطار کو ایک بچہ نکیل پکڑ کر لے جا رہا ہوتا ہے۔ یہ رب تعالیٰ نے تمھارے تابع کیے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتے تو تم خچر، گدھے، گھوڑے کو قابو نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن لوگ تو ہاتھیوں پر بھی سوار ہوتے ہیں یہ رب تعالیٰ نے تابع کیے ہیں ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ تم رب تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

آگے اللہ تعالیٰ نے قربانی کی حکمت بیان فرمائی ہے۔ فرمایا ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا﴾ ہرگز نہیں پہنچتے اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانوروں کے گوشت اور نہ ہی وہ اس کا محتاج ہے ﴿وَلَا دِمَآؤُهَا﴾ اور نہ ان کے خون پہنچتے ہیں اور نہ ہی وہ ان کا محتاج ہے۔ یہ ہر چیز تمھارے پاس رہتی ہے ﴿وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ لیکن پہنچتا ہے اس کو تمھاری طرف سے تقویٰ۔ اللہ تعالیٰ کو تقویٰ

مطلوب ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہابیل رحمۃ اللہ علیہ کی قربانی رب تعالیٰ نے قبول فرمائی کہ اس نے خوب موٹا تازہ دنبہ لاکر رکھا اور قابیل نے باجرے، گندم کے کھائے ہوئے خوشے لاکر رکھے۔ نیت کا پتا یہیں سے لگ گیا۔ آگ آئی اس نے خوشوں کو نہیں چھیڑا دنبے کو جلا کر رکھ دیا۔ عادتاً تو دنبہ جلدی نہیں جلتا خوشے جلدی جل جاتے ہیں۔ تو قابیل کو غصہ آیا کہنے لگا تمھاری قربانی قبول ہوئی میری کیوں نہیں ہوئی؟ تو ہابیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی اس میں میرا کیا قصور ہے؟ ﴿اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ﴾ [المائدہ: ۲۷] "بے شک اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے متقیوں سے۔"

تو قربانی کی قبولیت پہلے دن ہی سے متقی سے ہوئی۔ ﴿كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو تابع کیا تمھارے لیے ﴿لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ تاکہ تم بڑائی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر جو اس نے تمھیں ہدایت بخشی ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا کثرت سے پڑھا کرو رب تعالیٰ نے تمھیں ہدایت جیسی نعمت سے نوازا ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے خوب صورت قد کاٹھ والے لوگ بھی موجود ہیں مگر کلمہ نصیب نہیں ہوا، ہدایت نہیں ملی تم رب تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمھیں ہدایت دی ہے کلمہ نصیب فرمایا ہے ﴿وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور خوش خبری سنا دیں نیکی کرنے والوں کو۔ اللہ تعالیٰ کسی نیک کے اجر کو ضائع نہیں کرتے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ دفاع کرے گا ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔ تو مومنوں کی طرف سے دفاع کی شرط ایمان ہے۔ اگر ایمان نہ ہو محض نام کے مسلمان ہوں تو پھر دفاع کیا ہوگا؟

تم لوگ بڑے خوش قسمت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ایمان کی دولت سے نوازا ہے اور دعائیں دو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اور علمائے دیوبند کو کہ انھوں نے تمھارے ایمان کی حفاظت کی ہے۔ ان علاقوں میں جاؤ جہاں لوگوں کو کلمہ نہیں آتا، نماز نہیں آتی، حلال حرام کو نہیں جانتے، جائز ناجائز کی تمیز نہیں ہے۔ یقیناً ان حضرات نے قربانی دی ہے اپنی جانیں وقف کر کے صحیح دین تمھارے سامنے پیش کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، علمائے دیوبند کی بڑی قربانیاں ہیں کہ ان لوگوں نے اپنی جانوں کو مشکلات میں ڈال کر صحیح ایمان تمھارے تک پہنچایا ہے۔ آج اگر مدافعت نہیں ہو رہی تو سمجھو کہ ہمارے اندر کمی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۹] "اور تم بلند ہو اگر ہو تم مومن۔" ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا کسی خیانت کرنے والے ناشکری کرنے والے کو۔

ایمان کے ساتھ جھوٹ اور خیانت اکٹھے نہیں ہو سکتے

حدیث پاک میں آتا ہے کہ: يُجْمَعُ الْمَرْءُ مَعَ كُلِّ خَصْلَةٍ اِلَّا الْكِذْبَ وَالْخِيَانَةَ "مومن میں ہر عیب ہو سکتا ہے جھوٹ اور خیانت نہیں ہو سکتی۔" اور ہماری سیاست ہی ان دو چیزوں پر چلتی ہے۔ ہماری سیاست کے یہی اصول ہیں خیانت اور جھوٹ۔ اور ہمارا کاروبار ہی ان دو چیزوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے اور صحیح معنیٰ میں مومن بننے کی

توفیق عطا فرمائے۔

﴿أُذِنَ﴾ اجازت دی گئی ﴿لِلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿يُقٰتَلُوْنَ﴾ جن سے لڑائی کی جاتی ہے ﴿بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ اس لیے کہ وہ مظلوم ہیں ﴿وَ إِنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿عَلٰى نَصْرِهِمْ﴾ ان کی مدد پر ﴿لَقَدِيْرٌ﴾ البتہ قادر ہے ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿أُخْرِجُوْا﴾ جو نکالے گئے ﴿مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ اپنے گھروں سے ﴿بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ بغیر حق کے ﴿إِلَّآ أَنْ يَّقُوْلُوْا﴾ مگر یہ کہ انھوں نے کہا ﴿رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے ﴿وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ﴾ اور اگر نہ ہوتا ٹالنا اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو ﴿بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ﴾ بعض کو بعض کے ذریعے ﴿لَّهُدِّمَتْ﴾ البتہ گرا دیئے جائیں ﴿صَوَامِعُ﴾ خانقاہیں ﴿وَ بِيَعٌ﴾ اور گرجے ﴿وَّ صَلَوٰتٌ﴾ اور یہود کے عبادت خانے ﴿وَّ مَسٰجِدُ﴾ اور مسجدیں ﴿يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ﴾ جن میں ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا نام ﴿كَثِيْرًا﴾ کثرت سے ﴿وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ﴾ اور البتہ اللہ تعالیٰ ضرور مدد کریں گے ﴿مَنْ يَّنْصُرُهٗ﴾ اس کی جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ البتہ قوی ہے، غالب ہے ﴿اَلَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ﴿إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ﴾ اگر ہم ان کو اقتدار دیں ﴿فِي الْأَرْضِ﴾ زمین میں ﴿أَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ نماز قائم کریں گے ﴿وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ اور زکوٰۃ ادا کریں گے ﴿وَ أَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اور حکم کریں گے نیکی کا ﴿وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور روکیں گے برائی سے ﴿وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اچھا انجام تمام کاموں کا ﴿وَ إِنْ يُّكَذِّبُوْكَ﴾ اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں ﴿فَقَدْ كَذَّبَتْ﴾ پس تحقیق جھٹلا چکی ﴿قَبْلَهُمْ﴾ ان سے پہلے ﴿قَوْمُ نُوْحٍ﴾ نوح علیہ السلام کی قوم ﴿وَّ عَادٌ﴾ اور قوم عاد ﴿وَّ ثَمُوْدُ﴾ اور قوم ثمود ﴿وَ قَوْمُ إِبْرٰهِيْمَ﴾ اور قوم ابراہیم ﴿وَ قَوْمُ لُوْطٍ﴾ اور قوم لوط ﴿وَّ أَصْحٰبُ مَدْيَنَ﴾ اور مدین والوں نے ﴿وَ كُذِّبَ مُوْسٰى﴾ اور جھٹلائے گئے موسیٰ علیہ السلام ﴿فَأَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ پس مہلت دی میں نے کافروں کو ﴿ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ﴾ پھر میں نے پکڑا ان کو ﴿فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ﴾ پس کیسا تھا میرا انکار کرنا۔

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر مظالم

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ (۱۳) سال مکہ مکرمہ میں کافروں کی طرف سے مختلف تکالیف اٹھائیں اور ان کو کوئی جواب نہ دیا کیوں کہ حکم تھا ﴿كُفُّوْٓا أَيْدِيَكُمْ وَ أَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ [النساء:۷۷] "روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز کو" مکہ مکرمہ میں جہاد کا حکم نہیں تھا۔ دشمنوں نے جو بھی تکلیفیں دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں نے برداشت کیں۔ یہاں تک کہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ اب مکے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کا پیچھا چھوڑ دیتے کہ ہمارا علاقہ چھوڑ کر تین سو گیارہ میل دور چلے گئے ہیں اب اپنا کام کرو لیکن مکے والوں نے وہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔

اصل بات یہ ہے کہ دلوں کا بغض اور کینہ انسانوں کو غلط قسم کے جذبات پر ابھارتا ہے مکے والوں نے سوچا کہ ہم نے جو ان کو تکلیفیں دی ہیں وہ ان کو بھلا نہیں سکتے۔ وہاں جب ان کی افرادی قوت مضبوط ہو جائے گی اور مالی پوزیشن صحیح ہو جائے گی تو یہ ہم پر حملہ کر دیں گے اس لیے وہاں بھی ان کو سانس نہ لینے دو۔ چنانچہ کرز بن جابر فہری کافر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مدینہ طیبہ کے قریب چراگاہ میں بیت المال کے کچھ اونٹ تھے ان پر حملہ کر دیا، راعی اور محافظ کو شہید کر کے اونٹ لے گیا۔ مدینہ طیبہ کے یہودیوں نے بھی مکے والوں کو خطوط لکھے کہ یہ تمھارے ہمارے مشترکہ دشمن ہیں تم اُوپر سے حملہ آور ہو اور ہم مدینہ طیبہ سے اٹھ کھڑے ہوں گے تمھارا ساتھ دیں گے اور ان کا صفایا کر دیں گے۔ جب یہودیوں اور مشرکوں کی طرف سے یہ کارروائیاں شروع ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دے دی۔ مشرکوں کے ساتھ پہلا معرکہ بدر میں ہوا۔ اس کی تیاری کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور صورت حال سے آگاہ کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے تو انصار نے کہا تھا کہ اگر مدینہ طیبہ پر حملہ ہوا تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیں گے اور اگر باہر جا کر لڑنا پڑا پھر ہم تمھارے ساتھ جانے پر مجبور نہیں ہوں گے۔ یہ باتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذہن میں تھیں اور لڑائی سر پر آکھڑی ہوئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی حکمت عملی سے کام لیا اور تقریر فرمائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت عطا فرمائی میں نے ان لوگوں کو خدا کا پیغام پہنچایا۔ ان لوگوں نے ماننے کے بجائے ہمیں تکلیفیں دیں۔ تیرہ (۱۳) سال ہم نے مکہ میں اس طرح گزارے کہ حارث ابن ابی ہالہ کو کافروں نے شہید کیا، سمیہ رضی اللہ عنہا کو شہید کیا، یاسر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور کئی مرد عورتیں شہید کی گئیں ہم پر یہ ظلم ڈھائے گئے ہم وطن چھوڑ کر یہاں آئے ہیں یہاں بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اس انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا تو انصار سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری رائے لینا چاہتے ہیں۔ انصارِ مدینہ کے دو خاندان تھے، اوس اور خزرج۔ ایک سردار نے کھڑے ہو کر کہا کہ حضرت! آپ ہمیں موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہیں پائیں گے کہ ان کو جب موسیٰ علیہ السلام نے عمالقہ قوم کے ساتھ لڑنے کا کہا تو انھوں نے جواب دیا ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ [المائدہ: ۲۴] "اے موسیٰ علیہ السلام! آپ جائیں اور آپ کا رب جا کر لڑے ہم یہاں بیٹھے ہیں۔" حضرت! رب تعالیٰ کی قسم ہے ہم آپ کے دائیں لڑیں گے بائیں لڑیں گے آگے پیچھے لڑیں گے۔ دوسرے سردار نے اُٹھ کر کہا حضرت! آپ ہمیں حکم دیں گے تو ہم اپنی پیشانیاں پہاڑوں کے ساتھ ٹکرا دیں گے، ہمیں آپ حکم دیں گے تو گھوڑے سمندروں میں ڈال دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ اقدس بڑا روشن ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے خوش ہوئے جو پریشانی اور خدشہ تھا وہ ٹل گیا کیوں کہ کچھ مہاجر حبشہ میں تھے کچھ مظلوم مکے سے نہیں آسکے تھے۔ غزوہ بدر میں کل مہاجر

چوہتر (۷۴) تھے باقی سب انصار تھے۔ مدینہ طیبہ سے آپ ﷺ سمیت کل تین سو تیرہ (۳۱۳) گئے۔ بدر مدینہ طیبہ سے اسی (۸۰) میل دور تھا۔ کافر ایک ہزار اور ہر طرح کے اسلحہ کے ساتھ مسلح تھے اور تمام تر ضروریات ان کے پاس تھیں اور ادھر حال یہ تھا کہ بہت سارے صحابہ ننگے پاؤں تھے سر پر ٹوپیاں نہیں تھیں۔ صرف آٹھ تلواریں، چھ زرہیں کل اسلحہ تھا۔ تو یہ پہلی آیت کریمہ ہے جس میں جہاد کی اجازت دی گئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ﴾ اجازت دی گئی ان لوگوں کو ﴿يُقٰتَلُوْنَ﴾ جن کے ساتھ لڑائی کی جاتی ہے اور ان کو ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ اب ان کو ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے ﴿بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ اس لیے کہ وہ مظلوم ہیں ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر البتہ قادر ہے۔ بدر میں ظاہری اسباب کچھ بھی نہیں تھے آٹھ تلواریں مقابلہ میں ہزار تلوار، چھ زرہیں اور مقابلہ میں ہزار زرہیں مگر رب تعالیٰ جو قادر مطلق ہے۔ ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ مشرکوں کو شکست ہوئی ستر مارے گئے، ستر قیدی ہوئے باقیوں کو بھاگنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ فرمایا مظلوم کون ہیں؟ ﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ وہ ہیں جن کو نکالا گیا اپنے گھروں سے ﴿بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ بغیر حق کے ناجائز۔ ان کا کوئی جرم نہیں تھا اگر ان کا جرم تھا تو صرف یہ کہ ﴿اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ مگر یہ کہ انھوں نے کہا رب ہمارا اللہ تعالیٰ ہے، لات، منات، عزیٰ میں سے کسی کو ہم رب ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس جرم کے بدلے میں ان کو یہاں سے نکالا گیا۔

جہاد کا فلسفہ اور حکمت

آگے اللہ تعالیٰ جہاد کا فلسفہ اور حکمت بیان فرماتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ﴾ اور اگر نہ ہوتا ٹالنا اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو ﴿بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ﴾ بعض کو بعض کے ذریعے۔ اگر مجاہدین کو حکم نہ ہوتا، کافروں کے مقابلے میں نہ لڑتے ﴿لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ﴾۔ صَوَامِعُ صَوْمَعَةٌ کی جمع ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے عیسائی مذہب سچا مذہب تھا۔ تو نیک دل عیسائیوں نے کلیاں (جھونپڑیاں) بنائی ہوئی تھیں جنگلات میں ان میں بیٹھ کر وہ اللہ اللہ کرتے تھے۔ لوگوں سے تنگ آ کر الگ تھلگ بیٹھ کر وہ اللہ اللہ کرتے تھے۔ وہ ان کی خانقاہیں تھیں، ان کو صومعہ کہتے تھے۔ البتہ گرا دی جائیں خانقاہیں ﴿وَبِيَعٌ﴾، بِيْعَةٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ گرجا۔ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے عیسائی مذہب بھی سچا تھا اور یہودی مذہب بھی سچا تھا۔ تو گرجے گرا دیئے جائیں ﴿وَّصَلَوٰتٌ﴾ اور یہودیوں کے عبادت خانے گرا دیئے جائیں۔ تو جہاد پہلے بھی تھا اگر جہاد اپنے اپنے دور میں نہ ہوتا تو نیک دل عیسائیوں کی خانقاہیں، گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے گرا دیئے جاتے ﴿وَّمَسٰجِدُ﴾ اور اس دور میں مساجد کو گرا دیا جاتا۔

زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں اس ستر سال کے اندر اندر وہ علاقے جو دین کے مرکز تھے اور حدیث وفقہ کے امام ان علاقوں میں تھے جیسے امام بخاری، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابو داؤد رحمہم اللہ، یہ صحاح ستہ کے پانچ مصنف

سمرقند، بخارا کے علاقہ کے تھے صرف امام مسلم عرب علاقے کے ہیں۔ صاحب ہدایہ، قاضی خاں وغیرہ بڑے بڑے علماء اسی علاقے میں گزرے ہیں۔ روس نے ان علاقوں کی پچاس ہزار مسجدوں کو شراب خانوں میں تبدیل کر دیا۔ یہی حال اب اسپین میں ہوا ہے اور یہی حال اب بوسنیا کا ہے کہ وہاں مسلمانوں کا جینا حرام کیا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے بچوں کا نام مسلمانوں والا کوئی نہیں رکھ سکتا۔ اب اڑھائی تین لاکھ آدمی شہید ہونے کے بعد کچھ بیدار ہوئے ہیں اور ان کو پتا چلا ہے کہ اسلام کس چیز کا نام ہے اور وہ ہم سے کس چیز کا تقاضا کرتا ہے۔ لیکن یہ جو کافروں کی بدمعاش حکومتیں ہیں، برطانیہ، امریکہ، فرانس، انھوں نے ان کا سب کچھ بند کیا ہوا ہے نہ اسلحہ پہنچنے دے رہے ہیں اور نہ خوراک۔

پچھلے دنوں برطانیہ کے وزیر اعظم کا بیان آیا تھا کہ ہماری پالیسی ہے کہ اس علاقے سے مسلمانوں کا وجود ختم ہو جائے ان کو کسی قسم کی فوجی اور خوردنی امداد نہیں دینی چاہیے۔ ہمیں سب سے زیادہ خطرہ مسلمانوں سے ہے۔ یہ بدمعاش اسلام کا نام سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پاکستان ہی کو دیکھ لو کہ صرف نام ہے کہ یہ اسلامی ملک ہے قانونی طور پر یہاں اسلام نافذ نہیں ہے۔ نہ تو یہاں زانی کو سنگسار کیا جاتا ہے، نہ کوڑے مارے جاتے ہیں، نہ چوروں کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں، نہ ڈاکوؤں کو سولی پر لٹکایا جاتا ہے۔ صرف نماز روزہ کرتے ہیں لیکن اس سے بھی ان کے پیٹ میں مروڑ اٹھتا ہے کہ یہ اسلامی ملک ہے۔ اس لیے ان کو برداشت نہیں ہو رہا اور ہمارے حکمران سب کے سب برطانیہ، امریکہ کے پٹھو ہیں ان سے اسلامی احکامات کے نافذ کرنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

تو فرمایا اگر جہاد کا حکم نہ ہوتا تو یہ صومعے، گرجے، عبادت خانے اور مسجدیں گرا دی جاتیں اور یہ مسجدیں وہ مقام ہیں ﴿يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا﴾ جن میں ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا نام کثرت سے اور ان کے عبادت خانوں میں بھی اپنے اپنے دور میں۔ فرمایا ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ﴾ اور البتہ اللہ تعالیٰ ضرور مدد کریں گے اس کی جو مدد کرتا ہے اس کے دین کی۔ اس میں لام بھی تاکید کا ہے اور نون بھی تاکید کا ہے، رب تعالیٰ ضرور ان کی مدد کرے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ البتہ قوی ہے غالب ہے۔

مومنوں کی صفت

مومنوں کی صفت سنو! ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ وہ ہیں اگر ہم ان کو اقتدار دیں، حکومت دیں زمین میں ﴿اَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ وہ نماز کو قائم کریں ﴿وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ اور زکوٰۃ ادا کریں۔ تیسری صفت ﴿وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اور نیکی کا حکم دیں۔ چوتھی صفت ﴿وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور روکیں برائی سے۔ ہمارے حکمرانوں کو ان میں سے کون سی صفت حاصل ہے؟ کیا یہ نماز کی پابندی کرتے ہیں؟ زکوٰۃ دیتے ہیں؟ کیا نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں؟ بلکہ یہ تو بدی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب جہاد شروع کیا تو خوشاب کے پہاڑوں سے لے کر ناران کے درے تک چھ ماہ اقتداران کے ہاتھ میں آیا تھا۔ شرعی سزائیں نافذ تھیں اور ان علاقوں میں کوئی بے نماز نظر نہیں آتا تھا۔ اگر کسی نے اسلامی نظام کا نفاذ دیکھا ہے تو وہ شاہ احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں اس مخصوص علاقے میں دیکھا ہے" سیرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ" از مولانا ابوالحسن علی ندوی میں تفصیلات موجود ہیں۔ فرمایا ﴿وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اچھا انجام سب کاموں کا۔ سب کچھ رب تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

تسلی رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

آگے اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں ﴿وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ﴾ اور اگر یہ مکے والے، عرب والے آپ کو جھٹلاتے ہیں تو صبر کریں ﴿فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ﴾ پس تحقیق جھٹلا چکی ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نوح علیہ السلام کو ﴿وَّعَادٌ﴾ اور قوم عاد نے جھٹلایا ہود علیہ السلام کو ﴿وَّثَمُوْدُ﴾ اور ثمود قوم نے جھٹلایا صالح علیہ السلام کو ﴿وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ابراہیم علیہ السلام کو ﴿وَقَوْمُ لُوْطٍ﴾ اور لوط علیہ السلام کی قوم نے جھٹلایا لوط علیہ السلام کو ﴿وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ﴾ اور مدین والوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو۔ تو پیغمبروں کی تکذیب کوئی نئی بات نہیں ہے یہ نوح علیہ السلام کے زمانے سے چلی آرہی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام معمر تھے انسان میں شرم ہو تو بوڑھے آدمی کا خیال کرتا ہے مگر انھوں نے قطعاً کوئی لحاظ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو دھکے دے کر مجلس سے باہر نکال دیتے تھے۔ سورہ قمر میں ہے ﴿وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ﴾ "اور کہا انھوں نے دیوانہ ہے، پاگل ہے اور جھڑک دیا مجلس سے نکال دیا۔" حضرت صالح علیہ السلام کو کہا ﴿هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ﴾ "یہ جھوٹا ہے اور منکر ہے شریر آدمی ہے۔"

تو پیغمبروں کی تکذیب کی گئی ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تکذیب کرتے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں ہے آپ صبر کریں۔ ﴿وَكُذِّبَ مُوْسٰى﴾ اور تکذیب کی گئی موسیٰ علیہ السلام کی، فرعون، ہامان، قارون وغیرہ نے کی ﴿فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ پس ہم نے تھوڑی سی مہلت دی کافروں کو ﴿ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ﴾ پھر ہم نے ان کو پکڑا ﴿فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ﴾ پس کیسا تھا میرا انکار کرنا۔ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو گھبرائیں نہیں ان کے پکڑنے کا بھی وقت آجائے گا۔ بدر پہلا موقع تھا پھر دنیا نے ان کا حشر دیکھا کہ کیا ہوا۔ جو بچ گئے ایک ایک سال گھروں میں چھپے رہے کہ ہمارا کوئی منہ نہ دیکھے۔ انکار کا کیا نتیجہ نکلا۔

﴿فَكَاَيِّنْ﴾ پس کتنی ہیں ﴿مِّنْ قَرْيَةٍ﴾ بستیاں ﴿اَهْلَكْنٰهَا﴾ جن کو ہم نے ہلاک کیا ﴿وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ وہ ظالم تھیں ﴿فَهِيَ خَاوِيَةٌ﴾ پس وہ گری پڑی ہیں ﴿عَلٰى عُرُوْشِهَا﴾ اپنی چھتوں کے بل ﴿وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ﴾ اور کتنے کنویں ہیں جو بیکار پڑے ہیں ﴿وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ﴾ اور کتنے مضبوط محلات (ویران) ہیں ﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ کیا پس یہ لوگ نہیں چلے زمین میں ﴿فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ﴾ پس ہوتے ان کے لیے دل ﴿يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ﴾ وہ ان کے ذریعے

سمجھتے ﴿اَوْ اٰذَانٌ﴾ یا کان ہوتے ﴿یَّسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ ان کے ساتھ وہ سنتے ﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ﴾ پس بے شک قصہ یہ ہے کہ نہیں اندھی ہوتیں آنکھیں ﴿وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ﴾ لیکن اندھے ہوتے ہیں دل ﴿الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ﴾ جو سینوں میں ہیں ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾ اور جلدی مانگتے ہیں آپ سے یہ عذاب ﴿وَ لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾ اور ہرگز نہیں خلاف ورزی کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی ﴿وَاِنَّ يَوْمًا﴾ اور بے شک ایک دن ﴿عِنْدَ رَبِّكَ﴾ آپ کے رب کے ہاں ﴿كَاَلْفِ سَنَةٍ﴾ ایسے ہی ہے جیسے ایک ہزار سال ﴿مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ اس گنتی کے مطابق جو تم شمار کرتے ہو ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ﴾ اور بہت سی بستیاں تھیں ﴿اَمْلَيْتُ لَهَا﴾ جن کو میں نے مہلت دی ﴿وَهِیَ ظَالِمَةٌ﴾ اور وہ ظلم کرنے والی تھیں ﴿ثُمَّ اَخَذْتُهَا﴾ پھر میں نے ان کو پکڑا ﴿وَ اِلَیَّ الْمَصِيْرُ﴾ اور میری ہی طرف ہے لوٹنا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿اِنَّمَآ﴾ پختہ بات ہے ﴿اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ میں تمھارے لیے ہوں ڈرانے والا کھول کر ﴿فَالَّذِيْنَ﴾ پس وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ ان کے لیے بخشش ہے ﴿وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ اور باعزت روزی ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿سَعَوْا فِیْۤ اٰيٰتِنَا﴾ جو کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں کے بارے میں ﴿مُعٰجِزِيْنَ﴾ ہرانے کی ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یہی لوگ ہیں ﴿اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ دوزخ والے۔

پیغمبروں کی مخالفت کا انجام

اس سے پہلے ان قوموں کا ذکر تھا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی تکذیب کی۔قوم نوح،قوم عاد،قوم ثمود وغیرہ۔ اب ان کے انجام کا ذکر ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ﴾ پس کتنی بستیاں ہیں ﴿اَهْلَكْنٰهَا﴾ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔بستیوں کو ہلاک کرنے کا مطلب ہے وہاں کے رہنے والوں کو ہلاک کیا۔ورنہ دیواروں اور چھتوں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ان بستیوں اور شہروں کے رہنے والوں کو ہلاک کیا۔کیوں ہلاک کیا؟ ﴿وَهِیَ ظَالِمَةٌ﴾ وہ ظالم تھیں یعنی ان میں رہنے والے ظالم تھے یعنی مشرک تھے کیوں کہ سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔سورہ لقمان آیت نمبر ۱۳ میں ہے ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ "بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔" اس کے بعد پھر ظلم کی بڑی قسمیں ہیں۔درجہ بہ درجہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں ان کو نہ ماننا ظلم ہے،انسانوں کے ساتھ زیادتی کرنا،یہ سب ظلم کی قسمیں ہیں مگر شرک بڑا ظلم ہے۔

﴿فَهِیَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا﴾ پس وہ گری پڑی ہیں چھتوں کے بل۔پہلے چھتیں گری پھر ان پر دیواریں گریں ﴿وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ﴾ اور کتنے کنویں ہیں جو بیکار پڑے ہیں۔جہاں پانی لینے والوں کی باری نہیں آتی تھی۔سورہ قصص میں آئے گا کہ موسیٰ علیہ السلام جب مدین پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا لوگ ایک بڑے کنویں سے اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔دو بیبیاں

اپنی بھیڑ بکریوں کو پیچھے روکے کھڑی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کافی دیر تک یہ دیکھتے رہے پھر ان عورتوں کے پاس گئے اور پوچھا کہ لوگ آتے ہیں اپنے جانوروں کو پانی پلاتے ہیں اور تم اپنے جانوروں کو روک کر کھڑی ہو۔ انھوں نے کہا ﴿اَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ﴾ "ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے۔" حضرت شعیب علیہ السلام دو بہنیں تھیں بھائی کوئی نہیں تھا گزر اوقات کے لیے بھیڑ بکریاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام بہت بوڑھے تھے زیادہ چل پھر نہیں سکتے تھے۔ جب یہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے تو ان کا بچا کھچا ہم پلائیں گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ڈول پکڑا اور پانی پلا دیا اور فرمایا جاؤ۔ والد نے پوچھا کہ آج جانوروں کو پانی نہیں پلایا؟ کہنے لگیں پلایا ہے۔ جلدی کیسے آگئیں؟ تو انھوں نے سارا قصہ بتلایا۔

تو ایک وقت تھا پانی پلانے کی باری نہیں آتی تھی اور اب وہ کنویں بیکار پڑے ہیں ﴿وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ﴾ اور کتنے مضبوط محلات بیکار اور ویران پڑے ہیں کوئی ان میں رہنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ، کان، دل وغیرہ نعمتیں سب کچھ عطا فرمائی ہیں کافروں کو بھی اور مومنوں کو بھی۔ کافروں نے ان نعمتوں سے دنیا کا فائدہ اُٹھایا۔ لیکن آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں نہیں دیکھی، کانوں سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو نہیں سنا، دل سے کائنات پر غور وفکر نہیں کیا۔ ایمان نصیب نہیں ہوا، ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔ تم خدا کا شکر ادا کرو کہ رب تعالیٰ نے مسلمان بنایا ہے ہدایت دی ہے۔ آنکھوں سے رب کی نشانیاں دیکھتے ہو، کانوں سے رب تعالیٰ کا کلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنتے ہو، دل سے جہان میں غور وفکر کرتے ہو۔

بعض اندھے بڑے سمجھ دار ہوتے ہیں

بعض آنکھوں سے اندھے ہونے کے باوجود بڑے سمجھ دار ہوتے ہیں۔ لاہور اچھرے میں ایک نابینا حافظ گھڑی ساز تھے۔ جس کی گھڑی خراب ہوتی کہتے حافظ جی کے پاس لے جاؤ۔ وہ خود اپنے ہاتھ سے ٹھیک کرتے تھے۔ مصر میں ایک نابینا ڈرائیور گاڑی چلاتا تھا اس کے ساتھ ایک آدمی بیٹھا ہوتا تھا وہ اس کو بتلاتا خَلَا خالی ہے، وہ تیز چلاتا تھا۔ وہ کہتا رَحْمَۃٌ بھیڑ ہے تو آہستہ کر لیتا تھا عَلَی الْیَمِیْن کہتا تو دائیں طرف موڑ لیتا علی الیسار کہتا تو بائیں طرف موڑ لیتا۔ تو بعض آنکھوں سے اندھے بڑے سمجھ دار ہوتے ہیں اور بعض آنکھیں ہوتے ہوئے بھی اندھے ہوتے ہیں۔ اصل اندھا وہ ہے جو دل کا اندھا ہے۔ دل کی آنکھیں اندھی ہو جائیں تو پھر یہ آنکھیں بھی کام نہیں کرتیں، دل کے کان بہرے ہو جائیں تو پھر یہ کان کچھ نہیں کرتے، زبان کچھ نہیں کرتی، یہ تمام اعضاء معطل اور بے کار ہو جاتے ہیں۔

پھر سمجھ عقل بھی سب کی برابر نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سو اُونٹوں میں سے سواری کے قابل تمھیں ایک دو ہی ملیں گے۔ باقی اُونٹ تو سارے ہی ہیں۔ ایسا اونٹ جو سفر میں تمھارا ساتھ دے، تکالیف برداشت کرے وہ سو میں سے ایک ہوگا۔ اسی طرح لوگ ہیں سو میں سے کوئی ایک آدھ ہی نکلے گا باقی سب فضول ہیں۔ تو جن قوموں نے پیغمبروں کو جھٹلایا ان کا نتیجہ کیا نکلا؟ زمین میں چلو پھرو اور تباہ شدہ بستیاں دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔ آج لوگ تفریح طبع (سیر وسیاحت) کے لیے جاتے ہیں

یورپ اور دوسرے ملکوں کی سیر کرتے ہیں مگر اس نکتہ نگاہ سے سیر کرنے والے بہت کم ہیں۔

تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا ﴾ کیا پس انھوں نے سیر نہیں کی ﴿ فِی الْاَرْضِ ﴾ زمین میں ﴿ فَتَكُوْنَ لَهُمْ ﴾ پس حاصل ہوتے ان کو ﴿ قُلُوْبٌ ﴾ دل ایسے ﴿ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ ﴾ جن کے ساتھ وہ سمجھتے ﴿ اَوْ اٰذَانٌ ﴾ یا ایسے کان ہوتے ﴿ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ﴾ کہ ان کے ساتھ وہ سنتے ﴿ فَاِنَّهَا ﴾ پس بے شک قصہ یہ ہے کہ ﴿ لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ ﴾ نہیں اندھی ہوتی یہ آنکھیں ﴿ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ ﴾ لیکن اندھے ہوتے ہیں دل الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ جو سینے میں ہیں۔ جب دل اندھا ہو گیا تو سارے اعضاء بے کار ہو گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ میری نافرمانی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا تو کافر اکٹھے ہو کر کہتے وہ عذاب جو آپ نے لانا ہے جلدی لاؤ تاکہ میدان آپ کے لیے خالی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ﴾ اور یہ کافر جلدی مانگتے ہیں آپ سے عذاب کہ لاؤ جو عذاب لانا ہے۔

فرمایا ﴿ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ﴾ اور ہرگز نہیں خلاف ورزی کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی۔ اس نے فرمادیا ہے کہ نافرمانوں کو عذاب دوں گا ضرور دے گا اور کافروں پر عذاب ضرور آئے گا۔ باقی وقت کسی کو نہیں بتلایا وہ حکیم ہے، خبیر ہے اپنی حکمتوں کو وہ خود جانتا ہے۔ ﴿ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ اور بے شک ایک دن آپ کے رب کے ہاں ﴿ كَاَلْفِ سَنَةٍ ﴾ ایسے ہی ہے جیسے ایک ہزار سال ﴿ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴾ اس گنتی کے مطابق جو تم شمار کرتے ہو۔ اس مقام پر قیامت کے دن کو ایک ہزار سال کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور سورہ معارج میں فرمایا ﴿ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴾ کہ پچاس ہزار سال کا لمبا دن ہو گا۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ مومن کے لیے اتنا مختصر ہو گا جیسے ایک نماز کا وقت ہے۔

اس کو تم اس طرح سمجھو کہ آج کل راتیں کافی لمبی ہیں ایک صحت مند آدمی خوب پیٹ بھر کر سوئے تو وہ پہلو بھی نہیں بدلے گا اور صبح ہو جائے گی۔ وہ کہے گا کہ اتنی جلدی رات ختم ہو گئی اور لمبی ہوتی۔ اور ایسا شخص جو کسی درد اور تکلیف میں مبتلا ہو اور ایک لمحہ کے لیے بھی آنکھ نہ لگے اس سے پوچھو تو وہ کہے گا میں نے تو صدیاں گزار دیں۔ اب رات تو ایک ہی ہے مگر صحت مند کے لیے مختصر اور جو کبھی جاگتا ہے اور کبھی سوتا ہے اس کے لیے لمبی اور جو تکلیف میں مبتلا ہے اس کے لیے بہت ہی لمبی ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ جو محض کافر اس کے لیے وہ دن ایک ہزار سال کا ہے اور جو کافر گر اور کافر ساز ہیں ان کے لیے وہ دن پچاس ہزار سال کا ہو گا اور مومنوں کے لیے ایسا ہو گا جیسے ایک نماز کا وقت ہوتا ہے۔ مثلاً: ظہر کا وقت تقریباً اوسطاً تین یا ساڑھے تین گھنٹے کا ہوتا ہے۔ اتنا ہی محسوس ہو گا۔ فرمایا ﴿ وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ ﴾ اور کتنی بستیاں تھیں ﴿ اَمْلَیْتُ لَهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ ﴾ جن کو میں نے مہلت دی اور وہ ظالم تھیں۔ وہاں کے رہنے والے لوگ ظالم تھے۔

رب تعالیٰ مہلت دیتے ہیں تاکہ سمجھ جائیں

رب تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے ان کو مہلت دی ﴿ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ﴾ پھر میں نے ان بستیوں کو یعنی ان میں رہنے والوں کو

پکڑا ﴿وَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ﴾ اور میری طرف ہی ہے لوٹنا۔ اور کہاں جا سکتے ہیں؟ ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کو بتا دیں ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے تمام انسانو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب تمام انسانوں سے ہے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے پیغمبر تشریف لائے وہ اپنی اپنی قوم کے لیے ہوتے تھے جیسا کہ آپ حضرات نے کل کے سبق میں سنا (پڑھا) ہے ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّ ثَمُوْدُ وَ قَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ﴾۔

عالمگیر نبوت

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایک دو قوموں کی طرف نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کی طرف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب تمام انسانوں کو ہے۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۵۸ ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾ "اے لوگو! بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔" اور صرف انسانوں کی طرف ہی نہیں انسانوں کے علاوہ جنات وغیرہ جتنی بھی مخلوق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام کے لیے پیغمبر ہیں۔ سورۃ الفرقان آیت نمبر ایک میں ہے ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا﴾ "بابرکت ہے وہ ذات جس نے اتاری وہ کتاب جو فرق کرنے والی ہے اپنے بندے پر تاکہ ہو جائے ڈرانے والا سارے جہانوں کا۔" تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

پیغمبروں کا کام سنانا ہے منوانا نہیں

فرمایا آپ کہہ دیں اے لوگو! ﴿اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ پختہ بات ہے میں تمھارے لیے ہوں ڈرانے والا کھول کر کہ اگر رب تعالیٰ کی نافرمانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا دنیا میں بھی، مرنے کے بعد قبر میں بھی، میدان محشر میں بھی اور دوزخ میں بھی۔ بالکل صاف صاف اور کھری کھری باتیں تمھیں سناتا ہوں کوئی لگی لپٹی بات نہیں کرتا اور میرا کام ہے تمھیں سنانا اور آگاہ کرنا، منوانا میرا کام نہیں ہے۔ جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ان کا کام پہنچانا تھا ﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ [المائدہ: ۶۷] "اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پہنچا دیں وہ چیز جو اتاری گئی ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے۔" منوانا پیغمبروں کے اختیار میں نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی کوشش کی کہ چچا جان عبد مناف ابو طالب مسلمان ہو جائے کیوں کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی خدمت کی ہے تقریباً چالیس سال۔ دنیا کی تاریخ میں ایسا کوئی چچا نہیں ہوا دنیا اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی کہ الگ عقیدہ رکھتے ہوئے پوری خدمت کرے اور ہر طرح کا ساتھ دے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی خواہش تھی کہ وہ کلمہ پڑھ لے لیکن کلمہ اس کی قسمت میں نہیں تھا آخر دم تک اس نے اپنا دھڑا نہیں چھوڑا۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے وَ اَبٰی اَنْ یَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ [قصص: ۵۶] "اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو چاہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔" ہدایت کا راستہ بیان کرنا آپ کا کام ہے۔

فرمایا آپ کہہ دیں میں تمھیں رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہوں بات کھول کر ﴿فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ پس وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے۔ محض ایمان ہی نہیں ساتھ اعمال بھی اچھے کیے ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ ان کے لیے بخشش ہے۔ یہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ اور باعزت روزی ملے گی قبر میں بھی، حشر میں بھی، جنت میں بھی۔ مرنے کے بعد قبر میں بھی رزق ملتا ہے ان کی شان کے مطابق ہماری سمجھ میں نہیں آتا یہ مرنے کے بعد سمجھ آئے گا اور مرنے والا ہی سمجھتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ نیک ہے تو خوشیوں میں بُرا ہے تو دوسری مد میں ہے۔ اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کسی کی وفات ہو جائے تو بغیر کسی مجبوری کے دفن میں تاخیر نہ کرو کیونکہ اگر نیک ہے تو اس نے جن خوشیوں میں جانا ہے جلدی پہنچاؤ اور اگر دوسری مد کا آدمی ہے تو ایک بلا کو تم نے اپنی گردن سے اتارنا ہے جلدی اتارو۔

﴿وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْۤ اٰيٰتِنَا﴾ وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں کے بارے میں ﴿مُعٰجِزِیْنَ﴾ ہرانے کی کہ آیتوں کو ہرانا ہے۔ قرآن کو ناکام بنائیں لوگوں کو حق سے روکیں ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ یہی لوگ ہیں دوزخ والے۔ ان کا ٹھکانا شعلے مارنے والی آگ جحیم میں ہوگا۔ جو حق کی مخالفت کرتے ہیں رب تعالیٰ کی آیات کا مقابلہ کرتے ہیں۔

﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے ﴿مِنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ کوئی رسول ﴿وَّلَا نَبِيٍّ﴾ اور نہ کوئی نبی ﴿اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى﴾ مگر یہ کہ جب اس نے پڑھا ﴿اَلْقَى الشَّيْطٰنُ﴾ ڈال دیا شیطان نے ﴿فِیْۤ اُمْنِيَّتِهٖ﴾ اس کے پڑھنے میں وسوسہ ﴿فَيَنْسَخُ اللّٰهُ﴾ پس مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ﴾ اس چیز کو جو ڈالتا ہے شیطان ﴿ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ﴾ پھر مضبوط کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ علم والے، حکمت والے ہیں ﴿لِّيَجْعَلَ﴾ تاکہ کر دے مَا اس چیز کو ﴿يُلْقِى الشَّيْطٰنُ﴾ جو ڈالتا ہے شیطان ﴿فِتْنَةً﴾ آزمائش ﴿لِّلَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ان کے دلوں میں بیماری ہے ﴿وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور ان کے دل سخت ہیں ﴿وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور بے شک ظالم ﴿لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ﴾ البتہ دور کے اختلاف میں مبتلا ہیں ﴿وَّلِيَعْلَمَ الَّذِیْنَ﴾ اور تاکہ جان لیں وہ لوگ ﴿اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ جن کو علم دیا گیا ﴿اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ بے شک یہ حق ہے ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ﴾ پس اس پر ایمان لائیں ﴿فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ﴾ پس عاجزی کریں اس کے سامنے ان کے دل ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَهَادِ الَّذِیْنَ﴾ البتہ راہنمائی کرنے والا ہے ان لوگوں کی ﴿اٰمَنُوْۤا﴾ جو ایمان لائے ﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ سیدھے راستے کی طرف ﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِیْنَ﴾ اور ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر اختیار کیا

﴿فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ﴾ شک میں اس قرآن کے بارے میں ﴿حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ﴾ یہاں تک کہ آئے ان کے پاس قیامت ﴿بَغْتَةً﴾ اچانک ﴿اَوْ یَاْتِیَهُمْ﴾ یا آئے ان کے پاس ﴿عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ﴾ ایسے دن کا عذاب جو نامبارک ہے ﴿اَلْمُلْكُ یَوْمَىٕذٍ لِّلّٰهِ﴾ ملک اس دن اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوگا ﴿یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ﴾ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ﴿فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ پس وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل اچھے کیے ﴿فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ﴾ نعمت کے ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿فَاُولٰٓىٕكَ﴾ پس وہ لوگ ہیں ﴿لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴾ ان کے لیے عذاب ہوگا رسوا کرنے والا۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے ﴿مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ﴾ کوئی رسول اور نہ نبی ﴿اِلَّاۤ﴾ مگر یہ بات ان کے ساتھ ہوتی رہی ہے جو آگے آرہی ہے۔رسول اور نبی دو لفظ ہیں۔بعض علمائے عربیت تو فرماتے ہیں کہ رسول اور نبی میں معنیٰ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے صرف لفظوں کا فرق ہے۔بعض فرماتے ہیں کہ رسول اسے کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب اور شریعت عطا کی ہو۔اور نبی اسے کہتے ہیں جس کو مستقل کتاب نہ ملی ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا فرمائی وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔اور ہارون علیہ السلام کو علیحدہ کتاب نہیں ملی وہ نبی ہیں۔

اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّیْطٰنُ کی تفسیر

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر ﴿اِذَا تَمَنّٰۤى﴾ کے معنیٰ قَرَءَ کے ہیں۔جس وقت انھوں نے اپنی قرأت شروع کی، اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھنا شروع کیا ﴿اَلْقَى الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِهٖ﴾ ڈال دیا شیطان نے اس کے پڑھنے میں وسوسہ لوگوں کے دلوں میں۔اللہ تعالیٰ کا پیغمبر رب تعالیٰ کا حکم سناتا تھا شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا تھا۔مثلاً:
قرآن کریم کی جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ [المائدہ:۳]
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے پڑھا ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ﴾ "وہ جانور جو خود بخود مر جائے وہ تم پر حرام کر دیا گیا ہے۔"
تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالے کہ دیکھو! کیا کہہ رہا ہے کہ جس کو رب تعالیٰ مار دے وہ حرام ہے اور جس کو یہ خود ماریں ذبح کریں وہ حلال ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ مارتا دونوں کو اللہ تعالیٰ ہے ہاں! جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے پاک ہو گیا ہے ﴿فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ﴾ [انعام:۱۱۸]

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ جانور کے بدن میں جو خون ہے وہ حرام ہے ذبح کرنے سے نکل جاتا ہے اس کے ساتھ زہریلے مادے ہوتے ہیں وہ بھی خارج ہو جاتے ہیں وہ انسان کی صحت کے لیے انتہائی مضر ہیں۔اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ جانور کو ذبح کرو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر تو وہ فاسد اور خراب خون بہہ

جائے گا باقی تم کھالو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح نہیں کیا گیا تو وہ زہریلا مادہ اور خون اندر ہے اور یہ تمھاری صحت کے لیے مضر ہے لہٰذا نہ کھاؤ۔ فرمایا ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ [الانعام: ۱۲۱] "اور نہ کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔" تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسے کو دور کر دیا۔

شیطان کا وسوسہ اور اس کا جواب

اسی طرح جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ﴾ "بے شک تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا سب جہنم کا ایندھن ہیں اور تم اس میں داخل ہونے والے ہو ﴿لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا﴾ اگر یہ معبود ہوتے تو دوزخ میں نہ داخل ہوتے ﴿وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ سارے اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ﴾ اس میں ان کے لیے گدھے کی آواز ہوگی ﴿وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ [الانبیاء: ۱۰۰،۹۹-۹۸] اور وہ اس میں نہیں سنیں گے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ دیکھو! یہ پیغمبر کہتا ہے کہ تم بھی اور تمھارے معبود بھی دوزخ میں جائیں گے اور عبادت تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ہوئی ہے ان کی والدہ کی بھی ہوئی ہے، عزیر علیہ السلام کی بھی ہوئی ہے، فرشتوں کی بھی ہوئی ہے۔ پھر تو بڑے مزے کی بات ہے کہ یہ سارے وہاں ہوں گے۔ چنانچہ عبداللہ ابن زبعریٰ نام کا ایک شخص تھا اس نے برملا کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ یہ کہتے ہیں تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرنے والے بھی ہیں، عزیر علیہ السلام کی بھی پوجا ہوئی ہے، فرشتوں کی بھی لوگ پوجا کرتے ہیں۔ تو اگر یہ سارے دوزخ میں ہوں گے اور ہم بھی ہوں گے تو اچھی بات ہے وہ دوزخ ہمارے لیے جنت ہے۔ تو شیطان نے جب یہ وسوسہ ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے رفع فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى﴾ "بے شک وہ لوگ جن کے لیے طے ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی ﴿اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾ یہ لوگ اس سے دور رکھے جائیں گے۔" ان نیکوں کی بات نہیں ہو رہی ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا﴾ "یہ تو جہنم کی شوں شوں بھی نہیں سنیں گے۔"

تو فرمایا جب شیطان پیغمبر کی قرأت کی وجہ سے وسوسہ ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں ﴿فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ﴾ پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس چیز کو جو ڈالتا ہے شیطان ﴿ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ﴾ پھر مضبوط کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو۔ جیسے شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ جو خود ماریں حلال اور جو اللہ تعالیٰ مارے حرام۔ اللہ تعالیٰ نے اس شبے کو دور کر دیا کہ جس کو ذبح کیا گیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے اور جو خود مرا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا اس لیے پاک نہیں ہوا۔ باقی مارا دونوں کو رب تعالیٰ نے ہے۔ اور مشرک اور جن کی انھوں نے پوجا کی ہے وہ سب جہنم میں ہوں گے اس پر شیطان نے شبہ ڈالا کہ عبادت تو انبیائے کرام اور فرشتوں کی بھی ہوئی ہے تو کیا وہ بھی دوزخ میں جائیں گے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو دور کر دیا کہ جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلائی طے ہو چکی ہے ان کو دوزخ سے دور کر دیا جائے گا۔ اس طرح آیات کو محکم کر دیا کہ یہ معبودان باطلہ کی بات ہو رہی ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ علم والے حکمت والے ہیں۔

﴿لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً﴾ تا کہ کر دے اس چیز کو جو شیطان ڈالتا ہے آزمائش ﴿لِّلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ جن کے دلوں میں بیماری ہے کفر شرک کی ﴿وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور جن کے دل سخت ہیں اور شبہ کو نہیں چھوڑتے اور وضاحت ہو جانے کے باوجود وہی باتیں دہراتے ہیں کہ دیکھو جی! ایک طرف تو کہتا ہے کہ تم اور تمھارے معبود دوزخ میں جائیں گے پھر انبیائے کرام اور فرشتے بھی تو معبود ہیں ان کی عبادت کی گئی ہے ان کو الگ کرتا ہے۔ خدا کا مارا حرام اپنا مارا حلال۔ کافر ان شبہات کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں ان کے دل سخت ہیں ﴿وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ﴾ اور بے شک ظالم دور کے اختلاف میں مبتلا ہیں، ان کا حق کے ساتھ اختلاف بہت دور کا ہے ﴿وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ اور تا کہ جان لیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے ﴿اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ بے شک یہ قرآن حق ہے آپ کے رب کی طرف سے ﴿فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ﴾ پس اس پر وہ ایمان لائیں ﴿فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ﴾ پس عاجزی کریں اس کے سامنے ان کے دل ﴿وَ اِنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ راہنمائی کرتا ہے ان لوگوں کی جو ایمان لائے ﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ سیدھے راستے کی طرف۔ عقیدہ بھی صحیح ہوگا، نمازیں بھی پڑھیں گے، روزے بھی رکھیں گے، حج بھی کریں گے، حلال حرام کی تمیز بھی کریں گے، اخلاق بھی اچھے ہوں گے، یہ صراط مستقیم کا خلاصہ ہے۔ ﴿وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ﴾ شک میں اس قرآن کے بارے میں۔

قرآن کو حقیقتاً ماننے والے بہت تھوڑے ہیں

آج بھی بے شمار مخلوق ہے جو قرآن پاک کو نہیں مانتی اور جو زبانی طور پر ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں انصاف سے دیکھا جائے تو ان میں بھی ماننے والے بہت تھوڑے ہیں جو قرآن پاک کے احکام پر عمل کرنے والے ہیں۔ ایک وراثت کا مسئلہ ہی لے لو۔ کتنے لوگ ہیں جو نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں، زکاتیں دیتے ہیں لیکن ورثاء کا حق شرعی نہیں دیتے۔ اور بہت سے مسائل ہیں جن پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو کیا ماننا ہوا؟ تو کافر لوگ قرآن پاک کے متعلق شک میں رہیں گے ﴿حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ یہاں تک کہ آئے ان کے پاس قیامت اچانک ﴿اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ﴾ یا آئے ان کے پاس اس دن کا عذاب جو نامبارک ہے۔

عقیم اصل میں بانجھ عورت کو کہتے ہیں جس کی اولاد نہیں ہوتی۔ اس کو بھی لوگ نامبارک سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ)) "ایسے خاندان کی عورتوں سے شادی کرو جو محبت کرنے والیاں ہوں اور بچے زیادہ جننے والیاں ہوں پس بے شک میں فخر کروں گا تمھاری کثرت کی وجہ سے دوسری اُمتوں پر قیامت والے دن۔" ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا حضرت! میں غریب آدمی ہوں پیسہ دھیلا میرے پاس کچھ نہیں ہے میں ایک ایسی مطلقہ عورت کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں جو بانجھ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس سے

گریز کرو۔ گریز کا مطلب یہ ہے کہ تم ایسی عورت سے شادی کرو جس سے تمھاری اولاد ہو اور میں کثرتِ اُمت پر قیامت والے دن فخر کروں۔ تو عقیم کے معنیٰ بانجھ کے ہیں۔ لفظی ترجمہ کرتے ہیں نامبارک۔ عذاب والے دن کافروں کے لیے کوئی برکت نہیں ہوگی ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَىٕذٍ لِّلّٰهِ﴾ ملک اس دن اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہوگا۔ آج تو کہتے ہیں نا ہمارا ملک، ہماری حکومت، ہماری سلطنت، اس دن اعلان ہوگا ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ "آج ملک کس کا ہے۔" پھر جواب آئے گا ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ [مومن:۱۶] "اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو اکیلا ہے دبانے والا ہے۔"

﴿يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ﴾ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان عملی فیصلہ۔ دلائل کے ذریعے تو حق و باطل کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ وہاں یہ فیصلہ ہوگا ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ پس وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ نعمتوں کے باغوں میں ہوں گے، خوشی کے باغ ہوں لیکن اس کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں، ایمان اور عملِ صالح۔ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اور انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو جیسے ابھی تم نے دو مثالیں سنی ہیں حرام حلال کی اور معبودانِ باطلہ کے دوزخ میں جانے کی ﴿فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ پس وہ لوگ ہیں جن کے لیے عذاب ہوگا رسوا کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام مومنین اور تمام مومنات کو تمام مسلمین اور مسلمات کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے اور بچائے۔ [آمین!]

﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿هَاجَرُوْا﴾ جنھوں نے ہجرت کی ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿ثُمَّ قُتِلُوْٓا﴾ پھر وہ قتل کیے گئے ﴿اَوْ مَاتُوْا﴾ یا مر گئے ﴿لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ﴾ ضرور رزق دے گا ان کو اللہ تعالیٰ ﴿رِزْقًا حَسَنًا﴾ اچھا رزق ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَهُوَ﴾ البتہ وہی ہے ﴿خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ سب سے بہتر رزق دینے والا ﴿لَيُدْخِلَنَّهُمْ﴾ البتہ ضرور داخل کرے گا ان کو ﴿مُّدْخَلًا﴾ داخل کرنے کی جگہ ﴿يَّرْضَوْنَهٗ﴾ جس کو وہ پسند کریں گے ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَعَلِيْمٌ﴾ البتہ جاننے والا ﴿حَلِيْمٌ﴾ تحمل والا ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ ایسے ہی ہوگا ﴿وَمَنْ عَاقَبَ﴾ اور جس نے بدلہ لیا ﴿بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ﴾ مثل اس کے جو اس کو تکلیف دی گئی ﴿ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ﴾ پھر اس پر زیادتی کی گئی ﴿لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ﴾ البتہ ضرور مدد کرے گا اس کی اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَعَفُوٌّ﴾ بہت معاف کرنے والا ہے ﴿غَفُوْرٌ﴾ بخشنے والا ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ ﴿بِاَنَّ اللّٰهَ﴾ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ﴾ داخل کرتا ہے رات کو ﴿فِي النَّهَارِ﴾ دن میں ﴿وَيُوْلِجُ النَّهَارَ﴾ اور داخل کرتا ہے دن کو ﴿فِي الَّيْلِ﴾ رات میں ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی سننے والا، دیکھنے والا ہے

﴿ذٰلِكَ﴾ یہ ﴿بِاَنَّ اللّٰهَ﴾ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الْحَقُّ﴾ ہی وہ حق ہے ﴿وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اور بے شک وہ جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿هُوَ الْبَاطِلُ﴾ وہ باطل ہیں، بیکار ہیں ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ ہی بلند شان والا ہے، بڑا ہے ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اُتارا ہے آسمان سے ﴿مَآءً﴾ پانی ﴿فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ﴾ پس ہوگئی زمین ﴿مُخْضَرَّةً﴾ سرسبز ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَطِيْفٌ﴾ باریک بین ہے ﴿خَبِيْرٌ﴾ خبردار ہے ﴿لَهٗ﴾ اسی کے لیے ہے ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ البتہ وہی ہے بے پروا، تعریفوں والا۔

مومنوں کے بعض نیک اعمال کا ذکر

پچھلے رکوع کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل اچھے کیے وہ نعمتوں اور خوشی کے باغوں میں ہوں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے بعض نیک کام ذکر کیے ہیں اور ہیں وہ مشکل۔ فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔ ہم تو صرف ہجرت کا لفظ بول سکتے ہیں عملاً ہجرت کریں تو پتا چلے کہ مکانات، دکانیں، زمینیں، باغات، اپنی بود و باش کی سب چیزیں چھوڑ کر نکلنا کیسا ہے؟ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور پھر نکلیں بھی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔ بڑا مشکل مسئلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مومنوں کے ساتھ وعدہ

وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ﴿ثُمَّ قُتِلُوْٓا﴾ پھر قتل کر دیے گئے، شہید کیے گئے۔ بعض مہاجرین کو ظالموں نے راستے ہی میں شہید کر دیا اور بعض کو بعد میں شہادت نصیب ہوئی ﴿اَوْ مَاتُوْا﴾ یا مر گئے طبعی موت۔ اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ وعدہ ہے ﴿لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا﴾ ضرور رزق دے گا اللہ تعالیٰ اچھا رزق۔ مرنے کے بعد قبر میں خوراک اور رزق ملتا ہے جو ان کی شان اور برزخ قبر کے حال کے مناسب ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: ((اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النِّيْرَ)) ان "یہ جو قبر گڑھے کی شکل میں نظر آتی ہے یہ یا تو جنت کے باغوں میں باغ بن جاتی ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے گڑھا بن جاتی ہے۔" یہ باغ اور گڑھا دنیا سے بنا کر جاتا ہے وہاں کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہاں تو مردہ منتظر ہوتا ہے کہ میرے لیے کوئی دعا کرنے والا ہو وہاں کوئی بس نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کو رزق دے گا اور ایسا رزق کہ آج کسی کے خیال میں بھی نہیں آ سکتا ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ البتہ وہی ہے سب سے بہتر رزق دینے والا۔ مجازی طور پر والد بھی

اولاد کو رزق دینے والا ہے، آقا بھی اپنے غلاموں کو کھلاتا ہے، لوگ جانوروں کو بھی چارا ڈالتے ہیں مگر پیدا تو کوئی ایک دانہ بھی نہیں کرسکتا۔ پیدا تو صرف رب تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

دوسرا وعدہ ﴿لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا﴾ البتہ ضرور داخل کرے گا اللہ تعالیٰ ان کو ایسی داخل کرنے کی جگہ میں ﴿يَّرْضَوْنَهٗ﴾ جس کو وہ پسند کریں گے۔ جنت کا سکھ، چین، آرام آج ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ آج اگر جنت کا نقشہ سامنے ہو تو سارے اس کی طرف دوڑیں اور جہنم کا نقشہ ہمارے سامنے ہو تو سارے اس سے دور بھاگیں۔ آج ہم لفظی اور زبانی طور پر جنت جنت اور دوزخ دوزخ کہتے ہیں۔

ہم نے نہ موت کو سمجھا ہے نہ قبر حشر کو

حقیقت یہ ہے کہ نہ ہم نے موت کو سمجھا ہے، نہ قبر کو، نہ جنت کو، نہ دوزخ کو، نہ میدان محشر کو۔ جب تک آدمی حقیقت تک نہ پہنچے تو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ایک آدمی سارا دن ورد کرتا رہے کہ کھانا بھوک کو ختم کرتا ہے، کھانا بھوک کو ختم کرتا ہے اور کھائے نہ تو کیا بھوک ختم ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں! بھوک ختم ہوگی کھانے سے، پیاس بجھے گی پانی پینے سے، لفظوں سے پیاس نہیں بجھے گی کہ پانی پیاس بجھاتا ہے، پانی پیاس بجھاتا ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ ہمارا ایمان زبانی ہے، لفظی ہے، نہ رب تعالیٰ کی حقیقت کو سمجھا ہے اور نہ کوئی سمجھ سکتا ہے اور نہ اس کی صفات پر ہمارا صحیح ایمان ہے۔ قرآن پاک کو زبانی طور پر مانتے ہیں مگر اس کے احکامات پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں قبر کے معاملات کا احساس نہیں ہے، قیامت اور حشر صرف سننے سنانے کی حد تک ہے ان کی سنگینی کا ہمیں احساس نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی تیاری ہے۔ ہماری ساری تگ و دو دنیا کے لیے ہے۔

دیکھو! کتنی سردی ہے مگر جن لوگوں نے ڈیوٹی پر جانا ہے وہ اپنے وقت پر ڈیوٹی پر پہنچتے ہیں اور جب نماز کی باری آتی ہے منہ رضائی سے باہر نکالنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پختہ نمازیوں کی بات نہیں کر رہا "چڑک لگو" کی بات کر رہا ہوں جن کی نماز کے لیے اُٹھنے کی نیت ہی نہیں ہے۔ تو جس طرح کی نیت ہوگی پھل بھی اس طرح کا ملے گا۔ رب تعالیٰ ایسے تو رحمت سے نہیں نوازے گا کچھ کرو گے تو نوازے گا ورنہ بڑی مشکل بات ہے۔ ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ﴾ البتہ جاننے والا تحمل والا ہے۔ اگر وہ فوراً کسی کو سزا نہیں دیتا تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میں بچ گیا ہوں وہ رتی رتی کا حساب جانتا ہے۔ جس نے رتی برابر بھی نیکی کی تو اس کا بدلہ ملے گا اور جس نے رتی برابر بھی بدی کی تو سزا پائے گا ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ اسی طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہتر رزق عطا فرمائیں گے اور ایسی جگہ میں داخل کرے گا جس کو وہ پسند کریں گے۔

بدلہ لینے کی کیفیت

آگے حکم بیان فرمایا ہے ﴿وَمَنْ عَاقَبَ﴾ اور جس نے بدلہ لیا ﴿بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ﴾ مثل اس کے جو اس کو تکلیف دی گئی ﴿ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ﴾ پھر اس پر زیادتی کی گئی ﴿لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ﴾ البتہ ضرور مدد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴾

بے شک اللہ تعالیٰ البتہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

اب مسئلہ سمجھ لو۔ اگر کسی آدمی نے کسی آدمی پر زیادتی کی قولاً کہ اس کو گالی گلوچ کیا بُری باتیں کہیں یا عملاً زیادتی کی کہ اس کو مارا پیٹا۔ تو یہ جو مظلوم ہے اس کو اختیار ہے چاہے تو معاف کر دے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔ معاف کر دیا تو معاملہ طول نہیں پکڑے گا اگر وہ ظالم کچھ شریف ہے تو ضرور نادم ہوگا کہ میں نے اس کے ساتھ زیادتی کی مگر اس نے معاف کر دیا۔ اور اگر بدلہ لینا چاہے تو لے سکتا ہے مگر اتنا کہ جتنی اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ مثلاً: اگر کسی نے ایک گالی نکالی ہے تو ایک گالی نکال سکتا ہے بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ گالی نہ نکالے اور یوں کہے تو نے جو مجھے کہا ہے وہ تم خود ہو۔ زبان کے پلید ہونے سے جھوٹ اور غیبت سے بچ جائے گا۔ گالی گلوچ سے آج ہماری زبانیں پلید ہیں جس کی وجہ سے ہماری دعاؤں میں کوئی اثر نہیں ہے۔ قرآن پاک پڑھتے ہیں تو اس کا اثر نہیں ہوتا۔ ہمارے اعمال بُرے ہیں نیکی کا کوئی اثر نہیں ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: ((مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَ الْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ بِاَنْ يَدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ)) "جس آدمی نے جھوٹ نہ چھوڑا اور جھوٹا عمل نہ چھوڑا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا مرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" یعنی اس کے روزوں کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آج ہمارا سارا کاروبار ہی جھوٹ فریب پر مبنی ہے۔ خدا پناہ! آج ہم اخلاقی لحاظ سے حیوانوں سے بھی گر چکے ہیں۔ جب انسان، انسان ہوتا تھا، آدمی ہوتا تھا تو اس کا بڑا بلند مقام تھا۔ آج انسانیت ہم سے شرماتی ہے۔ تو خیر مظلوم اگر درگزر کرے تو بہتر ہے اور اگر بدلہ لینا چاہے تو لے سکتا ہے مگر اتنا لے جتنی اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ اگر ظالم نے ایک مکا مارا ہے تو یہ دو نہیں مار سکتا اگر ایک گالی دی ہے تو دو نہیں دے سکتا۔ مگر اس کی پابندی کون کرے گا؟ انسان کو جب غصہ آتا ہے تو اس کا توازن برقرار نہیں رہتا ایسے موقع پر انسان کی انسانیت کو خطرہ ہوتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

اس لیے مسئلہ یہ ہے کہ غصے میں کوئی جج اور قاضی فیصلہ نہ کرے۔ اگر کیا تو وہ فیصلہ شرعاً نافذ نہیں ہوگا۔ غصے میں بندے کا دماغی توازن قائم نہیں رہتا کچھ کا کچھ کر جائے گا۔ صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ سے پہلے جتنے پیغمبر گزرے ہیں وہ مستثنیٰ ہیں کہ پیغمبر غصے کی حالت میں بھی فیصلہ کرے تو وہ حق ہوتا ہے۔

فرمایا جس نے انتقام لیا اتنا جتنی اس کے ساتھ زیادتی کی گئی ﴿ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ﴾ پھر اس پر زیادتی کی گئی کہ ظالم نے کہا تو میرے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا ہے اور مجھ سے بدلہ لیا ہے پھر اس کے ساتھ زیادتی کی تو ﴿لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ﴾ البتہ ضرور مدد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اللہ تعالیٰ مظلوم کی مدد کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے کا گورنر بنا کر بھیجا تو بہت سی ہدایات دیں۔ ان میں ایک ہدایت یہ بھی فرمائی کہ: اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ "اے

معاذ! مظلوم کی بددعا سے بچنا فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ کیوں کہ اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے عرش کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔"مظلوم کی بددعا عرش الٰہی کے کنگروکو جا ہلاتی ہے۔تو فرمایا اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے۔اس لفظ میں یہ ترغیب دی گئی ہے کہ اگر کوئی تمھارے ساتھ زیادتی کرے تو درگزر کرو۔

﴿ذٰلِكَ﴾ یہ رب تعالیٰ بخشنے والا ہے کیوں کہ وہ قادر ہے۔اس کی قدرت کی پہلی دلیل: ﴿بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے رات کو دن میں۔گرمی کے موسم میں دن لمبے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کے اجزاء دن میں داخل کردیتے ہیں ﴿وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔سردیوں میں راتیں لمبی ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ دن کے اجزاء رات میں داخل کردیتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ کی قدرت رات دن میں دیکھ سکتے ہو،موسموں کے بدلنے میں دیکھ سکتے ہو ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔اللہ تعالیٰ سے کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے قریب دور سے سننے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ادب واحترام

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ [الحجرات:۲] "اے ایمان والو! نہ بلند کرو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر۔" اگر ایسا کرو گے تو تمھارے اعمال برباد ہوجائیں گے اور تمھیں خبر بھی نہیں ہوگی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ بات اتنی آہستہ کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن نہیں سکتے تھے۔بخاری شریف کی روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے اے عمر! میں نے نہیں سنا تم نے کیا کہا ہے؟ دیکھو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجلس میں بولتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں سنا اور آج یہ بدعتی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہماری یہاں کی بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سنتے ہیں روضہ مبارک میں۔پھر دیکھو! قرآن کریم کا حکم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں باآواز بلند بات کرنے سے سب اعمال اکارت ہوجائیں گے اور یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر وناظر بھی سمجھتے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں۔بھئی! جب تم حاضر ناظر سمجھتے ہو تو چلاتے کیوں ہو؟ تو سمیع و بصیر صرف رب تعالیٰ ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی وہ حق ہے وہی سچا ہے ﴿وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اور بے شک وہ جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿هُوَ الْبَاطِلُ﴾ وہ بیکار ہیں۔وہ چاہے نبی ہوں، ولی ہوں خدائی اختیارات کسی کے پاس نہیں ہیں۔خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے اندر اعلان کروایا ﴿لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ [جن:۲۱] "اے امتیو! سن لو: میں تمھارے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" اور سورۃ الاعراف میں ہے ﴿لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ "نہیں ہوں میں مالک اپنے نفع نقصان کا۔" تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں تو

دنیا میں کون مائی کالال ہے کہ اس کے پاس خدائی اختیارات ہوں؟ بالکل نہیں! ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بڑی بلند اور بڑی ہے۔ اس کی ذات سے کوئی بلند اور بڑا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی اور دلیل: ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اے مخاطب! آپ نے نہیں دیکھا ﴿اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے اُتارا ہے آسمان سے پانی، بارش وہ نازل کرتا ہے ﴿فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً﴾ پس ہوگئی زمین سرسبز۔ وہ ہواؤں کو حکم دیتا ہے وہ بادلوں کو اکٹھا کرتی ہیں پھر اپنی قدرت سے رطوبت بھر کر بارش برساتا ہے۔ بارش کی قدر بارانی علاقوں سے پوچھو بارش نہ ہو تو ان کا کیا حال ہوتا ہے۔ نہری علاقوں پر بھی اثر پڑتا ہے۔ بارشیں نہ ہوں تو زمینی پانی سطح زمین سے نیچے چلا جاتا ہے ٹیوب ویل بھی پورا پانی نہیں دیتے اور بارشوں کو ہمارے اعمال روکتے ہیں۔ یہ تو کہتے ہیں کہ بارشیں نہیں ہو رہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ یقین جانو! ہمارے اعمال کا ان چیزوں کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ مہنگائی کے ساتھ، صنعت کی تباہی کے ساتھ، بدامنی اور افراتفری کے ساتھ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانۂ نزول میں برکات

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے دین نافذ ہوگا، دین کی برکات سے ایک ایک انار اتنا بڑا ہو گا کہ اس کے آدھے خول کے نیچے دس آدمی بیٹھ سکیں گے۔ ایک بکری کے دودھ سے کئی خاندانوں کی کفالت ہوگی۔ ایک گائے اتنا دودھ دے گی کہ سارا گاؤں سیر ہو جائے گا۔ آج یہ برکات نہیں کیوں کہ ہمارے اعمال خراب ہیں ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ﴾ [روم: ۴۱] "پھیل گیا ہے فساد خشکی اور تری میں اس وجہ سے جو انسانوں کے ہاتھوں نے کمایا ہے۔" ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین ہے خبردار ہے ﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ﴾ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ اسی کا تصرف ہے اسی کی ملک ہے دوسرا نہ کوئی خالق نہ کوئی مالک نہ متصرف، صرف رب العالمین سب کچھ ہے ﴿وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ بے پروا ہے ہماری عبادتوں کا وہ محتاج نہیں ہے یہ ہمارے ہی کام آئیں گی، تعریفوں والا ہے۔ وہی قابل تعریف ہے اگر تم رب تعالیٰ کی تعریف نہیں کرو گے تو زمین کا ذرہ ذرہ اور پانی کا ایک ایک قطرہ، شجر و حجر سب اس کی تعریف کرتے ہیں اس کی تسبیح پڑھتے ہیں ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ [بنی اسرائیل: ۴۴] "اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم اس کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔"

﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ﴿سَخَّرَ لَكُمْ﴾ تابع کر دیا ہے تمھارے ﴿مَّا فِي الْاَرْضِ﴾ جو زمین میں ہیں ﴿وَالْفُلْكَ﴾ اور کشتیاں ﴿تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ﴾ چلتی ہیں سمندر میں ﴿بِاَمْرِهٖ﴾ اس کے حکم کے ساتھ ﴿وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ﴾ اور اس نے روکا ہے آسمان کو ﴿اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ﴾ یہ کہ گرے زمین پر ﴿اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ مگر اس کے حکم سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ ﴿لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ البتہ شفقت کرنے والا، مہربان ہے ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ﴾ اور وہ وہ ذات ہے ﴿اَحْيَاكُمْ﴾ جس نے تمھیں زندہ کیا ﴿ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ﴾ پھر وہ تمھیں مارے گا ﴿ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ﴾ پھر وہ تمھیں زندہ کرے گا ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ﴾ بے شک انسان البتہ ناشکرا ہے ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ﴾ ہر اُمت کے لیے ﴿جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ بنائی ہم نے قربانی ﴿هُمْ نَاسِكُوْهُ﴾ وہ اس کو کرنے والے ہیں ﴿فَلَا يُنَازِعُنَّكَ﴾ پس ہرگز نہ جھگڑا کریں وہ آپ سے ﴿فِي الْاَمْرِ﴾ معاملے میں ﴿وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ﴾ اور آپ دعوت دیں اپنے رب کی طرف ﴿اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى﴾ بے شک آپ البتہ ہدایت پر ہیں ﴿مُّسْتَقِيْمٍ﴾ جو سیدھی ہے ﴿وَاِنْ جٰدَلُوْكَ﴾ اور اگر وہ جھگڑا کریں آپ سے ﴿فَقُلِ﴾ تو آپ کہہ دیں ﴿اللّٰهُ اَعْلَمُ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿بِمَا﴾ ان کارروائیوں کو ﴿تَعْمَلُوْنَ﴾ جو تم کرتے ہو ﴿اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا تمھارے درمیان ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿فِيْمَا﴾ ان چیزوں میں ﴿كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ﴾ کیا آپ نہیں جانتے ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يَعْلَمُ﴾ جانتا ہے ﴿مَا فِي السَّمَآءِ﴾ جو کچھ آسمان میں ہے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ﴾ بے شک یہ سب لکھا ہوا ہے کتاب میں ﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ بے شک یہ بات اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر دیکھنے والے کو اپنی قدرت دیکھنے کی دعوت دیتے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ ہر دیکھنے والے کو دعوت دیتے ہیں۔ اے دیکھنے والے ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا ﴿اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تابع کر دیا ہے تمھارے ﴿مَّا فِي الْاَرْضِ﴾ ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں۔ حیوان تمھارے تابع، درخت تمھارے تابع، نہریں تمھارے تابع۔ مثلاً: گھوڑا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے کتنی طاقت رکھی ہے مگر رب نے تمھارے تابع کیا ہے جیسے چاہو دوڑاؤ اور جدھر چاہو پھیرو۔ لیکن تم رب تعالیٰ کے تابع نہیں ہوئے۔ اسی لیے آگے فرمایا انسان بڑا ناشکرا ہے۔ اے انسان! تجھے سوچنا چاہیے کہ بڑے بڑے قدآور اور طاقت ور جانور اللہ تعالیٰ نے تمھارے تابع کیے

ہیں جہاں چاہو لے جاؤ، باندھو، کھول دو، ذبح کردو، وہ انکار نہیں کرتے حالانکہ تم ان کے خالق نہیں ہو اور نہ ان کی خوراک کے خالق ہو۔ نہ چارا تم نے پیدا کیا ہے اور نہ پانی تم نے پیدا کیا ہے، نہ ہوا تم نے پیدا کی ہے صرف مجازی طور پر تم ان کے مالک ہو وہ تمھاری بات مانتے ہیں اے انسان! تو سوچ تجھے رب تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور تیری ساری ضروریات اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں مگر تم رب تعالیٰ کی کتنی اطاعت کرتے ہو؟ گائے بھینس ایک دو دن دودھ نہ دے تو تم لاٹھی لے کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہو اور خود تم دن رات رب تعالیٰ کی نافرمانی میں گزارتے ہو۔ نمازیں نہیں پڑھتے، روزے نہیں رکھتے، رب تعالیٰ کی لاٹھی کا بھی پتا ہے کہ کتنی سخت ہے۔ رب تعالیٰ کی گرفت سے بچو اور جانوروں سے سبق حاصل کرو۔ انسان اگر سوچے تو معمولی باتوں سے بھی نتیجہ اخذ کر سکتا ہے اور نہ سمجھنا چاہے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے اور نہ ہی ضد کا دنیا میں کوئی علاج ہے۔

تو فرمایا اے مخاطب! آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے کام میں لگا دیا ہے جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَالْفُلْكَ﴾ اور کشتیاں بھی تمھارے تابع کی ہیں ﴿تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ﴾ جو چلتی ہیں سمندر میں ﴿بِاَمْرِهٖ﴾ رب تعالیٰ کے حکم کے ساتھ۔ اس زمانے میں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں ہوا کے رخ کے مطابق چلتی تھیں اب ترقی ہوگئی ہے بڑے بڑے بحری جہاز تیار ہو گئے ہیں جو اِدھر کا سامان اُدھر اور اُدھر کا سامان اِدھر لے آتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے خشکی کی چیزیں بھی تمھارے تابع کی ہیں اور سمندر کی بھی ﴿وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ﴾ اور اس نے روکا ہے آسمان کو اس سے کہ گر پڑے زمین پر۔ آسمان کے نیچے نہ دیوار ہے نہ ستون ہے۔ اتنا بڑا اور وسیع آسمان اس قادرِ مطلق کے حکم سے رکا ہوا ہے۔ آسمان تو آسمان ہے اگر ایک ستارہ گر پڑے تو دنیا تباہ ہو جائے۔ پچھلے دنوں وہمی قسم کے سائنسدانوں نے یہ شوشہ چھوڑا تھا کہ سال ڈیڑھ سال کے بعد ایک ستارہ زمین پر گرے گا۔ اس سے لوگوں کے ہوش و حواس خطا ہو گئے، بے چاروں کے پاخانے خشک ہو گئے کہ ہمارا کیا بنے گا؟

تو اللہ تعالیٰ نے آسمان کو روکا ہوا ہے زمین پر گرنے سے ﴿اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ گرے گا۔ جب قیامت قائم ہوگی اس وقت نہ آسمان رہے گا اور نہ بلند پہاڑ رہیں گے، نہ کوئی ٹیلا رہے گا سب نشیب و فراز ختم ہو جائیں گے۔ زمین ایسی ہموار ہو جائے گی کہ اگر مغرب سے انڈا لڑھکایا جائے تو مشرق تک اس کو کوئی روکنے والی چیز نہ ہوگی۔ فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ البتہ شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ اس کی مہربانی ہے کہ نافرمانی کے باوجود اس نے صحت دی ہے، اولاد دی ہے، مال دیا ہے۔ دنیاوی ترقیاں بھی دی ہیں، گرمی سردی کے لوازمات بھی دیئے ہیں۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ﴾ اور وہ وہ ذات ہے ﴿اَحْيَاكُمْ﴾ جس نے تمھیں زندہ کیا۔ جب ماں کے پیٹ میں بچے کا ڈھانچا تیار ہو جاتا ہے، شکل و صورت بن جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے کو حکم دیتے ہیں کہ اس کے بدن میں روح پھونک دو۔ ماں کی ایک رگ ناف کے ساتھ جوڑ دی جاتی ہے جس کے ذریعے اس کو خوراک ملتی ہے اس کے بعد پانچ ماہ تک بچہ ماں کے پیٹ میں زندہ رہتا ہے یہ رب تعالیٰ کی قدرت ہے ورنہ سانس لینے کی جگہ ہی نہیں ہے۔ ﴿ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ﴾ پھر وہ تمھیں مارے گا لہٰذا موت کو ہر وقت یاد رکھو۔

موت کو کثرت سے یاد کرو اور مراقبے کا بیان

حدیث پاک میں آتا ہے: ((اَکْثِرُوْا ذِکْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ)) ”موت کو ہر وقت پیش نظر رکھو۔“ بلکہ بعض بزرگان دین کے بیعت کے جو سلسلے ہیں ان میں ایک مراقبہ موت کا بھی ہے کہ انسان تنہائی میں بیٹھ کر اپنی موت کے متعلق سوچے (کہ میری روح قبض کرنے کے لیے جنتی فرشتے آئیں گے یا جہنمی، قبر میں منکر نکیر آئیں گے یا مبشر بشیر، حشر والے دن نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں ہاتھ میں۔ نواز بلوچ) اور یہ نقشہ سامنے لائے اور تصور کرے کہ میرے مرنے کا وقت ہے عزیز رشتہ دار کھڑے ہیں، ڈاکٹر حکیم کھڑے ہیں اور سب بے بس نظر آرہے ہیں۔ فرشتے نے آکر میری جان نکال لی اور میں بے بس پڑا ہوں مجھے غسل دیا جا رہا ہے کفن پہنایا جا رہا ہے، چارپائی اٹھا کر قبرستان لے جایا جا رہا ہے پھر جنازے کے بعد مجھے دفن کر دیا جائے گا پھر میں ہوں گا اور میرے اعمال ہوں گے۔ پھر میرے ساتھ میرے اعمال کے مطابق برتاؤ ہوگا نہ میرے پاس ماں ہوگی نہ باپ، نہ بہن بھائی، عزیز رشتہ دار۔ اگر آدمی روزانہ یہ مراقبہ کرے تو اعمال صحیح ہو سکتے ہیں۔ تو فرمایا پھر وہ تمھیں مارے گا ﴿ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ﴾ پھر وہ تمھیں زندہ کرے گا قیامت والے دن۔ رب تعالیٰ کی نعمتیں تو بے شمار ہیں مگر ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ﴾ بے شک انسان البتہ ناشکرا ہے۔ سورۃ سبا آیت نمبر ۱۳ میں ہے ﴿وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ﴾ ”اور بہت تھوڑے ہیں میرے بندوں میں شکر کرنے والے۔“ نافرمان ناشکرے بہت ہیں۔

حضور ﷺ نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جانور کا گوشت نہیں کھایا

پہلے قربانی کا مسئلہ گزرا ہے۔ اور قربانی کے تین دن ہیں دس، گیارہ، بارہ۔ مشرک غیر اللہ کے نام پر قربانی کرتے تھے لات کے نام کی، کبھی منات اور کبھی عزیٰ کے نام کی۔ ایک دفعہ انھوں نے عزیٰ کے نام پر ذبح کیا گوشت محلے میں تقسیم کیا آنحضرت ﷺ کو بھی گوشت دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیسا گوشت ہے؟ کہنے لگے ہم نے عزیٰ کے نام پر ذبح کیا ہے۔ فرمایا اُٹھالو میں نہیں کھاؤں گا۔ یہ نبوت ملنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا زید ابن عمرو ابن نُفیل رحمۃ اللہ علیہ زمانہ جاہلیت کے موحدین میں سے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے اظہار نبوت سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے ان کو لوگ جب غیر اللہ کے چڑھاوے کا گوشت دیتے تھے تو فرماتے اس کو اٹھا کر لے جاؤ میں حرام کھانے کے لیے تیار نہیں ہوں اور جب کوئی غیر اللہ کے چڑھاوے کے لیے بکرا بکری لے جاتے ہوتے تو ان سے پوچھتے بتلاؤ اس بکری کو کس نے پیدا کیا؟ وہ کہتے اللہ تعالیٰ نے۔ پھر فرماتے اس کے چلنے پھرنے کے لیے زمین کس نے پیدا فرمائی؟ وہ کہتے اللہ تعالیٰ نے۔ پھر فرماتے ہیں اس کے لیے چارا اور پانی کس نے پیدا کیا؟ وہ کہتے اللہ تعالیٰ نے۔ پھر فرماتے سانس لینے کے لیے ہوا کس نے پیدا فرمائی؟ وہ کہتے اللہ تعالیٰ نے۔ پھر فرماتے او ظالمو! یہ سب کچھ پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ اور چڑھاوا چڑھاتے ہو غیر اللہ کا تمھیں شرم نہیں آتی۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ﴾ ہر اُمت کے لیے ﴿جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ بنائی ہم نے قربانی۔ البتہ پہلی اُمتوں اور ہماری

قربانی میں فرق ہے۔قربانی کے مسائل چوتھے پارے میں ذکر ہو چکے ہیں۔ وہ لوگ قربانی کر کے میدان میں رکھ دیتے تھے آسمان سے آگ آتی تھی اور اس کو جلا دیتی تھی ان کو کھانے کی اجازت نہیں تھی۔ ہمارے لیے حکم ہے ﴿كُلُوْا وَ ادَّخِرُوْا﴾ کھاؤ اور ذخیرہ کر کے رکھو۔" تو فرمایا ہر اُمت کے لیے قربانی بنائی ہم نے ﴿هُمْ نَاسِكُوْهُ﴾ وہ اس کو کرنے والے ہیں ﴿فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ﴾ پس ہرگز نہ جھگڑا کریں آپ سے اس قربانی کے معاملہ میں۔اس معاملہ میں تمہارے ساتھ جھگڑنے کا کوئی معنیٰ ہی نہیں ہے۔

شرک سے روکنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے

﴿وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ﴾ اور آپ دعوت دیں اپنے رب کی طرف۔ یہ آپ کو خطاب کر کے ساری امت کو رب تعالیٰ نے سمجھایا ہے کہ رب تعالیٰ کی توحید کی دعوت دو۔ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے دعوت الی اللہ اور شرک سے روکنا۔ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۱۰ میں ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ "تم تمام اُمتوں میں سے بہتر اُمت ہو ظاہر کیے گئے ہو لوگوں کے فائدے کے لیے، لوگوں کو کیا فائدہ پہنچاتے ہو، نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔"

ہر مسلمان مرد عورت کا فریضہ ہے امر بالمعروف نہی عن المنکر۔ اپنے گھر کے افراد کو اس کی دعوت دیں، بچوں، بہن بھائیوں، عزیز رشتہ داروں کو سمجھائیں اور آج کے دور میں تو انتہائی ضروری ہے۔ میں عورتوں سے گزارش کروں گا کہ جو ناخن پالش والی عورتیں ملیں ان کو نرمی کے ساتھ سمجھاؤ کہ اس سے وضو نہیں، غسل نہیں ہوتا۔ ناخن بڑھے ہوئے ہوں تو ان کو سمجھاؤ کہ ان کے نیچے میل جمع ہو جاتا ہے جس سے وضو غسل نہیں ہوتا لہٰذا ان کو کٹواؤ۔ ورنہ، نہ وضو، نہ غسل، نہ نماز، کوئی چیز نہیں ہوگی۔ جن عورتوں نے ناک میں کوکے ڈالے ہوئے ہیں ان کو سمجھاؤ کہ کوکا اُتار کر پانی ناک کے سوراخ میں نہ پہنچایا تو وضو نہیں ہوگا، نماز نہیں ہوگی۔ یہ مسئلے ان کو سمجھاؤ تا کہ ان کی نمازیں ضائع نہ ہوں جہالت کا دور دورہ ہے۔

فرمایا ﴿اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ﴾ بے شک آپ ہدایت پر ہیں جو سیدھی ہے ﴿وَاِنْ جٰدَلُوْكَ﴾ اور اگر وہ آپ کے ساتھ جھگڑا کریں ﴿فَقُلِ﴾ تو آپ کہہ دیں ﴿اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اس کارروائی کو جو تم کرتے ہو میں نے جھگڑا نہیں کرنا میرا کام صرف دعوت دینا ہے ﴿اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا تمھارے درمیان ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ ان چیزوں میں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ عملی طور پر فیصلہ کرے گا۔

آج دنیا میں کتنی چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی حقیقت عدالتیں بھی واضح نہیں کر سکیں اندر کچھ ہے اور باہر کچھ ہے۔ کتنے ناحق قتل چھپے ہوئے ہیں، کئی لوگوں کے حق دبے ہوئے ہیں، کئی جھوٹے سچے بنے ہوئے ہیں اور سچوں کو جھوٹا بنا دیا گیا ہے۔ دنیا میں دھوکا ہے فراڈ ہے لیکن قیامت والے دن احکم الحاکمین کی عدالت میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا کسی شے میں مغالطہ نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان عملی طور پر فیصلہ کریں گے۔ ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ﴾ اے مخاطب کیا آپ جانتے نہیں ہیں

﴿اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے وہ تمھارے ظاہر و باطن کو، اعمال احوال اور خواہشات کو جانتا ہے۔

جو آدمی اس نکتے کو سمجھ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی شے مخفی نہیں ہے تو وہ بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے اور جو انسان غافل ہے وہ انسان انسان نہیں بھیڑیا بنا ہوا ہے۔ اس کو انسان کہنا گناہ ہے صرف شکل انسانوں والی ہے۔کوئی دیانت دار آدمی اخبار نہیں پڑھ سکتا۔ کوئی صفحہ قتل ناحق، ڈکیتی، اغواء، ظلم، زیادتی سے خالی نہیں ہے۔غنڈا گردی ہے دھاندلی ہے۔ وہ رب کریم ہے جس نے ابھی تک ان کو چھوڑا ہوا ہے ورنہ لوگ دنیا میں رہنے کے قابل نہیں ہیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ﴾ بیشک یہ سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے۔ابتدائے آفرینش سے لے کر دنیا کے فنا ہونے تک جو کچھ ہوا، ہو رہا ہے اور ہوگا سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ بے شک یہ بات یعنی لوح محفوظ میں سب کچھ درج کرنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ ہمارے لیے مشکل ہے رب تعالیٰ کے سامنے کوئی شے مشکل نہیں ہے۔

﴿وَيَعْبُدُوْنَ﴾ اور یہ لوگ عبادت کرتے ہیں ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿مَا﴾ اس مخلوق کی ﴿لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ﴾ کہ نہیں اُتاری اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق ﴿سُلْطٰنًا﴾ کوئی دلیل وَّمَا اور اس مخلوق کی ﴿لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ نہیں ہے ان کو اس بارے میں کچھ علم ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ﴾ اور نہیں ہے ظالموں کا کوئی مددگار ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا﴾ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں ﴿بَيِّنٰتٍ﴾ صاف صاف ﴿تَعْرِفُ﴾ آپ پہچانتے ہیں ﴿فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے چہروں میں ﴿كَفَرُوا﴾ جو کافر ہیں ﴿الْمُنْكَرَ﴾ برائی ﴿يَكَادُوْنَ﴾ قریب ہوتے ہیں ﴿يَسْطُوْنَ﴾ حملہ کر دیں ﴿بِالَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں پر ﴿يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا﴾ جو پڑھتے ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَفَاُنَبِّئُكُمْ﴾ کیا پس میں تم کو بتاؤں ﴿بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ﴾ اس سے بری چیز ﴿اَلنَّارُ﴾ دوزخ کی آگ ﴿وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ﴾ وعدہ کیا ہے اس کا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ اور بُرا ٹھکانا ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿ضُرِبَ مَثَلٌ﴾ بیان کی گئی ہے ایک مثال ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ پس سنو اس کو کان لگا کر ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ ﴿تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا﴾ ہرگز نہیں پیدا کر سکتے ایک مکھی بھی ﴿وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ اور اگرچہ سب اکٹھے ہو جائیں اس کے لیے ﴿وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ﴾ اور اگر چھین لے ان سے مکھی ﴿شَيْئًا﴾ کوئی چیز ﴿لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ﴾ تو نہیں چھڑا سکتے اس کو اس سے ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ

﴿الْمَطْلُوْبُ﴾ کمزور ہے طلب کرنے والا اور وہ بھی جن سے طلب کیا جاتا ہے ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ﴾ نہیں قدر کی اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی ﴿حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ جیسا کہ حق ہے رب تعالیٰ کی قدر کا ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ البتہ قوی ہے، غالب ہے۔

دنیا میں اکثریت مشرکوں کی رہی ہے

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اب تک دنیا کے اکثر حصے شرک میں مبتلا رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ سورج، چاند کی پوجا کرنے والے بھی ہیں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں کی پوجا کرنے والے بھی ہیں، انسانوں کی پوجا کرنے والے اب بھی بے شمار ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے مَا اس مخلوق کی ﴿لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ کہ نہیں اتاری اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل، کوئی سند، کوئی حجت۔ شرک کے جواز پر نہ کوئی پختہ عقلی دلیل ہے نہ نقلی دلیل ہے۔ شبہات اور اوہام ہوتے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بایں ہمہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے نیچے دوسری مخلوق کی عبادت کرتے ہیں ﴿وَّمَا﴾ اور اس مخلوق کی عبادت کرتے ہیں ﴿لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ نہیں ہے ان کو اس بارے میں کچھ علم کہ ہماری کون پوجا کرتا ہے اور کیوں کرتا ہے۔ عزیر علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی ہو رہی ہے، بے شمار نیک بندوں کی ہو رہی ہے۔ ان کی پوجا کیوں کرتے ہیں، ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟

عبادت کسے کہتے ہیں؟ سجدہ عبادت ہے، طواف عبادت ہے اگر کوئی کسی قبر کے اردگرد چکر لگائے گا تو وہ اس قبر کا عبادت کرنے والا شمار ہوگا۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ اور تو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا طواف کرنے والا بھی پکا کافر ہے۔ کیوں کہ طواف بھی عبادت ہے، نذر منت عبادت ہے۔ کوئی شخص یوں کہے کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں فلاں بزرگ کی قبر پر چڑھاوا چڑھاؤں گا تو یہ عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں۔ عالمگیری، شامی، درمختار میں ہے کہ نذر عبادت ہے وَالْعِبَادَةُ لَا تَجُوْزُ لِمَخْلُوْقٍ "اور عبادت مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے۔" اسی طرح کسی کو حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، دست گیر سمجھ کر پکارنا بھی عبادت ہے۔

غیر اللہ کی عبادت کا نام تعظیم رکھ دیا گیا ہے

حدیث پاک میں ہے: ((اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) آج کل مشرک لوگ اسی میں لگے ہوئے ہیں جب ان سے پوچھا جائے تو کہتے ہیں کہ ہم تعظیم کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ تعظیم ہے تو پھر عبادت کس کو کہتے ہیں؟ ان کے کہنے کی کوئی حیثیت نہیں ہے شریعت جس کو عبادت کہے وہ عبادت ہے۔ جھکنا بھی عبادت ہے جو رکوع کے مشابہ ہو اور کئی دفعہ سن چکے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضرت! دو آدمی آپس میں ملنا چاہیں تو کیا وہ معانقہ کر سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں! کر سکتے ہیں۔

حضرت! مصافحہ کر سکتے ہیں؟ فرمایا کر سکتے ہیں اور مصافحہ دو ہاتھوں سے ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری میں باب قائم کیا ہے المصافحۃ بالیدین "مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہے۔" پھر اس پر حدیث پیش کی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصافحہ کیا اس طرح کہ میرا ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضرت! کیا آدمی جھک بھی سکتا ہے؟ فرمایا لَا جھک نہیں سکتا۔ کیوں کہ جھکنے سے رکوع والی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور رکوع عبادت ہے اور عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ ﴿وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ﴾ اور نہیں ہے ظالموں کا کوئی مددگار۔ مشرک سارے ظالم ہیں ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ [سورہ لقمان: ۱۳] "بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

فرمایا ﴿وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا﴾ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان مشرکوں کے سامنے ہماری آیتیں ﴿بَیِّنٰتٍ﴾ صاف صاف، جن میں شرک کا رد ہوتا ہے، بدعات کا رد ہوتا ہے ﴿تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ﴾ اے مخاطب! آپ پہچانتے ہیں ان لوگوں کے چہروں میں جو کافر ہیں برائی۔ ان کے چہروں میں اجنبی اور اوپری چیز دیکھو گے جب یہ توحید کے دلائل اور شرک کا رد سنتے ہیں تو ان کے چہروں سے پریشانی ظاہر ہوتی ہے ﴿یَكَادُوْنَ﴾ قریب ہوتے ہیں ﴿یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ﴾ حملہ کر دیں ان لوگوں پر ﴿یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا﴾ جو پڑھتے ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں۔ حملہ کرنے کے بے شمار واقعات ہیں۔ چنانچہ مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند کو لورالائی کوئٹہ میں رمضان المبارک کے مہینہ میں جامع مسجد کے اندر ایک بدبخت ازلی اور شقی القلب نے محض اس لیے شہید کر دیا تھا کہ مولانا نے فرمایا تھا کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نبی ولی عالم الغیب نہیں ہے۔ اس موضوع پر میں نے مستقل کتاب لکھی ہے "ازالۃ الریب" اس کی نسبت بھی میں نے مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے۔ تو آج بھی ایسے بدبخت دنیا میں موجود ہیں جو اہل حق پر حملہ کر دیتے ہیں قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ حق کہنا آسان نہیں ہے بڑا مشکل ہے۔

تو ان کے سامنے جب میری صاف صاف آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے چہرے بگڑ جاتے ہیں اور قریب ہے آیات کے پڑھنے والوں پر حملہ کر دیں قُلْ آپ کہہ دیں ﴿اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ﴾ کیا پس میں تم کو بتلاؤں اس سے بری چیز۔ اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر تمھیں تکلیف ہوتی ہے تمھارے چہرے بگڑ جاتے ہیں میں تمھیں اس سے بُری چیز نہ بتلاؤں جو تمھارے لیے تیار ہے۔ وہ کیا ہے؟ ﴿اَلنَّارُ﴾ دوزخ کی آگ۔ آج تم رب تعالیٰ کی کھری کھری آیات سننے کی تاب نہیں لاتے تو تمھارے لیے دوزخ کی آگ تیار ہے ﴿وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ وعدہ کیا ہے اس دوزخ کا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ جو کافر ہیں۔ رب تعالیٰ کی آیات نہیں مانتے توحید کو تسلیم نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی باتیں نہیں مانتے اپنی طرف سے دین ایجاد کرتے ہیں ان کے لیے دوزخ کی آگ تیار ہے۔ فرمایا سن لو! ﴿وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾ اور بُرا ٹھکانا ہے۔ دوزخ سے زیادہ بُرا ٹھکانا اور کوئی نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہر مومن مرد عورت کو دوزخ سے بچائے اور محفوظ رکھے اور یاد رکھنا! جنت دوزخ دور نہیں ہے بس

آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جنت بھی سامنے اور دوزخ بھی سامنے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا سارے مل کر ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! عرب و عجم گورے کالے تمام انسانوں کو خطاب ہے۔ اے انسانو! ﴿ضُرِبَ مَثَلٌ﴾ بیان کی گئی ہے ایک مثال ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾۔ اِستِماع کا معنیٰ ہے کان لگا کر سننا۔ معنیٰ ہوگا پس سنو: تم اس مثال کو کان لگا کر ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ بے شک وہ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے اور کہتے ہو یہ حاجت روا، مشکل کشا ہیں، دست گیر اور فریاد رس ہیں کان کھول کر سن لو ﴿لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا﴾ ہرگز ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے ﴿وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ اور اگرچہ سب اکٹھے ہو جائیں اس کے لیے۔ وہ مکھی جس کو مارنے کے لیے دوائیں چھڑکتے ہو بیکار سی چیز سمجھی جاتی ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ جس چیز پر بیٹھ جائے وہ کھانے کے قابل نہیں رہتی۔

اسی لیے حدیث پاک میں آیا ہے کہ مکھی کے ایک پَر میں بیماری ہے اور ایک میں شفا ہے۔ مکھی جب بیٹھتی ہے تو بیماری والا پَر ڈبوتی ہے۔ فرمایا تم دوسرا پَر ڈبو کر کھا پی لو کچھ نہیں ہوگا۔ مگر یاد رکھنا! کہ مکھی کسی نجس اور پلید جگہ پر نہ بیٹھی ہو۔ مثال کے طور پر یہ مسجد ہے مکھیاں پھر رہی ہیں یہاں کوئی چائے پیے اور مکھی اس میں بیٹھ جائے تو اس کو ڈبو کر پی لو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہاں! اگر جگہ ناپاک ہو وہاں سے اُٹھ کر چائے شربت میں پڑ جائے تو پھر نہیں پینا۔ اسلام بڑا پاکیزہ مذہب ہے۔ یہ حدیث بخاری شریف کی ہے کہ مکھی ڈبو کر کھا پی لو۔ بعض لوگ اس حدیث کا مذاق اُڑاتے ہیں لیکن یاد رکھنا! آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا ہے دنیا کی کوئی طاقت اس کو جھٹلا نہیں سکتی۔

تو یہ مکھی جس کو تم حقیر اور ذلیل سمجھتے ہو یہ سارے مل کر یہ مکھی نہیں بنا سکتے جن کو مشکل کشا، حاجت روا سمجھتے ہو ﴿وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا﴾ اور اگر چھین لے وہ مکھی ان سے کوئی چیز ﴿لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ﴾ تو نہیں چھڑا سکتے اس کو اس سے۔ تو جو ایک مکھی نہیں بنا سکتے اور مکھی سے چیز واپس نہیں لے سکتے کہ وہ کہاں اڑیں گے، وہ تمھاری کیا تکلیفیں دور کریں گے اور کیا دادرسی کریں گے؟ اور آپ حضرات مسجدوں سے یہ شعر سنتے رہتے ہو:۔

امداد کن امداد کن از رنج و غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا غوث اعظم دست گیر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بدعتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی

ان لوگوں نے شرک کے ساتھ مساجد کو بھی پلید کر دیا ہے۔ ان کے عقائد خراب ہیں ان کے پیچھے نماز قطعاً نہیں ہوتی۔
حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تو بدعتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی تھی۔ وہ اس طرح کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے ان کے ساتھ حضرت مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ مؤذن نے اذان کے بعد کہنا شروع کیا او لوگو! جماعت

کے ساتھ جلدی ملو۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: اَخْرِجْ بِنَا مِنْ هٰذَا الْمُبْتَدِعِ "مجھے اس بدعتی کے ہاں سے لے چلو اس بدعتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی۔" اذان کے بعد بلند آواز سے صدا لگانا بدعت ہے۔ تو حضرت نے بدعتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی اور تم لوگ مشرکوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں نے نہ توحید وسنت کو سمجھا ہے اور نہ شرک و بدعت کو سمجھا ہے۔ نمازیں برباد نہ کرنا ان کے پیچھے قطعاً نماز نہیں ہوتی۔

تو فرمایا یہ سارے مل کر مکھی نہیں بنا سکتے اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو واپس نہیں لے سکتے ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ﴾ طلب کرنے والا بھی کمزور ﴿وَالْمَطْلُوْبُ﴾ اور جن سے طلب کیا جاتا ہے وہ بھی کمزور ہیں۔ تو یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا، مشکل کشا نہیں ہے، کوئی فریاد رس، دست گیر نہیں ہے۔ حاجت روا مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ہم ہر نماز میں پڑھتے ہیں ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ "ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔" اور سلام پھیرنے کے بعد کہنے لگ جاتے ہیں فلاں دست گیر ہے، فلاں یہ ہے فلاں وہ ہے۔

یہ قرآن اصل دستور اور قانون ہے۔ عقیدہ وہی ہے جو قرآن کریم نے بتلایا ہے۔ اپنے ایمان کو برباد نہ کرنا اور نہ ہی کسی سے لڑنا جھگڑنا ہے۔ ان کے پیچھے نمازیں پڑھ کر برباد نہیں کرنی۔ بات پختہ کریں کہ کسی مشرک بدعتی کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ نہیں قدر کی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسا کہ حق ہے رب تعالیٰ کی قدر کا۔ رب تعالیٰ کی قادر مطلق ذات کے ہوتے ہوئے اوروں سے مدد مانگتے ہیں رب تعالیٰ کی قدر کو سمجھتے تو کبھی ایسی حرکت نہ کرتے نہ ایسی حرکتوں میں مبتلا ہوتے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ البتہ قوی ہے غالب ہے۔ سب قوتیں اس کے پاس ہیں اور غلبہ اسی کے پاس ہے۔

﴿اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ﴾ اللہ تعالیٰ چنتا ہے ﴿مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ فرشتوں سے ﴿رُسُلًا﴾ پیغام پہنچانے والے ﴿وَّمِنَ النَّاسِ﴾ اور انسانوں سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ ﴿سَمِیْعٌ﴾ سننے والا ﴿بَصِیْرٌ﴾ دیکھنے والا ہے ﴿یَعْلَمُ﴾ جانتا ہے ﴿مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ﴾ جو ان کے آگے ہے ﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ اور جو ان کے پیچھے ہے ﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تمام معاملات ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿ارْكَعُوْا﴾ رکوع کرو ﴿وَاسْجُدُوْا﴾ اور سجدہ کرو ﴿وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ﴾ اور عبادت کرو اپنے رب کی ﴿وَافْعَلُوا الْخَیْرَ﴾ اور اچھے کام کرو ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ﴾ اور جہاد کرو اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ جیسا کہ جہاد کا حق ہے ﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ﴾ اس نے تمھیں چنا ہے ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ﴾ اور نہیں بنایا اس نے تم پر ﴿فِی الدِّیْنِ﴾ دین کے بارے میں ﴿مِنْ حَرَجٍ﴾ کوئی حرج، کوئی تنگی ﴿مِلَّةَ اَبِیْكُمْ﴾

اِبْرٰهِيْمَ﴾ یہ ملت ہے تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ اسی نے تمھارا نام رکھا ہے مسلمان ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَ فِيْ هٰذَا﴾ اور اس دین میں بھی ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ﴾ تاکہ ہو جائے رسول ﴿شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ﴾ گواہ تم پر ﴿وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ اور ہو جاؤ تم گواہ لوگوں پر ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ پس قائم کرو تم نماز ﴿وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرو ﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور مضبوطی کے ساتھ پکڑو اللہ تعالیٰ کے دین کو ﴿هُوَ مَوْلٰىكُمْ﴾ وہی تمھارا آقا ہے ﴿فَنِعْمَ الْمَوْلٰى﴾ پس کیا ہی اچھا آقا ہے ﴿وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

انبیاء علیہم السلام انسان تھے، جنات ہر زمانہ میں انسانی نبی کے تابع رہے

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے انسان، فرشتے اور جنات عقل والی مخلوقات ہیں ان کو ذوالعقول کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار مخلوقات ہیں جو عقل سے خالی ہیں پیغام رسانی کا معاملہ بڑا اہم ہے اس کے لیے رب تعالیٰ نے فرشتوں میں سے بھی پیغام پہنچانے والوں کا انتخاب کیا ہے جیسے جبرئیل علیہ السلام کہ وحی لاتے تھے اور انسانوں میں سے بھی رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پیغمبر منتخب کیے تاکہ رب تعالیٰ کا پیغام رب تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچائیں۔ اس پیغام رسانی کے لیے جو استعداد درکار تھی وہ جنات میں نہیں تھی اس لیے جنات میں سے کوئی پیغمبر نہیں ہوا۔ ان کی اصلاح اس دور کے انبیائے کرام نے کی جو جس دور میں آئے اور جس علاقے میں آئے۔ مثلاً: حضرت شعیب علیہ السلام جس علاقے میں تھے وہاں کے جنات پر ان کا اتباع لازم تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے تشریف لانے کے بعد اب جتنی مخلوق ہے مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک اور زمانے کے اعتبار سے قیامت تک کیا انسان اور کیا جنات سب اس بات کے مکلف ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھیں گے تو نجات ملے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے آنے کے بعد کسی اور نبی کے کلمہ پڑھنے سے نجات نہیں مل سکے گی۔ انسانوں کی طرح جنات میں بھی مومن بھی ہیں اور کافر بھی ہیں ﴿وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا﴾ [جن:۱۱] "اور بے شک ہم میں نیکوکار بھی ہیں اور اس کے علاوہ یعنی بدکار بھی ہم مختلف راستوں پر بٹے ہوئے تھے۔" مسلمان بھی کافر بھی نیک بھی بد بھی۔ اس کا ذکر ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ کی تفسیر

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا﴾ اللہ تعالیٰ چنتا ہے فرشتوں سے پیغام پہنچانے والے ﴿وَّ مِنَ النَّاسِ﴾ اور انسانوں سے بھی۔ یہ سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے یہ پیغام سنایا ﴿وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾ [الصف:۶] "اور میں خوش خبری دینے والا ہوں ایک

رسول کی جو آنے والا ہے میرے بعد جس کا نام احمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔" آپ کا نام احمد بھی ہے اور محمد بھی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ فیصلہ سنا دیا ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا﴾ [الاحزاب: ۴۰] "نہیں ہیں محمد باپ کسی ایک کے تمھارے مردوں میں سے لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔"

تو اللہ تعالیٰ چنتا ہے رسول فرشتوں میں سے بھی اور انسانوں میں سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے قریب سے بھی اور دور سے بھی۔ ہم لوگ قریب کی باتیں سن سکتے ہیں اگر کان بہرے نہ ہوں دور کی نہیں سن سکتے۔ رب تعالیٰ کے لیے قرب و بعد کا کوئی سوال نہیں ہے اگر ساتویں زمین میں کوئی چیونٹی چلتی ہے تو وہ اس کے پاؤں کی آواز بھی سنتا ہے ﴿بَصِيْرٌ﴾ دیکھنے والا ہے مخلوق کے ہر فعل کو۔ ہم اپنے سامنے سے دیکھ سکتے ہیں پیچھے کیا ہے نہیں دیکھ سکتے، قریب سے دیکھ سکتے ہیں دور سے نہیں دیکھ سکتے۔ اس کے لیے قرب و بعد آگے پیچھے کی حیثیت نہیں ہے وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے کوئی شے مخفی نہیں ہے ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ جانتا ہے جو کچھ مخلوق کے سامنے ہے ﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ اور جو ان کے پیچھے ہے اس کو بھی جانتا ہے وہ دلوں کے رازوں اور بھیدوں کو جانتا ہے اس کی صفت ہے ﴿عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے تمام معاملات کے حساب و کتاب وہاں ہوں گے، نیکی بدی کا پتا چلے گا ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾ رکوع کرو اور سجدہ کرو، نماز جماعت کے ساتھ ادا کرو۔

جماعت کے ساتھ نماز کی اہمیت

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز کا پڑھنا سے پچیس درجے زیادہ ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ ستائیس درجے زیادہ ثواب ہے۔ ہاں! کوئی معذور ہو تو اس کا معاملہ جدا ہے۔ غیر معذور کو جماعت نہیں چھوڑنی چاہیے۔ جماعت کی اتنی تاکید ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ارادہ کر چکا ہوں کہ جماعت کے لیے کسی اور کو مصلے پر کھڑا کروں اور نماز کھڑی ہونے کے بعد جو لوگ گھروں میں ہیں ان کے گھروں کو آگ لگا کر جلا دوں مگر رکاوٹ یہ ہے کہ گھروں میں عورتیں ہیں بچے ہیں نابالغ اور عورتوں کے لیے مسجد میں آ کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا بلا وجہ جماعت کے ساتھ نماز نہ چھوڑنا۔

﴿وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ﴾ اور عبادت کرو اپنے رب کی۔ ہر طرح کی عبادت صرف رب تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کا اقرار ہم ہر نماز میں کرتے ہیں اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبٰتُ "تمام بدنی عبادتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور قولی عبادتیں بھی اور زبانی عبادتیں بھی۔" کسی کو سور نا پکارنا حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر یہ عبادت ہے۔ نذر و نیاز یہ عبادت ہے، طواف، رکوع، سجدہ، ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا عبادت ہے رب تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہیں۔ ﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ﴾ اور اچھے کام کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اچھائی برائی کو سمجھنے کے لیے عقل کے ساتھ کتابیں نازل فرمائیں، پیغمبر بھیجے، جنھوں نے حق و باطل کو واضح کیا۔ انبیائے کرام کے نائبین نے صحیح اور غلط کو واضح کیا۔ یہاں ہر آدمی اچھی بُری چیز کو سمجھتا ہے خیر اور شر کو سمجھتا ہے بہت کم لوگ مغالطے میں ہیں۔ ہاں وہ علاقے جہاں کافروں نے مسلمانوں کی علامتیں تک ختم کر دی وہ بے چارے اندھیرے میں چلے گئے۔ جیسے روسیوں نے ستر سال مسلمانوں پر ظلم کیا یہاں تک کہ ان کو اسلامی نام رکھنے کی بھی اجازت نہیں تھی بس اتنا جانتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور بس! آگے کا کچھ علم نہیں ہے۔ تم لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اسلام کو جانتے ہو، حلال حرام جائز ناجائز کو سمجھتے ہو۔ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو مستحبات کی بھی پابندی کرتے ہیں۔ نیکی کے کام کرو ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ اور جہاد کرو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔

جہاد کا معنیٰ اور جہاد کی قسمیں؟

ایک ہے قتال اور ایک ہے جہاد۔ قتال کا معنیٰ ہے ہتھیار لے کر دشمن کے ساتھ لڑنا۔ اور جہاد کا لفظ ہے ہتھیار کے ساتھ لڑنا، مال کے ساتھ لڑنا، زبان کے ساتھ لڑنا، قلم کے ساتھ لڑنا، قرآن کریم کا پڑھنا پڑھانا وغیرہ سب جہاد ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ أَوْ كَمَا قَالَ)) "تم جہاد کرو مشرکوں کافروں کے مقابلے میں زبانوں کے ساتھ، اپنی زبان استعمال کرو، توحید بیان کرو شرک کا رد کرو صحیح بات ان کے کانوں تک پہنچاؤ اور غلط کا رد کرو اور اپنے بدن بھی ان کے خلاف استعمال کرو اور اپنے مال بھی ان کے خلاف استعمال کرو۔"

ابوداؤد صحاح ستہ کی کتاب ہے اس میں یہ حدیث آتی ہے: ((أَفْضَلُ الْجِهَادُ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانِ الْجَائِرِ)) "بہترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے حق کی بات کرنا ہے۔" سورۃ الفرقان آیت نمبر ۵۲ میں ہے ﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾ "اے نبی کریم ﷺ! آپ ان کے ساتھ بڑا جہاد کریں۔" یہاں جہاد سے مراد قرآن کریم پڑھنا پڑھانا ہے یعنی ان کو قرآن کریم سناؤ، پڑھاؤ، سمجھاؤ۔ تو جو آدمی قرآن شریف سیکھتا ہے، پڑھتا ہے وہ مجاہد ہے اور یہ بات نص سے ثابت ہے۔ عورتیں اپنے گھروں میں رہ کر اپنے نفس کے ساتھ جہاد کر سکتی ہیں کہ شیطان کی بات نہ مانیں، قرآن پڑھیں، نمازوں کی پابندی کریں، دین پر قائم رہیں۔ جہاد ہر جگہ ہو سکتا ہے البتہ قتال محاذوں پر ہے ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [بقرہ: ۱۹۰] اور جہاد عام ہے۔

فرمایا ﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ﴾ اس نے تمھیں چنا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا کروڑوں مرتبہ شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں امام الانبیاء ﷺ کا اُمتی ہونے کا شرف بخشا۔ یہ وہ دولت ہے جس کے لیے پیغمبروں نے آرزوئیں کیں اور ہمیں رب تعالیٰ نے یہ دولت مفت میں دے دی ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ اور نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے تم پر دین کے بارے میں کوئی حرج، تنگی۔ اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی۔ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے بیٹھ کر پڑھ لو، بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے لیٹ کر پڑھ لو، رکوع سجدہ نہیں کر سکتے اشارے کے ساتھ پڑھ لو۔ جس آدمی کے پاس پیسا نہیں ہے اس پر نہ زکوٰۃ ہے نہ قربانی

ہے نہ فطرانہ ہے۔ اگر رب تعالیٰ تنگی فرماتے اور حکم دیتے کہ ہر حال میں یہ چیزیں کرنی ہیں چاہے پیسا ہو یا نہ ہو تو ہم کیا کر سکتے تھے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا کہ آسان طریقے بتلائے ہیں کوئی تنگی نہیں فرمائی۔

﴿ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ یہ طریقہ جس پر تم چلتے ہو ملت ہے تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ﴿ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ انھوں نے تمھارا نام رکھا ہے مسلمان۔ پہلے پارے میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی ﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ ﴾ "اے ہمارے پروردگار! بنا دے مجھے اور اسماعیل کو مسلمان ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ﴾ "اور ہماری نسل میں سے بھی ایک فرماں بردار اُمت بنا۔" ہماری نسل میں بھی مسلمان ہوتے رہیں تو ابراہیم علیہ السلام نے تمھارا نام مسلمان رکھا ہے۔ مُسْلِم کا معنیٰ ہے جھکنے والا۔ رب کے سامنے جس کی گردن نہیں جھکتی وہ مسلم نہیں ہے اور اگر لوگ اس سے امن میں نہیں ہیں تو وہ مومن نہیں ہے۔

تو فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمھارا نام مسلمان رکھا ہے ﴿ مِنْ قَبْلُ ﴾ اس سے پہلے ﴿ وَفِيْ هٰذَا ﴾ اور اس دین میں بھی تمھارا نام مسلمان رکھا ہے۔ سورۃ مائدہ آیت نمبر ۳ میں ہے ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ "آج کے دن کامل کر دیا میں نے تمھارے لیے تمھارا دین اور پوری کر دی میں نے تمھارے اُوپر اپنی نعمت اور پسند کیا میں نے تمھارے لیے اسلام کو دین۔" اور اسلام پر چلنے والے کو مسلم کہتے ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾ [آل عمران: ۸۵] "اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا پس اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔" اب اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور دین کے ہے ﴿ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ ﴾ تاکہ ہو جائے رسول تم پر گواہ ﴿ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ اور ہو جاؤ تم گواہ لوگوں پر۔

نبی کی گواہی کا مطلب

یہ بات پہلے گزر چکی ہے اور گواہی کا مطلب میں نے اچھی طرح سمجھایا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں جب انبیائے کرام علیہم السلام پیش ہوں گے اور ان کی قومیں بھی پیش ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے سوال کریں گے کہ کیا تم نے تبلیغ کی تھی؟ پیغمبر جواب دیں گے ہاں اے پروردگار! ہم نے تبلیغ کی ہے۔ قوموں سے پوچھا جائے گا تو وہ انکار کریں گی کہ انھوں نے ہمیں کوئی تبلیغ نہیں کی۔ پیغمبروں کی حیثیت مدعی کی ہوگی اور قوموں کی مدعا علیہ کی۔ قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ: اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ "مدعی کے ذمہ گواہ ہیں اور اگر مدعی گواہ نہ پیش کر سکے تو مدعا علیہ منکر پر قسم لازم ہے۔" اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کو فرمائیں گے: مَنْ يَّشْهَدُ لَكَ "آپ کا گواہ کون ہے۔" فرمائیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو بلایا جائے گا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی ہے؟ یہ اُمت کہے گی اے پروردگار! ہم گواہی دیتے ہیں کہ نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی اور پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ وہ لوگ شوشہ چھوڑیں گے کہ یہ لوگ تو ہم سے ہزاروں سال بعد آئے ہیں یہ ہمارے خلاف کس طرح گواہی دے سکتے ہیں۔ یہ تو موقع کے گواہ ہی نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس اُمت سے سنتے ہو یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ اُمت کہے گی اے پروردگار! بے شک ہم موقع پر نہیں تھے مگر ہم سچے ہیں کیوں کہ آپ کی کتاب سچی ہے آپ سچے ہیں آپ کے آخری پیغمبر سچے ہیں۔ ہم نے آپ کی کتاب میں پڑھا ہے ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [الاعراف:۵۹] اور آپ کے آخری پیغمبر نے بھی ہمیں بتایا کہ نوح علیہ السلام نے تبلیغ کا حق ادا کیا۔ اے پروردگار! آپ سچے، آپ کی کتاب سچی، آپ کے آخری پیغمبر سچے تو ہم بھی سچے ہیں کہ نوح علیہ السلام نے تبلیغ کا حق ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمائیں گے کہ آپ کی اُمت نے گواہی دی ہے کیا آپ ان کی صفائی دیتے ہیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کی صفائی دیں گے کہ ہاں! میری اُمت نے صحیح اور سچی گواہی دی ہے۔ اس اُمت کو اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا شرف عطا فرمایا ہے کہ ان کی گواہی سے پہلی اُمتوں کی قسمتوں کے فیصلے ہوں گے۔ یہ مطلب ہے اُمت کی گواہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کا۔ لیکن گواہ کے لیے عدالت شرط ہے کہ گواہ عادل ہوں لہٰذا تمہیں کچھ کام کرنے چاہئیں عدالت کے لیے۔ وہ کام کیا ہیں؟

فرمایا ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ پس قائم کرو تم نماز۔ نماز تمام عبادات میں اہم عبادت ہے اس کو ادا کرو ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور دو زکوٰۃ۔ اور مالی عبادات میں زکوٰۃ کا بہت بلند مقام ہے ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور مضبوطی کے ساتھ پکڑو اللہ تعالیٰ کے دین کو، شریعت کو۔ مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کا یہ مطلب ہے کہ شریعت کا کوئی کام تم سے نہ چھوٹے اور نہ کرنے والے کام کے قریب نہ جاؤ ﴿هُوَ مَوْلٰىكُمْ﴾ وہ اللہ ہی تمہارا آقا ہے ﴿فَنِعْمَ الْمَوْلٰى﴾ پس کیسا اچھا آقا ہے ﴿وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ اور کیسا اچھا مددگار ہے۔ اسی سے مدد مانگو۔ اللہ تعالیٰ سب کو دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین]

آج بروز بدھ ۲۰ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۳ جون ۲۰۱۱ء
سورۃ الحج مکمل ہوئی۔

والحمد للہ علی ذلك

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس جناح روڈ گوجرانوالا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡمُؤۡمِنُوۡن مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ قَدۡ اَفۡلَحَ

۱۸

آیاتہا ۱۱۸ (۲۳) سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَکِّیَّۃٌ (۷۴) رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿قَدْ اَفْلَحَ﴾ تحقیق کامیاب ہو گئے ﴿الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ایمان والے ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ مومن ﴿هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ وہ لغو سے اعراض کرنے والے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾ وہ ہیں جو زکوٰۃ کی ادائیگی کا کام کرتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ اور وہ مومن اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ﴿اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ﴾ مگر اپنی بیویوں پر ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ﴾ یا ان پر کہ مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ ﴿فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ﴾ پس بے شک وہ ان میں ملامت نہیں کیے گئے ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ﴾ پس جو تلاش کرے گا اس کے سوا کوئی اور راستہ ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں حدوں کو پھلانگنے والے ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں ﴿وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ اور اپنے عہد و پیمان کی رعایت کرتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ﴾ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں جو وارث ہوں گے ﴿الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ﴾ جو وارث ہوں گے جنت الفردوس کے ﴿هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو ﴿مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ﴾ مٹی کے خلاصے سے ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً﴾ پھر بنایا ہم نے اس انسان کو نطفے کی شکل میں ﴿فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ﴾ ایسی جگہ میں جو ٹکنے والی تھی۔

مومن سے بڑا طاقتور کوئی نہیں؟

اس سورۃ کا نام مومنون ہے اور مومنون کا لفظ پہلی ہی آیت میں موجود ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا چوہترواں [۷۴] نمبر ہے۔ اس سے پہلے تہتر [۷۳] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اور اس کی ایک سو اٹھارہ [۱۱۸] آیات ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ تحقیق فلاح پا گئے، کامیاب ہو گئے جو مومن ہیں۔ ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور ربط قائم ہو جاتا ہے اور جس کا تعلق رب تعالیٰ کے ساتھ جڑ گیا اس سے زیادہ قوی اور مضبوط اور کون ہو سکتا ہے؟ کیوں کہ رب تعالیٰ کی قدرت پھر رب تعالیٰ ہی کی قدرت ہے۔ اس کو آپ یوں سمجھیں کہ یہ مسجد کی لائٹیں، پنکھے ہیں، لاؤڈ سپیکر چل رہا ہے کیوں کہ ان کا بجلی کے ساتھ کنکشن ہے۔ اگر یہ کنکشن کاٹ دیا جائے تو ہر چیز یہیں رک جائے گی۔ جس کا ایمان نہیں ہے اس کا تعلق رب تعالیٰ کے ساتھ کٹا ہوا ہے اور ایمان والے کا تعلق رب تعالیٰ کے ساتھ

جڑا ہوا ہے۔ ایمان بہت بڑی قوت اور طاقت ہے۔ جب رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہو گیا تو سب کام سیدھے ہو گئے۔ تو ایمان بہت بڑی قوت ہے بہ شرطیکہ ایمان، ایمان ہو۔ آگے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی اوصاف اور نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔

فلاح پانے والے مومنوں کے اوصاف

مومنوں کی پہلی صفت اور علامت: ﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ وہ مومن وہ ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اور عاجزی کرتے ہیں۔ خشوع ظاہری بھی ہے اور باطنی بھی۔ خشوع ظاہری یہ ہے کہ آدمی جب قیام میں ہو تو اس کی نگاہ سجدے والی جگہ پر ٹکی ہوئی ہو نہ اِدھر اُدھر دیکھے اور نہ ہی دھیان کرے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایسا کرنے سے نماز میں بڑا خسارہ ہوتا ہے اور شیطان نماز میں لوٹ مار کرتا ہے۔ نماز میں آنکھیں کھلی رہیں آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے نہ اپنے بدن کے ساتھ کھیلے نہ کپڑے اور نہ ڈاڑھی کے ساتھ کھیلے اور خارش نہ کرے نہ ناک اور کان میں انگلی مارے۔ ہاں! اگر مجبور ہو تو خارش کرنے کی اجازت ہے۔ پوری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ ہاتھ، پاؤں، آنکھ، سر سے عاجزی ظاہر ہو یہ ظاہری خشوع ہے۔

اور باطنی خشوع یہ ہے کہ اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ "یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کی ایسے عبادت کر کہ گویا کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو یوں سمجھو کہ رب تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے۔" نہایت عاجزی اور سکون کے ساتھ رکوع سجدہ کرے۔ دونوں پاؤں سجدے میں زمین کے ساتھ لگے رہیں پاؤں کی انگلیاں قبلے کی طرف ہوں۔ اگر سجدے میں تم نے دونوں پاؤں زمین سے اُٹھا لیے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ایک پاؤں زمین پر رہا اور دوسرا اُٹھا تو نماز مکروہ ہو گی۔ سجدے میں ہاتھ زمین پر ٹکے ہوں بازو اُوپر اُٹھے ہوئے ہوں اور سجدہ دونوں ہاتھوں کے درمیان کرنا ہے۔ سر نہ ہاتھوں سے آگے ہو نہ پیچھے ہو برابر ہو اور ناک اور پیشانی زمین کے ساتھ لگے ہوئے ہوں اور سجدے میں ران سینے کے ساتھ نہ لگے اور نہ بازو چھاتی کے ساتھ لگیں۔ اور نماز پڑھو خشوع وخضوع کے ساتھ۔

مومنوں کی دوسری صفت اور نشانی: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ اور وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں۔ لغو قولی بھی ہے اور فعلی بھی ہے۔ لغو قولی جیسے بے ہودہ بات، گالی گلوچ، جھوٹ، غیبت، دل آزاری کی باتیں۔ ان باتوں سے وہ پرہیز کرتے ہیں۔ اور لغو فعلی جیسے تاش، لڈو کھیلنا اور ایسے ہی دوسری بے مقصد کھیلیں جو نہ دنیا کے کام کی نہ دین کے کام کی۔ ان میں عمریں برباد کرتے ہیں۔ ایسے کام کرو جن سے ثواب ہو یا اولاد کے لیے رزق کماؤ، ماں باپ کی خدمت کرو، مہمانوں کی خدمت کرو۔ تو مومن لغو قولی اور فعلی دونوں سے اعراض کرتے ہیں۔

مومنوں کی تیسری صفت اور نشانی: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا کام کرتے ہیں۔ زکوٰۃ وقت پر ادا کرتے ہیں۔ یہ بات کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ ہمارے جتنے بھی دینی کام ہیں ان کا تعلق چاند کے ساتھ ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ چاند کی جس تاریخ کو آدمی صاحبِ نصاب ہوا ہے اگلے سال اسی تاریخ کو اس پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ لہٰذا جس چاند

کی جس تاریخ کو زکوٰۃ واجب ہوئی ہے وہ تاریخ نوٹ کرلو اور اسی تاریخ کو زکوٰۃ دیا کرو۔ اکثر مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم یہاں زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ ہی لیتے ہیں کہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا کام کرتے ہیں لیکن علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ سے تزکیہ نفس بھی مراد ہے کہ وہ اپنے نفس کے تزکیہ کا کام کرتے ہیں۔ پاک باز لوگ ہیں دل کو کفر، شرک، بغض، حسد، تکبر سے پاک رکھتے ہیں۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ جو کام لگائے تھے ان میں سے ایک کام تزکیہ بھی تھا ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ وہ ان کے دلوں کو صاف کرتے ہیں۔ اصل میں صاف کرنا رب تعالیٰ کا کام ہے۔ سورہ نور آیت نمبر ۲۱ میں ہے ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ﴾ "اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے۔" لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سبب ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقے بتلائے ہیں ان سے صفائی حاصل ہوتی ہے۔

مومنوں کی چوتھی صفت اور نشانی: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ﴾ اور مومن وہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ﴿إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ﴾ مگر اپنی بیویوں پر ﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ یا ان پر جن کے ان کے دائیں ہاتھ مالک ہیں ﴿فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ﴾ پس بے شک وہ ان میں ملامت نہیں کیے گئے۔ ان جگہوں پر شہوت پوری کرنے میں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں جنسی خواہشات رکھی ہیں نسل انسانی کو باقی رکھنے کے لیے تو اس کو اپنے محل میں رکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ بلکہ احادیث میں آتا ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری کرنے میں صدقے کا ثواب ہے۔ آدمی جتنا صدقہ کرے گا اس کو اتنا ثواب ملے گا بہ شرطے کہ مومن ہو ﴿فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذٰلِكَ﴾ پس جو شخص تلاش کرے گا اس کے سوا کوئی اور راستہ یعنی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ ﴿فَأُولٰئِكَ هُمُ الْعٰدُونَ﴾ پس یہی لوگ ہیں حدوں کو پھلانگنے والے۔

امانت کی قسمیں؟

مومنوں کی پانچویں اور چھٹی صفت اور نشانی: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُونَ﴾ اور مومن لوگ وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کی رعایت کرتے ہیں، حفاظت کرتے ہیں۔ امانتوں جمع کا صیغہ ہے۔ امانتیں کئی طرح کی ہیں۔ مال کی امانت، علم کی امانت، مشورے کی امانت، بات کی امانت۔ علمی امانت یہ ہے کہ لوگوں کو حق کی بات بتائے صحیح غلط سے لوگوں کو آگاہ کرے۔ اگر لوگوں سے ڈر کی وجہ سے صحیح بات نہیں کرے گا یا لالچ اور طمع کی وجہ سے حق کو چھپائے گا تو یہ علمی خیانت ہوگی یہ علم میں خیانت کرنے والا ہوگا۔

اور امانتِ مشورہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْمُسْتَشَارُ اَمِيْنٌ)) "جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے۔" صحیح مشورہ دینا چاہیے۔ جو تمھاری سوجھ بوجھ میں بات آئے اس کو بتاؤ۔ چھپاؤ نہ، ورنہ خائن بن جاؤ گے۔ اگر اس چیز کے متعلق تمھارا تجربہ نہیں ہے تو صاف کہہ دو کہ میرا اس چیز کے ساتھ کوئی لگاؤ نہیں ہے میں اس کے متعلق نہیں جانتا کسی متعلقہ آدمی سے مشورہ کرو۔ بہت سارے لوگ اس اعتماد پر ہمارے پاس آتے ہیں کہ یہ مسئلے بتاتے ہیں کھرے کھرے اور صاف

صاف۔تو پوچھتے ہیں کہ یہ کام کریں یا نہ کریں تو ہم صاف کہہ دیتے ہیں کہ بھئی! ہمارا تجارت اور کاروبار کے متعلق کوئی تجربہ نہیں ہے کسی ماہر کاروباری سے پوچھو وہ تمھیں بتلائے گا۔اصول یہی ہے کہ بات کا علم ہے تو بتلا دو علم نہیں ہے صاف کہہ دو کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔

اور باتیں بھی امانت ہوتی ہیں ابوداؤد شریف میں مستقل باب ہے اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ "مجلس کی باتیں امانت ہوتی ہیں۔" مجلس کی باتوں کو باہر بیان کرنا کہ فلاں نے یہ کہا فلاں نے یہ کہا یہ خیانت ہے۔ہاں! اچھی باتیں اور نیکی کی باتیں بیان کر سکتے ہو کہ فلاں نے یہ نیکی کی بات بتلائی ہے۔فلاں نے یہ کہا ہے۔ یا مثلاً: اس مجلس میں کسی کے قتل یا اغواء کا منصوبہ بنا ہے کہیں ڈاکا ڈالنے کا منصوبہ بنا ہے اور کوئی قابل اعتماد شخص ایسا ہے جو ان چیزوں سے روک سکتا ہے تو اس اثر ورسوخ والے آدمی کو بتانے میں کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ بیان نہ کرنا گناہ ہوگا۔اگر کوئی معاملہ کسی کے سامنے ہوا ہے تو اس کی گواہی صحیح طریقے سے دے اگر صحیح گواہی نہیں دے گا تو یہ بھی خیانت ہوگی۔

لیکن آج حالات ایسے ہیں کہ اس باطل قانون کی وجہ سے کوئی سچی گواہی نہیں دے سکتا۔اگر کوئی جرأت کر کے صحیح گواہی دے تو اس کی جان خطرے میں ہوتی ہے۔یہ سب نحوستیں اسلامی نظام نافذ نہ ہونے کی ہیں۔اگر پاکستان میں اسلامی قانون ہوتا تو اب تک پاکستانی لوگ فرشتہ صفت ہوتے مگر خدا بیڑا غرق کرے حکمران طبقے کا شروع سے لے کر اب تک جتنے بھی آئے ہیں کسی نے بھی اسلام نافذ نہیں کیا اور نہ ہی آئندہ کوئی اُمید ہے۔تمام محکموں میں بددیانت لوگ بیٹھے ہیں کوئی سو میں سے ایک دیانت دار ہو تو میں کہہ نہیں سکتا۔اور مالی امانت یہ ہے کہ اگر تمھارے پاس کسی نے مال رکھا ہے تو اس کو ضائع نہ کرو اور جو کسی کے ساتھ وعدہ کیا ہے معاہدہ کیا ہے اس کو نبھاؤ، پورا کرو۔

مومنوں کی ساتویں صفت: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔سب نمازوں کی پابندی کرتے ہیں کیوں کہ صَلَوٰت جمع کا صیغہ ہے۔یہ نہیں کہ جمعہ پڑھ لیا، عید پڑھ لی، جمعۃ الوداع پڑھ لیا باقی تمام نمازوں کی چھٹی۔بعض لوگ اس داؤ میں ہوتے ہیں کہ شب برات، لیلۃ القدر کو عبادت کرلیں گے بخشے گئے۔آگے پیچھے نمازوں کی کوئی پروا نہیں ہے۔اس چیز کا انکار نہیں ہے کہ جن راتوں کی فضیلت آئی ہے ان میں بہ نسبت دوسری راتوں کے عبادت زیادہ کرنی چاہیے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ باقی نمازوں کی چھٹی ہو جاتی ہے۔پابندی تمام نمازوں کی مقصود ہے۔ان صفات والے مومنوں کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں جو وارث ہوں گے ﴿الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ﴾ جو وارث ہوں گے جنت الفردوس کے۔

جہاد سے متعلق کوئی بھی کام کرنے والا مجاہد ہے؟

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا کرو وہ تمام جنتوں میں سے بہترین

ہے۔ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر کے موقع پر کافروں کی جاسوسی کے لیے بھیجا کہ ہمیں کافروں کے حالات معلوم کر کے بتلاؤ۔ وہ گئے تو کافروں کو بھی شک ہو گیا کہ یہ ہماری جاسوسی کر رہا ہے انھوں نے تیر مار کر شہید کر دیا۔ ان کی والدہ ام حارثہ رضی اللہ عنہا بڑی بہادر صحابیہ تھیں۔ پریشان ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگیں حضرت! میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کرتی ہوں اور اگر دوسری طرف ہے تو دل کھول کر روؤں۔ اصل میں ان کو شبہ ہوا کہ میدان جنگ میں شہید نہیں ہوا جاسوسی کرتے ہوئے شہید ہوا ہے اور اس بات کو نظر انداز کر گئیں کہ جاسوسی کے لیے کس نے بھیجا تھا۔ وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمائندہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائی ہے کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔

تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ تم جب رب سے مانگو جنت الفردوس مانگو اپنے لیے اور اپنے عزیز رشتہ داروں کے لیے۔ باقی عطا رب تعالیٰ نے کرنی ہے جس کو چاہے دے جس کو چاہے نہ دے۔ ہمارے کہنے سے کسی کو مل نہیں جائے گی نہ کسی سے چھینی جائے گی وہ تو اعمال کے مطابق معاملہ ہو گا مگر تم اظہارِ عقیدت تو کرو تمہیں دعا کا ثواب ملے گا۔ ملے گی تو اپنے اعمال کی بنیاد پر اور ایمان کی بنیاد پر۔ محض دعاؤں سے جنتیں نہیں ملتیں۔ ﴿هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جو خوش نصیب جنت میں داخل ہو گیا پھر وہ کبھی وہاں سے نکلے گا نہیں۔ آج ہم جنت کی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے دماغ فیل ہو جائیں گے وہاں کی زندگی کو ہم شمار نہیں کر سکتے لاکھوں کروڑوں، اربوں، کھربوں سال نہ ختم ہونے والی زندگی ہے۔ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں صفر ہے۔ کتنا بے وقوف آدمی ہے وہ جو اس فانی زندگی کے مقابلے میں آخرت کو خراب کر لے۔ اور آج حالت یہی ہے لوگ کہتے ہیں:

ع ایہہ جہان مٹھا او کسے نہ ڈِٹھا

یہ جہان میٹھا ہے آنے والا کسی نے نہیں دیکھا۔ (حالاں کہ ہمارے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج والی رات وہ جہان دیکھا ہے اور ہمیں آ کر بتایا ہے اور ہر چیز سے آگاہ کیا ہے۔ تو پھر یہ جملہ کتنا غلط ہے کہ ایہہ جہان مٹھا او کسے نہ ڈِٹھا۔ نواز بلوچ)

تخلیق انسانی

ہماری ساری تگ و دو، محنت مشقت اسی جہان کے لیے ہے حالاں کہ آخرت کے مقابلے میں اس کی حیثیت خاک کی بھی نہیں ہے ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو ﴿مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ﴾ مٹی کے خلاصے سے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ اس کا گارا بنایا اس کو گوندھا اور آدم علیہ السلام کا ڈھانچا بنایا۔ فرمایا ﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ [ص:۷۵] "میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔" جو ہاتھ رب تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں۔ پھر روح پھونکی اور وہ نقل و حرکت کرنے لگ گئے۔ پھر آگے نسل انسانی کیسے چلی؟ ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ﴾ پھر بنایا ہم نے اس انسان کو نطفے کی شکل میں ایسی جگہ میں جو ٹکنے والی تھی۔ ماں کے رحم میں کہ ماں سمجھ سکتی ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی ہے نہ باپ سمجھ سکتا ہے۔ ہمیں اپنے جسم کے اعضاء اور

رگوں کی کوئی سمجھ نہیں اور خالق کائنات تمام رگیں اور شریانیں جانتا ہے۔ اور کس کا کس کے ساتھ جوڑ ہے۔ کوئی شے خراب ہو جائے تو دنیا کے سارے ڈاکٹر مل کر بھی ویسی نہیں بنا سکتے مگر رب تعالیٰ کی دی ہوئی مفت چیزوں کی ہمیں کوئی قدر نہیں ہے۔ بندہ عاجز اور کمزور ہے۔ اس کے عاجز ہونے کا اندازہ اس سے لگاؤ کہ جب اس کا پیشاب رک جائے تو اس کا کیا حال ہوتا ہے۔ سارے اختیارات رب تعالیٰ قادر مطلق کے پاس ہیں ہمیں اس کی نافرمانی سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بچائے۔ [آمین!]

﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ﴾ پھر بنایا ہم نے نطفے سے ﴿عَلَقَةً﴾ لوتھڑا ﴿فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ﴾ پھر بنایا ہم نے لوتھڑے سے ﴿مُضْغَةً﴾ بوٹی (گوشت) ﴿فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا﴾ پھر بنائیں ہم نے بوٹی میں ہڈیاں ﴿فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا﴾ پس پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ﴾ پھر ہم نے اس کو پیدا کیا ﴿خَلْقًا اٰخَرَ﴾ ایک اور پیدائش میں ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ پس برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ﴾ پھر بے شک تم ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد ﴿لَمَيِّتُوْنَ﴾ البتہ مرنے والے ہو ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ﴾ پھر بے شک تم ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿تُبْعَثُوْنَ﴾ کھڑے کیے جاؤ گے ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیے ہیں تمھارے اوپر ﴿سَبْعَ طَرَآئِقَ﴾ سات راستے ﴿وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں ہم مخلوق سے غافل ﴿وَاَنْزَلْنَا﴾ اور ہم نے نازل کیا ﴿مِنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان کی طرف سے ﴿مَآءً﴾ پانی ﴿بِقَدَرٍ﴾ اندازے کے ساتھ ﴿فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ﴾ پس ہم نے ٹھہرایا اس کو زمین میں ﴿وَاِنَّا﴾ اور بے شک ہم ﴿عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ﴾ اس کے لے جانے پر ﴿لَقٰدِرُوْنَ﴾ البتہ قادر ہیں ﴿فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ﴾ پس ہم نے پیدا کیا تمھارے لیے ﴿بِهٖ﴾ اس کے ذریعے ﴿جَنّٰتٍ﴾ باغات ﴿مِّنْ نَّخِيْلٍ﴾ کھجوروں کے ﴿وَّاَعْنَابٍ﴾ اور انگوروں کے ﴿لَكُمْ فِيْهَا﴾ تمھارے لیے ان باغات میں ﴿فَوَاكِهُ﴾ پھل ہیں ﴿كَثِيْرَةٌ﴾ بہت سارے ﴿وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ اور انھی میں سے تم کھاتے ہو ﴿وَشَجَرَةً﴾ اور ہم نے پیدا کیا درخت ﴿تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ﴾ جو نکلتا ہے طور سینا پہاڑ سے ﴿تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ﴾ جو تیل اُگاتا ہے ﴿وَصِبْغٍ﴾ اور سالن ﴿لِّلْاٰكِلِيْنَ﴾ کھانے والوں کے لیے ﴿وَاِنَّ لَكُمْ﴾ اور بے شک تمھارے لیے ﴿فِي الْاَنْعَامِ﴾ مویشیوں میں ﴿لَعِبْرَةً﴾ البتہ عبرت ہے ﴿نُسْقِيْكُمْ﴾ ہم پلاتے ہیں تمھیں ﴿مِّمَّا﴾ اس چیز سے ﴿فِيْ بُطُوْنِهَا﴾ جو ان کے پیٹوں میں ہے ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ﴾ اور تمھارے لیے ان جانوروں میں بہت فائدے ہیں ﴿وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ اور ان میں سے تم کھاتے ہو ﴿وَعَلَيْهَا﴾ اور ان

جانوروں پر ﴿وَعَلَى الْفُلْكِ﴾ اور کشتیوں پر ﴿تُحْمَلُونَ﴾ تم سوار کیے جاتے ہو۔

مشرکین مکہ قیامت کے منکر تھے!

مشرکین مکہ سختی اور شدت کے ساتھ قیامت کا انکار کرتے تھے۔ کہتے تھے ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِيْنَ﴾ [انعام:۲۹] "نہیں ہے مگر دنیا کی زندگی اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔" اور کبھی کہتے ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ [یٰسین:۷۸] "کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالاں کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔" اور کبھی کہتے ﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا﴾ [بنی اسرائیل:۹۸] "کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں اور چورا چورا کیا ہم اٹھائے جائیں گے نئی پیدائش میں۔" اور کبھی کہتے ﴿ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ [سجدہ:۱۰] "کیا جب ہم رل مل جائیں گے زمین میں کیا ہم نئی پیدائش میں کیے جائیں گے۔" تو وہ قیامت کا، دوبارہ زندہ ہونے کا شدت کے ساتھ انکار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا رد فرمایا ہے ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ﴾ پھر بنایا ہم نے نطفے سے ﴿عَلَقَةً﴾ لوتھڑا ﴿فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً﴾ پس پیدا کیا ہم نے لوتھڑے سے بوٹی کو سخت قسم کی بوٹی بنائی ﴿فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا﴾ پھر بنائیں ہم نے بوٹی میں ہڈیاں ﴿فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا﴾ پس پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت۔ اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ ماں کے رحم میں چالیس دن تک نطفہ نطفے کی شکل میں رہتا ہے پھر رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے ساتھ لوتھڑا بن جاتا ہے پھر چالیس دن کے بعد وہ لوتھڑا سخت قسم کی بوٹی بن جاتا ہے پھر اس کو اللہ تعالیٰ ہڈیوں میں تبدیل کر دیتا ہے، سر، بازو، ٹانگیں، انگلیوں کی ہڈیاں یہ تقریباً چار ماہ میں ڈھانچا بن جاتا ہے، شکل وصورت بن جاتی ہے لڑکا ہو یا لڑکی ہو۔ پھر چار ماہ کے بعد ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ﴾ پھر پیدا کیا ہم نے اس کو ایک اور پیدائش میں۔ اس میں روح پھونکتے ہیں وہ زندہ ہو جاتا ہے۔ او ظالمو! جو خدا یہ کام کر سکتا ہے وہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں انسان کے وجود سے زیادہ عجیب چیز کوئی نہیں ہے۔ حقیر قطرے سے اللہ تعالیٰ نے انسان بنا دیا مگر چوں کہ انسان روزمرہ پیدا ہوتے رہتے ہیں اس لیے کوئی تعجب نہیں کرتا رب تعالیٰ کی قدرت سمجھنا چاہیں تو اس سے سمجھ سکتے ہیں ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ پس برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ دنیا صرف تصویریں بنا سکتی ہے، بت اور مورتیاں بنا سکتی ہے ان میں جان نہیں ڈال سکتی۔ پروردگار وہ ہے جس نے جان بھی ڈال دی ہے۔

فرمایا یہ بھی یاد رکھو! ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ﴾ پھر بے شک تم اس کے بعد مرنے والے ہو۔ اور یہ بھی یاد رکھو! ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ﴾ پھر بے شک تم قیامت والے دن اُٹھائے جاؤ گے۔ قیامت کا تم کیسے انکار کر سکتے ہو؟ اپنی حقیقت کو دیکھو تم کیا تھے، کیا بنے، کس نے بنایا اور کیا سے کیا بنایا۔ سورہ یٰسین میں فرمایا ﴿قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾

"آپ فرما دیں وہ زندہ کرے گا جس نے اس کو پہلی مرتبہ پیدا فرمایا۔" رب تعالیٰ کی اور قدرت دیکھو! ﴿وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ﴾ طَرَائِق طریقہ کی جمع ہے بمعنی راستہ۔ معنیٰ ہوگا اور البتہ تحقیق پیدا کیے ہم نے تمھارے اُوپر سات راستے اور مراد آسمان ہیں کیوں کہ یہ فرشتوں کے راستے ہیں اور ستاروں کے راستے ہیں سورج چاند کے بھی راستے ہیں۔ اب مطلب ہوگا کہ ہم نے پیدا کیے تمھارے اُوپر سات آسمان۔ پہلے آسمان کو دیکھو جو ہمیں نظر آتا ہے کہ بغیر ستون بغیر کسی سہارے کے اللہ تعالیٰ نے کھڑا کیا ہے۔ جو پروردگار اتنی بلند چیز کو پیدا کر سکتا ہے پھر ایک نہیں سات آسمان ہیں کیا وہ انسان کے چھوٹے سے وجود کو پیدا نہیں کر سکتا؟ تم رب تعالیٰ کی قدرت کا کس طرح انکار کرتے ہو؟ ﴿وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں ہم مخلوق سے غافل۔ سب کچھ ہم دیکھ رہے ہیں۔ انسان کی پیدائش سے پہلے رب تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ کیا کرے گا اس کے دل میں کیا کیا آئے گا۔

اور رب تعالیٰ کی قدرت دیکھو! ﴿وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور اُتارا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی، بارش ﴿بِقَدَرٍ﴾ اندازے کے ساتھ، حکمت کے مطابق ﴿فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ﴾ پس ہم نے ٹھہرایا اس کو زمین میں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے ہمارا پاکستان چھوٹا سا ملک ہے اس ملک میں ایسے علاقے ہیں کہ لوگوں نے تالاب اور حوض بنائے ہوتے ہیں جہاں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے خود پیتے ہیں جانوروں کو پلاتے ہیں اسی سے کپڑے دھوتے ہیں اور دیگر ضروریات پوری کرتے ہیں۔ فصلیں بھی اسی پانی سے سیراب کرتے ہیں۔ تو فرمایا ہم نے اس کو ٹھہرایا زمین میں ﴿وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس پانی کے لے جانے پر البتہ قادر ہیں۔ زمین کو حکم دیں سارا پانی جذب کر لے ایک قطرہ پانی کا اُوپر نہ رہے، ہوا کو حکم دیں کہ سارا پانی اُڑا کر لے جائے، سورج کو حکم دیں کہ اپنی حرارت سے سارا پانی خشک کر دے تو اس وقت تم کیا کر سکتے ہو؟

تو ہم نے پانی کو نازل کیا ہے پھر اس کو زمین میں ٹھہرایا ہے تاکہ تم اپنی ضروریات پوری کرو ﴿فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ﴾ پس ہم نے پیدا کیے تمھارے لیے اس پانی کے ذریعے باغات۔ وہ باغات کس چیز کے ہیں ﴿مِّنْ نَّخِيْلٍ﴾ کھجوروں کے ﴿وَّ اَعْنَابٍ﴾ اور انگوروں کے ہیں۔ یہ دو چیزیں چوں کہ وہاں عام تھیں اور دیر تک رہنے والی تھیں اس لیے ان کا ذکر فرمایا۔ کھجور کئی سال تک پڑی رہتی ہے۔ انگور خشک کر کے کشمش اور منقّیٰ بناتے ہیں جو کئی سالوں تک کام آتا ہے۔ ان کے علاوہ باقی پھل زیادہ دیر تک نہیں سنبھالے جا سکتے۔ ہاں! البتہ آج کل کے سائنسی دور میں دوسرے پھلوں کو بھی سٹور کر لیا جاتا ہے۔ اس وقت یہ سلسلہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ﴾ تمھارے لیے ان باغات میں پھل ہیں بہت سارے۔ ہر علاقے میں جدا جدا پھل ہیں ﴿وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ اور ان پھلوں میں سے تم کھاتے ہو۔ رب تعالیٰ کی قدرت پر تم غور نہیں کرتے کہ زمین کس نے پیدا فرمائی، بارش کس نے برسائی، باغات کھیت کس نے اُگائے، پھلوں میں لذت کس نے رکھی؟ ہاں! اگر آدمی آنکھیں بند کر لے تو اسے کچھ نہیں نظر آتا۔

انھے نوں بازار پھرایا تھاں تھاں دا انھوں سیر کرایا
جا پوچھیا اس انھے توں آکھے کجھ نظری نہ آیا۔ (بلوچ)

زیتون کا تیل طبی لحاظ سے زیادہ مفید ہے

ایک اور چیز پر غور کرو ﴿وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ﴾ اور ہم نے پیدا کیا درخت جو نکلتا ہے طور سینا پہاڑ سے۔ اس پہاڑ کو طور سینین بھی کہتے ہیں طور بھی کہتے ہیں وہاں زیتون کے بڑے بڑے درخت ہوتے ہیں ساتھ پھل لگتا ہے ﴿تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ﴾ جو تیل اُگاتا ہے۔ ہمارے ہاں نہ وہ درخت ہیں اور نہ زیتون کے تیل کو استعمال کرنے کی عادت ہے۔ عرب ممالک میں آج بھی زیتون کا تیل کھانے اور لگانے کے لیے استعمال ہوتا ہے طبی نقطۂ نظر سے انسان کی صحت کے لیے بہ نسبت گھی کے زیادہ مفید ہے۔ اصل گھی بھی اگر نصیب ہو جائے تو یہ ان لوگوں کے لیے سونے پر سہاگا ہے جو لوگ محنت کا کام کرتے ہیں ان کے اعضاء حرکت کرتے ہیں اور جو لوگ بیٹھے رہتے ہیں دیسی گھی ان کے اعصاب کو کمزور کر دیتا ہے۔ اور زیتون کے تیل میں رب تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ مقوی اعصاب ہے، معدے کی زائد رطوبات کو خشک کرتا ہے اور ہم جو اصل گھی کھاتے ہیں وہ گھٹنوں میں بیٹھ جاتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے احسان کے طور پر فرمایا ہے کہ ہم نے طور سینا میں وہ درخت پیدا فرمایا ہے جو تیل پیدا کرتا ہے ﴿وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ﴾ اور سالن ہے کھانے والوں کے لیے۔ جیسے ہمارے ہاں بعض علاقوں میں لوگ گھی کے ساتھ کھاتے ہیں بعضے اس میں شکر چینی ڈالتے ہیں اور بعضے نہیں ڈالتے۔ اسی طرح وہ لوگ زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کھاتے تھے تو جس طرح رب تعالیٰ نے زیتون کا درخت پیدا فرمایا اور اس سے تیل نکالا اسی طرح تمھیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ ﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً﴾ اور بے شک تمھارے لیے مال مویشیوں میں البتہ عبرت ہے ﴿نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا﴾ ہم پلاتے ہیں تمھیں اس چیز سے جو ان کے پیٹوں میں ہے دودھ۔ پیٹ میں گھاس چارا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس کے دو حصے بن جاتے ہیں ایک حصہ تو بدن کے لیے خون بن جاتا ہے اور دوسرا حصہ جگر کے ذریعے گوبر، پیشاب بن جاتا ہے۔ فضلہ اگر خارج نہ ہو تو نہ حیوان تندرست رہتا ہے نہ انسان۔ اللہ تعالیٰ نے کیسا نظام بنایا ہے۔ وہ خون بنتا ہے رب تعالیٰ اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ ایک حصہ بدن کے کام آتا ہے دوسرا حصہ خون کا دودھ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ تم نے سبز چارا ڈالا اور سفید دودھ نکل آیا۔ سوکھے ٹکڑے اور بھوسا ڈالا جو انسان کھا نہیں سکتا رب تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ گائے بھینس نے کھایا تو وہ دودھ بن گیا۔ پھر دیکھو! بیل وہی کچھ کھائے بھینسا وہی کچھ کھائے تو دودھ نہیں بنتا، گائے بھینس کھائے تو دودھ بنتا ہے یہ کس کی قدرت سے ہے؟ رب تعالیٰ کی قدرت سے ہے۔

تو دور جانے کی ضرورت نہیں ہے تمھارے جانوروں میں عبرت کا سامان موجود ہے۔ ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ﴾ اور تمھارے لیے ان جانوروں میں بہت سے فائدے ہیں۔ ان کی اون استعمال کرتے ہو، بال استعمال کرتے ہو تمھاری مالیت بڑھتی ہے، دودھ پیتے ہو، لسی استعمال کرتے ہو ﴿وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ اور ان جانوروں میں سے کھاتے بھی ہو۔ جس رب نے یہ سب کچھ تمھارے لیے پیدا فرمایا ہے وہی قیامت لائے گا ﴿وَعَلَيْهَا﴾ اور ان جانوروں پر۔ عرب کا علاقہ ریگستانی ہے، پتھریلا

ہے انسان وہاں بڑی مشکل سے چل سکتا ہے۔ ریت میں تو انسان پاؤں آگے رکھتا ہے پیچھے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بڑے بڑے قد والے اُونٹ پیدا فرمائے ہیں جن کے چوڑے چوڑے پاؤں ہیں کہ ریت میں دھنستے نہیں ہیں اور لمبے لمبے قدم رکھتے ہیں۔ بعض موسموں میں عرب میں تیز ہوائیں چلتی ہیں ان میں یہ قافلے کے قافلے دوڑتے جاتے ہیں اور سفر بڑی جلدی طے ہوتا ہے۔ تو ان جانوروں پر ﴿وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ﴾ اور کشتیوں پر تم اُٹھائے جاتے ہو یعنی سوار کیے جاتے ہو۔ کشتیاں رب تعالیٰ کی قدرت سے دریاؤں میں چلتی ہیں سمندروں میں چلتی ہیں تم ان پر سوار ہوتے ہو اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر جاتے آتے ہو۔ اور فائدے حاصل کرتے ہو۔ جس رب تعالیٰ کی قدرت سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے وہی تمھیں دوبارہ زندہ کرے گا۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو ﴿اِلٰى قَوْمِهٖ﴾ ان کی قوم کی طرف ﴿فَقَالَ﴾ پس انھوں نے فرمایا ﴿يٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم! ﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ عبادت کرو تم اللہ تعالیٰ کی ﴿مَا لَكُمْ﴾ نہیں ہے تمھارے لیے ﴿مِّنْ اِلٰهٍ﴾ کوئی معبود ﴿غَيْرُهٗ﴾ اس کے سوا ﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا پس تم شرک سے بچتے نہیں ہو ﴿فَقَالَ الْمَلَؤُا﴾ پس کہا جماعت نے ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ جو کافر تھے ﴿مِنْ قَوْمِهٖ﴾ ان کی قوم میں سے ﴿مَا هٰذَآ﴾ نہیں ہے یہ نوح (علیہ السلام) ﴿اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ مگر انسان تمھارے جیسا ﴿يُرِيْدُ﴾ ارادہ کرتا ہے ﴿اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ﴾ کہ اپنی فضیلت جتلائے تمھارے اُوپر ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ ﴿لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾ البتہ نازل کرتا فرشتوں کو ﴿مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا﴾ نہیں سنی ہم نے یہ بات ﴿فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ﴾ اپنے پہلے باپ دادوں میں ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ﴾ نہیں ہے یہ مگر ایک آدمی ﴿بِهٖ جِنَّةٌ﴾ اس کو جنون ہے، پاگل ہے ﴿فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ﴾ پس تم انتظار کرو اس کا ﴿حَتّٰى حِيْنٍ﴾ ایک وقت تک ﴿قَالَ﴾ فرمایا نوح علیہ السلام نے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿انْصُرْنِيْ﴾ میری مدد کر ﴿بِمَا كَذَّبُوْنِ﴾ اس لیے کہ انھوں نے مجھے جھٹلایا ہے ﴿فَاَوْحَيْنَآ﴾ پس ہم نے وحی بھیجی ﴿اِلَيْهِ﴾ نوح علیہ السلام کی طرف ﴿اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ﴾ یہ کہ آپ کشتی بنائیں ﴿بِاَعْيُنِنَا﴾ ہماری آنکھوں کے سامنے ﴿وَوَحْيِنَا﴾ اور ہماری وحی کے مطابق ﴿فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ پس جب آئے گا ہمارا حکم ﴿وَفَارَ التَّنُّوْرُ﴾ اور جوش مارے گا تندور ﴿فَاسْلُكْ فِيْهَا﴾ پس سوار کر لینا اس کشتی میں ﴿مِنْ كُلٍّ﴾ ہر نوع سے ﴿زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ دو جوڑے ﴿وَاَهْلَكَ﴾ اور اپنے اہل کو ﴿اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ﴾ مگر وہ کہ جن پر طے ہو چکی بات ان میں سے ﴿وَلَا تُخَاطِبْنِيْ﴾ اور مجھ سے بات نہ کرنا ﴿فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ ان لوگوں کے بارے میں جو ظالم ہیں ﴿اِنَّهُمْ

﴿مُّغْرَقُوْنَ﴾ بے شک وہ غرق کیے جائیں گے ﴿فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ﴾ پس جب آپ درست ہو جائیں ﴿وَ مَنْ مَّعَكَ﴾ اور وہ جو آپ کے ساتھ ہیں ﴿عَلَى الْفُلْكِ﴾ کشتی پر ﴿فَقُلِ﴾ پس کہنا ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿الَّذِیْ نَجّٰنَا﴾ جس نے ہمیں نجات دی ﴿مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ظالم قوم سے ﴿وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ﴾ اور کہنا اے میرے رب ہمیں اُتارنا ﴿مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا﴾ ایسی جگہ جو برکت والی ہے ﴿وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ﴾ اور آپ ہی بہترین اُتارنے والے ہیں ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک اس میں البتہ کئی نشانیاں ہیں ﴿وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ﴾ اور بے شک ہم آزمائش میں ڈالنے والے ہیں۔

جب سے انسانیت کا سلسلہ شروع ہوا اسی وقت سے نبوت کا سلسلہ شروع ہوا

انسانیت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی اور نبوت و رسالت کا سلسلہ بھی آدم علیہ السلام سے شروع ہوا۔ پہلے پیغمبر آدم علیہ السلام تھے ان کے بعد ان کے بیٹے شیث علیہ السلام پھر ادریس علیہ السلام پھر نوح علیہ السلام۔ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے جتنے لوگ گزرے ہیں ان میں شرک نہیں تھا یہ تقریباً دو ہزار سال کا زمانہ بنتا ہے۔ پہلی قوم جس نے شرک کی ترویج کی وہ نوح علیہ السلام کی قوم تھی ان سے پہلے کوئی شرک نہیں تھا۔ اس قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھیجا۔

شرک کی ابتداء

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف۔ نوح علیہ السلام نے تبلیغ شروع کی فَقَالَ پس فرمایا نوح علیہ السلام نے ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ اے میری قوم! تم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارے لیے کوئی معبود اس کے سوا۔ ﴿یٰقَوْمِ﴾ اصل میں یٰقَوْمِیْ تھا۔ 'ی' متکلم کی تخفیفاً حذف کر دی گئی۔ خدا کے پیغمبر کا انداز دیکھو! کتنا پیارا ہے۔ یہ خدا کے پیغمبر ہیں مومن ہیں قوم ساری مشرک ہے۔ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس ذات کے سوا تمھارا کوئی معبود، مشکل کشا نہیں ہے۔ سورہ نوح میں پانچ بزرگوں کے نام آتے ہیں، ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر۔ ان پانچ بزرگوں کے انھوں نے بت بنائے ہوئے تھے اور ان کی وہ پوجا کرتے تھے یہ بزرگ کون تھے؟ اس کے متعلق مؤرخین فرماتے ہیں کہ وَدّ حضرت ادریس علیہ السلام کا لقب تھا اور باقی چار ان کے نیک بیٹے اور صحابی تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے ﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا پس تم کفر شرک سے بچتے نہیں ہو، رب تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے نہیں ہو ﴿فَقَالَ الْمَلَؤُا﴾ پس کہا جماعت نے ﴿الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ﴾ وہ جماعت جو کافر تھی ان کی قوم میں سے۔ کیا کہا؟ ﴿مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ نہیں ہیں نوح علیہ السلام مگر بشر انسان تمھارے جیسا۔ بشر ہو کر نبی کیسے بن گیا؟

پہلی مشرک قوم نے ہی پیغمبروں کی بشریت کا انکار کیا

یہ پہلی قوم تھی جس نے شرک کیا اور پیغمبروں کی بشریت کا انکار کیا کہ بشر پیغمبر نہیں ہوسکتا۔ یہ دونوں عقیدے اُسی دور سے چلے ہیں اور آج تک چلے آ رہے ہیں۔نہیں ہے یہ مگر بشر تمھارے جیسا۔ یہ بشر ہوکر پیغمبر کیسے ہو گیا اس کو نبوت کیسے مل گئی؟ ﴿یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ﴾۔ تَفَضَّل باب تفعّل ہے۔ اس میں تکلف کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو فضیلت حاصل نہیں ہے دھکے سے اپنی فضیلت منوانا چاہتا ہے۔ معنیٰ ہوگا ارادہ کرتا ہے کہ اپنی فضیلت جتلائے تمھارے اُوپر۔ اور یہ بھی کہا ﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ پیغمبر بھیجنے ہیں تو ﴿لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾ البتہ نازل کرتا فرشتوں کو۔ نوری مخلوق کو پیغمبر بنا کر بھیج دیتا۔ فرشتے نوری ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: ((خُلِقَتِ الْمَلٰئِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ)) "فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔" اس نور سے نہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے بلکہ مخلوق نور سے۔

تو کہنے لگے پیغمبر تو نوری ہونا چاہیے تھا یہ بشر ہو کر نبی کیسے بن گیا ﴿مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا﴾ نہیں سنی ہم نے یہ بات۔ جو یہ کہتا ہے الہ ایک ہے اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہے ﴿فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ﴾ اپنے پہلے باپ دادوں میں جو وَد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر، کی عبادت کرتے تھے۔ ہم نے ان سے نہیں سنا کہ معبود ایک ہی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے مقابلے میں محکموں میں کمیٹیاں بنائی گئیں اور ان کے ذمہ یہ مشن سپرد کیا گیا ﴿لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ﴾ [نوح: ۲۳] "اپنے الٰہوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔" وَد، سواع ، یغوث، یعوق، نسر، کو نہ چھوڑنا اس کی بات پر کان نہ دھرو کہ یہ کہتا ہے معبود صرف ایک ہے ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ﴾ نہیں ہے یہ مگر ایک آدمی ﴿بِهٖ جِنَّةٌ﴾ اس کو جنون ہے، پاگل ہے معاذ اللہ تعالیٰ۔ ساری قوم ایک طرف ہے، ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر، کی پوجا کرنے والی اور یہ اکیلا کہتا ہے کہ ان کی عبادت جائز نہیں ہے الٰہ صرف ایک ہے۔ یہ پاگل ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی تعداد

حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کوئی نہیں تھا ہاں! کئی صدیوں کے بعد کچھ آدمی ساتھ ملے جس کا ذکر سورۃ ہود آیت نمبر ۴۰ میں ہے ﴿وَ مَآ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ﴾ "نہیں ایمان لائے ان کے ساتھ مگر بہت تھوڑے۔" حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کی مدت ساڑھے نو سو سال ہے اتنے عرصے میں بھی تھوڑے سے آدمی ایمان لائے۔ اگر تورات کا بیان مان لیں، بائبل کا بیان مان لیں تو صرف سات آدمی مومن تھے۔ چار بہوئیں اور تین بیٹے، نہ بیوی ایمان لائی اور نہ ایک بیٹا ایمان لایا لیکن قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اور آدمی بھی ساتھ تھے۔ تاریخ بھی بتلاتی ہے کہ کچھ اور آدمی بھی ساتھ تھے۔ کتنے تھے؟ کسی نے ۸۰ لکھے ہیں کسی نے ۸۴ لکھے ہیں کسی نے ۹۰ لکھے ہیں۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان ملا کر۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ تاریخ کے اوراق الٹ پلٹ کر تھک ہار کر بیٹھ گئے سو کی تعداد پوری نہیں ہوئی۔

تو کہنے لگے یہ ایک آدمی ہے پاگل معاذ اللہ تعالیٰ۔ ﴿فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ﴾ پس تم انتظار کرو اس کا ﴿حَتّٰى حِیْنٍ﴾ ایک وقت

تک۔ یہ پاگل خود مرجائے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام جہاں کہیں کچھ آدمیوں کو اکٹھا دیکھتے تو رب تعالیٰ کا پیغام سنانے کے لیے وہاں پہنچتے تو مجلس والے کہتے ﴿مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ﴾ [قمر:۹] یہ پاگل ہے دھکے مار کر نکال دیتے تھے۔ تو نوح علیہ السلام چھت پر چڑھ کر فرماتے ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ﴾ "پھر بے شک میں نے ان کو علی الاعلان دعوت دی۔"

تاریخ بتاتی ہے کہ لوگ جنگلوں میں لکڑیاں کاٹنے کے لیے جاتے، گھاس چارا کاٹنے کے لیے جاتے تو یہ ساتھ ہو جاتے اور توحید کا پیغام پہنچانا شروع کر دیتے وہ اپنا کام کرتے اور یہ تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ واپسی تک یہی سلسلہ شروع رہتا۔ کوئی ہل چلا رہا ہے تو وہاں پہنچ جاتے خوشی غمی کی مجلس ہوتی وہاں پہنچ جاتے، لوگ مردے کو دفن کر رہے ہیں اور یہ بیان فرما رہے ہیں ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ اگر دلہن کی ڈولی لے کر جا رہے ہیں تو یہ ساتھ ہو جاتے اور فرماتے ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ لوگ کہتے یہ پاگلوں کا کام ہے، نہ خوشی دیکھتا ہے، نہ غمی، کوئی ہل چلا رہا ہے، کوئی چارا کاٹ رہا ہے اس نے اپنی رٹ لگائی ہوتی ہے ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔ ساڑھے نو سو سال کا عرصہ اس طرح گزرا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ﴿قَالَ﴾ کہا نوح علیہ السلام نے ﴿رَبِّ انْصُرْنِیْ﴾ اے میرے رب میری مدد کر ﴿بِمَا كَذَّبُوْنِ﴾ اس لیے کہ انھوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ ﴿فَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ﴾ پس ہم نے وحی بھیجی نوح علیہ السلام کی طرف ﴿اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا﴾ یہ کہ بناؤ تم کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے، ہماری نگرانی میں ﴿وَوَحْیِنَا﴾ اور ہماری وحی کے مطابق، ہماری ہدایت کے مطابق۔

کشتی نوح علیہ السلام گوپھر کی لکڑی سے تیار کی گئی

تورات میں ہے کہ گوپھر کے درخت کی لکڑی سے کشتی تیار کی گئی تھی یہ درخت شام کے علاقے میں ہوتا ہے جیسے ہمارے علاقے میں شیشم کی لکڑی اور صوبہ سرحد (خیبر پختون خواہ) کے علاقے میں اخروٹ کی لکڑی بڑی مضبوط ہوتی ہے اس کی لوگ پرات بناتے ہیں آٹا گوندھنے کے لیے اور چمچ بناتے ہیں سالن پکانے کے لیے اور ہندوستان میں ساگوان کی لکڑی جس سے بندوقوں کے دستے، بٹ بناتے ہیں۔ تو کشتی گوپھر درخت کی لکڑی سے بنائی گئی۔ تورات میں ہے کہ یہ کشتی تین سو ہاتھ لمبی تھی یعنی پانچ سو پچاس فٹ اور پچاس ہاتھ چوڑی تھی اکانوے فٹ آٹھ انچ۔ اور تیس ہاتھ اُونچی تھی یعنی پچاس فٹ۔ یہ پیمائش ہے کشتی کی۔ اس میں انھوں نے کئی درجے اور خانے بنائے۔ ایک خانے میں کھانے پکانے کی چیزیں اس سے اُوپر والی منزل میں جانور اس سے اُوپر والی منزل انسانوں کے لیے۔ سورہ ہود آیت نمبر ۳۸ میں ہے کہ جب لوگ نوح علیہ السلام کے پاس سے گزرتے تھے تو ﴿سَخِرُوْا مِنْهُ﴾ "ان سے مذاق کرتے تھے۔" کہتے پہلے تو آپ نبی تھے اب ترکھان بن گئے ہو۔ کوئی کہتا یہ کشتی کہاں چلائے گا؟ دوسرا کہتا ہمارے چھوٹے تالاب میں چلائے گا۔ مذاق اُڑاتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ﴾ "اگر تم ٹھٹھا کرتے ہو ہمارے ساتھ پس بے شک ہم بھی تمھارے ساتھ ٹھٹھا کریں گے جیسا کہ تم

کرتے ہوٹھٹھا۔" ہماری باری بھی آئے گی۔

﴿فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ پس جب آئے گا ہمارا حکم ﴿وَفَارَ التَّنُّوْرُ﴾ اور جوش مارے گا تندور۔ یہ علامت ہوگی ہمارے عذاب کے ابتداء کی کہ تمھارے گھر والے تندور سے پانی جوش کے ساتھ اُبھرے تو آپ اپنی تیاری کر لیں۔ ﴿فَاسْلُكْ فِيْهَا﴾ پس سوار کرلیں اس کشتی میں ﴿مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ ہر نوع سے دو جانور نر مادہ، بیل گائے، گدھا گدھی، بلا بلی، کتا کتیا، خنزیر خنزیرنی، ﴿وَاَهْلَكَ﴾ اور اپنے گھر کے افراد کو ہاں! ﴿اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ﴾ مگر وہ جن پر ہماری بات طے ہو چکی ہے ان میں سے، کنعان وغیرہ۔ کتا خنزیر بیٹھ سکتے ہیں، مشرک بیٹا نہیں بیٹھ سکتا ﴿وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ اور نہ مخاطب ہونا میرے ساتھ بات نہ کرنا ان لوگوں کے متعلق جو ظالم ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے پہلے اپنے بیٹے کو فرمایا ہمارے ساتھ سوار ہو جا کافروں کے ساتھ نہ ہو کلمہ پڑھ کے سوار ہو جا۔ بیٹے نے کہا ﴿سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ﴾ [ہود: ۴۳] "میں پناہ پکڑوں گا پہاڑ کی طرف وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔" پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاؤں گا۔ پانی میرا کیا بگاڑ لے گا۔

جب غرق ہونے لگا تو نوح علیہ السلام نے دعا کی، شفقت پدری نے جوش مارا ﴿رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ﴾ [ہود: ۴۵] "اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور آپ کا وعدہ سچا ہے۔" کہ آپ کو آپ کے اہل کو بچا لوں گا۔ حالانکہ رب تعالیٰ نے فرمایا تھا ﴿اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ مگر وہ جن کے متعلق بات طے ہو چکی ہے ان میں سے۔ لیکن شفقت پدری کی وجہ سے نوح علیہ السلام کی اس طرف توجہ نہ ہوئی۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے ناراضی کا اظہار فرمایا ﴿فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ [ہود: ۴۶] "نہ مانگیں مجھ سے وہ چیز جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔" میں نے پہلے کہہ دیا تھا کہ ظالموں کے بارے میں میرے ساتھ بات نہ کرنا۔ یہ آپ کا بیٹا نہیں ہے ﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ "بے شک اس کے عمل غیر صالح ہیں۔" میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہو جاؤ گے تم نادانوں میں سے۔ تو فرمایا ظالموں کے بارے میں میرے ساتھ بات نہ کرنا ﴿اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾ بے شک وہ غرق کیے جائیں گے ﴿فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ﴾ پس جب آپ سیدھے ہو کر بیٹھ جائیں ﴿وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ﴾ اور وہ جو آپ کے ساتھ ہیں وہ بھی کشتی میں بیٹھ جائیں تو ﴿فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ پھر کہنا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم سے۔

سیلاب نوح علیہ السلام ساری دنیا پر آیا؟

جمہور کی رائے یہی ہے کہ یہ سیلاب پوری دنیا پر آیا تھا۔ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہے جو کہتے ہیں کہ زمین کے کچھ حصے پر آیا تھا۔ یہ اتنا بڑا سیلاب تھا کہ دنیا کے کسی پہاڑ کی چوٹی نظر نہیں آتی تھی حتیٰ کہ کوہ ہمالیہ دنیا کا سب سے بڑا پہاڑ ہے اس کی چوٹی سے بھی پانی گزر گیا تھا۔ بارہویں پارے میں ہے کہ رب تعالیٰ نے آسمان کو حکم دیا کہ بارش بند کر دے اور زمین کو حکم دیا کہ پانی جذب کرنا شروع کر دے۔ تورات کے مطابق چھ ماہ سترہ دن یہ کشتی چلتی رہی۔ پھر جب ساری زمین سے پانی خشک ہو گیا تو

﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ﴾ [ہود: ۴۴] "اور وہ کشتی جودی پہاڑ پر رکی۔" یہ عراق کے صوبہ موصل میں ہے۔ تورات کے بیان کے مطابق اور آج کے جغرافیہ میں اس کا نام ارارات ہے۔ جغرافیہ دان بتلاتے ہیں کہ یہ پہاڑ سمندر سے سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ صرف وہی بچے جو کشتی پر سوار تھے انسان اور جانور۔

اور فرمایا مجھ سے یہ دعا کرو ﴿وَقُلْ﴾ اور آپ کہہ دیں ﴿رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا﴾ اے میرے رب! مجھے اتارنا ایسی جگہ پر جو برکت والی ہے، وہ علاقہ زرخیز ہو ﴿وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ اور آپ ہی بہترین اُتارنے والے ہیں۔ رب تعالیٰ نے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ﴾ بے شک قوم نوح کے قصہ میں کئی نشانیاں ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا صبر اور حوصلہ دیکھو! ان کے مقابلے میں جو لوگ تھے ان کی عقل، ان کی شرارت اور گستاخی دیکھو! بدزبانی، بے لحاظی دیکھو پھر انجام دیکھو! اِن کی نجات اور اُن کا غرق ہونا دیکھو! اس میں کئی نشانیاں ہیں ﴿وَاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ﴾ اور بے شک البتہ ہم امتحان میں ڈالنے والے ہیں۔ ہم نے اِن کا بھی امتحان لیا اور اُن کا بھی امتحان لیا۔

﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا﴾ پھر ہم نے پیدا کیں ﴿مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد ﴿قَرْنًا اٰخَرِيْنَ﴾ دوسری جماعتیں ﴿فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾ پس بھیجا ہم نے ان کے اندر ایک رسول ﴿مِّنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ یہ کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ نہیں ہے تمھارے لیے کوئی معبود اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا پس تم بچتے نہیں ہو ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ﴾ اور کہا جماعت نے ﴿مِنْ قَوْمِهٖ﴾ ان کی قوم سے ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ جو کافر تھے ﴿وَكَذَّبُوْا﴾ اور انھوں نے جھٹلایا ﴿بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ﴾ آخرت کی ملاقات کو ﴿وَاَتْرَفْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان کو آسودگی دی ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ نہیں ہے یہ مگر بشر تمھارے جیسا ﴿يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ﴾ کھاتا ہے وہ چیزیں جو تم کھاتے ہو ﴿وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ﴾ اور پیتا ہے ان چیزوں کو جو تم پیتے ہو ﴿وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ﴾ اور اگر تم نے اطاعت کی اپنے جیسے انسان کی ﴿اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴾ بے شک تم البتہ اس وقت نقصان اٹھانے والے ہو گے ﴿اَيَعِدُكُمْ﴾ کیا ڈراتا ہے تمھیں ﴿اَنَّكُمْ﴾ بے شک تم ﴿اِذَا مِتُّمْ﴾ جب مر جاؤ گے ﴿وَكُنْتُمْ تُرَابًا﴾ اور ہو جاؤ گے تم مٹی ﴿وَّعِظَامًا﴾ اور ہڈیاں ﴿اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ﴾ بے شک تم نکالے جاؤ گے ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ﴾ بعید ہے یہ بعید ہے ﴿لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ جس کا تمھارے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے ﴿اِنْ هِيَ﴾ نہیں ہے یہ ﴿اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا﴾ مگر ہماری دنیا کی زندگی ﴿نَمُوْتُ وَنَحْيَا﴾ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ اور ہم دوبارہ نہیں اُٹھائے جائیں گے ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ﴾ نہیں ہے یہ مگر

ایک مرد ﴿افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اس نے افترا باندھا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں ہم اس پر ایمان لانے والے قَالَ فرمایا پیغمبر نے ﴿رَبِّ انْصُرْنِيْ﴾ اے میرے رب میری مدد فرما ﴿بِمَا كَذَّبُوْنِ﴾ اس لیے کہ لوگوں نے میری تکذیب کی ہے قَالَ فرمایا پروردگار نے ﴿عَمَّا قَلِيْلٍ﴾ تھوڑے سے وقت کے بعد ﴿لَّيُصْبِحُنَّ﴾ البتہ ضرور ہو جائیں گے ﴿نٰدِمِيْنَ﴾ پشیمان ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ﴾ پس پکڑا ان کو ایک چیخ نے ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً﴾ پس کر دیا ہم نے ان کو خس وخاشاک ﴿فَبُعْدًا﴾ پس دوری ہے ﴿لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ظالم تھی۔

کل آپ حضرات نے حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ کافی تفصیل کے ساتھ سنا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو ساڑھے نو سو سال ڈرایا۔ چند گنتی کے خوش نصیب سعادت مند لوگ تھے جنھوں نے نوح علیہ السلام کا کلمہ پڑھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نُوْحٌ نَّجِیُّ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مجرموں کو سیلاب میں غرق کر دیا۔ ان کی تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ پھر پیدا کیں ہم نے قوم نوح علیہ السلام کی تباہی کے بعد ﴿قَرْنًا اٰخَرِيْنَ﴾ دوسری جماعتیں۔ نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد قوم عاد آئی جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ ان کے علاقے کے متعلق جغرافیہ دان بتاتے ہیں کہ ایک طرف سعودیہ ہے ایک طرف عمان ہے اور ایک طرف حَضَرَ مَوْتُ اور ایک طرف نجران ہے ان کے درمیان کا علاقہ عاد قوم کا تھا۔ اس علاقے میں اکثر و بیشتر ریت ہی ریت ہے آبادی بہت کم ہے۔

﴿فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾ پس بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول ﴿مِّنْهُمْ﴾ ان میں سے۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ ان کو سبق دو ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں تمھارے لیے کوئی معبود اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اس کے سوا، نہ کوئی معبود، نہ کوئی مسجود، نہ کوئی حاجت روا، نہ کوئی مشکل کشا، نہ کوئی فریاد رس، نہ کوئی دستگیر ﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا پس تم بچتے نہیں کفر شرک سے، اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ﴾ اور کہا جماعت نے ﴿مِنْ قَوْمِهِ﴾ ہود کی قوم میں سے ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ جو کافر تھے ﴿وَكَذَّبُوْا﴾ اور انھوں نے جھٹلایا ﴿بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ﴾ آخرت کی ملاقات کو کہ آخرت نہیں ہے اور نہ ہی رب تعالیٰ کے ساتھ ملاقات ہونی ہے اور نہ مرنے کے بعد آپس میں ملاقات ہوگی۔ اور قرآن پاک کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب کی ملاقات ہوگی سب اس کی عدالت میں پیش ہوں گے، رتی رتی کا حساب ہوگا اور ایک دوسرے کے ساتھ بھی ملاقات ہوگی جنتی دوزخی بھی آپس میں ملیں گے۔ لیکن ان کافروں نے کہا کہ قیامت نہیں ہوگی۔

﴿وَاَتْرَفْنٰهُمْ﴾۔ تَرْفَه کے معنیٰ ہیں آسودگی۔ معنیٰ ہوگا اور ہم نے ان کو آسودگی دی ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں مال دیا، اولاد دی، زمین دی، چشمے باغات دیئے، جانور دیئے، اس زمانے کے لحاظ سے جو بھی تھا اللہ تعالیٰ نے دیا۔ چاہیے تو

یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر پر ایمان لے آتے اور اطاعت کرتے۔ اُلٹا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی مخالفت کی اور کہا ﴿مَاهٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ نہیں ہے یہ ہود علیہ السلام مگر انسان تمھارے جیسا۔ بشر ہوتے ہوئے نبی کیسے بن گیا اور یہ بات تم پہلے سن چکے ہو کہ جب سے کفر شرک کی ترویج شروع ہوئی ہے اسی وقت سے یہ باطل نظریہ بھی آرہا ہے کہ پیغمبر بشر نہیں ہوسکتا۔

نبی کو بشر ماننے کے بغیر نماز بھی نہیں ہوتی

آج بھی کئی کلمہ گو جاہل قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر کو بشر نہ کہو، بندہ نہ کہو۔ سوال یہ ہے کہ اگر بندہ نہ کہیں تو نماز کیسے پڑھیں؟ ہر نماز میں التحیات پڑھنی ہے اور التحیات میں ہے: ((اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ)) "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔" پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کا اقرار ہے پھر رسالت کا۔ معاذ اللہ تعالیٰ! اگر اس لفظ میں توہین کا شائبہ بھی ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی نماز میں پڑھنے کا سبق نہ دیتے۔ اگر عبد کہنے میں توہین ہے تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ نماز اس وقت قبول ہو گی جب پیغمبر کی توہین کی جائے معاذ اللہ تعالیٰ! کتنا غلط اور باطل عقیدہ ہے۔

اور یہ بات بھی میں کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں ان لوگوں کو غلطی یہاں سے لگی ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو بندہ سمجھ لیا ہے بشر اور آدمی سمجھ لیا ہے اور اپنے گناہ اور کوتاہیوں کو سامنے رکھ لیا ہے کہ بندہ وہ ہوتا ہے جو گناہ کرتا ہے لہٰذا پیغمبر کو بشر نہیں ہونا چاہیے۔ حالاں کہ اپنے آپ کو بشر کہنا اور سمجھنا غلطی ہے۔ بشر بڑی اُونچی چیز ہے۔ آدمیت اور انسانیت کا مقام بہت بلند ہے۔ بھائی! تمھارے اُوپر بندے کا چھڑا ہے تم بندے کب ہو؟ پیغمبر کو آدمی اور بندہ کہنے میں کوئی توہین نہیں ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ [اسراء: ٧٠] "ہم نے بنی آدم کو مخلوق پر فضیلت دی ہے۔" یہ اشرف المخلوقات ہے۔ اس نوع کا درجہ فرشتوں سے بھی زیادہ ہے۔

(علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب فرمایا:

ان کی عظمت کی جھلک دیکھ کے معراج کی شب
تب سے جبریل کی خواہش ہے بشر ہو جائے

(مرتب)

جو نوح علیہ السلام کی قوم کہہ چکی تھی ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی وہی کچھ کہا ﴿مَاهٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ نہیں ہے یہ مگر تمھارے جیسا بشر انسان ﴿يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ﴾ کھاتا ہے وہ چیزیں جو تم کھاتے ہو ﴿وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ﴾ اور پیتا ہے وہ جو تم پیتے ہو۔ تو کھانے پینے والا بشر نبی کیسے بن گیا؟ اس کا جواب سورۃ الانبیاء میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ﴾ "اور نہیں بنائے ہم نے ان پیغمبروں کے ایسے جسم کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔" تو جو بات نوح علیہ السلام کی مشرک قوم نے

کہی اور ہود علیہ السلام کی مشرک قوم نے کہی بعینہ وہی بات مشرکین مکہ نے کہی۔ ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ [فرقان:۷] "کیا ہے اس رسول کو یہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا ہے بازاروں میں۔" یہ تو انسان ہے یہ کیسے نبی بن گیا؟

اور یہ بھی انھوں نے کہا ﴿وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ﴾ اور اگر تم نے اطاعت کی اپنے جیسے انسان کی ﴿اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴾ بے شک تم اس وقت نقصان اٹھانے والے ہوگے۔ دینی لحاظ سے بھی کہ تم نے اپنا مسلک چھوڑا۔ تمھارا مسلک یہ ہے کہ پیغمبر نوری ہونا چاہیے۔ کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرشتہ اتارتا، نوری مخلوق بھیج دیتا یہ بشر کیسے نبی بن گیا؟ اور اس میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگوں کو دھمکی دی ہو کہ اگر تم نے بشر کی اطاعت کی تو ہم تمھارے ساتھ نمٹ لیں گے تم نقصان اٹھاؤ گے۔ پھر یہ پیغمبر بڑی عجیب بات کہتا ہے۔ کیا کہتا ہے؟ ﴿اَيَعِدُكُمْ﴾ کیا ڈراتا ہے تمھیں۔ کیا یہ تمھارے ساتھ وعدہ کرتا ہے ﴿اَنَّكُمْ﴾ بے شک تم ﴿اِذَا مِتُّمْ﴾ جب مر جاؤ گے ﴿وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا﴾ اور ہو جاؤ گے مٹی اور ہڈیاں ﴿اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ﴾ بے شک تم نکالے جاؤ گے قبروں سے۔ قیامت آئے گی ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ﴾ بڑی دوری ہے بڑی دوری ہے ﴿لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ جس کا تمھارے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے۔ بڑی دور کی بات ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ خاک ہو، بوسیدہ ہڈیاں ہو جاؤ پھر تمھیں دوبارہ قبروں سے نکالا جائے قیامت برپا ہو جائے یہ بات بالکل سمجھ سے بالاتر ہے، جھوٹ ہے ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا﴾ نہیں ہے یہ مگر ہماری دنیا کی زندگی، آگے کچھ نہیں ہے بس اسی دنیا میں ﴿نَمُوْتُ وَنَحْيَا﴾ مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ کوئی قبر حشر نہیں ہے اور صاف لفظوں میں کہا ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ اور ہم دوبارہ نہیں اُٹھائے جائیں گے قبروں سے۔

تین چیزوں کا بڑے زور شور سے انکار کرتے تھے۔ توحید کا، رسالت کا اور معاد یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا۔

مشرکوں کی ضد کی انتہاء

اسی عاد قوم نے کہا تھا حضرت ہود علیہ السلام کو ﴿اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ [اعراف:۷۰] "کیا آپ ہمارے پاس آئے ہیں اس مقصد کے لیے کہ ہم عبادت کریں ایک خدا کی اور ہم چھوڑ دیں اپنے باپ دادا کے الٰھوں کو۔" مشرک کے لیے ایک خدا کی عبادت انتہائی مشکل ہے۔ اور دو چیزوں کے انکار کا ذکر یہاں ہے کہ بشر نبی نہیں بن سکتا اور ہم دوبارہ نہیں اُٹھائے جائیں گے۔ کہنے لگے ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى﴾ نہیں ہے یہ شخص مگر اس نے افترا باندھا ہے ﴿عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا یہ بالکل جھوٹ ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) جو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے ﴿وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ہم نہیں ہیں ان پر ایمان لانے والے۔ جب حضرت ہود علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے نا اُمید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ ان پر خشک سالی آئی کھیتیاں برباد، باغات تباہ، جانور پریشان، خود ساری قوم پریشان۔ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ کہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں خشک سالی ختم ہو جائے اللہ تعالیٰ بارش برسائے۔ کہنے لگے اگر آپ کے کہنے سے بارش برسنی ہے تو ہمیں ایک قطرے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اب اس ضد کا دنیا میں کیا

علاج ہے؟ ضد کا اگر کوئی علاج ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے کہ اس ضدی کے مقابلے میں کوئی طاقتور ہو جو اس کی گردن مروڑ دے اور کچھ نہیں۔

مسئلہ کشمیر ہندوؤں کی ضد کی وجہ سے رکا ہوا ہے؟

اب دیکھو! کشمیر کے مسئلہ میں ہندو ضد پر اڑا ہوا ہے ورنہ کشمیر کے متعلق بات طے شدہ تھی کہ جموں کشمیر کے لوگ جدھر ملنا چاہیں ان کے ساتھ مل جائیں۔ یعنی مردم شماری ہو ان کی رائے لی جائے۔ اگر وہ ہندوستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے مگر اقوام متحدہ میں سب بے ایمان اکٹھے ہیں صحیح بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں ورنہ کہیں کہ بھئی! بات طے شدہ ہے اس پر عمل کرو۔ مگر یہ خبیث قومیں، برطانیہ، امریکہ، فرانس، جرمنی وغیرہ مسلمانوں کی ازلی دشمن ہیں۔ مسلمانوں کو مار پڑے تو یہ خوشی سے بھنگڑے ڈالتے ہیں۔ بوسنیا میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے، فلسطینیوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، کشمیر میں مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں اور یہ خبیث قومیں ناچ رہی ہیں۔ ان کا واحد حل یہ ہے کہ ان کے مقابلے میں کوئی قوت ہو جو ان کی گردن مروڑ دے مگر مسلمان تتر بتر ہیں منتشر ہیں اگر آج بھی یہ اکٹھے ہو جائیں تو یہ بہت بڑی طاقت ہیں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر ان خبیث قوموں نے ان کے ایسے ذہن بگاڑ دیئے ہیں مسلمان حکمران ایک دوسرے کو نفرت سے دیکھتے ہیں اور ان کو دین سے دور اور متنفر کر دیا ہے۔ کل میں نے اخبار میں ایک وزیر کا بیان پڑھا کہ ہم نے ان مولویوں کو شکست دی ہے یا نہیں۔ یہ کہتے ہیں پتنگیں نہ اڑاؤ یہ فضول خرچی ہے۔ یہ ہمیں کھیلوں سے روکتے ہیں ہم نے پتنگ میلہ منا کر مولویوں کو شکست دی ہے۔ پرویز مشرف نے بھی یہی کچھ کہا کہ مولوی کون ہوتا ہے کھیلوں سے روکنے والا۔ یہ ان کی ذہنیت ہے۔ کوئی اچھی بات کہو تو ان کو گولی کی طرح لگتی ہے۔ بُری باتوں کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں۔

تو جب قوم ضد پر اَڑ گئی اور ہود علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے نا اُمید ہو گئے تو ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ﴾ اے میرے رب! میری مدد فرما اس لیے کہ انھوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے قَالَ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿عَمَّا قَلِيْلٍ﴾ تھوڑے سے وقت کے بعد ﴿لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ﴾ البتہ ضرور ہو جائیں گے یہ پشیمان۔ جب عذاب آئے گا تو یہ کیسے پر شرمندہ ہوں گے، واویلا کریں گے لیکن اس وقت اس واویلے کا فائدہ نہیں ہوگا۔ پھر کیا ہوا؟ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ﴾ پس پکڑا ان کو ایک چیخ نے حق کے ساتھ۔ یہ بڑے بڑے قدآور تھے تند و تیز ہوا نے ان کو اٹھا اٹھا کر میلوں دور پھینک دیا۔ سورہ حاقہ میں ہے ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ ”گویا کہ وہ کھجور کے تنے ہیں جو اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے ہوں۔“ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کا ایک شخص بھی نہ بچا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً﴾ پس ہم نے کر دیا ان کو خس و خاشاک۔ جیسے تنکے وغیرہ کہ جن کو سیلاب بہا کر لے جاتا ہے ﴿فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ پس دوری ہے رب تعالیٰ کی رحمت سے ظالم قوم کے لیے۔ یہ دوسری قوم ہے آگے اور قوموں کا ذکر آئے گا۔

﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا﴾ پھر ہم نے پیدا کیں ﴿مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد ﴿قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ﴾ دوسری جماعتیں ﴿مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ﴾ نہیں آگے ہوئی کوئی اُمت ﴿اَجَلَهَا﴾ اپنی اجل اور میعاد سے ﴿وَ مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ﴾ اور نہ پیچھے ہوئی ہے ﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا﴾ پھر بھیجے ہم نے ﴿رُسُلَنَا﴾ اپنے رسول ﴿تَتْرَا﴾ لگا تار ﴿كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً﴾ جب کبھی آیا کسی اُمت کے پاس ﴿رَّسُوْلُهَا﴾ ان کا رسول ﴿كَذَّبُوْهُ﴾ انھوں نے اس کو جھٹلا دیا ﴿فَاَتْبَعْنَا﴾ پس ہم نے پیچھے لگایا ﴿بَعْضَهُمْ بَعْضًا﴾ ان کے بعض کو بعض کے ﴿وَّ جَعَلْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے کیا ان کو ﴿اَحَادِيْثَ﴾ قصے کہانیاں ﴿فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ﴾ پس دوری ہے اس قوم کے لیے ﴿لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ جو ایمان نہیں لاتی ﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا﴾ پھر ہم نے بھیجا ﴿مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ﴾ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو ﴿بِاٰيٰتِنَا﴾ اپنی نشانیوں کے ساتھ ﴿وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور کھلی سند کے ساتھ ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی طرف ﴿وَ مَلَاۡىِٕهٖ﴾ اور اس کی جماعت کی طرف ﴿فَاسْتَكْبَرُوْا﴾ پس اُنھوں نے تکبر کیا ﴿وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ﴾ اور تھی وہ قوم سرکشی کرنے والی ﴿فَقَالُوْۤا﴾ پس انھوں نے کہا ﴿اَنُؤْمِنُ﴾ کیا ہم ایمان لائیں ﴿لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾ دو انسانوں پر جو ہمارے جیسے ہیں ﴿وَ قَوْمُهُمَا﴾ اور ان کی قوم ﴿لَنَا عٰبِدُوْنَ﴾ ہمارے غلام ہیں ﴿فَكَذَّبُوْهُمَا﴾ پس انھوں نے جھٹلایا ان دونوں کو ﴿فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ﴾ پس ہو گئے وہ ہلاک کیے ہوؤں میں سے ﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے ﴿مُوْسٰى﴾ موسیٰ علیہ السلام کو ﴿الْكِتٰبَ﴾ کتاب ﴿لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ تاکہ وہ ہدایت پائیں ﴿وَ جَعَلْنَا﴾ اور بنایا ہم نے ﴿ابْنَ مَرْيَمَ﴾ مریم کے بیٹے کو ﴿وَ اُمَّهٗۤ﴾ اور اس کی ماں کو ﴿اٰيَةً﴾ نشانی ﴿وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو ٹھکانا دیا ﴿اِلٰى رَبْوَةٍ﴾ اُونچی جگہ کی طرف ﴿ذَاتِ قَرَارٍ﴾ جو ٹھہرنے والی جگہ تھی ﴿وَّ مَعِيْنٍ﴾ اور ستھرے پانی والی۔

گزشتہ رکوع میں آپ حضرات نے حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ سنا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے ان کو توحید کا سبق دیا۔ رسالت کا سبق دیا اور فرمایا کہ قیامت پر یقین رکھو۔ لیکن قوم نے کہا کہ آپ ہمارے جیسے انسان ہیں ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں ہم آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں اور کوئی قیامت نہیں ہے ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ آپ نے سب اللہ تعالیٰ پر افترا باندھا ہے اور یہ شوشہ بھی چھوڑا کہ ہم پر اپنی فضیلت جتلانا چاہتا ہے۔ پھر ان کی اس نافرمانی کا انجام بھی بیان ہوا۔ اب آگے اور قوموں کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ پھر ہم نے پیدا کیں ہود علیہ السلام کی قوم کے بعد ﴿قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ﴾ دوسری جماعتیں۔ صالح علیہ السلام کی قوم، لوط علیہ السلام کی قوم، شعیب علیہ السلام کی قوم اور تبع وغیرہ جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ فرمایا ﴿مَا تَسْبِقُ

﴿مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا﴾ نہیں آگے ہوئی کوئی اُمت اپنی میعاد سے۔ جو وقت اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ فلاں قوم فلاں وقت تباہ ہوگی وہ اس سے پہلے تباہ نہیں ہوئی ﴿وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ﴾ اور نہ پیچھے ہوئی ہے۔ جو وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی تباہی کا لکھا تھا اسی وقت ہوئی اس سے موخر نہیں ہوئی ﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا﴾ پھر بھیجے ہم نے اپنے رسول لگا تار۔ تَتْرَا اصل میں وَتْرًا ہے۔ وَتْرٌ کے معنیٰ ہیں لگا تار۔ اسی تترا کے لفظ سے متواتر ہے۔ واؤ کو تا کے ساتھ بدل دیا۔ معنیٰ ہوگا ہم نے تسلسل کے ساتھ پیغمبر بھیجے اور بیک وقت بھی کئی پیغمبر تشریف لائے ہیں۔

ایک دن میں تینتالیس پیغمبر قتل کیے گئے

حدیث پاک میں آتا ہے اور تمام تفسیروں میں لکھا ہوا ہے کہ ایک علاقے میں مختلف قومیں رہتی تھیں ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے تینتالیس پیغمبر بھیجے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے دو قوموں کی طرف ایک پیغمبر بھیجا گیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے ہر قوم کی طرف الگ الگ پیغمبر بھیجا گیا ہو۔ لیکن قوموں نے پیغمبروں کے خلاف سازش کی کہ انھوں نے ہمارا سکھ چین برباد کر دیا ہے۔ دن کو بھی یہی رٹ ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ اور رات کو بھی یہی رٹ۔ خوشی غمی کے موقع پر بھی یہی تقریر لہٰذا ان کا علاج کرو۔ چنانچہ انھوں نے صبح سے لے کر دو پہر تک تینتالیس پیغمبر شہید کیے اور ایک سو ستر ان کے ساتھی شہید کیے جو ان کی حمایت کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ ﴿وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ﴾ [آل عمران: ۲۱] "اور قتل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو حکم دیتے ہیں لوگوں کو انصاف کا لوگوں میں سے۔"

﴿كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا﴾ جب کبھی آیا کسی اُمت کے پاس ان کا رسول ﴿كَذَّبُوْهُ﴾ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو جھٹلا دیا ایسی بد بخت قومیں بھی تھیں کہ ایک آدمی نے بھی پیغمبر کا ساتھ نہیں دیا۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایسے پیغمبر بھی آئیں گے کہ ان کے ساتھ پانچ اُمتی ہوں گے اور ایسے بھی ہوں گے جن کے ساتھ چار آدمی ہوں گے، ایسے پیغمبر بھی ہوں گے جن کے ساتھ تین اُمتی ہوں گے اور ایسے بھی ہوں گے جن کے ساتھ دو اُمتی ہوں گے اور ایسے پیغمبر بھی ہوں گے وَيَجِيْءُ النَّبِيُّ وَلَيْسَ مَعَهٗ اَحَدٌ "اکیلا پیغمبر آئے گا اس کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں ہو گا۔" اس سے اندازہ لگاؤ کہ ایمان لانا اور توحید قبول کرنا کتنا مشکل ہے۔ لوگوں کی رسمیں، خرافات اور خانہ ساز عقائد ہیں کہ ان سے نکلنا مشکل ہے۔

﴿فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا﴾ پس ہم نے پیچھے لگایا ان کے بعض کو بعض کے۔ ایک مجرم قوم کے پیچھے دوسری قوم کو لگا دیا یعنی ایک قوم کو تباہ کیا پھر دوسری قوم نے تکذیب کی ان کو تباہ کیا پھر تیسری قوم نے تکذیب کی ان کو تباہ کیا، پھر چوتھی قوم نے تکذیب کی ان کو تباہ کیا۔ مثلاً: نوح علیہ السلام کی قوم تباہ ہوئی پھر ہود علیہ السلام کی قوم تباہ ہوئی پھر صالح علیہ السلام کی قوم تباہ ہوئی پھر لوط علیہ السلام کی قوم تباہ ہوئی پھر شعیب علیہ السلام کی قوم تباہ ہوئی۔ اس طرح تسلسل کے ساتھ سلسلہ چلتا رہا ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ﴾۔ اَحَادِيْث اُحْدُوْثَة کی جمع ہے۔ اُحْدُوْثَة کا معنیٰ ہے کہانی۔ معنیٰ ہوگا اور بنا دیا ہم نے ان کو قصے کہانیاں۔ ان قوموں کے وجود تو ختم ہو گئے

قصے کہانیاں رہ گئیں کہ ایک قوم یہاں رہتی تھی وہ ایسی ایسی تھی۔ احادیث، حادیث کی جمع بھی آتی ہے مگر خلاف قیاس۔ اصل میں أُحْدُوثَہ کی جمع ہے۔ ﴿فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ﴾ پس رب تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہوئی اس قوم کے لیے جو ایمان نہیں لائی۔ دنیا میں تباہ ہوئی آخرت کا عذاب علیحدہ ہے۔

﴿ثُمَّ أَرْسَلْنَا﴾ پھر ہم نے بھیجا ﴿مُوسٰى وَ أَخَاهُ هٰرُونَ﴾ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو۔ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے مگر درجہ موسیٰ علیہ السلام کا بڑا تھا ﴿بِاٰيٰتِنَا﴾ ہم نے اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔ قرآن پاک میں نو نشانیاں بیان ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک عصا مبارک تھا کہ لاٹھی پھینکتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اژدہا بن جاتا تھا جو جادوگروں کی تمام لاٹھیوں کو نگل گیا تھا۔ ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالتے تھے تو سورج کی طرح چمکتا تھا ﴿وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ﴾ اور کھلی سند جس کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں پر غلبہ حاصل کیا تھا۔

پہلے تم تفصیل کے ساتھ سن چکے ہو کہ مقابلے میں تقریباً بہتر ہزار جادوگر تھے اور ہر ہر جادوگر نے دو دو سانپ نکالے۔ جب ایک لاکھ چوالیس ہزار سانپ میدان میں آئے نعرے پر نعرے لگنے شروع ہو گئے، فرعون زندہ باد۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب عصا مبارک ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا اور ان کے ایک لاکھ چوالیس ہزار سانپوں کو ایسا چگ گیا جیسے مرغی دانے چگتی ہے۔ جادوگر حقیقت کو سمجھ گئے فوراً سجدے میں گر کر کہنے لگے ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُونَ وَ مُوسٰى﴾ [طٰہٰ: ۷۰] "ہم ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لائے۔" سارے جادوگر ایمان لے آئے اب انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ فرعون بھی ہار مان کر ایمان لے آتا کیوں کہ وکیل ہار گئے ہیں۔ لیکن اقتدار بڑی بری چیز ہے الا ماشاء اللہ۔ فرعون نے کہا ﴿اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ [شعراء: ۴۹] "تم اس پر ایمان لائے ہو میری اجازت سے پہلے۔" میں تمھیں سولی پر لٹکاؤں گا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مشہور تابعی عبید بن عمیر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ جو ابھی موسیٰ علیہ السلام کے صحابی بنے تھے سولی پر لٹکنے کے لیے لائن لگی ہوئی تھی اور ہر آدمی سولی پر لٹکنے کے لیے دوڑتا ہوا آتا تھا کہ اب میری باری ہے۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھتے تھے جیسے ہم چینی لینے کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔ ستر آدمی جب سولی پر چڑھ گئے تو فرعون گھبرا گیا کہ اگر سب کو سولی پر لٹکا دیا تو پچھلے مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ تو یہ کہہ کر باقیوں کو چھوڑ دیا کہ ان کو پھر سولی پر لٹکائیں گے۔

تو کھلی سند سے مراد عصا مبارک ہے ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ﴾ بھیجا ہم نے فرعون اور اس کی جماعت کی طرف ﴿فَاسْتَكْبَرُوْا﴾ پس انھوں نے تکبر کیا ﴿وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ﴾ اور تھی وہ قوم سرکشی کرنے والی ﴿فَقَالُوْٓا﴾ پس فرعون اور اس کی جماعت نے کہا۔ سنو ان کا جواب ﴿اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾ کیا ہم ایمان لائیں دو انسانوں پر جو ہمارے جیسے ہیں۔ نبی کی بشریت کے انکار والی بات کسی قوم نے نہیں چھوڑی۔ ہم جیسے بشر ہیں ان پر ایمان لائیں؟ اور پھر ﴿وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ﴾ اور ان کی قوم بنی اسرائیل ہماری غلام ہے، یہ غلام ہو کر نبی بن گیا۔ کیوں کہ فرعونیوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا ہوا تھا۔ کھیتی باڑی سے لے کر کپڑے دھونے تک ان سے کام لیتے تھے ﴿فَكَذَّبُوْهُمَا﴾ پس انھوں نے ان دونوں کو جھٹلایا ﴿فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ﴾

پس ہو گئے وہ فرعون اور اس کی جماعت ہلاک کیے ہوؤں میں سے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی؟

اللہ تعالیٰ نے سب کو بحر قلزم میں غرق کر دیا۔ جو اپنے آپ کو رب الاعلیٰ کہتا تھا اس کا یہ حشر ہوا۔ غرق ہوتے ہوئے اس نے بڑا شور کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش نکال کر باہر پھینک دی اور آج تک مصر کے عجائب گھر میں پورے طور پر موجود ہے۔ کبھی کبھی اس کا فوٹو اخبار میں آجاتا ہے جس کو دیکھ کر انسان حیران ہوتا ہے کہ یہ تھا جو اپنے آپ کو رب الاعلیٰ کہتا تھا؟ ﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات۔ کیوں دی؟ ﴿لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ تاکہ وہ ہدایت حاصل کریں ﴿وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً﴾ اور بنایا ہم نے مریم علیہا السلام کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو اور اس کی والدہ کو نشانی۔ نشانی یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور مریم علیہا السلام کو بغیر خاوند کے بچہ دیا حالاں کہ عالم اسباب میں رب تعالیٰ نے نظام بنایا ہے کہ ماں باپ کے ذریعے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ جب فرشتے نے آکر کہا کہ میں تمھیں ایک لڑکے کی خوش خبری دیتا ہوں تو حضرت مریم علیہا السلام نے کہا ﴿وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾ [مریم: ۲۰] "نہ جائز طریقے سے کوئی مرد میرے قریب آیا ہے اور نہ میں بدکار ہوں۔" میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ ﴿قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ [آل عمران: ۴۷] "اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔" رب تعالیٰ کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔

نجران کے عیسائیوں نے ۹ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ علمی بحث کی اور ہار گئے۔ انھوں نے اس میں یہ شوشہ بھی چھوڑا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کوئی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی باپ نہیں مانتے تو پھر بتلاؤ ان کا باپ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے اندر فرمایا ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ﴾ [آل عمران: ۵۹] "عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے ہی ہے جیسا کہ آدم علیہ السلام کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا۔" نہ ان کا باپ نہ ماں۔ اگر کسی کے ظاہری طور پر ماں باپ نہ ہوں تو اس کا مطلب یہ تھوڑا ہے کہ اس کا ماں باپ اللہ تعالیٰ ہے معاذ اللہ تعالیٰ۔ تو پھر کہو آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ کے پوتے ہیں۔ تو عیسیٰ علیہ السلام کے ظاہری باپ نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جس طرح چاہے پیدا کرے۔ لیکن عیسائی ہیں کہ اس غلط عقیدے پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

پچھلے دنوں قومی اسمبلی میں اقلیتی ممبر جے، سالک عیسائی نے تقریر شروع کرنے سے پہلے کہا کہ میں شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ۔ سارے ممبر گونگے ہو کے بیٹھے رہے۔ میرے شاگرد مولوی عبدالرحیم صاحب چترال سے قومی اسمبلی کے ممبر ہیں نے کہا کہ تم یہاں اپنی عیسائیت پھیلاتے ہو۔ اس پر امریکہ ان کے پیچھے لگا ہوا ہے کہ اقلیتوں کو جینے نہیں دیتے۔ وہاں سب کو بولنا چاہیے تھا کہ ہم سب مسلمان ہیں اور یہ مسلمانوں کی اسمبلی ہے یہاں اسلام کے خلاف بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ تم اقلیت کی نمائندگی کرو اپنے مذہب کی تبلیغ نہ کرو۔ مگر ایک مولوی کے سوا کوئی نہیں بولا۔

توفرمایا کہ ہم نے ابن مریم اور مریم کونشانی بنایا ﴿وَّاٰوَیْنٰهُمَاۤ اِلٰی رَبْوَةٍ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو ٹھکانا دیا اُونچی جگہ کی طرف۔ اسی ربوہ کے لفظ سے قادیانی دجالوں نے اپنی جگہ کا نام ربوہ رکھا ہے۔ تاکہ آنے والی نسلوں کو دھوکا دیا جاسکے کہ وہ مسیح موعود یہی قادیانی ہے۔ کتنی دجال قومیں ہیں۔ (الحمدللہ! مولانا منظور احمد چنیوٹی کی محنت کے ثمرہ میں اسمبلی نے اس کا نام تبدیل کردیا ہے اور اب اس جگہ کا نام چناب نگر ہے۔ مرتب) ﴿ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ﴾ وہ اُونچی جگہ ٹھہرنے والی جگہ تھی اور ستھرے پانی والی ٹھنڈی جگہ تھی کیوں کہ وہ جگہ بیت المقدس سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ﴾ اے رسولو! ﴿كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے ﴿وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ اور عمل کرو اچھے ﴿اِنِّیْ﴾ بے شک میں ﴿بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ﴾ جو کچھ تم کرتے ہو جاننے والا ہوں ﴿وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ﴾ اور بے شک یہ تمھارا دین ﴿اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ایک ہی دین ہے ﴿وَّاَنَا رَبُّكُمْ﴾ اور میں تمھارا رب ہوں ﴿فَاتَّقُوْنِ﴾ پس مجھ سے ڈرو ﴿فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ﴾ پھر پھوٹ ڈال کر کرلیا اپنا کام ﴿بَیْنَهُمْ زُبُرًا﴾ آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ﴿كُلُّ حِزْبٍ﴾ ہر گروہ ﴿بِمَا لَدَیْهِمْ﴾ جو کچھ ان کے پاس ہے ﴿فَرِحُوْنَ﴾ اس پر خوش ہونے والے ہیں ﴿فَذَرْهُمْ﴾ پس چھوڑ دیں ان کو ﴿فِیْ غَمْرَتِهِمْ﴾ ان کی بے ہوشی میں ﴿حَتّٰی حِیْنٍ﴾ ایک وقت تک ﴿اَیَحْسَبُوْنَ﴾ کیا وہ گمان کرتے ہیں ﴿اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ﴾ بے شک یہ جو کچھ ہم ان کی مدد کررہے ہیں ﴿مِنْ مَّالٍ﴾ مال سے ﴿وَّبَنِیْنَ﴾ اور اولاد سے ﴿نُسَارِعُ لَهُمْ﴾ ہم ان کے لیے جلدی کرتے ہیں ﴿فِی الْخَیْرٰتِ﴾ بھلائیوں میں ﴿بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ﴾ بلکہ وہ شعور نہیں رکھتے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿هُمْ﴾ وہ ﴿مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے خوف سے ﴿مُّشْفِقُوْنَ﴾ ڈرنے والے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ﴾ اور وہ لوگ ﴿بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی آیتوں پر ﴿یُؤْمِنُوْنَ﴾ ایمان رکھتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ﴾ اور وہ لوگ ﴿بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ﴾ اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں کرتے ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿یُؤْتُوْنَ مَاۤ﴾ دیتے ہیں جو چیز ﴿اٰتَوْا﴾ وہ دیتے ہیں ﴿وَّقُلُوْبُهُمْ﴾ اور دل ان کے ﴿وَجِلَةٌ﴾ ڈرنے والے ہیں ﴿اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ﴾ بے شک وہ اپنے رب کی طرف ہی ﴿رٰجِعُوْنَ﴾ لوٹنے والے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یہی لوگ ہیں ﴿یُسٰرِعُوْنَ﴾ جو جلدی کرتے ہیں ﴿فِی الْخَیْرٰتِ﴾ بھلائیوں میں ﴿وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ﴾ اور وہ اس کے لیے آگے بڑھنے والے ہوتے ہیں ﴿وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا﴾ اور ہم نہیں تکلیف دیتے کسی نفس کو ﴿اِلَّا وُسْعَهَا﴾ مگر اس کی طاقت کے مطابق ﴿وَلَدَیْنَا كِتٰبٌ﴾ اور ہمارے پاس کتاب ہے

﴿ یَّنۡطِقُ بِالۡحَقِّ ﴾ جو بولتی ہے حق کے ساتھ ﴿ وَ هُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اس سے پہلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے، انسان تھے۔ انسانی لوازمات سارے ان کے ساتھ تھے، کھاتے تھے، پیتے تھے۔ اسی کا حکم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

تمام پیغمبروں اور مومنوں کو اکل حلال کا حکم ہے؟

﴿ یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوۡا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعۡمَلُوۡا صَالِحًا ﴾ اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور عمل کرو اچھے۔ تمام پیغمبروں کے دین میں یہی ایک ہی حکم رہا ہے۔ حلال کھانا حلال طریقے سے کما کر اور یہی حکم تمام مومنوں کو ہے۔ سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۸۱ میں ہے ﴿ كُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ ﴾ "جو ہم نے تمھیں روزی دی ہے اس میں سے طیب چیزیں کھاؤ" حلال بھی ہوں اور طیب بھی ہوں۔ حلال وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ اور طیب وہ ہے کہ اس میں کسی کا حق نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَا یَقۡبَلُ اِلَّا طَیِّبًا "اللہ تعالیٰ خود پاک ہے اور وہ صرف پاک چیز کو ہی قبول کرتا ہے۔" حرام مال کا صدقہ خیرات بھی قبول نہیں ہوتا۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کاش مجھے خالص حلال روزی نصیب ہو تو میں اسے ہسپتالوں میں بیماروں میں تقسیم کردوں۔ کیوں کہ حلال خوراک میں اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی ہے۔

فرمایا ﴿ اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ ﴾ بے شک میں جو کچھ تم کرتے ہو جاننے والا ہوں۔ یعنی یہ بات تمھیں ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمام کھلے اور چھپے احوال سے باخبر ہے اسی کے مطابق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ اور بے شک یہ تمھارا دین ایک ہی دین ہے۔ اصول کے اعتبار سے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین وملت ایک اور سب کا خدا بھی ایک ہے جس کی نافرمانی سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے۔ فرمایا ﴿ وَّ اَنَا رَبُّكُمۡ فَاتَّقُوۡنِ ﴾ اور میں تمھارا رب ہوں پس مجھ سے ڈرو میری نافرمانی سے بچتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے سارے نبیوں کو یہی حکم دیا اپنے اپنے دور میں مگر بعد میں آنے والے لوگوں کی حالت یہ ہوئی ﴿ فَتَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَیۡنَهُمۡ زُبُرًا ﴾ پھر پھوٹ ڈال کر کرلیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے۔ دین کے بنیادی عقائد کو ترک کردیا، عقائد خراب کر لیے اور اپنی خواہشات کے مطابق عقیدے بنا لیے، گروہ بندی کردی، اسلام کے بنیادی اصولوں کو غلط معانی پہنا دیئے اور غلط عقیدے بنا لیے۔ اچھے اعمال کو چھوڑ کر غلط رسومات کو اختیار کرلیا، جھوٹے عقائد اور غلط رسومات کو دین سمجھا اور فرقہ بندی کے باوجود ﴿ كُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَیۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ ﴾ ہر گروہ جو ان کے پاس ہے اس پر خوش ہونے والے ہیں کہ وہ ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور ہماری ہی راہ سیدھی ہے۔

بگاڑ سے مراد بنیادی عقائد کا بگاڑ ہے؟

یہاں ایک بات سمجھ لیں کہ اس بگاڑ سے دین کے بنیادی عقائد کا بگاڑ مراد ہے فروعات مراد نہیں ہیں۔ فروعات میں

اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے۔ چنانچہ مشہور مذاہب اربعہ یا محدثین میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ فرقہ بندی میں داخل نہیں ہے یہ سب لوگ ہدایت پر ہیں۔ ہاں عقائد، رسومات اور اعمال میں گڑ بڑ ہو تو یہ فرقہ بندی اور گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَذَرۡهُمۡ فِیۡ غَمۡرَتِهِمۡ حَتّٰی حِیۡنٍ﴾ پس چھوڑ دیں ان کو ان کی بے ہوشی میں ایک وقت تک۔ ان لوگوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کی متفقہ ہدایات میں رخنے ڈال کر الگ الگ فرقے بنا لیے ہیں اور ہر فرقہ اپنے ہی عقائد و خیالات پر ڈٹا ہوا ہے اور کسی طرح اپنے غلط عقائد اور نظریات کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے خواہ کتنی ہی نصیحت کریں، اللہ تعالیٰ کا کلام سنائیں لہٰذا آپ بھی زیادہ پریشان نہ ہوں اور ان کے غم میں نہ پڑیں ان کو مہلت دیں کہ اپنی غفلت اور جہالت کے نشے میں ڈوبے رہیں یہاں تک کہ وہ گھڑی آپہنچے کہ ان کی آنکھ کھلے تو موت یا عذابِ الٰہی ان کے سر پر کھڑا ہو۔

﴿اَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّ بَنِیۡنَ﴾ کیا یہ لوگ گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کی مال و اولاد کی صورت میں جو مدد کر رہے ہیں ﴿نُسَارِعُ لَهُمۡ فِی الۡخَیۡرٰتِ﴾ ہم ان کے لیے جلدی کرتے ہیں بھلائیوں میں۔ جب نافرمانی کے باوجود اللہ تعالیٰ کسی کو مال و اولاد میں برکت دیتا تو وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہے حالانکہ یہ اس کی خام خیالی ہے ﴿سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ [قلم: ۴۴] "ہم بھی ان کو سیڑھی سیڑھی اتاریں گے جہاں سے ان کو پتا بھی نہیں۔" یعنی ہم اُن کو ایسے طریقے سے پکڑیں گے کہ انہیں خبر بھی نہیں ہوگی ﴿وَ اُمۡلِیۡ لَهُمۡ﴾ "ہم ان کو مہلت دیتے ہیں ﴿اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ﴾ اور میری تدبیر بڑی قوی ہے۔" اگر اس زندگی میں بچ بھی گیا تو آئندہ زندگی میں ضرور گرفت ہوگی۔ یہ لوگ غلط عقائد کو اپنائے ہوئے اور ان پر ڈٹے ہوئے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ نہیں! ﴿بَلۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ﴾ بلکہ ان کو تو شعور بھی نہیں ہے کہ یہ مہلت ہمیں کس وجہ سے مل رہی ہے۔

مومنوں کی بعض صفات کا ذکر

آگے اللہ تعالیٰ نافرمانوں کے مقابلے میں ایمان والوں کی بعض صفتیں بیان فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ هُمۡ مِّنۡ خَشۡیَةِ رَبِّهِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ﴾ بے شک وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے ڈرنے والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو جائے جس کی وجہ سے گرفت ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری نہیں کرتے بلکہ ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں ﴿وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ﴾ اور وہ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ معجزات کو مانتے ہیں، قدرت کی نشانیوں کو مانتے ہیں، تکوینی اور شرعی نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں، احکامات، کتب سماویہ پر ایمان رکھتے ہیں کہ برحق ہیں اور انھی کے اتباع میں زندگی گزارتے ہیں۔

اللہ کے بندوں کی تیسری خصلت یہ ہے: ﴿وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ بِرَبِّهِمۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ﴾ وہ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک بناتے ہیں اور نہ صفات میں، نہ عبادت میں کسی کو شریک بناتے ہیں۔ ان کو یقین ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مشکل کشا، حاجت روا، فریاد رس، نہیں ہے، نہ کوئی دست گیر ہے، سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں خدائی اختیار اس نے کسی کو نہیں دیا وہ خالص ایمان اور توحید پر قائم ہیں۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا﴾ اور وہ لوگ دیتے ہیں جو چیز وہ دیتے ہیں۔ صدقہ خیرات کرتے ہیں یا کوئی بھی نیک عمل کرتے ہیں ﴿وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ اور دل ان کے ڈرنے والے ہیں کہ معلوم نہیں ہمارا صدقہ خیرات اور نیک عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوا ہے یا نہیں؟ وہ اپنے عمل پر مغرور نہیں ہوتے ﴿اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ﴾ بے شک وہ اپنے رب کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضرت! کیا ﴿يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا﴾ میں ہر اچھا برا عمل شامل ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يَا بِنْتَ صِدِّيْق "اے صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی! اس سے برائی کے کام، چوری، ڈاکہ، زنا وغیرہ مراد نہیں ہیں۔ بلکہ صرف نیکی کے کام مراد ہیں۔" یعنی یہ ایسے لوگ ہیں کہ نماز، روزہ، صدقہ خیرات کا کام کرنے کے باوجود وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ ہماری نیکی قبول ہوئی ہے یا نہیں۔ اور یہ نیکی ہم نے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کی ہے یا نہیں ﴿اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ﴾ یہی لوگ ہیں جو جلدی کرتے ہیں بھلائیوں میں۔ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں ﴿وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ﴾ اور وہ اس کے لیے آگے بڑھنے والے ہوتے ہیں۔ وہ نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے والے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ اور ہم نہیں تکلیف دیتے کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکامات اپنے بندوں کو دیئے ہیں وہ ایسے مشکل نہیں ہیں جو انسانی طاقت سے باہر ہوں اور انسان ان کو کر نہ سکے۔ پھر یہ سہولت بھی رکھی ہے کہ اگر نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے، اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتا تو اشارے سے پڑھ لے۔ جس کے پاس پیسے نہیں ہیں اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، جس کو آنے جانے کی استطاعت نہیں ہے اس پر حج نہیں ہے، سفر پر ہو روزہ نہ رکھو بعد میں رکھ لینا لیکن اس کے باوجود اگر لاپروائی کرو گے بدعملی کا مظاہرہ کرو گے تو اس کا انجام خطرناک ہوگا ﴿وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ﴾ ہمارے پاس کتاب ہے ایک نوشتہ ہے جو بولتی ہے حق کے ساتھ۔ جسے جزائے عمل کے وقت سامنے رکھ دیا جائے گا اور ہر شخص سے کہا جائے گا ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ [بنی اسرائیل: ۱۴] "اپنا اعمال نامہ پڑھ کافی ہے تیرا نفس آج کے دن محاسبہ کرنے والا تیرے اُوپر۔" انسان اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا اور کہے گا ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا﴾ [کہف: ۴۹] "کیا ہو گیا ہے اس کتاب کو اس نے نہ کوئی چھوٹی بات چھوڑی ہے نہ بڑی مگر اس نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔" قیامت والے دن جزا سزا کا فیصلہ ہر آدمی کے اپنے اعمال کے مطابق ہوگا ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا کہ گناہ تھوڑا ہو اور سزا زیادہ دی جائے یا نیکی زیادہ ہو اور بدلہ تھوڑا دیا جائے ایسا نہیں ہوگا۔

﴿بَلْ قُلُوْبُهُمْ﴾ بلکہ ان کے دل ﴿فِیْ غَمْرَةٍ﴾ غفلت میں ہیں ﴿مِّنْ هٰذَا﴾ اس چیز سے ﴿وَلَهُمْ اَعْمَالٌ﴾ اور ان کے لیے عمل ہیں ﴿مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ﴾ اس کے سوا ﴿هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ﴾ جن کو وہ کرتے ہیں ﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا﴾ یہاں تک کہ جب ہم پکڑتے ہیں ﴿مُتْرَفِیْهِمْ﴾ ان میں سے آسودہ حال لوگوں کو ﴿بِالْعَذَابِ﴾ عذاب میں ﴿اِذَا هُمْ یَجْــٴَـرُوْنَ﴾ اچانک وہ گڑگڑاتے ہیں ﴿لَا تَجْــٴَـرُوا الْیَوْمَ﴾ مت چلاؤ تم آج کے دن ﴿اِنَّكُمْ مِّنَّا﴾ بے شک تم ہمارے عذاب سے ﴿لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ مدد نہیں کیے جاؤ گے ﴿قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ﴾ تحقیق تھیں ہماری آیتیں ﴿تُتْلٰى عَلَیْكُمْ﴾ پڑھی جاتی تھیں تم پر ﴿فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ﴾ پس تم ایڑیوں کے بل ﴿تَنْكِصُوْنَ﴾ اُلٹے پھرتے تھے ﴿مُسْتَكْبِرِیْنَ﴾ تکبر کرتے ہوئے ﴿بِهٖ﴾ اس کی وجہ سے ﴿سٰمِرًا﴾ قصہ گوئی کرنے والے ﴿تَهْجُرُوْنَ﴾ چھوڑتے تھے ﴿اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ﴾ کیا پس اُنھوں نے غور نہیں کیا اس بات میں ﴿اَمْ جَآءَهُمْ﴾ یا آئی ان کے پاس ﴿مَّا لَمْ یَاْتِ﴾ وہ بات جو نہیں آئی ﴿اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ ان کے پہلے آباؤ اجداد کے پاس ﴿اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ﴾ یا انھوں نے نہیں پہچانا اپنے رسول کو ﴿فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾ پس وہ اس کا انکار کرتے ہیں ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ﴾ یا وہ کہتے ہیں ﴿بِهٖ جِنَّةٌ﴾ اس کو جنون ہے ﴿بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ بلکہ وہ لایا ہے ان کے پاس حق ﴿وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ﴾ اور ان کے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں ﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ﴾ اور اگر حق پیروی کرے ﴿اَهْوَآءَهُمْ﴾ ان کی خواہشات کی ﴿لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ البتہ بگڑ جائیں آسمان اور زمین ﴿وَمَنْ فِیْهِنَّ﴾ اور جو مخلوق ان میں ہے ﴿بَلْ اَتَیْنٰهُمْ﴾ بلکہ ہم نے دیا ہے ان کو ﴿بِذِكْرِهِمْ﴾ ان کا ذکر اور نصیحت ﴿فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ﴾ پس وہ اپنی نصیحت سے ﴿مُّعْرِضُوْنَ﴾ اعراض کرتے ہیں ﴿اَمْ تَسْــٴَـلُهُمْ خَرْجًا﴾ کیا آپ ان سے سوال کرتے ہیں چندے کا ﴿فَخَرَاجُ رَبِّكَ﴾ پس تیرے رب کا ثواب ﴿خَیْرٌ﴾ بہتر ہے ﴿وَّهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ﴾ اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے ﴿وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ﴾ اور بے شک آپ ان کو دعوت دیتے ہیں ﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ سیدھے راستے کی طرف ﴿وَاِنَّ الَّذِیْنَ﴾ اور بے شک وہ لوگ ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ نہیں ایمان لاتے آخرت پر ﴿عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ﴾ راستے سے البتہ اعراض کرتے ہیں۔

نافرمانوں کی کیفیت

پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور ان کے اوصاف کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے نیکی کرتے ہیں تو ڈرتے ہیں شاید ہماری نیکی قبول نہ ہو، نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے

سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب رب تعالیٰ ظالموں اور نافرمانوں کے متعلق فرماتے ہیں ﴿بَلْ قُلُوْبُهُمْ﴾ بلکہ دل ان مجرموں کے ﴿فِیْ غَمْرَةٍ﴾ غفلت میں ہیں ﴿مِّنْ هٰذَا﴾ مومنوں کے اعمال سے جو وہ کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی آیات پر ایمان لاتے ہیں وغیرہ جن کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ ظالموں اور نافرمانوں کے دل ان چیزوں سے بالکل غافل ہیں ﴿وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ﴾ اور ان ظالموں کے عمل ہیں ان کے علاوہ۔ جو مومن کرتے ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے ظالموں کے اعمال ان کے علاوہ ہیں ﴿هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ﴾ جن کو وہ کرتے ہیں۔ شرک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، نیکی کے کاموں میں سبقت نہیں کرتے ﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ﴾ یہاں تک کہ جب ہم پکڑتے ہیں ان میں سے آسودہ حال لوگوں کو جو مال دار اور اقتدار والے ہیں بِالْعَذَابِ عذاب میں ﴿اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ﴾۔ جَئَرَ کا لفظی معنیٰ ہے گائے یا بچھڑے کا آواز کو بلند کرنا۔ معنیٰ ہوگا یہ اچانک آوازیں نکالتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں، فریادیں کرتے ہیں کہ واقعی ہم ظالم تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آتا ہے ﴿لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ﴾ آج آوازیں نہ نکالو، مت چلاؤ، آج واویلا کرنے کا کیا فائدہ ﴿اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ بے شک تم ہمارے عذاب سے مدد نہیں کیے جاؤ گے۔ ہماری گرفت سے تمھیں کوئی نہیں بچائے گا آج تمھاری مدد کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے ﴿قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ﴾ تحقیق تھیں ہماری آیتیں پڑھی جاتی تم پر، تمھارے سامنے تلاوت کی جاتی تھیں ﴿فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ﴾ پس تم ایڑیوں کے بل الٹے پھرتے ہو۔ قرآن نہیں سنتے واپس آجاتے ہو۔ اسلام کی بڑی عبادتوں میں سے قرآن کریم کا پڑھنا اور سمجھنا ہے اور اس کے مطابق عقیدہ بنانا اور عمل کرنا یہ بہت بڑی نیکیاں ہیں۔ صرف تلاوت کرو گے تو ایک حرف کی دس نیکیاں ملیں گی۔ مثلاً: الف، لام، میم تین حرف ہیں اس پر تیس نیکیاں ملیں گی۔ اور جو پڑھنے کا حکم ہے وہی سننے کا حکم ہے۔ اور جو سمجھے گا اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

فضیلتِ قرآن کریم

حدیث پاک میں آتا ہے جو شخص قرآن کریم کی ایک آیت محض تلاوت کرے گا اس کو سو نفل پڑھنے کے برابر ثواب ملے گا اور جو ایک آیت کریمہ کو سمجھے گا تو ہزار نفل کے برابر ثواب ملے گا اور رمضان شریف کے مہینے میں ہر نیکی ستر گنا بڑھ جاتی ہے جو رمضان المبارک میں الٓمّٓ پڑھے گا اس کو دو سو دس (۲۱۰) نیکیاں ملیں گی اور جو شخص رمضان میں نفلی عبادت کرے گا اس کو دوسرے مہینے کے فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔ لہٰذا نوجوانو! رمضان المبارک کا مہینہ ہے تن آسانی سے کام نہ لو نفس امارہ کے شر سے بچو اور کھیل کود میں اپنی جوانی ضائع نہ کرو دل جمعی کے ساتھ بیس رکعت تراویح پڑھو یہ سنتِ مؤکدہ ہے اور سنتِ مؤکدہ سے گریز کرنے والے کے بارے میں خطرہ ہے کہ کہیں آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے محروم نہ ہو جائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص کسی کا روزہ افطار کرائے گا اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا روزہ رکھنے والے کو ملے گا۔ کسی نے سوال کیا حضرت! چاہے کھجور کے ایک دانے پر افطار کرا دے، پانی کے ایک گھونٹ پر افطار کرا دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمھارا کیا خیال ہے کہ

رب تعالیٰ کے خزانے میں کوئی کمی ہے۔

فرمایا تمھارے سامنے جب آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں تو تم ایڑیوں کے بل الٹے پھرتے تھے مانتے نہیں تھے، توجہ نہیں کرتے تھے ﴿مُسْتَكْبِرِيْنَ﴾ تکبر کرتے ہوئے ایمان سے اور حق کی باتوں سے گریز کرتے تھے ﴿بِهٖ سٰمِرًا﴾ اس کی وجہ سے قصہ گوئی کرنے والے۔ حرم کے اندر قصہ گوئیاں کرتے تھے۔ عرب کا اس وقت بھی اور آج بھی یہی دستور ہے کہ عموماً وہ دن کو سوتے ہیں اور رات کو جاگتے ہیں۔ تمھارے بچے جیسے یہاں دن کو کھیلتے ہیں ان کے بچے رات کو کھیلتے ہیں۔ یہ لوگ جب رات کو کعبۃ اللہ کے آس پاس اکٹھے ہوتے تو قصہ گوئی کرتے اور عجیب عجیب کہانیاں بیان کرتے تھے ﴿تَهْجُرُوْنَ﴾، **هَجَرَ يَهْجُرُ هِجْرَةً** سے ہے چھوڑ دینا۔ معنیٰ ہوگا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو چھوڑتے تھے، ایمان کو چھوڑتے تھے، حق کو چھوڑتے تھے اس لیے آج تمھارا یہ حشر ہے ﴿أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ﴾ کیا پس انھوں نے غور نہیں کیا اس بات میں۔ قرآن پاک پر غور نہیں کیا اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

ہم نے ایمان اور قرآن کی قدر نہیں کی؟

اللہ تعالیٰ کی جتنی کتابیں ہیں ان تمام سے قرآن پاک افضل کتاب ہے۔ اس کے متعلق پہلے پیغمبر آرزو کرتے رہے کہ اے پروردگار! وہ آخری کتاب ہمیں نصیب فرما۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے مفت میں عطا فرمائی ہے لیکن ہم نے اس کی قدر نہیں کی اور جو چیز مفت میں مل جائے اس کی قدر نہیں ہوتی۔ ہم موروثی مسلمان ہیں ہمیں ایمان بھی وراثت میں ملا، کتاب بھی وراثت میں ملی کہ ہمارے باپ دادا مسلمان تھے۔ ایمان، قرآن کی قدر ان سے پوچھو جنھوں نے ان کے لیے تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ ہم تو اس چیز کا شکر ادا نہیں کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مسلمانوں کے گھر پیدا فرمایا کسی یہودی، عیسائی، سکھ، ہندو کے گھر نہیں پیدا فرمایا۔ اگر ان میں سے کسی کے گھر پیدا فرما دیتا تو ہم کیا کر سکتے تھے۔ اب ہمیں اللہ تعالیٰ صحیح معنیٰ میں مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

عرب میں شرک کی ترویج کرنے والا پہلا شخص؟

فرمایا کیا انھوں نے اس بات پر غور نہیں کیا ﴿أَمْ جَآءَهُمْ﴾ یا آئی ان کے پاس ﴿مَّا﴾ وہ چیز ﴿لَمْ يَأْتِ اٰبَآءَهُمُ الْأَوَّلِيْنَ﴾ جو نہیں آئی ان کے پہلے باپ دادوں کے پاس۔ عربوں کی طرف ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے پھر اسماعیل علیہ السلام بھیجے گئے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی طرف کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا۔ جب کہ اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کم وبیش چار ہزار پیغمبر تشریف لائے ہیں۔ عرب میں صدیوں تک لوگ صحیح العقیدہ رہے ہیں پہلا بدبخت شخص جس نے عرب میں شرک کی ترویج کی وہ عمرو بن لُحی بن قمع تھا۔ انتہائی گھٹیا اخلاق کا آدمی تھا۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ عمرو بن لُحی طواف کے دوران کنڈی کے ذریعے لوگوں کے کندھوں سے چادریں اُٹھا لیتا تھا اگر کسی کو پتا چل جاتا تو کہتا معاف کرنا غلطی سے کنڈی لگ گئی ہے۔ اگر کوئی غافل رہتا تو چادر اپنے تھیلے میں ڈال لیتا۔ اتنا اخلاق کا گرا ہوا آدمی تھا کہ حاجیوں کو بھی لوٹنے سے باز نہیں آتا تھا۔

یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً اڑھائی سو سال پہلے گزرا ہے اور بابوں کے نام پر بتوں کے نام پر تقرب کے لیے جانور چھوڑنے کا سلسلہ بھی اسی نے شروع کیا تھا۔ شہر گوجرانوالا میں تمھیں بہت ساری گائیں گلیوں میں، بازاروں میں پھرتی نظر آئیں گی۔ ان کا کوئی مالک نہیں ہوتا جاہل قسم کے لوگوں نے اپنے پیروں کے نام پر چھوڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ ایسے جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے سائبہ کہا ہے ﴿مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ﴾ [المائدہ: ۱۰۳] "اللہ تعالیٰ نے نہ کوئی بحیرہ بنایا ہے اور نہ کوئی سائبہ بنایا ہے۔" ان جانوروں کو لوگ چھیڑتے نہیں ہیں ڈرتے ہیں کہ فلاں بزرگ کی گائے ہے۔ تو یہ عمرو بن لُحی بدبخت انسان تھا جس نے شرک کی ترویج کی مکہ مکرمہ میں۔

تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یا آئی ہے ان کے پاس وہ بات جو نہیں آئی ان کے باپ دادوں کے پاس ﴿اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ﴾ یا انھوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا ﴿فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾ پس وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولادت باسعادت کے بعد چالیس سال ان لوگوں میں رہے تمام مرد، عورتیں، بچے، جوان، بوڑھے، غلام، آزاد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت کے قائل تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی گلی سے گزرتے تھے تو عورتیں کہتی تھیں کہ اس جیسے اخلاق والا نوجوان ہم نے نہیں دیکھا، لونڈیاں غلام اپنی جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت کی باتیں کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری زندگی ان میں گزاری کیا یہ اپنے رسول کو نہیں پہچانتے؟ ہاں! اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے سے وہاں نہ رہتے ہوتے تو پھر دھوکا ہو سکتا تھا کہ ہم تو اس کو پہچانتے ہی نہیں ہیں یہ کون ہے، کیسے ہے۔

انگریز امام وخطیب کا قصہ

جیسے بلجیم کا انگریز جس کا جعلی اور فرضی نام کرم شاہ تھا اس کا اصلی نام میں بھول گیا ہوں اس کی بڑی عمدہ ڈاڑھی اور سرخ چہرہ تھا عربی، فارسی، پشتو کا ماہر تھا۔ جلال آباد افغانستان کی مسجد کا سولہ سال امام خطیب رہا ہے۔ یہ انگریز دور کی بات ہے لوگ اس کو نہیں جانتے تھے وہ بے ایمان انگریز لوگوں کو نمازیں پڑھاتا رہا لوگ اس کو پیر صاحب پیر صاحب کہتے تھے اور اس کے ہاتھ چومتے تھے لیکن وہ جاسوسی کے لیے وہاں ٹکا ہوا تھا۔ تو ایسے آدمی سے تو بندہ دھوکا کھا سکتا ہے جس کے بارے میں کوئی علم نہ ہو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو وہ بچپن سے جانتے تھے نبوت سے پہلے چالیس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں گزارے۔ پھر نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں گزارے وہ تو یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ ہم اس کو نہیں پہچانتے۔ تو فرمایا کیا انھوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں ہے کیا یہ ان کے لیے اجنبی ہیں؟ ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ﴾ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہے، پاگل ہے۔ کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ شوشہ بھی چھوڑا کہ معاذ اللہ تعالیٰ کہ یہ پاگل ہے۔

ضماد کے قبول اسلام کا واقعہ

مکہ مکرمہ سے کافی دور قبیلہ ازدشنوءہ آباد تھا۔ اس قبیلے کا ضماد نامی شخص پاگلوں کا علاج کرتا تھا اس کے پاس کوئی دم تھا

اللہ تعالیٰ نے بے شمار لوگوں کو شفا عطا فرمائی۔ اس کی فیس بھی کافی تھی۔ اس نے سنا کہ کعبۃ اللہ کے متولیوں میں سے کسی ایک کا بیٹا پاگل ہو گیا ہے، معاذ اللہ تعالیٰ! اور اس کا کوئی علاج کرانے والا نہیں ہے کہ والد، والدہ، دادا، دادی فوت ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ضماد نامی شخص کا نام سنا ہوا تھا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔ کہنے لگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ اَزد شنوءَ ۃ کا نام بھی سنا ہوگا اور اس قبیلے کے ضماد نامی آدمی کا نام بھی سنا ہوگا جو پاگلوں، مجنوں کا بذریعہ دم علاج کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو شفا دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں سنا ہے۔ کہنے لگا وہ میں ہوں، میں نے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاگل ہو گئے ہیں معاذ اللہ تعالیٰ۔ میں نے انسانی ہمدردی کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج کرنا ہے فیس نہیں لینی لَعَلَّ اللّٰہَ یَشْفِیْكَ عَلٰی یَدِیْ مسلم شریف کی روایت ہے "شاید کہ اللہ تعالیٰ آپ کو میرے ہاتھ پر شفا دے دے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے کہ لوگوں نے کتنی دور تک پروپیگنڈہ کیا ہوا ہے کہ میں پاگل ہوں، معاذ اللہ تعالیٰ! اور یہ بے چارہ ان کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر کتنی دور سے مجھے دم کرنے کے لیے آیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجنون نہیں ہوں۔ اس نے کہا لوگ کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی زبانیں ان کے منہ میں ہیں وہ جانیں اور ان کا کام جانے۔ ضماد نے کہا آپ کہتے کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے خطبہ پڑھا جو آپ حضرات جمعہ میں سنتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ والسماء والطارق پڑھ کر سنائی۔ چوں کہ عربی تھا قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت کو سمجھ رہا تھا، جیسے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے گئے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ مکمل پڑھ لی تو وہ کہنے لگا کہ میں خود شاعر ہوں، خطیب اور مقرر بھی ہوں لیکن یہ کلام انسانوں کا نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکار کرنے کے لیے آیا تھا خود شکار ہو گیا ہوں۔ کلمہ پڑھ کر واپس گیا اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو گیا۔

تو فرمایا کیا یہ کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہے۔ نہیں ﴿بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ بلکہ وہ لایا ہے ان کے پاس حق ﴿وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ﴾ اور ان کے اکثر حق کو پسند نہیں کرتے۔ حق بات سے گریز کرتے ہیں ﴿وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور اگر حق پیروی کرے ان کی خواہشات کی کہ حق ان کی مرضی کے مطابق ہو جائے ﴿لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ﴾ البتہ بگڑ جائیں آسمان اور زمین۔ زمین آسمان خراب ہو جائیں ﴿وَ مَنْ فِیْهِنَّ﴾ اور جو مخلوق آسمان زمین میں ہے سب ختم ہو جائے۔

مطلب یہ ہے کہ حق کی برکت سے زمین آسمان کا نظام قائم ہے اگر حق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کو اس نظام کا باقی رکھنا منظور نہیں ہے یہ حق کی بدولت قائم ہے۔ اگر حق ان کی مرضی کے تحت ہو جائے تو پھر آسمان زمین کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور ان میں جو مخلوق ہے وہ بھی باقی نہیں رہے گی ﴿بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ﴾ بلکہ ہم نے دیا ہے ان کو ان کا ذکر، نصیحت دی ہے یہ قرآن پاک ﴿فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ پس وہ اپنی نصیحت کی کتاب سے اعراض کرتے ہیں۔ قرآن پاک کا نام قرآن بھی ہے، فرقان بھی ہے اور ذکر بھی ہے۔ چودھویں پارے میں آتا ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [حجر: ۹] "بے شک ہم نے اتارا ہے ذکر کو یعنی قرآن کو اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" نوجوانو! عزیزو! یہ عہد کرو کہ ہم نے رمضان المبارک

میں روزانہ کم از کم ایک پارہ پڑھنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ترجمہ سیکھنے کے لیے بھی وقت نکالو۔ اور چیزوں کے لیے تمھارے پاس بڑا وقت ہے۔ مثلاً: کھیلوں کے لیے۔ اگر تم دس پندرہ منٹ بھی دے دو تو ترجمہ کلاس شروع ہو جائے گی پہلے کچھ بزرگ پڑھتے رہتے ہیں ان کا قرآن ختم ہو گیا ہے۔ نوجوانو! قبر حشر کی فکر کرو۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ﴿اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا﴾۔ خرج کا معنٰی وظیفہ، نذرانہ، چندہ۔ یا آپ ان سے وظیفہ مانگتے ہیں، چندہ مانگتے ہیں کہ یہ آپ کے قریب نہیں آتے آپ کی بات نہیں مانتے ﴿فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ﴾ پس آپ کے رب کی طرف سے جو وظیفہ ہے، نذرانہ ہے، ثواب ہے، جو اجر ملے گا وہ بہتر ہے۔ آپ ان سے کچھ بھی نہیں مانگتے ﴿وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ تمام رزق دینے والوں سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ باقی تو سب مجازی رزاق ہیں کہ یہی کر سکتے ہیں کہ رزق کما کر دے دیں دانہ تو ایک بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے ﴿وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ﴾ اور بے شک آپ ان کو دعوت دیتے ہیں ﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ سیدھے راستے کی طرف جو رب تعالیٰ کی طرف جاتا ہے۔ ان کا اخلاقی فریضہ ہے کہ اس کو قبول کریں ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اور بے شک وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے ﴿بِالْاٰخِرَةِ﴾ آخرت پر ﴿عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ﴾ وہ سیدھے راستے سے اعراض کرتے ہیں۔ سیدھے راستے کو قبول کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

﴿وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ﴾ اور اگر ہم ان پر رحم کریں ﴿وَكَشَفْنَا﴾ اور ہم دور کر دیں ﴿مَا﴾ وہ چیز ﴿بِهِمْ﴾ جو ان کو ہے ﴿مِّنْ ضُرٍّ﴾ تکلیف ﴿لَّلَجُّوْا﴾ البتہ وہ اصرار کریں ﴿فِيْ طُغْيَانِهِمْ﴾ اپنی سرکشی میں ﴿يَعْمَهُوْنَ﴾ سرگرداں پھریں گے ﴿وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پکڑا ان کو ﴿بِالْعَذَابِ﴾ عذاب میں ﴿فَمَا اسْتَكَانُوْا﴾ پس وہ نہ دبے ﴿لِرَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے سامنے ﴿وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ﴾ اور نہ وہ گڑگڑائے ﴿حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا﴾ یہاں تک کہ جب ہم نے کھول دیا ﴿عَلَيْهِمْ بَابًا﴾ ان پر دروازہ ﴿ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ سخت عذاب والا ﴿اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ﴾ اچانک وہ اس میں نا اُمید ہو گئے ﴿وَهُوَ الَّذِيْۤ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ﴾ جس نے بنائے تمھارے لیے کان ﴿وَالْاَبْصَارَ﴾ اور آنکھیں ﴿وَالْاَفْـِٕدَةَ﴾ اور دل ﴿قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ بہت تھوڑا ہے جو تم شکر ادا کرتے ہو ﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اور وہ وہی ذات ہے ﴿ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ جس نے پھیلایا تمھیں زمین میں ﴿وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور اسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اور وہ وہی ذات ہے ﴿يُحْيٖ﴾ جو زندہ کرتی ہے ﴿وَيُمِيْتُ﴾ اور مارتی ہے ﴿وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ اور اسی کے حکم سے بدلتی ہے رات اور دن ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس تم سمجھتے نہیں ﴿بَلْ قَالُوْا﴾ بلکہ کہا انھوں نے ﴿مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ﴾

جیسے پہلوں نے کہا تھا ﴿قَالُوْٓا﴾ انھوں نے کہا ﴿ءَاِذَا مِتْنَا﴾ کیا جب ہم مرجائیں گے ﴿وَ كُنَّا تُرَابًا﴾ اور ہم ہوجائیں گے مٹی ﴿وَّ عِظَامًا﴾ اور ہڈیاں ﴿ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ کیا بے شک ہم دوبارہ اُٹھائے جائیں گے ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ﴾ البتہ تحقیق وعدہ کیا گیا ہمارے ساتھ ﴿وَاٰبَآؤُنَا﴾ اور ہمارے باپ دادا کے ساتھ ھٰذَا اس کا ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿اِنْ هٰذَآ﴾ نہیں ہیں یہ ﴿اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ﴿قُلْ﴾ آپ فرمادیں ﴿لِّمَنِ الْاَرْضُ﴾ کس کے لیے ہے زمین ﴿وَ مَنْ فِيْهَآ﴾ اور جو مخلوق اس زمین میں ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر ہو تم جانتے ﴿سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ بہ تاکید وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے قُلْ آپ کہہ دیں ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ﴾ کون ہے رب سات آسمانوں کا ﴿وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ اور مالک عرش عظیم کا ﴿سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ بہ تاکید وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ ہی ہے ﴿قُلْ﴾ آپ فرمادیں ﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا پس تم شرک سے بچتے نہیں۔

کافروں کی کیفیت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور سیدھے راستے سے اعراض کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی کیفیت یہ ہے کہ ﴿وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ﴾ اور اگر ہم ان لوگوں پر اپنی رحمت نازل کریں، مال دیں، اولاد دیں، عزت دیں۔ جو بھی دنیا کی ضرورت کی چیزیں ہیں ﴿وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ﴾ اور دور کردیں جو ان کو تکلیف ہے۔ ذہنی ہے، مالی ہے، بدنی ہے، یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی ﴿لَّلَجُّوْا﴾ البتہ وہ اصرار کریں گے، ڈٹے رہیں گے ﴿فِيْ طُغْيَانِهِمْ﴾ اپنی سرکشی میں ﴿يَعْمَهُوْنَ﴾ سرگرداں پھریں گے۔ اگر غور کرو تو ہمارا یہی حال ہے۔ دنیاوی لحاظ سے لوگوں نے کافی ترقی کی ہے مکانات دیکھو، آمدنی دیکھو، تنخواہیں دیکھو لیکن رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ آج سے پچاس سال پہلے کے لوگوں کے عقائد میں پختگی ہوتی تھی سادگی اور اخلاص ہوتا تھا آج صرف مفاد کا تعلق ہے رشتہ دار بھی ایک دوسرے کو ملتے ہیں تو مفاد کے ساتھ۔ محض رشتہ دار سمجھ کر ملنے والے بہت کم ہیں کہ میرا عزیز ہے، کمزور ہے اس سے ہمدردی کرنی چاہیے اس کو ملنے کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے ایسے بہت کم ہیں۔ تو فرمایا وہ سرکشی میں سرگرداں پھیریں گے ﴿وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے ان کو پکڑا عذاب میں ان کو سزا دی ﴿فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ﴾ پس نہ دبے اور جھکے اپنے رب کے سامنے ﴿وَ مَا يَتَضَرَّعُوْنَ﴾ اور نہ وہ گڑگڑائے، عاجزی اور زاری نہ کی۔

مشرکوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قحط کی بددعا فرمائی

بخاری شریف میں روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے والوں کے سامنے حق پیش کیا اور انھوں نے قبول

کرنے کے بجائے سختی کے ساتھ رد کر دیا تو آپ ﷺ نے بد دعا فرمائی اے پروردگار! ان پر ایسے سال مسلط فرما جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالی ہوئی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مکے والوں پر قحط سالی مسلط ہوئی اردگرد کے علاقوں میں قحط سالی ہوئی فصلیں پیدا نہ ہوئیں دانے ناپید ہو گئے، بارش کا ایک قطرہ تک نہ برسا، جھاڑیاں جھلس گئیں۔ مکے والے مجبور ہو گئے حَتّٰی اَكَلُوا الْعِظَامَ وَالْجُلُوْدَ وَالْمَيْتَةَ "یہاں تک کہ انھوں نے ہڈیاں اور چمڑے اور مردار کھائے۔" ہڈیاں پیس پیس کر کھاتے تھے، چمڑے پانی میں بھگو کر رکھتے پھر ان کو کھاتے، مردار جانور کھاتے رہے۔ یہ تینوں لفظ بخاری شریف میں موجود ہیں۔ ابو سفیان اس وقت رضی اللہ عنہ نہیں ہوئے تھے۔ لوگوں کا ایک وفد لے کر آپ ﷺ کے پاس مدینہ طیبہ آیا۔ کہنے لگا اے محمد (ﷺ)! آپ کی قوم بھوک سے مر رہی ہے یہ آپ کی بد دعا کا نتیجہ ہے لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اللہ تعالیٰ حالات بدل دے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا چچا جان! ہر شے رب تعالیٰ کے قبضے میں ہے رب تعالیٰ کی توحید کو تسلیم کر لو مجھے پیغمبر مان لو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ایمان لے آؤ پھر دیکھو رب تعالیٰ کی رحمتیں کیسے تمھارے اُوپر نچھاور ہوتی ہیں۔ کہنے لگا اس بات کو چھوڑ دیں اس چیز کا نام نہ لیں ویسے ہمارے لیے دعا کریں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایسے تو میں نے دعا نہیں کرنی کہ تم رب تعالیٰ کے نافرمان ہو اور اسی پر ڈٹے ہوئے ہو۔ اسی کا ذکر ہے کہ البتہ تحقیق پکڑا ہم نے مکے والوں کو عذاب میں پس وہ نہیں جھکے اپنے رب کے سامنے نہ انھوں نے عاجزی کی ﴿حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ﴾ یہاں تک کہ کھولا ہم نے ان پر ﴿بَابًا﴾ دروازہ ﴿ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ سخت عذاب والا ﴿اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ﴾ اچانک وہ نااُمید ہو گئے۔

واقعۂ بدر کی جھلک

یہ واقعہ بدر کے متعلق ہے کہ کافروں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ تلواریں، نیزے، تیر کمان ہر طرح کا اسلحہ ان کے پاس تھا، سریلی آواز والی عورتیں گانے کے لیے ساتھ لائے تھے، اُونٹوں پر شراب کی بوتلیں لدی ہوئی تھیں کہ مسلمانوں کا صفایا کر کے شراب کباب کی محفلیں منعقد کریں گے گانے والیاں گائیں گی اردگرد کے قبائل کی بھی دعوت کریں گے۔ بھنگڑے ڈالتے ہوئے اچھلتے کودتے ہوئے مکہ مکرمہ سے چلے اُعْلُ هُبَل کے نعرے لگاتے ہوئے، ہبل زندہ باد۔ مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ، آٹھ تلواریں، چھ زریں تھی۔ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آٹھ تلواریں ہزار تلواروں پر غالب آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ [آل عمران: ۱۲۳] "اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمھاری مدد کی بدر کے مقام پر اور تم انتہائی کمزور اور بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔" اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقت ور جماعت پر فتح عطا فرمائی۔ ستر ایسے کافر مارے گئے جو کفر کی جڑ اور بنیاد تھے اور ستر گرفتار ہوئے اور باقی سب بھاگ گئے اور ان بھاگنے والوں میں وہ بھی تھے جو کئی دنوں تک گھر سے باہر نہیں نکلے کہ کیا منہ دکھائیں گے۔ کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کی یہ اُمید بالکل ختم ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ اسی کا ذکر ہے کہ جب ہم نے کھولا ان پر سخت عذاب کا دروازہ تو اس وقت وہ نااُمید ہو گئے۔

ناشکری کرتے ہو رب تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھو! ﴿وَهُوَ الَّذِیٓ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ﴾ جس نے بنائے تمھارے لیے کان، آنکھیں اور دل۔ کان کی قدر بہرے سے پوچھو، آنکھ کی قدر اندھے سے پوچھو کہ بہرا بات کرنے والے کی بات سن نہیں سکتا اور اندھا کبھی اس دیوار سے ٹکراتا ہے کبھی اس دیوار سے ٹکراتا ہے۔ دل کی قدر پاگل سے پوچھو شکل بڑی عمدہ لیکن بات کرنے کا ڈھنگ نہیں۔ صرف دل کے علاج پر لاکھوں روپے خرچ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری نعمتیں مفت میں عطا فرمائی ہیں ﴿قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ بہت تھوڑا ہے جو تم شکر ادا کرتے ہو۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان اعضاء کے اور قویٰ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو دل مین جگہ دیتے۔ کانوں سے خدا رسول کا کلام سنتے، آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھتے مگر تم نے ان چیزوں کو غلط استعمال کیا ﴿وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ اور وہ وہی ذات ہے جس نے پھیلایا تمھیں زمین میں ﴿وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور اسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے انسانی آبادی کو دنیا کے مختلف خطوں میں بکھیر دیا ہے کوئی میدانی علاقے میں کوئی پہاڑی علاقے میں کوئی ٹھنڈے اور کوئی گرم علاقے میں کوئی خشک اور کوئی تر علاقے میں پورے اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اور ہر ایک اپنے مقام پر خوش ہے اور اپنے اپنے علاقے سے محبت رکھتے ہیں۔

چند بنیادی سوال ہر آدمی سے ہوں گے !

حدیث پاک میں آتا ہے کہ چند بنیادی سوال اللہ تعالیٰ ہر ایک سے کریں گے:

- ......زندگی کہاں گزاری؟
- ......جوانی کہاں خرچ کی؟
- ......میں نے تجھے مال دیا تھا وہ کہاں خرچ کیا ہے؟
- ......تجھے جو علم دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟

فرمایا ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ﴾ وہ اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے ﴿وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ﴾ اسی کے حکم سے بدلتی ہے رات اور دن۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رات دن مختلف ہوتے ہیں رات تاریک ہے دن روشن ہے۔ کبھی رات بڑھ جاتی ہے کبھی دن بڑھ جاتا ہے۔ آج سے ایک مہینہ پہلے دن تقریباً ایک گھنٹہ رات سے چھوٹا تھا اب ایک گھنٹہ بڑھ گیا ہے۔ جوں جوں گرمی آئے گی دن بڑھتا جائے گا اور رات گھٹتی جائے گی۔ یہ سب رب تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ہے ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس تم سمجھتے نہیں رب تعالیٰ کی قدرت کو رب تعالیٰ کی توحید کو ﴿بَلْ قَالُوْا﴾ بلکہ ان لوگوں نے وہی بات کہی ﴿مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ جیسے پہلوں نے کہی تھی۔ پہلے لوگوں نے کیا کہا تھا؟ ﴿قَالُوْٓا﴾ انھوں نے کہا ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی ﴿وَّ عِظَامًا﴾ اور ہڈیاں ہو جائیں گے ﴿ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ ان لوگوں کا

عقیدہ تھا کہ جو مر گیا ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں خاک ہو گیا وہ دوبارہ نہیں اُٹھایا جائے گا۔ وہ قیامت کے منکر تھے اسی لیے گناہوں پر جری اور دلیر تھے اور جس آدمی کو یقین ہو کہ قیامت حق ہے اور میں نے رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور پائی پائی کا حساب ہوگا تو وہ سوچ سمجھ کر کام کرے گا اور جس کو قبر یاد نہیں آخرت کی فکر نہیں اور برائیوں سے اس کا دل سیاہ ہو چکا ہے اس کو کسی چیز کی فکر نہیں ہے۔

دل کیسے سیاہ ہوتا ہے ؟

اور یاد رکھو حدیث پاک میں آتا ہے: ((اِذَا اَذْنَبَ الْعَبْدُ ذَنْبًا نُکْتَتُ عَلٰی قَلْبِهٖ نُکْتَةً سَوْدَآءَ)) "جب آدمی گناہ کرتا ہے اس کے دل پر سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے جب دوسرا گناہ کرتا ہے دوسرا دھبہ پڑ جاتا ہے، تیسرا گناہ کرتا ہے تیسرا دھبہ پڑ جاتا ہے۔" ایک پاؤ کے قریب تو دل کا ٹکڑا ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر ایک غلاف چڑھ جاتا ہے ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ﴾ [سورۃ المطففین] "خبردار بلکہ ان کے دل زنگ آلود ہو گئے ہیں۔" جب دل پر غلاف چڑھ جاتا ہے تو پھر نیکی کی رغبت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی چھوٹی سی علامت یاد رکھو کہ جب بندے کو نیکی کا شوق اور رغبت نہ ہو اور برائی کو برائی نہ سمجھے تو سمجھ لو کہ اس کے دل پر گناہوں کا غلاف چڑھ گیا ہے۔ ایسی حالت میں آدمی کو توبہ کی توفیق بہت کم نصیب ہوتی ہے اور جو توبہ کر کے نہ مرا اس کی آخرت برباد ہو گئی۔ بخلاف اس کے وہ آدمی کہ جس کے دل پر غلاف نہیں چڑھا وہ گناہ کرے گا تو دل اس کو آگاہ کرے گا کہ یہ کام بُرا ہے۔ اگر کبھی گناہ ہو بھی گیا تو توبہ کرے گا۔

تو فرمایا انھوں نے وہی بات کہی جو پہلوں نے کہی تھی کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیاں ہو جائیں گے کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا﴾ البتہ تحقیق وعدہ کیا گیا ہمارے ساتھ اور ہمارے باپ دادا کے ساتھ اس کا کہ تم دوبارہ کھڑے کیے جاؤ گے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے۔ لیکن وہ ابھی تک قبروں میں ہیں لہٰذا کوئی قیامت نہیں ہے ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ نہیں ہے یہ باتیں مگر پہلوں کی قصے کہانیاں۔ پہلوں کی کہانیاں سناتے رہتے ہو ابھی تک قیامت آئی تو نہیں نہ ہمارا باپ زندہ ہوا نہ دادا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ﴾ کس کے لیے ہے زمین، زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور جو اس میں مخلوق ہے اس کو کس نے پیدا کیا ہے اور کس کے تصرف میں ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر ہو تم جانتے تو بتاؤ جس زمین پر چلتے پھرتے ہو جس پر تمھارے مکانات ہیں تمھاری بود و باش، باغات اور کارخانے ہیں یہ کس نے بنائی ہے اور اس میں جو مخلوق ہے وہ کس نے پیدا فرمائی ہے؟ ﴿سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ بہ تاکید یہ مشرک کہیں گے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اسی نے پیدا فرمائی ہے اور اس میں جو مخلوق ہے وہ بھی اسی کی ہے اسی نے پیدا فرمائی ہے۔ ﴿قُلْ﴾ پھر ان سے پوچھو ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ یہ سب کچھ مان کر بھی رب تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک لہٗ تسلیم نہیں کرتے اس کے احکامات کو نہیں مانتے۔

دوسرا سوال ﴿قُلْ﴾ آپ ان سے کہہ دیں ﴿مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ﴾ کون رب ہے سات آسمانوں کا، یہ کس نے بنائے ہیں، ان کو سنبھالنے والا کون ہے؟ ﴿وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ اور مالک عرش عظیم کا رب اور مالک کون ہے کس نے بنایا ہے کس کے تصرف اور ملک میں ہیں؟ ﴿سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ بہ تاکید یہ کہیں گے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا پس تم شرک سے بچتے نہیں یہ سب کچھ مان کر بھی۔ مشرک رب تعالیٰ کے وجود کے منکر نہیں تھے رب تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو نتھی کرتے تھے جیسے سکھ کہتے ہیں جو رب کرے لالوھور، نانک باباھور۔ رب کو مان کر پھر بابا نانک کی ٹانگ ساتھ جوڑتے ہیں۔ یہی مشرکوں کا طریقہ تھا رب تعالیٰ کو مان کر اوروں کو ساتھ نتھی کرتے تھے۔ یہ شرک بہت بُری چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْۢ بِيَدِهٖ﴾ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہے ﴿مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز کا اختیار ﴿وَّهُوَ يُجِيْرُ﴾ اور وہی پناہ دیتا ہے ﴿وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾ اور نہیں پناہ دی جاسکتی اس کے مقابلے میں ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر ہو تم جانتے ﴿سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ بہ تاکید وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے قُلْ آپ کہہ دیں ﴿فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ﴾ پس کہاں سے تم پر جادو کیا جارہا ہے ﴿بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ﴾ بلکہ ہم نے دیا ہے ان کو حق ﴿وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور بے شک وہ جھوٹے ہیں ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ﴾ نہیں بنائی اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد ﴿وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ﴾ اور نہیں ہے اس کے ساتھ کوئی اور الٰہ اور معبود ﴿اِذًا لَّذَهَبَ﴾ اگر ہوتا تو البتہ لے جاتا ﴿كُلُّ اِلٰهٍ﴾ ہر الٰہ ﴿بِمَا خَلَقَ﴾ جو مخلوق اس نے پیدا کی ﴿وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ اور البتہ چڑھائی کر دیتا ان کا بعض بعض پر ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ﴿عَمَّا﴾ ان چیزوں سے ﴿يَصِفُوْنَ﴾ جو وہ بیان کرتے ہیں ﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ﴾ جاننے والا ہے غیب کی چیزوں کو ﴿وَالشَّهَادَةِ﴾ اور حاضر کو ﴿فَتَعٰلٰى﴾ پس بلند ہے ﴿عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ ان چیزوں سے جن کو اس کے ساتھ شریک بناتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿رَّبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اِمَّا تُرِيَنِّيْ﴾ اگر آپ دکھائیں مجھ کو ﴿مَا يُوْعَدُوْنَ﴾ وہ چیز جس کا وعدہ کیا جاتا ہے ان کے ساتھ ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿فَلَا تَجْعَلْنِيْ﴾ پس نہ کرنا مجھے ﴿فِى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ظالم قوم میں ﴿وَاِنَّا﴾ اور بے شک ہم ﴿عَلٰۤى اَنْ﴾ اس بات پر ﴿نُّرِيَكَ﴾ کہ دکھائیں ہم آپ کو ﴿مَا﴾ وہ ﴿نَعِدُهُمْ﴾ جس کی ہم ان کو دھمکی دیتے ہیں ﴿لَقٰدِرُوْنَ﴾ البتہ ہم قادر ہیں ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ﴾ آپ دفاع کریں ایسے طریقے کے ساتھ ﴿هِيَ اَحْسَنُ﴾ جو اچھا ہو ﴿السَّيِّئَةَ﴾ برائی کو ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ﴾ ہم خوب جانتے ہیں ﴿بِمَا يَصِفُوْنَ﴾ اس چیز کو جو وہ بیان کرتے ہیں

﴿وَ قُلْ رَّبِّ﴾ اور آپ کہہ دیں اے میرے رب! ﴿اَعُوْذُ بِكَ﴾ میں پناہ لیتا ہوں ﴿مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ﴾ شیطانوں کے وساوس سے ﴿وَ اَعُوْذُ بِكَ﴾ اور میں پناہ لیتا ہوں آپ کی ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اَنْ یَّحْضُرُوْنِ﴾ اس سے کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ﴾ یہاں تک کہ جب آتی ہے ﴿اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ﴾ ان میں سے کسی ایک کے پاس موت ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے ﴿رَبِّ ارْجِعُوْنِ﴾ اے میرے رب! مجھے دنیا کی طرف لوٹا دے ﴿لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا﴾ تاکہ میں عمل کروں اچھے ﴿فِیْمَا تَرَكْتُ﴾ اس کے مقابلے میں جو میں چھوڑ آیا ہوں ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں ہوگا ﴿اِنَّهَا كَلِمَةٌ﴾ بے شک یہ ایک بات ہے ﴿هُوَ قَآىِٕلُهَا﴾ جس کو وہ کہہ رہا ہے ﴿وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ﴾ اور ان کے آگے پردہ ہے ﴿اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ اس دن تک جس دن ان کو اُٹھایا جائے گا۔

ساری بنیادی چیزیں مشرک تسلیم کرتے ہیں

مشرکین مکہ کے بارے میں بات چلی آرہی ہے کہ ﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهَاۤ﴾ آپ ان سے کہیں کہ زمین اور اس میں جو مخلوق ہے وہ کس کی ہے اگر تم جانتے ہو تو بہ تاکید کہیں گے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ دوسرا سوال تھا کہ سات آسمانوں کا رب کون ہے؟ اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ تو بہ تاکید یہ کہیں گے اللہ تعالیٰ ﴿قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا پھر تم شرک سے نہیں بچتے۔

اب تیسرا سوال ﴿قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ آپ ان سے کہہ دیں کون ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں جس کے قبضے اور قدرت میں ہے ہر چیز کا اختیار۔ اور دوسری چیز ﴿وَّ هُوَ یُجِیْرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیْهِ﴾ اور وہی پناہ دیتا ہے اور نہیں پناہ دی جا سکتی اس کے مقابلے میں۔ بتلاؤ یہ صفت کس کی ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر ہو تم جانتے ﴿سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ یہ تاکید کہیں گے کہ یہ صفت بھی اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اب جب یہ سب باتیں تسلیم کرتے ہیں تو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ﴾ پس کہاں سے تم پر جادو کیا جارہا ہے۔ سب کچھ مان کر تم پھر بھی رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔

شرک پر مشرکوں کے دلائل

یاد رکھنا! شرک کے سینگ نہیں ہوتے اور نہ مشرک کے سینگ ہوتے ہیں کہ جو شرک کرے اس کو سینگ لگ جائیں۔ شرک عقیدے اور نظریئے کا نام ہے۔ اور نہ ہی مشرک خدا کا مخالف ہوتا ہے۔ مشرک بظاہر جتنا رب تعالیٰ کا ادب کرتا ہے شاید بظاہر اتنا موحد بھی نہ کرتے ہوں۔ مشرک کہتا ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات بہت اُونچی اور بلند ہے اور ہم بہت پست ہیں ہماری رب تعالیٰ تک رسائی نہیں ہے۔ جب تک درمیان میں بزرگوں کی سیڑھیاں نہ لگائیں۔ اب دیکھو! بظاہر کتنا ادب کر رہا ہے۔ پھر یہ مثال دیتے ہیں بادشاہ کو ہر آدمی نہیں مل سکتا بادشاہ کو ملنے کے لیے افسروں کے واسطے ہوتے ہیں اور سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۳۶ میں ہے کہ جب وہ پیداوار میں سے حصہ نکالتے تھے یا جانوروں میں سے اللہ تعالیٰ کے لیے اور دوسرے معبودوں کے لیے تو

ایک ڈھیری اللہ تعالیٰ کی اور دوسری ڈھیری دوسرے معبودوں کی تو ان کے دوسرے معبودوں والی ڈھیری میں سے کچھ دانے اللہ تعالیٰ کی ڈھیری کے ساتھ مل جاتے تو فوراً الگ کر لیتے اور اگر اللہ تعالیٰ کی ڈھیری میں سے کچھ دانے معبودوں کی ڈھیری میں مل جاتے تو الگ نہیں کرتے تھے کہ خدا تو بے پرواغنی ہے وہ محتاج ہیں ضرورت مند ہیں۔

تو اس سے اندازہ لگاؤ اللہ تعالیٰ کے لیے بظاہر کتنی عقیدت تھی۔ رب تعالیٰ کو اپنا خالق بھی مانتے تھے، آسمانوں اور زمین کا خالق بھی مانتے تھے اور سورۃ یونس آیت نمبر ۳۱ میں ہے ﴿قُلْ﴾ "آپ کہہ دیں ﴿مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ کون رزق دیتا ہے تمھیں آسمان اور زمین سے ﴿اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ﴾ کون ہے جو مالک ہے کانوں کا اور آنکھوں کا ﴿وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے ﴿وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے۔" بعض کافروں سے مومن پیدا کرتا ہے بعض بہت بُرے ہوتے ہیں ان کو بہت نیک اولاد دیتا ہے۔

دیکھو مروان اچھی شہرت کا مالک نہیں تھا لیکن اس کا پوتا عمر بن عبدالعزیز خلیفہ راشد تھا۔ رب تعالیٰ کی قدرت ہے زندہ انسان سے نطفہ پیدا کرتا ہے، زندہ مرغی سے انڈا پیدا کرتا ہے انڈے سے چوزہ نکالتا ہے۔ نطفہ بے جان سے بچہ پیدا کرتا ہے ﴿وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ "اور کون ہے جو سب کاموں کی تدبیر کرتا ہے ﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ﴾ پس یہ بتاکید کہیں گے اللہ تعالیٰ۔ یہ مشرک کہیں گے کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ ﴿فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا پس تم شرک سے نہیں بچتے۔"

یہ مشرکین مکہ کے نظریات کا ذکر ہے۔ اب تم اپنے زمانے کے مشرکوں کا نظریہ بھی سن لو اور پھر یہ نظریہ بیان کرنے والا ان کا کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ وہ احمد رضا خان کو امام کا درجہ دیتے ہیں۔ وہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کہتا ہے:

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی ہے مختار بھی ہے
کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

حدائق بخشش حصہ ۲ صفحہ ۱۹ اور صفحہ ۸ پر لکھتا ہے:

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث

سب کن مکن کے اختیارات شیخ عبدالقادر جیلانی کے پاس ہیں۔ اور ظلم کی بات سنو! "الامن والعلی" کے صفحہ ۸۵ پر لکھتا ہے: آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک کہ حضور سیدنا غوث اعظم پر سلام نہ کرے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ دیکھو! سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۴۹۵ھ میں ہوئی اور وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی ہے۔ سوال یہ ہے ۴۹۵ھ سے پہلے سورج چڑھتا تھا یا نہیں چڑھتا تھا؟ اگر چڑھتا تھا تو کس کو سلوٹ مارتا تھا؟ یاد رکھنا! یہ نظریات بالکل قرآن کے خلاف ہیں اسی لیے میں نے تمھیں سورہ یونس کی آیتیں نکال کر پڑھوائی ہیں تاکہ تم مغالطے میں نہ رہو اور قیامت والے دن یہ نہ کہنا کہ ہمیں کسی نے مسئلہ بتایا نہیں تھا۔

تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں ان سے پوچھیں ہر چیز کا اختیار کس کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے

مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا اگر تم جانتے تو بہ تاکید یہ کہیں گے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ان سے کہیں تم پر کہاں سے جادو ہو گیا ہے کیوں شرک کرتے ہو؟ ﴿بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ﴾ بلکہ ہم نے ان کو دیا ہے حق۔ حق ان کو پہنچا دیا ہے ﴿وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور بے شک شرک کرنے والے جھوٹے ہیں۔

آگے ان کا ذکر ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ [توبہ:۳۰] اور عرب کے مشرک ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ﴾ [نحل:۵۷] کہتے تھے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ﴾ نہیں بنائی اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد۔ اس کی صفت ہے ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ "نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔" ﴿وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ﴾ اور نہیں ہے اس کے ساتھ کوئی اور الٰہ، نہ مشکل کشا، نہ حاجت روا، نہ فریاد رس، نہ کوئی دست گیر اور یہاں کیا ہے (بریلویوں کے) خان صاحب تک کہتے ہیں:

امداد کن امداد کن از رنج و غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا غوث اعظم دست گیر

ڈنکے کی چوٹ پر یہ بدعتی مسجد، مسجد میں کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ [جن:۱۸] "اور بے شک مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں پس مت پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایک کو۔" آج وہ مسجدیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہیں کفر و شرک کا اڈا بنی ہوئی ہیں۔

بدعتیوں کے ساتھ مسائل کا اختلاف اصولی ہے

یاد رکھنا! انہیں فروعی مسئلے نہ سمجھنا۔ جیسے بہت سارے نادان یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے حنفی، شافعی، مالکی وغیرہ فروعی مسائل ہیں یہ بھی ایسے ہی ہیں حَاشَا وَكَلَّا! یہ سب کفر ہیں، قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہیں۔ تمام فقہائے ملت کی مخالفت ہے۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی الٰہ نہیں ہے ﴿اِذًا﴾ اس وقت اگر کوئی اور الٰہ ہوتا ﴿لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ﴾ البتہ لے جاتا ہر الٰہ ﴿بِمَا خَلَقَ﴾ جو مخلوق اس نے پیدا کی اس کو اپنے ساتھ کر لیتا ﴿وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ اور البتہ چڑھائی کر دیتا ان کا بعض بعض پر۔ جیسے آج کل حکومتیں ایک دوسرے پر چڑھائی کرتی ہیں، حملہ کرتی ہیں اسی طرح اگر کوئی اور الٰہ ہوتا رب تعالیٰ کے مقابلے میں تو وہ رب تعالیٰ پر حملہ کر دیتا اور رب اس کا جواب دیتا پھر صلح ہوتی اور نہ جانے وہ صلح کب تک رہتی؟ شاعر کہتا ہے:

؎ صلح کیا ہے مہلت سامان جنگ

صلح تو اس لیے ہوتی ہے کہ ہم اور تیاری کر لیں۔ ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ﴿عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ ان چیزوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ نہ رب تعالیٰ کا بیٹا ہے نہ بیٹی، نہ رب تعالیٰ کا کوئی شریک ہے اس کی ذات ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔

مشرکوں کی دلیل کارد

مشرک شرک پر دلیل کیا دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مکان کی چھت پر بغیر سیڑھی کے کوئی جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ [ق:۱۶] "ہم زیادہ قریب ہیں انسان کے اس کی شہ رگ سے۔" لگاؤ نا یہاں سیڑھی۔ سیڑھی تو دور کے لیے لگائی جاتی ہے رب تعالیٰ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے یہاں سیڑھی کی کیا ضرورت ہے؟ اور سورہ حدید میں ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ "وہ تمھارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔" ان لوگوں نے فضول باتیں کر کے لوگوں کا ایمان تباہ کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا معنیٰ

﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ نوجوانو! عالم الغیب والشہادہ کا معنیٰ اچھی طرح سمجھ لو۔ عالم الغیب والشہادہ کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے غیب ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے رب اس کو جانتا ہے۔ رب تعالیٰ کے تو ہر چیز سامنے ہے وہ ہر چیز کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ یہ ہماری نسبت سے ہے کہ جو چیزیں ہم سے غائب ہیں وہ ان کو بھی جانتا ہے اور جو چیزیں ہمارے سامنے ہیں ان کو بھی جانتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ایک مولوی کا سر پھر گیا اس نے کہنا شروع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب نہ کہو کیوں کہ اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ اتنی بات تو صحیح تھی کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں ہے مگر اس کا یہ کہنا کہ عالم الغیب نہ کہو یہ غلط تھا۔ مقامی علماء نے سمجھایا مگر نہ سمجھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے بڑے عالم بڑے ولی اللہ تھے ان کی کتاب "مکتوبات شریف" فارسی زبان میں ہے اب ترجمہ ہو چکا ہے نوجوان طبقہ لڑکے لڑکیوں کو ناولوں کے بجائے یہ کتابیں پڑھنی چاہییں۔ ان کا ایمان بنے، اعمال بنیں، آخرت درست ہو۔ دینی کتابیں گھروں میں بہت کم ہیں دو چار ہوئیں تو کیا ہوئیں؟ اکثریت مذہب سے نا آشنا ہے۔

تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خط دیا کہ ایک مولوی یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب نہ کہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے تھے۔ جیسے شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں سید ہیں۔ تو فرمایا میں نے خط پڑھا ہے "بے اختیار رگ فاروقیم درحرکت شد۔ میری رگ فاروقی پھڑک اٹھی۔" او ظالم! اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ اور حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا نام عالم الغیب والشہادہ فرمایا ہے۔ اور اُمت کا اجماع ہے اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہے تو کون ہوتا ہے یہ کہنے والا کہ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب والشہادہ نہ کہو؟ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب والشہادہ ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ جو چیز مخلوق سے غائب ہے اس کو بھی جانتا ہے اور جو چیز مخلوق کے سامنے ہے اس کو بھی جانتا ہے۔

﴿فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ پس بلند ہے ان چیزوں سے جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں۔ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں، دعا کریں ﴿رَّبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ﴾ اگر آپ دکھا دیں مجھے وہ عذاب جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا

ہے کہ ان کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب آئے گا ﴿رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اے میرے رب! پس نہ کرنا مجھے ظالم قوم میں سے، مجھے عذاب سے محفوظ رکھنا، ظالموں کے ساتھ مجھے نہ رکھنا ﴿وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ﴾ اور بے شک ہم اس بات پر کہ ہم آپ کو دکھائیں ﴿مَا نَعِدُهُمْ﴾ وہ عذاب جس کی ہم ان کو دھمکی دیتے ہیں ﴿لَقٰدِرُوْنَ﴾ البتہ ہم قادر ہیں کہ آپ کی موجودگی میں ان کو عذاب دیں ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ آپ دفاع کریں ایسے طریقے کے ساتھ جو اچھا ہو ﴿السَّيِّئَةَ﴾ برائی کو۔

دیکھو! قرآن میں موجود ہے کہ انھوں نے آنحضرت ﷺ کو شاعر کہا معاذ اللہ تعالیٰ! مجنون کہا، جادوگر کہا، جادوزدہ کہا، کاہن کہا، مفتری کہا۔ آج تم کسی آدمی کو یہ باتیں کہو تو اس کو طبعی طور پر کتنی ناگوار گزرتی ہیں۔ چاہے کسی کا جتنا بھی حوصلہ ہو دل میں کڑھے گا ضرور کہ میں اچھا بھلا آدمی ہوں مجھے پاگل کہہ رہا ہے۔ سچے آدمی کو جھوٹا کہنے سے اس کو کتنی کوفت ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سبق دیا کہ جو کہتے ہیں کہتے رہیں آپ ﷺ نے ان کو اس طرح کا جواب نہیں دینا کیوں کہ آپ ﷺ کا مقام بہت بلند ہے۔ اس لیے کہ اگر آپ ﷺ نے بھی وہی الفاظ ان کو کہے تو اخلاق غیر اخلاق میں کیا فرق رہا؟ ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ [قلم:۴] "آپ بڑے اخلاق کے مالک ہیں۔"

تو فرمایا دفاع کریں ایسے طریقے سے جو اچھا ہو برائی کو ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ﴾ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں وَقُلْ آپ کہہ دیں ﴿رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ﴾ اے میرے رب میں آپ کی پناہ لیتا ہوں ﴿مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ﴾ شیطانوں کے وساوس سے۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَجْرِيْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ "بے شک شیطان انسان میں وہاں تک اثر کر سکتا ہے جہاں تک خون چلتا ہے۔" ﴿وَاَعُوْذُ بِكَ﴾ اور میں پناہ لیتا ہوں آپ کی ﴿رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ﴾ اے میرے رب کہ شیطان میرے پاس آئیں اور مجھے ورغلائیں۔

یہ آنحضرت ﷺ کو سبق دے کر ہمیں تعلیم دی ہے کہ یہ دعائیں کر کے شیطان کے وساوس سے ہمیں بچا۔ ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ﴾ یہاں تک کہ جب آتی ہے ان میں سے کسی ایک کے پاس موت ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے اس وقت ﴿رَبِّ ارْجِعُوْنِ﴾ اے میرے رب! مجھے دنیا کی طرف لوٹا دے۔ مرتے وقت منتیں کرتا ہے کہ مجھے تھوڑا سا وقت مل جائے پروردگار ﴿لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا﴾ تاکہ میں عمل کروں اچھے ﴿فِيْمَا تَرَكْتُ﴾ اس کے مقابلے میں جو میں چھوڑ رہا ہوں۔ اب میں ان اوقات میں نیک کام کروں گا۔ جواب ملے گا ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں مہلت ملے گی ﴿اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا﴾ بے شک یہ ایک بات ہے جس کو وہ کہہ رہا ہے کہ مجھے تھوڑی سی مہلت مل جائے میں توبہ کروں گا، استغفار کروں گا، اچھے کام کروں گا، برے کام نہیں کروں گا۔ فرمایا یہ ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اس کی حیثیت کوئی نہیں ہے اس کو قبول نہیں کیا جائے گا ﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ﴾ اور ان کے آگے پردہ ہے۔ قبر کو بھی برزخ کہتے ہیں بظاہر قبر ہمارے سامنے مٹی کا ڈھیر ہے مگر اس کے اندر انسان کی جنت بھی ہے اور دوزخ بھی۔ فرمایا ﴿اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ اس دن تک جس دن ان کو اُٹھایا جائے گا۔ پردہ ہے قیامت تک قبر برزخ میں رہیں گے۔

﴿فَاِذَا نُفِخَ﴾ پس جس وقت پھونکی جائے گی ﴿فِی الصُّوْرِ﴾ بگل ﴿فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ﴾ پس نہیں ہوگا رشتہ ناتا ان کے درمیان ﴿یَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ﴾ اور نہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے ﴿فَمَنْ﴾ پس وہ شخص کہ ﴿ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ﴾ بھاری ہوں گے اعمال اس کے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ﴿وَمَنْ﴾ اور وہ شخص ﴿خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ﴾ ہلکے ہوں گے اعمال اس کے ﴿فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں ﴿خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ جنھوں نے خسارے میں ڈالا اپنی جانوں کو ﴿فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ﴿تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ﴾ جھلس دے گی ان کے چہروں کو ﴿النَّارُ﴾ آگ ﴿وَهُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ﴾ اور وہ اس دوزخ میں بدشکل ہوں گے ﴿اَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ﴾ کیا نہیں تھیں میری آیتیں ﴿تُتْلٰی عَلَیْكُمْ﴾ تلاوت کی جاتی تھیں تم پر ﴿فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ پس تم ان کو جھٹلاتے تھے ﴿قَالُوْا﴾ کہیں گے ﴿رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا﴾ اے ہمارے رب! غالب آئی ہم پر ہماری بدبختی ﴿وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ﴾ اور ہم تھے گمراہ قوم ﴿رَبَّنَآ﴾ اے ہمارے رب! ﴿اَخْرِجْنَا مِنْهَا﴾ ہمیں نکال دے اس دوزخ سے ﴿فَاِنْ عُدْنَا﴾ پھر اگر ہم لوٹیں گناہوں کی طرف ﴿فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ﴾ پس بے شک ہم ظالم ہوں گے ﴿قَالَ﴾ فرمائیں گے اللہ تعالیٰ ﴿اخْسَئُوْا فِیْهَا﴾ ذلیل ہو جاؤ دوزخ میں ﴿وَلَا تُكَلِّمُوْنِ﴾ اور مجھ سے بات نہ کرو۔

قیامت کا منظر

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے مسئلہ توحید اور رسالت اور قیامت۔ توحید، رسالت، قیامت حق ہیں۔ قیامت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ﴾ پس جس وقت بگل پھونکی جائے گی۔ جب رب تعالیٰ کو منظور ہوگا دنیا کو فنا کرنا تو اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیں گے بگل پھونکو۔ اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بگل پھونکیں گے تو مشرق، مغرب، شمال، جنوب، قریب دور کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔ سب جان دار چیزیں ختم ہو جائیں گی یہاں تک کہ فرشتے بھی باقی نہیں رہیں گے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ "ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔" جبرئیل، میکائیل، عزرائیل، اسرافیل علیہم السلام سب پر موت آئے گی ﴿وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ "صرف رب تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی۔" بخاری شریف کی روایت کے مطابق چالیس سال بعد پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو (زندہ کر کے) حکم دیں گے وہ دوبارہ بگل پھونکیں گے۔ ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝﴾ "جب ہلا دی جائے گی زمین ہلا دیا جانا اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی۔" عظیم زلزلہ ہوگا اور لوگ اپنی قبروں سے اور جہاں جہاں کہیں بھی ہوں گے چاہے کسی کو مچھلیوں نے کھایا ہوگا چاہے درندوں اور پرندوں نے یا آگ میں جلا دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ سارے اپنے مکمل جسم کے ساتھ باہر نکل آئیں گے۔

تعجب کے مارے کہیں گے ﴿مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا﴾ [یٰسین: ۵۲] "کس نے اٹھایا ہمیں ہماری خواب گاہوں سے۔" جواب آئے گا ﴿هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ "وہی ہے جس کا وعدہ کیا تھا رحمٰن نے اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔"

تو دو دفعہ صور پھونکا جائے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صور کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک سینگ ہے جس کا منہ ایک طرف سے تنگ ہے اور دوسری طرف سے کشادہ ہے۔ تنگ حصہ فرشتے کے منہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں ہے کہ کب حکم ہو اور وہ اس میں پھونک مار دے۔ تو فرمایا جب صور پھونکا جائے گا ﴿فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ﴾ پس نہیں ہوگا رشتہ ناتا ان کے درمیان اس دن۔ نسبی تعلقات اور خاندانی رشتے ختم ہو جائیں گے۔ کوئی رشتہ دار کسی رشتہ دار کے کام نہیں آئے گا تمام تعلقات ختم ہو جائیں گے ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝﴾ [عبس: پارہ ۳۰] "جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور بیٹوں سے (کہ کہیں یہ میرے سے کوئی نیکی نہ مانگ لیں۔) ہر آدمی کے لیے اس دن یہی حال ہوگا جو اس کو دوسرے سے بے پرواہ کرے گا۔" ہر ایک کو اپنی مصیبت پڑی ہوگی ﴿وَلَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ اور نہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہوگا۔

یہ کافر مشرکوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ اہل ایمان ایک دوسرے کا حال پوچھیں گے۔ چنانچہ سورۃ طور میں ہے ﴿وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ﴾ "اور وہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھیں گے۔" اور سوال جواب بھی ہوں گے میدان محشر میں سب جمع ہوں گے حساب کتاب ہوگا اعمال تلیں گے ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ پس وہ شخص کہ بھاری ہوں گے اعمال اس کے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ اور وہ شخص جس کے اعمال ہلکے ہوں گے ﴿فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں ﴿خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ جنھوں نے خسارے میں ڈالا اپنی جانوں کو ﴿فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

اعمال کے تلنے کا ذکر اور مفہوم

مسئلہ سمجھ لیں۔ اعمال کا تلنا حق ہے اور اس کا منکر گمراہ ہے۔ پہلا شخص جس نے اس کا انکار کیا ہے وہ واصل بن عطا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ کا باشندہ تھا ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور ۱۳۱ھ میں فوت ہوا۔ یہ اوٹ پٹانگ ذہن کا آدمی تھا اس نے بہت ساری چیزوں میں شک پیدا کیا۔ ایک بات اس نے یہ کہی کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار کسی کو نہیں ہوگا کیوں کہ موسیٰ علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کر سکے تو اور کون کر سکتا ہے؟ حالاں کہ یہ اس کا نظریہ غلط تھا کیوں کہ اس جہان کے احکام الگ ہیں اور اس جہان کے احکام الگ ہیں۔ وہ نیکیاں بدیاں تلنے کا بھی منکر تھا۔ کہتا تھا کہ تلنے سے مراد عدل ہے کہ عدل وانصاف ہوگا۔ وہ کہتا تھا کہ نیکی بدی انسان کے جسم کے ساتھ قائم ہے اس کا علیحدہ کوئی وجود نہیں ہے۔ نہ جسم سے الگ نظر آتی

ہیں۔ مثلاً: بات نکلتی ہے اسے کیسے تولا جائے گا؟ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اعمال کے تولنے سے اللہ تعالیٰ کی جہالت لازم آتی ہے کیوں کہ تولتا وہ ہے جس کو علم نہ ہو رب تعالیٰ کو تو ہر شے کا علم ہے۔ اس کو تول کر معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علمائے حق نے اس کی دونوں باتوں کا جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں جہاں تک جہالت کے لازم آنے کا تعلق ہے وہ رب تعالیٰ کی جہالت لازم نہیں آتی بلکہ بندے کی جہالت لازم آتی ہے کیوں کہ رب تعالیٰ نے اپنے علم کے لیے نہیں تولنا بلکہ بندوں کو بتانے کے لیے تولنا ہے کہ اے بندے! اپنی نیکیاں بھی دیکھ لے اور اپنی بدیاں بھی دیکھ لے۔ رب تعالیٰ کو تو ہر شے کا علم ہے۔ رہا مسئلہ قول و فعل کے وزن کا اور اس کا یہ کہنا کہ ان کا اپنا وجود کوئی نہیں ہے یہ کیسے تلیں گے؟ تو یہ نظریہ بھی اس کا باطل ہے۔ کیوں کہ اس جہان میں جو چیزیں قول و فعل کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اگلے جہان میں ان کا جسم ہوگا یہ اجسام کی شکل میں ہوں گی۔

مثال کے طور پر اس حدیث کو سامنے رکھیں۔ ترمذی شریف میں روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ معراج والی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی ملاقات ہوئی تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو سلام بھیجا اور ایک پیغام بھیجا أَقْرِأْ مِنِّي أُمَّتَكَ السَّلَامَ "اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری طرف سے یعنی ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اپنی اُمت کو سلام دے۔" دنیا کے ہر مسلمان مرد عورت کا فریضہ ہے کہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے اس سلام کا جواب دے عَلَيْهِ وَ عَلٰى نَبِيِّنَا وَ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَآءِ الصَّلٰوتُ وَ التَّسْلِيْمَات۔ اور پیغام دیا فرمایا اپنی اُمت کو میری طرف سے یہ پیغام دینا کہ جنت کی زمین بڑی زرخیز اور اعلیٰ ہے طَيِّبَةٌ اور اس کا پانی بڑا عمدہ ہے لیکن ہے سفید۔ اگر جنت میں تم نے درخت لگانے ہیں تو دنیا سے لگا کے آؤ۔ وہ کس طرح لگیں گے؟ ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے سے ایک درخت لگ جاتا ہے، ایک دفعہ الحمد للہ کہنے سے ایک درخت لگ جاتا ہے، ایک دفعہ اللہ اکبر کہا تو ایک درخت لگ گیا، ایک دفعہ لا الٰہ الا اللہ کہا تو ایک درخت لگ گیا۔

تو اب دیکھو! یہاں ہم نے پڑھا سُبْحَانَ اللهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ۔ مگر ہمیں ان کی شکل نظر نہیں آئی اور اُس جہان میں ان کلمات نے درختوں کی شکل اختیار کر لی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ترازو میں جو نیکیاں تولی جائیں گی ان میں ایمان، توحید کے بعد سب سے بھاری نیکی خُلُقٌ حَسَنٌ اچھے اخلاق ہوں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں آخری حدیث بیان فرمائی ہے: ((كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ)) "دو کلمے اللہ تعالیٰ کو بڑے پیارے ہیں زبان پر بڑے ہلکے پھلکے ہیں پڑھنے کے لیے کوئی زیادہ زور نہیں لگتا اور قیامت والے دن ان کا بڑا وزن ہوگا ایک کلمہ سبحان اللہ وبحمدہ ہے اور دوسرا کلمہ سبحان اللہ العظیم ہے۔" تو اِس جہان میں جو چیزیں اعراض کے قبیل سے ہیں اُس جہان میں ان کا وجود ہوگا۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ نے اس طرح سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ تمھارا یہ کہنا کہ عمل جسم اور

زبان کے ساتھ قائم ہے لہٰذا اس کا وزن کیسے ہوگا؟ فرماتے ہیں کہ انسان کو جب بخار ہوتا ہے تو تھرمامیٹر کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ کتنے درجے کا ہے۔ سو ہے، ایک سو ایک ہے، ایک سو دو ہے۔ تو یہ آلہ تول کر بتا دیتا ہے کہ کتنے درجہ کا ہے۔ تو ہمارے پاس جب ایسے آلات ہیں کہ جن کے ساتھ ہم درجہ حرارت کا اندازہ کر لیتے ہیں تو رب تعالیٰ کے پاس ایسا آلہ اور ترازو ہو کہ اس پر نیکی بدی کا وزن ہو تو اس میں کون سا عقلی اشکال ہے جو سمجھ نہیں آتا؟

حضرت نے دوسری مثال یہ دی ہے کہ روزانہ تم محکمہ موسمیات سے یہ اعلان سنتے ہو کہ بارش ہوگی یا موسم خشک رہے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اعلان کریں کہ بارش ہوگی لیکن موسم ٹھیک رہے یا وہ یہ سمجھیں کہ موسم ٹھیک رہے گا اور بارش ہو جائے۔ یہ اپنی جگہ مگر وہ آلات کے ذریعے بتلاتے ہیں۔ گرمی کے متعلق بتاتے ہیں کہ اتنے ڈگری پر ہے اور سردی کے متعلق بتاتے ہیں کہ اتنی ڈگری پر ہے۔ مقیاس الحرارت اور مقیاس البرودت آلات ہیں ان کے ذریعے تم گرمی سردی کو ماپ سکتے ہو۔ تو رب تعالیٰ کے پاس کوئی ایسا آلہ ہو جس کے ذریعے نیکیاں اور بدیاں تولی جائیں تو کوئی عقلی اشکال نہیں ہے۔

حضرت نے تیسری مثال یہ دی ہے کہ بسوں، کاروں، موٹر سائیکلوں کے ٹائروں میں ہوا بھرواتے ہیں کہ اتنے پونڈ ہوا بھر دو۔ تو ہمارے پاس ہوا کو ماپنے کے آلات ہیں تو رب تعالیٰ کے پاس کوئی ایسا آلہ ہو جس کے ساتھ نیکیاں بدیاں وزن کی جائیں تو اس میں کیا عقلی خرابی ہے؟ ایسے شوشے کمزور ایمان والے لوگ نکالتے ہیں۔

چنانچہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سمجھایا مگر وہ ضد پر اڑا رہا تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا: اِعْتَزَلَ عَنَّا ”یہ واصل ابن عطا اس نظریہ کے لحاظ سے ہم سے الگ ہو گیا۔“ تو یہاں سے معتزلہ فرقہ چلا ہے یہ اس کا پہلا شخص تھا واصل ابن عطا۔ اس نظریہ کے لوگ آج بھی موجود ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور عذاب قبر کے بھی منکر ہیں، شفاعت کے بھی منکر ہیں، پل صراط کا بھی انکار کرتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ بھئی! ہماری تمھاری سمجھ ہے کیا؟ اور ساری چیزیں کون سی ہماری سمجھ میں آتی ہیں۔

تو فرمایا جن کا پلہ بھاری ہوا وہ کامیاب ہیں اور جن کا نیکیوں والا پلہ خفیف ہوا ہلکا ہوا یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا اور دوزخ میں رہیں گے ﴿تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ﴾ جھلس دے گی ان کے چہروں کو آگ۔ اگر مارنا مقصود ہو تو اس کا ایک ہی شعلہ کافی ہے لیکن اگر مار دیا جائے تو پھر سزا کون بھگتے گا ﴿وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ﴾ اور وہ اس دوزخ میں بدشکل ہوں گے۔ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ اوپر والا ہونٹ پیشانی کو جا کر لگے گا اور نیچے والا ہونٹ لٹک کر ناف کو جا لگے گا۔ بڑے بڑے دانت ہوں گے اور گدھے جیسی آوازیں نکالیں گے ﴿لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ﴾ [ہود: ۱۰۶] اور سورہ فاطر آیت نمبر ۳۷ میں ہے ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا﴾ ”اور وہ چلائیں گے اس کے اندر۔“ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ کیا نہیں تھیں میری آیتیں تلاوت کی جاتی تم پر۔ قرآن کریم تمھیں پڑھ کر نہیں سنایا جاتا تھا ﴿فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ پس تم ان کو جھٹلاتے تھے۔ کیا یہ یاد ہے؟ ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے ﴿رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا﴾ اے رب ہمارے غالب آگئی

ہم پر ہماری بدبختی۔ہم بد بخت تھے اے پروردگار! ہم اقرار کرتے ہیں ﴿وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ﴾ ہم گمراہ قوم تھے۔

جب عذاب کی انتہاء ہو جائے گی تو یہ سارے مل جل کر جہنم کے انچارج فرشتے مالک علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے ﴿يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ "اے مالک علیہ السلام چاہیے کہ فیصلہ کر دے ہم پر تمھارا پروردگار۔" ہمیں فنا کر دے ﴿قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ﴾ [زخرف:۷۷] "وہ کہے گا بے شک تم رہنے والے ہو اسی مقام پر۔" اور سورۃ زمر آیت نمبر ۷۱ میں ہے ﴿وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ "اور کہیں گے ان کو جہنم کے داروغے کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول تم میں سے جو پڑھتے تھے تمھارے اوپر تمھارے پروردگار کی آیتیں اور ڈراتے تھے تمھیں اس دن کی ملاقات سے کہیں گے وہ لوگ ﴿بَلٰى وَ لٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ کیوں نہیں مگر ثابت ہو گیا عذاب کا کلمہ کافروں پر۔" اور سورہ مومن آیت نمبر ۵۰ میں ہے ﴿فَادْعُوْا ۚ وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ "پس پکارو اور نہیں ہے کافروں کی پکار مگر ناکامی میں۔" رائیگاں جائے گی کوئی نہیں سنے گا۔

مجرم کہیں گے ﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا﴾ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دوزخ سے نکال دے ﴿فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ﴾ پس اگر ہم پھر لوٹیں گے گناہوں کی طرف، کفر شرک کی طرف پس بے شک ہم ظالم ہوں گے۔ پروردگار! ہمیں ایک دفعہ دوزخ سے نکال دے قَالَ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اخْسَـُٔوْا فِيْهَا﴾ عربی میں کہتے ہیں خَسَأْتُ الْكَلْبَ جب کتا بھونکے تو اس کو ڈرانے کے لیے۔ جیسے یہاں کوئی "دُرْدُر" کہتا ہے کوئی "کرے" کہتا ہے۔ تو معنیٰ ہوگا ذلیل ہو کر دوزخ میں پڑے رہو ﴿وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ﴾ اور مجھ سے بات نہ کرو۔ آگے بات آئے گی کہ یہ کیوں ہوگا؟ اس لیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کا مذاق اڑایا اور حق کو قبول نہیں کیا حق والوں کی بات نہیں سنی۔ یقین جانو! آخرت حق ہے، جنت دوزخ حق ہے، پل صراط حق ہے، نیکیوں بدیوں کا تلنا حق ہے اس کے لیے تیاری کرو محض لفظی طور پر حق حق کہنے سے حق نہیں بنتا۔ اس کے لیے تیاری کرو۔

﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک حال یہ ہے ﴿كَانَ فَرِيْقٌ﴾ تھا ایک گروہ ﴿مِّنْ عِبَادِيْ﴾ میرے بندوں میں سے ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ جو کہتے تھے ﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا﴾ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ﴿فَاغْفِرْ لَنَا﴾ پس آپ بخش دیں ہمیں ﴿وَارْحَمْنَا﴾ اور رحم فرما ہم پر ﴿وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ اور آپ سب سے بہتر رحم کرنے والے ہیں ﴿فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ﴾ پس تم نے بنایا ان کو ﴿سِخْرِيًّا﴾ ٹھٹھا ﴿حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ﴾ یہاں تک کہ انھوں نے بھلا دیا تمھیں میرا ذکر ﴿وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ﴾ اور تھے تم ان سے مذاق کرتے ﴿اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ﴾ بے شک میں نے ان کو بدلہ دیا ہے آج کے دن ﴿بِمَا صَبَرُوْۤا﴾ اس وجہ سے کہ اُنھوں نے صبر کیا ﴿اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ بے شک وہ کامیابی پانے والے ہیں ﴿قٰلَ﴾ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿كَمْ لَبِثْتُمْ﴾ کتنی مدت تم ٹھہرے ہو ﴿فِيْ

﴿الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿عَدَدَ سِنِيْنَ﴾ سالوں کی گنتی ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے ﴿لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ ہم ایک دن ٹھہرے ہیں یا دن کا کچھ حصہ ﴿فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ﴾ پس آپ پوچھ لیں گنتی والوں سے ﴿قٰلَ﴾ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ نہیں ٹھہرے تم مگر تھوڑا عرصہ ﴿لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ کاش کہ تم جاننے والے ہوتے ﴿اَفَحَسِبْتُمْ﴾ کیا پس تم خیال کرتے ہو ﴿اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ﴾ بے شک ہم نے تمھیں پیدا کیا ہے ﴿عَبَثًا﴾ بے کار ﴿وَّاَنَّكُمْ﴾ اور بے شک تم ﴿اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾ ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ پس بلند ہے اللہ تعالیٰ جو سچا بادشاہ ہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں ہے کوئی الہ مگر وہی ﴿رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ﴾ وہ عزت والے عرش کا مالک ہے ﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ﴾ اور جو پکارتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ اور الہ ﴿لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ﴾ جس کی کوئی دلیل نہیں ہے اس کے پاس ﴿فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ پس پختہ بات ہے اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ بے شک شان یہ ہے فلاح نہیں پائیں گے کافر لوگ ﴿وَقُلْ﴾ اور آپ کہہ دیں ﴿رَّبِّ اغْفِرْ﴾ اے ہمارے رب! آپ بخش دیں ﴿وَارْحَمْ﴾ اور رحم فرما ﴿وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ اور آپ سب سے بہتر رحم کرنے والے ہیں۔

کل کے سبق میں تم نے یہ بات پڑھی کہ جب مجرموں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تو وہ اقرار کریں گے اور کہیں گے ﴿رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا﴾ "اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی۔" اور ہم گمراہ لوگ تھے ہمیں دوزخ سے نکال دے۔ پھر اگر ہم کفر شرک کے قریب جائیں تو بڑے ظالم ہوں گے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم ذلیل ہو کر دوزخ میں پڑے رہو اور میرے ساتھ بات بھی نہ کرو۔ کیوں؟ اس وجہ سے کہ ﴿اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ﴾ بے شک ایک گروہ تھا میرے بندوں میں سے ﴿يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا﴾ جو کہتے تھے اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ﴿فَاغْفِرْ لَنَا﴾ پس ہمیں بخش دے، ہمارے گناہ معاف فرما دے ﴿وَارْحَمْنَا﴾ اور ہم پر رحمت نازل فرما ﴿وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ اور آپ سب سے بہتر رحم کرنے والے ہیں، سب شفقت کرنے والوں سے بہتر شفقت کرنے والے ہیں۔ تو وہ میرے بندے میری شفقت کے طالب تھے ﴿فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا﴾ پس بنایا تم نے میرے ان بندوں کو ٹھٹھا۔ تم ان کے ساتھ مسخرہ کرتے تھے۔ اتنا کہ ﴿حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ﴾ یہاں تک کہ انھوں نے بھلا دیا تمھیں میرا ذکر یعنی میرا ذکر بھلانے کا وہ سبب بنے۔ تم ان کے پیچھے پڑے رہے۔

نیک بندوں کے ساتھ مذاق خدا کو پسند نہیں ہے

آج بھی بہت سارے بدبخت لوگ موجود ہیں جو اہل حق کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کی ڈاڑھیوں کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کی ٹنڈوں کا مذاق اُڑاتے ہیں، ان کی مونچھوں اور مسواکوں کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اول تو مذاق ویسے ہی بری چیز ہے پھر

اہل حق کے ساتھ مذاق کرنے کا مطلب ہے رب تعالیٰ کے ساتھ مذاق کرنا۔ اس لیے رب تعالیٰ فرمائیں گے میرے ساتھ گفتگو نہ کرو تمھاری زبانیں دنیا میں میرے بندوں کے خلاف چلتی تھیں پھر تم نے ان کے ساتھ اتنا مسخرہ کیا کہ میری یاد ہی بھول گئے۔ مسخرہ بڑے گناہوں میں سے ہے۔ سورہ حجرات آیت نمبر ۱۱ میں ہے ﴿لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾ " نہ ٹھٹھا کرے کوئی قوم دوسری قوم سے شاید کہ وہ ان سے بہتر ہوں ﴿وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید کہ وہ ان سے بہتر ہوں رب کے ہاں۔"

مثلاً: کوئی کسی کے ساتھ رنگ کی وجہ سے مسخرہ کرے کہ تم کالے ہو۔ ہوسکتا ہے اس کا دل روشن ہو ایمان کے ساتھ اور اس گورے کا دل کالا ہو کفر شرک کے ساتھ۔ خوب صورت، بدصورت کے ساتھ مذاق کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس کی باطنی صورت اس سے بہتر ہو یا مسخرہ کرنا ہے چھوٹے قد کی وجہ سے، ہوسکتا ہے رب تعالیٰ کے ہاں اس کا درجہ بلند ہو اور بڑے قد والے کا درجہ پست ہو۔ تو مسخرہ بڑا گناہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ ٹھٹھا کرنا گندگی ہے اور قرآن پاک کے خلاف ہے۔ تو یہ غضب پر غضب ہے ﴿وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ﴾ اور اے مجرمو! تم ان کے ساتھ مذاق کرنے کے علاوہ ہنستے بھی تھے ان کی غربت دیکھ کر، ڈاڑھیاں اور ٹنڈیں دیکھ کر، شریعت کی چیزیں دیکھ کر۔ کل یا پرسوں کے اخبار میں میں نے پڑھا کہ حکومتی وزراء نے کہا ہے کہ ہم کمیٹی بنانے والے ہیں کہ زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کا ہونا ضروری نہیں ہے اس موقع پر کوئی چار گواہ کہاں سے لائے۔ اب قرآن پاک میں ترمیم شروع ہوگئی ہے کیوں کہ اربعۃ شہداء کا لفظ قرآن کریم میں موجود ہے سورہ نور میں۔ تو اربعہ یعنی چار کی قید کو ختم کرنا قرآن کریم میں ترمیم ہے۔ پہلے یہ تھا کہ ہاتھ کاٹنا ظالمانہ کارروائی ہے، رجم کرنا ظلم ہے، کوڑے مارنا انسانیت کی تذلیل ہے، عورت مرد کی گواہی برابر ہے۔ اب کہتے ہیں چار گواہ ضروری نہیں ہیں۔ یہ تمام قرآن کے مسائل ہیں اے بے ایمانو!

ساتھیو! یقین جانو اگر بری چیزوں کو دل سے برا نہیں جانو گے تو رتی برابر ایمان نہیں رہے گا۔ نہ نمازیں رہیں گی، نہ روزے، نہ حج، نہ زکوٰۃ کا کوئی فائدہ ہوگا۔ حدیث پاک میں آتا ہے مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا " جو تم میں سے کوئی بری چیز دیکھے وہ قولی ہو یا فعلی ہو تو اس کو ہاتھ سے روکے اور اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کی تردید کرے اگر زبان سے تردید کرنے کی طاقت نہیں ہے تو دل سے برا سمجھے۔ اگر دل سے بھی برا نہیں سمجھتا تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔" یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ بے شک اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے پھیریں۔

تو فرمایا میرے جن بندوں کے ساتھ مذاق کرتے تھے آج میں نے ان کو بدلہ دیا ہے ﴿اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ﴾ بے شک میں نے ان کو بدلہ دیا ہے آج کے دن ﴿بِمَا صَبَرُوْۤا﴾ اس وجہ سے کہ انھوں نے صبر کیا ﴿اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کامیابی پانے والے ہیں۔ اور اے مذاق کرنے والو! تم دوزخ میں جلتے رہو میرے ساتھ گفتگو نہ کرو۔ پھر ﴿قٰلَ﴾ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ کتنی مدت تم ٹھہرے ہو زمین میں ﴿عَدَدَ سِنِيْنَ﴾ سالوں کی گنتی کرکے بتلاؤ۔ جواب میں ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے ﴿لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ ہم ایک دن ٹھہرے ہیں یا دن کا کچھ حصہ۔

پروردگار کا سوال ہوگا سالوں کی گنتی کر کے بتلاؤ کتنے سال ٹھہرے ہو اور وہ جواب دیں گے دنوں کے لحاظ سے کہ ایک دن یا پورا دن بھی نہیں دن کا کچھ حصہ رہے ہیں ﴿فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ﴾ پس آپ اے پروردگار! پوچھ لیں گنتی والوں سے، فرشتوں سے پوچھ لیں۔

دنیا پرستوں سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں ہے؟

آخرت کے مقابلے میں تو دنیا کی زندگی کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے لیکن اس محدود زندگی کی وجہ سے انسان اپنی آخرت کی ہمیشہ کی زندگی برباد کرلے، کتنی بری بات ہے۔ کیوں کہ نہ جنتیوں کی زندگی ختم ہونے والی ہے اور نہ دوزخیوں کی زندگی ختم ہونے والی ہے۔ تو جو آدمی اس چند سالہ زندگی کے لیے رب تعالیٰ کو ناراض کرے آخرت کی ہمیشہ کی زندگی برباد کرے تو اس جیسا بے وقوف بھی کوئی آدمی نہیں ہے۔ یہ دنیا پرست لوگ اپنے آپ کو بڑا عقل مند تصور کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں ہے کہ عارضی اور فانی زندگی کو حقیقی اور نہ ختم ہونے والی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ چہل قدمی کے لیے مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ ﷺ نے قضاء حاجت بھی کی اور اس کے بعد فوراً تیمم کیا کہ پانی پاس نہیں تھا۔ خادم نے کہا حضرت! مدینہ کی دیواریں نظر آرہی ہیں وہاں پہنچ کر وضو کر لینا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے کیا معلوم ہے کہ میں نے کتنی دیر زندہ رہنا ہے ایسا کیوں نہ کروں کہ جتنا وقت ہے وہ طہارت کے ساتھ گزاروں۔ پیغمبر علیہ السلام نے زندگی کو کتنا عارضی اور فانی سمجھا اور ہم ہیں کہ شیطان نے ہمارے ذہن میں وسوسہ ڈالا ہوا ہے کہ ابھی میری بڑی زندگی ہے پہلے اور لوگ مریں گے پھر ہم مریں گے۔ ساتھیو! اس میں ترمیم کر دیوں کہو کہ پہلے ہم نے مرنا ہے پھر اوروں نے مرنا ہے موت کو کسی وقت نہ بھولو۔

حدیث پاک میں آیا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ)) "لذتوں کو ختم کرنے والی چیز موت کو کثرت کے ساتھ یاد کرو۔" موت یقینی چیز ہے۔ رب تعالیٰ نے موت کا نام یقین رکھا ہے ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ [الحجر: ۹۹] "اور عبادت کر اپنے رب کی یہاں تک کہ تجھے موت آجائے۔" تو مجرم کہیں گے کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ اے پروردگار! گنتی کرنے والے فرشتوں سے پوچھ لو ﴿قٰلَ﴾ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ نہیں ٹھہرے تم دنیا میں مگر بہت تھوڑا۔ دن آدھا دن نہیں کچھ سال رہے ہو مگر وہ بہت تھوڑا عرصہ ہے ﴿لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ کاش کہ تم جان لیتے کہ دنیا کی زندگی فانی ہے اور آخرت کی زندگی باقی ہے۔ لیکن یہ عارضی زندگی بھی بے مقصد نہیں ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے بے مقصد پیدا نہیں کیا؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَحَسِبْتُمْ﴾ کیا پس تم خیال کرتے ہو ﴿اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا﴾ کہ بے شک ہم نے تمھیں پیدا

کیا ہے بے کار۔ تمھارے ذمہ کوئی کام نہیں ہے۔ نہ عقائد، نہ اعمال، نہ اخلاق، تم نے کچھ نہیں کرنا تمھاری کوئی ذمہ داری نہیں ہے ﴿وَّاَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾ اور بے شک تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے اور تم جواب دہ نہیں ہو گے اور تمھاری کوئی گرفت نہیں ہوگی، کوئی جزا سزا نہیں ہوگی، یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ مثلاً: دیکھو! ایک آدمی ملازم ہے کسی کارخانے یا کسی محکمے میں اس کی ڈیوٹی اور ذمہ داری ہے اور اس کے عوض میں اس کی تنخواہ ہے۔ اب اگر وہ کام نہ کرے اور تنخواہ لیتا رہے تو مالک کتنی دیر برداشت کرے گا، ہفتہ، مہینہ، پھر اس کے خلاف کارروائی کرے گا یا کان سے پکڑ کر باہر نکال دے گا کہ تم تنخواہ لیتے ہو اور کام نہیں کرتے۔ بے کار ملازم کو کون برداشت کرتا ہے۔

انسان کو بھی سوچنا چاہیے کہ تجھے رب تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تیرے چلنے پھرنے کے لیے زمین بچھائی ہے چھت کے لیے آسمان بنایا ہے تجھے رزق دیا ہے، غذا دی ہے تیرے لیے ہوا چلائی ہے، پھل فروٹ عنایت کیے ہیں تنخواہ پوری لیتا ہے اور کام کچھ بھی نہیں کرتا۔ نہ رب تعالیٰ کے متعلق عقیدہ درست رکھتا ہے نہ نماز پڑھتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے نہ دوسرے اعمال ہیں تو کیا سمجھتا ہے تجھ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ گائے، بھینس اگر بگڑ جائے دودھ نہ دے تو ڈنڈا لے کر اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اپنے بارے میں سوچتا بھی نہیں ہے کہ رب تعالیٰ کی اتنی نعمتیں کھانے کے بعد رب تعالیٰ کے احکام بجا نہیں لاتا۔ زندگی کے مقصد کو بھول گیا ہے لہٰذا تمھارا بھی کچھ حشر ہونا چاہیے یا نہیں؟

کیا تمھیں رب تعالیٰ نے بے مقصد پیدا کیا ہے؟ حاشا وکلا! ایسا نہیں ہے ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ پس بلند ہے اللہ تعالیٰ جو سچا بادشاہ ہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، نہ کوئی مسجود ہے، نہ کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہے، نہ کوئی فریاد رس ہے اور نہ کوئی نذر و نیاز کے قابل ہے ﴿رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ﴾ عزت والے عرش کا رب ہے۔ ساری مخلوق سے بڑی مخلوق عرش ہے اس کا بھی وہی مالک ہے ﴿وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ اور جو شخص پکارتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور الٰہ کو ﴿لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ﴾ جس کی کوئی دلیل نہیں ہے اس کے پاس۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو الٰہ بنانے پر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اس کو الٰہ بنایا جائے ﴿فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ پس پختہ بات ہے کہ اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوگا تو پھر پتا چلے گا کہ اس نے دنیا میں جاہلانہ دلیل کی بنا پر شرک کا راستہ اختیار کیا اب دیکھ اس کا انجام کیا ہے۔

لہٰذا یہ سبق اچھی طرح یاد کر لو صرف اللہ تعالیٰ کو الٰہ مانو، اسی کو سجدہ کرو، اسی کے نام کی نذر و نیاز دو، اسی کو حاجت روا، فریاد رس سمجھو، اسی کو مشکل کشا اور دست گیر سمجھو۔ خدائی اختیارات میں سے ایک رتی بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔ باقی ہر ایک کا درجہ اپنے اپنے مقام پر ہے۔ پیغمبروں کا اپنا درجہ ہے، صحابہ کا اپنا درجہ ہے، شہداء کا، اولیاء کا اپنا درجہ ہے، ائمہ کا اپنا مقام ہے، فرشتوں کے اپنے اپنے مقام پر درجات ہیں مگر خدائی اختیارات کسی کے پاس نہیں ہیں۔

مخلوق میں آنحضرت ﷺ سے بڑی ذات کوئی نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ ﷺ سے بھی اعلان کروایا ﴿اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ [جن: ۲۱] "اے لوگو! میں تمھارے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" اور فرمایا یہ

بھی اعلان کر کے ان کو سنا دے ﴿لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ [اعراف:۱۸۸] "میں اپنے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں۔" تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ اپنے اور نہ کسی کے نفع نقصان کے مالک ہیں تو اور کون ہو سکتا ہے کہ جس کے پاس نفع نقصان کا اختیار ہو؟ جب اللہ تعالیٰ نے دیا ہی نہیں ہے تو پھر کہاں سے آ گیا؟

فرمایا میرے پاس آئیں گے۔ سب حساب ہو جائے گا ﴿اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ بے شک شان یہ ہے فلاح نہیں پائیں گے کافر لوگ ﴿وَقُلْ﴾ اور آپ کہہ دیں ﴿رَّبِّ اغْفِرْ﴾ اے میرے پروردگار! آپ بخش دیں ﴿وَارْحَمْ﴾ اور اپنی رحمت ہم پر نازل فرما ﴿وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ﴾ اور آپ تمام شفقت کرنے والوں میں سے بہتر شفقت کرنے والے ہیں۔ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما اور ہم پر اپنی رحمت نازل فرما۔ [آمین]

آج بروز جمعرات ۱۱ شعبان ۱۴۳۲ھ بمطابق ۱۳ر جولائی ۲۰۱۱ء

سورۃ المؤمنون مکمل ہوئی۔

والحمد للہ علی ذالك

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس جناح روڈ گوجرانوالا۔

تفسیر

سُوۡرَۃُ النُّوۡرِ مَدَنِیَّۃٌ

سُوۡرَۃُ الۡفُرۡقَانِ مَکِّیَّۃٌ

سُوۡرَۃُ الشُّعَرَآءِ مَکِّیَّۃٌ

سُوۡرَۃُ النَّمۡلِ مَکِّیَّۃٌ

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصّہ چودہ)

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کرکے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کرلیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔اے پنجابی بھی کیا ہے۔اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔ دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدِّ راہ بن گئی۔ وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔ تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔ اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔ اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم وفاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پیشِ لفظ

نَحْمَدُهٗ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ العزیز برصغیر پاک وہند و بنگلہ دیش کو فرنگی استعمار سے آزادی دلانے کی جدوجہد میں گرفتار ہو کر مالٹا جزیرے میں تقریباً ساڑھے تین سال نظر بند رہے اور رہائی کے بعد جب دیوبند واپس پہنچے تو انہوں نے اپنے زندگی بھر کے تجربات اور جدوجہد کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نزدیک مسلمانوں کے ادبار و زوال کے دو بڑے اسباب ہیں۔ ایک قرآن پاک سے دوری اور دوسرا باہمی اختلافات و تنازعات۔ اس لیے مسلم اُمہ کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو عام کیا جائے اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد و مفاہمت کو فروغ دینے کے لیے محنت کی جائے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا یہ بڑھاپے اور ضعف کا زمانہ تھا اور اس کے بعد جلد ہی وہ دنیا سے رخصت ہو گئے مگر ان کے تلامذہ اور خوشہ چینوں نے اس نصیحت کو پلے باندھا اور قرآن کریم کی تعلیمات کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے نئے جذبہ و لگن کے ساتھ مصروف عمل ہو گئے۔ اس سے قبل حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے عظیم المرتبت فرزندوں حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ نے قرآن کریم کے فارسی اور اردو میں تراجم اور تفسیریں کر کے اس خطہ کے مسلمانوں کی توجہ دلائی تھی کہ ان کا قرآن کریم کے ساتھ فہم و شعور کا تعلق قائم ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر وہ کفر و ضلالت کے حملوں اور گمراہ کن افکار و نظریات کی یلغار سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

جب کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں کی یہ جدوجہد بھی اسی کا تسلسل تھی بالخصوص پنجاب میں بدعات واوہام کے سراب کے پیچھے بھاگتے چلے جانے والے ضعیف العقیدہ مسلمانوں کو خرافات و رسوم کی دلدل سے نکال کر قرآن و سنت کی تعلیمات سے براہِ راست روشناس کرانا بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ لیکن اس کے لیے جن اربابِ عزیمت نے عزم و ہمت سے کام لیا اور کسی مخالفت اور طعن و تشنیع کی پروا کیے بغیر قرآن کریم کو عام لوگوں کی زبان میں ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا ان میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی قدس سرہ العزیز آف واں بھچراں ضلع میانوالی، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ العزیز اور حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی نور اللہ مرقدہ کے اسماءِ گرامی سرفہرست ہیں۔ جنہوں

نے اس دور میں علاقائی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر سے عام مسلمانوں کو روشناس کرانے کی مہم شروع کی جب عام سطح پر اس کا تصور بھی موجود نہیں تھا۔ مگر ان اربابِ ہمت کے عزم واستقلال کا ثمرہ ہے کہ آج پنجاب کے طول وعرض میں قرآن کریم کے دروس کی محافل کو شمار کرنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی ہے۔ جنہوں نے ۱۹۴۳ء میں گکھڑ کی جامع مسجد بوہڑ والی میں صبح نماز کے بعد روزانہ درسِ قرآن کریم کا آغاز کیا اور جب تک صحت نے اجازت دی کم وبیش پچپن برس تک اس سلسلہ کو پوری پابندی کے ساتھ جاری رکھا۔ انہیں حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے اور ترجمہ وتفسیر میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ واجازت حاصل ہے اور انہی کے اسلوب وطرز پر انہوں نے زندگی بھر اپنے تلامذہ اور خوشہ چینوں کو قرآن وحدیث کے علوم وتعلیمات سے بہرہ ور کرنے کی مسلسل محنت کی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے درس قرآن کریم کے چار الگ الگ حلقے رہے ہیں ایک درس بالکل عوامی سطح کا تھا جو صبح نمازِ فجر کے بعد مسجد میں ٹھیٹھ پنجابی زبان میں ہوتا تھا۔ دوسرا حلقہ گورنمنٹ نارمل سکول گکھڑ میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے تھا جو سالہا سال جاری رہا۔ تیسرا حلقہ مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں متوسطہ اور منتہی درجہ کے طلبہ کیلئے ہوتا تھا اور دو سال میں مکمل ہوتا تھا اور چوتھا مدرسہ نصرۃ العلوم میں ۷۶ء کے بعد شعبان اور رمضان کی تعطیلات کے دوران دورۂ تفسیر کی طرز پر تھا جو پچیس برس تک پابندی سے ہوتا رہا اور اس کا دورانیہ تقریباً ڈیڑھ ماہ کا ہوتا تھا۔ ان چار حلقہ ہائے درس کا اپنا اپنا رنگ تھا اور ہر درس میں مخاطبین کی ذہنی سطح اور فہم کے لحاظ سے قرآنی علوم ومعارف کے موتی ان کے دامن قلب وذہن میں منتقل ہوتے چلے جاتے تھے۔ ان چاروں حلقہ ہائے درس میں جن علماء کرام، طلبہ، جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں اور عام مسلمانوں نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے براہِ راست استفادہ کیا ہے ان کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس ہزار سے زائد بنتی ہے۔

﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

ان میں عام لوگوں کے استفادہ کے لئے جامع مسجد گکھڑ والا درسِ قرآن کریم زیادہ تفصیلی اور عام فہم ہوتا تھا جس کے بارے میں متعدد حضرات نے خواہش کا اظہار کیا اور بعض دفعہ عملی کوشش کا آغاز بھی ہوا کہ اسے قلمبند کر کے شائع کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہو سکیں لیکن اس میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ درس خالص پنجابی میں ہوتا تھا جو اگرچہ پورے کا پورا ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے محفوظ ہو چکا ہے مگر اسے پنجابی سے اُردو میں منتقل کرنا سب سے کٹھن مرحلہ تھا اس لیے بہت سی خواہشیں بلکہ کوششیں اس مرحلہ پر آ کر دم توڑ گئیں۔

البتہ ہر کام کا قدرت کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور اس کی سعادت بھی قدرتِ خداوندی کی طرف سے طے شدہ ہوتی ہے۔ اس لئے تاخیر در تاخیر کے بعد یہ صورت سامنے آئی کہ اب مولانا محمد نواز بلوچ فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم اور

برادرم محمد لقمان میر صاحب نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور تمام تر مشکلات کے باوجود اس کا آغاز بھی کر دیا جس پر دونوں حضرات اور ان کے دیگر سب رفقاء نہ صرف حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں بلکہ ہمارے پورے خاندان کی طرف سے بھی ہدیۂ تشکر وتبریک کے مستحق ہیں۔ خدا کرے کہ وہ اس فرضِ کفایہ کی سعادت کو تکمیل تک پہنچا سکیں اور ان کی یہ مبارک سعی قرآنی تعلیمات کے فروغ، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے افادات کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے اور اَن گنت لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور بارگاہِ ایزدی میں قبولیت سے سرفراز ہو۔ (آمین)

یہاں ایک امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ یہ دروس کی کاپیاں ہیں اور درس وخطاب کا انداز تحریر سے مختلف ہوتا ہے اس لیے بعض جگہ تکرار نظر آئے گا جو درس کے لوازمات میں سے ہے۔ لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ اس کو ملحوظ رکھا جائے اس کے ساتھ ہی ان دروس کے ذریعے محفوظ کرنے میں محمد اقبال آف دبئی اور محمد سرور منہاس آف گکھڑ کی مسلسل محنت کا تذکرہ بھی ضروری ہے جنہوں نے اس عظیم علمی ذخیرہ کو ریکارڈ کرنے کے لیے سالہا سال تک پابندی کے ساتھ خدمت سرانجام دی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

یکم مارچ ۲۰۰۲ء

ابوعمار زاہد الراشدی

خطیب جامع مسجد مرکزی، گوجرانوالا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفْسِیْر

سُوْرَۃُ النُّوْرِ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇦ قَدْ اَفْلَحَ

۱۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿سُوْرَةٌ﴾ یہ سورت ہے ﴿اَنْزَلْنٰهَا﴾ ہم نے اس کو نازل کیا ہے ﴿وَفَرَضْنٰهَا﴾ اور اس کے احکام ہم نے فرض کیے ہیں ﴿وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ﴾ اور ہم نے نازل کی ہیں اس سورت میں ﴿اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ صاف صاف آیتیں ﴿لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿اَلزَّانِيَةُ﴾ زنا کرنے والی عورت ﴿وَالزَّانِيْ﴾ اور زنا کرنے والا مرد ﴿فَاجْلِدُوْا﴾ پس تم کوڑے مارو ﴿كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا﴾ ان میں سے ہر ایک کو ﴿مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ سو سو کوڑے ﴿وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا﴾ اور نہ پکڑے تمھیں دونوں کے متعلق ﴿رَاْفَةٌ﴾ شفقت اور نرمی ﴿فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ﴾ اگر ہو تم ایمان لاتے ﴿بِاللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر ﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا﴾ اور چاہیے کہ حاضر ہوان دونوں کی سزا کے موقع پر ﴿طَآئِفَةٌ﴾ ایک گروہ ﴿مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ایمان والوں کا ﴿اَلزَّانِيْ﴾ زانی مرد ﴿لَا يَنْكِحُ﴾ نہیں نکاح کرتا ﴿اِلَّا زَانِيَةً﴾ مگر زانیہ کے ساتھ ﴿اَوْ مُشْرِكَةً﴾ یا شرک کرنے والی ہے ﴿وَّالزَّانِيَةُ﴾ اور جو زنا کرنے والی عورت ہے ﴿لَا يَنْكِحُهَآ﴾ نہیں نکاح کرتا اس کے ساتھ ﴿اِلَّا زَانٍ﴾ مگر زانی مرد ﴿اَوْ مُشْرِكٌ﴾ یا مشرک ﴿وَحُرِّمَ ذٰلِكَ﴾ اور حرام قرار دیا گیا ہے ﴿عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ایمان والوں پر ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿يَرْمُوْنَ﴾ جو تہمت لگاتے ہیں ﴿الْمُحْصَنٰتِ﴾ پاک دامن عورتوں پر ﴿ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا﴾ پھر وہ نہیں لاتے ﴿بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ﴾ چار گواہ ﴿فَاجْلِدُوْهُمْ﴾ پس مارو تم ان کو ﴿ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ اسّی کوڑے ﴿وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ اور نہ قبول کرو ان کی گواہی کبھی بھی ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ اور یہی لوگ نافرمان ہیں ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ﴾ مگر وہ لوگ ﴿تَابُوْا﴾ جنھوں نے توبہ کی ﴿مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد ﴿وَاَصْلَحُوْا﴾ اور اپنی اصلاح کی ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے۔

سورۃ نور کی وجہ تسمیہ:

اس سورت کا نام نور ہے۔ چار رکوع کے بعد آئے گا ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ "اللہ تعالیٰ ہی نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔" یعنی آسمانوں اور زمینوں کو روشن کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ پس اس لفظ نور کی وجہ سے اس کا نام سورہ نور رکھا ہے۔ یہ

سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ ایک سو ایک سورتیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے نو [۹] رکوع اور چونسٹھ [۶۴] آیات ہیں۔ اس میں سخت احکامات بیان ہوئے ہیں۔ خصوصاً جس کا ایمان کمزور ہے اس کے لیے تو بہت ہی سخت ہیں۔ اس لیے رب تعالیٰ نے شروع سورت میں ہی فرمایا کہ ﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا﴾ اس سورت کو ہم نے نازل کیا ہے ﴿وَفَرَضْنٰهَا﴾ اور اس کے احکام بھی ہم نے فرض کیے ہیں ﴿وَاَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ اور ہم نے اس سورت میں نازل کی ہیں آیتیں صاف صاف۔ دیکھو! کتنے واضح الفاظ ہیں کہ یہ سورت ہم نے نازل کی ہے اور اس کے احکام ہم نے فرض کیے ہیں۔ جن کی تشریح اور ان میں ترمیم کی ضرورت نہیں ہے لیکن بے دین لوگ ان احکام سے چیختے چلاتے ہیں ترمیم کرنے کے درپے ہیں۔ یہ کون ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے احکام میں ترمیم کرنے والے؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سورت ہم نے نازل کی ہے اور اس کے احکام بھی ہم نے نازل کیے ہیں ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

پہلا حکم: ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ زانیہ عورت اور زانی مرد پس مارو تم ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے۔ یہ حکم ان کے متعلق ہے جو شادی شدہ نہ ہوں ﴿وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا﴾ اور نہ پکڑے تمھیں ان دونوں کے بارے میں ﴿رَاْفَةٌ﴾ شفقت اور نرمی ﴿فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں کوئی نرمی اور شفقت نہ کرو ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ اگر ہو تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو ﴿وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہو تو بالکل نرمی نہیں کرنی۔

رجم کرنے کا ثبوت

باقی رہا شادی شدہ کا حکم تو اس کے متعلق متواتر احادیث اور اجماع امت ہے۔ ان کے متعلق قرآن پاک کی آیتیں نازل ہوئی تھیں جن کی تلاوت منسوخ ہو گئی لیکن حکم باقی ہے کہ شادی شدہ مرد، عورت بدکاری کریں اور وہ ثابت ہو جائے چار گواہوں سے۔ چار گواہوں کا ذکر آئندہ آیت کریمہ میں آ رہا ہے۔ یا وہ خود اقرار کریں کہ کہ واقعی ہم نے یہ کام کیا ہے تو ان کو میدان میں کھڑا کر کے پتھروں کے ساتھ مار مار کر ختم کر دیا جائے گا۔ اس کارروائی کو عربی میں رجم کہتے ہیں جس کا اردو میں ترجمہ سنگسار کرنا ہے۔

ضیاء الحق کے دور میں ہائی کورٹ کے ایک جج نے بڑھک ماری کہ رجم کا مسئلہ یہودیوں سے لیا گیا ہے اور یہ سزا اس روشن زمانے میں ناقابل عمل ہے۔ وہ ڈاکٹر تنزیل غیر مسلم پرویزی ذہن کا جج تھا منکرین حدیث میں سے تھا۔ اس سلسلے میں علمائے کرام نے ہر جگہ احتجاج کیا اور پچاس علماء پر مشتمل ایک وفد جس میں ہر طبقے کے علماء شامل تھے ضیاء الحق کو بھی ملا۔ اس وفد میں میں (امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ) بھی شامل تھا۔ اور اس کو خطوط بھی لکھے کہ تم اسلام اسلام کرتے ہو جج کی اس بات کا نوٹس لو کیوں کہ ہائی کورٹ کا جج ہے اس کے یہ الفاظ قانون ہیں۔ پھر دوسرے جج اس کو بطور مثال کے پیش کریں گے۔ اگر کوئی سیاسی لیڈر بڑھک مارتا تو ہم سٹیج پر منبروں پر اس کی تردید کر دیتے، درسوں میں تردید کر دیتے اور ہمارا فرض ادا ہو جاتا۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کے خلاف بات کرے اور سارے مسلمان خاموش رہیں تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر ایک بھی ذمہ دار اس کی تردید کر دے تو فرض کفایہ ادا ہو جائے گا اور سب گنہگار ہونے سے بچ جائیں گے۔

تو ہم نے کہا کہ تمھارے دور میں یہ بات ہو، ٹھیک نہیں ہے۔ چنانچہ ضیاء الحق مرحوم نے اس جج کو فارغ کر دیا۔ پھر اس نے کہا کہ تم اس طرح کرو کہ تین عالم دو ان کو ہم نگران مقرر کریں گے جو بھی شرعی مسئلہ ہوگا وہ ان کے سامنے پیش ہوگا کوئی جج ان کے بغیر فیصلہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ ہماری طرف سے مولانا تقی عثمانی، بریلویوں کی طرف سے پیر کرم شاہ صاحب اور تیسرے مولوی غلام علی صاحب جو مودودی صاحب کے منشی ہوتے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ پھر کسی جج کو کھل کر اسلام کے خلاف بکواس کرنے کا موقع نہ ملا۔ تو شادی شدہ مرد عورت کی سزا رجم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کے سنگسار کرنے کے چند واقعات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں چند واقعات پیش آئے۔ قبیلہ بنو غامد کے ایک آدمی کی بیوی نے آکر کہا کہ حضرت! مجھ سے یہ فعل سرزد ہوا ہے اور میں شادی شدہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بی بی! تمھارے ہوش و حواس درست ہیں کیا تو نے شراب تو نہیں پی ہوئی وہ بی بی کہنے لگی حضرت! مجھے نہ ٹالیں میرے پیٹ میں بچہ بھی ہے مجھے آپ سزا دیں تاکہ میری آخرت تباہ نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارے پیٹ میں بچہ ہے تو قصور تمھارا ہے بچے کا تو نہیں ہے بچے کی پیدائش کے بعد آنا۔ چنانچہ وہ عورت بچے کی پیدائش کے بعد آکر کہنے لگی حضرت! اب وعدہ پورا کریں مجھے سنگسار کر دیں تاکہ میری آخرت برباد نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ دودھ پیتا بچہ ہے اس کا کیا بنے گا؟ تحقیق کی تو بچے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ فرمایا بچے کو دودھ پلاؤ جب دودھ پلانے کی مدت پوری ہو جائے تو پھر آنا۔

دو سال بچے کو دودھ پلایا اور وہ چلنے بھی لگ گیا، اب اس بچے کو لے کر آئی اس نے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا پکڑا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کے سامنے اس بچے کو کہا کہ روٹی کھاؤ۔ اس نے روٹی کھانی شروع کر دی۔ اس عورت نے کہا حضرت دیکھو! یہ بچہ اب روٹی کھانے لگ گیا ہے لہٰذا مجھے پاک کر دیں۔ چنانچہ اس عورت کو رجم کر دیا گیا۔ ایک ساتھی نے کہا کہ اس عورت نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا خاموش ہو جاتی تو کیا تھا رب تعالیٰ سے معافی مانگ لیتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت کی توبہ ایسی ہے کہ مدینہ طیبہ کے تمام گناہ گاروں پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے گناہ معاف ہو جائیں۔

ایک اور واقعہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا ہے۔ وہ بھی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے حضرت! میں شادی شدہ ہوں اور برائی کر بیٹھا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا۔ وہ دوسری طرف سامنے آ کے کھڑے ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر چہرہ پھیر لیا، اسی طرح تیسری طرف اور چوتھی طرف آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ پاگل تو نہیں ہے؟ کہنے لگے حضرت! میں سمجھ دار ہوں۔ فرمایا دیکھو! اس نے نشہ تو نہیں کیا ہوا؟ معلوم ہوا کہ نہیں، نشہ بھی نہیں کیا ہوا۔ پھر

ان کو رجم کیا گیا۔

تو غیر شادی شدہ مرد عورت بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا سو کوڑے ہیں۔ فرمایا ﴿وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ﴾ اور نہ پکڑے تمھیں ان دونوں کے متعلق شفقت اور نرمی ﴿فِي دِينِ اللهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں ﴿إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ اگر ہو تم ایمان لاتے اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر۔ اگر تمھارا اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان ہے تو سزا دینے میں نرمی نہ کرنا کیوں کہ سزا کے بعد دنیا والوں کے لیے عبرت ہوگی اور یہ جرم نہیں کریں گے ﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا﴾ اور چاہیے کہ حاضر ہو ان دونوں کی سزا کے موقع پر ﴿طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ مومنوں کا ایک گروہ تا کہ وہ آنکھوں سے دیکھیں اور آگے بیان کریں تا کہ سزا کی خوب تشہیر ہو اور لوگ اس سے بچیں ﴿اَلزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً﴾ زانی مرد نہیں نکاح کرتا مگر زانیہ عورت کے ساتھ یا مشرکہ عورت کے ساتھ۔ کیوں کہ اس کا طبعی رجحان برائی کی طرف ہوتا ہے ﴿وَالزَّانِيَةُ﴾ اور جو زانیہ عورت ہے ﴿لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ﴾ نہیں نکاح کرتا اس سے مگر زانی مرد یا مشرک مرد ﴿وَحُرِّمَ ذٰلِكَ﴾ اور یہ زنا حرام کر دیا گیا ﴿عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ مومنوں پر۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس عورت نے زنا کر کے غیر کا نطفہ خاوند کے ساتھ ملایا ایسی عورت پر جنت حرام ہے۔ اس لیے کہ اس نے غیر وارث کو وارث بنایا ہے۔ کیونکہ اس کے خاوند کے گھر جو بچہ پیدا ہوگا وہ خاوند ہی کا شمار ہوگا اور اس میں دوسرے ورثاء کی حق تلفی ہوگی۔ خدا کا حکم توڑا، خاوند سے خیانت کی۔ تو زنا ایک گناہ نہیں کئی گناہوں کا مجموعہ ہے۔

حدِ قذف

اور حکم سنو! ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاک دامن عورتوں پر اور جو عورتوں کا حکم ہے وہی مردوں کا حکم ہے یعنی اگر کوئی پاک دامن مردوں پر تہمت لگائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے ﴿ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ﴾ پھر وہ نہیں لاتے چار گواہ ﴿فَاجْلِدُوهُمْ﴾ پس مارو ان تہمت لگانے والوں کو ﴿ثَمٰنِينَ جَلْدَةً﴾ اسی کوڑے ﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا﴾ اور نہ قبول کرو ان کی گواہی کبھی بھی۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت کسی مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے کہ یہ زانی ہے یا زانیہ ہے تو تہمت لگانے والے کے ذمہ فرض ہے کہ وہ چار گواہ لائے اگر چار گواہ نہ لا سکا تین گواہ لا سکا، دو گواہ لا سکا تو تہمت لگانے والے کو اسی کوڑے لگیں گے اور یہ سزا توبہ سے بھی معاف نہیں ہوگی۔ کسی کو حرامی کہنے پر بھی اسی کوڑے سزا ہے۔ اور ہم تو حرامی حرامی کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

اور شرابی کی سزا آنحضرت ﷺ کے دور میں بخاری شریف کی روایت میں چالیس کوڑے ہے اور اسی کوڑے بھی ہے۔ جب شرابی کو اسی کوڑے لگیں گے تو پھر شراب کون پیے گا۔ ان سزاؤں کو شریعت حد کہتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں چار مرد گواہ ثابت ہیں عورتیں نہیں۔ گرائمر کے لحاظ سے أَرْبَعَةً کا معنیٰ چار مرد ہیں۔ اگر 'تا' نہ ہوتی تو پھر عورتیں بھی شامل ہوتیں۔ تو

قرآن پاک کی نص سے چار مرد ثابت ہیں۔ پہلے تو کہتے تھے کہ چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنا ظلم ہے، ڈاکوؤں کو سزا دینا ظلم ہے۔ اب کہتے ہیں کہ اس زمانے میں زنا کے لیے ایسے چار گواہ کہاں سے لائیں جو متقی ہوں۔ یہ بے ایمان قرآن میں ترمیم کرتے ہیں۔ بھئی! یہ کسی مولوی یا فقیہ کا مسئلہ تو نہیں ہے یہ تو قرآن کا مسئلہ ہے۔ اگر تم چار گواہ نہیں مانتے تو کیا تم نے قرآن کو تسلیم کیا ہے؟ قطعاً نہیں۔ لہٰذا ایسے آدمی کو مسلمان سمجھنے والا خود کافر ہو جائے گا۔ یہ کھلا کفر ہے۔ اس کھلے کافر کو کافر نہ کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔

تو فرمایا جنھوں نے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائی اور چار گواہ نہ لائے تو ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت بھی قبول نہ کرو کبھی بھی ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ اور یہی لوگ نافرمان ہیں۔ ہاں! اگر توبہ کر لیں تو ان سے فسق کا حکم ختم ہو جائے گا لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گواہی قبول نہیں ہوگی کیوں کہ گواہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ابداً کی قید لگائی ہے کہ کبھی بھی قبول نہ کریں۔ فرمایا ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی ﴿مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد ﴿وَاَصْلَحُوْا﴾ اور اپنی اصلاح کی ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

لفظ زنا بولنے کی قباحت

ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ زنا جیسے الفاظ بھی منہ سے نکالنا بہت برا ہے۔ موطا امام مالک میں روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور تھا۔ دو آدمیوں کا آپس میں جھگڑا ہوا ایک نے دوسرے کو لعن طعن کیا تو اس نے کہا اِنَّ اُمِّيْ وَلَيْسَتْ بِزَانِيَةٍ "میری ماں کوئی زناکار تو نہیں تھی۔" ان الفاظ پر مقدمہ دائر ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ نے کہا کہ اس نے اپنی ماں کی صفائی بیان کی ہے۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ صفائی کے لیے اور الفاظ بھی تھے یہ الفاظ کیوں استعمال کیے ہیں؟ ایسے بھی کہہ سکتا تھا اِنَّ اُمِّيْ عَفِيْفَةٌ "بے شک میری ماں پاک دامن ہے۔" یہ برے الفاظ کیوں استعمال کیے ہیں؟ اس کو اسی کوڑوں کی سزا ہوئی۔ اب آپ اپنے معاشرے کا اندازہ کر لیں کتنا گندا ہو چکا ہے۔ کیا مرد، کیا عورتیں، کیا بچے، کیا بوڑھے بلکہ نیک لوگ اِدھر تسبیح پرورد ہو رہا ہے اور اُدھر گالیوں کی گردان ہو رہی ہے خدا کی پناہ! اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿يَرْمُوْنَ﴾ جو تہمت لگاتے ہیں ﴿اَزْوَاجَهُمْ﴾ اپنی بیویوں پر ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ﴾ اور نہیں ہیں ان کے لیے ﴿شُهَدَآءُ﴾ گواہ ﴿اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ﴾ مگر ان کی اپنی جانیں ﴿فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ﴾ پس ان میں سے ایک کی گواہی ﴿اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ﴾ چار گواہیاں ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم اُٹھا کر ﴿اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ بے شک وہ البتہ سچ بولنے والوں میں سے ہے ﴿وَالْخَامِسَةُ﴾ اور پانچویں ﴿اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر ﴿اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ اگر ہے وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ﴾

اور دور کر دے گا اس عورت سے بھی سزا کو ﴿اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ﴾ یہ کہ وہ گواہی دے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم اُٹھا کر ﴿اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ﴾ بے شک وہ البتہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے ﴿وَ الْخَامِسَةَ﴾ اور پانچویں گواہی ﴿اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَاۤ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اس پر ﴿اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اگر اس کا خاوند سچ کہنے والوں میں سے ہے ﴿وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ﴾ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اس کی مہربانی ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِیْمٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا، حکمت والا ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ﴾ بے شک وہ لوگ جو لائے بہتان ﴿عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ﴾ ایک گروہ ہے تم میں ﴿لَا تَحْسَبُوْهُ﴾ نہ خیال کرو اس کو ﴿شَرًّا لَّكُمْ﴾ اپنے حق میں برا ﴿بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ﴾ بلکہ وہ تمھارے لیے بہتر ہے ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ﴾ ہر آدمی کے لیے ان میں سے ﴿مَّا﴾ وہ ہے ﴿اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ﴾ جو کمایا اس نے گناہ ﴿وَ الَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ﴾ اور وہ شخص جس نے سرپرستی کی اس بہتان کے بڑے حصے کی ﴿مِنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ اس کے لیے عذاب ہے بڑا ﴿لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ﴾ کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا اس کو ﴿ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ گمان کرتے مومن مرد ﴿وَ الْمُؤْمِنٰتُ﴾ اور مومن عورتیں ﴿بِاَنْفُسِهِمْ﴾ اپنی جانوں کے بارے میں ﴿خَیْرًا﴾ بھلائی کا ﴿وَّ قَالُوْا﴾ اور کہہ دیتے ﴿هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ﴾ یہ بہتان ہے کھلا ﴿لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَیْهِ﴾ کیوں نہیں لاتے وہ اس پر ﴿بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ﴾ چار گواہ ﴿فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ﴾ پس جب وہ نہیں لا سکے گواہ ﴿فَاُولٰٓىٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ پس وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ وہی جھوٹے ہیں۔

آج جو آیات آپ حضرات کے سامنے پڑھی گئی ہیں ان میں دو قسم کے حکم بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ میاں بیوی ایک دوسرے پر بدکاری کا الزام لگائیں تو اس کا حکم لعان ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ایک آدمی دوسرے آدمی پر بدکاری کا الزام لگاتا ہے اور چار گواہ نہیں پیش کر سکتا تو یہ مدعی جھوٹا کہلائے گا اور اس کو بہتان تراشی کی سزا دی جائے گی۔

لعان کا حکم

پہلا حکم کہ کوئی مرد اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگاتا ہے کہ میری بیوی بدکار ہے تو اس کو اس الزام پر چار گواہ پیش کرنا ہوں گے۔ اگر اس کے پاس گواہ نہیں ہیں تو پھر لعان ہوگا۔ عربی میں لعان بھی کہتے ہیں مُلَاعَنَہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ مرد عورت دونوں قاضی اور جج کی عدالت میں پیش ہوں گے۔ قاضی یا جج کی عدالت میں مرد چار گواہیاں اس طرح دے گا کہ ہر گواہی کے ساتھ قسم اُٹھائے کہ میں قسم اُٹھا کر اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میری بیوی میں یہ گناہ ہے۔ پھر دوبارہ

کہے کہ میں قسم اٹھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میری بیوی بدکار ہے۔ پھر تیسری مرتبہ قسم اُٹھا کر کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر گواہی دیتا ہوں کہ میری بیوی بدکار ہے میری بیوی میں واقعی برائی ہے۔ پھر چوتھی مرتبہ قسم اٹھائے کہ میں قسم اٹھا کر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر گواہی دیتا ہوں کہ میری بیوی میں برائی ہے۔ یہ چار شہادتیں ان الفاظ کے ساتھ اور پانچویں میں اس لفظ کے ساتھ ہوگی کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

اس کے بعد اگر عورت اپنے عیب کو تسلیم کر لے تو اس کو رجم کر دیا جائے گا کیوں کہ شادی شدہ کا یہی حکم ہے۔ لیکن اگر عورت اپنے عیب کو تسلیم نہیں کرتی تو اس کو بھی چار گواہیاں دینا پڑیں گی کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر گواہی دیتی ہوں کہ مجھ میں وہ عیب نہیں ہے جو خاوند کہہ رہا ہے۔ پھر دوبارہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر گواہی دیتی ہوں کہ مجھ میں وہ عیب نہیں ہے جو خاوند کہہ رہا ہے۔ تیسری دفعہ پھر کہے گی کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر گواہی دیتی ہوں کہ میرے خاوند نے مجھ پر جو الزام لگایا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ پھر چوتھی دفعہ گواہی دے گی کہ میں رب تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہتی ہوں کہ مجھ میں یہ برائی نہیں ہے۔ اور پانچویں دفعہ کہے گی کہ مجھ پر رب تعالیٰ کا غضب ہو اگر خاوند سچا ہے اور میں جھوٹی ہوں۔ اس کارروائی کے بعد ان کے درمیان خود بخود تفریق ہو جائے گی۔ نہ وہ اس کا خاوند رہا اور نہ وہ اس کی بیوی رہی اس کو شریعت میں لعان کہتے ہیں۔

اب درحقیقت ان میں سے ایک تو جھوٹا ہے یا خاوند جھوٹا ہے یا بیوی جھوٹی ہے۔ تو ان کا معاملہ اب آخرت کی طرف منتقل ہو گیا وہاں فیصلہ ہوگا کہ کون جھوٹا تھا۔ دنیا کی سزا سے خاوند بھی بچ گیا کہ اس کو اسی کوڑوں کی سزا نہیں ملے گی اور دنیا کی سزا سے عورت بھی بچ گئی کہ رجم نہ ہوئی۔ عورت کے پاس جو بچہ ہے اس کے متعلق اگر خاوند کہے کہ وہ میرا ہے اور اس کی نفی نہیں کرتا تو شرعاً بچہ اس کا ہوگا اور اس کی تعلیم و تربیت کا خرچہ اس کے ذمہ ہوگا اور وراثت وغیرہ کے سارے احکام جاری ہوں گے اور اگر خاوند انکار کر دے اور کہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے تو اس کی نسبت خاوند سے ختم ہو جائے گی۔ ماں نے چوں کہ جنا ہے تو اس کی نسبت ماں کی طرف کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں ﴿اَزْوَاجَهُمْ﴾ اپنی بیویوں پر ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ﴾ اور نہیں ہیں ان کے لیے گواہ ﴿اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ﴾ مگر ان کی اپنی جانیں ﴿فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ﴾ پس گواہی ان میں سے ایک کی ﴿اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ﴾ چار گواہیاں ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم اُٹھا کر ﴿اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ بے شک وہ البتہ سچ بولنے والوں میں سے ہے کہ بے شک میں جو کہتا ہوں سچ کہتا ہوں ﴿وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ اور پانچویں یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر اگر ہے وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ﴾ اور دور کر دے گا اس عورت سے بھی سزا کو ﴿اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ﴾ یہ کہ وہ گواہی دے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر ﴿اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ کہ بے شک وہ خاوند اس کا جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے ﴿وَالْخَامِسَةَ﴾ اور پانچویں قسم یہ کہ ﴿اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اس عورت پر ﴿اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اگر اس کا خاوند سچ کہنے والوں میں سے ہو اور میں جھوٹی

ہوں اس کو شریعت میں لعان کہتے ہیں۔ اس کے بعد دنیا کی سزا دونوں سے ٹل جائے گی اور ان میں سے جو جھوٹا ہوگا اس کو آخرت میں سزا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے حکمت والا ہے۔ ساتھیو! شریعت نے جو اصول بتائے ہیں اگر انسان ان اصولوں پر چلے تو اس طرح کی نوبت کبھی بھی واقع نہیں ہوسکتی۔ وہ کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے پردے کا حکم دیا ہے عورت پردے میں رہے، کوئی آدمی بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل نہ ہو، غیر محرم مرد عورت کا اختلاط نہ ہو، ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو اور خط وکتابت نہ ہو، یہ تمام برائی کی باتیں ہیں اگر ان سے بچا جائے تو تہمت کی نوبت کبھی نہیں آئے گی۔

غزوہ بنو المصطلق اور واقعہ اِفک

ہجرت کا پانچویں سال تھا آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنو المصطلق عرب کا مشہور قبیلہ تھا اور اس کے جوان بڑے لڑنے بھڑنے والے تھے اور ان کا دوسرے قبائل کے ساتھ بھی رابطہ تھا وہ مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس بات کی تحقیق کرو کیوں کہ بعض باتیں افواہ ہوتی ہیں اور افواہ پر عمل کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ واقعتا ان لوگوں کا ارادہ ہے مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کا اور انھوں نے تیاری کی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم ان کو حملہ نہیں کرنے دیں گے بلکہ ہم خود ان پر حملہ کریں گے۔ آنحضرت ﷺ تقریباً پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ کچھ عورتیں بھی ساتھ تھیں۔ آپ ﷺ کی بیویوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں۔ عورتوں کا کام تھا کھانا تیار کرنا، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور جو عورتوں کے کام ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی قبیلہ بنو المصطلق پر غلبہ نصیب ہوا۔ اس کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں۔ مریسیع جگہ کا نام ہے۔

واپسی ہوئی تو مجاہدین کا قافلہ رات کے پچھلے پہر میں ایک مقام پر تھوڑی دیر کے لیے رکا۔ سحری کا وقت تھا آنحضرت ﷺ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم تہجد گزار تھے اسی لیے آپ ﷺ فجر کی نماز صبح صادق کے فوراً بعد پڑھا دیتے تھے کیوں کہ سب تیار ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ اب ہم نے نماز پڑھ کر چل پڑنا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خیال کیا کہ قافلہ روانگی کے بعد دوپہر سے پہلے کسی جگہ نہیں ٹھہرے گا تو میں قضائے حاجت سے فارغ ہو جاؤں تا کہ راستے میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بڑی ہمشیرہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے موتیوں کا ایک ہار مانگ کر لے گئیں تھیں گلے میں ڈالنے کے لیے کیوں کہ ان کے پاس اپنا ہار نہیں تھا۔ عورتوں کو زیور کے ساتھ فطری طور پر پیار ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾ [زخرف:۱۸] "بھلا وہ جس کو نشو و نما دی جاتی ہے زیور میں اور وہ جھگڑا کرنے میں بھی صاف بات نہیں کر سکتی۔" قضائے حاجت کے لیے تھوڑا سا دور گئیں اندھیرا تھا اور ریتلا علاقہ تھا سوئے اتفاق کہ ہار کا دھاگا ٹوٹ گیا موتی بکھر گئے ہار قیمتی تھا، دانے تلاش کرتے کرتے دیر ہوگئی۔ جو کجاوہ اٹھا کر

اُونٹ پر رکھتے تھے انھوں نے سمجھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کجاوے میں ہیں کیوں کہ ان کا جسم ہلکا پھلکا تھا انھوں نے کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور سفر شروع ہو گیا کسی کے علم میں نہیں تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیچھے رہ گئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم تمام بڑے بزرگ اکٹھے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب آئیں تو قافلہ جا چکا تھا سڑکیں تو ہوتی نہیں تھیں کہ پیچھے چل پڑتیں۔ ریتلے علاقے میں ہوا چلے تو قدموں کے نشان بھی مٹ جاتے ہیں۔ یہ ان کی دانائی تھی کہ انھوں نے سوچا کہ مجھے راستے کا علم نہیں ہے کدھر جاؤں وہیں لیٹ گئیں کہ یقیناً جب وہ دیکھیں گے کہ میں کجاوے میں نہیں ہوں تو اسی جگہ آئیں گے نوعمری تھی اس وقت ان کی عمر مبارک تیرہ [۱۳] سال تھی۔ صبح کا ٹھنڈا وقت تھا آنکھ لگ گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ اُن کو حکم تھا کہ انہیں قافلے سے پیچھے رہنا ہے تا کہ قافلے والوں کی کوئی گری پڑی چیز چادر، جوتا، پگڑی وغیرہ کوئی سامان ہو اُسے اٹھانا ہے۔ حضرت صفوان ابن معطل سلمی رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کپڑے میں لپٹی کوئی چیز پڑی ہے جلدی سے آ کر چادر ہٹائی تو اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ کیوں کہ پردے کے حکم سے پہلے انھوں نے ان کو دیکھا ہوا تھا۔ پردے کا حکم ۳ ھ میں نازل ہوا ہے۔ دیکھا تو منہ سے نکلا ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بندہ جب بھی کوئی پریشانی کی بات سنے تو اس وقت یہ کلمات کہے۔ ایک موقع پر مٹی کا چراغ جل رہا تھا تیز ہوا چلی تو چراغ بجھ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ کوئی اتنی بڑی مصیبت تو نہیں ہے ابھی ہم دوبارہ جلا لیں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! ہر وہ چیز جو مسلمان کو تکلیف پہنچائے وہاں ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ پڑھ لینا چاہیے۔ کیوں کہ اچانک چراغ کا بجھ جانا بھی پریشانی کا سبب ہے اس لیے میں نے پڑھا ہے۔

حضرت صفوان ابن معطل سلمی رضی اللہ عنہ نے یہ پڑھا اور اُونٹ بٹھایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سوار ہو گئیں، نکیل پکڑی اور چل پڑے، دوپہر کے وقت قافلے کے ساتھ جا ملے اور مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔

عبداللہ بن ابی کی منافقت

عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین بڑا شیطان قسم کا آدمی تھا وہ ایسی باتوں کی تلاش میں رہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی بات مل جائے تا کہ وہ اسے بطور ہتھیار ان کے خلاف استعمال کر سکے۔ اس کو موقع مل گیا اور اس نے کہنا شروع کر دیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس شخص کے تعلقات اچھے نہیں اور اتنا زور دار پروپیگنڈہ کیا کہ تین مخلص صحابی بھی اس کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے۔ مشہور شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی اور پھوپھی زاد بہن حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا۔ کہنے لگے نوعمری ہے ایسا گناہ ہو سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائے گلیوں میں یہ باتیں ہو رہی ہیں، بازاروں میں ہو رہی ہیں، اپنے بیگانے کر رہے ہیں، عجیب قسم کا منظر ہے۔ پورا ایک مہینہ گزر گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن آنحضرت ﷺ میرے پاس بیٹھے تھے فرمایا عائشہ! اگر آپ سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو خدا سے معافی مانگ لو، توبہ کر لو۔ فرماتی ہیں جب آپ ﷺ نے فرمایا تو میرے ہوش و حواس اُڑ گئے۔ میں نے کہا آپ بھی یقین کرتے ہیں کہ واقعی کوئی ایسی بات ہوئی ہے۔ میں رو پڑی اور کہا کہ مجھ میں تو ایسا کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ میری صفائی دے گا۔ خیال تھا کہ خواب کے ذریعے میری صفائی بیان کر دی جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرما کر میری صفائی دی۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ﴾ سے لے کر ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ﴾ تک اٹھارہ آیتیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ﴾ بے شک وہ لوگ جو بہتان لائے ہیں ﴿عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ﴾ وہ ایک گروہ ہے تم میں سے۔ منافق تو سارے تھے تین مخلص بھی شکار ہو گئے ﴿لَا تَحْسَبُوْهُ﴾ نہ خیال کرو تم اس بہتان کو ﴿شَرًّا لَّكُمْ﴾ اپنے لیے بُرا ﴿بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ﴾ بلکہ وہ تمھارے حق میں بہتر ہے کہ تمھاری صفائی قرآن میں بیان ہوئی ہے جو قیامت تک پڑھی جائے گی۔ فرمایا ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ﴾ ہر آدمی کے لیے ان بہتان تراشوں میں سے ﴿مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ﴾ وہ ہے جو کمایا اس نے گناہ ﴿وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ﴾ اور وہ شخص جس نے سرپرستی کی ہے اس بہتان کے بڑے حصے کی ﴿مِنْهُمْ﴾ ان میں سے عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین ﴿لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ اس کے لیے بڑا عذاب ہے کہ وہ اس سلسلے کا محرک ہے اور وہی اس کی نشر و اشاعت کرنے والا ہے اور لوگوں کو آمادہ کرنے والا ہے کہ اس کو خوب پھیلاؤ لہٰذا اس کو بڑا عذاب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ﴾ کیوں نہ ہوا جب تم نے یہ بہتان سنا تھا ﴿ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ﴾ گمان کرتے مومن مرد اور مومن عورتیں ﴿بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا﴾ اپنی جانوں کے بارے میں بھلائی کا ﴿وَّقَالُوْا﴾ اور وہ کہتے ﴿هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ﴾ یہ بہتان ہے کھلا ﴿لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ﴾ کیوں نہ لائے وہ اس پر ﴿بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ﴾ چار گواہ اپنے دعوے کے ثبوت پر۔ چار گواہ کیوں نہ لائے کہ زنا کے الزام کو ثابت کرنے کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے جو چشم دید گواہی دیں ﴿فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ﴾ پس جب وہ نہیں لا سکے گواہ ﴿فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ پس یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹے ہیں اور ان کا الزام صریح بہتان ہے۔ اس کی یہ سزا پائیں گے۔

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ﴾ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل ﴿عَلَیْكُمْ﴾ تم پر ﴿وَرَحْمَتُهٗ﴾ اور اس کی رحمت ﴿فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ دنیا اور آخرت میں ﴿لَمَسَّكُمْ﴾ البتہ پہنچتا تمھیں ﴿فِیْ مَآ﴾ اس کے بدلے میں ﴿اَفَضْتُمْ فِیْهِ﴾ جس میں تم مصروف ہوئے ﴿عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ بڑا عذاب ﴿اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ﴾ جس وقت تم لے دے رہے تھے اس افک کو

﴿بِاَلۡسِنَتِكُمۡ﴾ اپنی زبانوں کے ساتھ ﴿وَتَقُوۡلُوۡنَ﴾ اور تم کہتے تھے ﴿بِاَفۡوَاهِكُمۡ﴾ اپنے مونہوں کے ساتھ ﴿مَا لَيۡسَ لَكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ﴾ وہ جس کا تمھیں علم نہیں تھا ﴿وَّتَحۡسَبُوۡنَهٗ هَيِّنًا﴾ اور تم اس کو خیال کرتے تھے ہلکی بات ﴿وَّهُوَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی ہے ﴿وَلَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ﴾ اور کیوں نہ ہوا جب تم نے اس کو سنا ﴿قُلۡتُمۡ﴾ تم کہہ دیتے ﴿مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ﴾ کوئی حق نہیں ہمیں ﴿اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا﴾ کہ ہم کلام کریں اس بہتان کے بارے میں ﴿سُبۡحٰنَكَ﴾ آپ کی ذات پاک ہے ﴿هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ﴾ یہ بہتان ہے بہت بڑا ﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں نصیحت کرتا ہے ﴿اَنۡ تَعُوۡدُوۡا﴾ یہ کہ تم لوٹو ﴿لِمِثۡلِهٖۤ﴾ اس کی مثل کی طرف ﴿اَبَدًا﴾ کبھی بھی ﴿اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾ اگر ہو تم مومن ﴿وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ﴾ اور بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آیات ﴿وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يُحِبُّوۡنَ﴾ جو پسند کرتے ہیں ﴿اَنۡ تَشِيۡعَ الۡفَاحِشَةُ﴾ کہ پھیل جائے بے حیائی ﴿فِى الَّذِيۡنَ﴾ ان لوگوں میں ﴿اٰمَنُوۡا﴾ جو ایمان لائے ہیں ﴿لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾ ان لوگوں کے لیے عذاب ہوگا دردناک ﴿فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ﴾ دنیا اور آخرت میں ﴿وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ اور تم نہیں جانتے ﴿وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ﴾ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر ﴿وَرَحۡمَتُهٗ﴾ اور اس کی رحمت ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوۡفٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا ہے ﴿رَّحِيۡمٌ﴾ مہربان ہے۔

ربطِ آیات

کل کے درس میں بقدرِ ضرورت تھوڑی سی تفصیل بیان ہوئی تھی کہ ہجرت کے پانچویں سال آنحضرت ﷺ کو قبیلہ بنو المصطلق کے ساتھ جہاد کی ضرورت پیش آئی۔ اس جہاد میں آپ کے ساتھ کم و بیش پانچ سو مجاہد اور چند بیبیاں بھی تھیں اور ازواجِ مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ اس سفر میں دو اہم واقعات پیش آئے۔ ایک جاتے ہوئے اور ایک آتے ہوئے۔

تیمم کا حکم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اُمت پر احسان

جاتے ہوئے یہ صورت پیش آئی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی بڑی ہمشیرہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک موتیوں کا ہار مانگ کر لائی تھیں۔ کیوں کہ ان کے پاس زیور کوئی نہیں تھا۔ وہ ہار قیمتی موتیوں کا تھا۔ جاتے ہوئے مجاہدین ایک جگہ ٹھہرے۔ ناتجربہ کاری اور بچپن کی بنا پر دھیان نہ کر سکیں اور وہ ہار گم ہو گیا۔ کیوں کہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر صرف تیرہ

سال تھی فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَی الْتِمَاسِهٖ وَ اَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ "پس آنحضرت ﷺ اس کی تلاش کے لیے ٹھہر گئے اور دوسرے لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ٹھہر گئے۔" آپ ﷺ نے بھی اس ہار کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی پوری کوشش کی مگر ہار نہ ملا۔ آنحضرت ﷺ تھکے ہوئے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ران مبارک پر سر مبارک رکھا اور سو گئے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَآءٌ اور کسی کے پاس پانی نہیں تھا اور وہاں اردگرد بھی پانی نہیں تھا لوگ پریشان ہو گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آگے شکوہ کیا کہ دیکھو! تمھاری صاحبزادی نے قوم کو مصیبت میں ڈال دیا ہے نماز کا وقت ہو گیا ہے اور کسی کے پاس پانی نہیں ہے اور یہاں بھی پانی نہیں ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابا جی آئے اور مجھے دو چوکے مارے کہ ساری قوم کو تو نے مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ مجھے بڑی تکلیف ہوئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں مر جاؤں گی لیکن میں نے حرکت نہیں کی کہ آنحضرت ﷺ کی نیند میں خلل نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم نازل فرما کر یہ مسئلہ حل فرما دیا کہ اگر پانی نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو۔ پھر لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مبارک دینے آئے کہ تمھاری بچی کی وجہ سے اُمت کے لیے بڑی سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے یہاں ڈیرا تو نہیں لگانا، جانا بھی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ((فَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَ الَّذِيْ كُنْتُ عَلَيْهِ فَوَجَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهٗ)) [نسائی] "پس جب ہم نے وہ اُونٹ اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہمیں اس کے نیچے سے ہار مل گیا۔" اور بخاری شریف جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۴۸ پر یہ روایت موجود ہے۔

اب آپ حضرات ایک بات سمجھ لیں۔ آج اہل بدعت کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہر چیز کو قریب دور سے دیکھتے ہیں اور ولی بھی سب کچھ دیکھتے ہیں۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَی الْتِمَاسِهٖ "آنحضرت ﷺ نے بھی اس ہار کو ڈھونڈا وَ اَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ اور لوگوں نے بھی ڈھونڈا۔" اور ہر ایک ان میں سے ولی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑا کوئی ولی نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ہیں، حضرت عمر فاروق ہیں، حضرت عثمان غنی ہیں، حضرت علی حیدر کرار ہیں رضی اللہ عنہم۔ یہ سب اولیاء کے سردار ہیں۔ سب نے تلاش کیا مگر ہار نہ ملا۔ اُونٹ اُٹھایا تو ہار اس کے نیچے پڑا تھا۔ یہ ہجرت کے پانچویں سال کا واقعہ ہے۔ ہم کیسے مان لیں کہ تمام چیزیں ہر وقت آپ ﷺ کی نگاہ میں ہیں۔ یہ صفت صرف رب تعالیٰ کی ہے کہ وہ ہر وقت ہر شے کو دیکھ رہا ہے۔

تو جاتے ہوئے یہ واقعہ پیش آیا۔ اور واپسی پر جو واقعہ پیش آیا وہ کل تم سن چکے ہو کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے گئی ہوئی تھیں قافلہ روانہ ہو گیا یہ واپس آ کر وہیں لیٹ گئیں۔ حضرت صفوان ابن معطل سلمی ثم المرادی رضی اللہ عنہ جن کی ڈیوٹی تھی کہ قافلے کی گری پڑی چیز اُٹھا کر لائیں۔ جب یہاں پہنچے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوئی تھیں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، یہ اُٹھ گئیں، اُونٹ پر بٹھایا اور دوپہر کے وقت قافلے سے آ کر مل گئے۔

عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین کے ہاتھ بات لگ گئی۔ نقل کفر کفر نہ باشد۔ اس نے کہا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس

شخص کے ساتھ اچھے تعلقات نہیں ہیں اور اتنا زوردار پروپیگنڈہ کیا کہ تین مخلص صحابی بھی اس کا شکار ہو گئے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ آیات قرآن پاک کی نازل فرمائیں۔ کچھ تو آپ حضرات کل سن چکے ہو اور کچھ آج سن لو۔

آیات مذکورہ کی تشریح:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر ﴿وَرَحْمَتُهٗ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ﴿فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ دنیا اور آخرت میں ﴿لَمَسَّكُمْ﴾ البتہ پہنچتا تمھیں ﴿فِيْ مَآ﴾ اس چیز کے مقابلے میں ﴿اَفَضْتُمْ فِيْهِ﴾ جس میں تم مصروف ہو جس کا تم چرچا کر رہے ہو اس کی وجہ سے تم کو پہنچتا ﴿عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ بہت بڑا عذاب یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو تم نے بہتان گھڑا ہے اس کی وجہ سے تم پر دنیا اور آخرت میں عذاب نازل ہوتا اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی مہربانی نہ ہوتی ﴿اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ﴾ جس وقت تم لے دے رہے تھے اس بہتان کو اپنی زبانوں کے ساتھ ﴿وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ﴾ اور تم کہتے تھے اپنے مونہوں کے ساتھ ﴿مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ وہ جس کا تمھیں علم نہ تھا۔ یعنی ایک دوسرے سے پوچھتے تھے بھئی! بڑے افسوس کی بات ہے مجھے تو بڑا صدمہ ہوا ہے تم نے یہ بات سنی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے فلاں شخص کے ساتھ تعلقات تھے۔ وہ اس سے پوچھتا، وہ اس سے پوچھتا، فرمایا تم مونہوں سے وہ بات کر رہے تھے جس کا تمھیں کوئی علم نہ تھا ﴿وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا﴾ اور تم اس کو آسان اور ہلکی بات سمجھ رہے تھے ﴿وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی بات تھی کہ جس پر تم الزام لگا رہے تھے۔

مقام عائشہ رضی اللہ عنہا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا بڑا مقام ہے کتنا بلند مقام ہے۔ پھر وہ بیٹی کس کی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جو تمام پیغمبروں کے بعد تمام مخلوقات میں پہلے نمبر کے آدمی ہیں۔ پھر وہ بیوی کس کی ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں اُونچی شان والے ہیں تم نے کچھ بھی خیال نہیں کیا تم نے اس بات کو ہلکا سمجھا ہے ﴿وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ﴾ اور کیوں نہ ہوا جب تم نے یہ بات سنی ﴿قُلْتُمْ﴾ فوراً کہہ دیتے ﴿مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا﴾ کوئی حق نہیں ہمیں کہ ہم کلام کریں اس بہتان کے بارے میں، کوئی لفظ زبان سے نکالیں۔ تمھارا فریضہ تھا کہہ دیتے ﴿سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾ اے اللہ آپ کی ذات پاک ہے تمام عیوب سے یہ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف نسبت کی گئی ہے بڑا بہتان ہے ﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں نصیحت کرتے ہیں کہ لوٹو تم اس بات کی مثل کی طرف کبھی بھی ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر تم مومن ہو تو پھر کبھی بھی ایسی بات زبان سے نہ نکالنا۔

رافضیوں کا عقیدہ اور حضرت مہدی علیہ السلام:

لیکن بدبخت قوم رافضی آج بھی باز نہیں آتے اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کے متعلق زبان درازی کرتے ہیں۔ خمینی نے اپنی

کتابوں میں اس پر بڑا زور لگایا ہے اور ملا باقر کی کتابیں پڑھو جوان کا بڑا محقق، عالم اور مجتہد اعظم ہے۔ خمینی نے اپنی قوم کو ترغیب دی ہے کہ ملا باقر مجلسی کی کتابوں کو تم ضرور پڑھو غور کے ساتھ اور ان پر یقین رکھو۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی کی کتاب ہے "حق الیقین" اس میں وہ لکھتا ہے کہ جب مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے۔ یہ ظاہر ہونے والا نظریہ رافضیوں کا ہے۔

اور یہ بات یاد رکھنا! کہ ہمارے نزدیک تو مہدی علیہ السلام پیدا ہوں گے مدینہ طیبہ میں۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے ان کا نام محمد ہوگا والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہوگا۔ اور رافضیوں کے نزدیک ۲۵۵ھ میں ایک غار کے اندر جا کے چھپ گئے تھے وہ غار بغداد سے ساٹھ میل دور ہے اس کا نام ہے سُرَّ من رأی۔ رافضی کہتے ہیں کہ وہ قرآن لے کر اس غار میں چھپے ہوئے ہیں۔ تو ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ جب وہ ظاہر ہوں گے تو ان کا پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری دیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پھٹے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام مہدی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ دوسرا کام ان کا یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس جو دو بت ہیں ان بتوں کو قبروں سے نکال کر دور پھینک دیں گے۔ ایک بت ابوبکر اور دوسرا بت عمر رضی اللہ عنہما معاذ اللہ تعالیٰ۔ اور وہ تیسرا کام یہ کریں گے کہ جنت البقیع کے قبرستان جا کر عائشہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس جا کر کھڑے ہوں گے قبر پھٹے گی ان کو قبر سے نکال کر حد جاری کریں گے اور چوتھا کام ان کا یہ ہوگا کہ سنیوں یعنی اہل سنت والجماعت کے علماء کو قتل کریں گے اور ان کا پانچواں کام یہ ہوگا کہ عام سنیوں کو قتل کریں گے۔ یہ ہے اس مہدی کا نقشہ جو غار میں چھپا ہوا ہے۔ آج ساری دنیا حقوق، حقوق، حقوق کا پروپیگنڈہ کرتی ہے۔ تہران میں پانچ لاکھ سنی آباد ہیں لیکن اہل سنت کی ایک مسجد بھی نہیں ہے۔ ہندوؤں کے مندر ہیں، سکھوں کے گردوارے ہیں، آتش پرستوں کے آتش کدے ہیں، یہودیوں کے معبد خانے ہیں، عیسائیوں کے گرجے ہیں لیکن سنیوں کی ایک مسجد بھی نہیں ہے۔

آج کل اخبارات میں تم نے پڑھا ہوگا احتجاج ہوا تھا کہ خامنائی کے گھر کے پاس ایک مسجد تھی اہل سنت والجماعت کی وہ بھی انہوں نے گرادی اور اس وقت حکومت میں جتنے ہیں بے نظیر سے لے کر تمام اہم عہدوں پر یہی رافضی فائز ہیں۔ اور یہاں اگر علماء کوئی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں یہ فرقہ واریت ہے۔ بھئی! اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا کہ پانچ لاکھ کی آبادی کے پاس ایک بھی مسجد نہیں ہے اور ساری دنیا میں حقوق حقوق کی رٹ لگاتے پھرتے ہو۔ اہل سنت پر جتنا ظلم ایران میں ہوا ہے شاید دنیا میں کسی اور جگہ نہ ہوا ہو۔ تو خیر امام مہدی علیہ السلام کا انھوں نے یہ نقشہ کھینچا ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قبر سے نکال کر ان پر حد جاری کریں گے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

بختے والا کا ایک واقعہ

پاکستان بننے سے پہلے کا واقعہ ہے غالباً ۱۹۳۸ء یا ۱۹۳۹ء کی بات ہے بختے والا میں ایک جلسہ تھا ساتھیوں نے مجھے اس کا صدر بنا دیا قاضی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ قلعہ دیدار سنگھ کے رہنے والے تھے۔ ہمارے پیر بھائی اور بڑے محقق علماء میں سے تھے، ان کی تقریر تھی۔ انھوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کچھ فضائل بیان فرمائے اور یہ بھی بیان فرمایا حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں، پاک دامن ہیں، اس واقعہ کے پانچ سال بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہی ہیں معاذ اللہ تعالیٰ اگر ان میں کوئی ایسی بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا معصوم پیغمبر ایسی بیوی کو گھر میں نہ رکھتا۔ وہاں کے رافضیوں نے کہا کہ گھروں میں تو چوہیاں بھی ہوتی ہیں۔ یہ ان کا جواب تھا معاذ اللہ تعالیٰ۔

شیعہ مسلمان نہیں ہیں

یاد رکھنا! شیعہ مسلمان نہیں ہیں رافضی مسلمان نہیں ہیں۔ یہ آج کل اپنے آپ کو جعفری کہتے ہیں جعفری کے لفظ سے دھوکا نہ کھانا یہ کافر ہیں۔ ہمارے سامنے ساری باتیں مانیں گے تقیہ کے طور پر کہیں گے ہم مسلمان ہیں کلمہ پڑھتے ہیں قرآن بھی۔ یہ سب کچھ ہے ظاہر میں اندر کچھ نہیں ہے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یَعِظُکُمُ اللّٰہُ﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں نصیحت فرماتے ہیں کہ تم ایسی بات کرو کبھی بھی اگر تم مومن ہو ﴿وَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ﴾ اور بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آیات۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں تمھارے سامنے بیان کرتا ہے ﴿وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ﴾ جو پسند کرتے ہیں کہ شائع ہو، مشہور ہو، پھیلے بے حیائی ﴿فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان لوگوں میں جو مومن ہیں کہ ان مومنوں کے بارے میں بے حیائی کی باتوں کی نشر و اشاعت ہو ﴿لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ﴾ ان کے لیے عذاب ہے دردناک دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اسی اسی کوڑے سب کو لگائے گئے جو حد ہے قذف کی چاہے مخلص تھے یا غیر مخلص تھے اور آخرت کی سزا علیحدہ ہے ﴿وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ﴾ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر ﴿وَرَحْمَتُہٗ﴾ اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یہ حقیقت تمھارے سامنے بیان نہ کرتا ﴿وَاَنَّ اللّٰہَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا ہے، مہربان ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّبِعُوْا﴾ نہ پیروی کرو تم ﴿خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ﴾ شیطان کے نقش قدم کی ﴿وَمَنْ﴾ اور وہ شخص ﴿یَّتَّبِعْ﴾ جس نے پیروی کی ﴿خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ﴾ شیطان کے نقش قدم کی ﴿فَاِنَّہٗ﴾ پس بے شک وہ شیطان ﴿یَاْمُرُ﴾ حکم کرتا ہے ﴿بِالْفَحْشَآءِ﴾ بے حیائی کا ﴿وَالْمُنْکَرِ﴾ اور برائی کا ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ﴾ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر ﴿وَرَحْمَتُہٗ﴾ اور اس کی رحمت ﴿مَا زَکٰی مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ﴾ نہ پاک ہوتا تم میں سے کوئی بھی ﴿اَبَدًا﴾ کبھی ﴿وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ ﴿یُزَکِّیْ﴾ پاک کرتا ہے ﴿مَنْ یَّشَآءُ﴾ جس کو چاہے ﴿وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سننے والا ﴿عَلِیْمٌ﴾ جاننے والا ہے ﴿وَلَا یَاْتَلِ﴾ اور قسم

نہ اُٹھائیں ﴿أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ﴾ فضیلت والے تم میں سے ﴿وَالسَّعَةِ﴾ اور مالی وسعت والے ﴿أَنْ﴾ یہ کہ ﴿يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ﴾ دیں وہ قریبی رشتہ داروں کو ﴿وَالْمَسَاكِينَ﴾ اور مسکینوں کو ﴿وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور ان لوگوں کو جنھوں نے ہجرت کی اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿وَلْيَعْفُوا﴾ اور ان کو چاہیے کہ معاف کر دیں ﴿وَلْيَصْفَحُوا﴾ اور چاہیے کہ درگزر کریں ﴿أَلَا تُحِبُّونَ﴾ کیا تم پسند نہیں کرتے ﴿أَنْ﴾ اس بات کو ﴿يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ کہ اللہ تعالیٰ بخش دے تمھیں ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَرْمُونَ﴾ تہمت لگاتے ہیں ﴿الْمُحْصَنَاتِ﴾ پاک دامن عورتوں پر ﴿الْغَافِلَاتِ﴾ جو گناہوں سے غافل ہیں ﴿الْمُؤْمِنَاتِ﴾ جو مومن ہیں ﴿لُعِنُوا﴾ ایسے لوگوں پر لعنت کی گئی ﴿فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ دنیا اور آخرت میں ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ان کے لیے بڑا عذاب ہے يَوْمَ اس دن ﴿تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ﴾ گواہی دیں گی ان کے خلاف ﴿أَلْسِنَتُهُمْ﴾ ان کی زبانیں ﴿وَأَيْدِيهِمْ﴾ اور ان کے ہاتھ ﴿وَأَرْجُلُهُمْ﴾ اور ان کے پاؤں ﴿بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ اس کے بارے میں جو وہ کرتے رہے ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ﴾ پورا پورا دے گا ان کو اللہ تعالیٰ ﴿دِينَهُمُ﴾ ان کا بدلہ ﴿الْحَقَّ﴾ جو حق ہے ﴿وَيَعْلَمُونَ﴾ اور وہ جان لیں گے ﴿أَنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ﴾ وہ سچا ہے حق کو کھول کر بیان کرنے والا۔

گزشتہ آیات کا خلاصہ

اگرچہ تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ بیان ہو چکا ہے لیکن ان آیات کو سمجھانے کے لیے میں اس کا پھر خلاصہ عرض کر دیتا ہوں۔ ۵ھ میں آپ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنوالمصطلق جو مریسیع کے علاقہ میں آباد ہے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہے العیاذ باللہ مسلمانوں کا صفایا کرنا چاہتا ہے۔ تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی ان لوگوں کا ارادہ ہے اور تیاری میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم ان کو حملہ کرنے کی مہلت کیوں دیں کہ وہ ہمارے گھروں میں آکر حملہ آور ہوں بلکہ ہم ان پر حملہ کریں گے۔ تقریباً پانچ سو مجاہدین کو لے کر آپ ان کے مقابلے کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ کچھ عورتیں بھی تھیں اور ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا اونٹ پر جو کجاوہ ہوتا ہے اس میں بیٹھ جاتی تھیں اور کجاوہ اٹھا کر رکھنے والے اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قبیلہ بنوالمصطلق پر غلبہ عطا فرمایا۔

واپسی کے سفر میں مجاہدین کا قافلہ رات کے پچھلے حصے میں ایک مقام پر تھوڑی دیر کے لیے رکا۔ علی الصبح روانگی کا پروگرام تھا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوچا کہ قافلہ چلنے کے بعد دوپہر سے پہلے تو نہیں رکے گا میں اپنی ضرورت سے فارغ ہو جاؤں تاکہ راستے میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ جب قضائے حاجت کے لیے گئیں تو وہ موتیوں والا ہار جو اپنی بڑی ہمشیرہ حضرت

اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریتاً لے کر گئی تھیں۔ اس کا دھاگا ٹوٹ گیا موتی بکھر گئے، ریتلی زمین اور اندھیرا تھا کوئی تمیز نہ تھی کہ موتی ہے یا ریت کا دانہ ہے تلاش کرنے میں دیر ہوگئی قافلہ چل پڑا۔ کجاوہ رکھنے والوں نے کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ خیال تھا کہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا کجاوے میں ہیں لیکن وہ کجاوہ وزنی تھا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جسم ہلکا پھلکا تھا عمر تیرہ سال تھی ان کو وہم بھی نہ ہوا کہ اندر نہیں ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں دیکھا تو قافلہ جا چکا تھا سڑکیں نہیں تھیں کہ سڑک پر چل پڑتیں ریتلا علاقہ تھا صبح کو جب ہوا چلتی ہے تو قدموں کے نشانات بھی مٹا دیتی ہے۔ انھوں نے عقل مندی کی کہ وہیں بیٹھ گئیں کہ جب مجھے نہیں پائیں گے تو واپس یہیں آئیں گے میں کدھر جاؤں۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا تھی نیند آ گئی۔

حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ جن کی ڈیوٹی تھی کہ قافلے سے پیچھے پیچھے رہیں۔ قافلے کی گری پڑی چیز کا اٹھانا ان کی ذمہ داری تھی۔ وہ جب یہاں پہنچے تو دیکھا کہ کوئی آدمی لیٹا ہوا ہے چادر کھینچی تو دیکھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں کہ پردے کے حکم سے پہلے ان کو دیکھا ہوا تھا کہنے لگے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر بٹھایا اور دوپہر کے وقت قافلے کے ساتھ جا ملے۔ مدینہ طیبہ پہنچے تو عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین کو یہ بات مل گئی اس نے خوب پروپیگنڈہ کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس شخص کے ساتھ غلط تعلقات ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ پریشان رہے۔ وحی کوئی نہ آئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ تو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بری فرما دیں گے مگر یہ بات ان کے وہم میں بھی نہ تھی کہ ان کی صفائی میں قرآن کریم نازل ہوگا یہ خیال تھا کہ خواب کے ذریعے یا جبرئیل علیہ السلام آ کر صفائی بیان کر دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی صفائی میں اٹھارہ آیتیں نازل فرمائیں۔ آج کی آیات بھی اسی سلسلے میں ہیں۔

مذکورہ آیات کی تشریح

پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو تنبیہ فرمائی کہ تم نے یہ طوفان کیوں برپا کیا؟ اب مومنوں کو تنبیہ فرماتے ہیں ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ نہ پیروی کرو تم شیطان کے نقش قدم کی ﴿وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ اور جس نے پیروی کی شیطان کے قدموں کی ﴿فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ﴾ پس بے شک وہ شیطان حکم کرتا ہے بے حیائی کا ﴿وَالْمُنْكَرِ﴾ اور برائی کا۔ شیطان نے اچھی بات تو نہیں کرنی تم شیطان کے کہنے پر کیوں آئے؟ کیوں کہ تین مخلص صحابی بھی اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، آپ کی سالی اور پھوپھی زاد بہن حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ، یہ مہاجر بھی تھے اور بدری بھی تھے۔ فرمایا یاد رکھو! ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر ﴿وَرَحْمَتُهٗ﴾ اور اس کی رحمت ﴿مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا﴾ نہ پاک صاف ہوتا تم میں سے کوئی کبھی بھی۔ نہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صفائی نازل ہوتی نہ کسی دوسرے کی ﴿وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان دنوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے پریشان تھے اور مجھے کوئی علم نہیں تھا کہ میرے بارے میں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ ایک دن میری والدہ اُمّ رومان ان کی کنیت تھی اور زینب ان کا نام تھا رضی اللہ عنہا، یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سگی والدہ تھیں، میرے پاس آئیں اور انھوں نے اس واقعہ کی طرف کچھ اشارہ کیا۔ میں نے کہا کہ ابا جی کو بھی اس بات کا علم ہے کہ لوگ میرے اوپر تہمت لگاتے ہیں۔ والدہ تھوڑا سا رو ئیں اور کہا کہ ہاں! آپ کے والد کو بھی علم ہے اور مدینہ طیبہ کے درودیوار کو بھی پتا ہے۔ میں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی خبر ہے کہ لوگوں نے مجھ پر ایسا بہتان باندھا ہے؟ والدہ نے کہا ہاں! تو پھر میں رو پڑی۔

پھر فرماتی ہیں کہ میں اپنی دادی جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، کے ساتھ باہر گئی۔ نیم چاندنی رات تھی میری دادی نیم اندھیرے میں گر پڑی اور کہا ناس ہو مسطح بن اثاثہ کا، رب کرے مسطح مر جائے۔ فرماتی ہیں میں نے کہا دادی جی! اگری تم خود ہو اور بددعا دیتی ہو مسطح کو، اس کا کیا قصور ہے۔ مجھے دادی کہنے لگی یہ لوگ منحوس ہیں جنھوں نے آپ پر تہمت لگائی ہے میرا بیٹا بھی ان تہمت لگانے والوں میں شامل ہے۔ میں نے کہا دادی جی! کیا کہہ رہی ہو؟ انھوں نے کہا کہ میں کہہ رہی ہوں کہ میرا بیٹا بھی ان تہمت لگانے والوں میں شامل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کا ماہانہ وظیفہ مقرر کیا ہوا تھا جب ان کو اطلاع ملی کہ میری پاک دامن بیٹی پر تہمت لگانے والوں میں مسطح بھی شامل ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی کہ میں آئندہ مسطح بن اثاثہ پر کچھ نہیں خرچ کروں گا اور غیرت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ان کو خرچہ بند کر دینا چاہیے تھا کہ اس کو اتنا بھی خیال نہ آیا کہ میں کس پر تہمت لگانے والوں میں شامل ہو رہا ہوں۔ جو بیٹی ہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جن کے گھر سے میں کھاتا پیتا ہوں اور وہ بیوی ہیں کائنات کے سردار کی اور خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی خیال نہ آیا۔

تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وظیفہ بند کرنے پر اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ﴾ اور قسم نہ اٹھائیں تم میں سے فضیلت والے اور مالی وسعت والے۔ جو فضیلت رکھتے ہیں اور مالی گنجائش رکھتے ہیں یہ قسم نہ اُٹھائیں ﴿أَن﴾ یہ کہ ﴿يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ﴾ کہ وہ نہیں دیں گے قریبی رشتہ داروں کو ﴿وَالْمَسَاكِينَ﴾ اور مسکینوں کو ﴿وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور ان لوگوں کو جنھوں نے ہجرت کی ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ قرآن کریم کی اس نص سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ﴿أُولُوا الْفَضْلِ﴾ فضیلت والوں میں سے ہیں ﴿وَلْيَعْفُوا﴾ اور ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں ﴿وَلْيَصْفَحُوا﴾ اور ان کو چاہیے کہ وہ درگزر کریں ﴿أَلَا تُحِبُّونَ﴾ کیا تم نہیں پسند کرتے ﴿أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ یہ کہ معاف کر دے اللہ تعالیٰ تمھیں۔ اگر تم بندے ہو کر کسی کی غلطی معاف نہیں کرو گے تو رب تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہ تمھاری غلطی کیوں معاف کرے گا؟ اگر تم نرمی کرو گے تو رب تعالیٰ بھی معاف کر دے گا اگر تم سختی کرو گے تو رب تعالیٰ کی گرفت میں آجاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک واقعہ

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک بڑا مال دار آدمی تھا اور عموماً مال کی خاصیت ہے کہ یہ جب کسی کے پاس آجاتا

ہے وہ انسان اللہ تعالیٰ سے، دین سے، آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ [شوریٰ: ۲۷] "اور اگر اللہ تعالیٰ کشادہ کر دے رزق اپنے بندوں کا تو البتہ وہ سرکشی کریں زمین میں۔" لیکن وہ ایک اندازے سے دیتا ہے جو اس کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ تو ایک بڑا مال دار آدمی تھا۔ اس کے بہت سے ملازم تھے، کئی دکانیں تھیں، بڑا وسیع کاروبار تھا وہ فوت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے بندے! کوئی نیکی پیش کرو کہ تمھاری بخشش ہو جائے۔ اس نے گردن جھکا دی اور رب تعالیٰ کے سامنے اقرار کیا کہ میرے پاس اے پروردگار! کوئی نیکی نہیں ہے اگر ہوتی میں پیش کرتا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا سوچو شاید کوئی نیکی ہو جس کی وجہ سے میں تجھے معاف کر دوں۔ اس نے کہا اے پروردگار! مجھے ایک نیکی یاد ہے کہ میں نے اپنے ملازموں کو کہا ہوا تھا جو آدمی تمھارے پاس سودا لینے کے لیے آئے تو دے دینا۔ نقد بھی دے دینا، ادھار بھی دے دینا۔ اگر کسی غریب آدمی کے پاس پیسے نہ ہوں مفت میں دے دینا۔ بس اتنی نیکی مجھے یاد ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تم بندے ہو کر معاف کر سکتے ہو میں تو قادرِ مطلق ہوں میں کیوں نہ معاف کروں۔ جاؤ میں نے تمھیں معاف کیا۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ رب تعالیٰ تمھیں معاف کر دے۔

بخاری شریف میں روایت ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: بَلٰى نُحِبُّ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَنَا "کیوں نہیں ہم پسند کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ ہمارے گناہ معاف فرمائے۔" چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کا وظیفہ جاری فرما دیا۔ صرف جاری ہی نہیں فرمایا بلکہ پہلے سے دگنا کر دیا۔ مثلاً: پہلے سو دیتے تھے اور اب دو سو کر دیا۔ کیوں کہ وہ غریب تھے رب تعالیٰ نے ان کو مسکین فرمایا ہے ﴿وَالْمَسٰكِيْنَ﴾۔ اور ہجرت بھی کر کے آئے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کپڑے کا کام کرتے تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حیرت انگیز حالات

تاریخ بتلاتی ہے مدینہ طیبہ سے چند میل کے فاصلے پر "سُنا" کے مقام پر کھڈیاں لگائی ہوئی تھیں جن پر کاریگر کام کرتے تھے بُنے ہوئے لے آتے اور پھیری لگا کر بیچتے تھے دکان نہیں تھی۔ دن کے کچھ حصے میں وہ تھان بک جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے برکت دی تھی۔ اس سے گھر کا خرچہ بھی چلتا تھا اور غریبوں مسکینوں کے ساتھ ہمدردی بھی کرتے تھے۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ الرسول منتخب کیا گیا تو پانچ نمازیں بھی پڑھانی تھیں، لوگوں کے مقدمات بھی نمٹانے تھے، جمعہ، عیدین بھی پڑھانی تھیں۔ سارا وقت ادھر گزر جاتا کئی دنوں تک پھیری نہ لگا سکے گھر میں فاقے شروع ہو گئے تو ایک دن اہل خانہ نے کہا کہ ہم تو فاقے سے ہیں۔

ایک دن مسجد نبوی میں نماز پڑھانے کے بعد فرمایا کہ کوئی ساتھی جائے نہ، میری بات سن کے جانا۔ سب ساتھی بیٹھے رہے۔ فرمایا تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے میری روزی کا انتظام اس طرح کیا تھا کہ میں پھیری لگا کر گھر کے افراد کی

روزی مہیا کرتا تھا اب میرے پاس پھیری لگانے کا وقت نہیں ہے۔ آخر میں انسان ہوں اور میرے بیوی بچے بھی ہیں رب تعالیٰ نے پیٹ لگایا ہے سیدھی سادھی بات یہ ہے کہ یا تو خلافت کی ذمہ داری کسی اور کو دے دو جو غنی اور مال دار ہو یا پھر میرا وظیفہ مقرر کر دو بیت المال سے تاکہ میں اپنا کام جاری رکھوں۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ اہل شوریٰ نے کہا کہ آپ نے بجا فرمایا ہے اور ہمارے علم میں ہے اب آپ اپنا کام نہیں کر سکتے۔ چنانچہ پچیس درہم ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا جس سے گزر اوقات ہوتی رہی۔

وفات کے وقت بخاری شریف کی روایت کے مطابق آپ کے پاس دو چادریں تھیں۔ عرب کے علاقے میں اس وقت بھی اور اب بھی گرمی زیادہ ہوتی ہے مگر اب سہولتیں بہت زیادہ ہیں۔ اس وقت ایک چادر نیچے ہوتی تھی جس کو ازار کہتے تھے اور ایک اوپر ہوتی تھی جس کو رِدا کہتے تھے۔ کرتہ وغیرہ گرمی میں بہت کم استعمال کرتے تھے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ بیٹی! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کس دن ہوئی تھی؟ فرمایا ابا جی! سوموار والے دن۔ بیٹی! آج کون سا دن ہے؟ ابا جی! آج بھی سوموار ہی ہے۔ فرمایا میں آج جانے والا ہوں۔ بیٹی! یہ جو دو چادریں ہیں ان کو دھو لینا اور ایک اور چادر مہیا کر لینا اور مجھے ان تین چادروں میں کفنا دینا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا ابا جی! بیماریوں سے موت نہیں آتی موت اپنے وقت پر آتی ہے اور اگر موت کا وقت آ گیا تو ہم آپ کے لیے تین نئی چادریں لے لیں گے۔ فرمایا نہیں انھی دو چادروں کو دھونا ہے اور ایک اور چادر مہیا کرنی ہے کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ میرے گھر میں تین نئی چادروں کی توفیق نہیں ہے اور مرتے وقت میں بیت المال پر اپنے کفن کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ یہ ہیں خلیفہ راشد۔ خلافت راشدہ بڑی چیز ہے۔ اور آج صدر اور وزیروں کے گھپلے دیکھو، مشیروں کے گھپلے دیکھو۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فضیلت والے اپنے قریبی رشتہ داروں کو دینے سے نہ رکیں اور اس پر قسم نہ اٹھائیں معاف کر دیں اور درگزر کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں بخش دے اور معاف کر دے ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ جو تہمت لگاتے ہیں پاک دامن عورتوں پر ﴿الْغٰفِلٰتِ﴾ جو گناہوں سے غافل ہیں۔ جن کی طرف گناہ کی نسبت کی گئی ہے ان بے چاریوں کو پتا ہی نہیں کہ گناہ کب ہوا، کس نے کیا؟ ﴿الْمُؤْمِنٰتِ﴾ مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ﴿لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ ایسے لوگوں پر لعنت کی گئی دنیا اور آخرت میں۔ دنیا میں لعنت ایسے کہ ان کو اسی کوڑے لگے اور آخرت کا عذاب علیحدہ ہوگا ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔ کس دن ہوگا؟ ﴿يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ﴾ جس دن گواہی دیں گی ان کے خلاف ان کی زبانیں ﴿وَاَيْدِيْهِمْ﴾ اور ان کے ہاتھ گواہی دیں گے ﴿وَاَرْجُلُهُمْ﴾ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے ﴿بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اس کے بارے میں جو وہ کرتے رہے۔

یہاں اجمال ہے۔ دوسرے مقام پر آتا ہے کہ رب تعالیٰ مجرموں سے پوچھیں گے کہ تم نے گناہ کیا ہے تو وہ پہلے جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ [الانعام: ۲۳] "قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اے ہمارے رب ہم نے شرک نہیں

کیا۔" پھر کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ان کی زبانوں پر مہر لگادیں گے ہاتھ پاؤں بول کر گواہی دیں گے ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [یٰسین:۶۵] "ہم مہر لگادیں گے ان کے مونہوں پر اور کلام کریں گے ہمارے ساتھ ہمارے سامنے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے۔" ہاتھ پاؤں بولیں گے، چمڑے بولیں گے اس کے بعد پھر زبان بھی بولے گی۔ اس دن عذاب ہوگا۔ ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ﴾ پورا پورا دے گا ان کو اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ ﴿الْحَقَّ﴾ جو سچا ہے ﴿وَيَعْلَمُوْنَ﴾ اور وہ جان لیں گے ﴿اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سچا ہے حق کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ سب حقیقتیں کھول کر رکھ دے گا۔

﴿اَلْخَبِيْثٰتُ﴾ گندی عورتیں ﴿لِلْخَبِيْثِيْنَ﴾ گندے مردوں کے لیے ہوتی ہیں ﴿وَالْخَبِيْثُوْنَ﴾ اور گندے مرد ﴿لِلْخَبِيْثٰتِ﴾ گندی عورتوں کے لیے ہوتے ہیں ﴿وَالطَّيِّبٰتُ﴾ اور پاکیزہ عورتیں ﴿لِلطَّيِّبِيْنَ﴾ پاکیزہ مردوں کے لیے ہوتی ہیں ﴿وَالطَّيِّبُوْنَ﴾ اور پاکیزہ مرد ﴿لِلطَّيِّبٰتِ﴾ پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ﴾ وہ لوگ مبرہ اور منزہ ہیں ﴿مِمَّا﴾ ان تہمتوں سے ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ جو وہ کہتے ہیں ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ ان کے لیے بخشش ہے ﴿وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ اور عمدہ رزق ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَدْخُلُوْا﴾ نہ داخل ہو ﴿بُيُوْتًا﴾ گھروں میں ﴿غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ﴾ اپنے گھروں کے علاوہ ﴿حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا﴾ یہاں تک کہ تم اجازت لے لو ﴿وَتُسَلِّمُوْا﴾ اور سلام کہہ لو ﴿عَلٰۤى اَهْلِهَا﴾ ان گھر والوں پر ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یہی ﴿خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ تمھارے لیے بہتر ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا﴾ پس اگر نہ پاؤ تم ان گھروں میں سے کسی کو ﴿فَلَا تَدْخُلُوْهَا﴾ پس نہ داخل ہو تم ان گھروں میں ﴿حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ﴾ یہاں تک کہ تمھیں اجازت دی جائے ﴿وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ﴾ اور اگر تمھیں کہا جائے ﴿ارْجِعُوْا﴾ واپس چلے جاؤ ﴿فَارْجِعُوْا﴾ پس واپس لوٹ جاؤ ﴿هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ﴾ یہی چیز تمھارے لیے پاکیزہ ہے ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو ﴿عَلِيْمٌ﴾ خوب جانتا ہے ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ تم پر کوئی گناہ نہیں ہے ﴿اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا﴾ کہ داخل ہو تم ایسے گھروں میں ﴿غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ﴾ جو سکونت والے نہیں ہیں ﴿فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ﴾ ان میں تمھارا کچھ سامان ہے ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿مَا تُبْدُوْنَ﴾ اس چیز کو جو تم ظاہر کرتے ہو ﴿وَمَا تَكْتُمُوْنَ﴾ اور اس چیز کو جو تم چھپاتے ہو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ایمان والے مردوں کو ﴿يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں

﴿وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾ اور حفاظت کریں اپنی شرم گاہوں کی ﴿ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ﴾ یہی چیز ان کے لیے ستھری ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خبر دار ہے اس کارروائی سے جو وہ کرتے ہیں۔

آج کے درس کی پہلی آیت کریمہ ﴿اَلْخَبِيْثٰتُ﴾ سے لے کر ﴿رِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ تک کا تعلق واقعہ افک کے ساتھ ہے جو تم تفصیل کے ساتھ سن چکے ہو کہ منافقوں نے ام المومنین پر اتہام لگایا۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو جھڑکا کہ تم نے اتہام کیوں لگایا، یہ طوفان کیوں گھڑا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تنبیہ فرمائی کہ جب تم نے سنا تو یہ کیوں نہ کہا ﴿سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾۔

آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بہتان لگانے والوں اور ان کی تائید کرنے والوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو داغ دار کر رہے ہیں۔ کیوں کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں ہیں اور یہ بات بھی تم تفصیل کے ساتھ سن چکے ہو کہ یہ واقعہ ۵ ھ کا ہے۔ یہ سال بھی پورا گزرا اور پانچ سال اور گزرے تو تقریباً پانچ چھ سال بعد تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما رہے اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بدستور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی رہی ہیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی ان کے حجرے میں ہوئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دفن بھی ان کے کمرے میں ہوئے ہیں۔ وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! مجھے سہارا دو آپ رضی اللہ عنہا پیچھے بیٹھ گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لے لیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک ام المومنین رضی اللہ عنہا کی چھاتی کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ آئے ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک بہت زیادہ کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام جب بھی میرے پاس آتے ہیں تو دو چیزوں کی بڑی تاکید کرتے ہیں۔

① ایک مسواک کی کہ میں نے مسواک کر کے اپنے مسوڑے چھیل لیے ہیں۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے اس کا درجہ باقی نمازوں سے ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔

② دوسرا ہمسائے کے متعلق اتنی تاکید کرتے ہیں کہ مجھے اپنی جگہ وہم ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرنے کے بعد پڑوسی کو وارث بنا دیا جائے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں مسواک دیکھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمزور تھے زیادہ بول نہیں سکتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے سے سمجھ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کے طالب ہیں میں نے کہا حضرت! آپ مسواک چاہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہاں! میں نے اپنے بھائی سے مسواک لے کر اس کا سرا تھوڑا سا نرم کیا لیکن ابھی سخت تھا پھر میں نے دانتوں کے ساتھ چبا کر اس کو اچھی طرح نرم کیا اور اٹھی تا کہ دھو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! دھونے کی ضرورت نہیں ہے ایسے ہی مجھے دے دو۔ اس قدر محبت تھی اپنی اہلیہ سے۔ ظالموں نے کچھ بھی نہ سوچا، کسی شے کا بھی لحاظ نہ کیا اور تہمت لگا دی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلْخَبِيْثٰتُ﴾ گندی عورتیں ﴿لِلْخَبِيْثِيْنَ﴾ گندے مردوں کے لیے ہیں۔ تم نے عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہوئے یہ نہ سوچا کہ وہ کس کے نکاح میں ہیں ﴿وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ﴾ اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے ہیں ﴿وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ﴾ اور پاکیزہ اور پاک دامن عورتیں پاک دامن پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں ﴿وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ﴾ اور پاکیزہ اور پاک دامن مرد پاک دامن عورتوں کے لیے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاک دامن ہیں اور یقیناً ہیں تو تمہیں یقین کرنا چاہیے تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی پاک دامن ہیں۔ پھر دوسری شق ﴿اَلْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ﴾ پر بھی غور کرو کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کس کے نکاح میں ہیں؟ جمہور مفسرین آیت کا یہی ترجمہ اور تفسیر کرتے ہیں۔ اور بعض مفسرین کرام یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ وہ افعال اور کارنامے جو بُرے ہیں وہ خبیث مردوں کے لیے ہیں یعنی خبیث مرد خبیث کام کرتے ہیں اور پاکیزہ افعال اور کام پاکیزہ لوگ کرتے ہیں۔ یعنی اچھے آدمی اچھے کام کرتے ہیں اور بُرے آدمی بُرے کام کرتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ﴾ یہ جو لوگ بزرگ ہیں یہ بالکل بَری ہیں ان کاموں سے جو یہ منافق کہہ رہے ہیں۔ منافقوں نے جو تہمت لگائی ہے ام المومنین رضی اللہ عنہا پر ان کے والد اور والدہ پر یہ تمام بزرگ اس سے بَری ہیں ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ ان کی بخشش ہو چکی ہے ﴿وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے عمدہ اور نفیس رزق ہے جو انہیں برزخ میں، حشر میں اور جنت میں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت بیان فرمائی ہے لیکن بد باطن ابھی تک ان کو معاف نہیں کرتے۔

گزشتہ ہفتہ کے درس میں آپ نے شیعوں کی کتاب "حق الیقین" کا حوالہ سنا تھا اور لکھنے والا ان کا بہت بڑا مجتہد ہے جس کو یہ اُٹھا اُٹھا کر کہتے امام خمینی، امام خمینی۔ وہ اپنے شیعوں کو ترغیب دیتے ہوئے کہتا ہے جب تم نے کتابیں پڑھنی ہوں تو ملّا باقر کی پڑھو کیوں کہ وہ بڑا محقق اور محدث تھا، شیخ الاسلام تھا۔ تو ان کا شیخ الاسلام لکھتا ہے امام مہدی علیہ السلام غار سے نکل کر مدینہ طیبہ پہنچیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس کھڑے ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر سے نکل کر آپ کی بیعت کریں گے پھر ان کے ساتھ جو دو بت پڑے ہیں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو نکال کر باہر پھینکیں گے۔

تیسرا کام وہ یہ کریں گے کہ جنت البقیع میں جا کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی قبر کو اکھاڑ کر ان کو قبر سے نکال کر ان پر حد جاری کریں گے۔ یہ ہے ان کا مہدی، جس نے یہ کام کرنے ہیں معاذ اللہ تعالیٰ۔ او ظالمو! کس بات پر حد لگائیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حد کیوں نہ لگائی؟ رب تعالیٰ نے اٹھارہ آیتیں، دو رکوع ان کی صفائی میں کیوں نازل فرمائے؟ یہ رافضی بہت گندہ ترین اور انتہائی غلیظ فرقہ ہے۔

سورت کے آغاز میں حکم بیان ہوا تھا کہ غیر شادی شدہ مرد عورت اگر زنا کریں تو ان کو سو سو کوڑے مارو۔ پھر زنا کی تہمت لگانے والوں کی حد بیان فرمائی اسّی کوڑے۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ افک بیان فرمایا۔ اور لفظ لفظ میں ان کی صفائی بیان فرمائی۔

زنا کے اسباب

آگے اللہ تعالیٰ نے زنا کے اسباب بیان فرمائے ہیں۔ عموماً زنا کے اسباب یہی ہیں جو اگلے رکوع میں ہیں۔ یعنی جن

چیزوں کے بعد آدمی زنا میں مبتلا ہوتا ہے ان میں سے ایک چیز گھروں میں آنا جانا ہے یعنی مردوں عورتوں کا عام اختلاط ہے۔ پھر بدنظری بھی زنا کا ذریعہ ہے۔ عورت نے مرد کو دیکھا مرد نے عورت کو دیکھا خیالات خراب ہوئے نتیجہ برائی ہوئی۔ لڑکی لڑکے کا دیر تک نکاح نہ کرنا بھی برائی کا سبب ہے۔ ان تمام چیزوں کا ذکر آرہا ہے۔

☆ پہلا حکم...... ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ﴾ نہ داخل ہوا پنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں۔ کیوں کہ یہ آنا جانا عموماً خرابی کا باعث ہے ﴿حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا﴾ یہاں تک کہ تم اجازت لے لو۔ کسی کے گھر جاؤ تو اجازت لو ﴿وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَهْلِهَا﴾ اور سلام کہہ لو ان کے گھر والوں پر۔ اجازت لینا اس لیے ضروری ہے کہ عموماً عورتیں گھروں میں پردے کا اہتمام نہیں کرتیں مجبوری ہوتی ہے۔ کسی کا سر ننگا ہوگا، کوئی برتن صاف کر رہی ہوگی، کوئی کپڑے دھو رہی ہوگی، بازو ننگے ہوں گے، کسی کی ٹانگیں ننگی ہوں گی ایسی حالت میں جب غیر محرم آئے گا اس کی نگاہ پڑے گی خرابی پیدا ہوگی۔ اجازت مانگو گے وہ پردہ کرلے گی کپڑے درست کرلے گی۔ تو بلا اجازت کسی کے گھر میں جانا گناہ ہے اور ایسا کرنے والا قرآن کے حکم کو توڑنے والا ہے اور یہ بھی مسئلہ ہے کہ گلی والے دروازے کے آگے پردہ لٹکاؤ اگر کسی نے گھر کے آگے پردہ نہیں لٹکایا تو وہ گنہگار ہے۔ کیوں کہ گلی میں سے نیک، بدسب نے گزرنا ہے گھروں میں عورتوں کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ کسی کا سر ننگا، کسی کے بازو ننگے، کوئی کچھ کر رہی ہے کوئی کچھ کر رہی ہوتی ہے۔ لہٰذا جس نے اپنے گھر کے آگے پردہ نہ لٹکایا وہ گنہگار ہوگا۔

آدابِ ملاقات

تو پہلا حکم یہ ہے کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت مت جاؤ۔ اجازت لو اور اہل خانہ کو سلام کہو ﴿ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ﴾ یہ تمھارے لیے بہتر ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا﴾ پس اگر نہ پاؤ تم ان گھروں میں کسی کو کہ وہاں کوئی نہیں ہے ﴿فَلَا تَدْخُلُوْهَا﴾ پس نہ داخل ہوان گھروں میں۔ اور یہ معنٰی بھی کرتے ہیں کہ اگر تم نہ پاؤ گھروں میں ایسے شخص کو جس کو تم نے ملنا ہے اور گھر میں عورتیں بچے ہیں پھر داخل نہ ہو۔ کیوں کہ جس سے ملاقات کرنی ہے وہ تو گھر میں ہے نہیں تو تمھارے گھر میں داخل ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو فرمایا گھروں میں داخل ہو ﴿حَتّٰی یُؤْذَنَ لَكُمْ﴾ یہاں تک کہ تمھیں اجازت دی جائے۔ کیوں کہ بعض دفعہ ملاقاتی دور سے آتے ہیں انھوں نے لازمی ملنا ہوتا ہے لہٰذا گھر کے افراد اگر تمھیں اجازت دے دیں بیٹھک میں بٹھا دیں تو بیٹھک میں بیٹھ جاؤ لیکن اندر عورتیں ہیں بچے ہیں وہاں تمھیں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اجازت کا یہ مطلب ہے۔ ﴿وَاِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا﴾ اور اگر تمھیں کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ ﴿فَارْجِعُوْا﴾ تو پس واپس لوٹ جاؤ ﴿هُوَ اَزْكٰی لَكُمْ﴾ یہی چیز تمھارے لیے پاکیزہ ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ جس کی ملاقات کے لیے گئے ہیں وہ سویا ہوا ہے، آرام کر رہا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ اس کو اٹھاؤ جی! عربی کا مشہور مقولہ ہے:

صاحب الغرض مجنون "غرض مند دیوانہ ہوتا ہے۔"

اس کے سامنے صرف اپنی حاجت ہی ہوتی ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ وہ آرام کر رہا ہے معلوم نہیں وہ کتنا تھکا ماندہ آیا ہے اور آرام کرنا جسم کا حق ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ((اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ وَ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ وَ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ)) "بے شک آپ کے بدن کا بھی آپ پر حق ہے، ور آپ کی آنکھوں کا بھی آپ پر حق ہے اور آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے۔" اگر بدن کی صحت کا خیال نہیں رکھو گے تو بیمار ہونا تو اپنی جگہ رہا ہی ساتھ گنہگار بھی ہو جاؤ گے۔ اس لیے گنہگار ہو گے کہ تم نے رب تعالیٰ کی امانت کی حفاظت نہیں کی۔ یہ وجود رب تعالیٰ کی امانت ہے اپنا نہیں ہے۔ اگر اپنا ہوتا تو خودکشی جا ہوتی لیکن خودکشی حرام ہے۔ اور یاد رکھنا! جب سڑک سے گزرو تو احتیاط کے ساتھ گزرو بدن کی حفاظت کرو۔ اگر بے احتیاطی کے ساتھ گزرو گے تو جان الگ ضائع ہو گی [illegible] گنہگار ہو گا۔ اس لیے کہ تم نے رب تعالیٰ کی امانت کی حفاظت نہیں کی۔

اسی لیے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسراف کا ایک معنیٰ ہے کہ بندہ حد سے زیادہ کھائے اور ایک معنیٰ یہ بھی ہے کہ ضرورت سے کم کھائے کہ جس سے صحت برقرار نہ رہ سکے۔ یہ بھی وَلَا تُسْرِفُوْا کی مد میں ہے۔ وَلَا تُسْرِفُوْا کی مد میں لکھتے ہیں کہ اتنا کم کھاتا ہے کہ صحت برقرار نہیں رہتی یا ایسی چیزیں کھاتا ہے کہ صحت برقرار نہیں رہتی تو یہ بھی گناہ ہے۔ کیوں کہ جب ٹھیک نہیں ہو گی تو نماز کیسے پڑھو گے، روزہ کیسے رکھو گے، کمائی کیسے کرو گے، گھر والوں کی خدمت کیسے کرو گے؟ مذہب اسلام عین فطرت کے مطابق ہے۔ تو فرمایا کہ اگر تمھیں کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ۔ یہ بات تمھارے لیے پاکیزہ ہے ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو جانتا ہے۔

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ نہیں ہے تم پر کوئی گناہ ﴿اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا﴾ یہ کہ داخل ہو تم ایسے گھروں میں ﴿غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ﴾ جو سکونت والے نہیں ہیں، جہاں عورتیں وغیرہ نہیں ہیں۔ مسافر خانہ ہے، مسجد ہے، ہوٹل وغیرہ ہے ایسے گھروں میں تمھیں داخل ہونے کی اجازت ہے ﴿فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ﴾ اس میں تمھارا سامان ہو۔ مسجد، مسافر خانہ میں آنے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہوسٹل ہے چند ساتھی کمرے میں رہتے ہیں وہاں تمھارا سامان ہے تو تمھیں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو ﴿وَمَا تَكْتُمُوْنَ﴾ اور جو تم چھپاتے ہو۔ تو پہلا حکم یہ ہوا کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے نہ جاؤ اور اس کی پوری تفصیل بیان ہوئی۔

☆ دوسرا حکم...... ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ آپ کہہ دیں مومن مردوں کو ﴿يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: ((يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَ فَاِنَّ لَكَ الْاُوْلٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الثَّانِيَةُ)) "اے علی! دوبارہ نہ دیکھو پہلی دفعہ دیکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے دوسری دفعہ دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔" آدمی راستے پر جا رہا ہے تو دیکھے گا۔ بندہ ہے، گدھا ہے یا اور کوئی چیز ہے، اس میں عورت پر نگاہ پڑ گئی تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ دوبارہ قصداً، ارادے سے نگاہ نہیں اُٹھانی ﴿وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾ اور حفاظت کریں اپنی شرم گاہوں کی ﴿ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ﴾ یہی چیز ان

کے لیے ستھری ہے۔ کیوں کہ بدنظری بھی گناہ کا ذریعہ ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خبردار ہے اس کارروائی سے جو وہ کرتے ہیں۔ کل کے سبق میں عورتوں کے متعلق آئے گا کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

﴿وَقُلْ﴾ اور آپ کہہ دیں ﴿لِّلْمُؤْمِنٰتِ﴾ مومن عورتوں کو ﴿یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ پست رکھیں اپنی نگاہوں کو ﴿وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾ اور حفاظت کریں اپنی شرم گاہوں کی ﴿وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ﴾ اور ظاہر نہ کریں اپنی زینت کو ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ مگر وہ جو ظاہر ہے اس سے ﴿وَلْیَضْرِبْنَ﴾ اور چاہیے کہ لٹکائیں ﴿بِخُمُرِهِنَّ﴾ اپنی چادریں ﴿عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ﴾ اپنے گریبانوں پر ﴿وَلَا یُبْدِیْنَ﴾ اور ظاہر نہ کریں ﴿زِیْنَتَهُنَّ﴾ اپنی زینت ﴿اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ﴾ مگر اپنے خاوندوں کے سامنے ﴿اَوْ اٰبَآئِهِنَّ﴾ یا اپنے باپوں کے سامنے ﴿اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ﴾ یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے سامنے ﴿اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ﴾ یا اپنے بیٹوں کے سامنے ﴿اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ﴾ یا اپنے خاوند کے بیٹوں کے سامنے ﴿اَوْ اِخْوَانِهِنَّ﴾ یا اپنے بھائیوں کے سامنے ﴿اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ﴾ یا اپنے بھتیجوں کے سامنے ﴿اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ﴾ یا اپنے بھانجوں کے سامنے ﴿اَوْ نِسَآئِهِنَّ﴾ یا اپنی مسلمان عورتوں کے سامنے ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ﴾ یا وہ جن کے مالک ہیں ان کے داہنے ہاتھ ﴿اَوِ التّٰبِعِیْنَ﴾ یا خدمت میں مشغول رہنے والوں کے ﴿غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ﴾ جو خواہش نہیں رکھتے ہیں ﴿مِنَ الرِّجَالِ﴾ مردوں میں سے ﴿اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ﴾ یا وہ بچے ﴿لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ﴾ جو مطلع نہیں ہوئے عورتوں کے پردے پر ﴿وَلَا یَضْرِبْنَ﴾ اور نہ ماریں ﴿بِاَرْجُلِهِنَّ﴾ اپنے پاؤں ﴿لِیُعْلَمَ﴾ تاکہ معلوم ہو جائے ﴿مَا یُخْفِیْنَ﴾ وہ جس کو وہ مخفی رکھتی ہیں ﴿مِنْ زِیْنَتِهِنَّ﴾ اپنی زینت سے ﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ اور توبہ کرو اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿جَمِیْعًا﴾ سب کے سب ﴿اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اے مومنو! ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰی مِنْكُمْ﴾ اور نکاح کر دو جو تم میں سے بے نکاح ہوں ﴿وَالصّٰلِحِیْنَ﴾ اور نیک ہیں ﴿مِنْ عِبَادِكُمْ﴾ تمھارے غلاموں میں سے ﴿وَاِمَآئِكُمْ﴾ اور لونڈیوں میں سے ﴿اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ﴾ اگر وہ محتاج ہوں گے ﴿یُغْنِهِمُ اللّٰهُ﴾ تو غنی کر دے گا اللہ تعالیٰ ان کو ﴿مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اپنے فضل سے ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، جاننے والا ہے۔

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ وہ کون سے اسباب اور ذرائع ہیں جو برائی میں مبتلا کرتے ہیں ان میں سے ایک ہے گھروں میں آمد و رفت اور مردوں اور عورتوں کا اختلاط۔ اس کی تفصیل تم کل سن (اور پڑھ) چکے ہو۔ دوسری چیز بدنظری ہے۔ یہ نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ اپنی نگاہوں کو پست رکھو اور اپنی

شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔اسی کے متعلق آج عورتوں کو حکم ہے۔

حفاظت نظر

فرمایا﴿ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ ﴾ اور آپ کہہ دیں مومن عورتوں کو ﴿ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ﴾ پست رکھیں اپنی نگاہوں کو ﴿ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ﴾ اور حفاظت کریں اپنی شرم گاہوں کی۔قصداً اور ارادۃً بری نیت سے مرد کا عورت کو دیکھنا اور عورت کا مرد کو دیکھنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ چلتے چلتے غیر ارادی طور پر نگاہ پڑ جائے تو اس پر کوئی گرفت نہیں ہے لیکن قصداً اور ارادۃً دوبارہ دیکھا تو اس پر گرفت ہوگی۔ آنحضرت ﷺ کی دو بیویاں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کے کمرے میں تھیں نابینا صحابی حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا۔فرمایا کون؟ کہا جی میں ابن ام مکتوم ہوں کوئی بات کرنی ہے۔آنحضرت ﷺ نے اپنی بیویوں کو فرمایا:((قُوْمَا فَاحْتَجِبَا)) "دونوں اُٹھو پردے میں ہو جاؤ۔" یہ جانتی تھیں آنے والا نابینا ہے۔ کہنے لگیں حضرت! اَلَيْسَ هُوَ رَجُلٌ اَعْمٰى "کیا یہ شخص اندھا نہیں ہے؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((اَفَعُمْيَاوَانِ اَنْتُمَا)) "کیا تم بھی اندھی ہو، جاؤ پردے میں چلی جاؤ۔"

اس میں آپ ﷺ نے یہ سبق دیا کہ نہ دیکھنے کا حکم جس طرح مردوں کے لیے ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہے۔قرآن کا بھی یہی حکم ہے اور رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی حکم ہے کہ مرد اور عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں ﴿ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ﴾ اور حفاظت کریں اپنی شرم گاہوں کی۔اپنی عفت اور ناموس پر داغ نہ لگنے دیں ﴿ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ اور ظاہر نہ کریں اپنی زینت کو مگر وہ جو ظاہر ہے اس سے۔مطلب یہ ہے کہ عورت اپنی بناوٹی زیب و زینت یا بناؤ سنگھار کو غیر محرموں کے سامنے ظاہر نہ کرے یہ چیز فتنے کا باعث بنتی ہے۔مگر وہ زینت جو ظاہر ہو مثلاً: انگوٹھی پہنی ہوئی ہے، تِلّے والی جوتی پہنی ہوئی ہے۔اب ظاہر بات ہے کہ چلتے ہوئے تِلّے والی جوتی اور انگوٹھی کو تو نہیں چھپا سکتی۔

اسی طرح بعض عورتوں نے نقش و نگار اور بیل بوٹے والی چادریں اوڑھی ہوتی ہیں تو وہ ان کو تو نہیں چھپا سکتیں۔ان کو کہاں جیب میں ڈالیں گی۔شلوار کے پائینچوں پر کڑھائی کی ہوتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ان کو چھپا نہیں سکتی ﴿ وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ ﴾ اور چاہیے کہ لٹکائیں اپنی چادریں۔خُمُرٌ خِمَار کی جمع ہے۔جس کا معنیٰ دوپٹا اور چادر ہے۔لٹکالیں اپنے دوپٹوں کو، چادروں کو ﴿ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾ اپنے گریبانوں پر۔ان کی چھاتی اور گلے کا کوئی حصہ ننگا نہ ہو۔اور یہ مسئلہ یاد رکھنا کہ ایسا باریک دوپٹا کہ جس سے بال نظر آئیں وہ عورت کے لیے پہننا صرف حرام ہی نہیں بلکہ قطعاً اور یقیناً اس کے اوڑھنے سے نمازیں بھی نہیں ہوتیں۔

ایک اہم مسئلہ

مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں۔ایسا باریک لباس کہ جس سے بدن نظر آئے عورت کے لیے پہننا حرام ہے۔جیسے عورتیں ناخن پالش لگالیں تو نہ وضو ہوتا ہے نہ نماز ہوتی ہے نہ ان کا قرآن پاک کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔اس حالت میں عورتوں نے جتنی

نمازیں پڑھی ہیں وہ سب ان کی گردن پر ہیں۔ لمبے لمبے ناخنوں کے ساتھ نماز پڑھنا بھی حرام ہے کیوں کہ ان کے نیچے میل کچیل جمع ہو جاتا ہے جس سے ناخنوں کے نیچے والی جگہ تر نہیں ہوتی حالاں کہ غسل اور وضو میں نیچے والی جگہ کا تر کرنا فرض ہے۔ یہ بظاہر چھوٹے چھوٹے مسئلے ہیں مگر ان پر نمازیں موقوف ہیں، دین موقوف ہے۔ عورت کے ہاتھ کی کلائی، گٹ، ستر میں شامل ہے۔ عورت کا سر بھی ستر میں شامل ہے۔ اگر قمیص کلائی سے بقدر دو انگلیاں بھی پیچھے ہوئی تو نماز نہیں ہوگی، کان ننگے ہوئے تو پھر بھی نماز نہیں ہوگی، سر کے بالوں کا چوتھائی حصہ بھی ننگا ہوا تو نماز قطعاً نہیں ہوگی۔ یہ مسائل نہ بھولنا ایسے نہ ہو کہ ٹکریں بھی مارتی رہو اور نمازیں پھر بھی تمھاری گردن پر ہوں۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ ناک میں جو کوکا ہوتا ہے وضو کرتے وقت کوکے، کے سوراخ میں پانی نہ پہنچے تو وضو نہیں ہوتا، قطعاً نہیں ہوتا۔ اچھی طرح اس سوراخ میں پانی پہنچے گا تو وضو ہوگا۔ غسل کے وقت اگر پانی اس سوراخ میں نہیں پہنچائی گا تو غسل نہیں ہوگا ہرگز نہیں ہوگا۔ اسی طرح کانوں میں بالیوں اور کانٹوں کے لیے جو سوراخ ہیں ضروری غسل میں اگر ان کے اندر پانی نہ گیا تو غسل نہیں ہوگا اور ظاہر بات ہے کہ جب وضو اور غسل نہیں ہوگا تو نماز بھی نہیں ہوگی۔ جہالت کا دور دورہ ہے لوگ دین سے ناواقف ہیں۔ ان مسائل کی اتنی اشاعت کرو کہ ہر ہر بچی کو معلوم ہونے چاہییں تاکہ تمھاری ہماری گرفت نہ ہو۔

تو فرمایا کہ اپنی چادریں اپنے گریبانوں میں ڈال لیں تاکہ گردن کا کوئی حصہ غیر محرم کو نظر نہ آئے ﴿وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ﴾ اور ظاہر نہ کریں اپنے بناؤ سنگار کو ﴿اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ﴾ بعوله بعل کی جمع ہے۔ بعل خاوند کو کہتے ہیں مگر اپنے خاوندوں کے سامنے زینت کو ظاہر کریں ﴿اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ﴾ یا وہ عورتیں اپنے باپوں کے سامنے۔ باپ ہے، دادا ہے، چچا ہے، آباء واجداد سارے اس میں آ گئے ﴿اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ﴾ یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے سامنے۔ وہ ان کے لیے باپ کے درجے میں ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ سسر سے چہرہ کس طرح چھپا سکتی ہے؟ یا وہ زیور جو انھوں نے ڈالے ہیں کس طرح چھپا سکتی ہے ﴿اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ﴾ یا اپنے بیٹوں کے سامنے بھی اظہار زینت کا کوئی گناہ نہیں ہے ﴿اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ﴾ یا اپنے خاوند کے بیٹوں کے سامنے جو دوسری بیویوں کے سوتیلے بیٹے ہیں ان سے بھی کوئی پردہ نہیں ہے ﴿اَوْ اِخْوَانِهِنَّ﴾ یا اپنے بھائیوں کے سامنے چاہے حقیقی بھائی ہوں چاہے باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے ہوں ان سے بھی کوئی پردہ نہیں ہے اور اظہار زینت کوئی گناہ نہیں ہے ﴿اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ﴾ یا اپنے بھائی کے بیٹوں یعنی بھتیجوں کے سامنے زینت ظاہر کرے۔ کانٹے چوڑیاں ظاہر ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے ﴿اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ﴾ یا اپنی بہنوں کے بیٹوں یعنی بھانجوں کے سامنے، یہ بھی حرم ہیں ان کے سامنے بھی زینت کا اظہار کر سکتی ہیں ﴿اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ﴾ یا اپنی عورتوں کے سامنے۔

یہ مسئلہ اچھی طرح یاد رکھنا! کہ خطاب رب تعالیٰ نے مومن عورتوں کو کیا ہے ﴿وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ، نِسَآىِٕهِنَّ﴾ کی ضمیر بھی مومنات کی طرف لوٹتی ہے۔ تو اپنی عورتوں سے مراد مومن عورتیں ہیں کہ مومن عورتوں کے سامنے بھی اظہار زینت کوئی گناہ نہیں ہے اور غیر مسلم ناپاک ہیں ان سے اسی طرح پردہ ہے جس طرح غیر محرم سے پردہ ہے۔ گھروں میں جو عیسائی عورتیں آتی ہیں ان

سے پردہ کرنا ہے ان کے سامنے۔ زینت کا اظہار نہیں کر سکتیں، ان کے سامنے مومن عورتیں سر ننگا نہیں کر سکتیں، بازو ننگے نہیں کر سکتیں ﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾ یا وہ جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ۔

حضرت امام سائی رحمۃ اللہ علیہ اس کا معنیٰ بیان کرتے ہیں "نہ غلاموں سے پردہ ہے اور نہ لونڈیوں سے پردہ ہے۔" امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اس سے لونڈیاں مراد ہیں چاہے وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ہوں آقا اور سیدہ کا ان سے کوئی پردہ نہیں ہے۔ غلام ہوں تو ان سے پردہ ہے۔" رئیس التابعین حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ﴿مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾ سے مراد اَلْإِمَاءُ دُوْنَ الْعَبِيْدِ "اس سے لونڈیاں مراد ہیں غلام مراد نہیں ہیں۔" کیوں کہ پردے کی اصل علت یہ ہے کہ اختلاط نہ ہو۔ غلام گھر میں آئے جائے گا خاوند کسی وقت گھر ہوتا ہے اور کسی وقت نہیں ہوتا اور شیطان شیطان ہے۔ لہٰذا غلام سے پردہ ہے۔

﴿أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ﴾ یا وہ تابع جو حاجت والے نہیں ہیں مردوں میں سے۔ وہ کام کرنے والے، خدمت کرنے والے جوان حدود سے نکل چکے ہیں جو خواہشات کی ہیں یا تم نے شاہ دولے کے چوہے دیکھے ہوں گے جو بے چارے بالکل سیدھے سادھے ہوتے ہیں ان کو کوئی سمجھ نہیں ہوتی۔ ایسے ہوں تو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یا وہ شخص جس کے ہوش وحواس نہ ہوں اور وہ جنسی خواہش کو نہ سمجھتا ہو اس سے بھی پردہ نہیں ہے ﴿أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ﴾ یا وہ بچے ﴿لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ﴾ جو عورتوں کے پردے کی جگہوں پر مطلع نہیں ہوئے۔ چار پانچ سال کا بچہ ہے چھ سال کا ہے اس سے کوئی پردہ نہیں ہے لیکن آج کل تو فلمی دور ہے ماشاء اللہ چھوٹے چھوٹے بچے وہ باتیں کرتے ہیں کہ ہم بوڑھوں کو بھی نہیں آتیں، سن کر حیرت ہوتی ہے۔

مغربی تہذیب سے معاشرے میں بگاڑ

یاد رکھو! اس مغربی تہذیب نے سارا ماحول بدل کر رکھ دیا ہے۔ ایک وہ دور تھا کہ تنہا ترکی نے پانچ سو سال تک سارے یورپ کو آگے لگائے رکھا کیوں کہ ایمان اور اخلاق کی قوت تھی۔ ان خبیث قوموں نے سوچا کہ مسلمانوں کو اس طرح تو دنیا سے نہیں مٹایا جا سکتا ان سے معاہدے کر کے ان کی تہذیب وتمدن کو، اخلاق کو مٹاؤ۔ اس میں وہ فوجی لڑائی سے زیادہ کامیاب ہوئے۔ پاکستان بننے سے لے کر اب تک پاکستان میں جتنے حکمران آئے سب انھی کے ذہن کے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ وہ گورے انگریز ہیں اور یہ کالے انگریز ہیں۔ ان خبیث قوموں نے مسلمانوں کے ذہن بگاڑ دیے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف اتنی نفرت پیدا کر دی ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اردن کو شام سے نفرت ہے شام کو مصر سے نفرت ہے مصر کو اس سے نفرت ہے حالت یہ ہے کہ یہ کافروں کے ساتھ مل سکتے ہیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نہیں مل سکتے۔

اس نفرت میں کافروں کے اپنے مقاصد ہیں اور ان کافروں نے ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہمارا ماحول خراب کر دیا ہے۔ ٹی وی اور وی، سی، آر (کیبل، ڈش وغیرہ) کے ذریعے، کھیلوں کے ذریعے بچوں کے ذہن بگاڑ دیے ہیں۔ ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے عورتیں آ کر کہتی ہیں کہ بچے پڑھتے نہیں ہیں ان کے لیے دعا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ دو کام تم کرو تیسرے کے لیے ہم دعا

کرتے ہیں۔ ٹی وی توڑ دو، کھیلیں ختم کرو پھر ہم ان کے پڑھنے کے لیے دعا کریں گے۔ بے شک ضرورت کے مطابق کھیل بھی ہے لیکن یہ کہ چوبیس گھنٹے کھیل ہی ہو یہ غلط ہے۔

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ﴾ اور نہ ماریں عورتیں اپنے پاؤں ﴿لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ﴾ تا کہ معلوم ہو جائے جس کو وہ مخفی رکھتی ہیں ﴿مِنْ زِيْنَتِهِنَّ﴾ اپنی زینت سے۔ بعض علاقوں میں عورتیں پازیب پہنتی ہیں جس کو جھانجھر بھی کہتے ہیں۔ پاؤں زور سے مارنے سے ان کی آواز آتی ہے۔ تو زور سے پاؤں نہ ماریں کہ ان کی آواز سے دوسروں کو پتا چلے پازیبوں کا۔ پازیبوں کے متعلق فقہی طور پر مسئلہ یہ ہے کہ اگر اندر سے خالی ہوں اور ان میں سنگ ریزے ڈالے ہوئے ہوں جو بجتے ہیں تو ایسی پازیبیں حرام ہیں۔ اور اگر اندر سے ٹھوس ہوں لیکن ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرانے سے آواز پیدا ہوتی ہو تو یہ جائز ہیں لیکن عورت کو زور سے پاؤں نہیں مارنا چاہیے کہ آواز پیدا ہو۔ ﴿وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو سب کے سب ﴿اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اے ایمان والو! ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔

برائی کے اسباب

یہاں تک ان دو چیزوں کا ذکر تھا جو برائی کا سبب بنتی ہیں۔ ایک گھروں میں بے تحاشا آنا جانا اور دوسرا نگاہ کو پست نہ رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ اب تیسری چیز کا ذکر ہے۔ بسا اوقات بچی بچے کی بروقت شادی نہ کرنا یہ بھی گناہ کا سبب بن جاتا ہے۔ کیوں کہ جنسی خواہشات تو اللہ تعالیٰ نے سب میں رکھی ہیں اس لیے حکم ہے کہ بچی بچہ جب جوان ہوں تو فوراً شادی کر دو۔ بعض علاقے اس سلسلے میں بہت اچھے ہیں جیسے صوبہ سرحد (اب اس کا نام خیبر پختونخواہ رکھ دیا گیا ہے) چودہ پندرہ سال سے اوپر لڑکی لڑکے کو نہیں جانے دیتے۔ اور پنجاب میں یہ بیماری دیکھی ہے کہ بچیوں کی عمریں تیس تیس (۳۰،۳۰) پینتیس پینتیس (۳۵،۳۵) سال ہو گئی ہیں اور ابھی تک بیٹھی ہیں۔ یہ ماں باپ گنہگار ہیں۔ لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد ماں باپ کو فکر ہونی چاہیے اور جب تک اس فریضہ سے فارغ نہ ہو جائیں نیند نہیں آنی چاہیے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾۔ ایامیٰ ایّم کی جمع ہے۔ ایّم کا معنیٰ ہے جس کا نکاح نہ ہوا ہو۔ یہ مرد پر بھی بولا جاتا ہے اور عورت پر بھی بولا جاتا ہے۔ تو معنیٰ ہو گا جن کے نکاح نہیں ہوئے ان کے نکاح فوراً کرا دو۔ ﴿وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ﴾ اور جو نیک ہیں تمھارے غلاموں میں سے یہ نہ خیال کرو کہ یہ غلام ہیں وہ بھی انسان ہیں ان کے بھی نکاح کرا دو تا کہ برائی پیدا نہ ہو ﴿وَاِمَآئِكُمْ﴾ اور لونڈیوں میں سے۔ لونڈیوں کے بھی نکاح کرا دو تا کہ برائی پیدا نہ ہو۔ یہ تمام اصول رب تعالیٰ نے ہمیں قرآن پاک میں بتلائے ہیں اگر ہم ان پر عمل کریں تو کبھی برائی کی نوبت نہ آئے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ لڑکے کے پاس کچھ نہیں ہے وہ خود کہاں سے کھائے، بیوی کو کہاں سے کھلائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ﴾ اگر وہ محتاج ہوں گے جن کا تم نے نکاح کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾

غنی کر دے گا اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے۔ ایک تو غیبی سبب ہے اور ایک ظاہری سبب ہے وہ یہ کہ جب تک آدمی پر بوجھ نہ پڑے اہل وعیال کا تو بندہ بے فکر رہتا ہے محنت مزدوری کی طرف توجہ نہیں کرتا اور جب اس کے سر پر بوجھ پڑ جائے شادی ہو جائے تو وہ فکر مند ہو جاتا ہے کہ میں نے کچھ کرنا ہے بشرطیکہ بے غیرت اور ہڈحرام نہ ہو۔

حضرت لقمان حکیم سے تین سوال

لقمان حکیم ایک بڑے نیک بزرگ تھے ان کے نام پر قرآن کریم میں ایک سورت ہے سورت لقمان، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ان سے پوچھا گیا کہ حضرت! آپ ہمارے تین سوالوں کا جواب دیں۔

☆ ...... ایک یہ کہ انسانوں میں سے بُرا کون ہے؟ فرمایا انسانوں میں برا وہ ہے جو ہڈحرام ہو۔

☆ ...... حضرت! یہ بتلائیں کہ انسان کے بدن میں سب سے اچھا عضو کون سا ہے؟ فرمایا زبان۔

☆ ...... تیسرا سوال یہ ہے کہ انسانی اعضا میں سب سے بُرا عضو کون سا ہے؟ فرمایا زبان۔

تو زبان اچھی بھی ہے اور بُری بھی ہے۔ لہٰذا اگر لڑکا ہڈحرام نہیں ہوگا تو کام کرے گا۔ پھر بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ عورت خوش نصیب ہوتی ہے اس کے ساتھ بھی کچھ مال آ جاتا ہے اس کی برکت سے بھی آدمی کا کام چل جاتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ غنی کر دے گا اپنے فضل کے ساتھ ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، جاننے والا ہے۔ یہ تمام مسائل روزمرہ کے ہیں ان کو یاد کرو، ان کی نشر واشاعت کرو تا کہ معاشرہ سنور جائے۔

﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ﴾ اور چاہیے کہ گناہ سے بچیں ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ﴿لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا﴾ جو نہیں پاتے نکاح کی طاقت ﴿حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ﴾ یہاں تک کہ غنی کر دے ان کو اللہ تعالیٰ ﴿مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اپنے فضل سے ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ غلام ﴿يَبْتَغُوْنَ﴾ جو چاہتے ہیں ﴿الْكِتٰبَ﴾ مکاتبت ﴿مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ ان میں سے جن کے مالک ہیں تمھارے دائیں ہاتھ ﴿فَكَاتِبُوْهُمْ﴾ پس تم ان کو مکاتب بنالو ﴿اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا﴾ اگر جانتے ہو تم ان میں بھلائی ﴿وَّاٰتُوْهُمْ﴾ اور دو ان کو ﴿مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے مال سے ﴿الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾ وہ جو رب تعالیٰ نے تمھیں دیا ہے ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا﴾ اور مجبور نہ کرو ﴿فَتَيٰتِكُمْ﴾ اپنی لونڈیوں کو ﴿عَلَى الْبِغَآءِ﴾ برائی پر ﴿اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ جب کہ وہ ارادہ رکھتی ہیں پاک دامنی کا ﴿لِّتَبْتَغُوْا﴾ تا کہ تم تلاش کرو ﴿عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی کا سامان ﴿وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ﴾ اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ﴾ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد ﴿غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ﴾ اور البتہ

تحقیق ہم نے نازل کیں تمھاری طرف ﴿اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ﴾ کھلی آیتیں ﴿وَّ مَثَلًا﴾ اور مثال ﴿مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا﴾ ان لوگوں کی جو گزر چکے ہیں ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ تم سے پہلے ﴿وَمَوْعِظَةً﴾ اور نصیحت ﴿لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ پرہیزگاروں کے لیے۔

اس رکوع کے ابتدائی حصے میں ان اہم اور ضروری چیزوں کا ذکر تھا جو عموماً بدکاری کا سبب بنتی ہیں۔ مرد، عورت کا اختلاط، نگاہ کا غلط اُٹھنا، دیر سے نکاح کا کرنا۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا﴾ اور چاہیے کہ برائی سے، بدکاری سے، زنا سے بچیں وہ لوگ جو نہیں پاتے نکاح کی طاقت۔ جوان ہیں، صحت مند ہیں لیکن ابھی نکاح کا کوئی سبب نہیں بنا ان کو بدکاری سے بچنا چاہیے۔ بچنے کے کئی طریقے ہیں۔

برائی سے بچنے کا طریقہ

ایک یہ کہ روزہ رکھے۔ حدیث پاک میں آتا ہے ((فَاِنَّ الصَّوْمَ لَهٗ وِجَآءٌ))"پس بے شک روزہ اس کے شہوت کے مادے کو کچل کے رکھ دے گا۔"

عورتوں کے ساتھ اختلاط سے بچے، تانک جھانک سے بچے۔ بُرائی پر آمادہ ہونے کے جو اسباب ہیں ان سے بچے ﴿حَتّٰى یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دے اپنے فضل سے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس مومن نے اپنی ضروریات کے لیے قرضہ لے کر خرچ کر لیا اور وہ قرض واپس کرنے میں مخلص ہے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کے قرض کی ادائیگی کے اسباب پیدا فرمائے گا اور جو شخص گناہ سے بچے اور اخلاص کے ساتھ رب تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کے نکاح کے اسباب پیدا فرمائے گا۔ مگر ہم لوگ بڑے جلد باز ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہماری زبان سے ابھی دعا کے الفاظ ختم نہ ہوں اور مراد پہلے پوری ہو جائے۔ رب، رب ہے ہم نے اسی سے مانگنا ہے۔ اس کے سوا تو اور کوئی دروازہ بھی نہیں ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور مثنوی شریف

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں ۶۰۴ھ میں ان کی پیدائش ہوئی ہے بلخ کے علاقے میں۔ پھر ہجرت کر کے روم کے قونیہ شہر میں چلے گئے۔ والد فوت ہو گئے تھے یتیم تھے استعداد بہت اچھی تھی۔ علم حاصل کیا اور مثنوی شریف کتاب لکھی کہ فارسی زبان میں اس کی نظیر نہیں ملتی اس میں انھوں نے اخلاقیات، تصوف، علم کلام، علم فقہ وغیرہ تمام علوم کو جمع کر دیا ہے۔ مثنوی شریف میں اٹھائیس ہزار (۲۸۰۰۰) اشعار ہیں، حکایات کے ساتھ سمجھاتے ہیں۔

مومن کی مثال

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک آدمی نے مولانا جلال الدین رومی سے پوچھا کہ حضرت! ہمارا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ نیک

لوگوں کو تکلیفیں زیادہ ہوتی ہیں اور بروں کو کم۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث کی روشنی میں بات کرتے ہوئے جواب دیا۔ بخاری وغیرہ میں حدیث ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی مثال کچی کھیتی کی ہے۔ کچی فصل پر جب ہوائیں چلتی ہیں تو وہ اسے دائیں بائیں جھکا دیتی ہیں اور کبھی زمین پر لٹا دیتی ہیں اور منافق کی مثال چیڑ کے درخت کی ہے ہوائیں چلیں، آندھی آئے اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ لیکن طوفان اس کو ایک ہی جھٹکے میں اکھاڑ دے گا۔ تو مومن کو طرح طرح کی تکلیفیں آتی ہیں۔ بدنی تکلیفیں، مالی تکلیفیں، خانگی تکلیفیں، اولاد کی طرف سے، برادری کی طرف سے، محلے والوں کی طرف سے ہمسایوں کی طرف سے، ملکی سطح پر تکالیف میں مبتلا رہتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت سے پوچھا گیا: ((اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَآءً)) "انسانوں میں سے سب سے زیادہ تکلیفیں کن کو پیش آئی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیائے کرام کو ((ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ)) پھر وہ جو رتبے اور مرتبے میں قریب ہیں ان کو تکلیفیں آتی ہیں۔" ((یُبْتَلَی الرَّجُلُ عَلٰی قَدْرِ دِیْنِہٖ)) "جتنا کسی میں دین ہوتا ہے اتنا ہی اس کا امتحان ہوتا ہے۔" پھر آگے ایک خاص بات فرماتے ہیں کہ تم نے دیکھا ہوگا کہ طوطے اور بلبل کی آوازیں بہت پیاری ہوتی ہیں۔ لوگوں نے آوازیں سننے کے لیے طوطے اور بلبلیں پنجروں میں رکھی ہوتی ہیں اور کوے اور اُلو کو کسی نے پنجرے میں بند کر کے نہیں رکھا۔ یہی حال مومن کا ہے کہ مومن کی آواز رب تعالیٰ کو بہت پسند ہے جب وہ مشکل میں ہوتا ہے اور کہتا ہے یا اللہ! اس آواز کے لیے رب تعالیٰ اس کو تکالیف اور پریشانیوں کے پنجرے میں بند کرتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے جب وہ عاجزی اور زاری کے ساتھ رب تعالیٰ کے سامنے آوازیں نکالتے ہیں۔ منافق اور کافر نے کون سی رب تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنی ہے کہ اس کو تکلیفوں میں مبتلا کرے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو غنی کر دے گا اپنے فضل سے ﴿وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ﴾ اور جو چاہتے ہیں مکاتبت ان میں سے جن کے مالک ہیں تمھارے ہاتھ۔

غلامی کا مسئلہ

بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا ماحول ہو تو آسانی سے سمجھ آتے ہیں اور اگر ماحول نہ ہو تو ان کا سمجھنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ ان میں سے غلامی کا مسئلہ بھی ہے۔ اس لیے کہ ہمارے علم کے مطابق اس وقت دنیا کے کسی خطے میں شرعی غلام اور لونڈی نہیں ہیں۔ تو جب پوری دنیا میں غلام اور لونڈی نہ ہوں اور قرآن وحدیث اور فقہ کی کتابوں میں ان کا ذکر آئے تو پھر ان کا سمجھنا عام آدمی کے لیے ذرا مشکل ہوتا ہے۔ میں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ غلام اور لونڈی کسے کہتے ہیں؟

اسلامی حکومت قائم ہو اور کافروں کے ساتھ جہاد کی نوبت آئے پھر ظاہر بات ہے کہ جب لڑائی ہوگئی تو طرفین سے آدمی مارے بھی جائیں گے زخمی بھی ہوں گے گرفتار بھی ہوں گے جنگ ختم ہونے کے بعد کافروں کے قیدی ہمارے پاس ہیں اور ہمارے قیدی ان کے پاس ہیں۔ ان کے متعلق ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم ان کو کہیں تم ہمارے قیدی رہا کر دو ہم تمھارے قیدی

رہا کر دیتے ہیں اس کی بھی اجازت ہے۔ سورہ محمد آیت نمبر ۴ میں ہے ﴿فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً﴾ "یا تو احسان ہوگا اس کے بعد یا فدیہ ہوگا۔" یعنی رقم لے کر بھی چھوڑ سکتے ہو اور مفت میں بھی چھوڑ سکتے ہو۔ آخری صورت یہ ہے کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ ان کا رہا کرنا تمھارے لیے مفید نہیں ہے تو ان کو غلام لونڈی بنالو۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ امیر لشکر قیدی کو دائیں ہاتھ سے پکڑے گا اور غازی کے دائیں ہاتھ میں پکڑائے گا اور کہے گا کہ یہ تمھارا غلام ہے یا لونڈی ہے۔ مِلک یمین کا مطلب ہے دائیں ہاتھ کی ملک۔ چونکہ دائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے اس لیے اس کو ملک یمین کہتے ہیں کہ تمھارے دائیں ہاتھ ان کے مالک ہیں۔

آنحضرت ﷺ دائیں ہاتھ کو ترجیح دیتے تھے

یہاں یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں۔ اگر کسی کو کوئی شے دو یا لو تو دائیں ہاتھ سے دو اور لو۔ آنحضرت ﷺ كَانَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ "آپ دائیں طرف کو ترجیح دیتے تھے۔" سرمہ لگاتے تھے تو پہلے دائیں آنکھ میں پھر بائیں آنکھ میں، وضو کرتے وقت پہلے دایاں ہاتھ دھوتے تھے پھر بایاں، کرتہ پہنتے تھے تو پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف۔ جوتا بائیں ہاتھ سے پکڑو۔ مسجد سے نکلو تو پہلے بایاں پاؤں باہر رکھو لیکن جوتا پہلے دائیں پاؤں میں پہنو اور مسجد سے نکلتے وقت کی تین دعائیں بھی یاد کرلو۔

①...... اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَفِیْ رِوَایَةٍ وَرَحْمَتِكَ۔

②...... درود شریف پڑھنا ہے چاہے مختصر الفاظ کے ساتھ ہو۔

③...... اور تیسری دعا اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ۔

کیوں کہ مسجد سے نکلنے کے بعد بڑے گناہ ہوتے ہیں لہٰذا نکلتے وقت دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

تو مِلک یمین کا لفظی معنیٰ سمجھ لیا ہے تو اب وہ غلام اور لونڈی بن گئے ہیں۔ پھر جو لونڈیاں ہیں اگر وہ اہل کتاب میں سے ہوں، یہودی ہوں یا نصرانی ہوں تو ان کے ساتھ میاں بیوی والا تعلق درست ہے مسلمان ہوں یا نہ ہوں۔ امیر لشکر نے جب لونڈی حوالے کی اور اس نے وصول کی اس کو تم یوں سمجھو کہ مجلس میں ایجاب وقبول کے معنیٰ میں ہے۔ لیکن اگر لونڈی اہل کتاب میں سے نہ ہو، ہندو ہو، سکھ ہو، بدھ مت ہو، کسی اور فرقے کے ساتھ تعلق ہو تو ملک تو ہوگی لیکن اس کے ساتھ میاں بیوی والا معاملہ درست نہیں ہوگا۔ جیسے کوئی آدمی گدھی خریدتا ہے تو وہ اس کا مالک تو ہوتا ہے لیکن باقی کارروائی درست نہیں ہے۔

اب یہ جو لونڈی اور غلام ہیں اگر یہ مکاتبت چاہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان کو مکاتب کرو۔ یہاں کتاب کا لفظ ہے۔ کتاب بھی کہتے ہیں کتابت بھی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غلام اپنے آقا کو کہے کہ مجھ سے اتنی رقم لے کر مجھے آزاد کر دو یا خود آقا کہے کہ تو مجھے اتنی رقم دے دے تو میں تجھے آزاد کر دیتا ہوں۔ اس معاملے کو جب تحریر میں لاتے ہیں تو اس کو کتاب اور کتابت کہتے ہیں اور اس معاملے کو مکاتبت کہتے ہیں۔ بعضے غلام خطرناک بھی ہوتے ہیں فائدے کی بجائے نقصان پہنچا سکتے ہیں لہٰذا ایسے غلاموں کو آزاد کر دینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا﴾ پس تم ان کو مکاتب بنا دو اگر جانتے ہو تم ان میں بھلائی۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ آزاد ہو کر شرافت کی زندگی بسر کریں گے اور بدکاری اور فحاشی کا سبب نہیں بنیں گے تو ان کو آزاد کر دو۔ بلکہ ﴿وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾ اور دو تم ان کو اس مال میں سے جو تمھیں رب تعالیٰ نے دیا ہے۔ وہ مکاتب ہو گئے ہیں رقم کی شرط پر انھوں نے آزادی حاصل کر لی ہے تم مسلمان ہو ان کی مالی امداد بھی کرو۔

شانِ نزول

مدینہ طیبہ میں ایک منافق تھا عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین۔ یہ وہی شخص ہے جس نے آنحضرت ﷺ کے لیے اَذَلّ کا لفظ بولا تھا معاذ اللہ تعالیٰ۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کے لیے اذل کا لفظ استعمال کرے وہ کتنا خبیث ترین آدمی ہوگا۔ اس کے پاس خوبصورت جوان لونڈیاں تھیں یہ ان کو مجبور کرتا تھا کہ گیت گا کر برائی کراؤ اتنے پیسے تم نے مجھے روزانہ دینے ہیں۔ وہ لونڈیاں اس برائی سے بچنا چاہتی تھیں اور وہ مسلمان بھی ہو گئیں۔ یہ ان کے ساتھ سختی کرتا تھا اور اس برے کام کے لیے مجبور کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ﴾ اور مجبور نہ کرو اپنی باندیوں کو بدکاری پر ﴿اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ جب کہ وہ ارادہ رکھتی ہیں پاک دامنی کا۔ اگرچہ وہ چاہیں، ہے تو پھر بھی گناہ لیکن جب وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہیں تو تم ان پر جبر کیوں کرتے ہو؟ کیوں کہ منافق بھی بظاہر کلمہ پڑھتے تھے اس لیے خطاب کلمہ پڑھنے والے منافقین کو فرمایا کہ خدا سے ڈرو ایسا نہ کرو ﴿لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ تاکہ تم تلاش کرو دنیا کی زندگی کا سامان ﴿وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ﴾ اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ﴾ پس اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد ﴿غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا کیوں کہ تم نے ان کو مجبور کیا ہے۔

یہ آیات جب نازل ہوئیں تو ان میں سے بعض رو، رو کے دیوانیاں ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے نازل کیں تمھاری طرف آیتیں بالکل صاف صاف ﴿وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اور مثالیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ پہلے دو رکوعوں میں تم پڑھ چکے ہو کہ منافقوں خصوصاً رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی صفائی میں دو رکوع نازل فرمائے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی مثالیں پہلے لوگوں میں بھی گزر چکی ہیں کہ ان پر الزام لگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس الزام سے پاک کیا۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام پر زلیخا نے الزام لگایا اپنے خاوند کے سامنے کہ اس نے میری عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیر خوار بچے کے ذریعے پاک کر دیا کہ کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو یوسف علیہ السلام کی غلطی ہوگی معاذ اللہ تعالیٰ اور اگر پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو پھر زلیخا کی شرارت ہے۔ جب عزیز مصر نے دیکھا تو کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا تو اس نے کہا کہ بی بی! تو خطا کار ہے۔

دوسرا واقعہ سورہ مریم میں تفصیلاً پڑھ چکے ہو کہ حضرت مریم علیہا السلام پر یہودی کافروں نے الزام لگایا کہ شادی نہیں ہوئی بچہ کہاں سے آ گیا؟ تو حضرت مریم علیہا السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھو کہ کہاں سے آئے ہو۔ انھوں نے کہا کہ

ہم اس گود والے بچے سے کیسے پوچھیں یہ کیا بتلائے گا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوت گویائی عطا فرمائی اور انھوں نے کہا ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۖ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا﴾ "میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اللہ تعالیٰ مجھے کتاب دے گا اور مجھے نبی بنائے گا۔" تو اللہ تعالیٰ نے الزام کو صاف کر دیا۔ ایسے ہی لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگایا اللہ تعالیٰ نے معاملہ صاف کر دیا۔ فرق یہ ہے کہ ان کی صفائی بچوں نے دی اور صدیقہ کائنات کی صفائی خود پروردگار نے اٹھارہ آیتیں نازل فرما کر دی۔ کوئی سمجھے تو بڑی بات ہے۔ تو فرمایا ایسی مثالیں پہلے بھی گزر چکی ہیں ﴿وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لیے۔

~~~

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ روشن کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ﴾ اس کے نور کی مثال ﴿كَمِشْكٰوةٍ﴾ جیسے طاقچہ ہے ﴿فِیْهَا مِصْبَاحٌ﴾ اس طاقچے میں چراغ ہے ﴿اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ﴾ چراغ شیشے میں ہے ﴿اَلزُّجَاجَةُ﴾ وہ شیشہ ﴿كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ﴾ گویا کہ وہ ایک ستارہ ہے ﴿دُرِّیٌّ﴾ چمکتا ہوا ﴿یُّوْقَدُ﴾ وہ چراغ جلایا جاتا ہے ﴿مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ برکت والے درخت کے تیل سے ﴿زَیْتُوْنَةٍ﴾ جو زیتون کا درخت ہے ﴿لَّا شَرْقِیَّةٍ﴾ نہ مشرق کی سمت ہے ﴿وَّلَا غَرْبِیَّةٍ﴾ اور نہ مغرب کی سمت ہے ﴿یَّكَادُ زَیْتُهَا﴾ قریب ہے کہ اس کا تیل ﴿یُضِیْٓءُ﴾ روشن ہو جائے خود بخود ﴿وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ﴾ اگرچہ نہ پہنچے اس کو آگ ﴿نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ﴾ روشنی پر روشنی ہے ﴿یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ﴾ ہدایت دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کے لیے جس کو چاہے ﴿وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ﴾ اور اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے مثالیں ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے ﴿فِیْ بُیُوْتٍ﴾ ان گھروں میں یہ نور حاصل ہوتا ہے ﴿اَذِنَ اللّٰهُ﴾ حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿اَنْ تُرْفَعَ﴾ ان کو بلند کیا جائے ﴿وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ﴾ اور ذکر کیا جائے ان میں اس کا نام ﴿یُسَبِّحُ لَهٗ﴾ تسبیح بیان کرتے ہیں اس کے لیے ﴿فِیْهَا﴾ ان گھروں میں ﴿بِالْغُدُوِّ﴾ پہلے اوقات میں ﴿وَالْاٰصَالِ﴾ اور پچھلے پہروں میں ﴿رِجَالٌ﴾ ایسے مرد ﴿لَّا تُلْهِیْهِمْ﴾ نہیں غافل کرتی ان کو ﴿تِجَارَةٌ﴾ سوداگری ﴿وَّلَا بَیْعٌ﴾ اور نہ بیچنا ﴿عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ﴿وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ﴾ اور نماز کے قائم کرنے سے ﴿وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ﴾ اور زکوٰۃ کے ادا کرنے سے ﴿یَخَافُوْنَ﴾ خوف کرتے ہیں ﴿یَوْمًا﴾ اس دن کا ﴿تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ﴾ کہ پلٹ جائیں گے اس میں دل ﴿وَالْاَبْصَارُ﴾ اور آنکھیں ﴿لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ﴾ تاکہ بدلہ دے ان کو اللہ تعالیٰ ﴿اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا﴾ بہتر ان کاموں کا جو وہ کرتے ہیں ﴿وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ اور زیادہ دے ان کو اپنے فضل
~~~

ہے ﴿وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے۔

اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال

اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے ایک بات بیان فرمائی ہے توجہ ہوگی تو سمجھ آئے گی۔ کیوں کہ بات ذرا پیچیدہ اور مشکل ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ﴿اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ ہی روشن کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ سورج طلوع ہوتا ہے روشنی ہوتی ہے، چاند طلوع ہوتا ہے تو چاندنی ہوتی ہے، چاند کے غروب ہونے کے بعد ستارے بھی اپنے اپنے انداز سے روشنی دیتے ہیں۔ تو روشنی کے ظاہری اسباب سب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں۔ جیسے ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ))۔ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے کچھ کمزور ہے لیکن مفہوم صحیح ہے۔ "میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔" یعنی میرے صحابہ کی مثال آسمان کے ستاروں کے مانند ہے۔ ستاروں سے تم اپنے اپنے انداز سے روشنی حاصل کرتے ہو۔ میرے صحابہ سے بھی ہدایت کی روشنی حاصل کرو اور جیسے ستارے آسمان پر ہیں، بلند ہیں اور ان میں روشنی ہے اسی طرح سمجھو کہ میرے صحابہ کی شان بھی بہت بلند ہے اور ان میں نورِ نبوت کی روشنی ہے وہ نورِ نبوت سے منور ہیں۔ ان سے اپنی اپنی استعداد کے مطابق تمھیں روشنی حاصل کرنی چاہیے۔

اگلی بات ذرا توجہ سے سمجھیں اللہ تعالیٰ نے حق کو قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد کی مثال بیان فرمائی ہے اور مثال سے سمجھایا ہے ﴿مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ﴾ اس کے نور کی مثال ایسے ہی ہے جیسے طاقچہ ہے ﴿فِیْھَا مِصْبَاحٌ﴾ اس طاقچے میں چراغ ہے ﴿اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ﴾ چراغ شیشے میں ہے ﴿اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ﴾ وہ شیشہ گویا کہ چمکتا ہوا ستارہ ہے ﴿یُّوْقَدُ﴾ وہ چراغ جلایا جاتا ہے ﴿مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ﴾ مبارک درخت کے تیل سے ﴿زَیْتُوْنَۃٍ﴾ جو زیتون کا درخت ہے ﴿لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرْبِیَّۃٍ﴾ نہ وہ شرق کی سمت ہے اور نہ مغرب کی سمت ہے ﴿یَّکَادُ زَیْتُھَا﴾ قریب ہے کہ اس کا تیل ﴿یُضِیْٓءُ﴾ روشن ہو جائے خود بخود ﴿وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ﴾ اور اگرچہ اس کو آگ نہ پہنچے ﴿نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ﴾ روشنی پر روشنی ہے۔

مثال کے طور پر ایک دیوار ہے اس میں ایک طاقچہ ہے اور اس طاقچے میں ایک چراغ ہے رکھا ہوا۔ پھر وہ چراغ شیشے میں ہے اور وہ شیشہ بڑا صاف ہے کیوں کہ لالٹین کا شیشہ صاف نہ ہو تو روشنی باہر اچھی طرح نہیں آتی۔ وہ شیشہ ایسے صاف ہے جیسے آسمان پر ستارے چمکتے ہیں ﴿کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ﴾ گویا کہ وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے اور اس چراغ میں زیتون کا تیل ڈالا ہوا ہو کہ زیتون کا تیل تمام تیلوں میں بڑا صاف ہوتا ہے اس کا دھواں نہیں ہوتا اور وہ زیتون کے ایسے درخت سے حاصل کیا گیا ہے کہ وہ نہ بالکل مشرق کی سمت میں اور نہ مغرب کی سمت میں عین سنٹر (درمیان) میں ہے کہ پہلے پہر کی دھوپ بھی اس کو لگتی ہے اور پچھلے پہر کی بھی دھوپ لگتی ہے ایسے درخت سے حاصل کیا گیا زیادہ صاف شفاف ہوتا ہے۔ اس چراغ میں ایسے زیتون کا تیل ہو

تو وہ خود بخود روشن ہونے کے لیے تیار ہے آگ اس کو نہ بھی پہنچے۔لیکن جب آگ اس کے قریب ہوگئی تو وہ فوراً روشن ہو جائے گا ﴿نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ﴾ ایک تو وہ خود روشن ہونے کو تیار ہے پھر آگ مل گئی۔

اب بات سمجھیں۔ یہ انسان کا سارا بدن ایک دیوار ہے اس میں جو سینہ ہے یہ طاقچہ ہے اس میں دل رکھا ہوا ہے یہ چراغ ہے اور دل میں جو رب تعالیٰ نے حق کو قبول کرنے اور ہدایت کو قبول کرنے کی جو صلاحیت اور استعداد رکھی ہے وہ زیتون کا تیل سمجھو کہ اگر مبلغ نہ بھی پہنچے تو فطرت خود بخود تیار ہے ہدایت قبول کرنے کو اور اگر مبلغ پہنچے اس کی آواز پہنچے تو ﴿نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ﴾ ہے وہ دل کا چراغ روشن ہو جاتا ہے ﴿يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ہدایت دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کے لیے جس کو چاہتا ہے۔جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے ﴿وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ﴾ اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کو سمجھانے کے لیے ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔آگے اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ یہ نور تمھیں مسجدوں سے ملے گا۔مسجدیں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مرکز ہیں یہ عظمت والی جگہیں ہیں ان کو پاک صاف رکھنے کا حکم ہے۔ظاہری گندگی سے بھی اور باطنی گندگی سے بھی یعنی کفر شرک سے۔اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بچوں اور پاگلوں کو مسجدوں سے دور رکھو۔کیوں کہ چھوٹے بچے ناسمجھ ہوتے ہیں بول و براز نہ کردیں یہی حال پاگلوں کا ہے ان کو بھی مسجد کے احترام کا کوئی علم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے گھروں کی بے حرمتی ہوگی۔

مسجد میں تھوکنا

آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ کے ایک محلے میں تشریف لے گئے وہاں کے امام نے مسجد کی اُس دیوار پر تھوک دیا جو قبلے کی طرف تھی۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا تاحکم ثانی یہ آدمی تمھارا امام نہیں بن سکتا۔مسجد قابل احترام جگہ ہے اس میں تھوکنا اور پھر اس دیوار پر جو جانب قبلہ ہے اور یہ مسئلہ یاد رکھنا! پیشاب کرتے وقت نہ قبلے کی طرف منہ کرو اور نہ پیٹھ کرو۔بخاری شریف کی روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ وَلَا بِبَوْلٍ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا)) "نہ چہرہ کرو قبلہ کی طرف بول و براز کے وقت اور نہ پیٹھ کرو۔" دونوں چیزوں سے منع فرمایا ہے چاہے عمارت یا کھلی جگہ ہو۔جمہور کے مطابق صحیح احادیث میں یہی حکم ہے۔اسی طرح غسل کرتے وقت بھی قبلے کی طرف منہ نہ کرو نہ پیٹھ کرو۔قبلے کا احترام بنیادی چیزوں میں سے ہے۔تو یہ نورِ ہدایت کہاں سے حاصل ہوگا؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فِيْ بُيُوْتٍ﴾ ان گھروں سے حاصل ہوتا ہے ﴿اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ﴾ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کو بلند کیا جائے، ان کی شان بلند کی جائے۔ ﴿وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾ اور ذکر کیا جائے ان گھروں میں اللہ تعالیٰ کا نام ﴿يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا﴾ تسبیح کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ان گھروں میں ﴿بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ پہلے اوقات میں اور پچھلے پہروں میں ﴿رِجَالٌ﴾ ایسے مرد ﴿لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ﴾ نہیں غافل کرتی ان کو سوداگری ﴿وَّلَا بَيْعٌ﴾ اور نہ بیچنا ﴿عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ

کی یاد ہے۔

تجارت اور بیع میں فرق

تجارت اور بیع میں فرق یہ ہے کہ تجارت تو ایک مستقل پیشہ ہے کام یہی کرتا ہے۔ اور بیع کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا کوئی مستقل پیشہ نہیں ہے عارضی طور پر کبھی دودھ بیچ دیتا ہے کبھی گندم بیچ دیتا ہے گھر سے کبھی گھی بیچ دیا، کوئی فصل بیچ دی، اپنی ضرورت کے لیے کوئی شے بیچتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو نہ تجارت غافل کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور نہ بیع غافل کرتی ہے۔ ﴿وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ﴾ اور نماز قائم کرنے سے یہ چیزیں نہیں روکتیں وہ نماز کو ان چیزوں سے مقدم سمجھتے ہیں ﴿وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ﴾ اور زکوٰۃ کے ادا کرنے سے یہ چیزیں نہیں روکتیں۔ یعنی وہ دینی احکامات کو سب چیزوں سے مقدم سمجھتے ہیں۔ لیکن آج کل اکثریت کا یہ حال ہے کہ دینی کاموں کو نظر انداز کرتے ہیں اور دنیا کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے ہیں بہت تھوڑے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں جو شرعی احکامات کو دنیاوی مفادات پر مقدم رکھتے ہیں ﴿يَخَافُوْنَ يَوْمًا﴾ یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے خوف کرتے ہیں اس دن سے ﴿تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾ کہ پلٹ جائیں گے اس میں دل اور آنکھیں۔ وہ قیامت کا دن ہے۔ پلٹ کا مطلب یہ ہے کہ دل اُوپر کو آجائیں گے جیسے نکل چکے ہیں۔

دیکھو! انسان جب پریشان ہوتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ دل حلق کی طرف آ گیا ہے آنکھیں پتھرا جاتی ہیں، حیران ہو جائیں گے ﴿لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا﴾ تا کہ بدلہ دے ان کو اللہ تعالیٰ بہتر، ان کاموں کا جو وہ کرتے رہے ہیں۔ جو انھوں نے اچھے اعمال کیے ہوئے ہیں ان کا اللہ تعالیٰ بدلہ دے گا ﴿وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ اور زیادہ دے ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے۔ اس نے ایک نیکی کی نو (۹) اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے دے گا اور اگر فی سبیل اللہ کی مد میں کی ہے تو چھ سو نانوے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے دے گا ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [بقرہ: ۲۶۱] "اور اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔"

لہٰذا تم رزق حاصل کرنے کے لیے، دنیا حاصل کرنے کے لیے آخرت کو نہ چھوڑو، نماز کو نہ چھوڑو، زکوٰۃ ادا کرنے سے نہ رکو ﴿وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے۔ نمازیں، روزے اللہ تعالیٰ جو رزق دیتا ہے اس میں کمی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر رزق میں کمی نہیں کرتا بلکہ ان چیزوں کی برکت سے رزق بڑھتا ہے۔ لہٰذا تم مساجد کے ساتھ تعلق جوڑو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں جن سے ہدایت کے چشمے پھوٹتے ہیں (اور متقیوں کو سیراب کرتے چلے جاتے ہیں)۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿اَعْمَالُهُمْ﴾ ان کے اعمال ﴿كَسَرَابٍ﴾ سراب کی مانند ہیں ﴿بِقِيْعَةٍ﴾ میدان میں ﴿يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً﴾ خیال کرتا ہے اس کو پیاسا پانی ﴿حَتّٰٓى﴾ یہاں تک کہ ﴿اِذَا جَآءَهٗ﴾

جب پہنچا اس سراب کے پاس ﴿لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا﴾ تو نہیں پاتا وہاں کوئی شے ﴿وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ﴾ اور پایا اس کافر نے اللہ تعالیٰ کو اس کے پاس ﴿فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے پورا پورا کر دیا اس کا حساب ﴿وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ اور اللہ تعالیٰ جلدی حساب کرنے والا ہے ﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ﴾ یا جیسے اندھیرے ﴿فِيْ بَحْرٍ﴾ سمندر میں ﴿لُّجِّيٍّ﴾ جو گہرا ہے ﴿يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ﴾ جس کو ڈھانپتی ہے ایک موج ﴿مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ﴾ اس موج کے اُوپر ایک اور موج ہے ﴿مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ﴾ اس کے اُوپر بادل ہے ﴿ظُلُمٰتٌ﴾ اندھیرے ہیں ﴿بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ بعض کے اوپر بعض ﴿اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ﴾ جس وقت نکالتا ہے اپنا ہاتھ ﴿لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا﴾ نہیں قریب کہ دیکھے اپنے ہاتھ کو ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا﴾ اور جس شخص کے لیے نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے نور ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ پس اس کے لیے نہیں ہے کوئی نور ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يُسَبِّحُ لَهٗ﴾ تسبیح بیان کرتی ہے اس کے لیے مَنْ وہ مخلوق ﴿فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے ﴿وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ﴾ اور پرندے پر پھیلائے ہوئے ﴿كُلٌّ﴾ ہر ایک ﴿قَدْ عَلِمَ﴾ تحقیق جانتا ہے ﴿صَلَاتَهٗ﴾ اپنی بندگی کو ﴿وَتَسْبِيْحَهٗ﴾ اور اپنی تسبیح کو ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں ﴿وَلِلّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ملک آسمانوں کا اور زمین کا ﴿وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے پھر کر جانا۔

کافروں کی تین قسمیں

پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا ذکر فرمایا اب ان کے مقابلے میں کافروں کا ذکر ہے۔ دنیا میں تین قسم کے کافر ہیں۔ ایک وہ جو رب تعالیٰ کے وجود کے بھی قائل ہیں، قیامت، حشر نشر کے بھی قائل ہیں، حساب کتاب اور ادلے بدلے کے بھی قائل ہیں لیکن اس کے باوجود کافر ہیں کیوں کہ وہ آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے، آپ ﷺ کے دین کو تسلیم نہیں کیا۔ حالاں کہ جس دن آپ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اس کے بعد نجات صرف آپ ﷺ کے کلمہ اور آپ ﷺ کے دین میں ہے۔ تیسرے پارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ [آل عمران: ۸۵] "اور جس نے تلاش کیا اس کے علاوہ کوئی اور دین پس وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔" بے شک موسیٰ علیہ السلام سچے پیغمبر تھے اس دور میں ان کا کلمہ نجات کا کلمہ تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُوْسٰى كَلِيْمُ اللّٰهِ۔ حضرت داؤد علیہ السلام رب تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے اپنے دور میں ان کا کلمہ تھا لا الہ الا اللہ داؤد خلیفۃ اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے سچے

پیغمبر تھے۔اس دور میں کلمہ نجات تھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ عِیْسٰی رُوْحُ اللہِ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد اب نجات صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ میں ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ۔جو اس کلمے کو قبول نہیں کرے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو نہیں مانے گا وہ کافر ہے،کافر ہے چاہے اللہ تعالیٰ کا قائل ہو،قیامت کا قائل ہو،نیکی بدی،حساب کتاب کا قائل ہو۔دوسرے کافر وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں۔اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے ہیں رازق اور مدبر مانتے ہیں مگر قیامت اور حشر نشر کے قائل نہیں ہیں جیسے مشرکین مکہ۔اور تیسرے وہ کافر ہیں جو سرے سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے ہی قائل نہیں ہیں جیسے دہریے۔

کافر اور مسلمان کی مثال

تو یہاں اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں ان کافروں کی ہے جو قیامت اور حشر نشر کے قائل ہیں اور دوسری مثال ان کافروں کی ہے جو قیامت کے قائل نہیں ہیں۔تو وہ کافر جو قیامت کے قائل ہیں وہ اچھے کام بھی کرتے ہیں صدقہ،خیرات کرتے ہیں،ہسپتال بنواتے ہیں غریبوں کی ہمدردی کے لیے،سڑکیں بنواتے ہیں،پُل بنواتے ہیں،پانی کا انتظام کرتے ہیں اور بہت سارے اچھے کام کرتے ہیں۔تو ایسے کافروں کی مثال ایسے ہے جیسے بڑا وسیع چٹیل میدان ہو اور اس میں ریت ہو پھر دوپہر کا وقت اور گرمی کا موسم ہو۔ریت جب چمکتی ہو تو اس کو سراب کہتے ہیں۔اس ریت کو دور سے دیکھنے والے کو پانی کا شبہ ہوتا ہے۔ایک آدمی کو پیاس لگی ہوئی ہے اور وہ پانی کی تلاش میں پھر رہا ہے وہ اس سراب کو دور سے دیکھ کے سمجھتا ہے کہ پانی ہے بھاگ کر وہاں پہنچتا ہے کہ پانی پیوں گا۔جب وہاں پہنچتا ہے تو وہ ریت ہوتی ہے۔چوں کہ پیاس کی شدت کی وجہ سے جان بلب ہوتا ہے مرنے کے قریب ہوتا ہے رب تعالیٰ کا حکم پہنچتا ہے جان نکل جاتی ہے۔تو ایسا شخص جو کفر کی حالت میں اچھے عمل کرے اور اُمید رکھے کہ مجھے ان اچھے کاموں کا اجر ملے گا قیامت والے دن میرے کام آئیں گے تو وہ ایسے ہی دھوکے میں ہے جیسے پیاسا وہ شخص جو چمکتی ہوئی ریت کو دور سے دیکھ کر پانی سمجھتا ہے حالاں کہ وہ پانی نہیں ہے۔اسی طرح کافر کو اچھے اعمال آخرت میں کام نہیں آئیں گے چوں کہ ایمان نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ﴾ ان کے اعمال کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ریت ہے ﴿بِقِیْعَةٍ﴾ چٹیل میدان میں ﴿یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً﴾ خیال کرتا ہے اس کو پیاسا پانی ﴿حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ﴾ یہاں تک کہ وہ جب اس کے پاس پہنچتا ہے ﴿لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا﴾ تو نہیں پاتا وہاں کوئی شے۔پانی وانی کچھ نہیں تھا بلکہ دور سے چمکتی ہوئی ریت پر پانی کا دھوکہ ہو رہا تھا ﴿وَّوَجَدَ اللہَ عِنْدَهٗ﴾ اور پایا اس کافر نے اس کے پاس اللہ تعالیٰ کو ﴿فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا اس کا حساب،اس کی جان نکل گئی۔تو کفر کی حالت میں نیکی کے ثواب کی اُمید رکھنے والا دھوکے میں ہے ﴿وَاللہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ اور اللہ تعالیٰ جلدی حساب کرنے والا ہے۔

دوسری مثال ان کافروں کی ہے جو قیامت کے قائل نہیں ہیں۔اور ایسے بدبخت بھی ہیں جو رب تعالیٰ کے وجود کے بھی قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ رب کوئی چیز نہیں ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر رب نہیں ہے تو زمینیں کس نے پیدا کی ہیں؟ آسمان کس نے

پیدا کیے ہیں، چاند، سورج، ستارے کس نے پیدا کیے ہیں، پہاڑ، دریا، کس نے پیدا کیے ہیں؟ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

"دنیا میں کوئی چیز از خود نہیں بن جاتی کوئی لوہا خود بخود تلوار نہیں بن جاتا۔"

پھر اپنے متعلق فرماتے ہیں: ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزے نہ شد

"کہ میں تو ایک سادہ سا مولوی تھا شمس تبریز جیسے کامل سے ملا تو اب لوگ میری قدر کرتے ہیں۔"

شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اکابر اولیاء میں سے گزرے ہیں۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ ان کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کی کتاب مثنوی شریف کاش کہ اُردو میں طبع ہو جائے (اب اردو میں طبع ہو چکی ہے۔ مرتب) اخلاقیات میں بہت اُونچی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کو دل میں شعلہ زن کرتی ہے۔ یہ کتاب پڑھنی چاہیے مگر افسوس کہ آج ہمیں ناولوں سے فرصت نہیں ہے۔ مذہبی کتابیں پڑھنے کا ہمیں شوق ہی نہیں ہے۔ تو ایسے کافر بھی ہیں جو رب تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں اور ایسے بھی ہیں جو قیامت کے منکر ہیں، حساب کتاب کے منکر ہیں، جزا سزا کے منکر ہیں۔ ایسے کافروں کی یہ مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ﴾ یا جیسے اندھیرے ہیں ﴿فِيْ بَحْرٍ﴾ ایسے سمندر میں ﴿لُّجِّيٍّ﴾ جو بڑا گہرا ہے ﴿يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ﴾ جس کو ڈھانپتی ہے ایک موج ﴿مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ﴾ اس کے اُوپر ایک اور موج ہے ﴿مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ﴾ اس کے اوپر بادل ہے یعنی ایک آدمی ایسے سمندر کی تہہ میں ہے جو بڑا گہرا ہے بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کی طرح۔ اس کے اوپر پانی کی موج، اس کے اوپر پانی کی ایک اور موج ہے پھر اس پر بادل ہے یہ ایسے اندھیروں کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اس کو تو اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ تو جو کافر رب تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں، قیامت کے قائل نہیں ہیں وہ ایسے اندھیروں میں بیٹھے ہوئے ہیں ان کو کوئی چیز نظر نہیں آتی یہ انکارِ خدا اور کفر شرک کی موجوں کے نیچے دبے ہوئے ہیں ان کو کیا نظر آئے گا؟ کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔

فرمایا ﴿ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا﴾ اندھیرے ہیں بعض کے اوپر بعض جس وقت نکالتا ہے اپنا ہاتھ نہیں قریب کہ دیکھے اپنے ہاتھ کو۔ ہاتھ تو تب نظر آئے کہ کچھ روشنی ہو۔ اتنے اندھیروں میں ہاتھ کیا نظر آئے گا۔ فرمایا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ اور جس شخص کے لیے نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے نور پس اس کے لیے کوئی نور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نور اس کے لیے بناتا ہے جو نور کا طالب ہوتا ہے اور جو شخص نور کا طالب ہی نہیں ہے اس کو رب تعالیٰ نور عطا نہیں فرماتا۔ بعض آدمیوں کو شروع سے لے کر آخر تک ہدایت نصیب نہیں ہوتی تو ان کے متعلق کیا کہیں گے؟ تو یہ بات بڑی پیچیدہ سی ہے تقدیر کا مسئلہ ہے۔

تو ایسے آدمیوں کے متعلق رب تعالیٰ جانتے تھے رب تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ ایمان قبول نہیں کریں گے اس لیے ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ کیوں کہ رب تعالیٰ ہر ایک کے متعلق جانتا ہے کہ کون اپنی مرضی اور اختیار کے ساتھ ایمان اختیار کرے گا اور کون اپنی مرضی کے ساتھ کفر اختیار کرے گا۔ لہٰذا اس نے اپنے علم کے مطابق پہلے سے لکھا ہوا ہے کہ فلاں ایمان لائے گا اور فلاں کفر اختیار کرے گا اور ایمان لانے اور کفر اختیار کرنے میں انسان کے اختیار کو دخل ہے۔ قرآن کریم میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔" اپنی مرضی سے تو انسان، ایمان کفر، حق باطل، سچ جھوٹ، نیکی بدی، جس پہلو کو اختیار کرنا چاہے رب تعالیٰ نے اختیار دیا ہے۔ پھر رب تعالیٰ کا ضابطہ ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [النساء:۱۱۵] "ہم اس کو پھیر دیں گے جس طرف کا اس نے رخ کیا۔" جس راستے پر بندہ خود چلے رب اس پر چلا دیتا ہے۔ نیکی پر چلے یا بدی پر اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دے دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ [رعد:۱۱] "بے شک اللہ تعالیٰ تبدیل نہیں کرتا کسی قوم کی حالت یہاں تک کہ وہ خود تبدیل کریں جو ان کے نفسوں میں ہے۔" اپنی حالت بدلنے کی نیت کریں۔ ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

تو جو نورِ ہدایت کا طالب نہیں ہوتا اس کو اللہ تعالیٰ نور عطا نہیں فرماتے اور جو طالب ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نورِ ہدایت عطا کر دیتے ہیں۔ ؎

سرور و نور وجد و حال ہو جائے گا سب پیدا
مگر لازم ہے پہلے تیرے دل میں ہو طلب پیدا
نہ گھبرا کفر کی ظلمت سے اے نور کے طالب
وہی کرے گا دن بھی جس نے کی ہے شب پیدا

بندہ اگر طلب ہی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ جبراً نہیں دیتا۔ بندے کی نیت اور ارادہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر نتیجہ مرتب فرماتے ہیں۔

تو جو رب تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان بیوقوفوں کو نہیں دیکھا؟ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ تسبیح بیان کرتی ہے اس کے لیے جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔ وہ کتنی مخلوق ہے؟ احادیث میں آتا ہے کہ پہلے آسمان میں ایک بالشت بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ کھڑا اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کر رہا ہو۔ اسی طرح دوسرے تیسرے چوتھے پانچویں چھٹے اور ساتویں آسمان میں، ان کے اوپر عرش ہے، اوپر کرسی ہے اور کعبے کے عین محاذات برابر میں ایک مقام ہے جس کا نام بیت المعمور ہے وہ فرشتوں کی طواف گاہ ہے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس وقت سے لے کر آج تک روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور جس نے ایک

مرتبہ طواف کرلیا پھر اس کو ساری زندگی دوبارہ موقع نہیں ملتا۔ چوبیس فرشتے تو ہر آدمی کے ساتھ ہیں۔ ایک دائیں کندھے پر اور ایک بائیں کندھے پر۔ دو کی ڈیوٹی دن کی ہے اور دو کی رات کی ہے۔ ان کی ڈیوٹیاں فجر اور عصر کی نماز کے وقت تبدیل ہوتی ہیں۔

اب جب فجر کی نماز یہاں شروع ہوئی تو ڈیوٹی بدل گئی رات والے فرشتے چلے گئے اور دن والے آگئے۔ پھر جب عصر کا وقت ہوگا تو پھر ڈیوٹی بدل جائے گی دن والے فرشتے چلے جائیں گے اور رات والے آجائیں گے۔ یہ چار فرشتے تو دن رات میں انسان کی نیکیاں برائیاں لکھنے کے لیے مقرر ہیں۔ اس محکمے کا نام کراماً کاتبین ہے۔ سورۃ الانفطار میں ہے ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ﴾ "اور بے شک تمھارے اُوپر حفاظت کرنے والے مقرر ہیں وہ باعزت لکھنے والے ہیں۔" اور دس فرشتے دن کو اور دس فرشتے رات کے وقت جان کی حفاظت پر مامور ہیں جب تک اس کی جان کی حفاظت منظور ہوتی ہے۔ اور یہ قرآن پاک سے ثابت ہے ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ [رعد:۱۱] "اس کے لیے آگے پیچھے آنے والے ہیں اس آدمی کے آگے بھی اور پیچھے بھی جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔" جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے دس فرشتے دن کو اور دس فرشتے رات کو بندے کی جان کی حفاظت کرتے ہیں۔

تو یہ چوبیس فرشتے دن رات بندے کے ساتھ رہتے ہیں۔ پھر جنات کے ساتھ بھی ہیں۔ جو مکلف مخلوق ہے ان سب کے ساتھ ہیں۔ اس سے تم فرشتوں کی کثرت کا اندازہ لگالو۔ تو جتنی مخلوق آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے ساری اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے۔ ﴿وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ﴾ اور پرندے پر پھیلائے ہوئے فضا میں، وہ بھی اپنے انداز سے رب تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ پندرھویں پارے میں پڑھ چکے ہو ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ [بنی اسرائیل:۴۴] "کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو رب تعالیٰ کی تسبیح نہ بیان کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔" کوئی زبان حال سے اور کوئی زبان قال سے، ساری مخلوق رب تعالیٰ کی تسبیح میں مصروف ہے ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾ ہر ایک شے نے جان لی اپنی بندگی اور اپنی تسبیح ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کو جو اس کی مخلوق کرتی ہے۔ نیکی بدی کوئی چیز رب تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا۔ وہی خالق ہے، وہی مالک ہے، وہی مدبر ہے، وہی مصرف ہے اور متصرف بھی ہے زمینوں اور آسمانوں میں۔ خدائی اختیارات کسی کو حاصل نہیں ہیں۔ اور یاد رکھو! ﴿وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی پھر کر جانا ہے۔ اس کے لیے تیاری کرو کہ کیا لے کر جانا ہے اور تمھارے پاس کیا ہے؟ شاعر کہتا ہے: ؎

ٹھکانا گور ہے تیرا عبادت کچھ تو کر غافل
کہاوت ہے کہ خالی ہاتھ گھر جانا نہیں اچھا

اور ہمارے پاس تو ٹکٹ بھی نہیں ہے سفر خرچ کہاں ہوگا؟

﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿یُزْجِیْ﴾ چلاتا ہے ﴿سَحَابًا﴾ بادلوں کو ﴿ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ﴾ پھر ان کو جوڑتا ہے ﴿ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا﴾ پھر بنا دیتا ہے ان کو تہہ بہ تہہ ﴿فَتَرَى الْوَدْقَ﴾ پھر آپ دیکھتے ہیں بارش کو ﴿یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ﴾ نکلتی ہے ان کے درمیان سے ﴿وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور نازل کرتا ہے آسمان کی طرف سے ﴿مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا﴾ اس میں جو پہاڑ ہیں ﴿مِنْۢ بَرَدٍ﴾ اولوں کے ﴿فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ﴾ پس پہنچاتا ہے وہ اولے جس کو چاہے ﴿وَیَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ﴾ اور پھیرتا ہے اس کو جس سے چاہے ﴿یَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ﴾ قریب ہے اس کی بجلی کی چمک ﴿یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ﴾ لے جائے آنکھوں کی روشنی کو ﴿یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ﴾ بدلتا ہے اللہ تعالیٰ رات ﴿وَالنَّهَارَ﴾ اور دن کو ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً﴾ بے شک اس میں البتہ عبرت ہے ﴿لِّاُولِی الْاَبْصَارِ﴾ آنکھوں والوں کے لیے ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ہر جانور کو ﴿مِّنْ مَّآءٍ﴾ پانی سے ﴿فَمِنْهُمْ﴾ پس ان میں سے ﴿مَّنْ﴾ وہ ہیں ﴿یَّمْشِیْ عَلٰى بَطْنِهٖ﴾ جو چلتے ہیں اپنے پیٹ کے بل ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰى رِجْلَیْنِ﴾ اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو چلتے ہیں دو پاؤں پر ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ﴾ اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو چلتے ہیں چار پاؤں پر ﴿یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ﴾ پیدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ﴾ البتہ تحقیق ہم نے اتاری ہیں ﴿اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ﴾ آیتیں کھول کر بیان کرنے والیاں ﴿وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ سیدھے راستے کی طرف ﴿وَیَقُوْلُوْنَ﴾ اور یہ کہتے ہیں ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَبِالرَّسُوْلِ﴾ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ﴿وَاَطَعْنَا﴾ اور ہم نے اطاعت کی ﴿ثُمَّ یَتَوَلّٰى فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ﴾ پھر پھر جاتا ہے ایک گروہ ان میں سے ﴿مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد ﴿وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور یہ لوگ مومن نہیں ہیں ﴿وَاِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور جس وقت ان کو دعوت دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرف ﴿لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ﴾ تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کریں ﴿اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ اچانک ایک گروہ ان میں سے اعراض کرنے والا ہوتا ہے ﴿وَاِنْ یَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ﴾ اور اگر ہو ان کے لیے حق ﴿یَاْتُوْۤا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ﴾ تو آتے ہیں حق کی طرف بڑی جلدی سے چل کر ﴿اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے ﴿اَمِ ارْتَابُوْۤا﴾ یا انھوں نے شک کیا ہے ﴿اَمْ یَخَافُوْنَ﴾ یا وہ ڈرتے ہیں ﴿اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ﴾ یہ کہ ظلم کرے گا ان پر اللہ تعالیٰ ﴿وَرَسُوْلُهٗ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا رسول ﴿بَلْ﴾ ہرگز نہیں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ وہی لوگ ظالم ہیں۔

قدرتِ خداوندی :

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں مختلف طریقوں سے اپنا قادر ہونا سمجھایا ہے۔ کیوں کہ توحید کی بنیاد ہی یہی ہے کہ سب کچھ رب تعالیٰ ہی کرتے ہیں اور سارے اختیارات اسی کے پاس ہیں اس کے سوا مافوق الاسباب کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ نہ زندہ، نہ مردہ، نہ کوئی انسان، نہ جن، نہ کوئی فرشتہ، نہ کوئی پیر، نہ فقیر، کسی کے پاس خدائی اختیارات نہیں ہیں۔ نہ رب تعالیٰ نے کسی کو دیئے ہیں۔ خدائی اختیارات صرف اس کے اپنے پاس ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سمجھانے کے لیے مختلف طرح کی دلیلیں بیان فرمائی ہیں۔

اس مقام پر ارشاد ہے ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اے انسان کیا تو نے نہیں دیکھا ﴿اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِىْ سَحَابًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ چلاتا ہے بادلوں کو، ہواؤں کو حکم دیتا ہے وہ بادلوں کو اُڑاتی ہیں، چلاتی ہیں ﴿ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ﴾ پھر ان کو جوڑتا ہے بادل پہلے جدا جدا ٹکڑے ہوتے ہیں پھر رب تعالیٰ کے حکم سے وہ ٹکڑے اکٹھے ہو جاتے ہیں ﴿ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا﴾ پھر بنا دیتا ہے ان کو تہہ بہ تہہ۔ پہلے بادل باریک ہوتا ہے پھر اس کو گہرا کر دیتا ہے ﴿فَتَرَى الْوَدْقَ﴾ پھر آپ دیکھتے ہیں بارش کو ﴿يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ﴾ نکلتی ہے ان بادلوں کے درمیان سے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت سمجھنے کے لیے تو اتنی بات ہی کافی ہے کہ بادل کس نے اکٹھے کیے، ہواؤں کو کس نے حکم دیا، پہلے جدا جدا ٹکڑے تھے پھر جڑ گئے، پہلے باریک تھے پھر گہرے ہو گئے پھر ان کے درمیان سے بارش نکلنے لگ گئی ﴿وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور اُتارتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف سے ﴿مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ﴾ اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے۔ ہوائی جہاز پر سفر کرو تو نیچے بادل ایسے محسوس ہوتے ہیں جیسے پہاڑ ہیں۔ گویا یہ جو بادلوں کے پہاڑ ہیں ان سے اولے رب تعالیٰ اتارتے ہیں۔ بردٌ کی 'را' پر اگر جزم ہو تو معنٰی ہوتا ہے ٹھنڈک۔ اور اگر 'را' پر زبر ہو تو معنٰی ہے اولے۔ تو آسمان کی طرف سے بادلوں کے پہاڑوں سے اولے کون اُتارتا ہے ﴿فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ پس پہنچاتا ہے وہ اولے جس کو چاہے۔ جن لوگوں پر وہ چاہتا ہے اولے پھینکتا ہے۔

سنا ہے پچھلے دنوں اوکاڑے میں ایک ایک پاؤ کا اولا پڑا ہے ﴿وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ﴾ اور پھیرتا ہے اس کو جس سے چاہتا ہے۔ جہاں نہیں پھینکنے وہاں نہیں پھینکتا۔ اسی بادل سے بارش برستی ہے، اسی بادل سے ژالہ باری ہوتی ہے۔ یہ کون کرتا ہے؟ حیرت ہے ان لوگوں پر جو رب تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں۔

اہل حق کا دہریے سے مناظرہ :

ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک اہل حق کا ایک دہریے سے مناظرہ ہو گیا۔ دہریہ کہتا ہے کہ رب کوئی چیز نہیں ہے معاذ اللہ تعالیٰ اور حق والے نے رب تعالیٰ کا وجود ثابت کرنا ہے۔ دن اور وقت کا تعین ہو گیا، لوگ جمع ہو گئے دہریہ بھی پہنچ گیا لیکن حق پرست نے جان بوجھ کر تاخیر کی۔ جب پہنچا تو دہریے نے کہا کہ آپ نے وعدے کی خلاف ورزی کی ہے دیر سے آئے

ہو۔حق پرست نے کہا کہ راستے میں نالے تھے بارش کی وجہ سے ان میں پانی زیادہ تھا عبور نہیں کرسکتا تھا پانی کم ہوا تو پہنچ گیا ہوں۔ دہریے نے کہا بے وقوف بادل تو تھا نہیں بارش کہاں سے آ گئی؟ حق پرست نے کہا میرا دعویٰ ثابت ہو گیا ہے کہ اگر بادل کے بغیر بارش نہیں ہو سکتی تو یہ زمین اور آسمان خالق کے بغیر کیسے پیدا ہو گئے اور ان کا نظام رب تعالیٰ کے بغیر کون چلا رہا ہے؟ آپ بادل کے بغیر بارش کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں میں خالق کے بغیر زمین، آسمان، پہاڑ، دریا کیسے مان لوں؟ اور کیسے مان لوں کہ ان کا نظام خود بخود چل رہا ہے اور کوئی چلانے والا نہیں ہے۔کل ہی آپ حضرات نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان سنا کہ: ؎

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

"کوئی چیز خود بخود نہیں بنی، بنانے والے نے بنائی ہے۔"

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں واقعہ نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کشتی میں سوار تھے ایک دہریہ بھی کشتی سوار ہوا۔ پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کا نام نعمان والد صاحب کا نام ثابت اور دادا کا نام زوطہ تھا ایرانی النسل تھے جیسے امام بخاری بھی ایرانی النسل ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ وہ دہریہ امام صاحب کے پاس آ کر کہنے لگا کہ سنا ہے تم بڑے امام ہو۔امام صاحب نے فرمایا کہ سنی سنائی بات غلط بھی ہو سکتی ہے۔ کہنے لگا میں نے آپ کی بڑی شہرت سنی ہے میں آپ سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے یا نہیں؟ امام صاحب نے اس سے کہا کہ میں اس وقت عجیب وغریب کیفیت میں ہوں۔ بڑا عجیب واقعہ میرے پیش نظر ہے۔اس میں متفکر ہوں اس کے بعد میں آپ کو کچھ کہہ سکتا ہوں۔ وہ اس طرح کہ میں نے دیکھا کہ دریا کے کنارے ایک پودا خود بخود اُگ گیا اور بڑا درخت بن گیا پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ خود بخود کٹ گیا اور اس کے تختے بن گئے پھر وہ تختے خود بخود جڑ گئے اور کشتی تیار ہو گئی۔اب وہ کشتی بغیر کسی ملاح کے خود بخود لوگوں کو اِدھر اُدھر لے جاتی ہے اور خود کرایہ وصول کرتی ہے۔

دہریے نے کہا کہ میں نے تو سنا ہے کہ آپ بڑے عقل مند ہیں لیکن آپ تو بڑے بے وقوف ثابت ہوئے ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ درخت خود بخود اُگ کے بڑا ہو گیا پھر اس کے تختے بن کر کشتی تیار ہو گئی اور خود بخود لوگوں کو آر پار لے جانے لگی اس کو کوئی چلانے والا نہیں ہے۔یہ بات میں کیسے مان لوں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے تجھے مسئلہ سمجھا دیا ہے رب تعالیٰ کے وجود کا۔ تجھے ایک کشتی سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ خود بخود بن گئی اور خود بخود چل سکتی ہے تو میں یہ کیسے مان لوں کہ یہ زمین آسمان کا نظام بغیر کسی چلانے والے کے چل رہا ہے اور یہ خود بخود بن گیا ہے۔کوئی آدمی سمجھنا چاہے تو آسانی سے سمجھ سکتا ہے مگر ضدی کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

فرمایا یہ رب تعالیٰ کی قدرتیں ہیں ﴿يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ﴾ قریب ہے اس کی بجلی کی چمک ﴿يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ﴾ لے جائے آنکھوں کو۔ حکماء لکھتے ہیں کہ جب بجلی چمکے تو اس کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ یا تو آدمی اندھا ہو جائے گا یا بینائی متاثر ہو گی۔اسی طرح

سورج گرہن کے وقت بھی سورج کو نہیں دیکھنا چاہیے بینائی متاثر ہوگی یا بالکل چلی جائے گی۔ اسی طرح تیز روشنی کو دیکھنا بھی بینائی کو متاثر کرتا ہے ﴿یُقَلِّبُ اللّٰہُ الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ﴾ بدلتا ہے اللہ تعالیٰ رات اور دن کو۔ آج سے ایک مہینہ پہلے رات ایک گھنٹہ زیادہ تھی بہ نسبت دن کے اور اب رات چھوٹی ہوتی جارہی ہے اور دن بڑھتا جارہا ہے۔ یہ گھٹانے بڑھانے والا کون ہے؟ ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ﴾ بے شک اس میں عبرت ہے آنکھوں والوں کے لیے۔

تیسری دلیل: ﴿وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ہر جانور کو مخصوص قسم کے پانی سے جو اس نوع کا نطفہ ہے۔ انسان کو انسان کے نطفے سے، گدھے کو گدھے کے نطفے سے علی ہذا القیاس باقی جانور ہیں۔ تو یہ ہر نوع کے جانور کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ ﴿فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰی بَطۡنِہٖ﴾ پس ان میں سے بعض وہ ہیں جو چلتے ہیں پیٹ کے بل جیسے سانپ وغیرہ اور اتنے تیز چلتے ہیں کہ بعض ٹانگوں والے بھی ان کو نہیں پہنچ سکتے ﴿وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰی رِجۡلَیۡنِ﴾ اور بعضے ان میں سے وہ ہیں جو چلتے ہیں دو پاؤں پر جیسے انسان ہیں، مرغیاں ہیں، پرندے ہیں ﴿وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰۤی اَرۡبَعٍ﴾ اور ان میں سے وہ ہیں جو چلتے ہیں چار ٹانگوں پر، گائے، بھینس، اونٹ وغیرہ۔ ان سب کو پیدا کرنے والا کون ہے ﴿یَخۡلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ﴾ پیدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے۔ ایک جانور ہے کنکھجورا اس کی چوالیس ٹانگیں ہیں۔ بائیس ایک طرف اور بائیس ایک طرف۔ اور ایک جانور ہے اس کو ہزار پائے کہتے ہیں پانچ سو ٹانگ ایک طرف اور پانچ سو ٹانگ دوسری طرف، پوری ریل گاڑی ہے۔ ان سب کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

رب تعالیٰ کو سمجھنا چاہو تو اپنے وجود کو دیکھ کر غور و فکر کر کے سمجھ سکتے ہو۔ جانوروں کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہو۔ بارش اور اولوں کو دیکھ کے سمجھ سکتے ہو لیکن ضد اور عناد ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ فرمایا ﴿لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ﴾ البتہ تحقیق ہم نے نازل کی ہیں آیتیں کھول کر بیان کرنے والیاں، حقیقت کو کھول کے رکھ دیتی ہیں ﴿وَاللّٰہُ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔ اور ہدایت دیتا کس کو ہے؟ جو طالب ہوتا ہے ہدایت حاصل کرنے کی نیت کرے جبراً اللہ تعالیٰ ہدایت کسی کو نہیں دیتا۔

منافق کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

آگے منافقوں کا ایک واقعہ بیان فرمایا۔ اس سے قبل پانچویں پارے میں بھی بیان ہوا ہے۔ بشیر نامی منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا ایک زمین کے متعلق۔ یہودی کہتا تھا زمین میری ہے اور منافق کہتا تھا یہ زمین میری ہے وہ سادہ زمانہ تھا اس وقت رجسٹریاں انتقال تو ہوتے نہیں تھے۔ آج بھی بعض پرانے لوگوں کے مکانات کی رجسٹریاں نہیں ہیں لیکن سارے لوگ جانتے ہیں کہ یہ ان کے ہیں۔ تو اس زمانے میں بھی رجسٹریاں نہیں ہوتی تھیں اور اس دعویٰ میں یہودی سچا تھا۔ منافق نے ناجائز قبضہ کیا ہوا تھا، ایک محلے میں رہتے تھے۔ یہودی نے کہا کہ آپ کے پیغمبر سے فیصلہ کروا لیتے ہیں جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو۔

منافق ظاہری طور پر تو مسلمانوں میں شامل ہوتا ہے نفاق تو اللہ تعالیٰ ظاہر فرماتے ہیں۔منافق نے یہودی سے کہا کہ تم نے ہمارے نبی کا کلمہ نہیں پڑھا لہٰذا ان کے پاس نہیں جانا بلکہ تمھارے مولوی کعب ابن اشرف کے پاس جاتے ہیں۔یہ یہودیوں کا بڑا راشی مولوی تھا اس کو جو اشارہ کر دیتا کہ تجھے کچھ ملے گا تو ڈگری اس کے حق میں کر دیتا تھا۔محلے والوں کے مجبور کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی گفتگو سنی دلائل سنے اور یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا کہ یہ زمین یہودی کی ہے۔منافق کو بڑی تکلیف ہوئی کہ میں جھوٹا بھی ہوا اور زمین بھی ہاتھ سے نکل گئی۔

چنانچہ اس پر بدبختی کا غلبہ ہوا اور کہنے لگا کہ چلو عمر رضی اللہ عنہ سے بھی فیصلہ کروا لیتے ہیں۔اس کا خیال تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کافروں کے متعلق بڑے سخت ہیں جب ان کو علم ہوگا کہ میں کلمہ پڑھنے والا ہوں اور یہ یہودی ہے تو میری رعایت کریں گے یہ اس کا وہم تھا یہودی بڑا سمجھدار تھا اس نے کہا ٹھیک ہے چلو۔وہ جانتا تھا کہ بڑی عدالت کے فیصلے کے بعد چھوٹی عدالت کیا کرے گی۔چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کرنے کا حق دیا ہوا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ وغیرہ کو کہ محلوں سے جو چھوٹے موٹے مقدمات آتے ہیں سن کر فیصلہ کر دیا کرو۔کیوں کہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا۔

دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اپنا مقدمہ ان کے سامنے رکھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے مجھے فیصلہ کرنے کا حق ہے مگر یہاں دو قوموں کا مسئلہ ہے ایک یہودی ہے اور ایک مسلمان ہے اگر کوئی کمی بیشی مجھ سے ہوگئی تو دو قوموں کے ساتھ نبھانا بڑا مشکل ہو جاتا ہے دونوں مسلمان ہوتے تو میں فیصلہ کر دیتا لہٰذا مقدمہ مجھ سے بڑا ہے تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔یہودی کہنے لگا وہاں سے تو ہو آئے ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انھوں نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ یہودی نے کہا کہ ان کا فیصلہ میرے حق میں ہوا ہے۔بشیر نامی منافق سے پوچھا کہ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا پھر ٹھہر جاؤ میں بھی فیصلہ کرتا ہوں۔اندر گئے جو بڑی تیز تلوار تھی لے کر آئے اور منافق کا سر اُتار دیا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہیں مانتا پھر اس کا فیصلہ میری تلوار ہی کرے گی۔ایک قول کے مطابق اس دن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فاروق لقب پڑا۔حق اور باطل کے درمیان عملاً فیصلہ کرنے والا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ اور یہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَ بِالرَّسُوْلِ﴾ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ﴿وَ اَطَعْنَا﴾ اور ہم نے اطاعت کی کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے قائل ہیں ﴿ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ﴾ پھر پھر جاتا ہے ایک گروہ ان میں سے ﴿مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد۔آج ساری پاکستانی قوم بمع حکمرانوں کے، الا ما شاء اللہ، کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں زبان سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن قرآنی احکامات کی طرف بلاؤ تو نہیں آتے۔ان میں ترمیمیں کرتے ہیں۔یہ آیات ان پر صادق اور فٹ آتی ہیں ﴿وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔یہ صرف زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ان آیات کو بار بار پڑھو اور ان پر غور و فکر کرو کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ

پر اس کے رسول ﷺ پر اور ان کے اطاعت گزار ہیں لیکن عملی طور پر پھر جاتے ہیں یہ اپنے دعویٰ میں بالکل جھوٹے ہیں۔ ﴿وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور جب ان کو دعوت دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرف ﴿لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ﴾ تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں ﴿اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ اچانک ایک گروہ ان میں سے اعراض کرنے والا ہوتا ہے۔ یہی حالت ہمارے حکمران طبقے کی ہے۔ دعویٰ ایمان کا ہے اور قرآن کے احکام میں ترمیم کرنے کے درپے ہیں ان میں ہیرا پھیری کرتے ہیں۔ علامہ اقبال مرحوم نے کیا اچھا کہا ہے:

؎ خویش را تاویل کن نے ذکر را

اپنے آپ کو پھیرو قرآن پاک کو نہ ہلاؤ اپنی جگہ سے۔ اپنے غلط نظریات کو بدل لو قرآن کو نہ بدلو۔ ﴿وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ﴾ اور اگر ہو ان کے لیے حق کہ ان کو ملے گا ﴿يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ﴾ تو آتے ہیں حق کی طرف بڑی جلدی سے چل کر۔ جب ان کو پتا چلتا ہے کہ ہمیں آنحضرت ﷺ سے کچھ ملے گا تو بھاگے بھاگے آتے ہیں ﴿اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے ﴿اَمِ ارْتَابُوْٓا﴾ یا شک کرتے ہیں ﴿اَمْ يَخَافُوْنَ﴾ یا خوف کرتے ہیں ﴿اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ﴾ یہ کہ ظلم کرے گا ان پر اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کا رسول، حاشا وکلا! ﴿بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ہرگز نہیں وہی لوگ ظالم ہیں۔ اسی لیے رب تعالیٰ کے احکامات سے گریز کرتے ہیں۔

﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بات ایمان والوں کی ﴿اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ جس وقت ان کو دعوت دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کے رسول کی طرف ﴿لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ﴾ تاکہ وہ فیصلہ کریں ان کے درمیان ﴿اَنْ يَّقُوْلُوْا﴾ تو وہ کہتے ہیں ﴿سَمِعْنَا﴾ ہم نے سن لیا ﴿وَاَطَعْنَا﴾ اور ہم نے اطاعت کی ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ﴾ اور جو شخص اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ کی ﴿وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور اس کے رسول کی ﴿وَيَخْشَ اللّٰهَ﴾ اور ڈرے گا اللہ تعالیٰ سے ﴿وَيَتَّقْهِ﴾ اور بچے گا (اس کی نافرمانی سے) ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور ان لوگوں نے قسمیں اُٹھائیں اللہ تعالیٰ کی ﴿جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ مضبوط قسمیں ﴿لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ﴾ البتہ اگر آپ ان کو حکم دیں گے ﴿لَيَخْرُجُنَّ﴾ تو وہ ضرور نکلیں گے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّا تُقْسِمُوْا﴾ تم قسمیں مت اُٹھاؤ ﴿طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ﴾ دستور کے مطابق اطاعت ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿خَبِيْرٌ﴾ خبردار ہے ﴿بِمَا﴾ اس کارروائی سے ﴿تَعْمَلُوْنَ﴾ جو تم کرتے ہو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ﴾ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَ

﴿اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ اور اطاعت کرو رسول کی ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر تم نے روگردانی کی ﴿فَاِنَّمَا﴾ پس پختہ بات ہے ﴿عَلَیْهِ﴾ پیغمبر کے ذمہ ﴿مَا﴾ وہ چیز ہے ﴿حُمِّلَ﴾ جو ان کو اٹھوائی گئی ہے ﴿وَعَلَیْكُمْ﴾ اور تمھارے اُوپر ﴿مَّا﴾ وہ چیز ہے ﴿حُمِّلْتُمْ﴾ جو تمھیں اُٹھوائی گئی ہے ﴿وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ﴾ اور اگر تم اطاعت کرو گے اس کی ﴿تَهْتَدُوْا﴾ تو ہدایت پالو گے ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ﴾ اور نہیں ہے رسول کے ذمے ﴿اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾ مگر پہنچا دینا کھول کر۔

ربطِ آیات

کل کے سبق میں آپ حضرات نے سنا (اور پڑھا) کہ جب منافقوں کو دعوت دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ وہ تمھارے درمیان فیصلہ کریں تو ایک فریق ان میں اعراض کرتا ہے۔ اب ان کے بالمقابل مومنوں کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ اور یقینی بات ہے ﴿كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ہے بات ایمان والوں کی۔ کب؟ ﴿اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ جب ان کو دعوت دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ﴿لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ اس کے مومنوں کی بات یہ ہوتی ہے ﴿اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ بلا قیل وقال کہتے ہیں کہ ہم نے حکم سن لیا اور مان لیا۔ کوئی حیلہ بہانہ نہیں کرتے۔

جذبہ جہاد

جنگِ احد کا موقع تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کرائی کہ جو مسلمان جس حالت میں ہے آجائے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی نئی نئی شادی ہوئی تھی میاں بیوی آپس میں ملے تھے۔ آواز سنی کہ جس حالت میں ہو نکل آؤ۔ انھوں نے خیال کیا کہ اگر میں غسل کروں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی اسی حالت میں آگئے۔ جنگ میں شریک ہوئے اور شہید ہوگئے۔ چوں کہ غسل واجب تھا اور اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ لوگوں نے آنکھوں سے دیکھا کہ شہید ہونے کے بعد فرشتوں نے ان کو تختے پر لٹا کر غسل دیا اسی لیے ان کا لقب ہے غَسِیْلُ الْمَلٰئِکَۃ کہ فرشتوں نے ان کو غسل دیا۔

تین گھروں میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے

اور ایک مسئلہ بھی سمجھ لیں اور اس کو یاد بھی رکھنا کہ تین گھروں میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ رحمت کے فرشتوں کا الگ محکمہ ہے جو مومنوں کے گھروں میں جا کر رحمت کی دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ان گھر والوں پر رحمت نازل فرما۔ اس وجہ سے ان کو رحمت کے فرشتے کہتے ہیں۔ تو جس گھر میں کتا ہو اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ البتہ تین قسم کے کتے شریعت نے مستثنیٰ کیے ہیں۔

①...... شکاری کتا اور اس سے شکار کھیلتے ہوں۔ محض شکاری ہونا کافی نہیں ہے۔

۲...... وہ کتا جو جانوروں کی حفاظت کے لیے رکھا ہوا ہو۔
۳...... وہ کتا جو کھیتی کی حفاظت کے لیے رکھا ہو۔

ان تین قسموں کے علاوہ اور کوئی کتا گھر میں ہوگا تو اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ اور اس گھر میں بھی رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں جان دار کی تصویر سامنے نظر آتی ہو۔ اگر نظر نہیں آتی مثلاً: کتاب میں ہے، نوٹوں پر ہے اور نوٹ جیب میں ہیں تو پھر جدا بات ہے۔ کیوں کہ فرشتے غیب نہیں جانتے اور تیسرا اس گھر میں بھی فرشتے داخل نہیں ہوتے کہ میاں بیوی پر غسل واجب ہو اور وہ غسل کے بغیر چلیں پھریں کہ ایسے جسم سے ایک خاص قسم کی بو آتی ہے اور فرشتوں کو بو سے نفرت ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ہونٹوں کے قریب فرشتے ہوتے ہیں جو باری باری درود شریف پہنچاتے ہیں اور جو آدمی ذکر واذکار کرتا ہے سبحان اللہ وغیرہ وہ پہنچاتے ہیں۔ مگر جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو جھوٹ کی بو کی وجہ سے ایک میل دور بھاگ جاتے ہیں۔ مگر ہمارا تو مشغلہ ہے روزمرہ جھوٹ بولنا۔ اور ہمیں بو محسوس بھی نہیں ہوتی کیوں کہ ہماری حس مری ہوتی ہے۔ تو مومنوں کو جب بلایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے تو وہ بلا قیل وقال کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور مان لیا۔ اور منافقوں کے دل میں نہ اللہ تعالیٰ کی عظمت ہوتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی، ﷺ۔ اس لیے زبانی طور پر تو مانتے ہیں اور دل سے منکر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ دل وجان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں ﴿وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور یہی لوگ کامیاب ہیں ﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ اور جو اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی ﴿وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ﴾ اور ڈرے گا اللہ تعالیٰ سے اور بچتا رہے گا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

مومنوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر منافقوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ منافق زبان چلانے کے بڑے ماہر تھے گفتگو بڑے انداز سے کرتے تھے اور قسموں کے ساتھ اس کو مضبوط کر کے آدمی کو قائل کر لیتے اور جھوٹ کو ایسے انداز میں پیش کرتے کہ سننے والا اس کو سچ سمجھتا تھا۔ چنانچہ ۶ ھ میں آنحضرت ﷺ غزوہ بنی مصطلق سے واپس آرہے تھے کہ راستے میں ایک مہاجر اور ایک انصاری کا جھگڑا ہو گیا۔ مہاجر نے انصاری کے سر پر کوئی چیز دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ انصاری نے زور سے نعرہ بلند کیا یاللانصارُ اے انصاریو! میری مدد کو پہنچو اس مہاجر نے مجھے زخمی کر دیا ہے۔ ادھر مہاجر نے بھی یاللمهاجرون کا نعرہ لگا دیا کہ مجھے انصاریوں سے بچاؤ۔

جب آنحضرت ﷺ کو علم ہوا تو فرمایا: ما بال دعوى الجاهلية لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جاہلیت کے نعرے لگا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو اِنَّهَا مُنْتِنَه یہ تو بدبودار نعرے ہیں۔ اس سفر میں عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین بھی شامل تھا کچھ اور منافق بھی تھے۔ یہ رات کو ایک خیمے میں اکٹھے ہوئے اور واہی تباہی باتیں کیں آنحضرت ﷺ کے متعلق

کہ کوئی مسلمان سن نہیں سکتا۔ جن میں سے ایک بات یہ بھی تھی ﴿لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ [منافقون: ۸] "ضرور نکال دے گا عزت والا اس میں سے ذلت والوں کو۔" رئیس المنافقین نے یہ بات کہی وہ اپنے آپ کو مدینہ طیبہ کا بڑا معزز سمجھتا تھا کہ ہم واپس جا کر اس ذلیل ترین انسان کو نکال دیں گے معاذ اللہ تعالیٰ۔ یہ جملہ اس کمینے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نوعمر صحابی تھے قریب سے ان کی باتیں سن رہے تھے رات کے اندھیرے کی وجہ سے ان کو خبر نہ ہوئی۔ صبح ہوئی تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہنے لگے حضرت! ضمیر تو گوارا نہیں کرتا دل بھی نہیں چاہتا مگر حضرت! مجبوراً کچھ باتیں کہنی پڑتی ہیں۔ حضرت! رات میرا خیمہ ان لوگوں کے قریب تھا۔ حضرت! انھوں نے بہت اوٹ پٹانگ باتیں کی ہیں آپ کے بارے میں۔ ان باتوں میں سے کچھ بتائیں بھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بلایا فرمایا تم نے رات یہ باتیں کی ہیں کہنے لگے جی توبہ توبہ! ہم ایسی باتیں کر سکتے ہیں؟ ہماری زبانیں نہ جل جائیں، ہمارے ہونٹ نہ ختم ہو جائیں کہ آپ کے متعلق ایسی باتیں کریں اس کو کہو گواہ لائے۔ وہاں گواہ کہاں تھے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ ان خبیثوں نے اتنے اعتماد سے بات کی اور یقین دلایا کہ حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فَكَذَّبَنِيْ وَ صَدَّقَهُمْ "پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا قرار دیا اور ان کو سچا مان لیا اور مجھ سے سخت ناراض ہوئے۔" کہ تم نے خواہ مخواہ سچے لوگوں کو جھوٹا بنانے کے لیے یہ کہانی بنائی ہے۔ فرماتے ہیں میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ میں روتا ہوا واپس آ گیا۔ میرے چچا میرے ساتھ تھے۔ اس نے پوچھا کیا بات ہوئی ہے؟ میں نے بتایا تو کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے جھوٹا کہا ہے اب تجھے سچا کون کہے گا؟ میں روتا تھا میرے چچا نے مجھے جھڑکا کہ تم نے ایسی حرکت کیوں کی ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے غلط بیانی نہیں کی بلکہ یہ سب باتیں ہوئی ہیں۔ تھوڑا سا وقت گزرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد آیا اَجِبْ رسول اللہ ﷺ۔ اے زید! آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں فوراً پہنچو۔ میں سہما سہما ڈرتا ڈرتا ہوا پہنچا کہ کہیں مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سزا نہ دیں۔ لیکن دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ بڑا روشن تھا۔ فرمایا اے زید! قَدْ صَدَّقَكَ اللّٰهُ تعالیٰ "اللہ تعالیٰ نے تجھے سچا قرار دیا ہے اور وہ جھوٹے ہیں۔" پھر سورہ منافقون پڑھ کر سنائی ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ "جب آتے ہیں آپ کے پاس منافق تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم البتہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے بے شک منافق البتہ جھوٹ بولتے ہیں۔" یہ سب کچھ انہوں نے کہا ہے جو زید نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا ہے۔ تو یہ منافق جب آپ کے پاس آتے تھے تو بڑے زوردار الفاظ میں قسمیں اٹھاتے تھے۔ حضرت! رب کی قسم ہے جب آپ ہمیں جہاد کا حکم دیں گے تو ہم دوسروں سے پہلے نکلیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور انھوں نے قسمیں اٹھائیں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ﴿جَهْدَ﴾ مضبوط ﴿جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ اپنی قسمیں ﴿لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ﴾ البتہ اگر آپ ان کو حکم دیں گے ﴿لَيَخْرُجُنَّ﴾ البتہ ضرور نکلیں گے جہاد کے لیے

قُلْ آپ کہہ دیں ﴿لَا تُقْسِمُوْا﴾ تم مت قسمیں اُٹھاؤ ﴿طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ﴾ دستور کے مطابق اطاعت ہے ہم تمھاری اطاعت کو جانتے ہیں ﴿إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خبردار ہے اس کارروائی سے جو تم کرتے ہو۔ تم جھوٹے لوگ ہو ایسے ہی خواہ مخواہ جھوٹی قسمیں اُٹھاتے ہو قُلْ آپ کہہ دیں ﴿أَطِيْعُوا اللّٰهَ﴾ صحیح معنیٰ میں سچ مچ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو ﴿وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو صحیح معنیٰ میں ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر تم نے روگردانی کی اور اطاعت سے پھر گئے ﴿فَإِنَّمَا عَلَيْهِ﴾ بے شک نبی کے ذمہ ہے ﴿مَا حُمِّلَ﴾ وہ بات جو ان پر ڈالی گئی ہے۔ جس کے وہ مکلف ہیں اس کا سوال ان سے ہوگا ﴿وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ﴾ اور تمھارے ذمہ ہے جو تم پر ڈالی گئی ہے۔

پہلے پارے میں رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾ [بقرہ:۱۱۹] "اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے دوزخیوں کے متعلق سوال نہیں ہوگا۔" کہ یہ دوزخ میں کیوں گئے ہیں اور یہ سوال چند وجوہات کی بنیاد پر ہوسکتا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام پہنچانے میں کوتاہی کی ہو اور اس کوتاہی کی وجہ سے وہ دوزخ میں چلے گئے ہوں۔ حالاں کہ کسی بھی پیغمبر نے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں قطعاً کوئی کوتاہی نہیں کی اور وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ہدایت دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بس میں ہوتا تو پھر سوال ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دینے کا اختیار تھا پھر یہ دوزخ میں کیوں گئے ہیں؟ حالاں کہ یہ بھی نبی کے اختیار میں نہیں ہے ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [قصص:۵۶] "بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے اس کو جس کے ساتھ آپ کی محبت ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم! ہادی ہیں ہدایت کا راستہ بتانا آپ کا کام ہے ہدایت دینا رب تعالیٰ کا کام ہے۔

تو فرمایا نبی کے ذمہ وہ ہے جو بوجھ ان پر ڈالا گیا ہے جس کے وہ مکلف ہیں اس کا سوال ان سے ہوگا اور تمھارے ذمہ وہ چیز ہے جو تم پر عائد کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت ﴿وَإِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا﴾ اور اگر تم اطاعت کروگے اللہ تعالیٰ کے رسول کی ہدایت پاؤگے۔ اور فرمایا سن لو ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ اور نہیں ہے رسول کے ذمے مگر بات کو پہنچا دینا کھول کر۔ تسلیم کرانا پیغمبر کے فریضہ میں داخل نہیں ہے پیغمبر اپنا فریضہ ادا کر چکے ہیں۔ اب تم ہدایت حاصل کروگے تو فلاح پاؤگے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ﴾ وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے ﴿الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں سے ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿مِنْكُمْ﴾ تم میں سے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ﴾ البتہ ضرور خلیفہ بنائے گا ان کو ﴿فِي الْأَرْضِ﴾ زمین میں ﴿كَمَا﴾ جیسے ﴿اسْتَخْلَفَ﴾ خلیفہ بنایا ﴿الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جو ان سے پہلے تھے ﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ﴾ اور البتہ ضرور قدرت دے گا ان کو ﴿دِيْنَهُمُ﴾ ان کے دین کو ﴿الَّذِي﴾ وہ دین ﴿ارْتَضٰى لَهُمْ﴾ جو

پسند کیا ہے ان کے لیے ﴿وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ﴾ اور البتہ ضرور بدل دے گا ان کے لیے ﴿مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ ان کے خوف کے بعد امن کو ﴿يَعْبُدُوْنَنِيْ﴾ وہ میری عبادت کریں گے ﴿لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا﴾ نہیں شریک کریں گے میرے ساتھ کسی شے کو ﴿وَ مَنْ كَفَرَ﴾ اور جس نے کفر کیا ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ پس یہی لوگ نافرمان ہیں ﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرو نماز ﴿وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور ادا کرو زکوٰۃ ﴿وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ اور اطاعت کرو رسول کی (صلی اللہ علیہ وسلم) ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ﴾ ہرگز نہ گمان کریں آپ ان لوگوں کے بارے میں ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ وہ عاجز کرنے والے ہیں زمین میں ﴿وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ﴾ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿وَ لَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ اور البتہ وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

مسئلہ خلافت

آج میں نے آپ حضرات کے سامنے تین آیتیں پڑھی ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خلافت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ قرآن کریم کے نزول کے وقت مخاطب صرف صحابہ کرام ہیں رضی اللہ عنہم۔ دوسری اُمت اس کی مخاطب نہیں ہے کیوں کہ موجود ہی نہیں ہے۔ نہ تابعین موجود تھے نہ تبع تابعین موجود تھے نہ ان سے بعد کے لوگ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے، جو نزول قرآن کے وقت موجود ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ﴿وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور جنھوں نے عمل کیے اچھے۔ اچھے عمل کرنے والے مومنوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اس بات کا کہ ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ﴾ البتہ ضرور خلیفہ بنائے گا ان کو ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں۔ گرامر کے لحاظ سے لام بھی تاکید کا ہے اور نون بھی تاکید کا ہے۔ تاکید در تاکید کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے البتہ ضرور ان کو خلیفہ بنائے گا زمین میں ﴿كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جیسا کہ اس نے خلافت بخشی ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں میں خلفاء بنائے تم میں سے بھی ضرور بنائے گا ﴿وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ﴾ اور البتہ ضرور قدرت دے گا جما دے گا ان کے لیے ان کے دین کو۔ یہاں بھی دو تاکیدیں ہیں لام بھی تاکید کا نون بھی تاکید کا، البتہ ضرور ان کے ذریعے دین کو چمکائے گا، پھیلائے گا ﴿الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ﴾ جو دین اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کیا ہے۔

یہ قرآن کریم کی نزول کے اعتبار سے جو آخری آیت ہے اس کا حصہ ہے ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [مائدہ: ۳] "آج کے دن کامل کر دیا تمھارے لیے تمھارے دین کو اور پوری کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت اور پسند کیا ہے میں نے تمھارے لیے اسلام کو دین۔" تو جو دین رب تعالیٰ نے پسند کیا ہے اس دین کو ان کے ذریعے

پھیلائے گا، چمکائے گا۔ ان کے ذریعے اس دین کو خوب وقعت حاصل ہوگی ﴿وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ اور البتہ ضرور تبدیل کر دے گا اللہ تعالیٰ ان کے لیے خوف کے بعد امن کو۔ یہاں بھی دو تاکیدیں ہیں، لام بھی تاکید کا اور نون بھی تاکید کا۔ تاکید در تاکید کے ساتھ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خلافت کے دور میں خوف کے بعد امن ہوگا۔ پھر کیا ہوگا؟ ﴿يَعْبُدُوْنَنِيْ﴾ وہ میری عبادت کریں گے ﴿لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا﴾ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

خلفائے راشدین

قرآن پاک کی اس نص قطعی کے تحت حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم خلفائے برحق ہیں۔ یہ ساری خوبیاں اسلام کو ان کے دور میں حاصل ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے دین کو خوب پھیلایا اور چمکایا۔ مسند احمد اور مستدرک حاکم حدیث کی کتابیں ہیں۔ ان میں روایت ہے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسجد نبوی کی تعمیر دو دفعہ ہوئی ہے پہلی دفعہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ دوبارہ تعمیر سات ہجری کے بعد ہوئی ہے۔ پہلے بھی کچی تھی دوبارہ بھی کچی تھی۔ دوبارہ جب تعمیر ہوئی اور بنیادیں نکالی گئیں روایت میں ہے) کہ پہلا پتھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا دوسرا پتھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رکھا اور تیسرا پتھر آپ کے حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکھا، چوتھا پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رکھا۔ اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کافی تعداد موجود تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((هٰؤُلَاءِ وُلَاةُ الْاَمْرِ مِنْۢ بَعْدِيْ)) "یہ جس ترتیب سے انھوں نے پتھر رکھے ہیں اسی ترتیب سے یہ میرے بعد خلفاء ہوں گے۔"

صحیح روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا اور پیغمبر کا خواب حقیقت ہوتا ہے۔ فرمایا میں نے دیکھا ایک کنواں ہے اس میں بڑا پانی ہے میں اس کنویں سے پانی نکال کر لوگوں کو پلا رہا ہوں۔ میرے بعد ڈول ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پکڑ لیا اور پانی نکال کر لوگوں کو پلایا۔ اس کے بعد ڈول عمر رضی اللہ عنہ نے پکڑ لیا اور دیکھتے دیکھتے وہ ڈول بڑا ہو گیا۔ فرمایا: لَمْ اَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِيْ فَرِيَّهٗ "ایسی قوت کے ساتھ پانی نکالنے والا قوی آدمی میں نے نہیں دیکھا۔" نکالتے گئے پلاتے گئے پہلے لوگ اپنے جانوروں کو کنویں کے پاس لا کر پانی پلاتے تھے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈول پکڑا تو جانوروں کے باڑوں تک پانی پہنچ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بائیس لاکھ مربع میل رقبہ فتح ہوا۔ پورا مصر، عراق، شام، ایران، افغانستان، کاشغر کی سرحد تک سارا علاقہ اور روم کا کافی حصہ فتح ہو گیا تھا تھوڑا سا رہ گیا تھا بعد میں وہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اور انھوں نے لوگوں کے گھروں تک وظائف پہنچائے۔

(۳)...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ آسمان کی طرف سے ایک ترازو اُتری۔ اس کے ایک پلڑے میں مجھے بٹھایا گیا دوسرے پلڑے میں دوسرے لوگوں کو، میرا پلڑا بھاری ہو گیا۔ پھر میری جگہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بٹھایا گیا تو ان کا

وزن بھاری تھا پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ عمر رضی اللہ عنہ کو بٹھایا گیا تو ان کا وزن زیادہ تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جگہ عثمان رضی اللہ عنہ کو بٹھایا گیا جب تولا گیا تو اُوپر سے رسی ٹوٹ گئی۔ یہ اشارہ تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی طرف کہ ان کے آخری دور میں عبداللہ ابن سبا یمنی یہودی کی ناپاک سازشوں کے تحت بہت کچھ ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔

خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء متعین تو نہیں فرمائے لیکن قرائن سے بتا دیا کہ یہ حضرات میرے خلفاء ہیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکلیف تھی ایک عورت مقدمہ لے کر آئی کہ میں نے آپ سے فیصلہ کرانا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بی بی! مجھے اس وقت تکلیف زیادہ ہے پھر آ جانا۔ کہنے لگی حضرت! میں دوبارہ آؤں اِنْ لَّمْ اَجِدْكَ تَعْنِي الْمَوْتَ "اگر میں آپ کو نہ پاؤں مراد اس کی موت تھی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو جائے)، پھر میں کس کے پاس جاؤں؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَأْتِي اَبَابَكْرٍ "ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا وہ تیرا فیصلہ کریں گے۔" کتنی واضح بات ہے کہ اگر میں نہ ہوں تو پھر فیصلہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کریں گے۔

تو یاد رکھنا! قرآن پاک کی اس نص قطعی سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم خلفاء ہیں۔ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دین کو چمکایا اور پھیلایا۔ ان میں پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بڑی عظمت اور شان عطا فرمائی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے بابا! میرے ساتھ سودا کر لو اپنی دو نیکیاں مجھے دے دو اور میری ساری نیکیاں لے لو۔ ایک غار ثور والی رات کی نیکی اور دوسری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد استقامت والی نیکی۔ مشکوۃ شریف اور دیگر کتابوں میں روایت ہے کہ رات صاف تھی سب ستارے نظر آ رہے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا حضرت! کوئی ایسا بندہ ہے جس کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہوں؟ دیکھو! کیا ذہن تھا۔ آج کل کی بیوی، بیٹی، ماں، بہن ہوتی تو سوال کرتی کہ کوئی آدمی ایسا ہوگا جس کے پاس اتنے پیسے ہوں جتنے آسمان پر تارے ہیں؟ ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے طبعی طور پر جس طرح گرمی سردی کا اثر ہوتا ہے اسی طرح نیکی کے ماحول کا بھی اثر ہوتا ہے اور بدی کے ماحول کا بھی اثر ہوتا ہے۔ نیکی کی رفتار چیونٹی کی طرح ہے اور بدی کی رفتار گھوڑے کی طرح ہے۔

تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضرت! کسی کی اتنی نیکیاں بھی ہوں گی جتنے آسمان پر تارے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! عمر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا حضرت! میرے ابا جی کی نیکیاں؟ فرمایا عمر کی ساری نیکیاں اور ابوبکر کی ایک نیکی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا بابا جی! مجھ سے سودا کر لو۔ اپنی دو نیکیاں مجھے دے دو اور میری ساری نیکیاں لے لو۔ ایک نیکی ہجرت کے سفر والی کہ جان ہتھیلی پر رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں پہنچے پھر وہاں سے مدینہ طیبہ پہنچے۔ کافروں نے اعلان کیا ہوا تھا کہ جو ان کو زندہ پکڑ کر لائے گا اس کو دو سو اونٹ انعام میں ملیں گے۔ یا ان کے سر اتار کر لائے

تو بھی دوسواُونٹ ملیں گے۔ انعام کی خاطر لوگ پاگلوں کی طرح ٹکریں مارتے تھے۔ اس حالت میں ساتھ دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جان ہتھیلی پر رکھ کر ساتھ دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دنیا سے رخصت ہوئے تو سات محاذ بن گئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دنیا سے رخصت ہوئے تو سات محاذ بن گئے۔

① ...... مسیلمہ کذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا اور ایک محاذ کھول لیا۔

② ...... اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور محاذ کھول لیا۔

③ ...... طلیحہ بن خویلد نے نبوت کا دعویٰ کیا اور محاذ کھول لیا۔

④ ...... ان کو دیکھ کر ایک نوجوان لڑکی جس کا نام سجاح تھا اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ کچھ لوگ اس کے ساتھ بھی ہو گئے۔ یہ بھی ایک محاذ تھا۔

⑤ ...... کچھ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے مرتد ہو گئے تھے۔ یہ بھی ایک محاذ تھا۔

⑥ ...... ایک گروہ نے کہا کہ ہم باقی تمام کام کریں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ [سورہ توبہ: ۱۰۳] "اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ وصول کریں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زکوٰۃ لینے کا حکم تھا چونکہ آپ اب نہیں ہیں تو اور کسی کو ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ ایک محاذ یہ ہو گیا۔

⑦ ...... اور ایک محاذ موتہ کے مقام پر تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نامزد کیا تھا۔

ان تمام محاذوں پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقابلہ تھا۔ صرف ایک محاذ پر یمامہ کے مقام پر تین دن میں سات سو حفاظ کرام شہید ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! یہ جو زکوٰۃ نہیں دیتے کلمہ پڑھتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں فی الحال ان کے ساتھ نہ لڑو۔ فرمایا عمر! اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَ خَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ "جب کافر تھے تو بڑے بہادر اور دلیر تھے اب آپ ڈھیلی ڈھالی باتیں کرتے ہو اَيَنْقُصُ دِيْنٌ وَ اَنَا حَيٌّ میرے سامنے سامنے دین کم ہوتا جائے اور میں تماشا دیکھتا رہوں۔ خدا کی قسم! اگر یہ وہ رسی بھی نہیں دیں گے جو زکوٰۃ کے جانور کے ساتھ ہوتی ہے تو میں ان کے ساتھ لڑوں گا۔"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور رافضیوں کا رفض

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سات محاذوں پر جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے کامیاب فرمایا اور دین کی حفاظت فرمائی۔ ان حضرات نے دین کو چمکایا ہے۔ یہ خلفاء ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ "نہج البلاغہ" شیعہ کی کتاب ہے اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خط موجود ہے جو انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو لکھا۔ فرمایا میری بات ٹھنڈے دل سے سن لو۔ تمھیں علم ہے کہ اسلام سچا مذہب ہے اور قرآن حق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تم بھی ایمان رکھتے ہو اور ہم بھی ایمان رکھتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد انہی مومنوں اور شوریٰ کے لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ ان کے خلیفہ برحق ہونے کو تم بھی مانتے ہو اور ہم بھی مانتے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے ہم بھی مانتے ہیں اور تم بھی مانتے ہو۔ ان کے بعد انہی لوگوں نے اور شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ وہ خلیفہ برحق تھے ہم بھی مانتے ہیں اور تم بھی مانتے ہو۔ اور انہی لوگوں نے مجھے خلیفہ بنایا پھر تم کیوں نہیں مانتے؟

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب کو خلیفہ برحق مانتے ہیں یہ جو رافضی نے تفریق ڈالی ہوئی ہے خدا پناہ! اور اس تفریق کو تازہ کیا ہے خمینی نے۔ اس وقت دنیا میں تقریباً ایک ارب چالیس کروڑ مسلمان کہلانے والے ہیں جن میں رافضیوں کی تعداد دس کروڑ ہے۔ یہ ایران، عراق اور دوسرے علاقوں میں بھی ہیں اور ان کے نشر و اشاعت اور پھیلنے کی وجہ دولت ہے۔ چند عقائد ہیں اور متعہ اور تقیہ کے بل بوتے پر یہ چلتے ہیں۔ اسی طرح کچھ قادیانی ہیں، کچھ بابی ہیں، کچھ بہائی ہیں۔ باقی سنیوں میں کچھ کام کے سنی ہیں اور کچھ نام کے سنی ہیں۔ اور یہ باطل فرقے اتنے تیز ہیں کہ ان کے چھوٹے بچے سے بھی کچھ پوچھو تو وہ تمھیں بتائے گا۔ اور ہمارا پڑھا لکھا آدمی بھی کچھ نہیں بتا سکتا۔

تو اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ان لوگوں سے کہ جو تم میں سے ایمان لائے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جنھوں نے عمل کیے اچھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور خلیفہ بنائے گا جیسا کہ خلفاء بنائے اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلوں میں۔ اور اللہ تعالیٰ ضرور ان کو قدرت دے گا اور ان کے ذریعے دین کو پھیلائے گا اور چمکائے گا جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ضرور بدل دے گا ان کے خوف کو امن کے ساتھ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت

حیرہ عراق میں ایک بہت بڑا مقام ہے۔ یہ بین الاقوامی منڈی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حیرہ کے علاقے سے زیورات سے لدی ہوئی عورت جاتی تھی اور اس کی طرف کوئی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ بخاری شریف کی روایت ہے ایسا امن تھا کسی کو نہ مال کا خطرہ اور نہ جان کا خطرہ ہوتا تھا۔ فرمایا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک محاذ پر لڑائی زوروں پر تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو کمانڈر بنا دیا۔ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہم کر تو کچھ نہیں سکتے مگر آپ کا یہ اقدام ہمارے خیال کے مطابق غلط ہے ایسے قابل جرنیل کو عین لڑائی کے موقع پر معزول کر دیا اور ہو سکتا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ جذبات میں آ کر کافروں کے ساتھ مل جائے۔ جذبات میں آ کر آدمی کچھ بھی کر سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمھاری ان باتوں نے مجھے مجبور کیا ہے معزول کرنے پر کہ کہتے ہو خالد نے مورچا فتح کیا، خالد کے ذریعے مورچا فتح ہوا۔ میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ خالد کوئی چیز نہیں ہے ربِ خالد سب کچھ کرتا ہے۔ اب دیکھنا اس مورچے پر خالد جرنیل نہیں ہوگا پھر بھی اللہ تعالیٰ

فتح عطا فرمائیں گے۔ رہی دوسری بات تو خالد اتنا کچا آدمی نہیں ہے کہ عہدے سے معزول ہونے کے بعد وہ اسلام چھوڑ دے گا۔

تو فرمایا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ان ساری نعمتوں کو دیکھنے کے بعد بھی جو کفر اختیار کرے گا ﴿وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ اور جس نے کفر کیا اس کے بعد ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ پس یہی لوگ نافرمان ہیں۔ اور ایمان کے ساتھ اچھے اعمال کا بھی ذکر تھا۔ تو اچھے اعمال میں سرفہرست تین عمل ہیں۔

① ...... ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرو نماز کو

② ...... ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور زکوۃ ادا کرو۔ یہ حقوق العباد کے سلسلے میں سے ہے اور

③ ...... ﴿وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ اور اطاعت کرو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر چیز میں ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ تاکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اے مخاطب! ہرگز نہ خیال کر ان لوگوں کے بارے میں جو کافر ہیں کہ ﴿مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ وہ عاجز کرنے والے ہیں زمین میں کہ رب تعالیٰ کے فیصلوں کو ٹال سکیں۔ یہ کافر دین کو ہرانا چاہتے ہیں رب تعالیٰ کے فیصلوں کو ٹالنا چاہتے ہیں یہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے ﴿وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ﴾ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ اور البتہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن مرد عورت کو اپنے فضل سے دوزخ سے بچائے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لِيَسْتَاْذِنْكُمُ﴾ چاہیے کہ اجازت طلب کریں تم سے ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ ﴿مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ بچے ﴿لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ﴾ جو نہیں پہنچے بلوغت کو ﴿مِنْكُمْ﴾ تم میں سے ﴿ثَلٰثَ مَرّٰتٍ﴾ تین دفعہ (تین اوقات میں تم سے اجازت طلب کریں) ﴿مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ﴾ فجر کی نماز سے پہلے ﴿وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ﴾ اور جس وقت تم اتارتے ہو اپنے کپڑے ﴿مِّنَ الظَّهِيْرَةِ﴾ دوپہر کے وقت ﴿وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ﴾ اور عشاء کی نماز کے بعد ﴿ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ﴾ یہ تین اوقات تمھارے پردے کے ہیں ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ﴾ نہیں ہے تم پر ﴿وَلَا عَلَيْهِمْ﴾ اور نہ ان پر ﴿جُنَاحٌ﴾ کوئی گناہ ﴿بَعْدَهُنَّ﴾ ان تین اوقات کے بعد ﴿طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ﴾ پھرنے والے تم پر ﴿بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ بعض تمھارے بعض پر ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ﴾ بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آیات ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ﴾ اور جس وقت پہنچ جائیں بچے ﴿مِنْكُمُ﴾ تمھارے ﴿الْحُلُمَ﴾ بلوغت کو ﴿فَلْيَسْتَاْذِنُوْا﴾ پس چاہیے کہ وہ اجازت طلب کریں ﴿كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جیسا کہ اجازت طلب کی ہے ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی

طرح ﴿یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ﴾ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اپنی آیتیں ﴿وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے ﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ اور وہ عورتیں جو بیٹھنے والی ہیں ﴿الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا﴾ جو نہیں اُمید رکھتیں نکاح کی ﴿فَلَیْسَ عَلَیْھِنَّ جُنَاحٌ﴾ پس نہیں ہے ان پر کوئی گناہ ﴿اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَھُنَّ﴾ کہ وہ اُتاریں اپنے کپڑے ﴿غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَۃٍ﴾ اس حال میں کہ وہ نہ ظاہر کرنے والی ہوں زینت کو ﴿وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ﴾ اور اگر وہ بچ کر رہیں تو ﴿خَیْرٌ لَّھُنَّ﴾ ان کے لیے بہت ہی بہتر ہے ﴿وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

ربطِ آیات

اس سے چار رکوع پہلے پارے کے دسویں رکوع کی ابتدا میں تم نے پڑھا ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا﴾ "اے ایمان والو! تم دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ اجازت نہ طلب کرلو۔ بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل ہونا گناہ ہے۔ اجازت طلب کرو اور جو گھر میں رہتے ہیں ان کو سلام کہو۔" درمیان میں اور مسائل بیان ہوئے۔ اب دوبارہ اسی مسئلے کو بیان فرماتے ہیں ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ﴾ چاہیے کہ اجازت طلب کریں تم سے وہ جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔ تمھارے غلام اور لونڈیاں تم سے اجازت لے کر تمھارے پاس آئیں۔ غلام اور لونڈیوں نے خدمت کرنا ہوتی ہیں مگر ان کو بھی خاص اوقات میں پابند کر دیا گیا کہ وہ بلا اجازت اپنے مالک کی خلوت میں داخل نہ ہوں۔ غلاموں کے علاوہ فرمایا ﴿وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ﴾ اور وہ بچے بھی اجازت لے کر آئیں جو ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض محدثین اور بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ چار سال کے بچے کو بھی سکھا دو کہ اگر اس کے والدین بھی علیحدہ کمرے میں ہوں تو بغیر اجازت کے وہاں نہ جائے۔ ﴿ثَلٰثَ مَرّٰتٍ﴾ تین دفعہ۔ تین اوقات میں تم سے اجازت طلب کریں۔

وہ تین اوقات کون سے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے پابندی لگائی ہے۔ فرمایا ﴿مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ﴾ فجر کی نماز سے پہلے یعنی رات کے پچھلے پہر بلا اجازت مت داخل ہوں۔ غلام اور لونڈی اور نابالغ بچے بھی۔ دوسرا وقت ﴿وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّھِیْرَۃِ﴾ اور جس وقت تم اُتارتے ہو اپنے کپڑے دوپہر کے وقت آرام کرنے کے لیے۔ خصوصاً گرمی کے زمانے میں کہ لوگ صرف دھوتی (تہبند) پہن کر آرام کرتے ہیں۔ اور تیسرا ممنوعہ وقت ﴿وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ﴾ اور عشا کی نماز کے بعد بھی ﴿ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّکُمْ﴾ یہ تین اوقات تمھارے پردے کے ہیں۔ لہٰذا ان تین اوقات میں نہ جائیں کہ معلوم نہیں کہ انسان بے فکری میں اپنے گھر میں کس حالت میں ہو ﴿لَیْسَ عَلَیْکُمْ وَلَا عَلَیْھِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَھُنَّ﴾ نہیں ہے تم پر اور نہ ان پر ان تین اوقات کے بعد۔ یعنی لونڈی، غلام اور چھوٹے بچے کو ان اوقات کے علاوہ اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس اجازت کی وجہ یہ ہے

﴿طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ پھرنے والے تم پر بعض تمھارے بعض پر۔تم میں سے بعض تم پر چکر لگانے والے ہیں ان کو کام کاج کے لیے ہر وقت آنا جانا ہوتا ہے لہٰذا ان تین اوقات کے علاوہ انہیں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ان تین اوقات کے بعد ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ﴾ بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آیات ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ﴾ اور جس وقت پہنچ جائیں بچے ﴿مِنْكُمُ﴾ تمھارے ﴿الْحُلُمَ﴾ بلوغت کو ﴿فَلْيَسْتَاْذِنُوْا﴾ پس چاہیے کہ وہ اجازت طلب کریں ﴿كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جیسا کہ اجازت طلب کی ہے ان لوگوں نے جوان سے پہلے تھے ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ﴾ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اپنی آیتیں ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾۔

شانِ نزول

اس آیت کا شانِ نزول یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو بلا کر فرمایا کہ جاؤ حضرت عمر کو بلا کر لاؤ۔ دوپہر کا وقت تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تہبند باندھ رکھا تھا اور آرام کر رہے تھے ستر کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا وہ لڑکا اسی حالت میں بلا اطلاع اندر چلا گیا جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ کتنا اچھا ہو کہ ایسے حالات میں آنے جانے پر پابندی عائد کر دی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمالی۔

مسئلہ یہ ہے کہ برہنہ حالت میں کسی محرم کو بھی دیکھنا جائز نہیں ہے۔ حالاں کہ محرم سے تو پردہ نہیں ہے مگر محرم کو صرف چہرہ، سر، گردن، بازو اور پنڈلی دیکھنے کی اجازت ہے۔ ماں بیٹی، بہن سب کے لیے یہی مسئلہ ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں روایت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تین آیتوں پر عموماً لوگوں نے عمل چھوڑ دیا ہے۔

☆ ......ایک تو یہی آیت ہے۔

☆ ......اور ایک سورۃ النساء کی آیت ہے ﴿وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ﴾۔

☆ ......اور سورۃ حجرات کی آیت ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾۔

شیطان لوگوں پر چھا گیا ہے اور ان آیتوں سے انہیں غافل کر دیا ہے۔ گویا کہ ان پر ایمان ہی نہیں ہے۔ میں نے تو اپنی لونڈی سے بھی کہہ رکھا ہے کہ ان تین وقتوں میں بے جا ہرگز نہ آئے۔ پہلی آیت میں ان تین وقتوں میں لونڈی، غلام اور نابالغ بچوں کو بھی اجازت لینے کا حکم ہے اور دوسری آیت میں ورثے کی تقسیم کے وقت جو قرابت دار اور یتیم مسکین آجائیں انہیں خدا کے نام پر کچھ دے دینے کا اور ان کے ساتھ نرمی کے ساتھ بات کرنے کا اور تیسری آیت میں حسب نسب پر فخر نہ کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

تو فرمایا کہ ان تین اوقات کے علاوہ تمھیں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ﴾ اسی طرح بیان

کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آیات تا کہ تمھیں مسائل کا ٹھیک ٹھیک علم ہو جائے ﴿وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اس نے اپنے علم اور حکمت کی بنیاد پر یہ قوانین نازل فرمائے ہیں۔ فرمایا ﴿وَاِذَا بَلَغَ الۡاَطۡفَالُ مِنۡکُمُ الۡحُلُمَ﴾ اور جس وقت پہنچ جائیں بچے تمھارے بلوغت کو۔ جب تمھارے بچے بالغ ہو جائیں ﴿فَلۡیَسۡتَاۡذِنُوۡا﴾ پس چاہیے کہ وہ اجازت طلب کریں ﴿کَمَا اسۡتَاۡذَنَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ﴾ جیسا کہ اجازت طلب کی ہے ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ یعنی بچے جب بلوغت کو پہنچ جائیں پھر انھیں ان تین وقتوں کے علاوہ اور وقتوں میں بھی اجازت طلب کرنی چاہیے۔ چھوٹے بچوں کو گھر میں اپنے ماں باپ کے پاس جانے کے لیے بھی ان تین وقتوں میں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے اجازت مانگنی چاہیے لیکن بعد از بلوغت تو ہر وقت اطلاع کر کے جانا چاہیے۔ جیسا کہ اور بڑے لوگ اجازت مانگ کر آتے ہیں خواہ اپنے ہوں یا پرائے۔ سن بلوغت کے متعلق فقہاء میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ صحیح تعیین یہ ہے کہ جب لڑکی کو حیض آنے لگ جائے اور لڑکے کو احتلام ہو جائے تو وہ بالغ ہو جاتے ہیں۔ مگر بعض اوقات ان علامات کا پتا نہیں چلتا تو ایسی صورت میں امام شافعی، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ سولہ سال کا لڑکا اور پندرہ سال کی لڑکی بالغ سمجھے جائیں گے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ کے مطابق لڑکے اور لڑکی کا سن بلوغت علی الترتیب اٹھارہ اور سترہ سال ہے۔ فرمایا ﴿کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ﴾ اسی طرح بیان فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اپنی آیتیں ﴿وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں۔ اسی اجازت طلب کرنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں کے متعلق فرمایا ہے ﴿وَالۡقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیۡ لَا یَرۡجُوۡنَ نِکَاحًا﴾ اور وہ عورتیں جو بیٹھنے والی ہیں جو نہیں اُمید رکھتیں نکاح کی یعنی جو عمر کے اس حصے میں پہنچ گئی ہیں کہ اب ان میں نکاح کی خواہش باقی نہیں ہے ﴿فَلَیۡسَ عَلَیۡہِنَّ جُنَاحٌ﴾ پس نہیں ہے ان پر کوئی گناہ ﴿اَنۡ یَّضَعۡنَ ثِیَابَہُنَّ﴾ کہ وہ اتاریں اپنے زائد کپڑے۔ مطلب یہ ہے جو بوڑھی عورتیں اس عمر کو پہنچ جائیں کہ انھیں مرد کی خواہش نہیں ہے اور وہ گھر میں بیٹھی ہیں تو اپنے زائد کپڑے برقع چادر وغیرہ اتار سکتی ہیں۔ کیوں کہ گھر میں تو ہلکا پھلکا دوپٹا ہی کافی ہے مگر اس کے ساتھ شرط یہ ہے ﴿غَیۡرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیۡنَۃٍ﴾ اس حال میں کہ وہ نہ ظاہر کرنے والی ہوں زینت کو۔ اگر فالتو کپڑے اتار دینے سے زینت ظاہر نہیں ہوتی تو پھر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سن رسیدہ عورتیں اگر گھر میں تھوڑے کپڑے بھی استعمال کریں تو درست ہے لیکن اگر پردے کا پورا اہتمام کریں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

فرمایا ﴿وَاَنۡ یَّسۡتَعۡفِفۡنَ خَیۡرٌ لَّہُنَّ﴾ اور یہ کہ وہ بچ کر رہیں تو ان کے لیے بہت ہی بہتر ہے کہ وہ اپنی عصمت اور عفت کو بچا کر رکھیں یعنی پردے کا پورا خیال رکھیں تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتر ہے ﴿وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ہر بات کو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

﴿لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ﴾ نہیں ہے اندھے پر کوئی گناہ ﴿وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ﴾ اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے ﴿وَّلَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ﴾ اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے ﴿وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ﴾ اور نہ تمھاری اپنی جانوں پر ﴿اَنْ تَاْكُلُوْا﴾ کہ کھاؤ تم ﴿مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ﴾ اپنے گھروں سے ﴿اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ﴾ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے ﴿اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ﴾ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے ﴿اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ﴾ یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے ﴿اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ﴾ یا اپنی بہنوں کے گھروں سے ﴿اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ﴾ یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے ﴿اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ﴾ یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے ﴿اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ﴾ یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے ﴿اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِكُمْ﴾ یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے ﴿اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ﴾ یا ان کے گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو ﴿اَوْ صَدِیْقِكُمْ﴾ یا اپنے دوستوں کے گھروں سے ﴿لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ﴾ نہیں ہے تم پر کوئی گناہ ﴿اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِیْعًا﴾ کہ کھاؤ تم اکٹھے ﴿اَوْ اَشْتَاتًا﴾ یا الگ الگ ﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا﴾ پس جب تم داخل ہو گھروں میں ﴿فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ﴾ پس سلام کرو اپنے لوگوں پر ﴿تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ دعائے خیر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿مُبٰرَكَةً﴾ جو بابرکت ہے ﴿طَیِّبَةً﴾ اور پاکیزہ ہے ﴿كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ﴾ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ ﴿لَكُمُ الْاٰیٰتِ﴾ تمھارے لیے آیتیں ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تاکہ تم سمجھو۔

قرآنی آیات آپس میں مربوط ہیں یا نہیں؟ دو نظریات

قرآن کریم میں جو لمبی آیات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سارے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ یہاں ایک ضروری بات سمجھ لیں وہ یہ کہ قرآن کریم کی سورتوں کا سورتوں کے ساتھ، پاروں کا پاروں کے ساتھ، رکوعوں کا رکوعوں کے ساتھ، آیت کا آیت کے ساتھ ربط ہے یا نہیں۔ اس بارے میں مفسرین کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ شاہی احکام ہیں ان کا آپس میں ربط ضروری نہیں ہے۔ بادشاہ، وزیر داخلہ کو حکم دے گا کہ آپ یہ کام کریں وزیر خارجہ کو کہے گا آپ یہ کام کریں۔ آج آپ کی یہ ڈیوٹی ہے۔ باورچی کو اس کے مطابق حکم دے گا، دھوبی کو اس کے متعلق حکم دے گا، کسی ملازم کو کہے گا تم بازار سے یہ چیز لے کر آؤ۔ تو ان احکامات کا آپس میں باربط ہونا ضروری نہیں ہے جس کے متعلق جو مناسب حکم تھا دے دیا۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ قرآن کریم باوجود شاہی حکم ہونے کے آپس میں باربط ہے۔ جو حضرات ربط کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا پچھلی آیات کے ساتھ ربط یہ ہے کہ پہلے حکم تھا کہ تم لوگوں کے گھروں میں بغیر اجازت کے نہ جاؤ اور کل کے سبق میں تم نے پڑھا ہے کہ بچے بھی جب بالغ ہو جائیں تو وہ بھی بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں۔ تو جب گھروں میں آنا

جانا ہوتا ہے تو کبھی آدمی کھانے کے وقت بھی کسی کے گھر جاتا ہے تو بعض آدمی کھانا کھانے سے گریز کرتے ہیں۔ خصوصاً نابینے اور لنگڑے مریض یہ سمجھتے تھے کہ ہم کما تو سکتے نہیں کسی کو کھلا تو سکتے نہیں تو کسی کے گھر سے کیوں کھائیں وہ دوسروں کے گھروں سے کھاتے ہوئے شرماتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی کہ جب تم کسی کے گھر جاؤ اور کھانے کا وقت ہو اور وہ بخوشی تمہیں کھلائیں تو کھا سکتے ہو کوئی حرج نہیں ہے۔

معذورین کا اپنے عزیز رشتہ داروں سے کھانا

فرمایا ﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ﴾ اندھے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بھئی! اللہ تعالیٰ نے تمھیں نابینا پیدا کیا ہے اور روٹی کھانے کا وقت ہے کھالے کوئی عیب والی بات نہیں ہے ﴿وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ﴾ لنگڑے پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے ﴿وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ﴾ اور بیمار پر بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ کھانے کے وقت عزیز رشتہ داروں کے پاس گیا ہے اور وہ کھانا پیش کرتے ہیں تو کھالے کوئی گناہ نہیں ہے ﴿وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ اور نہ تمھاری جانوں پر کوئی گناہ ہے ﴿اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ﴾ کہ کھاؤ تم اپنے گھروں سے۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ﴿مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ﴾ سے مراد اپنے بیٹوں کے گھر ہیں کہ بیٹوں کے گھر اپنے گھر ہوتے ہیں۔ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے والد صاحب مجھ سے کھانے کی چیزیں مانگتے ہیں تو میں کیا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَنْتَ وَ مَالُكَ لِاَبِيْكَ)) "تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔" اگر وہ نہیں کھائے گا تو اور کون کھائے گا اور بیٹا ہو کر ماں باپ کو نہیں کھلائے گا تو اور کون کھلائے گا؟ اسلام نے بہت اچھی تعلیم دی ہے اور بہت کچھ سمجھایا ہے۔ اور یورپی قوموں کے ہاں جب بچہ بالغ ہو جائے، سولہ سترہ سال کا ہو جائے تو اس کا سلسلہ الگ اور ماں باپ کا الگ ہو جاتا ہے۔

انگلستان کا ایک واقعہ

میں نے انگلستان میں ایک بوڑھی عورت دیکھی۔ میرے خیال کے مطابق اس کی عمر ایک سو پچیس سال کے لگ بھگ ہوگی۔ وہ سبزی پکڑے ہوئے جا رہی تھی دو قدم چلتی بیٹھ جاتی پھر دو قدم چلتی بیٹھ جاتی، بڑی مشقت کے ساتھ اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ میں نے ساتھی سے پوچھا کہ یہ بے چاری اس حالت میں سبزی لے کر جا رہی ہے اس کے گھر میں اور کوئی فرد نہیں ہے؟ ساتھی نے بتایا کہ اس کے بیٹے، پوتے، پڑپوتے اور بڑا کچھ ہے مگر یہ اکیلی رہتی ہے اس کے ساتھ کوئی نہیں رہتا۔ اور اسلام نے یہ سبق دیا ہے کہ جب ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو ان کا خاص خیال رکھو، ان کی خدمت کرو۔ یاد رکھو! اسلامی تعلیم ایسی زبردست ہے کہ اگر یہ عام ہو جائے تو کسی کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ تو یورپ میں بوڑھوں کے الگ فارم ہیں باوجود اولاد ہونے کے یہ ان کی تعلیم ہے کہ جب تم بالغ ہو جاؤ تو ان کو پھینک دو۔ اور اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جب تمھارے ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو ان کی خدمت کرو اور ان سے دعائیں لو۔

تو فرمایا کہ تم اپنے گھروں یعنی بیٹوں کے گھروں سے کھا سکتے ہو اور جس طرح بیٹوں کے گھروں سے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے ﴿أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ﴾ اپنے باپ دادا کے گھروں سے کھاؤ تو بھی کوئی حرج نہیں ہے ﴿أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ﴾ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے کھاؤ کہ تم الگ رہتے ہو اور تمھاری ماں الگ رہتی ہے کھانے کا وقت ہے وہ تمھیں کھانا پیش کرتی ہے گریز نہ کرو کھالو ﴿أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ﴾ یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے کھاؤ ﴿أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ﴾ یا اپنی بہنوں کے گھروں سے۔ کھانے کا وقت ہے تم بہن بھائی کے گھر گئے ہو وہ کھانا پیش کرتے ہیں تو کھالو کوئی حرج نہیں ہے ﴿أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ﴾ یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے کھاؤ۔ چچے تائے ایک ہی بات ہے۔ ﴿أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ﴾ یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے کھاؤ ﴿أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ﴾ یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے کھاؤ ﴿أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ﴾ یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے کھاؤ۔ کھانے کے وقت ان کے گھر ہو وہ کھانا پیش کرتے ہیں کھا سکتے ہو کوئی حرج نہیں ہے ﴿أَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهُ﴾ یا ان کے گھروں سے کہ ان کی کنجیوں کے تم مالک ہو۔ مثال کے طور پر تمھارا منشی ہے، تمھارا خادم ہے وہ تمھارے کارخانے میں بیٹھتا ہے تمھاری دکان پر بیٹھتا ہے چابیاں اس کے پاس ہیں مگر مالک تم ہو وہ تمھارا امین ہے اس کے گھر تم کسی کام کے لیے گئے ہو کھانے کا وقت ہے وہ تمھیں کھانے کا کہے تو کھالو۔ یہ خیال نہ کرو کہ میں تو کارخانہ دار ہوں اور یہ چوکیدار ہے میرا ملازم ہے میں اس کے گھر سے کیوں کھاؤں؟ تکبر نہ کرو۔ ٹھیک ہے تمھارا کھانا اعلیٰ معیار کا ہوگا اور اس کا کم درجے کا ہوگا لیکن تم اس کے گھر سے کھالو کوئی حرج نہیں ہے ﴿أَوْ صَدِيقِكُمْ﴾ یا اپنے دوست کے گھر سے کھاؤ تو کوئی حرج نہیں ہے۔

کھانے پینے کے متعلق شریعت کی چند ہدایات

کھانے کے متعلق شریعت کی چند ہدایات ہیں وہ بھی سمجھ لیں۔

① آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھو۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تم صرف لفظ بسم اللہ کہہ لو مکمل بسم اللہ نہ بھی پڑھو تو کافی ہے۔ کھانے سے پہلے بھی اور وضو سے پہلے بھی یہی حکم ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ مکمل بسم اللہ پڑھو، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

② کھانا دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اگر کوئی اشد ضرورت اور مجبوری ہو تو بائیں ہاتھ سے بھی کھا سکتے ہو۔ اور پیو بھی دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ سے پانی بھی نہ پیو فَإِنَّ الشَّيْطٰنَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ "بے شک شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔" تم شیطان کے بھائی نہ بنو۔ کچھ لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ چائے پیتے وقت پیالی دائیں ہاتھ میں پکڑتے ہیں اور پرچ بائیں ہاتھ میں اور پیتے ہیں۔ ایسا نہ کرو۔ ڈالو بھی دائیں ہاتھ سے اور پیو بھی دائیں ہاتھ سے۔ اور یہ بات تم سن چکے ہو کہ کوئی چیز کسی کو دو تو دائیں ہاتھ سے اور لو تو پکڑو دائیں ہاتھ سے۔ اور کھاؤ بھی بیٹھ کر اور پیو بھی بیٹھ کر۔ آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر کھانے پینے سے منع فرمایا ہے صرف دو پانی مستثنیٰ ہیں۔

☆ ...... ایک آبِ زم زم کہ وہ کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے اور قبلہ رو ہو کر پیو اور یہ دعا کرو۔ ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ)) ۔ یہاں پیو یا وہاں پیو طریقہ یہی ہے۔

☆ ...... دوسرا وضو سے بچا ہوا پانی بھی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔ وہ بھی وضو کی وجہ سے برکت والا ہے۔

پہلے لوٹے ہوتے تھے اب ٹونٹیاں ہیں۔ وضو کے بعد ٹونٹی سے تھوڑا سا پانی کھڑے ہو کر پی لے تو اس کو ثواب ملے گا۔ مسلم شریف اور ترمذی شریف کی روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضرت! آپ نے یہ روایت بیان فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے تو حضرت! یہ فرمائیں کہ کھڑے ہو کر کھانا کیسا ہے؟ ترمذی شریف کی روایت ہے فرمایا: ((ذٰلِكَ اَشَدُّ)) "یہ تو اور سخت ہے۔" اس کا گناہ تو اس سے بھی سخت ہے۔ اور مسلم شریف کی روایت میں ہے ((ذٰلِكَ اَشَرُّ)) "یہ تو بہت ہی برا ہے۔" آج کل عموماً لوگ شادیوں میں کھڑے ہو کر کھانے کا انتظام کرتے ہیں، یہ سنت کے خلاف ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَّذِرَاعًا بِذِرَاعٍ)) "تم سے جو پہلے جو قومیں گزری ہیں تم ضرور ان کی نقالی کرو گے ہر چیز میں۔" بخاری شریف کی روایت ہے حضرت! ((اَلْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى)) ہم سے پہلے جو قومیں گزری ہیں وہ یہودی اور عیسائی ہیں؟ فرمایا اور کون ہیں۔ تم یہود و نصاریٰ کی ہر ہر چیز میں پیروی کرو گے۔ کیا شکل و صورت، کیا لباس اور کیا کھانے پینے میں۔

تین چار جگہوں میں میں بھی اس مسئلے میں مبتلا ہوا ہوں۔ ایک جگہ سے تو میں واپس آ گیا۔ لوگ میرے پیچھے بھاگ کر آئے مگر میں نے کہا کہ تم ناراض ہوتے ہو تو ہو جاؤ میں نے رب تعالیٰ کو ناراض نہیں کرنا اور کھانے کے بغیر واپس آ گیا۔ ایک جگہ پر میں نے کہا کہ بھائی! مجھے بٹھا کر کھلا دو اگر تمھارے پاس کپڑا نہیں ہے تو میرے پاس اپنا رومال ہے میں اس پر بیٹھ جاؤں گا۔ ایک جگہ انھوں نے کہا کہ یہ میز کرسی ہے آپ یہاں بیٹھ کر کھا لیں ہمارے پاس متبادل انتظام نہیں ہے۔ اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو یہ دعا کرو ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ)) ۔ لیکن افسوس ہے کہ کھانے تو تمھیں سارے آتے ہیں مگر کھانے پینے کی دعائیں نہیں آتیں۔

فرمایا ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا﴾ نہیں ہے تم پر کوئی گناہ کہ کھاؤ تم اکٹھے ہو کر یا الگ الگ۔ ایسے لوگ بھی تھے کہ اکیلے نہیں کھاتے تھے جب ان کو روٹی دی جاتی تو رکھ کر انتظار کرتے کہ کوئی آئے گا تو کھائیں گے۔ ایسے لوگوں میں سے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ سارے کھانا کھا لیتے اور وہ انتظار کرتے رہتے کہ کوئی آئے گا تو مل کر کھائیں گے۔ اس سے گھر والوں کو بھی تکلیف کہ انھوں نے برتن بھی دھونے ہیں اور سونا بھی ہے اور کام بھی کرنے ہیں اور ایک آدمی اس لیے بیٹھا ہے کہ کوئی آئے گا تو کھائیں گے۔ اتنا تشدد نہیں ہونا چاہیے اگر کوئی ساتھی ہو تو مل کر کھا لو ورنہ اکیلے کھا لو۔ اکٹھے کھاؤ اکیلے کھاؤ، دونوں طرح جائز ہے۔

﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ پس جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کہا کرو۔ دوسروں کے

گھروں میں داخل ہونے کا حکم پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہو اور اہل خانہ کو سلام کہو۔ یہاں اپنے گھر کے متعلق حکم ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم گھروں میں جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا سکھایا ہوا بابرکت سلام کہو۔ فرماتے ہیں کہ میں نے تو آزمایا ہے کہ یہ سراسر برکت ہے۔ فرمایا ﴿تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعائے خیر ہے ﴿مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً﴾ جو کہ بابرکت ہے اور پاکیزہ ہے۔ لہٰذا اپنے گھروں میں داخلے کے وقت سلام کر کے داخل ہو ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ﴾ اسی طرح بیان کرتے ہیں اللہ آیتیں تمھارے لیے ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تاکہ تم سمجھو اور ان میں غور و فکر کرو اور ان پر عمل کرو۔

~~~

﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ایمان والے ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ ہیں ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ہیں ﴿بِاللهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ﴿وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ﴾ اور جب وہ ہوتے ہیں رسول اللہ کے ساتھ ﴿عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ﴾ کسی اجتماعی معاملے میں ﴿لَّمْ يَذْهَبُوْا﴾ تو وہ نہیں جاتے ﴿حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ﴾ یہاں تک کہ وہ آپ سے اجازت لے لیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَسْتَاْذِنُوْنَكَ﴾ جو آپ سے اجازت لیتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ﴾ جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ﴿وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ﴿فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ﴾ پس جب وہ اجازت طلب کریں آپ سے اپنے کسی ذاتی کام کے لیے ﴿فَاْذَنْ﴾ پس آپ اجازت دیں ﴿لِّمَنْ شِئْتَ﴾ جس کو چاہیں ﴿مِنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللهَ﴾ اور معافی مانگیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے ﴿اِنَّ اللهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بخشنے والا مہربان ہے ﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ﴾ نہ بناؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو ﴿بَيْنَكُمْ﴾ اپنے درمیان ﴿كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ جیسا کہ تمھارا بلانا ہے بعض کا بعض کو ﴿قَدْ يَعْلَمُ اللهُ﴾ تحقیق جانتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ﴾ جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے ﴿لِوَاذًا﴾ آڑ بنا کر ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ﴾ پس چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ ﴿يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ﴾ جو مخالفت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی ﴿اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ﴾ یہ کہ پہنچے انھیں کوئی فتنہ ﴿اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ یا پہنچے ان کو عذاب دردناک ﴿اَلَآ﴾ خبردار ﴿اِنَّ لِلّٰهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ ہے آسمانوں میں ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ﴿قَدْ يَعْلَمُ﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿مَآ﴾ اس حالت کو ﴿اَنْتُمْ عَلَيْهِ﴾ جس پر تم ہو ﴿وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ﴾ اور جس دن لوٹائے جائیں گے اس کی طرف ﴿فَيُنَبِّئُهُمْ﴾ پس وہ ان کو خبر دے گا ﴿بِمَا عَمِلُوْا﴾ اس کی جو انھوں
~~~

نے کیا ہے ﴿وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

صحیح ایمان کی خوبیاں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مقام پر صحیح ایمان کی خوبیاں بیان فرمائی ہیں کہ مومن کہلانے کا مستحق کون ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسے مومن کہا جاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ﴾ پختہ اور یقینی بات ہے کہ صحیح مومن وہ ہیں ﴿اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ﴾ جو حقیقتاً ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر۔ محض ایمان کے دعوے سے کچھ نہیں بنتا۔ آنحضرت ﷺ نے تین دفعہ قسم اٹھا کر فرمایا: ((وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ)) "رب کی قسم وہ مومن نہیں ہے، رب کی قسم وہ مومن نہیں ہے، رب کی قسم وہ مومن نہیں ہے۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ حضرت! کس کے متعلق فرما رہے ہیں کہ وہ مومن نہیں ہے؟ فرمایا اَلَّذِیْ لَا یَأْمَنُ جَارُہٗ عَنْ بَوَائِقِہٖ "وہ شخص مومن نہیں ہے جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہیں ہے۔" یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ از روئے قرآن وحدیث ہم میں سے ایک یا دو فیصد مسلمان ہوں گے۔ اگر آپ بغیر قسم اٹھانے کے بھی فرما دیتے تو کافی تھا لیکن تین دفعہ قسم اٹھا کر فرمایا۔ اس سے اندازہ لگاؤ۔ ایک اور حدیث بخاری شریف میں اس طرح آتی ہے ((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ)) "تم میں سے کوئی آدمی مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہ شے پسند کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔" اس حدیث میں بھی جو معیار بیان ہوا ہے اس کے مطابق بھی ہم مومن نہیں ہیں محض دعوے سے کچھ نہیں بنتا۔

آنحضرت ﷺ کی مجلس سے بغیر اجازت جانا

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پختہ بات ہے کہ مومن وہ ہیں جو حقیقتاً ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ﴿وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ﴾ اور جب وہ ہوتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی اجتماعی معاملے میں ﴿لَّمْ یَذْھَبُوْا﴾ نہیں جاتے ﴿حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ﴾ یہاں تک کہ وہ آپ سے اجازت لیتے ہیں۔ بعض دفعہ آنحضرت ﷺ اہم کاموں کے لیے چیدہ چیدہ لوگوں کو دعوت دیتے تھے اور قرآن پاک کے اس حکم کی تعمیل کرتے تھے ﴿وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ﴾ [آل عمران: ۱۵۹] "اور مشورہ کریں ان سے معاملے میں۔" کہ ان کی دل جوئی بھی ہو جائے اور رائے بھی آ جائے گی۔ پھر بسا اوقات مجلس لمبی بھی ہو جاتی تھی تو جلد باز قسم کے لوگ بغیر اجازت کے چلے جاتے تھے اس طرح جانا مناسب نہیں تھا۔ کیوں کہ ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے بلایا ہے آپ کا بلانا کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی کو کوئی ضروری کام ہے تو آپ کے کان میں آ کر کہہ دے حضرت! مجھے ضروری کام ہے میں جانا چاہتا ہوں بغیر اجازت کے نہیں جانا چاہیے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مفسر ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مجلس سے تو بغیر اجازت کے جانا حرام تھا اور یہ نص قرآن سے ثابت ہے اور یہ بات قیاس سے ثابت ہے کہ اگر کوئی مسلمان لیڈر اور قائد یا نمائندہ بلائے تو پھر بھی بغیر

اجازت کے جانے کا حق نہیں ہے۔ ہاں! جن کو بلایا نہیں گیا اور اپنے طور پر آ گئے ہیں شوقیہ طور پر، تو وہ بغیر اجازت کے جا سکتے ہیں۔ فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ﴾ بے شک وہ لوگ جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ یہی لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ﴿فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ﴾ پس جب وہ اجازت مانگیں آپ سے ﴿لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ﴾ اپنے کسی ذاتی کام کے لیے ﴿فَأْذَن﴾ آپ اجازت دے دیں ﴿لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ﴾ ان میں سے جس کو چاہیں ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ﴾ اور بخشش مانگیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے کہ اے اللہ اس مجلس کو چھوڑ کر گئے ہیں ان کو معاف کر دے۔ کیوں کہ اجازت مانگنے والا جس کام کے لیے گیا ہے یا تو وہ دنیا کا کام ہوگا اور آپ کی مجلس دینی امور کے متعلق ہے تو اس نے دنیا کے کام کو دین کے کام پر ترجیح دی ہے اور یہ گناہ ہے اس کے لیے ان کے لیے معافی مانگیں اور اگر وہ بھی دین کا کام ہے تو پھر کوتاہی یہ ہوئی کہ آپ کی مجلس میں بیٹھنا زیادہ اہم اور ضروری تھا اس لیے آپ ان کے لیے معافی مانگیں ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلانے سے متعلق آداب

﴿لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا﴾ نہ بناؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے کو اپنے درمیان ایک دوسرے کے بلانے کی طرح۔

اس آیت کریمہ کی مفسرین کرام نے تین تفسیریں کی ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ جب تم آنحضرت کو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاؤ تو اس طرح نہ بلاؤ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو یَا خَالِدُ یَا زَیْدُ یَا بَکْرُ یَا فُلَانُ۔ مطلب یہ ہے کہ یا محمد! کہہ کر نہ پکارو، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ بلکہ ادب کے ساتھ، القاب کے ساتھ یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ ﷺ کہہ کر پکارو۔ کیوں کہ عرف میں خالی نام کے ساتھ یا تو بڑا چھوٹے کو بلاتا ہے یا ہم عمر ایک دوسرے کو نام کے ساتھ بلاتے ہیں اور چھوٹے اگر بڑے کو نام کے ساتھ پکاریں تو ایک قسم کی گستاخی اور بے ادبی ہے اور توہین سمجھی جاتی ہے۔ بڑا اگر چھوٹے کو نام لے کر بلائے تو گستاخی نہیں ہوتی۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے کو آپس میں تم ایک دوسرے کے بلانے کی طرح نہ سمجھو کہ تم ایک دوسرے کو دعوت نامے بھیجتے ہو کوئی آئے نہ آئے اس کی مرضی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے کو اس طرح نہ سمجھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوت نامے کو قبول کرو اور حاضری دو۔ اگر نہیں آؤ گے تو گنہگار ہو گے۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کو اپنی دعاؤں کی طرح نہ سمجھو کہ قبول ہوئیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو قبول کرے اپنے فضل سے ورنہ ہمارے اندر دعا کی قبولیت کی شرطیں تو ہیں نہیں۔ میرے خیال میں ہزار میں سے کوئی ایک آدھ آدمی ہوگا جو پورا اترے اور یہ بھی بڑی خوش قسمتی ہے۔

دعا کے قبول ہونے کی شرائط

☆…… دعا کے قبول ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی کا عقیدہ صحیح ہو وہ مومن ہو ﴿وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ [رعد:۱۴] "اور نہیں ہے پکار کافروں کی مگر گمراہی میں۔"

☆…… دوسری شرط یہ ہے کہ بالغ ہونے سے لے کر دعا کے وقت کہ جب دعا کر رہا ہے کوئی فرض واجب اس کے ذمہ نہ ہو۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، قربانی، عشر، فطرانہ وغیرہ جو بھی اس کے ذمہ ہیں ادا کر چکا ہو کوئی اس کے ذمہ باقی نہ ہو۔ اب بتاؤ ایسا کون آدمی ہے؟

☆…… تیسری شرط یہ ہے کہ حرام کا لقمہ نہ کھاتا ہو۔ کئی مرتبہ سن چکے ہو جو آدمی ایک لقمہ حرام کا کھائے گا تو چالیس دن اور چالیس راتیں دعا کی قبولیت سے محروم ہو جائے گا۔ اور حال یہ ہے کہ ہمارے تو پیٹ حرام سے بھرے ہوئے ہیں ہماری دعائیں کیسے قبول ہوں گی؟

☆…… اور چوتھی شرط یہ ہے کہ دعا پوری توجہ کے ساتھ کرے کہ ((لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ الدُّعَآءَ مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ)) "اللہ تعالیٰ اس دل کی دعا قبول نہیں کرتا جو پوری توجہ کے ساتھ نہ کرے۔" زبان کسی طرف ہو خیالات کسی طرف ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو پوری دل جمعی کے ساتھ مانگو۔ ہمارے اندر دعا قبول ہونے کی کتنی شرطیں ہیں خود سوچ لو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دعا مانگنا ہی چھوڑ دو۔ اگر اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگنا تو اور کس سے مانگنا ہے۔ ان کوتاہیوں کو دور کرنے کی کوشش کرو اور اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان لوگوں کو ﴿يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا﴾ جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے آڑ بنا کر۔ مثلاً: ایک آدمی نے رخصت مانگی کہ حضرت! مجھے کام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی دوسرا اس کی آڑ میں بغیر اجازت کے نکل گیا تو فرمایا ایسوں کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ﴾ پس چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ ﴿يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ﴾ جو مخالفت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی۔ کس بات سے ڈریں؟ ﴿اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ﴾ کہ پہنچے ان کو کوئی فتنہ۔ کوئی آزمائش آجائے جیسا کہ قرآن پاک میں مذکور ہے کہ احد کے موقع پر کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم غلط فہمی کا شکار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کر بیٹھے جس کے نتیجے میں ستر آدمی شہید ہوئے اور بہت سارے زخمی ہوئے اور فتح شکست کی صورت میں بدل گئی۔ کبھی آدمی عُجب کے فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے اس کا نتیجہ بھی اچھا نہیں نکلتا جیسا کہ حنین کا واقعہ بھی قرآن پاک میں موجود ہے ﴿وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا﴾ [توبہ:۲۵] "اور حنین کی لڑائی کے دن جب تعجب میں ڈالا تمھیں تمھاری کثرت نے کثرت تمھارے کچھ کام بھی نہ آئی۔" جب کوئی مصیبت آئے تو اس آدمی کو سمجھنا چاہیے کہ یہ میرے اعمال کی شامت ہے لیکن حال یہ ہے کہ عوام ہر شے کا تعلق مادی چیز کے ساتھ جوڑتے ہیں۔

اب دیکھو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی مخالفت کی وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کو حکمران نہ بناؤ۔ جو مصیبتیں ہمارے اُوپر آرہی ہیں وہ تمھارے سامنے ہیں۔ بجلی مہنگی، گیس مہنگی، آٹا مہنگا، معلوم نہیں کیا کیا مہنگا ہوگا؟ روز بروز اضافہ ہورہا ہے۔ یہ سب عورت کی حکمرانی کی نحوست ہے کسی کو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ ﴿اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ یا پہنچے ان کو دردناک عذاب۔ آسمان کی طرف سے عذاب آئے اور اس میں سب تباہ و برباد ہو جائیں ﴿اَلَآ﴾ خبردار ﴿اِنَّ لِلّٰهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ﴿مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ پیدا بھی اس نے کیا ہے ملک بھی اسی کا ہے اور اس میں تصرف بھی اسی کا ہے۔ اس کے سوانہ کوئی خالق ہے، نہ مالک ہے، نہ مدبر ہے آسمانوں اور زمینوں کا ﴿قَدْ یَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ﴾ تحقیق وہ جانتا ہے اس حالت کو جس پر تم ہو۔ نیکی بدی جس حالت پر ہو سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ﴿وَیَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ﴾ اور جس دن لوٹائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿فَیُنَبِّئُهُمْ﴾ پس وہ ان کو خبر دے گا ﴿بِمَا عَمِلُوْا﴾ جو انھوں نے عمل کیے ہیں ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفْسِیْر

سُوْرَۃُ الْفُرْقَانِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⟸ قَدْ اَفْلَحَ ، وَقَالَ الَّذِیْنَ

(۱۸) (۱۹)

آیاتہا ۷۷ (۲۵) سُوْرَۃُ الْفُرْقَانِ مَکِّیَّۃٌ (۴۲) رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ﴾ برکت والی ہے وہ ذات ﴿نَزَّلَ﴾ جس نے تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ﴿الْفُرْقَانَ﴾ قرآن کریم ﴿عَلٰی عَبْدِهٖ﴾ اپنے بندے پر ﴿لِیَكُوْنَ﴾ تا کہ ہو جائے ﴿لِلْعٰلَمِیْنَ﴾ تمام جہان والوں کے لیے ﴿نَذِیْرًا﴾ ڈرانے والا ﴿الَّذِیْ﴾ وہ اللہ ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ اسی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا﴾ اور نہیں بنائی اس نے اولاد ﴿وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ﴾ اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک ملک میں ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ اور اس نے پیدا کیا ہر چیز کو ﴿فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا﴾ پس مقرر کی اس نے ہر چیز کی تقدیر ﴿وَاتَّخَذُوْا﴾ اور انھوں نے بنا لیے ﴿مِنْ دُوْنِهٖۤ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿اٰلِهَةً﴾ معبود ﴿لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا﴾ وہ نہیں پیدا کرتے کسی چیز کو ﴿وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ﴾ اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں ﴿وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ﴾ اور وہ نہیں مالک اپنی جانوں کے لیے ﴿ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ نقصان کے اور نہ نفع کے ﴿وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا﴾ اور وہ نہیں مالک موت کے ﴿وَّلَا حَیٰوةً﴾ اور نہ زندگی ﴿وَّلَا نُشُوْرًا﴾ اور نہ اُٹھ کر کھڑے ہونے کے ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں ﴿اِنْ هٰذَاۤ﴾ نہیں ہے یہ قرآن ﴿اِلَّاۤ اِفْكُ﴾ مگر جھوٹ ﴿افْتَرٰىهُ﴾ نبی نے اس کو گھڑا ہے ﴿وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ﴾ اور امداد کی ہے اس کی اس قرآن پر ﴿قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ﴾ دوسرے لوگوں نے ﴿فَقَدْ جَآءُوْ﴾ پس تحقیق لائے ہیں یہ لوگ ﴿ظُلْمًا﴾ ظلم ﴿وَّزُوْرًا﴾ اور جھوٹ ﴿وَقَالُوْۤا﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ﴿اكْتَتَبَهَا﴾ جو اس پیغمبر نے لکھے ہیں ﴿فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ﴾ پس وہ املاء کرائی جاتی ہے اس کے سامنے ﴿بُكْرَةً﴾ صبح ﴿وَّاَصِیْلًا﴾ اور پچھلے پہر ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿اَنْزَلَهُ الَّذِیْ﴾ اُتارا ہے اس کو اس ذات نے ﴿یَعْلَمُ السِّرَّ﴾ جو جانتی ہے چھپی چیز کو ﴿فِی السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وجہ تسمیہ:

اس سورت کا نام سورۃ الفرقان ہے۔ پہلی آیت کریمہ ہی میں لفظ فرقان موجود ہے۔ یہ سورت مکی ہے یعنی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے چھ [۶] رکوع اور ستتر [۷۷] آیتیں ہیں۔ قرآن کریم کا نام ذکر بھی ہے اور قرآن کریم کا نام فرقان بھی

ہے۔اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرقان کے نام کے ساتھ ذکر فرمایا ہے ﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ﴾ برکت والی ہے وہ ذات ﴿نَزَّلَ الْفُرْقَانَ﴾ جس نے تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا قرآن کریم کو۔فرقان کا معنیٰ ہے فرق کرنے والا۔قرآن کریم ایمان اور کفر میں فرق کرنے والا ہے، توحید اور شرک میں فرق کرنے والا ہے، حلال اور حرام میں فرق کرنے والا ہے، جائز اور ناجائز میں فرق کرنے والا ہے، سچ اور جھوٹ میں فرق کرنے والا ہے۔

قرآن قَرَأَ سے بھی ہے مَقْرُوْءٌ کے معنیٰ میں، پڑھی جانے والی کتاب۔دنیا میں جتنی تلاوت قرآن کریم کی ہوئی ہے اتنی اور کسی کتاب کی نہیں ہوئی۔ ہر جگہ اور ہر ملک میں لوگ پڑھتے ہیں لیکن کاش! پڑھنے کے ساتھ ساتھ سمجھتے بھی۔ افسوس کہ قرآن کریم کو سمجھنے والے بہت کم ہیں اور اس پر عمل کرنے والے اور کم ہیں اگر سارے لوگ قرآن کریم کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں تو دنیا میں کوئی فتنہ،فساد، چوری، ڈاکا نہ ہو اور بدمعاشی نہ ہو۔ یہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے سب قرآن کریم سے دوری کا نتیجہ ہے۔﴿نَزَّلَ﴾ کا معنیٰ ہے تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا۔قرآن کریم تیئس [۲۳] سال میں مکمل ہوا ہے۔تیرہ [۱۳] سال مکہ مکرمہ اور [۱۰] دس سال مدینہ منورہ میں نازل ہوتا رہا۔تو برکت والی ذات نے قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ﴿عَلٰی عَبْدِہٖ﴾ اپنے بندے پر۔

عبدیت بہت بلند مقام ہے

عبدیت بہت بلند مقام ہے مگر آج کل جاہل قسم کے لوگ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کو بندہ کہنے میں توہین ہوتی ہے۔ اگر توہین ہوتی تو اللہ تعالیٰ عزت کے مقام پر آپ ﷺ کو عبد فرماتے؟ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے عزت کے مقام پر فرمایا کہ فرقان نازل کیا اپنے بندے پر اور معراج کے موقع پر بھی فرمایا ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾ "پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو۔" سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچنے کے بعد آپ بندے ہی رہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی﴾ [نجم:۱۰] "پس (اللہ تعالیٰ نے) وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔" پھر واپس زمین پر تشریف لائے اور تحفہ لے کر آئے۔اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عبد ہی فرمایا ہے ((اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ)) "میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔" گویا عبدیت کسی مقام پر بھی آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوئی۔ اگر لفظ عبد میں توہین ہوتی معاذ اللہ تعالیٰ! تو رب تعالیٰ کبھی بھی آپ ﷺ کو عبد نہ فرماتے کہ جاہلوں کا خیال ہے کہ بندہ کہنے میں آپ ﷺ کی توہین ہے۔تو یاد رکھنا! بندہ ہونا، بشر ہونا، انسان ہونا بڑی بات ہے اور یہ بڑا بلند مقام ہے۔

یہ قرآن اپنے بندے پر کیوں نازل فرمایا ﴿لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا﴾ تاکہ ہو جائے تمام جہان والوں کے لیے ڈرانے والا رب تعالیٰ کے عذاب سے۔اللہ تعالیٰ نے عالمین جمع کا صیغہ بولا ہے کہ اس جہان میں کئی جہان ہیں، کئی عالم ہیں۔ انسانوں کا عالم ہے، جنات کا عالم ہے، فرشتوں کا عالم ہے، حیوانات کا عالم ہے۔اس میں اختلاف ہے کہ کیا آپ ﷺ فرشتوں کے بھی پیغمبر ہیں یا نہیں۔تو امام حموی، امام رازی وغیرہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتے چوں کہ معصوم ہیں اس لیے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ان کے لیے نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انسانوں اور جنوں کے لیے ہے جو مکلف ہیں نیکی بدی کا ان میں مادہ ہے۔ جب کہ امام سبکی اور امام زرقانی وغیرہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں عالمین چوں کہ جمع کا صیغہ ہے اور فرشتوں کا بھی عالم ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے بھی پیغمبر ہیں گو وہ مکلف نہیں ہیں وہ معصوم ہیں لیکن فرشتوں پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام لازم ہے۔ تو آپ تمام جہانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

بعض ملحد قسم کے لوگ کہتے ہیں (ان میں نیاز فتح پوری بھی ہے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریف الطبع آدمی تھے ان کی نبوت ہمارے لیے نہیں ہے یہ قرآن عرب کے جاہل بدوؤں کے لیے ہے۔ ہاں! اس میں جو اچھی بات ہمیں مل جائے تو وہ ہم لے لیں۔ یہ ہیں ان لوگوں کے خیالات اور عقائد۔ یاد رکھو نوجوانو! آج کل جتنے صحافی ہیں خدا پناہ! اپنی صحافت کے زور پر الحاد پھیلا رہے ہیں۔ لوگ ان کو بڑا مقام دیتے ہیں۔ مرے ہوئے کے بارے میں کچھ کہنا تو نہیں چاہیے مگر حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے بتا رہا ہوں کہ یہی باطل نظریہ کوثر نیازی کا تھا۔ اب وہ پہنچ گیا ہے جہاں پہنچنا تھا۔ اس نے بخاری شریف کی روایت کو اس طرح خلط ملط کیا اور اس کا مذاق اُڑایا کہ کچھ حد نہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کہ انھوں نے فریضہ ادا کیا اور اس کی تردید کی۔ یہ سب باطل پرست لوگ ہیں۔

یہ قرآن کس ذات نے اُتارا ہے ﴿الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ اللہ اسی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا۔ زمین اور آسمانوں کا خالق بھی وہی ہے مالک بھی وہی ہے اور ان میں تصرف بھی اسی کا ہے ﴿وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا﴾ اور نہیں بنائی اس نے اولاد۔ اس میں رد ہوا یہود و نصاریٰ کا اور دوسری مشرک قوموں کا۔ ﴿وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ اور عیسائیوں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اور دوسری مشرک قومیں جن میں عربی بھی ہیں ﴿وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ﴾ "وہ کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔" تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کا رد فرمایا ہے کہ اس نے اپنے لیے کوئی اولاد نہیں بنائی۔ اور ساتویں پارے میں آتا ہے ﴿وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ﴾ "اور نہیں ہے اس کی بیوی۔" اس کی صفت ہے ﴿لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ﴾ "نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔" ﴿وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ﴾ اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک ملک میں۔ نہ آسمانوں میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ زمین میں، نہ پیدا کرنے میں، نہ اولاد دینے میں، نہ رزق دینے میں اس کا کوئی شریک ہے، نہ تکلیفیں دور کرنے میں اس کا کوئی شریک ہے، کسی چیز میں رب تعالیٰ کا قطعاً کوئی شریک نہیں ہے۔ یہی مفہوم ہے ﴿وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ کا۔

مسئلہ تقدیر

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ اور اس رب نے تقدیر مقرر فرمائی۔ تقدیر کے انکار پر منکرین حدیث نے بڑے رسالے لکھے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تقدیر کا مسئلہ مولویوں کا اپنا بنایا ہوا ہے پہلے سے کوئی چیز لکھی ہوئی نہیں ہے۔ بس بندہ جو کرتا ہے وہ لکھا جاتا

ہے۔غلام احمد پرویز کہتا ہے کہ یہ عجمیوں کی سازش ہے۔عجمیوں کی سازش کا کیا معنیٰ ہے؟ کتنا بڑا خبیث ہے، یہ کہہ کر اس نے کن پر تنقید کی ہے؟ صحاح ستہ کے مصنفین پر، رحمہم اللہ تعالیٰ۔کیوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیر کی احادیث بخاری شریف میں نقل فرمائی ہیں اور یہ ایرانی النسل ہیں عجمی ہیں۔امام ابوداؤد سجستانی ہیں انھوں نے کتاب الایمان میں تقدیر کی روایتیں نقل فرمائی ہیں اور یہ بھی عجمی ہیں۔امام ترمذی ترمذ کے ہیں وہ بھی عجمی ہیں۔امام نسائی بھی عجمی ہیں اور امام ابن ماجہ بھی عجمی ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ۔تو صحاح ستہ کے پانچ مصنفین عجمی ہیں تو عجمیوں کی سازش کہہ کر ان حضرات پر طعن کیا ہے۔صرف امام مسلم بن حجاج قشیری عربی ہیں۔

چوں کہ ان بزرگوں نے اپنی کتابوں میں تقدیر کے متعلق روایات بیان فرمائی ہیں۔تو غلام احمد پرویز کہتا ہے کہ یہ عجمی سازش ہے ان عجمیوں نے مل جل کر اپنی طرف سے یہ حدیثیں بنائی ہیں اور لوگوں کو تقدیر کا قائل کیا ہے اور حقیقت میں تقدیر کچھ نہیں ہے۔تم اس کی جہالت کا اندازہ لگاؤ کہ کہتا ہے اگر تقدیر کوئی چیز ہوتی تو اس کا ذکر قرآن میں ہوتا۔ میں نے اپنی کتاب "انکار حدیث کے نتائج" میں اس پر بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ میں نے کہا تم قرآن کو کیا جانتے ہو اور کب مانتے ہو؟ اگر تم قرآن پڑھتے تو یہ آیت کریمہ تمھارے سامنے نہ آتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا﴾ "ہر چیز کو رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور ہر چیز کی تقدیر بھی رب نے مقرر کی ہے۔" یاد رکھنا! تقدیر کا مسئلہ حق ہے۔قرآن کریم میں بھی ہے اور احادیث میں بھی ہے۔مگر یہ لوگ بڑے بے حیا ہیں صرف ادب کے زور پر یعنی ادیبانہ کلام کی وجہ سے نوجوانوں کو خراب کرتے ہیں۔نوجوان ان کے ادبی ذوق کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں ایمان خراب کر بیٹھتے ہیں۔ یاد رکھنا! تقدیر کا مسئلہ بنیادی مسائل میں سے ہے۔

﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً﴾ اور بنا لیے ان بے وقوفوں نے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے معبود۔کسی کا لات خدا ہے، کسی کا منات خدا ہے، کسی کا عزّیٰ وغیرہم۔فرمایا سن لو ﴿لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا﴾ وہ جن کو انھوں نے معبود بنایا ہے وہ کسی چیز کے خالق نہیں ہیں انھوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی ﴿وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾ اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔مخلوق ہیں عبادت کے لائق تو خالق ہے مخلوق عبادت کے لائق نہیں ہے۔جن کی یہ پوجا کرتے ہیں پیغمبر ہوں، فرشتے ہوں، شہید ہوں، ولی ہوں، امام بھی مخلوق ہیں۔تو یہ عبادت کے لائق کس طرح ہو گئے۔فرمایا ان کا حال یہ ہے کہ ﴿وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ اور وہ نہیں مالک اپنی جانوں کے لیے نقصان کے اور نہ نفع کے۔ جو اپنی جانوں کے نفع نقصان کے مالک نہ ہوں وہ کسی کو نفع نقصان کیا پہنچا سکتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑی شخصیت تو کوئی نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دو اعلان کروائے ہیں قُلْ آپ کہہ دیں ﴿اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ [جن: ۲۱] "بے شک میں نہیں مالک تمھارے نقصان کا اور نہ نفع کا۔" اور دوسرا اعلان سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۸۸ میں ہے۔فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ "میں اپنے لیے بھی نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں تو اور کسی کی کیا حیثیت ہے کہ وہ نفع نقصان کا مالک ہو۔فرمایا ﴿وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً﴾ اور وہ نہیں

مالک اپنی موت کے اور نہ حیات کے۔ ؎

لائی حیات آئے ، قضا لے چلی چلے
نہ اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

﴿وَلَا نُشُوْرًا﴾ اور نہ قیامت والے دن اٹھ کر کھڑے ہونے کے مالک ہیں نہ اور کسی کو اُٹھا سکتے ہیں کسی کے پاس کسی شے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ پہلے قرآن پاک کا ذکر تھا۔ آگے قرآن پاک پر کافروں نے جو اعتراض کیے ان کا رد ہے۔

قرآن پاک پر کافروں کے اعتراضات

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں ﴿اِنْ هٰذَآ﴾ نہیں ہے یہ قرآن کریم ﴿اِلَّآ اِفْكُ﴾ مگر جھوٹ ﴿افْتَرٰىهُ﴾ جس کو اس شخص نے گھڑا ہے ﴿وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ﴾ اور اس کی امداد کی ہے اس قرآن کے بنانے پر دوسرے لوگوں نے۔ بقول کافروں کے معاذ اللہ تعالیٰ! یہ قرآن نبی نے اپنی طرف سے بنایا ہے خود بنایا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور اس بنانے میں ایک اور قوم نے اس کی مدد کی ہے۔ وہ قوم کون ہے؟ چودھویں پارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ﴾[نحل: ۱۰۳] "اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ بے شک یہ لوگ کہتے ہیں کہ سکھلاتا ہے اس کو ایک انسان اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی زبان میں ہے۔" عداس نامی ایک غلام تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اٹھتا بیٹھتا تھا کہتے تھے کہ یہ اس کو قرآن سکھاتا ہے کہ قرآن بنانے میں وہ معاونت کرتے ہیں اس سے یہ مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ کہ جس کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے اور قرآن کریم تو بڑی واضح عربی میں ہے۔ وہ بے چارہ تو اچھی طرح عربی بول بھی نہیں سکتا وہ کیا سکھائے گا؟ کم از کم کسی پڑھنے لکھنے والے کی طرف نسبت کرتے تو بات تھی مگر دنیا نے شوشے تو چھوڑنے ہیں۔

تو فرمایا کہ یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اس نے خود گھڑا ہے اور اس پر دوسروں نے مدد کی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا﴾ پس تحقیق لائے ہیں یہ لوگ ظلم اور جھوٹ ﴿وَقَالُوْٓا﴾ اور انھوں نے کہا ﴿اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾۔ اسطورہ کی جمع ہے۔ اسطورہ کا معنیٰ ہے ناول، قصہ، کہانی۔ کافروں نے کہا یہ قرآن پاک قصے، کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن پاک میں نیکوں کے قصے بھی ہیں اور بروں کے قصے بھی ہیں مگر وہ محض قصے نہیں ہیں بلکہ ان میں نصیحت اور عبرت ہے۔ ﴿اكْتَتَبَهَا﴾ کہتے ہیں کہ نبی نے یہ قصے لکھ لیے ہیں ﴿فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ﴾ پس وہ اس کو قصے املاء کروائے جاتے ہیں ﴿بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ پہلے پہر اور پچھلے پہر۔ اس کا اجمالی جواب تو یہاں ہے اور تفصیلی جواب اکیسویں پارے میں ہے ﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾[العنکبوت: ۴۸] "اور آپ نہیں تھے پڑھتے اس

سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتے تھے اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے اس وقت البتہ شک کرتے باطل پرست لوگ۔" سب جانتے تھے کہ آپ نہ لکھنا جانتے ہیں نہ پڑھنا۔ جب آپ لکھنا پڑھنا ہی نہیں جانتے تو آپ کو املا کیسے کرائی جاتی ہے مگر شوشے چھوڑنے سے دنیا باز نہیں آتی۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَنْزَلَهُ الَّذِیْ﴾ اُتارا ہے قرآن کو اس ذات نے ﴿یَعْلَمُ السِّرَّ﴾ جو جانتی ہے مخفی چیز کو ﴿فِی السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین میں۔ یہ بندوں کا بنایا ہوا اور گھڑا ہوا نہیں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں رب کی طرف سے آیا ہے ﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ جس کی وجہ سے تم بچے آرہے ہو ورنہ اگر تمھاری زیادتیوں کو دیکھ کر سزا دے تو تم ایک لحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔

﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا کافروں نے ﴿مَا﴾ کیا ہو گیا ہے ﴿لِ هٰذَا الرَّسُوْلِ﴾ اس رسول کو ﴿یَاْكُلُ الطَّعَامَ﴾ کھاتا ہے کھانا ﴿وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ﴾ اور چلتا ہے بازاروں میں ﴿لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ﴾ کیوں نہیں اتارا گیا اس کی طرف ﴿مَلَكٌ﴾ فرشتہ ﴿فَیَكُوْنَ مَعَهٗ﴾ پس ہوتا وہ فرشتہ اس کے ساتھ ﴿نَذِیْرًا﴾ ڈرانے والا ﴿اَوْ یُلْقٰۤی اِلَیْهِ كَنْزٌ﴾ یا کیوں نہیں ڈالا جاتا اس کی طرف خزانہ ﴿اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ﴾ یا کیوں نہیں اس کے لیے باغ ﴿یَّاْكُلُ مِنْهَا﴾ کھاتا اس باغ سے ﴿وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ﴾ اور کہا ظالموں نے ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ﴾ تم نہیں پیروی کرتے ﴿اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ مگر ایسے آدمی کی جس پر جادو کیا ہوا ہے ﴿اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ﴾ دیکھ کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے لیے مثالیں ﴿فَضَلُّوْا﴾ پس گمراہ ہو گئے ﴿فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا﴾ پس نہیں طاقت رکھتے راستے کی ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ﴾ برکت والی ہے وہ ذات ﴿اِنْ شَآءَ﴾ اگر وہ چاہے ﴿جَعَلَ لَكَ﴾ بنا دے آپ کے لیے ﴿خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ﴾ بہتر اس سے ﴿جَنّٰتٍ﴾ باغات ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہوں ان کے نیچے نہریں ﴿وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا﴾ اور بنا دے آپ کے لیے کوٹھیاں اور محل ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ﴾ بلکہ جھٹلایا انھوں نے قیامت کو ﴿وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ﴾ اور تیار کیا ہم نے اس کے لیے جس نے جھٹلایا قیامت کو ﴿سَعِیْرًا﴾ شعلہ مارنے والا عذاب ﴿اِذَا رَاَتْهُمْ﴾ جب دیکھے گی ان کو دوزخ ﴿مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ﴾ دور کی جگہ سے ﴿سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیْرًا﴾ سنیں گے اس کا جوش اور آواز ﴿وَاِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا﴾ اور جب ڈالے جائیں گے اس دوزخ میں ﴿مَكَانًا ضَیِّقًا﴾ تنگ جگہ میں ﴿مُّقَرَّنِیْنَ﴾ جکڑے ہوئے بیڑیوں میں ﴿دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا﴾ مانگیں گے وہاں ہلاکت کو ﴿لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا﴾ نہ مانگو تم آج کے دن ایک ہلاکت ﴿وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا﴾ اور

مانگو تم ہلاکتیں بہت زیادہ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ کیا یہ بہتر ہے ﴿اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ﴾ یا ہمیشہ رہنے کے باغ ﴿الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾ جن کا وعدہ کیا گیا ہے متقیوں کے ساتھ ﴿كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً﴾ ہوگی ان کے لیے بدلہ ﴿وَّمَصِيْرًا﴾ اور لوٹنے کی جگہ ﴿لَهُمْ فِيْهَا﴾ ان کے لیے اس جنت میں ﴿مَا يَشَآءُوْنَ﴾ وہ ہوگا جو وہ چاہیں گے ﴿خٰلِدِيْنَ﴾ ہمیشہ رہیں گے ﴿كَانَ عَلٰى رَبِّكَ﴾ ہے آپ کے رب کے ذمے ﴿وَعْدًا مَّسْئُوْلًا﴾ وعدہ جس کا سوال کیا جائے گا۔

بشریتِ انبیاء ؑ

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جتنے بھی پیغمبر بھیجے گئے مخلوق کی ہدایت کے لیے سب کے سب انسان تھے، آدمی تھے، بشر تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری پیغمبر ہیں۔ بشری تقاضے تمام میں موجود تھے، بھوک پیاس بھی لگتی تھے، گرمی سردی بھی محسوس ہوتی تھی، جنسی خواہشات بھی تھیں اسی لیے بیویاں بھی تھیں۔ بہرحال جتنے تقاضے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ساتھ لگائے ہیں وہ سب پیغمبروں میں تھے فرق صرف اتنا ہے کہ عام انسان اپنے تقاضے جائز اور ناجائز طریقے سے پورے کرتے ہیں، حلال حرام طریقے اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے حرام اور ناجائز طریقہ کبھی نہیں اختیار کیا دوسرے پیغمبروں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کھاتے پیتے تھے نبوت ملنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجارت کا کام بھی کرتے تھے۔

ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ نبوت ملنے سے پہلے ایک شخص جس کا نام عبداللہ ابن ابی الحمساء تھا جو بعد میں صحابی ہوئے، رضی اللہ عنہ، نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی سودا کیا رقم اس کے پاس نہیں تھی اس نے کہا میں جلدی آپ کو رقم لا کر دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھارے آنے تک یہیں رہوں گا۔ وہ کاروباری آدمی تھا بھول گیا اور دوسرے کاموں میں لگ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن اور تین راتیں وہیں ٹھہرے رہے۔ تین دن کے بعد وہ آیا بڑا شرمندہ ہوا معذرت کی اور کہا حضرت! مجھے معاف کر دیں مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اتنے الفاظ فرمائے: لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلٰثٍ " اے عبداللہ! تیری وجہ سے مجھے تکلیف ہوئی ہے میں تین دنوں سے یہیں ہوں۔" بخاری شریف میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غلام بیچا ہوذہ رضی اللہ عنہ بن خالد کو۔ اس نے کہا حضرت! مجھے رسید چاہیے۔ اس وقت بھی رسید کی ضرورت ہوتی تھی لوگ دور دراز جاتے تھے تو لوگ پوچھتے تھے۔ فرمایا بالکل ٹھیک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تو لکھنا نہیں جانتے تھے اس مجلس میں لکھنے والا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فرمایا لکھ دو ہوذہ بن خالد نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک غلام خریدا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقاعدہ رسید لکھوا کر دی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار بھی جاتے تھے ضرورت کے لیے۔

کافروں نے یہ بھی اعتراض کیا ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا کافروں نے ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ﴾ کیا ہو گیا ہے اس رسول کو

﴿یَاْكُلُ الطَّعَامَ﴾ کھاتا ہے کھانا ﴿وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ﴾ اور چلتا ہے بازاروں میں اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں نبی ہوں اس کا جو اب رب تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۷ میں دیا ﴿وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ﴾ "اور نہیں بنائے ہم نے پیغمبروں کے ایسے جسم کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔" جب وہ بشر ہیں انسان ہیں تو سارے بشری تقاضے بھی ہیں۔ اور یہ بھی کہا ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ﴾ کیوں نہیں اُتارا گیا اس کی طرف فرشتہ ﴿فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا﴾ پس وہ ہوتا اس کے ساتھ ساتھ ڈرانے والا۔ وہ فرشتہ اس نبی کے ساتھ ہوتا اور راستہ صاف کرتا لوگوں کو کہتا ہٹ جاؤ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر آرہا ہے۔

آج ایک معمولی افسر کے ساتھ آگے پیچھے گارڈ ہوتے ہیں جو راستہ صاف کراتے ہیں۔ یہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہوں ساری مخلوق کے لیے احکامات اللہ تعالیٰ سے لیتا ہوں اور مخلوق کو پہنچاتا ہوں۔ اتنے بڑے منصب کا دعویدار ہے اور اس کے ساتھ ایک بھی فرشتہ نہیں ہے ﴿اَوْ یُلْقٰۤی اِلَیْهِ كَنْزٌ﴾ یا ڈالا جاتا اس کی طرف خزانہ۔ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((كُنْتُ اَرْعٰی لِاَهْلِ مَكَّةَ عَلٰی قَرَارِیْطَ)) "میں چند ٹکوں پر اہل مکہ کی بکریاں چراتا تھا۔" یہ کیسا پیغمبر ہے کہ مزدوریاں کرتا پھرتا ہے اس کے لیے تو خزانوں کے ڈھیر اترنے چاہیے تھے خود کھاتا اوروں کو کھلاتا۔ ظاہر بینوں کی نگاہیں تو انھی چیزوں کی طرف ہوتی ہیں۔

﴿اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ﴾ یا ہوتا اس کا باغ ﴿یَّاْكُلُ مِنْهَا﴾ کھاتا اس سے پھل۔ اس کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے ﴿وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ﴾ اور کہا ظالموں نے ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ نہیں پیروی کرتے تم مگر ایسے آدمی کی جس پر جادو کیا گیا ہے۔ جس پر جادو کیا گیا ہو اس کا دماغ کام نہیں کرتا تم پاگل کے پیچھے لگے ہوئے ہو۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) اور سورت صفت آیت نمبر ۳۶ میں ہے ﴿اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ﴾ "کیا ہم چھوڑنے والے ہیں اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے (معاذ اللہ تعالیٰ)۔" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ﴾ آپ دیکھیں کیسی کیسی مثالیں آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ کیسی کیسی باتیں آپ کے متعلق کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کھاتا پیتا کیوں ہے، کبھی کہتے ہیں بازار کیوں جاتا ہے، کبھی کہتے ہیں اس کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں ہے، کبھی کہتے ہیں کہ اس پر خزانہ کیوں نہیں اترتا، کبھی کہتے ہیں اس کے پاس باغ کیوں نہیں ہے ﴿فَضَلُّوْا﴾ پس گمراہ ہو گئے سب کے سب ﴿فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا﴾ پس نہیں طاقت رکھتے راستے کی۔ یعنی سیدھے راستے پر چلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کا دماغ ہی بہت خراب ہے۔ اگلی آیت کریمہ کو سمجھنے کے لیے ساتویں پارے کی ایک آیت کریمہ کا مفہوم سمجھ لیں پھر اس کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

مشرکین مکہ کا ایک نمائندہ وفد

اس کا مضمون اس طرح ہے کہ مشرکین مکہ کے سرداروں کا ایک نمائندہ وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو یہ صفا پہاڑی اور مروہ پہاڑی سونے کی بنا دیں تو ہم اپنے اپنے قبیلے کے سرداری کی حیثیت سے ذمہ داری لیتے ہیں کہ ہماری ساری قوم مسلمان ہو جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو ساری دنیا کے پہاڑوں کو سونا بنا دے وہ قادر مطلق ہے اس کے لیے ان چھوٹی چھوٹی چٹانوں کا سونا بنانا کیا مشکل ہے اور یہ مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ﴾ [انعام: ۳۵] ”اور اگر ہے آپ پر شاق ان لوگوں کا اعراض کرنا پس اگر آپ طاقت رکھتے ہیں کہ تلاش کر لیں سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی لگالیں آسمان میں پس لے آئیں ان کے پاس کوئی نشانی۔“ ہم تو ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ رب تعالیٰ کی حکمتیں بے شمار ہیں بعض محدثین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ بڑے سطحی ہوتے ہیں مثلاً: اگر صفا مروہ پہاڑیاں سونے کی بن جائیں تو لوگ یہ سمجھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چوں کہ سونا ہے اس لیے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ تو رب تعالیٰ نے غریب اور بھوکا رکھ کر قرآن کی صداقت دکھلائی، پیغمبر علیہ السلام کے اخلاق دکھائے کہ لوگ قرآن کی صداقت اور پیغمبر کے اخلاق کریمہ کہ وجہ سے اسلام قبول کر لیں۔

تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ﴾ بڑی برکت والی ہے وہ ذات ﴿اِنْ شَآءَ﴾ اگر وہ چاہے ﴿جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ﴾ تو بنا دے آپ کے لیے بہتر اس سے جو باغ وغیرہ ان کے ذہن میں ہے ﴿جَنّٰتٍ﴾ کئی باغ ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ بہتی ہوں ان کے نیچے نہریں ﴿وَ يَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا﴾۔ قُصُوْرًا قصر کی جمع ہے بمعنی محل، کوٹھی۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کوٹھیاں بنا دے۔ وہ ایسا کر سکتا ہے مگر ایسا کرنا حکمت کے خلاف ہے عوام تو مال و دولت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آئیں گے پھر قرآن اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت تو واضح نہیں ہوگی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ ان پر ظاہر ہوں گے۔

﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ﴾ بلکہ ان لوگوں نے قیامت کو جھٹلایا ہے کہتے ہیں قیامت کوئی چیز نہیں ہے ﴿وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے اس کے لیے جو جھٹلاتا ہے قیامت کو ﴿سَعِيْرًا﴾ شعلے مارنے والی آگ کا عذاب۔ یہ دنیا کی آگ میں لوہا پگھل جاتا ہے بعض دھاتیں بالکل جل جاتی ہیں اور وہ آگ اس سے اُنہتر گنا تیز ہوگی آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے ﴿اِذَا رَاَتْهُمْ﴾ جب وہ آگ ان کو دیکھے گی اور یہ لوگ آگ کو دیکھیں گے ﴿مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ﴾ دور کی جگہ سے ﴿سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا﴾ سنیں گے اس کا جوش اور آواز۔ جیسے: تنور یا بھٹی وغیرہ میں آگ تیز ہو تو شوں شوں کی آواز نکلتی ہے ایسے ہی اس آگ کی آواز ہوگی اور دوزخی چنگاڑے ماریں گے ﴿لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ﴾ [ہود: ۱۰۶] ”ان کے لیے چیخنے چلانے کی آوازیں ہوں گی۔“ زفیر گدھے کی اس آواز کو کہتے ہیں جو وہ شروع میں زور سے نکالتا ہے اور شھیق اس آواز کو کہتے ہیں جو آخر میں مدہم سی ہوتی ہے۔ تو ان کی گدھے کی طرح آوازیں ہوں گی اور گدھے کی آواز کے بارے میں آتا ہے ﴿اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ [لقمان: ۱۹] ”تمام آوازوں سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے۔“

﴿وَاِذَآ اُلۡقُوۡا مِنۡهَا﴾ اور جس وقت وہ دوزخ میں ڈالیں جائیں گے ﴿مَكَانًا ضَيِّقًا﴾ تنگ جگہ میں ﴿مُقَرَّنِيۡنَ﴾ جکڑے ہوئے ہاتھ بھی اور پاؤں بھی کہ حرکت بھی نہ کر سکیں۔ پھر کیا کریں گے ﴿دَعَوۡا هُنَالِكَ ثُبُوۡرًا﴾ وہاں اپنے لیے ہلاکت مانگیں گے کہ ہم مر جائیں اور عذاب سے چھٹکارا ہو جائے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا ﴿لَا تَدۡعُوا الۡيَوۡمَ ثُبُوۡرًا وَّاحِدًا﴾ نہ مانگو تم آج کے دن ایک ہلاکت ﴿وَّادۡعُوۡا ثُبُوۡرًا كَثِيۡرًا﴾ بہت سی ہلاکتیں مانگو۔ مگر وہاں تو یہ ہوگا ﴿لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى﴾ [سورۃ الاعلیٰ] "دوزخی نہ دوزخ میں مریں گے نہ جئیں گے۔" اور سورہ زخرف آیت نمبر ۷۷ میں ہے ﴿وَنَادَوۡا يٰمٰلِكُ لِيَقۡضِ عَلَيۡنَا رَبُّكَ﴾ "اور دوزخ والے پکاریں گے اے مالک علیہ السلام! چاہیے کہ فیصلہ کر دے ہم پر آپ کا پروردگار۔" ہمیں مار ہی دے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا ﴿اخۡسَـُٔوۡا فِيۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ﴾ [مومنون:۱۰۸] "ذلیل ہو جاؤ اسی دوزخ میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔" ذلیل ہو کر دوزخ میں پڑے رہو۔ میرے پیغمبر تمھارے پاس پہنچے، مبلغ پہنچے، میں نے تمھیں عقل دی، کتابیں نازل کیں مگر تم نے ضد نہ چھوڑی۔ اب سزا بھگتو۔

قُلۡ آپ کہہ دیں ﴿اَذٰلِكَ خَيۡرٌ اَمۡ جَنَّةُ الۡخُلۡدِ الَّتِيۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ﴾ کیا یہ بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے کے باغ جن کا وعدہ کیا گیا ہے پرہیزگاروں کے ساتھ۔ آگ کے شعلوں میں یا یہ ہیشگی کے باغات بہتر ہیں ﴿كَانَتۡ لَهُمۡ جَزَآءً وَّمَصِيۡرًا﴾ یہ ان کے لیے بدلہ ہوگا اور لوٹ کر جانے کی جگہ۔ جنتیں آٹھ ہیں۔ سب سے افضل اور بہتر جنت الفردوس ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے اپنے لیے مانگو یا اپنے کسی عزیز کے لیے مانگو تو جنت الفردوس مانگو۔ ملے گا وہی جو تمھاری قسمت میں ہوگا تمھارے اعمال کے مطابق۔ یہ ضروری نہیں کہ جو مانگا مل گیا لیکن تم طلب فردوس کو ہی کرو۔ فرمایا ﴿لَهُمۡ فِيۡهَا مَا يَشَآءُوۡنَ﴾ ان کے لیے ان جنتوں میں وہ کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔

مثال کے طور پر اگر جنتی خواہش کرے گا کہ میں اُڑ کر اپنے فلاں ساتھی کے پاس پہنچ جاؤں اور اس کا ساتھی فرض کر وا تنا دور ہو جتنا یہاں سے امریکہ ہے تو ایک منٹ میں اس کے پاس پہنچ جائے گا۔ اُڑتے ہوئے پرندے کو دیکھ کر خواہش کرے گا کہ یہ میری خوراک بن جائے تو ایک منٹ میں پلیٹ میں بھنا ہوا سامنے آ جائے گا، کسی پھل کی خواہش کرے گا تو وہ پھل لٹکتا ہوا سامنے آ جائے گا اور پھر ﴿خٰلِدِيۡنَ﴾ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ جو خوش نصیب جنت میں داخل ہو گیا وہ وہاں سے نکالا نہیں جائے گا ﴿كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعۡدًا مَّسۡـُٔوۡلًا﴾ ہے آپ کے رب کے ذمے متقیوں کے لیے جنت میں داخلے کا وعدہ جس کا سوال کیا جائے گا۔ پروردگار! آپ نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیں۔ رب اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ رب تعالیٰ سے بڑھ کر اور کون ہے وعدے کو پورا کرنے والا۔

~~~

﴿وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اکٹھا کرے گا ﴿وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ﴾ اور ان کو جن کی یہ عبادت کرتے
~~~

ہیں ﴿مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿فَیَقُوۡلُ﴾ پس فرمائے گا ﴿ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِیۡ ہٰۤؤُلَآءِ﴾ کیا تم نے گمراہ کیا میرے ان بندوں کو ﴿اَمۡ ہُمۡ ضَلُّوا السَّبِیۡلَ﴾ یا وہ خود راہ سے بھٹک گئے ﴿قَالُوۡا﴾ وہ کہیں گے ﴿سُبۡحٰنَکَ﴾ آپ کی ذات پاک ہے ﴿مَا کَانَ یَنۡۢبَغِیۡ لَنَاۤ﴾ نہیں تھا مناسب ہمارے لیے ﴿اَنۡ نَّتَّخِذَ﴾ یہ کہ ہم بنائیں ﴿مِنۡ دُوۡنِکَ﴾ آپ سے نیچے نیچے ﴿مِنۡ اَوۡلِیَآءَ﴾ کارساز ﴿وَ لٰکِنۡ مَّتَّعۡتَہُمۡ﴾ اور لیکن آپ نے ان کو فائدہ پہنچایا ﴿وَ اٰبَآءَہُمۡ﴾ اور ان کے آباؤاجداد کو ﴿حَتّٰی نَسُوا الذِّکۡرَ﴾ یہاں تک کہ وہ بھول گئے نصیحت ﴿وَ کَانُوۡا قَوۡمًۢا بُوۡرًا﴾ اور تھے یہ لوگ ہلاک ہونے والے ﴿فَقَدۡ کَذَّبُوۡکُمۡ﴾ پس تحقیق انھوں نے جھٹلا دیا تم کو ﴿بِمَا تَقُوۡلُوۡنَ﴾ ان باتوں میں جو تم کہتے ہو ﴿فَمَا تَسۡتَطِیۡعُوۡنَ﴾ پس تم طاقت نہیں رکھتے ﴿صَرۡفًا﴾ پھرنے کی ﴿وَّ لَا نَصۡرًا﴾ اور نہ مدد کرنے کی ﴿وَ مَنۡ یَّظۡلِمۡ مِّنۡکُمۡ﴾ اور جس نے ظلم کیا تم میں سے ﴿نُذِقۡہُ﴾ ہم چکھائیں گے اس کو ﴿عَذَابًا کَبِیۡرًا﴾ عذاب بڑا ﴿وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ﴾ اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے ﴿مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ﴾ پیغمبر ﴿اِلَّاۤ اِنَّہُمۡ﴾ مگر بے شک وہ ﴿لَیَاۡکُلُوۡنَ الطَّعَامَ﴾ البتہ وہ کھانا کھاتے تھے ﴿وَ یَمۡشُوۡنَ فِی الۡاَسۡوَاقِ﴾ اور چلتے تھے بازاروں میں ﴿وَ جَعَلۡنَا بَعۡضَکُمۡ لِبَعۡضٍ فِتۡنَۃً﴾ اور بنایا ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش ﴿اَتَصۡبِرُوۡنَ﴾ کیا تم صبر کرتے ہو ﴿وَ کَانَ رَبُّکَ بَصِیۡرًا﴾ اور ہے آپ کا رب دیکھنے والا۔

میدان محشر اور شرک کی تردید

محشر کا معنٰی ہے جمع کرنے کی جگہ۔جس مقام پر اللہ تعالیٰ بندوں کو جمع کریں گے اس کا نام ہے محشر۔میدانِ محشر بپا ہوگا، اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت قائم ہوگی۔اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق جتنا ظہور ہوگا وہ اس شان کے ساتھ جلوہ افروز ہوں گے اور سب سے حساب لیں گے۔اس دن مشرکوں اور جن کی انھوں نے پوجا کی ہے کا بھی حساب ہوگا۔اسی کا ذکر ہے۔﴿وَ یَوۡمَ یَحۡشُرُہُمۡ﴾ اور جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ مشرکوں کو ﴿وَ مَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ﴾ اور اس مخلوق کو بھی جس کی یہ مشرک عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے اکٹھا کر کے ﴿فَیَقُوۡلُ﴾ پس فرمائے گا۔اللہ تعالیٰ سوال کرے گا ان سے جن کی عبادت کی گئی ﴿ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِیۡ ہٰۤؤُلَآءِ﴾ کیا تم نے گمراہ کیا میرے ان بندوں کو۔تم نے کہا تھا کہ ہمیں معبود بنا لو اور یہ تمھارے عابد ہو جائیں اور تم معبود ہو جاؤ ﴿اَمۡ ہُمۡ ضَلُّوا السَّبِیۡلَ﴾ یا وہ خود گمراہ ہوئے ہیں راستے سے اور تمھارا کوئی دخل نہیں ہے۔اپنی پوزیشن واضح کرو ﴿قَالُوۡا﴾ وہ جواب دیں گے ﴿سُبۡحٰنَکَ﴾ آپ کی ذات پاک ہے ﴿مَا کَانَ یَنۡۢبَغِیۡ لَنَاۤ﴾ نہیں تھا مناسب ہمارے لیے۔ ہمیں یہ حق نہیں تھا ﴿اَنۡ نَّتَّخِذَ مِنۡ دُوۡنِکَ مِنۡ اَوۡلِیَآءَ﴾ یہ کہ ہم بنائیں آپ سے نیچے نیچے کارساز، حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس بنائیں ہمیں یہ حق نہیں تھا ﴿وَ لٰکِنۡ مَّتَّعۡتَہُمۡ﴾ اور لیکن آپ نے ان کو فائدہ پہنچایا ﴿وَ اٰبَآءَہُمۡ﴾ اور ان کے باپ دادا کو

﴿حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ﴾ یہاں تک کہ وہ بھول گئے نصیحت کو ﴿وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا﴾۔ بُوْرًا بَائِرٌ کی جمع ہے اور بائر کا معنٰی ہے ہلاک ہونا۔ اور تھے یہ لوگ ہلاک ہونے والے۔ شرک کے شیدائی اہل بدعت عموماً یہ کہا کرتے ہیں کہ شرک تو یہ ہے کہ بتوں کی پوجا کی جائے ہم تو بتوں کی پوجا نہیں کرتے ہم تو نبیوں ولیوں کو سورتے پکارتے ہیں۔ قرآن کریم نے ان کے اس مغالطے کو رد کر کے رکھ دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نے اس باطل خیال کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی ہیں۔

قیامت والے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے ﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ "اور جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے (علیہ السلام) کیا آپ نے کہا تھا لوگوں کو کہ بناؤ مجھے اور میری والدہ کو الٰہ اللہ کے نیچے۔ ﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ﴾ عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے آپ کی ذات پاک ہے مجھ کو لائق نہیں کہ کہوں میں ایسی بات جس کا مجھے حق نہیں ہے ﴿اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ﴾ اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو آپ کو ضرور معلوم ہوگا ﴿تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ﴾ آپ جانتے ہیں جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو آپ کے جی میں ہے ﴿اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴾ بے شک آپ ہی چھپی چیزوں کو جاننے والے ہیں ﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ﴾ میں نے نہیں کہی ان لوگوں سے مگر وہی بات جس کا آپ نے مجھے حکم دیا ہے ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ﴾ [مائدہ: ۱۱۶-۱۱۷] کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔"

اگر شرک فقط بتوں کی پوجا کا نام ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیوں؟ نہ عیسیٰ علیہ السلام بت ہیں اور نہ ان کی والدہ ماجدہ بت ہیں۔ اگر شرک بتوں کی پوجا کا نام ہے بقول ان جاہلوں کے تو ان سے سوال کیوں؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے اے پروردگار! آپ کی ذات پاک ہے میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ اگر بالفرض والحال ایسی بات ہوئی ہوتی آپ کو معلوم ہوتا کہ آپ غیب دان ہیں میں غیب نہیں جانتا۔ پھر سمجھ لیں کہ سوال یہ ہے کہ شرک اگر صرف بت پرستی کا نام ہے تو عیسیٰ علیہ السلام سے کیوں پوچھا جائے گا کہ کیا آپ نے یہ سبق دیا ہے؟ اور بائیسویں پارے میں ہے ﴿وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا﴾ "اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو ﴿ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ﴾ پھر فرمائے گا فرشتوں کو کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ [سبا: ۴۰-۴۱] پاک ہے آپ کی ذات آپ ہی ہمارے کارساز ہیں۔"

تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال کریں گے کہ یہ جو تمہاری پوجا کرتے تھے یا جبرائیل یا میکائیل یا عزرائیل یا اسرافیل علیہم السلام کہتے اور لکھتے تھے۔ یہ سبق تم نے ان کو دیا تھا؟ تو اللہ تعالیٰ کے معصوم فرشتے کہیں گے اے پروردگار! آپ کی ذات پاک ہے ہم نے ان کو یہ سبق نہیں دیا۔ تو سب جاہلوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ شرک صرف بت پرستی کا نام ہے غلط کہتے ہیں۔ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی اور ان کی والدہ کی پوجا کا نام بھی شرک ہے اور فرشتوں کی پوجا کا نام بھی شرک ہے۔ اور سورۃ توبہ آیت نمبر ۳۱ میں ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ "ان لوگوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو رب بنا لیا اللہ تعالیٰ

کے سوا ﴿وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ﴾ اور مسیح ابن مریم کو رب بنالیا۔" سوال یہ ہے کہ یہ مولوی اور پیر بت تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بت تھے؟ معاذ اللہ تعالیٰ۔

پھر یہ بات بھی سمجھ لیں کہ دنیا میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں گزری کہ جس نے محض لکڑی، پتھر اور اینٹ کی بے جان مورت کو خدا یا الٰہ بنایا ہو۔ بلکہ بت، تصویر اور مجسمہ جب بھی بنایا گیا کسی جان دار مخلوق بلکہ بزرگوں اور پیغمبروں اور نیک بندوں کے نام اور شکل پر ہی بنایا گیا اور بتوں سے وہ کام لیا گیا یا نااہل لوگوں نے تصور شیخ سے یا غالی لوگوں نے فوٹو اور تصویر سے لیا۔ دیکھو! ایک من کی لکڑی کی کوئی ہندو پوجا نہیں کرتا جب وہ لکڑی گھڑتے گھڑتے دس سیر باقی رہ جاتی اور کسی بزرگ سیتا جی، رام چندر، کرشن جی، بدھ کی شکل بن گئی تو اب اس کی پوجا شروع ہوگئی۔ تو پوجا تو اس بزرگ کی ہوئی جس کی شکل پر اس کو بنایا گیا۔ وَد، سواع، یغوث، یعوق، نسر، یہ پانچ بزرگ ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَدّ حضرت ادریس علیہ السلام کا لقب تھا باقی چار نیک بزرگ ان کے صحابی تھے۔ تو اصل عقیدت ان کے ساتھ تھی جن کی شکل اور نام پر بت گھڑے گئے تھے محض لکڑی اور پتھر کی پوجا کسی نے نہیں کی۔ میری کتاب "گلدستہ توحید" ضرور ایک دفعہ پڑھو ساری بات سمجھ آجائے گی اور توحید اور شرک کا فرق سمجھ آجائے گا۔ اور یہ کہنا کہ شرک صرف بت پرستی کا نام ہے غلط ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا بھی شرک ہے اور ان کی والدہ کی پوجا بھی شرک ہے، فرشتوں کی پوجا بھی شرک ہے، مولویوں، پیروں کی پوجا بھی شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی بھی کسی نے پوجا کی اللہ تعالیٰ نے اس کو مشرک کہا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ ان کو کہیں گے جن کی پوجا کی گئی کہ میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا تھا؟ وہ کہیں گے اے پروردگار! آپ کی ذات پاک ہے ہمارے لیے مناسب نہیں تھا کہ ہم آپ کے سوا کسی اور کو الٰہ بنائیں۔ تو ہم کب کہہ سکتے تھے کہ تم ہمیں الٰہ بنالو۔ آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو فائدہ پہنچایا اور یہ نصیحت کو بھول گئے اور یہ ہلاک ہونے والے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مشرکوں سے کہیں گے ﴿فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ﴾ پس تحقیق انھوں نے جھٹلا دیا تم کو ان باتوں میں جو تم کہتے ہو۔ جن کو تم حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس اور دست گیر سمجھتے تھے انھوں نے تو تمھیں جھٹلا دیا ہے کہ ہم نے تو ان کو یہ سبق قطعاً نہیں دیا ﴿فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا﴾ پس تم طاقت نہیں رکھتے عذاب کو ہٹانے کی جو تم پر ہے ﴿وَلَا نَصْرًا﴾ اور نہ ایک دوسرے کی مدد کی طاقت رکھتے ہو۔

فرمایا ﴿وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ﴾ اور جو ظلم کرے گا تم میں سے ﴿نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا﴾ ہم اس کو چکھائیں گے بڑا عذاب۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ ظلم سے مراد شرک ہے کیوں کہ سورت لقمان میں آتا ہے ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ "بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔" تو معنیٰ ہوگا جو شرک کرے گا ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے اور اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ظلم سے مراد عام ظلم ہے شرک ہو یا دوسرا ظلم ہو۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو بڑا عذاب چکھائیں گے۔

بشریت رسول ﷺ

اس سے پچھلے رکوع میں تم نے پڑھا کہ کافروں کا یہ بھی اعتراض تھا کہ اس رسول کو کیا ہو گیا ہے ﴿یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ﴾ "کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، خرید و فروخت کرتا ہے۔" رب تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے پیغمبر ﴿اِلَّاۤ اِنَّهُمْ﴾ مگر بے شک وہ ﴿لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ﴾ البتہ وہ کھانا کھاتے تھے ﴿وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ﴾ اور چلتے پھرتے تھے بازاروں میں۔ جب انبیائے کرام علیہم السلام انسان اور بشر تھے، آدمی تھے تو تمام بشری تقاضے سوائے معصیت کے ان کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ ان کو بھوک پیاس بھی لگتی تھی، گرمی سردی بھی محسوس ہوتی تھی۔

غزوۂ خندق کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔ ایک مقام پر آپ ﷺ کو پیاس لگی تو آپ نے ساتھیوں سے پوچھا کہ تمھارے پاس پانی ہے تو ایک صحابی نے کہا ہاں حضرت! میرے پاس پانی ہے تو اس سے آپ ﷺ نے پانی لے کر پیا۔ ایک دن آنحضرت ﷺ کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی کسی بیوی کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں پکا تھا۔ گھر سے باہر تشریف لے گئے تو راستے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مل گئے۔ وہ بھی اسی مصیبت میں مبتلا تھے۔ فرمایا ابوبکر کیسے؟ عرض کیا حضرت گھر سے نکل آیا ہوں۔ وہ بھی ساتھ چل پڑے۔ آگے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مل گئے پوچھا عمر کیسے؟ کہا حضرت! بھوک نے بڑا ستایا ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ مسکرائے کہ میں بھی اسی وجہ سے نکلا ہوں مگر میں بتا نہیں سکا عمر رضی اللہ عنہ نے بات بتادی ہے۔ فرمایا ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ کے گھر چلو (یہ صاحب حیثیت تھے ان کا باغ بھی تھا اور بکریاں بھی تھیں۔) ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیں کھانا ملے گا۔ اتفاق کی بات کہ وہ گھر نہیں تھے پانی لینے گئے ہوئے تھے بیوی گھر تھی جب اس نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ہیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ ہیں تو بڑی خوش ہوئی۔ ایک چارپائی پر چادر ڈال کر اس پر ان حضرات کو بٹھایا اتنے میں خاوند بھی آ گیا اس کو بھی بڑی خوشی ہوئی کہ آنحضرت ﷺ صاحبین کے ساتھ گھر تشریف لائے ہیں۔ بیوی کو کہا روٹی پکاؤ۔ تازہ کھجوریں لا کر رکھیں حضرت! یہ کھاؤ اور کھانا کھائے بغیر آپ حضرات نے نہیں جانا بکری ذبح کرنے کے لیے جانے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِیَّاكَ وَ الْحَلُوْبَ)) "دودھ والی بکری ذبح نہ کرنا کہ دودھ کی قلت پیدا ہو جائے گی۔" اسلام نے سب چیزوں کا خیال رکھا ہے۔

ایک مسئلہ

اس حدیث کی روشنی میں فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسا جانور جو دودھ دیتا ہو یا جس کے پیٹ میں بچہ ہو اس کی قربانی درست نہیں ہے اس لیے کہ اگر لوگ دودھ والے جانوروں کی قربانی شروع کر دیں گے تو لاکھوں قربانیاں ہوتی ہیں دودھ کی قلت پیدا ہو جائے گی اور اگر بچے والی ہے تو ماں کے ساتھ بچہ بھی ختم ہو جائے گا کیوں کہ وہ اس کے پیٹ میں ہے۔ تو پیغمبروں کے

ساتھ سارے بشری تقاضے ہوتے ہیں ﴿وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً﴾ اور بنایا ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے فتنہ آزمائش۔ کسی کو امیر، کسی کو غریب، کسی کو کوئی شکل دی، کسی کو کوئی شکل دی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ کھانا پینا، خرید و فروخت پیغمبر کے منصب کے خلاف نہیں ہے بلکہ سورۃ المومنون آیت نمبر ۵۱ میں ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ "اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور اچھے عمل کرو۔" فرمایا ﴿اَتَصْبِرُوْنَ﴾ اے مسلمانو! تم کافروں کی ان باتوں پر صبر کرو گے یعنی تمھیں صبر کرنا چاہیے۔ ظاہر بات ہے کہ کافروں کے شوشوں سے جو کافر کبھی رب تعالیٰ کی توحید کے متعلق اور کبھی پیغمبروں کے متعلق اور کبھی مومنوں کے متعلق چھوڑتے ہیں۔ مومنوں کو صدمہ تو ہوتا ہے۔ تو فرمایا کیا تم صبر کرو گے یعنی تمھیں صبر کرنا چاہیے ﴿وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِیْرًا﴾ اور ہے آپ کا رب دیکھنے والا۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے ہر آدمی کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ ملے گا۔

~~~

﴿وَ قَالَ الَّذِیْنَ﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿لَا یَرْجُوْنَ﴾ جو نہیں اُمید رکھتے ﴿لِقَآءَنَا﴾ ہماری ملاقات کی ﴿لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا﴾ کیوں نہیں اُتارے گئے ہم پر ﴿الْمَلٰٓىِٕكَةُ﴾ فرشتے ﴿اَوْ نَرٰى رَبَّنَا﴾ یا ہم کیوں نہیں دیکھتے اپنے رب کو ﴿لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ﴾ البتہ تحقیق تکبر کیا انھوں نے ﴿وَ عَتَوْ﴾ اور انھوں نے سرکشی کی ﴿عُتُوًّا كَبِیْرًا﴾ بڑی سرکشی ﴿یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓىِٕكَةَ﴾ جس دن دیکھیں گے وہ فرشتوں کو ﴿لَا بُشْرٰى یَوْمَىِٕذٍ﴾ نہیں خوش خبری ہوگی اس دن ﴿لِّلْمُجْرِمِیْنَ﴾ مجرموں کے لیے ﴿وَ یَقُوْلُوْنَ﴾ اور وہ کہیں گے ﴿حِجْرًا﴾ پردہ ہو ﴿مَّحْجُوْرًا﴾ روکا ہوا ﴿وَ قَدِمْنَاۤ﴾ اور ہم اقدام کریں گے ﴿اِلٰى مَا عَمِلُوْا﴾ اس چیز کی طرف جو انھوں نے کی ہے ﴿مِنْ عَمَلٍ﴾ عمل سے ﴿فَجَعَلْنٰهُ﴾ پس ہم اس کو کر دیں گے ﴿هَبَآءً﴾ غبار ﴿مَّنْثُوْرًا﴾ بکھیرا ہوا ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ جنت والے ﴿یَوْمَىِٕذٍ﴾ اس دن ﴿خَیْرٌ﴾ بہتر ہوں گے ﴿مُّسْتَقَرًّا﴾ ٹھکانے کے لحاظ سے ﴿وَّ اَحْسَنُ مَقِیْلًا﴾ اور بہت بہتر ہوں گے دوپہر کے آرام کی جگہ کے لحاظ سے ﴿وَ یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ﴾ اور جس دن پھٹ جائے گا آسمان ﴿بِالْغَمَامِ﴾ بادلوں کے ساتھ ﴿وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ﴾ اور اتارے جائیں گے فرشتے ﴿تَنْزِیْلًا﴾ اُتارے جانا ﴿اَلْمُلْكُ یَوْمَىِٕذِ ﹰالْحَقُّ﴾ سچا ملک اس دن ﴿لِلرَّحْمٰنِ﴾ رحمٰن کے لیے ہوگا ﴿وَ كَانَ یَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا﴾ اور ہوگا وہ دن کافروں پر سخت ﴿وَ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ﴾ اور جس دن کاٹے گا ظالم ﴿عَلٰى یَدَیْهِ﴾ اپنے ہاتھوں کو ﴿یَقُوْلُ﴾ کہے گا ﴿یٰلَیْتَنِی﴾ کاش میں ﴿اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا﴾ بنا لیتا رسول کے ساتھ راستہ ﴿یٰوَیْلَتٰى﴾ ہائے افسوس مجھ پر ﴿لَیْتَنِیْ﴾ کاش میں ﴿لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا﴾ نہ بناتا فلاں کو دوست
~~~

﴿لَقَدْ اَضَلَّنِیْ﴾ البتہ تحقیق اس نے گمراہ کیا مجھے ﴿عَنِ الذِّکْرِ﴾ قرآن سے ﴿بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ﴾ بعد اس کے کہ وہ نصیحت آ گئی میرے پاس ﴿وَ کَانَ الشَّیْطٰنُ﴾ اور ہے شیطان ﴿لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا﴾ انسان کو رسوا کرنے والا ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ﴾ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿یٰرَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اِنَّ قَوْمِی﴾ بے شک میری قوم نے ﴿اتَّخَذُوْا﴾ بنالیا ﴿هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ اس قرآن پاک کو ﴿مَهْجُوْرًا﴾ چھوڑا ہوا۔

کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو شوشے چھوڑے تھے اور اعتراض کیے تھے ان کا ذکر چلا آ رہا ہے جیسا کہ کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ کافروں نے کہا اس رسول کو کیا ہے یہ کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ﴾ "ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر بھیجے ہیں وہ سارے کھاتے بھی تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔"

کفار کے اعتراضات اور ان کے جوابات

اب ان کافروں کا ایک اور اعتراض ہے ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ جو امید نہیں رکھتے ہماری ملاقات کی یعنی وہ قیامت کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نہ قیامت ہے، نہ میدان محشر ہے، نہ اللہ تعالیٰ کی عدالت ہو گی۔ انھوں نے کہا ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ کیوں نہیں اُتارے گئے ہم پر فرشتے۔ اس کے پاس فرشتے آتے ہیں ہمارے پاس کیوں نہیں آتے؟ ہم نے ان کا کیا بگاڑا ہے کہ ہماری طرف نہیں آتے؟ اور کافروں نے یہ بھی کہا ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ﴾ [زخرف:۳۱] "کیوں نہیں اُتارا گیا یہ قرآن کسی بڑے آدمی پر دو بستیوں میں سے۔" اس یتیم پر کیوں اُترا ہے؟ دو شہروں سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور طائف ہے۔ اس وقت جدہ کا وجود نہیں تھا۔ مکہ مکرمہ میں سب سے بڑا سردار ولید بن مغیرہ تھا اور طائف میں عروہ بن مسعود ثقفی تھا۔ یہ قرآن ان پر کیوں نازل نہیں ہوا؟ دوسری بات یہ کہی ﴿اَوْ نَرٰی رَبَّنَا﴾ یا ہم کیوں نہیں دیکھتے اپنے رب کو۔ یہ کہتا ہے کہ میرا رب تعالیٰ کے ساتھ رابطہ ہے ہم نے رب کا کیا بگاڑا ہے ہمیں کیوں نہیں نظر آتا۔ یہاں رب تعالیٰ نے اجمالی طور پر جواب دیا ہے ﴿لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ البتہ تحقیق انھوں نے تکبر کیا اپنی جانوں میں، اپنے دلوں میں ﴿وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِیْرًا﴾ اور سرکشی کی بڑی سرکشی۔ یہ باتیں ان کی تکبر اور سرکشی کی ہیں۔

مسئلہ رؤیت باری تعالیٰ

اس دنیا میں رب تعالیٰ کو دیکھنا آسان بات نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تیسرے نمبر کی شخصیت ہیں۔ پہلا نمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے دوسرا نمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ﴿رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ﴾ "اے میرے رب دکھا تو مجھ کو تاکہ میں دیکھوں تیری طرف

﴿قَالَ لَنۡ تَرٰىنِیۡ﴾ فرمایا رب تعالیٰ نے ﴿لَنۡ تَرٰىنِیۡ﴾ تو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا مجھے اس وقت جب اس پہاڑ پر تجلی ڈالوں گا۔اگر طور پہاڑ اپنی جگہ پر کھڑا رہا تو ﴿فَسَوۡفَ تَرٰىنِیۡ﴾ [اعراف:۱۴۳] پھر آپ مجھے دیکھ لیں گے۔" احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ایک پورے کے نصف حصے کا نور پہاڑ پر ڈالا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو کہا ﴿سُبۡحٰنَكَ تُبۡتُ اِلَيۡكَ﴾ "آپ کی ذات پاک ہے میری توبہ۔" تو موسیٰ علیہ السلام کو اس جہان میں دیدار نہ ہوا تم کون ہوتے ہو تمھاری کیا حیثیت ہے یہ کہنے کی کہ ہمیں رب نظر کیوں نہیں آتا؟ باقی اس جہان کا مسئلہ علیحدہ ہے اور آخرت کے جہان کا علیحدہ۔اس سے یہ ثابت کرنا کہ موسیٰ علیہ السلام اس جہان میں دیدار نہیں کر سکے تو قیامت والے دن بھی رب تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوگا۔ یہ قیاس غلط ہے۔آخرت کی چیزیں ہمیں یہاں سمجھ نہیں آسکتیں۔کیا وہاں کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کسی کے سمجھ میں آتی ہے۔جنت میں ایک درخت کا سایہ اتنا لمبا ہوگا کہ آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر چلے تو اس کی انتہا کو نہ پہنچ سکے،کوئی سمجھ میں آنے والی بات ہے۔درخت سے پھل توڑتے ہی فوراً دوبارہ لگ جائے۔ایک بلند ٹہنی پر لگے پھل کو کھانے کو دل کرے اور وہ ٹہنی فوراً اس کے سامنے آجائے کیا یہ باتیں یہاں سمجھ آنے والی ہیں؟ اور دوزخ میں دنیا کی آگ سے انہتر [۶۹] گنا تیز آگ کے شعلے بھی ہوں اور اس میں آدمی نہ مریں،سانپ،بچھو اور درخت بھی اس میں ہوں یہ باتیں یہاں کس کو سمجھ آسکتی ہیں؟

مومن اور کافر کی روح کے احوال

فرمایا ﴿يَوۡمَ يَرَوۡنَ الۡمَلٰٓئِكَةَ﴾ جس دن دیکھیں گے وہ فرشتوں کو ﴿لَا بُشۡرٰى يَوۡمَئِذٍ لِّلۡمُجۡرِمِيۡنَ﴾ اس دن خوش خبری نہیں ہوگی مجرموں کے لیے ﴿وَيَقُوۡلُوۡنَ﴾ اور وہ کہیں گے ﴿حِجۡرًا﴾ رکاوٹ ہو ہمارے اور فرشتوں کے درمیان ﴿مَّحۡجُوۡرًا﴾ بڑی مضبوط رکاوٹ ہو۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب جان قبض کرنے والے فرشتے آتے ہیں تو مرنے والے کو ملک الموت بھی نظر آتا ہے اور اس کے ساتھ جو معاون فرشتے ہوتے ہیں وہ بھی نظر آتے ہیں۔مرنے والا اگر مومن ہو تو فرشتوں کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبوئیں ہوتی ہیں جس میں اس کی روح کو لپیٹ کر لے جاتے ہیں۔اور اگر کافر مشرک ہے بُرا ہے تو اس کے پاس جہنم کا ٹاٹ اور بدبوئیں ہوتی ہیں جن میں وہ لپیٹ کر لے جاتے ہیں۔وہ فرشتے صرف مرنے والے کو نظر آتے ہیں اوروں کو نظر نہیں آتے اگر دوسروں کو نظر آئیں تو ایمان بالغیب نہیں رہتا۔فرشتے جس وقت مومن کی روح کو آسمانِ دنیا تک لے جاتے ہیں تو ہر طرف خوشبوئیں ہی خوشبوئیں پھیل جاتی ہیں۔جب وہ دروازے کے قریب پہنچتے ہیں تو دربان فرشتے کہتے ہیں اِس کو اس دروازے سے لے جاؤ،دوسرے دروازے والے فرشتے کہتے ہیں یہاں سے لے جاؤ،تیسرے دروازے والے فرشتے کہتے ہیں کہ یہاں سے لے جاؤ۔سب شائق ہوتے ہیں کہ نیک روح ہمارے دروازے سے گزرے اور اگر بُرا ہے تو ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ﴾ [الاعراف:۴۰] "نہیں کھولے جائیں گے اس کے لیے دروازے آسمان کے۔" ساتویں زمین کے نیچے ایک مقام ہے سجین،وہاں پہنچاتے ہیں۔

تو فرمایا یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اُوپر فرشتے کیوں نہیں نازل ہوتے۔ اور جس دن فرشتے نظر آئیں گے تو اس دن مجرم کہیں گے ہمارے اور ان کے درمیان مضبوط آڑ ہو ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ﴾ اور ہم اقدام کریں گے اس طرف جو انھوں نے عمل کیا ہے ﴿فَجَعَلْنٰهُ﴾ پس ہم اس کو کر دیں گے ﴿هَبَآءً﴾ غبار ﴿مَّنْثُوْرًا﴾ بکھیرا ہوا۔ جیسے باریک غبار کو ہوا اُڑاتی ہے۔ حالت کفر میں کافروں کے اعمال کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ آج بھی دنیا میں کافر بڑے بڑے اچھے کام کرتے ہیں سڑکیں بناتے ہیں، پلیں تعمیر کراتے ہیں، مسافر خانے اور ہسپتال بناتے ہیں، غریبوں کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے ظاہری طور پر وہ مسلمانوں سے زیادہ لوگوں کے خیر خواہ ہیں لیکن اعمال کی قبولیت کی شرطیں ان میں نہیں ہیں۔

اعمال کی قبولیت کی تین شرطیں

اعمال کی قبولیت کی تین شرطیں ہیں: ① ایمان ② اخلاص ③ اتباع سنت۔

چوں کہ وہ ایمان کی دولت سے محروم ہیں اس لیے فرمایا کہ ہم اقدام کریں گے اس چیز کی طرف جو انھوں نے عمل کیے ہیں اور ہم کر دیں گے اس کو غبار بکھیرا ہوا۔ ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ﴾ جنت والے اس دن ﴿خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا﴾ بہت بہتر ہوں گے ٹھکانے کے لحاظ سے ﴿وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا﴾۔ قیلولہ سے ہے۔ نیک آدمیوں کی عادت ہے دوپہر کو سونا۔ معنٰی ہوگا بہت بہتر ہوں گے دوپہر کے آرام کی جگہ کے لحاظ سے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: ((مِنْ دَأْبِ الصّٰلِحِيْنَ قَيْلُوْلَة)) "نیک آدمیوں کی عادت سے ہے دوپہر کو سونا۔" یہ سونا فی نفسہ مقصود نہیں ہے بلکہ رات کو جاگنے کی تمہید ہے۔ جو آدمی دوپہر کو تھوڑی دیر کے لیے سو جائے اس کو سحری کے وقت تہجد کے نوافل کے لیے اٹھنا آسان ہوتا ہے۔ فرمایا ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ﴾ اور جس دن پھٹ جائے گا آسمان بادلوں کے ساتھ۔ آسمان کے نیچے بادل ہوں گے اور وہ پھٹ جائیں گے ﴿وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا﴾ اور اُتارے جائیں گے فرشتے اُتارے جانا۔ رب تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی میدان محشر میں اور فرشتے آسمانوں سے ایسے اُتریں گے جیسے بادلوں سے جہاز نیچے اترتا ہے ایسے فرشتے اُتریں گے۔ اور جو پہلے سے زمین پر ہوں گے وہ زمین ہی میں رہیں گے اس دن سب کو معلوم ہو جائے گا کہ فرشتے آ گئے ہیں ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ﴾ سچا ملک اس دن رحمٰن کے لیے ہوگا۔ آج تو دنیا دعوے کرتی ہے ہمارا ملک، ہماری حکومت، ہماری بادشاہی، ہماری صدارت، ہماری وزارت، وہاں پر ہماری تمھاری کچھ نہیں ہوگی اعلان ہوگا۔

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ [مومن: ۱۶] "کس کے لیے ہے بادشاہی آج کے دن۔" دنیا میں دعوے کرنے والو! بتاؤ ملک آج کس کا ہے؟ پھر یہی صدا بلند ہوگی ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ "اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو اکیلا ہے اور دباؤ والا ہے۔" ﴿وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا﴾ اور ہے وہ دن کافروں پر بڑا سخت اور مشکل۔ وہ بڑی تنگی کا دن ہوگا۔

شانِ نزول

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ﴾ اور جس دن کاٹے گا ظالم اپنے ہاتھوں کو۔ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک کافر تھا جس کا نام تھا عقبہ ابن ابی معیط۔ یہ بڑا ہتھ چھٹ اور منہ پھٹ آدمی تھا۔ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کے گلے میں رسی ڈال کر دبانے کی کوشش کی تھی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کو دھکا دے کر آپ ﷺ کو چھڑایا اور فرمایا تھا: ((اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ)) "او ظالمو! اس لیے اس کو شہید کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب صرف اللہ ہے۔" اسی شخص نے آنحضرت ﷺ پر سجدے کی حالت میں اوجھڑی لا کر آپ ﷺ کی گردن پر رکھ دی تھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اُتاری تھی۔

ایک موقع پر اس کو خیال آیا کہ محمد ﷺ سچے ہیں اور ہم ان پر زیادتی کر رہے ہیں اور قرآن بھی سچا ہے ہمیں سچائی قبول کر لینی چاہیے۔ چنانچہ اس نے حق کو قبول کر لیا۔ اس کا بڑا گہرا دوست تھا اُمیہ بن خلف۔ اس کو معلوم ہوا تو وہ دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا عقبہ! میں نے سنا ہے کہ تو صابی ہو گیا ہے؟ اس وقت اہل حق کو صابی کہتے تھے۔ عقبہ نے کہا کہ میرا دل مطمئن ہے محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں۔ اُمیہ نے کہا کہ دھڑا نہیں چھوڑنا۔ بہر حال اس بُرے ساتھی نے اس سے کلمہ چھڑا دیا۔ قیامت کا دن ہوگا عقبہ اپنے ہاتھ کاٹے گا ﴿يَقُوْلُ﴾ کہے گا ﴿يٰلَيْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا﴾ کاش! کہ میں بنا لیتا رسول کے ساتھ راستہ ﴿يٰوَيْلَتٰی﴾ اے خرابی! ﴿لَيْتَنِیْ﴾ کاش ﴿لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا﴾ میں نے نہ بنایا ہوتا فلاں کو دوست۔ اُمیہ بن خلف میرا دوست نہ ہوتا۔

شانِ نزول تو یہ ہے مگر قیامت تک آنے والے کافر اس میں داخل ہیں۔ جو بھی کسی بُرے کے کہنے کی وجہ سے غلط راستے پر چلے گا وہ اسی طرح ہاتھ کاٹے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب تم کسی کے ساتھ دوستی کرنا چاہو تو اس کی سوسائٹی دیکھو۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں عقل و سمجھ دی ہے پوچھنے کی ضرورت نہیں سوسائٹی دیکھ کر سمجھ جاؤ کہ کیسا آدمی ہے۔ مَنْ يُّخَالِلُ "اس کے دوست کون ہیں۔" تمھیں خود بخود اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کیسا ہے فَاِنَّ الْمَرْءَ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ "بے شک آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔" اور بُری مجلسوں سے بچنا چاہیے، بُرے ساتھی سے بچنا چاہیے۔

یار بد از مار بد بسیار بد

فارسی کا مقولہ ہے "بُرا یار سانپ سے بھی بُرا ہوتا ہے بہت زیادہ بُرا ہوتا ہے۔" سپیرے بتاتے ہیں کہ سانپوں کی بتیس ہزار (۳۲۰۰۰) قسمیں ہیں۔ بعض سانپ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ڈسنے سے آدمی مرتا نہیں ہے اور بعض سانپ ایسے ہیں کہ صرف آدمی کی طرف دیکھیں تو آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں بھی ہے کہ ابتر سانپ کی ایک قسم ہے کہ جب وہ بندے کو دیکھے اور بندہ اس کو دیکھے تو بندہ نابینا ہو جاتا ہے۔ حاملہ عورت ہو یا گائے بھینس ہو تو اس کا حمل گر جاتا ہے۔

تو اس وقت ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کہ کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا ﴿لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ﴾ البتہ تحقیق اس دوست

نے مجھے بہکایا قرآن سے ﴿بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ﴾ بعد اس کے کہ قرآن میرے پاس آچکا۔ مگر اس وقت واویلا کس کام کا ﴿وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا﴾ اور ہے شیطان انسان کو ذلیل کرنے والا۔ قیامت والے دن رسوا کر کے چھوڑے گا ﴿وَ قَالَ الرَّسُوْلُ﴾ اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور شکوے کے ﴿یٰرَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اِنَّ قَوْمِی﴾ بے شک میری قوم نے ﴿اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ بنالیا اس قرآن کو چھوڑا ہوا۔ انھوں نے اس قرآن کو چھوڑ دیا ہے یہ ظالم نہیں مانتے حالاں کہ قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت کے قائل ہیں۔ اس کی ایک چھوٹی سی سورت کی نظیر بھی نہیں لا سکے۔ قرآن کریم کا اثر بھی مانتے تھے کہتے تھے جادو کی طرح اثر کرتا ہے مگر پھر بھی نہیں مانتے۔

﴿وَ كَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ﴾ بنائے ہم نے ہر نبی کے لیے ﴿عَدُوًّا﴾ دشمن ﴿مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ مجرموں میں سے ﴿وَ كَفٰی بِرَبِّكَ﴾ اور کافی ہے آپ کا رب ﴿هَادِیًا﴾ ہدایت دینے والا ﴿وَّنَصِیْرًا﴾ اور مدد کرنے والا ﴿وَ قَالَ الَّذِیْنَ﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر قرآن پاک ﴿جُمْلَةً وَّاحِدَةً﴾ اکٹھا ایک ہی دفعہ ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿لِنُثَبِّتَ بِهٖ﴾ تاکہ ثابت رکھیں ہم اس کے ساتھ ﴿فُؤَادَكَ﴾ آپ کے دل کو ﴿وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا﴾ اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا ﴿وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ﴾ اور نہیں لائیں گے آپ کے پاس یہ کوئی مثال ﴿اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ﴾ مگر ہم لائیں گے آپ کے پاس حق ﴿وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا﴾ اور اچھی تفسیر ﴿اَلَّذِیْنَ﴾ وہ لوگ ﴿یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ﴾ جو اٹھائے جائیں گے چہرے کے بل ﴿اِلٰی جَهَنَّمَ﴾ جہنم کی طرف ﴿اُولٰٓىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا﴾ یہ لوگ بُرے ہیں جگہ کے لحاظ سے ﴿وَّ اَضَلُّ سَبِیْلًا﴾ اور گمراہ ہیں راستے کے اعتبار سے ﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ﴿وَ جَعَلْنَا مَعَهٗۤ﴾ اور بنایا ہم نے اس کے ساتھ ﴿اَخَاهُ هٰرُوْنَ﴾ اس کے بھائی ہارون کو ﴿وَزِیْرًا﴾ معاون ﴿فَقُلْنَا﴾ پس کہا ہم نے ﴿اذْهَبَاۤ﴾ جاؤ تم دونوں ﴿اِلَی الْقَوْمِ الَّذِیْنَ﴾ اس قوم کی طرف ﴿كَذَّبُوْا﴾ جنھوں نے جھٹلایا ہے ﴿بِاٰیٰتِنَا﴾ ہماری آیتوں کو ﴿فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا﴾ پس ہم نے ہلاک کیا ان کو ہلاک کرنا ﴿وَ قَوْمَ نُوْحٍ﴾ اور نوح علیہ السلام کی قوم کو ﴿لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ﴾ جس وقت جھٹلایا انھوں نے رسولوں کو ﴿اَغْرَقْنٰهُمْ﴾ ہم نے ان کو غرق کر دیا ﴿وَ جَعَلْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے بنایا ان کو ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے ﴿اٰیَةً﴾ نشانی ﴿وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ﴾ اور تیار کیا ہے ہم نے ظالموں کے لیے ﴿عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ دردناک عذاب ﴿وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ﴾ اور عاد کو اور ثمود کو ﴿وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ﴾ اور کنوئیں والوں کو ﴿وَ قُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِكَ﴾ اور بہت سی

جماعتوں کو اس کے درمیان ﴿كَثِيرًا﴾ کثرت کے ساتھ ﴿وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ﴾ اور ہر ایک کے لیے ہم نے بیان کیں ﴿الْأَمْثَالَ﴾ مثالیں ﴿وَكُلًّا تَبَّرْنَا﴾ اور ہر ایک کو ہم نے ہلاک کیا ﴿تَتْبِيرًا﴾ ہلاک کرنا۔

مشرکین کی تکالیف پر اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکلیفیں پہنچائیں، زبانی بھی اور بدنی بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو بھی۔ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتا تھا تختہ مشق بن جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سال نظر بند بھی رکھا قتل تک کا منصوبہ بنایا، آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی دشمنی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ فرمایا ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا﴾ اور اسی طرح ہم نے بنائے ہر نبی کے دشمن ﴿مِّنَ الْمُجْرِمِينَ﴾ مجرموں میں سے۔ مطلب یہ ہے کہ حق کی مخالفت کرنے والی صرف آپ ہی کی قوم نہیں ہے بلکہ آپ کی طرح ہر نبی کی قوم نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی۔ اسے ساحر اور مجنوں کہا، اس کو مختلف قسم کی تکلیفیں پہنچائیں، بعض کو ہجرت پر مجبور کیا تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے لہٰذا آپ پریشان نہ ہوں بلکہ تسلی رکھیں بالآخر کامیابی آپ ہی کے حصے میں آئے گی ﴿وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا﴾ اور کافی ہے آپ کا رب ہدایت دینے والا ﴿وَنَصِيرًا﴾ اور مدد کرنے والا۔ ہدایت رب نے دینی ہے اس کے متعلق اس کا ضابطہ ہے ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنکبوت:۶۹] "جنھوں نے کوشش کی ہمارے لیے ہماری ہدایت کے لیے قدم اٹھایا ہم ضرور ان کو ہدایت دیں گے اپنے راستوں کی طرف۔" اور جو ہدایت کا طالب ہی نہ ہو تو زبردستی اللہ تعالیٰ ہدایت کسی کو نہیں دیتے۔ اس نے انسان کو خیر اور شر کے اختیار کرنے کا اختیار دیا ہے ﴿فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔" اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کی اور اپنے پیغمبروں کی مدد کرنے والا ہے۔

تئیس سال میں نزول قرآن کی حکمت

آگے کافروں کا ذکر ہے ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں ﴿لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً﴾ کیوں نہیں اُتارا گیا اس پر قرآن پاک ایک ہی دفعہ اکٹھا۔ یہ کیا ہوا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے اترتا ہے اگر رب تعالیٰ کی کتاب ہے تو ایک ہی بار کیوں نہیں نازل ہوتی؟ عرب میں چوں کہ یہودی بھی تھے اور عیسائی بھی تھے اور یہ لوگ ان کے جلسوں میں اور مجلسوں میں اُٹھتے بیٹھتے تھے اور یہودی سناتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام پر تورات اکٹھی نازل ہوئی تھی۔ اس کے پیش نظر انھوں نے کہا کہ یہ کتاب قرآن کریم اکٹھی کیوں نہیں نازل کی جاتی؟

قرآن کریم تئیس سالوں میں نازل ہوا ہے۔ سورۃ العلق کی پہلی آیات ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ سے لے کر ﴿عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ تک یہ پانچ آیات جبل نور کی چوٹی پر غار حرا میں نازل ہوئیں اور آخری آیت ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [مائدہ:۳] یہ عرفات کے میدان میں نو ذوالحجہ جمعۃ المبارک عصر کے

وقت نازل ہوئی۔ تیرہ (۱۳) سال مکہ مکرمہ میں اُتر تا رہا اور دس سال مدینہ منورہ میں اُتر تا رہا۔ کافروں نے کہا اکٹھا کیوں نہیں اُترتا؟ فرمایا ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ ہم نے اسی طرح تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے کیوں؟ ﴿ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ ﴾ تاکہ ثابت رکھیں ہم اس کے ساتھ آپ کے دل کو۔ تھوڑا تھوڑا اُترتا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرتے گئے اور اس پر عمل بھی ہوتا گیا اور جب کافر اعتراض کرتے تھے تو ساتھ ساتھ جواب بھی اترتا گیا تاکہ آپ کا دل ثابت رہے اور جو کام آہستہ آہستہ ہو وہ بہتر ہوتا ہے۔ ﴿ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴾ اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارنا۔ کبھی کوئی سورت نازل ہوتی، کبھی ایک آیت نازل ہوتی، کبھی زیادہ آیتیں نازل ہوتیں جس طرح اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا۔ ایک موقع پر ایک ہی جملہ نازل ہوا ﴿ مِنَ الْفَجْرِ ﴾۔ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ ﴾ [بقرۃ:۱۸۷] "کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صاف ظاہر ہو جائے تمھارے لیے سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے۔" بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو سمجھ گئے سفید دھاگے سے مراد صبح صادق ہے۔ پہلے افق پر سیاہی ہوتی ہے پھر سفیدی ہوتی ہے اور بعض نہ سمجھ سکے۔ انھوں نے ٹانگوں کے ساتھ کالے اور سفید دھاگے باندھ لیے۔ کھاتے پیتے رہتے جب کالا اور سفید دھاگا الگ الگ نظر آتا چھوڑ دیتے۔ اس بات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بھی عجیب ہو۔ اس وقت ﴿ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ کا لفظ نازل ہوا کہ دھاگے سے مراد افق کا دھاگا ہے تمھارے دھاگے مراد نہیں ہیں۔ تو قرآن پاک ضرورت کے مطابق وقتاً فوقتاً اُتر تا رہا ہے۔

فرمایا ﴿ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ ﴾ اور یہ نہیں لائیں گے آپ کے پاس کوئی مثال آپ پر اعتراض کرنے کے لیے ﴿ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ ﴾ مگر ہم لائیں گے آپ کے پاس حق ﴿ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴾ اور اچھی تفسیر۔ یہ جو اعتراض کریں گے ان کو اس کا جواب ملے گا۔ یہ جو شوشہ چھوڑیں گے ہم آپ کو حق دیں گے اور اچھی تفسیر کے ساتھ ان کے شکوک کا رد کریں گے۔

تین گروہ

﴿ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ﴾ وہ لوگ جو اٹھائے جائیں گے چہروں کے بل، چلائے جائیں گے چہروں کے بل۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت سے جب جنت اور دوزخ کی طرف لوگ لے جائے جائیں گے۔ تو اصولی طور پر تین گروہ ہوں گے۔ جو اعلیٰ درجے کے مومن ہوں گے وہ سوار ہو کر پل صراط سے گزریں گے اور جنت میں پہنچیں گے۔ وہ مومن جن کے اعمال میں کمی ہوگی وہ پیدل جائیں گے اور کافروں کی ٹانگیں اُوپر ہوں گی اور سر نیچے ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضرت! سر کے بل کیسے چلیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رب نے پاؤں پر چلایا ہے وہ سر کے بل بھی چلائے گا اور ایسے بھاگیں گے جیسے پاؤں والے بھاگتے ہیں اور یہ علامت ہوگی کہ دنیا میں ان کی کھوپڑی الٹی تھی ﴿ اِلٰى جَهَنَّمَ ﴾ جہنم کی طرف چلائے جائیں گے ﴿ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا ﴾ یہ لوگ برے ہیں جگہ کے لحاظ سے۔ دوزخ سے زیادہ بُری جگہ اور کون سی ہے ﴿ وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴾ اور گمراہ ہیں راستے کے اعتبار سے۔ آج تو یہ لوگ مومنوں کو کہتے ہیں کہ تم گمراہ

ہو گئے ہو کہ باپ دادا کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔ قیامت والے دن معلوم ہو جائے گا کہ گمراہ کون ہے اور سیدھے راستے پر کون ہے۔
ان دو رکوعوں میں تم نے کافی اعتراضات پڑھے جو کافروں نے آنحضرت ﷺ پر کیے۔ ظاہر بات ہے کہ ان چیزوں کو سن کر طبعی طور پر آپ ﷺ کو کوفت ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تسلی کے لیے آگے چند واقعات بیان فرمائے ہیں کہ یہ کوئی نئی باتیں نہیں پہلے پیغمبروں پر بھی اعتراض ہوئے ہیں۔

تسلی رسول ﷺ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات ﴿وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا﴾ اور بنایا ہم نے اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو وزیر اور معاون ﴿فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ﴾ پس ہم نے کہا جاؤ تم دونوں بھائی ﴿اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اس قوم کی طرف جس نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ان کے پاس جا کر حق کی بات سناؤ۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ انھوں نے حق کو تسلیم نہ کیا ﴿فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا﴾ پس ہم نے ان کو ہلاک کیا ہلاک کرنا۔ تو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی حق کو جھٹلانے والے تھے اور آج بھی ہیں۔ جو انجام اُن کا ہوا سو اِن کا ہوگا، وہ بھی برباد ہوئے یہ بھی برباد ہوں گے ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ﴾ اور نوح علیہ السلام کی قوم ﴿لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ﴾ جب جھٹلایا انھوں نے رسولوں کو۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں اور کوئی رسول نہیں آیا مگر ایک نبی کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہے۔ ﴿اَغْرَقْنٰهُمْ﴾ ہم نے ان کو غرق کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی تکذیب اس وقت بھی ہوئی ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً﴾ اور بنا دیا ہم نے ان کو لوگوں کے لیے نشانی تاکہ پچھلوں کو معلوم ہو جائے کہ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا، توحید کا انکار کرنے والوں کا، حق کو جھٹلانے والوں کا یہ حشر ہوا کرتا ہے ﴿وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ اور تیار کیا ہے ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب۔ یہ تو دنیا کی سزا تھی آخرت کا عذاب ہم نے ان کے لیے تیار کیا ہے ﴿وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا﴾ اور عاد اور ثمود قوم کو ہلاک کیا۔ عاد ہود علیہ السلام کی قوم تھی اور ثمود صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔ ان سب کو تباہ اور برباد کر دیا۔

کنوئیں والوں کا ذکر

﴿وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ﴾ اور کنوئیں والوں کو بھی ہم نے ہلاک کیا۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر "معالم التنزیل" میں لکھتے ہیں، یہ بڑی معتبر تفسیر ہے اور دیگر مفسرین کرام نے بھی لکھا ہے، حضرَ موت عرب میں ایک علاقے کا نام ہے آج بھی وہ علاقہ پورا صوبہ ہے۔ اس صوبے میں حاصورآء نامی ایک بڑا شہر تھا اس شہر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے کافی عرصہ تک تبلیغ کی۔ ایک کالے رنگ کے حبشی غلام کے علاوہ کوئی ایک آدمی بھی مسلمان نہ ہوا۔ نہ بیوی، نہ اولاد، نہ بھائی، نہ عزیز رشتہ دار کوئی ایمان لایا۔ تمام شہر والوں نے مشورہ کیا کہ یہ ہر وقت ہمیں ستا تا رہتا ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ "اے لوگو! کہو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔" ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ "اے

میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔" دن رات اس کی یہی رٹ ہے، نہ جنازے کی مجلس چھوڑتا ہے، نہ شادی کی محفل کی پروا کرتا ہے، بازار میں جاؤ تو وہاں بھی اس کا یہی وعظ ہے لہٰذا اس سے جان چھڑاؤ۔

شہر سے ایک یا دو میل کی مسافت پر ایک گہرا کنواں تھا۔ ہمارے ہاں تو پانی بڑی جلدی آ جاتا ہے پاکستان میں بعض علاقے ایسے بھی ہیں کہ پانچ چھ سو فٹ کے بعد پانی نکلتا ہے۔ وہ بھی بڑا گہرا کنواں تھا جنگل میں۔ سب لوگوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس کو اس کنوئیں میں پھینک دو۔ چنانچہ ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کنوئیں میں ڈال دیا اور اُوپر بھاری بھر کم چٹان رکھ دی کہ وہ حبشی رسالٹکا کر نکال نہ سکے۔ وہ غلام بے چارہ رات کی تاریکی میں جاتا، سلام کرتا اور سوراخ سے روٹی نیچے لٹکا دیتا لیکن پتھر کو ہٹا نہیں سکتا تھا۔ ایک دن کہنے لگا حضرت! مجھے حکم ہو تو میں بھی کسی کنوئیں میں چھلانگ لگا دوں؟ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے فرمایا کہ میں نے خود چھلانگ نہیں لگائی مجھے تو ظالموں نے ڈالا ہے تم ایسا نہ کرنا خودکشی حرام ہے۔

کئی دنوں کے بعد ظالم بھنگڑے ڈالتے ہوئے گئے کہ دیکھیں مر چکا ہوگا۔ چٹان اٹھائی اور آواز دی کَیْفَ بِكَ یَا حَنْظَلَةُ "حنظلہ تمھارا کیا حال ہے؟" اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے کنوئیں سے آواز دی ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ ظالموں نے کہا کہ بڑا سخت جان ہے ابھی مرا نہیں ہے اور نہ ہی اپنی رائے چھوڑی ہے۔ پھر تفسیروں میں آتا ہے کہ ان ظالموں نے کنوئیں میں پتھر پھینکے، مٹی پھینکی اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو زندہ دفن کر دیا۔ کنوئیں کو ریت، مٹی، پتھروں سے بند کرنے کے بعد اُوپر بھنگڑے ڈال رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ آئی اس نے سب کو جلا کر راکھ کر دیا۔

تو فرمایا ہم نے کنوئیں والوں کو بھی ہلاک کیا ﴿وَقُرُوْنًا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا﴾ اور بہت سی جماعتوں کو اس کے درمیان کثرت کے ساتھ۔ نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر پچھلے پیغمبروں تک کئی جماعتیں ہم نے ہلاک کر دیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائیں نہیں تکذیب کرنے والے پہلے بھی گزرے ہیں ﴿وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ﴾ اور ہر ایک کے لیے ہم نے بیان کیں مثالیں۔ سب کے سامنے حق کو مثالوں کے ساتھ بیان کیا کہ مثال کے ساتھ بات جلدی سمجھ آ جاتی ہے مگر انھوں نے نہ مانا ﴿وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا﴾ اور سب کو ہم نے ہلاک کر دیا ہلاک کرنا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان نہ ہوں تکذیب کرنے والوں کا یہی انجام ہوگا جو پہلوں کا ہوا۔

﴿وَلَقَدْ اَتَوْا﴾ اور البتہ تحقیق آ چکے ہیں یہ (مکے والے) ﴿عَلَى الْقَرْیَةِ الَّتِیْٓ﴾ اس بستی پر ﴿اُمْطِرَتْ﴾ جس پر برسائی گئی ﴿مَطَرَ السَّوْءِ﴾ بُری بارش ﴿اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا﴾ کیا پس نہیں دیکھا انھوں نے اس بستی کو ﴿بَلْ﴾ بلکہ ﴿كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا﴾ یہ لوگ نہیں اُمید رکھتے مر کر دوبارہ اُٹھنے کی ﴿وَاِذَا رَاَوْكَ﴾ اور یہ جب دیکھتے ہیں

آپ کو ﴿ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ ﴾ نہیں بناتے یہ لوگ آپ کو ﴿ اِلَّا هُزُوًا ﴾ مگر ٹھٹھا کیا ہوا ﴿ اَهٰذَا الَّذِيْ ﴾ کیا یہ وہ شخص ہے ﴿ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے ﴿ اِنْ كَادَ ﴾ بے شک تحقیق قریب تھا ﴿ لَيُضِلُّنَا ﴾ البتہ ہمیں گمراہ کر دیتا ﴿ عَنْ اٰلِهَتِنَا ﴾ ہمارے معبودوں سے ﴿ لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا ﴾ اگر ہم نہ ڈٹے رہتے ﴿ عَلَيْهَا ﴾ ان معبودوں پر ﴿ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴾ وہ عنقریب جان لیں گے ﴿ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ﴾ جس وقت وہ دیکھیں گے عذاب کو ﴿ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴾ کون زیادہ گمراہ ہے راستے کے اعتبار سے ﴿ اَرَءَيْتَ ﴾ کیا آپ نے دیکھا ہے ﴿ مَنِ ﴾ وہ شخص ﴿ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ ﴾ جس نے بنایا اپنا معبود ﴿ هَوٰىهُ ﴾ اپنی خواہش کو ﴿ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴾ کیا پس آپ اس کے ہیں وکیل ﴿ اَمْ تَحْسَبُ ﴾ کیا آپ خیال کرتے ہیں ﴿ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ ﴾ بے شک اکثریت ان کی سنتی ہے ﴿ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ﴾ یا سمجھتی ہے ﴿ اِنْ هُمْ ﴾ نہیں ہیں وہ ﴿ اِلَّا ﴾ مگر ﴿ كَالْاَنْعَامِ ﴾ مویشیوں کی طرح ﴿ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴾ بلکہ وہ زیادہ بھکے ہوئے ہیں ان سے راستے کے لحاظ سے ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا ﴿ اِلٰى رَبِّكَ ﴾ اپنے رب کی طرف ﴿ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ﴾ کیسے پھیلایا ہے سائے کو ﴿ وَلَوْ شَآءَ ﴾ اور اگر وہ چاہتا ﴿ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ﴾ البتہ اس کو کر دیتا ٹھہرا ہوا ﴿ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ ﴾ پھر بنایا ہم نے سورج کو اس پر ﴿ دَلِيْلًا ﴾ دلیل ﴿ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ ﴾ پھر ہم نے سمیٹ لیا اس سائے کو ﴿ اِلَيْنَا ﴾ اپنی طرف ﴿ قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴾ سمیٹنا آہستہ آہستہ ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ ﴾ اور وہ وہی ذات ہے ﴿ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا ﴾ بنائی اس نے تمھارے لیے رات لباس ﴿ وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا ﴾ اور نیند آرام کا ذریعہ ﴿ وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴾ اور بنایا اس نے دن کو باہر نکلنے کا ذریعہ۔

ماقبل سے ربط اور بستی سدوم پر عذاب کی مختلف صورتیں

اس سے پہلے نافرمان قوموں کی تباہی کا ذکر ہوا کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے مثالوں کے ساتھ سمجھایا لیکن وہ کفر شرک سے باز نہ آئے، نتیجتاً وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ اور یہ مکہ والے ان علاقوں، ان کی بستیوں کے پاس سے گزرتے ہیں کیا یہ ان بستیوں کو نہیں دیکھتے کہ ان سے عبرت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَلَقَدْ اَتَوْا ﴾ اور البتہ تحقیق آ چکے ہیں یہ مکے والے ﴿ عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ ﴾ اس بستی پر ﴿ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ﴾ جس پر بُری طرح کی بارش برسائی گئی ﴿ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ﴾ کیا پس نہیں دیکھا انھوں نے اس بستی کو۔ مراد بستی سدوم ہے جہاں حضرت لوط علیہ السلام رہتے تھے جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز نہ آئے تو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار قسم کا عذاب نازل ہوا۔

❀...... ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اندھا کر دیا ﴿ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ ﴾ [القمر: ۳۷]

❀ ......دوسرا عذاب کہ ان پر آسمان کی طرف سے پتھر برسائے گئے۔ پہلے اندھا کیا کہ کہیں دوڑ نہ سکیں کہ آنکھوں والا بھاگتا دوڑتا ہے۔ پھر پاؤ پاؤ، سیر سیر کے پتھر ان پر برسائے گئے۔

❀ ......تیسرا عذاب: ڈراؤنی آواز کہ اس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے۔

❀ ......چوتھا عذاب: ﴿فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا﴾ [حجر: ۷۴] "پس ہم نے اس کو تہہ و بالا کر دیا، اس بستی کو اُلٹ کر رکھ دیا۔"

تو یہ مکے والے تاجر پیشہ لوگ اس بستی کے پاس سے گزر کر جاتے ہیں کیا انھوں نے اس بستی کو نہیں دیکھا ﴿بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا﴾ بلکہ یہ لوگ اُمید نہیں رکھتے مرکر دوبارہ اُٹھنے کی۔ قیامت کے منکر ہیں اس لیے نافرمانیوں میں جری ہیں وَ اِذَا رَاَوْكَ اور اے نبی کریم ﷺ! یہ جب آپ کو دیکھتے ہیں ﴿اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا﴾ نہیں بناتے آپ کو مگر مسخرہ۔ جب آپ کے سامنے سے گزرتے ہیں آپ سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ ﴿اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا﴾ کیا یہ وہ شخص ہے جس کو رب تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اس سے پہلے تم یہ بات بھی پڑھ چکے ہو کہ کافروں نے کہا تھا ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ﴾ "کیا ہے اس رسول کو کہ یہ کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کیوں نہیں نازل کیا گیا اس کی طرف فرشتہ جو لوگوں کو خبردار کرتا کہ ایک طرف ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کا نبی آرہا ہے، اس پر خزانہ کیوں نہیں نازل کیا گیا یا ہوتا اس کے لیے باغ کہ یہ اس سے کھاتا۔ اللہ تعالیٰ کو نبوت کے لیے یہ یتیم ملا تھا مکہ اور طائف کے شہروں میں سے کسی بڑے آدمی پر قرآن کیوں نہیں نازل کیا گیا۔" ولید بن مغیرہ پر جو کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے والد تھے اور عروہ بن مسعود ثقفی پر جو طائف کا بڑا چودھری تھا۔ رب تعالیٰ کو یہ بے سہارا آدمی نبوت کے لیے ملا تھا؟

پھر کافر کہتے تھے ﴿اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا﴾ بے شک شان یہ ہے کہ قریب تھا کہ یہ ہمیں ہمارے معبودوں سے گمراہ کر دیتا، پھیر دیتا ﴿لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا﴾ اگر ہم اپنے الٰہوں پر ڈٹے نہ رہتے۔ اس کی زبان بڑی نرم اور میٹھی ہے بڑے طریقے کے ساتھ سمجھاتا ہے قریب تھا کہ یہ ہمیں ہمارے خداؤں، لات، منات، عزیٰ سے پھیر دیتا (معاذ اللہ تعالیٰ!) اگر ہم ڈٹے نہ رہتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آج تو آپ ﷺ کے متعلق یہ کہہ رہے ہیں یہ ہمیں گمراہ کرتا ہے معاذ اللہ تعالیٰ! ﴿وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ اور عنقریب یہ جان لیں گے ﴿حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ﴾ جس وقت دیکھیں گے یہ عذاب کو اس وقت جان لیں گے ﴿مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا﴾ کون گمراہ ہے راستے کے لحاظ سے۔ جب جان نکالنے والے فرشتے آئیں گے اور ﴿يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ﴾ [انفال: ۵۰] "ماریں گے ان کے مونہوں پر اور پشتوں پر۔" اور یہ چیخیں ماریں گے اور فرشتے کہتے ہیں ﴿اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ "کہاں ہیں وہ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿قَالُوْا﴾ کہیں گے ﴿ضَلُّوْا عَنَّا﴾ وہ ہم سے گم ہو گئے ہیں ﴿وَ شَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ﴾ [الاعراف: ۳۷] اور گواہی دیں گے اپنے نفسوں کے خلاف کہ بے شک وہ کافر تھے۔" یہ فرشتوں کی مار پیٹ موت کے وقت بھی ہوگی، پھر قبر میں بھی ہوگی، پھر میدان محشر میں مکے مار مار کر اللہ تعالیٰ کی عدالت کی طرف لے جائیں گے پھر دوزخ کی سزا ہوگی۔ تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہ ہے راستے کے لحاظ سے۔

خلافِ شریعت خواہش بھی شرک ہے

آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَرَءَیْتَ﴾ آپ بتلائیں، خبر دیں اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کیا آپ نے دیکھا ہے ﴿مَنِ﴾ اس شخص کو ﴿اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ جس نے بنالیا الٰہ اپنی خواہش کو۔ قرآن کریم کی یہ آیت بتلا رہی ہے کہ جو شخص اپنی ایسی خواہش پر چلتا ہے جس کا ثبوت شریعت سے نہیں ہے یعنی جو خواہش شریعت سے ٹکراتی ہے تو یہ بھی شرک کے قبیلے سے ہے۔ ایک وہ خواہش ہے کہ اس پر چلنا شریعت کے قاعدے کے مطابق ہے اگرچہ وہ بھی بشری تقاضا ہے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں بھوک پیاس کا مادہ رکھا ہے، کھانے پینے کی خواہش رکھی ہے اگر شرعی قاعدے کے مطابق خواہشات کو پورا کرتا اور جنسی خواہشات کو بھی شرعی قاعدے کے مطابق پورا کرتا ہے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ بلکہ اگر اس خواہش کو ترک کرے گا تو گناہ ہے۔

ایک موقع پر تین صحابیوں نے مل کر مشورہ کیا۔ ایک نے کہا کہ میں ساری رات عبادت کروں گا اور ایک لحہ بھی نہیں سوؤں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں بارہ مہینے روزے رکھوں گا، تیسرے نے کہا کہ میں ساری زندگی نکاح نہیں کروں گا۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی خبریں پہنچیں بخاری شریف کی روایت ہے آپ ﷺ نے تینوں کو طلب کیا اور فرمایا: ((بَلَغَنِیْ عَنْكُمْ كَذَا وَ كَذَا)) "مجھ تک تمھاری یہ یہ باتیں پہنچی ہیں۔" فرمایا تمھیں معلوم ہے کہ میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں وَتَزَوَّجْتُ النِّسَآءَ "اور میری بیویاں بھی ہیں۔" خدا کی قسم! میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ "جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرا نہیں ہے۔" تو خواہشات کی جائز طریقے سے تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا ہے۔ ہاں! جو خواہش شریعت سے ٹکراتی ہو اس خواہش پر چلتا ہے تو یہ شرک کی ایک قسم ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسی آیت کا ترجمہ کیا ہے:۔

دہریت کیا ہے بندہ حرص و ہوا ہونا
قیامت ہے مگر اوروں کو سمجھا دہریا تم نے
زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بتِ پندار کو اپنا خدا تم نے

فرمایا ﴿اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا﴾ کیا پس آپ اس کے وکیل ہیں۔ جس نے اپنی خواہش کو الٰہ بنالیا ہے اپنی مرضی پر چلتا ہے آپ اس کے وکیل بنیں گے کیا؟ ﴿اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ﴾ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ بے شک اکثر ان کے ﴿یَسْمَعُوْنَ﴾ سنتے ہیں یعنی مانتے ہیں ﴿اَوْ یَعْقِلُوْنَ﴾ یا وہ سمجھتے ہیں ﴿اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ﴾ نہیں ہیں یہ مگر جانوروں کی طرح ﴿بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا﴾ بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ بہکے ہوئے ہیں۔ مثلاً: دیکھو! جو آدمی نہ سمجھے اس کو کہتے ہیں گدھا۔ کیوں کہ تمام جانوروں سے زیادہ احمق ہے۔ مگر گدھا بھی اپنے مالک کی آواز پر چلتا اور رکتا ہے اور اے بندو! تم گدھے سے بھی

بُرے ہو کہ اپنے حقیقی آقا کی بات کو نہیں مانتے جو تمھارا مالک خالق ہے۔ اس کی طرف سے آواز آتی ہے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ نماز کی طرف آؤ فلاح کی طرف آؤ۔ تو جو اپنی خواہشات پر چلتے ہیں اور حقیقی آقا کی بات پر لبیک نہیں کہتے وہ گدھے سے بھی بدتر ہیں ﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ﴾ کیا نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف ﴿كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ کیسے پھیلا یا ہے سائے کو زمین پر ﴿وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا﴾ اگر وہ چاہتا تو اس کو کر دیتا ٹھہرا ہوا، ساکن کر دیتا۔

وقوفِ شمس

﴿ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا﴾ پھر بنایا ہم نے سورج کو اس سائے پر دلیل۔ سورج کی روشنی کی وجہ سے چیزوں کے سائے بنتے اور آگے پیچھے ہوتے ہیں۔ گویا سائے کا گھٹنا بڑھنا سورج پر موقوف ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز کا سایہ مغرب کی جانب پھیلتا ہے پھر جوں جوں سورج اُوپر کی جانب آتا ہے سایہ گھٹتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ عین دوپہر کے وقت سایہ اپنے اصل کے ساتھ مل جاتا ہے۔ پھر جب سورج مغرب کی طرف سفر شروع کرتا ہے تو سایہ مشرق کی طرف پھیلنا شروع ہو جاتا ہے اور غروب شمس کے ساتھ ہی سایہ غائب ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ سائے کا وجود سورج کے ساتھ متعلق ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ سورج کو حکم دے کہ کھڑے رہو تو سایہ بھی کھڑا ہو جائے گا۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے دور میں سورج رک گیا تھا۔ بخاری شریف کی روایت ہے۔ کتنی دیر رکا رہا یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو چل پڑا۔ اور قیامت کی نشانیوں میں سے ہے سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا۔ آدھے آسمان تک آئے گا پھر حکم ہوگا کہ ضابطے کے مطابق چلو۔ اس نشانی کے بعد کسی کا ایمان قبول نہیں ہوگا اور اس کے بعد جو نیکی میں اضافہ کرے گا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا ہاں! پہلے سے جو نیکیاں کرتا ہوگا ان کا اعتبار ہوگا اور پہلے سے جو مومن چلے آرہے ہوں گے ان کا ایمان بھی معتبر ہوگا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ نزع کے وقت کا ایمان معتبر نہیں ہے۔

تو سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا یہ سارے جہان کی نزع ہے اور نزع کے وقت کا ایمان معتبر نہیں ہے۔ ﴿ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا﴾ پھر ہم نے سمیٹ لیا اس سائے کو اپنی طرف سمیٹنا آہستہ آہستہ۔ جیسے جیسے سورج چڑھتا جاتا ہے سایہ کم ہوتا جاتا ہے عین دوپہر کے وقت ہر چیز کا سایہ اصل رہ جاتا ہے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا﴾ جس نے بنایا ہے تمھارے لیے رات کو بمنزلہ لباس کے۔ لباس سے انسان کی پردہ پوشی ہوتی ہے اور باعث زینت بھی ہے۔ ننگا آدمی جانوروں کی طرح ہوتا ہے گویا جس طرح انسان لباس پہن کر آرام پکڑتے ہیں اسی طرح رات بھی لوگوں کے لیے آرام وسکون کا باعث ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نیند کے متعلق فرمایا ﴿وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا﴾ اور نیند کو ذریعہ آرام بنایا۔ انسانی صحت کے لیے نیند بہت ضروری ہے۔ اگر کئی دنوں تک نیند نہ آئے تو انسان پاگل ہو جاتا ہے اور جب نیند آجاتی ہے تو تازہ

دم ہو کر دوبارہ کام کاج کے قابل ہو جاتا ہے ﴿وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا﴾ اور بنایا اس نے دن کو باہر نکلنے کا ذریعہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل ہیں۔ اگر انسان ان پر غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ پورا نظام اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ ہے اور اس میں کسی اور کا کوئی دخل نہیں ہے۔

﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿اَرْسَلَ﴾ جس نے بھیجا ﴿الرِّیٰحَ﴾ ہواؤں کو ﴿بُشْرًا﴾ خوش خبری سناتی ہیں ﴿بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ﴾ اس کی رحمت سے پہلے ﴿وَاَنْزَلْنَا﴾ اور ہم نے نازل کیا ﴿مِنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان سے ﴿مَآءً پانی طَهُوْرًا﴾ پاک کرنے والا ﴿لِّنُحْیِیَ بِهٖ﴾ تاکہ ہم زندہ کریں اس پانی کے ذریعے ﴿بَلْدَةً﴾ اس شہر کو ﴿مَّیْتًا﴾ جو مردہ ہے ﴿وَّنُسْقِیَهٗ﴾ اور تاکہ ہم پلائیں ﴿مِمَّا خَلَقْنَآ﴾ اس مخلوق کو جو ہم نے پیدا کی ہے ﴿اَنْعَامًا﴾ مال اور مویشی ﴿وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا﴾ اور بہت سارے انسان ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پھیرا پانی کو ﴿بَیْنَهُمْ﴾ ان کے درمیان ﴿لِیَذَّكَّرُوْا﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿فَاَبٰۤی اَكْثَرُ النَّاسِ﴾ پس انکار کیا اکثر لوگوں نے ﴿اِلَّا كُفُوْرًا﴾ مگر نہ ماننے کا ﴿وَلَوْ شِئْنَا﴾ اور اگر ہم چاہتے ﴿لَبَعَثْنَا﴾ البتہ ہم بھیج دیتے ﴿فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ﴾ ہر بستی میں ﴿نَّذِیْرًا﴾ ڈرانے والا ﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ﴾ پس آپ نہ اطاعت کریں کافروں کی ﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ﴾ اور جہاد کریں ان کافروں سے اس قرآن پاک کے ذریعے ﴿جِهَادًا كَبِیْرًا﴾ بڑا جہاد ﴿وَهُوَ الَّذِیْ﴾ اور وہ وہ ذات ہے ﴿مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ﴾ جس نے چلائے دو دریا ﴿هٰذَا عَذْبٌ﴾ یہ میٹھا ہے ﴿فُرَاتٌ﴾ خوش گوار ہے یعنی پیاس بجھانے والا ہے ﴿وَّهٰذَا مِلْحٌ﴾ اور یہ دوسرا نمکین ہے ﴿اُجَاجٌ﴾ کڑوا ہے ﴿وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا﴾ اور بنایا ان دونوں کے درمیان ﴿بَرْزَخًا﴾ پردہ ﴿وَّحِجْرًا﴾ اور آڑ ﴿مَّحْجُوْرًا﴾ روکی ہوئی ﴿وَهُوَ الَّذِیْ﴾ اور وہ وہ ذات ہے ﴿خَلَقَ﴾ جس نے پیدا کیا ﴿مِنَ الْمَآءِ﴾ خاص قسم کے پانی سے ﴿بَشَرًا﴾ انسان کو ﴿فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا﴾ پس بنایا اس کے لیے نسب اور سسرال ﴿وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا﴾ اور ہے آپ کا رب قدرت رکھنے والا ﴿وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿مَا﴾ اس مخلوق کی ﴿لَا یَنْفَعُهُمْ﴾ جو نہیں دے سکتی ان کو نفع ﴿وَلَا یَضُرُّهُمْ﴾ اور نہ نقصان پہنچا سکتی ہے ﴿وَكَانَ الْكَافِرُ﴾ اور ہے کافر ﴿عَلٰی رَبِّهٖ﴾ اپنے رب کی طرف ﴿ظَهِیْرًا﴾ پیٹھ پھیرنے والا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ﴿اِلَّا مُبَشِّرًا﴾ مگر خوشخبری دینے والا ﴿وَّنَذِیْرًا﴾ اور ڈرانے والا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ﴾

نہیں مانگتا میں تم سے اس تبلیغ پر ﴿مِنْ اَجْرٍ﴾ کوئی معاوضہ ﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ﴾ مگر جو چاہے ﴿اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ یہ کہ بنالے اپنے رب کی طرف راستہ ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ﴾ اور بھروسا کر زندہ ذات پر ﴿الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ﴾ وہ نہیں مرے گی ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ﴾ اور آپ تسبیح بیان کریں اللہ تعالیٰ کی تعریف کی ﴿وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ﴾ اور وہ کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں کے لیے ﴿خَبِيْرَا﴾ خبر رکھنے والا۔

قدرت کی نشانیاں

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں اور دلیلیں بیان ہو رہی ہیں۔کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ کیا نہیں دیکھا آپ نے کہ اللہ تعالیٰ کیسے سائے کو پھیلاتا ہے اور سمیٹتا ہے۔رات کو بمنزلہ لباس کے بنایا، نیند کو آرام کا ذریعہ بنایا، دن باہر نکلنے کے لیے بنایا کہ تم کمائی کرو۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اور وہ وہی ذات ہے ﴿اَرْسَلَ الرِّيٰحَ﴾ جس نے بھیجا ہواؤں کو ﴿بُشْرًا﴾ خوش خبری سناتی ہیں ﴿بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ﴾ اس کی رحمت سے پہلے۔رحمت سے مراد یہاں بارش ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے۔زیادہ دیر اگر بارش نہ ہو تو علاقہ خشک ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ بارش سے پہلے ایک قسم کی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں جس سے سمجھ دار آدمی اندازہ لگا لیتے ہیں کہ بارش ہوگی۔ان ہواؤں کو چلانے والا کون ہے؟ پھر فرمایا ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا﴾ اور اُتارا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی جو پاک کرنے والا ہے ہر چیز کا۔رب تعالیٰ کی ذات کے بغیر یہ کون کر سکتا ہے؟

پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے کہ بھڑی شاہ رحمٰن کے میلے کے موقع پر (بھڑی شاہ رحمان ضلع گوجرانوالا میں ایک جگہ کا نام ہے وہاں غالباً جیٹھ کے مہینے میں میلہ لگتا ہے) دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے تھے ایک نے کہا تمھیں معلوم ہے کہ آج کل یہ ہوا کیوں چلتی ہے؟ دوسرے نے کہا تم بتاؤ۔پہلے نے کہا کہ ساتھ گاجر گولہ میں (گاجر گولہ بھی ایک جگہ کا نام ہے۔) فلاں بزرگ ہیں وہ چراغ جلاتے تھے اور شاہ رحمان ہوائیں چلا کر اس کے چراغ کو بجھا دیتے تھے۔اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے حافظ اللہ داد صاحب مرحوم کو جب اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے اس کی خوب تردید فرمائی۔قرآن پاک کی آیات سنائیں کہ ہوائیں چلانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ یہ ہوائیں صدیوں سے اس موسم میں اسی طرح چلتی ہیں ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی اور اب بھی۔جہاں یہ بزرگ نہیں ہیں وہاں بھی اسی طرح چلتی ہیں۔جہاں چراغ جلانے والا بھی کوئی نہیں ہے تو وہاں کون جلاتا ہے؟ یہ لوگ آپس میں مسخرہ کرتے ہیں ایک چراغ جلاتا ہے دوسرا بجھاتا ہے۔بھائی لوگوں کا بھوسا کیوں اُڑاتے ہو؟ کیسے غلط نظریات رکھنے والے لوگ ہیں۔تو ہوائیں اللہ تعالیٰ کی ذات چلاتی ہے اور وہی بارش برساتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا﴾ تاکہ ہم زندہ کریں، سرسبز کریں ایسے شہر اور علاقے کو جو مردہ ہے۔ بارانی علاقوں میں فصلوں کا سارا انتظام بارشوں کے ساتھ ہے پچھلے دنوں بارشیں کم ہوئی ہیں ان علاقوں میں فصلیں بھی کم ہوئی ہیں

﴿وَنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا﴾ اور ہم پلاتے ہیں وہ پانی اس مخلوق کو جو ہم نے پیدا کی ہے مویشی ﴿وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا﴾ انسان کی جمع ہے اصل میں اناسین تھا نون کو یا کیا اور یا کا یا میں ادغام کر دیا اَنَاسِيَّ ہو گیا، اور بہت سارے انسانوں کو۔ پاکستان میں ایسے علاقے آج بھی موجود ہیں جہاں انسان بھی بارشی پانی پیتے ہیں اور جانور بھی۔ دوسرے ممالک میں بھی ایسے علاقے ہیں کہ لوگ بارشی پانی کو ذخیرہ کر لیتے ہیں۔ خود بھی پیتے ہیں اور اپنے جانوروں کو بھی پلاتے ہیں۔ تو پانی کی ایک صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ پاک کرنے والا ہے۔ دوسری یہ کہ خشک علاقوں کو سرسبز کر دیتا ہے۔ تیسری یہ کہ جانور اور بہت سارے انسان پیتے ہیں۔ یہ بارش برسانے والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ۔

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پھیرا ہے اس پانی کو، تقسیم کیا ہے کہ کبھی یہاں کبھی وہاں بارش ہوتی ہے ان کے درمیان ﴿لِيَذَّكَّرُوْا﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا﴾ پس انکار کیا اکثر لوگوں نے مگر ناشکری۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے والے بہت تھوڑے ہیں اور نافرمان زیادہ ہیں۔ پہلے توحید کا مسئلہ بیان ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرتیں بیان ہوئیں اور اب رسالت کے مسئلہ کا بیان ہے۔

مسئلہ رسالت

فرمایا ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا﴾ اور اگر ہم چاہتے تو بھیجتے ہر بستی میں ڈرانے والا۔ مگر حکمت کا تقاضا یہ ہے بڑی بستی مکہ مکرمہ جس کا نام اُم القریٰ بھی ہے، میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج دیا اور باقی تمام بستیوں کو اس کے تابع کر دیا ﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! پس آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں۔ ظاہر بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کب کافروں کی اطاعت کرنی ہے آپ تو معصوم ہیں؟ یہ آپ کو خطاب کر کے ہمیں سمجھایا جا رہا ہے، اُمت کو سمجھایا جا رہا ہے کہ کافروں کی اطاعت بالکل نہ کریں اور آپ نے کیا کرنا ہے ﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾ اور جہاد کریں ان کافروں کے ساتھ اس قرآن پاک کے ذریعے بڑا جہاد۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے اس وقت جہاد بالسیف فرض نہیں ہوا تھا۔ کیوں کہ سورۃ الفرقان مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور جہاد کا حکم ہجرت کے دوسرے سال مدینہ طیبہ میں نازل ہوا ہے اور مکی سورت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان کافروں کے ساتھ جہاد کریں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کو قرآن سنائیں اور سمجھائیں، قرآن کی دعوت دیں یہ بہت بڑا جہاد ہے۔

میٹھا اور کڑوا دریا

﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ﴾ جس نے دو دریا چلائے ﴿هٰذَا عَذْبٌ﴾ یہ ایک دریا میٹھا ہے ﴿فُرَاتٌ﴾ خوشگوار ہے۔ اس کو منہ میں ڈالو اپنی مٹھاس کی وجہ سے آسانی سے حلق سے نیچے اُتر جاتا ہے ﴿وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ﴾ اور یہ دوسرا نمکین اور کڑوا ہے ﴿وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا﴾ اور بنایا ہے ان دونوں کے درمیان پردہ ﴿وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ اور روکی ہوئی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ بنگال میں دو مشہور جگہیں ہیں روتان اور چاٹگام۔ ان کے درمیان دو بڑے دریا چلتے ہیں اکٹھے۔ ان دونوں کے درمیان ایک دھاری سی نظر آتی ہے اس سے دائیں طرف کا دریا میٹھا ہے اور بائیں طرف کا کڑوا ہے حالاں کہ پانی کی حقیقت سیال ہے ان دونوں پانیوں کو آپس میں گڈ مڈ ہونا چاہیے تھا مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ پانی میں پانی کی دیوار بنی ہوئی ہے کہ آپس میں خلط ملط نہیں ہوتے۔ یہ درمیان میں رب تعالیٰ کے سوا پردہ کرنے والا کون ہے؟

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیا ایک خاص قسم کے پانی سے بشر کو۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان سے بڑھ کر کوئی شے عجیب نہیں ہے۔ ایک حقیر قطرے سے رب تعالیٰ نے انسان کو بنایا جو شہوت کے ساتھ بدن سے نکلا۔ اگر وہ کپڑے کے ساتھ لگ جائے تو کپڑا پلید ہو جاتا ہے جسم ناپاک ہو جاتا ہے۔ ﴿مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾، بے قدرے پانی سے انسان کو پیدا کیا، اس کو خوب صورت شکل عطا فرمائی اور اس میں کتنی خوبیاں رکھیں ﴿فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا﴾ پس بنایا اس کا نسب اور سسرال۔ اپنا خاندان بھی ہے اور سسرال بھی ہیں۔ یہ سلسلہ دنیا میں چل رہا ہے اے انسان تو اپنی حقیقت کو دیکھ کہ تو کیا تھا اور رب تعالیٰ نے کیا بنا دیا ﴿وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا﴾ اور ہے آپ کا رب قدرت رکھنے والا۔ جس طرح وہ پہلے پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔ کافر منہ بھر کے کہتے تھے ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ [مومنون: ۳۷] "ہم نہیں اٹھائے جائیں گے۔" ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ [ق: ۳] "کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی یہ لوٹ کر آنا تو بہت بعید ہے۔" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو ذات تمھیں ایک حقیر قطرے سے پیدا کر سکتی ہے وہ تمھیں دوبارہ اُٹھانے پر قادر نہیں ہے؟

دلائلِ قدرت

وہ سب کچھ کر سکتا ہے، ساری قدرتیں اسی کے پاس ہیں لیکن ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور یہ احمق اور بے وقوف لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿مَا﴾ اس مخلوق کی ﴿لَا يَنْفَعُهُمْ﴾ جو ان کو نفع نہیں دے سکتی ﴿وَلَا يَضُرُّهُمْ﴾ اور نہ ان کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے اختیار میں کوئی شے نہیں ہے۔ سورج کا طلوع کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے، آسمانوں، زمینوں کا بنانا کسی کے اختیار میں نہیں، ان کا انتظام کرنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے، بارش کا برسانا، ہواؤں کا چلانا کسی کے اختیار میں نہیں ہے، اولاد کا دینا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ دیکھو! مخلوق میں پیغمبر سے بڑی تو کوئی ہستی نہیں ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی جب شادی ہوئی تو ان کی عمر مبارک اس وقت تقریباً پچیس سال تھی ایک سو بیس سال عمر ہو گئی، بال سفید ہو گئے، کمر ٹیڑھی ہو گئی اور دعا کرتے ہیں ﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ [الانبیاء: ۸۹] "اے میرے پروردگار! نہ چھوڑ مجھے اکیلا اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں۔" اگر زکریا علیہ السلام کے اختیار میں ہوتا تو کبھی کا اپنا بیٹا بنا لیتے لیکن وہ بھی رب تعالیٰ

سے مانگ رہے ہیں۔

عورتوں کو طبعی طور پر اولاد کی خواہش ہوتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نو سال نکاح کے بعد آپ کے ساتھ رہی ہیں مگر رب تعالیٰ نے اولاد نہیں دی۔ جب کوئی بچہ دیکھتی تھیں تو اس کو گود میں بٹھا لیتی تھیں عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت اسماء بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھانجے تھے۔ ایک موقع پر ان کو دیکھ کر کہنے لگیں اگر میرا بھی کوئی بچہ ہوتا تو میں بھی ام فلاں کہلاتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اُم عبداللہ ہو یہ بھی تمھارا بچہ ہے، تمھارا بھانجا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت اُم عبداللہ تھی یہ عبداللہ بن زبیر کی نسبت سے تھی اپنا تو کوئی بیٹا نہیں تھا۔ یہ سب رب تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ﴿وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا﴾ اور ہے کافر اپنے رب کی طرف پیٹھ پھیرنے والا، رب تعالیٰ کے احکام کا باغی اور نافرمان ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری بتاتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوش خبری سنانے والا اور عذاب سے ڈرانے والا۔ جو احکام مانتے جائیں ان کو خوش خبری سناتے جاؤ کہ رب تعالیٰ تمھارے سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں تم پر نازل ہوں گی، جنت میں داخل ہو گے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ اور جو نہ مانیں ان کو رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈراؤ کہ دنیا میں بھی رب تعالیٰ کی گرفت میں آؤ گے، مرتے وقت بھی ذلیل ہو گے، قبر میں عذاب ہوگا، محشر میں بھی ہوگا، پل صراط سے گزرتے ہوئے بھی ہوگا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہو گے۔ میں تمھارا خیر خواہ ہوں تمھاری خدمت کر رہا ہوں۔ قُلْ آپ کہہ دیں ﴿مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ میں نہیں سوال کرتا تمھارے سے اس تبلیغ پر کسی معاوضے کا ﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ مگر جو چاہے بنا لے اپنے رب کی طرف راستہ۔ میں رب تعالیٰ کے راستے کی طرف دعوت دیتا ہوں اور تمھارے اُوپر کوئی بوجھ بھی نہیں ہوں۔

توکل کا بیان

اور آپ نے کیا کرنا ہے ﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ﴾ اور توکل کریں اس زندہ ذات پر جو کبھی نہیں مرے گی۔ توکل کا مطلب ہے ظاہری اسباب اختیار کر کے ان کا نتیجہ رب تعالیٰ کے حوالے کر دینا۔ اگر ظاہری اسباب اختیار نہ کیے تو اس کو تعطل کہتے ہیں یہ توکل نہیں ہے۔ شاعر نے کیا ہی اچھا کہا ہے:

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
انجام اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

جو تجھ سے ہو سکتا ہے وہ کر اس کا نتیجہ رب تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ ﴿وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ﴾ اور تسبیح بیان کر اس کی تعریف کی۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ((اَفْضَلُ الْكَلَامِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ)) ۔ یہ بخاری شریف کی آخری حدیث ہے۔ فرمایا دو کلمے اللہ تعالیٰ کو بہت پیارے ہیں۔ وہ زبان پر بڑے ہلکے پھلکے ہیں اور قیامت والے دن جب ترازو میں تولے جائیں گے تو ان کا

وزن بڑا ہوگا ایک سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ہے اور دوسرا سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ہے۔ ﴿وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبر رکھنے والا۔ بندے جو کچھ کرتے ہیں وہ جانتا ہے اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔

﴿الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ﴿فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ چھ دنوں میں ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ پھر وہ مستوی ہوا عرش پر ﴿اَلرَّحْمٰنُ﴾ رحمٰن ہے ﴿فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ پس آپ سوال کریں اس کے متعلق خبردار سے ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ﴾ اور جس وقت کہا جاتا ہے ان کو ﴿اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ﴾ سجدہ کرو رحمان کو ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿وَمَا الرَّحْمٰنُ﴾ کیا چیز ہے رحمٰن ﴿اَنَسْجُدُ﴾ کیا ہم سجدہ کریں ﴿لِمَا﴾ اس کو ﴿تَاْمُرُنَا﴾ جس کا آپ ہمیں حکم کرتے ہیں ﴿وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا﴾ وہ بات زیادہ کرتی ہے ان کی نفرت کو ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ﴾ برکت والی ہے وہ ذات ﴿جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا﴾ جس نے بنائے آسمان میں برج ﴿وَّجَعَلَ فِيْهَا﴾ اور بنایا اس آسمان میں ﴿سِرٰجًا﴾ چراغ ﴿وَّقَمَرًا﴾ اور چاند ﴿مُّنِيْرًا﴾ روشنی کرنے والا ﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اور وہ وہ ذات ہے ﴿جَعَلَ الَّيْلَ﴾ جس نے بنائی رات ﴿وَالنَّهَارَ﴾ اور دن ﴿خِلْفَةً﴾ ایک دوسرے کے خلیفہ اور نائب ﴿لِّمَنْ﴾ اس کے لیے ﴿اَرَادَ﴾ جو ارادہ کرتا ہے ﴿اَنْ يَّذَّكَّرَ﴾ کہ وہ نصیحت حاصل کرے ﴿اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ یا ارادہ کرے شکریے کا ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ﴾ اور رحمان کے بندے ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ ہیں ﴿يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ﴾ جو چلتے ہیں زمین پر ﴿هَوْنًا﴾ وقار کے ساتھ ﴿وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ﴾ اور جب ان سے خطاب کرتے ہیں نادان لوگ ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿سَلٰمًا﴾ سلامتی والی بات ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ہیں ﴿يَبِيْتُوْنَ﴾ جو رات گزارتے ہیں ﴿لِرَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے سامنے ﴿سُجَّدًا﴾ سجدہ کرتے ہوئے ﴿وَّقِيَامًا﴾ اور قیام میں ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ جو کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا﴾ اے ہمارے رب! پھیر دے ہم سے ﴿عَذَابَ جَهَنَّمَ﴾ جہنم کا عذاب ﴿اِنَّ عَذَابَهَا﴾ بے شک جہنم کا عذاب ﴿كَانَ غَرَامًا﴾ ہے جرمانہ اور تاوان ﴿اِنَّهَا﴾ بے شک وہ دوزخ ﴿سَآءَتْ﴾ بُری ہے ﴿مُسْتَقَرًّا﴾ ٹھکانے کے اعتبار سے ﴿وَّمُقَامًا﴾ اور رہائش کے لحاظ سے ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿اِذَآ اَنْفَقُوْا﴾ جب وہ خرچ کرتے ہیں ﴿لَمْ يُسْرِفُوْا﴾ تو اسراف نہیں کرتے ﴿وَلَمْ يَقْتُرُوْا﴾ اور نہ کمی کرتے ہیں ﴿وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ اور ہوتا ہے اس کے درمیان ان کا گزران۔

تخلیقِ ارض وسماء

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ﴾ " آپ توکل کریں اس ذات پر جو زندہ ہے اور اس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔" اسی ذات کی خوبیوں کا بیان ہے ﴿الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے اس کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے ﴿فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ چھ دنوں میں۔ چھ دنوں سے چھ دن کا وقفہ مراد ہے۔ کیوں کہ اس وقت نہ سورج تھا، نہ چاند تھا، نہ دن تھا، نہ رات تھی۔ چھ دنوں کے وقت میں پیدا کرنے کا مقصد مفسرین کرام رحمہم اللہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس سے مخلوق کو بتلانا مقصود ہے کہ قادر ہو کر میرا کام آہستہ آہستہ ہے لہٰذا تمھارے کام بھی تدریجاً آہستہ آہستہ ہونے چاہئیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ایک لمحے میں پیدا کر سکتا تھا اس کی شان ہے ﴿إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ [یٰسین:۸۲] "جب ارادہ کرتا ہے کسی شے کا تو کہتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔" ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ پھر مستوی ہوا وہ عرش پر، قائم ہوا عرش پر۔ مستوی ہونے کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے شاگردوں نے پوچھا کہ حضرت! استویٰ علی العرش کا کیا مفہوم ہے؟ فرمایا بیٹو! اَلْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ وَكَيْفِيَّتُهٗ مَجْهُوْلَةٌ وَالسُّوَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ "اس پر ایمان لانا واجب ہے، فرض ہے کہ رحمٰن عرش پر مستوی ہے مگر اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے کہ وہ کس طرح بیٹھا ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔" جیسے آپ حضرات قالینوں پر بیٹھے ہیں، میں مصلے پر بیٹھا ہوں، کوئی کرسی پر بیٹھتا ہے، کوئی پلنگ پر بیٹھتا ہے، کوئی چٹائی پر بیٹھتا ہے، تو ہم کسی کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے۔ بس اتنا کافی ہے کہ جو استویٰ اس کی شان کے لائق ہے اور جس طرح استویٰ علی العرش ماننا ہے اسی طرح یہ بھی ماننا ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [حدید:۴] "اور وہ تمھارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔" اور کس قدر ساتھ ہے؟ فرمایا ﴿نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ "ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔" دل سے ایک رگ جاتی ہے دماغ کی طرف اس کو عربی میں ورید کہتے ہیں اور فارسی میں رگِ جان کہتے ہیں۔ اس کا دل و دماغ کے ساتھ براہِ راست رابطہ ہے۔ تو جیسے شہ رگ تمھارے زیادہ قریب ہے فرمایا ہم اس سے بھی زیادہ قریب ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نظر نہیں آتا۔ تو جس طرح استویٰ علی العرش ماننا ہے اسی طرح یہ بھی ماننا ہے کہ وہ تمھارے ساتھ ہے، علم کے لحاظ سے، قدرت کے لحاظ سے اور جیسے اس کی شان ہے۔ دونوں باتوں کا ذکر قرآن میں ہے۔ ﴿الرَّحْمٰنُ﴾ وہ رحمان ہے ﴿فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ پس آپ سوال کریں اس کے متعلق کسی خبردار سے۔ مسئلہ یہی ہے کہ جس کو خود کسی چیز کا علم نہ ہو تو وہ کسی خبردار سے پوچھے۔ ﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ﴾ اور جس وقت ان کافروں سے کہا جاتا ہے ﴿اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ﴾ سجدہ کرو رحمان کو۔

مَنْ اور مَا کا فرق

تو ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہتے ہیں ﴿وَمَا الرَّحْمٰنُ﴾ کیا ہے رحمان۔ رحمان کیا چیز ہوتی ہے؟ دیکھو! ﴿مَا﴾ کا لفظ بولتے ہیں جو

غیر ذوالعقول کے لیے ہوتا ہے اور ﴿مَنْ﴾ کا لفظ ذوالعقول کے لیے بولا جاتا ہے۔ ﴿مَنْ﴾ کا لفظ بولتے تو معنٰی ہوتا کون ہے رحمٰن؟ چوں کہ یہ انداز مسلمانوں کا تھا اس لیے نہیں مانتے تھے ورنہ رحمان کے لفظ سے وہ واقف تھے۔ یہ لفظ عربی زبان کا ہے زمانہ جاہلیت میں بھی عبدالرحمٰن نام تھے اگرچہ تھوڑے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا یہ نام پہلے سے ہے۔

۶ھ ذوالقعدہ کے مہینے میں صلح حدیبیہ ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کاتب، اپنے منشی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی! لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ جلدی لکھنے والے تھے لکھ دیا۔ کافروں کے نمائندے سہیل بن عمرو جو بعد میں رضی اللہ عنہ ہو گئے۔ کہنے لگے حضرت! یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تمھاری علامت ہے، تمھاری شان ہے ہم نے نہیں لکھنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم رحمان کو نہیں مانتے؟ کہنے لگا ماننے نہ ماننے کی بات چھوڑ دیں نہیں لکھنے دیا۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے لفظ کاٹے گئے اور بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھوایا گیا۔ اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ لکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں اس نام سے بھی کوئی نقصان نہیں ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ کہتے ہیں ﴿اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا﴾ کیا ہم سجدہ کریں اس کو جس کا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں ﴿وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا﴾ اور یہ قول ان کی نفرت کو زیادہ کر دیتا ہے۔ رحمان کو سجدہ کرنے کا حکم دینے سے ان کی نفرت اور بڑھ جاتی ہے کیوں کہ ان میں کفر اور شرک ہے۔ یہ آیتِ سجدہ ہے جس جس نے سنی ہے اس پر سجدہ واجب ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اور کیا صفات ہیں؟

آسمان کی منزلیں

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا﴾ برکت والی ہے وہ ذات جس نے بنائے ہیں آسمان میں برج۔ برج سورج کی منزلیں ہیں جن کو وہ طے کرتا ہے۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ جیسے کراچی سے گاڑی چلتی ہے پشاور کے لیے تو پہلے وہ صوبہ سندھ کو طے کرتی ہے پھر صوبہ پنجاب کو پھر صوبہ سرحد میں داخل ہوئی اور پشاور پہنچتی ہے۔ اور جو گاڑی ملتان سے چلے گی پہلے خانیوال پھر ضلع ساہیوال پھر اوکاڑہ پھر لاہور پہنچے گی، پھر گوجرانوالا، پھر گجرات، جہلم اور پنڈی پہنچے گی۔ یہ درمیان کے اضلاع گاڑی کی منزلیں ہیں۔ اسی طرح آسمانوں میں سورج کی منزلیں ہیں جن کو وہ طے کرتا ہے ان کو برج کہتے ہیں اور برج کا معنٰی قلعہ بھی ہے۔ آسمانوں میں جگہ جگہ قلعے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے فرشتے نگرانی کے لیے موجود ہیں اگرچہ کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن رب تعالیٰ کا نظام ہے اس نظام کے مطابق چلتے ہیں۔

﴿وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا﴾ اور بنایا اس نے آسمان میں چراغ اور چاند روشنی کرنے والا۔ چراغ سے مراد سورج ہے جو ساری دنیا کو روشنی اور حرارت پہنچا رہا ہے اور چاند کو روشن کرنے والا ہے۔ چاند اور سورج دونوں بڑے سیارے ہیں جن کا تعلق براہِ راست مخلوق کے ساتھ ہے۔ رات کے وقت چاند کی مدہم روشنی اور ستاروں کی ادلی بدلی مسافروں کے لیے راہنمائی کا کام دیتی ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے چاند سورج کو پیدا فرمایا یہ برابر اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اور قیامت تک چلتے رہیں گے۔ یہ سب رب تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ تو جو ذات ان صفات کی مالک ہے سجدے کی مستحق وہی ذات ہے۔

دلائل قدرت

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً﴾ اور وہ وہ ذات ہے جس نے بنائی رات اور دن ایک دوسرے کے خلیفہ اور نائب آگے پیچھے آنے والے۔ رات گئی تو دن ظاہر ہو گیا دن ختم ہوا تو رات کی تاریکی چھا گئی اللہ کی قدرت کی یہ نشانیاں اس شخص کے لیے ہیں ﴿لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ﴾ جو ارادہ کرتا ہے نصیحت حاصل کرنے کا ﴿أَوْ أَرَادَ شُكُورًا﴾ یا جو ارادہ کرتا ہے شکریے کا۔ جو شخص مناظرِ قدرت میں غور وفکر کرے گا آخر کار اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہو جائے گا مگر وہ شخص جو ان کے بارے میں دھیان ہی نہیں کرتا سوچتا سمجھتا ہی نہیں ہے وہ نہ تو ان سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ ان یورپین قوموں نے ہمارا ماحول ہی خراب کر دیا ہے ٹی وی، وی سی آر، انٹرنیٹ، ناولوں سے فرصت نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پہ کون غور وفکر کرے گا؟

دیکھو! ایک بزرگ نے بیان کیا آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ جس گھر میں جان دار چیز کی تصویر نظر آتی ہو اور جس گھر میں کتا ہو اور جس گھر میں بغیر غسل کے مرد ہو یا بغیر غسل کے عورت ہو اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ تو ایک آدمی نے کہا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی مفید چیز سے منع کیا گیا ہے یعنی کتے سے۔ وہ بزرگ بڑے ذہین تھے فوراً فرمایا کہ فلاں انگریز نے لکھا ہے کہ کتا اس لیے بُرا ہے کہ اپنی جنس کا دشمن ہے۔ کتا کتے کو دیکھے تو بھونکتا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا اب بات سمجھ آئی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات تو آپ کو سمجھ نہ آئے اور میں نے جب انگریز کا نام لیا تو تجھے سمجھ آ گئی۔ ماحول ہی سارا خراب ہو گیا ہے۔ انگریز ہمارے دل ودماغ پہ چھا گیا ہے بس انگریز کا نام لے دو تو سب کچھ سمجھ آ جاتا ہے۔

آج ہمارے سر پر بیرونی ممالک بیٹھے ہیں حکومت ان کی ہے ہمارے حکمران تو ان کے نمائندے ہیں۔ بات ان کی چلتی ہے، سکہ ان کا چلتا ہے، ڈالر کی قیمت ہے روپے کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ آپ کسی ملک میں چلے جائیں اور اپنا نوٹ نکال کر دیں تو عام آدمی نہیں لے گا جو خاص لوگ بیٹھے ہیں تبدیل کر کے دینے والے بس وہی لیں گے۔ اور اگر ڈالر پاؤنڈ تمھارے پاس ہو تو جس ملک میں جاؤ وہ لے لیں گے۔ ان خبیثوں کا سکہ پوری دنیا میں چلتا ہے۔ پاکستان تو ان کا غلام اور لونڈی ہے۔ اب دیکھو! یہ معین الدین قریشی آیا ہے یہ کیا گل کھلاتا ہے اور ان کے کان میں کیا پھونک مارتا ہے جو وہ ان کے کان میں پھونک مارے گا اس کے مطابق بجٹ بنے گا۔ وہ تو پھونک مار کر چلا جائے گا پھر دیکھو کیا حالات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ جو ہمارے بڑے ہیں، صدر، وزیر اعظم وغیرہ یہ تو ان کی مرضی کے بغیر پتلون نہیں بدل سکتے۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ تم اپنا ماحول دینی بنا لو۔ موجودہ ماحول میں نمازی بہت مشکل سے بنیں گے۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے رات بنائی، دن بنایا ایک دوسرے کے خلیفہ۔ یہ اس کے لیے ہے جو ارادہ کرے سمجھنے کا یا شکر ادا کرنے کا۔ دن کو پائے تو دن کو شکر ادا کرے، رات کو پائے تو رات کو شکر ادا کرے۔ اُوپر رحمان کا ذکر تھا آگے عباد الرحمٰن کا ذکر ہے۔

عباد الرحمٰن کی صفات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ﴾ رحمان کے بندوں کی پہلی صفت: ﴿الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ جو چلتے ہیں زمین پر وقار کے ساتھ۔ نہ اکڑ کر چلتے ہیں اور نہ پاؤں گھسیٹتے ہوئے چلتے ہیں بڑے وقار اور ادب کے ساتھ چلتے ہیں۔

دوسری صفت اور خوبی: ﴿وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ اور جب جاہل قسم کے لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں، گفتگو کرتے ہیں تو اللہ کے بندے ان کے ساتھ سلامتی کی بات کرتے ہیں جھگڑے فساد کی بات نہیں کرتے۔ بڑے حوصلے کی بات ہے کہ ایک شخص دوسرے کو کہے تم پاگل ہو اور وہ اس کے جواب میں خاموش ہو جائے۔ ورنہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ تم کسی کو پاگل کہو تو وہ کہے گا تمھاری سات پشتیں پاگل ہیں۔ یہ عباد الرحمٰن کا حوصلہ ہے کہ ان کو جو کچھ بھی کہو ان کے منہ سے سلامتی کی بات نکلے گی۔

تیسری خوبی: ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ﴾ اور عباد الرحمٰن وہ ہیں جو رات گزارتے ہیں اپنے رب کے سامنے ﴿سُجَّدًا﴾ سَاجِدٌ کی جمع ہے سجدہ کرتے ہوئے ﴿وَّقِيَامًا﴾ اور کھڑے ہونے کی حالت میں۔ کبھی کھڑے ہوتے ہیں کبھی سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ ہمارے لیے تو صبح کی نماز کے لیے اُٹھنا بھی بڑا مشکل ہے۔ عباد الرحمٰن بننا آسان کام نہیں ہے۔ ساتھیو! عادت بنا لو خصوصاً بزرگ حضرات۔ پہلے زمانے میں جب کسی کی ڈاڑھی یا سر میں ایک بال بھی سفید ہو جاتا تھا تو وہ سب سے پہلے تہجد کا سوچتا تھا کہ اب میں موت کے قریب ہو گیا ہوں مجھے تہجد نہیں چھوڑنی چاہیے۔ صبح صادق سے آدھ گھنٹہ پہلے اُٹھ کر تہجد پڑھے، کوئی مشکل کام نہیں ہے صرف شیطان، نفس امارہ ہمیں نہیں چھوڑتا۔ ٹائم پیس رکھو، الارم لگا لو کچھ دنوں کے بعد عادت بن جائے گی۔

عباد الرحمٰن کی اور خوبی: ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ﴾ اور عباد الرحمٰن وہ ہیں جو کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ﴾ اے رب ہمارے پھیر دے، دور رکھ ہم سے دوزخ کا عذاب۔ دوزخ کے عذاب سے ہمیں بچا۔ ﴿اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا﴾ بے شک جہنم کا عذاب تاوان ہے، چٹی ہے، بہت مشکل ہے۔ آج تم دنیا کی آگ میں انگلی ڈالو آدھ منٹ میں جل جائے گی اور جہنم کی آگ تو اس سے انہتر گنا تیز ہے۔ اس لیے پناہ مانگتے تھے حقیقت یہ ہے کہ ہمارا ذہن صرف دنیا تک ہی ہے، نہ ہمیں قبر کی فکر ہے، نہ موت کا خیال ہے، نہ میدان محشر کا خیال ہے، نہ حساب کتاب کا احساس ہے، نہ رب تعالیٰ کی سچی عدالت کے قائم ہونے کا خیال ہے، نہ دوزخ کا ڈر ہے، نہ جنت کی طلب ہے۔ طلب ہے تو ڈالروں کی، روپیوں کی۔ ﴿اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾ بے شک وہ جہنم بری ہے ٹھکانے کے لحاظ سے اور رہائش کے لحاظ سے۔ مستقر عارضی ٹھکانے کو کہتے ہیں جہاں آدمی نے دو چار دن دس دن رہنا ہو اور مقام مستقل رہائش گاہ کو کہتے ہیں۔ جہنم عارضی طور پر بھی بری ہے اور مستقل رہائش کے طور پر بھی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بچائے۔

عباد الرحمان کی اور خوبی: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا﴾ وہ ایسے لوگ ہیں جس وقت خرچ کرتے ہیں گھر میں یا باہر ﴿لَمْ يُسْرِفُوْا﴾

اسراف نہیں کرتے ﴿وَ لَمْ یَقْتُرُوْا﴾ اور کمی بھی نہیں کرتے ہیں۔ضرورت سے زیادہ بھی نہیں خرچ کرتے اور ایسا بھی نہیں کرتے کہ گھر والے ترستے رہیں اور وہ پیسے کو جمع کر کے رکھتے ہیں ﴿وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ اور ہے اس کے درمیان ان کا گزران۔ نہ اسراف نہ کمی، بین بین۔مزید خوبیاں بیان ہوں گی پھر نتیجہ آئے گا کہ اس کا نتیجہ کیا ہے؟

﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿لَا یَدْعُوْنَ﴾ جو نہیں پکارتے ﴿مَعَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ کسی اور کو حاجت روا، مشکل کشا ﴿وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ﴾ اور نہیں قتل کرتے نفس کو ﴿الَّتِیْ﴾ وہ نفس ﴿حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ کہ حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ ﴿وَ لَا یَزْنُوْنَ﴾ اور وہ زنا نہیں کرتے ﴿وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ﴾ اور جو شخص یہ کرے گا ﴿یَلْقَ اَثَامًا﴾ ملے گا گناہ کو ﴿یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ﴾ دگنا کیا جائے گا اس کے لیے عذاب ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿وَ یَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا﴾ اور ہمیشہ رہے گا اس عذاب میں ذلیل وخوار کیا ہوا ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ مگر وہ شخص جس نے توبہ کی ﴿وَ اٰمَنَ﴾ اور ایمان لایا ﴿وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ اور عمل کیا عمل کرنا اچھا ﴿فَاُولٰٓىٕكَ﴾ پس یہی لوگ ہیں ﴿یُبَدِّلُ اللّٰهُ﴾ بدل دے گا اللہ تعالیٰ ﴿سَیِّاٰتِهِمْ﴾ ان کی برائیوں کو ﴿حَسَنٰتٍ﴾ بھلائیوں میں ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ بخشنے والا مہربان ﴿وَ مَنْ تَابَ﴾ اور جس شخص نے توبہ کی ﴿وَ عَمِلَ صَالِحًا﴾ اور اس نے عمل کیا اچھا ﴿فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ﴾ پس بے شک وہ رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿مَتَابًا﴾ رجوع کرنا ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے ﴿وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ﴾ اور وہ جب گزرتے ہیں بے ہودہ چیزوں کے پاس سے ﴿مَرُّوْا كِرَامًا﴾ گزر جاتے ہیں شریفانہ ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿اِذَا ذُكِّرُوْا﴾ جب ان کو یاد دلائی جاتی ہیں ﴿بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی آیتیں ﴿لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا﴾ نہیں گرتے ان پر ﴿صُمًّا﴾ بہرے ہوکر ﴿وَّ عُمْیَانًا﴾ اور اندھے ہوکر ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ جو کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب! ﴿هَبْ لَنَا﴾ دے ہمیں ﴿مِنْ اَزْوَاجِنَا﴾ ہماری بیویوں سے ﴿وَ ذُرِّیّٰتِنَا﴾ اور ہماری اولادوں سے ﴿قُرَّةَ اَعْیُنٍ﴾ آنکھوں کی ٹھنڈک ﴿وَّ اجْعَلْنَا﴾ اور بنادے ہمیں ﴿لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا﴾ پرہیزگاروں کا امام ﴿اُولٰٓىٕكَ﴾ یہی لوگ ہیں ﴿یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ﴾ جن کو بدلہ دیا جائے گا بالائی منزلوں کا ﴿بِمَا صَبَرُوْا﴾ ان کے صبر کی وجہ سے ﴿وَ یُلَقَّوْنَ فِیْهَا﴾ اور وہ دیئے جائیں گے ان بالائی منزلوں میں ﴿تَحِیَّةً﴾ آؤ بھگت ﴿وَّ سَلٰمًا﴾ اور سلام ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے ان منزلوں میں ﴿حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا﴾

بہت اچھی ہے وہ ٹھہرنے کی جگہ ﴿وَّ مُقَامًا﴾ اور مستقل رہائش گاہ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ﴾ نہیں پروا کرتا تمھاری میرا رب ﴿لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ﴾ اگر نہ ہو تمھارا پکارنا ﴿فَقَدْ كَذَّبْتُمْ﴾ پس تحقیق تم جھٹلا چکے ہو ﴿فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا﴾ پس عنقریب ہوگا عذاب لازم۔

بات ہو رہی تھی ﴿عِبَادُ الرَّحْمٰنِ﴾ کی کہ رحمان کے بندے کون ہیں؟ عباد الرحمٰن مبتدا ہے اور ﴿أُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ﴾ یہ اس کی خبر ہے۔ درمیان میں عباد الرحمان کے اوصاف اور علامتیں بیان ہوئی ہیں کہ ﴿يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ "وہ زمین پر بڑے وقار کے ساتھ چلتے ہیں۔" جب جاہلوں کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں تو سلامتی کی بات کرتے ہیں۔ وہ راتیں اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام میں گزارتے ہیں۔ وہ لوگ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! جہنم کے عذاب کو ہم سے پھیر دے بے شک وہ عذاب بڑا تاوان ہے بڑا ٹھکانا اور بری جگہ ہے۔ اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور کمی بھی نہیں کرتے اس کے درمیان درمیان ان کا گزران ہے۔

مزید عباد الرحمٰن کی خوبیاں

مزید ان کی خوبیاں یہ ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ وہ ہیں جو نہیں پکارتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، دست گیر سمجھ کر۔ وہ اپنی سب حاجتیں رب تعالیٰ سے مانگتے ہیں ﴿وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ﴾ اور وہ نہیں قتل کرتے کسی نفس کو ﴿الَّتِيْ﴾ وہ ﴿حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ جس کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ۔

قتل حق کی صورتیں

شریعت میں قتل حق کی تین صورتیں ہیں:

☆......پہلی صورت: اگر کوئی شخص معاذ اللہ تعالیٰ مرتد ہو جائے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی اس کے شبہات دور کرنے کے لیے کہ تم نے اسلام کیوں چھوڑا ہے؟ اگر وہ ضد سے باز نہ آیا تو تین دن کے بعد اسے قتل کر دیا جائے گا۔ یہ قتل بالحق ہے۔ مسئلہ یہی ہے مگر ہماری حکومت نہیں مانتی کہ امریکہ ناراض ہو جائے گا۔

☆......دوسری صورت: قتل حق کی یہ ہے کہ العیاذ باللہ کوئی مرد عورت شادی شدہ ہوں اور زنا کا ارتکاب کریں تو ان کو رجم کیا جائے گا۔ یہ رجم کرنا بھی قتل بالحق ہے۔ حکومت اس کی بھی قائل نہیں ہے۔ بے نظیر بھٹو نے کہا تھا کہ یہ بڑا ظلم ہے۔

☆......قتل حق کی تیسری صورت قصاص ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو ناحق قتل کر دے تو اس کو اس کے عوض میں قتل کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ کسی جان کو قتل کرنا چاہے وہ مسلم ہے یا غیر مسلم، حرام ہے۔ اور آج تو حالت یہ ہے کہ مسجدوں میں نمازیوں کو نہیں چھوڑتے۔ کسی کی جان محفوظ نہیں ہے۔ آج تو آدمی جب گھر آئے حوادثات سے بچ کر، چور ڈاکوؤں سے بچ کر تو

اس کو دو نفل شکرانے کے پڑھنے چاہئیں کہ اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ میں خیر و عافیت سے گھر آ گیا ہوں۔ فرمایا ﴿وَلَا یَزْنُوْنَ﴾ اور وہ زنا نہیں کرتے۔ یہ بھی عباد الرحمان کی خوبی ہے ﴿وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ﴾ اور جس نے یہ کارروائی کی جو اوپر مذکور ہوئی ہے ﴿یَلْقَ اَثَامًا﴾ وہ ملے گا گناہ کو۔ اور اثام جہنم میں ایک طبقے کا نام بھی ہے تو ان لوگوں کو اس طبقے میں ڈالا جائے گا ﴿یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ﴾ دگنا کیا جائے گا اس کے لیے عذاب ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا﴾ اور ہمیشہ رہے گا اس عذاب میں ذلیل اور رسوا کیا ہوا۔ ظاہر بات ہے دوزخ کے عذاب میں کہاں عزت ہوگی؟ فرمایا ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ مگر جس نے توبہ کی کفر شرک اور گناہوں سے۔ پہلے کافر تھا ﴿وَاٰمَنَ﴾ اور ایمان لے آیا ﴿وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ اور عمل کیا اچھا ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ پس یہی لوگ ہیں ﴿یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾ بدل دے گا اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں کے ساتھ۔

برائیوں کو نیکیوں سے بدلنا ؟

اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ پہلے جن اوقات میں بُرے کام کرتے تھے اب ان اوقات میں نیکیاں کرتے ہیں پہلے وقت گناہوں میں گزرتا تھا اب نیکیوں میں گزرتا ہے۔ اور یہ معنٰی بھی کرتے ہیں مفسرین کرام رحمہم اللہ کہ پہلے ان کا ملکہ اور عادت بُری تھی اب بدل کر نیکی کا ملکہ اور عادت کر دی۔ پہلے ان کے لیے بُرائی آسان تھی اب ان کے لیے نیکی آسان ہوگئی ہے۔ اور ایک تفسیر یہ بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔ یعنی پہلے جرائم معاف کر کے ان کی جگہ نیکیاں لکھ دی جائیں گی۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ایک بندے کو حاضر کرنے کا حکم دیں گے۔ جب وہ حاضر ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو شمار کیا جائے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے اے بندے! تجھے یاد ہے تم نے فلاں گناہ کیا۔ ایسے گناہ پروردگار ذکر فرمائیں گے جن کو بندہ گناہ بھی نہیں سمجھتا تھا۔ مثلاً: رب تعالیٰ فرمائیں گے اے بندے! تو نے مسجد سے نکلتے ہوئے سیڑھیوں پہ تھوکا تھا، تو نے کیلا کھا کر چھلکا سڑک پر پھینک دیا تھا، تو نے اپنے گھر سے مکڑی کے جالوں کو نہیں اُتارا تھا۔ اے بندے! تیرے گھر میں صفائی نہیں تھی۔ تو اس بندے کے طوطے اُڑ جائیں گے۔ وہ آدمی اقرار کرے گا اور ڈرے گا کہ کہیں اللہ تعالیٰ بڑے گناہوں کے متعلق نہ پوچھ لیں۔ پھر حکم ہوگا جاؤ ہم نے تمھارے یہ چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دیئے اور ان کے بدلے میں ایک ایک نیکی دے دی ہے۔ وہ شخص دلیر ہو جائے گا کہ گناہوں کے بدلے میں نیکیاں مل رہی ہیں تو کیوں نہ بڑے بڑے گناہوں کا تذکرہ ہو جائے تاکہ ان کے بدلے بھی نیکیاں مل جائیں۔ پھر وہ عرض کرے گا اے مولا کریم! ابھی میرے بعض گناہوں کا ذکر نہیں ہوا۔ یہ بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا کہ دیکھو یہ شخص پہلے تو اپنے گناہوں سے خائف تھا مگر اب اللہ تعالیٰ کی مہربانی دیکھ کر اتنا دلیر ہو گیا ہے کہ خود ان کا تذکرہ کر رہا ہے۔

بہرحال بعض آدمیوں پر اللہ تعالیٰ اس قدر راضی ہوگا کہ ان کے گناہوں کی جگہ نیکیاں لکھ دے گا۔ یہ ہر آدمی کے لیے نہیں ہوگا یہ اس کے لیے ہوگا جو صحیح العقیدہ مسلمان ہوگا اور اس کی نیکیوں کا بڑا انبار ہوگا، بڑا ڈھیر لگا ہوا ہوگا اور بہت دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ محض نیکیوں کے انبار پر ہی نہ رہنا ان کو بچانے کی بھی فکر کرنا۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ میدان محشر میں ان کی نیکیوں کے بڑے بڑے انبار لگے ہوں گے۔ وہ کہیں گے الحمد للہ خیر سلّا ہے۔ مگر جب حساب کتاب شروع ہوگا تو ایک آدمی کہے گا یا اللہ! اس نے میرا حق دینا ہے۔ اُس کے حق کے مطابق اِس کی نیکیاں اُٹھا کر اس کو دے دی جائیں گی۔ دوسرا آئے گا یا اللہ! اس نے میرا حق دینا ہے۔ اُس کو اِس کی نیکیاں دی جائیں گی۔ ایک آ کر کہے گا یا اللہ! اس نے مجھے گالی دی تھی۔ ایک نیکی گالی پر دی جائے گی۔ ایک کہے گا اے پروردگار! اس نے مجھے گھورا تھا بلا وجہ۔ اس کو اس کی نیکی دی جائے گی۔ ایک کہے گا اے پروردگار! اس نے مجھے مکا مارا تھا، اس نے میرے ساتھ دھوکا کیا تھا، اس نے میرے ساتھ جھوٹ بولا تھا، اس نے میری غیبت کی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ حقوق والے لوگ باقی رہ جائیں گے تو ان کے گناہ اُٹھا کر اس کے سر پر رکھ دیئے جائیں گے اور اُٹھا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ تو یاد رکھنا! نیکی کرنی بھی بڑی مشکل ہے لیکن نیکی کا تحفظ کرنا اور اپنے حق میں محفوظ رکھنا مشکل ترین کام ہے۔ ہم تو دنیا میں کسی کا حق کھا جانے کو چالاکی سمجھتے ہیں، کسی کو مکا مار دینے کو بہادری سمجھتے ہیں لیکن ان چیزوں کا پتا قیامت والے دن لگے گا جب نتیجہ سامنے آئے گا۔

تو فرمایا جس نے توبہ کی اور عمل اچھا کیا اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں کے ساتھ بدل دے گا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان۔ فرمایا ﴿وَمَنْ تَابَ﴾ اور جس نے توبہ کی سچے دل سے ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور عمل کیا عمل کرنا اچھا۔ توبہ کے بعد نیک کام کیے ﴿فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا﴾ پس بے شک وہ توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرنا۔ اس کا رجوع رب تعالیٰ کی طرف ہے۔ عباد الرحمان کی اور خوبی ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ وہ لوگ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ جان جاتی ہے جائے جھوٹی گواہی نہیں دینی۔ آج سچی گواہی دینا بہت مشکل کام ہے۔ اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ وہ جھوٹی مجالس میں حاضر نہیں ہوتے۔ یعنی زُور کا معنیٰ جھوٹی مجالس۔ جہاں شریعت کے خلاف باتیں ہوں وہ وہاں نہیں جاتے۔ مثلاً: ماتم کی مجلس ہوگئی، بدعات رسومات کی مجالس ہوگئیں ان میں قطعاً نہیں جانا۔

مزید خوبیاں

اور خوبی: ﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا﴾ وہ جب گزرتے ہیں بے ہودہ مجالس سے تو گزر جاتے ہیں شریفانہ۔ کوئی جوا کھیل رہا ہے، کوئی تاش کھیل رہا ہے، کوئی کسی اور کھیل میں لگا ہوا ہے اللہ کے بندوں کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ کیا کرتے ہیں؟ ان سے الجھتے نہیں ہیں بلکہ آرام سے وہاں سے گزر جاتے ہیں۔ بعض ساتھی جذباتی ہوتے ہیں الجھ پڑتے ہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ وہ لوگ گناہ میں اور پختہ ہو جاتے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی ایسا قرینہ ہو کہ میں ان کو سمجھاؤں تو یہ لوگ سمجھ

جائیں گے تو پھر نرمی کے ساتھ ان کو سمجھا دو۔ لیکن جب وہ اپنے پتوں میں لگے ہوتے ہیں تو اس وقت ان پر شیطان سوار ہوتا ہے سمجھنے والی کوئی بات نہیں ہوتی۔ اس وقت وہ تمھاری ڈاڑھیاں سنائیں گے تمھاری نماز اور روزے سنائیں گے کہ جاؤ دین دارو! نمازیو! ڈاڑھی والو! لہٰذا شریفانہ طور پر گزر جانا چاہیے۔

عبادالرحمان کی اور خوبی: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ﴾ اور وہ لوگ ہیں جب ان کو یاد دلائی جاتی ہیں اپنے رب کی آیتیں۔ رب تعالیٰ کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں ان کے ذریعے ان کو سمجھایا جاتا ہے تو ﴿لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا﴾ نہیں گرتے ان پر ﴿صُمًّا﴾ بہرے ہو کر ﴿وَّعُمْيَانًا﴾ اور اندھے ہو کر۔ بلکہ وہ غور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنتے ہیں سمجھتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔

اور خوبی: ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ﴾ اور وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! دے ہمیں ہماری بیویوں سے اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اولاد نمازی، دین دار ہو تو مومن کی آنکھ ٹھنڈی ہوگی بے نماز اور بے دین ہو تو اس سے بڑا صدمہ کوئی نہیں ہوگا۔ پیسے کی خاطر جو لوگ بیرون ملک جاتے ہیں جائز طریقہ سے کمائی کرنا گناہ نہیں ہے مگر ان میں اصولاً دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو مومن، متقی، پرہیز گار ہیں، نماز روزے کے پابند ہیں وہ وہاں بھی نماز روزے کے پابند ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی اولاد وہاں بگڑ جاتی ہے اور یہ لوگ اپنی اولاد کی وجہ سے بڑے پریشان ہوتے ہیں چاہے وہ کسی بھی یورپی ملک میں ہیں، امریکہ، برطانیہ، فرانس وغیرہ کسی بھی ملک میں ہیں پریشان ہیں اور پریشانی اس لیے ہے کہ وہ اپنے بچے کو تھپڑ تک نہیں مار سکتے کہ تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی۔ مقدمہ بن جاتا ہے۔ اپنے بچوں کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ وہاں کا ماحول اتنا گندہ ہے کہ خدا کی پناہ! کوئی شرم و حیا نہیں ہے دن دیہاڑے سڑکوں پر میں نے جو کچھ دیکھا ہے اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ اور نوجوان طبقہ ایسی چیزوں سے بہت جلد متاثر ہوتا ہے۔

برطانیہ میں ڈارم کے علاقے میں ایک جگہ میری تقریر تھی تقریر کے بعد گجرات کے علاقہ کے ایک بزرگ آکر میرے ساتھ چمٹ کر رونے لگ گئے اور کافی دیر تک روتے رہے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگے کیا بتلاؤ ہماری پیدائش تو پاکستان کی تھی روزی اللہ تعالیٰ نے یہاں رکھی تھی یہاں ہماری حالت یہ ہے کہ ہم جب نماز پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں تو ہماری اولاد ہمارے ساتھ مذاق کرتی ہے عیسائیوں اور غیر مذہبوں کے ساتھ ان کا اُٹھنا بیٹھنا ہے ہم جب منع کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ نہ چلو پھرو تو ہمیں گھورتے ہیں۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ایمان بھی خطرے میں ہے۔ بھئی! کیا کرلو گے؟ چار دن کھا پی کر جانا دوزخ میں ہے تو ایسے کھانے پینے کا کیا فائدہ؟

اور دوسرے قسم کے لوگ وہ ہیں جن کو نہ یہاں ایمان عمل کا علم ہے نہ وہاں۔ یہ خود بھی برباد اور ان کی اولاد بھی برباد۔ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ جو پختہ ذہن کے مسلمان وہاں گئے ہیں وہ وہاں بھی پختہ ہیں اور جو ڈانواں ڈول، کچے ہیں وہ وہاں بھی کچے ہیں۔ اور اولاد وہاں سب کی کچی ہے الا ماشاء اللہ۔ ہزار میں سے ایک ہوگا جو صحیح ہوگا۔ تو عبادالرحمان کہتے ہیں کہ اے

ہمارے رب! عطا کر ہمیں بیویوں سے اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک ﴿وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ اور بنا دے ہمیں پرہیز گاروں کا راہنما۔ ظاہر بات ہے کہ جو پرہیز گاروں کا امام ہوگا وہ کتنا زیادہ نیک ہوگا ﴿اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ﴾ یہی لوگ ہیں جن کو بدلہ دیا جائے گا بالائی منزلوں کو۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جنت میں سو سو منزلیں ہیں بِمَا صَبَرُوْا ان کے صبر کی وجہ سے۔ انھوں نے تکالیف، مصائب، پریشانیوں پر صبر کیا ﴿وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا﴾ اور وہ دیئے جائیں گے ان بالائی منزلوں میں آؤ بھگت اور سلام۔ تَحِيَّہ کہتے ہیں خوش آمدید، پنجابی میں کہتے ہیں جی آیاں نوں، پشتو میں کہتے ہیں ہر کلہ راشہ۔ اسی طرح وہاں دعائیں ہوں گی اور سلام ہوگا۔ فرشتے بھی کہیں گے مرحبا، خوش آمدید۔ حوریں بھی کہیں گی جی آیاں نوں۔ جھگڑے، فتنے اور شرارت کی وہاں کوئی بات نہیں ہوگی ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ ہمیشہ ان بالائی منزلوں میں رہیں گے ﴿حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾ ان کا عارضی طور پر جو ٹھکانا ہوگا وہ بھی اچھا ہوگا اور جو مستقل ہوگا وہ بھی اچھا ہوگا۔ عارضی طور پر اس طرح سمجھو کہ تم اپنے عزیز رشتہ داروں کو ملنے کے لیے جاتے ہو وہاں دو چار دن، ہفتہ ٹھہرتے ہو پھر واپس گھر آجاتے ہو یہ عارضی ٹھکانا ہے۔ جنت میں بھی اپنے دوست، عزیز رشتہ داروں کو ملنے کے لیے جائیں گے تو وہ عارضی قیام گاہ بہت اچھی ہوگی اور جو مستقل رہائش گاہ ہوگی وہ بھی بہت عمدہ ہوگی۔ قُلْ آپ کہہ دیں ان کو ﴿مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ﴾ نہیں میرا رب تمھاری کوئی پروا نہیں کرتا ﴿لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ﴾ اگر تمھاری دعائیں نہ ہو۔ اگر تم دعائیں نہ کرو اور تمھارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ ہو تو رب تمھاری کوئی پروا نہ کرے ﴿فَقَدْ كَذَّبْتُمْ﴾ پس تحقیق اوظالمو! تم جھٹلا چکے ہو رب تعالیٰ کے احکام ﴿فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا﴾ پس عنقریب عذاب تم پر لازم ہے۔ جو رب تعالیٰ کے بندے نہیں بنتے سمجھ لو کہ ان پر عذاب لازم ہے دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی۔ اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ رکھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ وَقَالَ الَّذِیۡنَ

۱۹

آیاتھا ۲۲۷ سُوْرَۃُ الشُّعَرَآءِ مَکِّیَّۃٌ (۲۶) (۴۷) رکوعاتھا ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ﴾ یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی ﴿لَعَلَّكَ﴾ شاید کہ آپ ﴿بَاخِعٌ نَّفْسَكَ﴾ ضائع کر دیں اپنی جان کو ﴿اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ اس بات سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ﴿اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ﴾ اگر ہم چاہیں تو اُتار دیں ان پر ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان سے اٰیَۃً کوئی نشانی ﴿فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ﴾ پس ہو جائیں ان کی گردنیں ﴿لَهَا﴾ اس کے سامنے ﴿خٰضِعِیْنَ﴾ جھکنے والی ﴿وَ مَا یَاْتِیْهِمْ﴾ اور نہیں آتی ان کے پاس ﴿مِّنْ ذِكْرٍ﴾ کوئی نصیحت ﴿مِّنَ الرَّحْمٰنِ﴾ رحمان کی طرف سے ﴿مُحْدَثٍ﴾ تازہ ﴿اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ﴾ مگر ہوتے ہیں وہ اس سے ﴿مُعْرِضِیْنَ﴾ اعراض کرنے والے ﴿فَقَدْ كَذَّبُوْا﴾ پس تحقیق یہ جھٹلا چکے ہیں ﴿فَسَیَاْتِیْهِمْ﴾ پس عنقریب آئے گی ان کے پاس ﴿اَنْۢبٰٓؤُا﴾ حقیقت مَا اس چیز کی ﴿كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ تھے جس کے ساتھ یہ مذاق کرتے ﴿اَوَ لَمْ یَرَوْا﴾ کیا نہیں دیکھا انھوں نے ﴿اِلَى الْاَرْضِ﴾ زمین کی طرف ﴿كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا﴾ کتنی اُگائیں ہم نے اس میں ﴿مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ﴾ ہر قسم کی سبزیاں جوڑا جوڑا عمدہ ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰیَةً﴾ البتہ نشانی ہے ﴿وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اور نہیں ہیں ان کے اکثر ایمان لانے والے ﴿وَ اِنَّ رَبَّكَ﴾ اور بے شک آپ کا رب ﴿لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ البتہ وہ غالب ہے مہربان۔

مضامینِ سورت

اس سورت کا نام سورۃ الشعراء ہے۔اس میں شاعروں کی حیثیت کو واضح کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نہیں ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ مکہ اور عرب کے مشرکوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ شوشہ چھوڑا کہ یہ شاعر ہیں اور نہ صرف یہ کہ شاعر ہیں بلکہ کہا معاذ اللہ تعالیٰ یہ مجنون اور پاگل بھی ہیں۔عوام بڑے سطحی ہوتے ہیں ان میں حقیقت شناس بہت کم ہوتے ہیں۔شوشوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں تحقیق نہیں کرتے۔سورۃ الانبیاء آیت نمبر پانچ دیکھو! تاکہ تمھیں قرآن کریم کے ساتھ تھوڑی بہت نسبت ہو جائے۔﴿بَلْ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ﴾ "بلکہ ان لوگوں نے کہا یہ تو پریشان خواب ہیں (جو یہ پیش کرتا ہے۔) بلکہ اس کو گھڑ کر لایا ہے بلکہ یہ تو شاعر ہے۔" سورۃ صٰفّت کی آیت نمبر ترسٹھ [۳۶] نکالو۔ ﴿وَ یَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ﴾ "اور وہ کہتے ہیں کیا ہم چھوڑنے والے ہیں اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر

کی وجہ سے۔"

تو کافر آپ ﷺ کو دیوانہ، شاعر کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس سورت میں بتلائیں گے کہ شاعروں کو آپ ﷺ کے ساتھ کیا نسبت ہے ﴿وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ﴾ "اور بے شک وہ کہتے ہیں وہ جو کرتے نہیں ہیں۔" اور آپ ﷺ تو جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔ ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ "شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں۔" ان کی مجلس میں آزاد خیال لوگ ہوتے ہیں کردار کی کوئی چیز ان میں نہیں ہوتی۔ اور آپ ﷺ کی مجلس میں تو بڑے ہدایت یافتہ، پرہیز گار اور متقی لوگ ہوتے ہیں۔ اور شاعروں کا ظاہر کچھ ہوتا ہے باطن کچھ ہوتا ہے اور آپ ﷺ کی جو زبان پر ہے وہی دل میں ہے یہاں کوئی دورنگی نہیں ہے۔

یہ سورت مکہ مکرمہ میں سنتالیسویں [۴۷] نمبر پر نازل ہوئی ہے۔ اس میں گیارہ [۱۱] رکوع اور دو سو ستائیس [۲۲۷] آیات ہیں۔ ﴿طٰسٓمّٓ﴾۔ یہ حروف مقطعات ہیں اور قرآن کریم کی انتیس سورتیں ہیں جن کے شروع میں ایسے حروف آئے ہیں۔ کسی میں الم، کسی میں الر ہے، کسی میں حم ہے، کسی میں طس ہے۔ ان کے متعلق حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: هِيَ مِنْ اَسْمَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰى یہ حروف اللہ تعالیٰ کے ناموں کی طرف اشارہ ہیں۔ ط سے مراد طَيِّبٌ ہے جو اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اور س سے مراد سَمِيْعٌ ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾۔ مـ سے مراد مالک ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾۔ اسی طرح باقی حروف بھی اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی نام کی طرف اشارہ ہے۔

فرمایا ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ یہ جو تمھارے سامنے پڑھی جا رہی ہیں یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو حقیقت کو کھول کر بیان کرتی ہے۔ چوں کہ ہماری زبان عربی نہیں ہے اس لیے ہم قرآن پاک کی فصاحت اور بلاغت کو نہیں سمجھتے۔ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا دنیا آج تک اس کی مثال، اس کی نظیر نہیں پیش کر سکی۔ سارا قرآن تو درکنار ایک چھوٹی سی سورت کی مثال نہیں پیش کر سکی۔ محض دعووں سے تو کچھ نہیں بنتا کہ کوئی دعویٰ کرے کہ میں نے قرآن جیسی سورۃ بنائی ہے اس کی فصاحت بلاغت اور مفہوم کو دیکھنا ہے کہ کیا مقابلہ کر سکتی ہے؟ مثلاً: علامہ اقبال مرحوم جن کا شاعری میں بہت بلند مقام ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کیا فارسی میں اور کیا اردو میں۔ ان کے اردو اشعار کی مشہور کتاب ہے بانگ درا۔ گجرات میں ایک پاگل شاعر تھا امام دین۔ یہ قادیانی تھا بالکل اوٹ پٹانگ اس کا ذہن تھا۔ اس نے بانگ درا کے مقابلہ میں "بانگ دہل" لکھی۔ جس کو پڑھ کر آدمی سارا دن ہنستا رہتا ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے ؎

اگر ہو تم کو کچھ قبض کی شکایت تو کھالو مولیاں مٹر امام دینا
جنت کی سیٹیں تو پُر ہو چکی ہیں جہنم میں بے خوف وڑ امام دینا
؎ حکومت سے کہہ دو جہازوں کو روکے
یہ راتوں کو میرا تراہ نکالتے ہیں

یہ بانگ درا کا مقابلہ ہو رہا ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ، کیا مقابلہ ہے۔ تو قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی سورت جیسی سورت بھی آج تک کوئی نہیں لا سکا اور نہ قیامت تک لا سکے گا اور یہ وہ کتاب ہے جو حقیقت کو کھول کر رکھ دیتی ہے۔ ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ﴾ شاید آپ اپنی جان کو ضائع کر دیں ﴿أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ اس بات سے کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ایمان کے بارے میں بہت حریص تھے۔ یہ صفت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمائی ہے۔ ﴿حَرِيصٌ عَلَيْكُم﴾ "وہ تم پر حریص ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے حریص نہیں تھے بلکہ اس بات کی حرص تھی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ ایمان لے آئیں، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہدایت نصیب ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قرآن سناتے، تبلیغ کرتے اور ان سے کچھ لیتے بھی نہیں تھے۔ فرمایا ﴿وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [شعراء:۱۰۹] "اور میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں ہے میری مزدوری مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے۔" اب ظاہر بات ہے کہ ایک آدمی لوگوں کے فائدے کی بات کرے اور کرے بھی انھی کی زبان میں اور کرے بھی مفت اور ان کے گھروں میں جا جا کر سمجھائے، ان کے محلوں میں سمجھائے، بازاروں میں سمجھائے اور وہ سمجھنے کی بجائے مجنوں اور شاعر کہیں، ساحر اور کاہن کہیں اور جو ان کے منہ میں آئے کہیں تو دکھ تو ہوتا ہے، طبعی طور پر کوفت تو ہوتی ہے۔

مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام کی تکذیب کرتے تھے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو تو وہ نہیں جھٹلاتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام کو جھٹلاتے تھے۔ ایک موقع پر ابوجہل نے بازار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بازو پکڑ لیا اور کہا کہ یا محمد (ﷺ) لَا نُكَذِّبُكَ وَلٰكِنْ نُكَذِّبُ بِمَا جِئْتَ بِهٖ "ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے لیکن ہم اس چیز کی تکذیب کرتے ہیں جو آپ لے کر آئے ہیں۔" یہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں لا الٰہ الا اللہ یہ ہمیں قابل قبول نہیں ہے۔ تو ان باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغموم رہتے تھے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ غمگین آدمی جلد بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اس کے قویٰ جلد جواب دے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دور میں نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے فرض نہیں، کمزوری کی وجہ سے۔ حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کوئی زیادہ نہیں تھی۔ کل عمر ترسٹھ سال تھی۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا حضرت! شِبْتَ "آپ وقت سے پہلے بوڑھے ہو گئے ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَ اَخَوَاتُهَا)) "مجھے بوڑھا کر دیا سورۃ ہود اور اس جیسی سورتوں نے۔" سورت ہود میں اللہ تعالیٰ نے مجرم قوموں پر عذاب کا ذکر فرمایا ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم، ہود علیہ السلام کی قوم، صالح علیہ السلام کی قوم، شعیب علیہ السلام کی قوم اور بے شمار پیغمبروں کی قوموں کی تباہی کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا ﴿وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ﴾ "اور اسی طرح ہے تیرے رب کی پکڑ جس وقت کہ وہ پکڑتا ہے بستیوں کو۔" تو ان الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہوئے کہ کہیں میری اُمت نہ پکڑی جائے۔ تو غم کی وجہ سے انسان کا بدن کمزور ہو جاتا ہے، اعضاء جواب دے جاتے ہیں۔

تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ ایران کے ایک بادشاہ کا جسم روز بروز موٹا ہوتا جا رہا تھا بڑے ڈاکٹروں، حکیموں نے علاج کیا مگر کوئی فرق نہ پڑا۔ جوں جوں اس کا علاج کرتے وہ اور موٹا ہوتا جاتا۔ کھانا بھی کم کیا مگر موٹاپے میں کمی نہ آئی۔ ایک پرانا بوڑھا حکیم تلاش کیا اس نے کہا کہ میں علاج کروں گا ذرا ستارہ دیکھ لوں کہ شفا ہوگی بھی یا نہیں۔ یہ حکیم نجومی بھی تھا۔ چنانچہ حساب کا ڈرامہ رچا کر اس نے کہا کہ یہ چالیس دن کے بعد مر جائے گا۔ اگر یہ نہ مرے تو مجھے پھانسی پر لٹکا دینا۔ چالیس دن پورے ہوگئے اور وہ کھاتے پیتے بھی کمزور ہوگیا، جسم دبلا پتلا ہوگیا مگر مرا نہ۔ بادشاہ نے حکیم کو بلا کر پوچھا کہ تم تو کہتے تھے کہ میں مر جاؤں گا میں تو نہیں مرا؟ حکیم نے کہا کہ بادشاہ سلامت! یہ تو میں نے علاج کیا ہے۔

تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ شاید آپ اپنی جان ضائع کر دیں کہ یہ ایمان نہیں لاتے ان کے ایمان نہ لانے پر آپ پریشان نہ ہوں ﴿اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً﴾ اگر ہم چاہیں تو اُتار دیں ان پر آسمان سے کوئی نشانی ﴿فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ﴾ پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس نشانی کے سامنے جھکنے والیاں۔ ہم ان کو مجبور کر دیں جیسے بنی اسرائیل پر طور پہاڑ کو اُٹھایا تھا ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ﴾ [بقرہ: ۶۳] "اور اُٹھایا ہم نے تم پر طور کو کہ پکڑو جو کچھ ہم نے دیا ہے تمہیں مضبوطی کے ساتھ۔" تو رب تعالیٰ ایسی نشانیاں بھی نازل کر سکتا ہے۔

فرمایا ﴿وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ﴾ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نصیحت ﴿مِّنَ الرَّحْمٰنِ﴾ رحمان کی طرف سے ﴿مُحْدَثٍ﴾ تازہ۔ جو چیز رب تعالیٰ کی طرف سے تازہ بہ تازہ آتی ہے ﴿اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ﴾ مگر یہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ جو رب تعالیٰ کی طرف سے آیات نازل ہوتی ہیں، نصیحتیں اُترتی ہیں یہ نہیں مانتے ﴿فَقَدْ كَذَّبُوْا﴾ پس تحقیق یہ جھٹلا چکے ہیں ﴿فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ پس عنقریب آئے گی ان کے پاس حقیقت اس چیز کی جس کے ساتھ یہ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ آج تو یہ عذاب کے ساتھ مسخرہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [اعراف: ۷۰] "لے آ ہمارے پاس وہ عذاب جس سے ہمیں ڈراتا ہے۔" کبھی کہتے ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ "کب ہوگا یہ وعدہ؟" فرمایا جب آئے گا حقیقت کھل جائے گی اور اس وقت پتا چل جائے گا توحید کیا ہے اور شرک کیا ہے، سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے، سنت کیا ہے بدعت کیا ہے؟ اگر رب تعالیٰ کی قدرت کو سمجھنا ہو تو اس کی صنعت کو دیکھو سمجھ آ جائے گی۔

فرمایا ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ﴾ کیا انھوں نے نہیں دیکھا زمین کی طرف ﴿كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ﴾ کتنی اُگائیں ہم نے اس میں ہر قسم کی سبزیاں جوڑا جوڑا عمدہ۔ درختوں کی شکلوں کو دیکھو، ان کے پھلوں کو دیکھو، کتنے قسم قسم کے پھل ہیں۔ کوئی درخت بڑا ہے کوئی چھوٹا ہے ان میں نر بھی ہیں مادہ بھی ہیں۔ خربوزہ کئی قسم کا، تربوز کئی قسم کا، آم کئی قسم کا، سیب کئی قسم کا، گندم، جو، چنے، کئی قسم کے، کئی چیزیں میٹھی ہیں کئی چیزیں کڑوی ہیں۔ آم میٹھا ہے تُمّہ کڑوا ہے۔ اگر کوئی خدا کی قدرت کو سمجھنا چاہے تو کوئی مشکل بات نہیں ہے ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ بے شک اس میں رب کی قدرت کی نشانیاں ہیں ﴿وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں اکثر ان کے ایمان لانے والے۔ اس وقت تقریباً پانچ ارب انسان دنیا میں موجود ہیں ان میں

پانچواں حصہ مسلمانوں کا ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلواتے ہیں۔ پھر ان میں صحیح معنیٰ میں مسلمان بہت تھوڑے ہیں ساری دنیا کفر کے ساتھ بھری پڑی ہے ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ بے شک آپ کا رب غالب ہے مہربان ہے۔ غالب ہے چاہے تو ایک منٹ میں سب کو تباہ کر دے مگر مہربان ہے تمھیں موقع دیتا ہے توبہ استغفار کا۔

﴿وَاِذْ نَادٰى﴾ اور جب پکارا ﴿رَبُّكَ﴾ آپ کے رب نے ﴿مُوْسٰٓى﴾ موسیٰ علیہ السلام کو اَنِ یہ کہ ﴿ائْتِ﴾ آپ آئیں ﴿الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ظالم قوم کے پاس ﴿قَوْمَ فِرْعَوْنَ﴾ جو فرعون کی قوم ہے ﴿اَلَا يَتَّقُوْنَ﴾ وہ کیوں نہیں بچتے۔ کفر، شرک سے ﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ﴾ بے شک میں خوف کرتا ہوں ﴿اَنْ﴾ اس بات کا ﴿يُّكَذِّبُوْنِ﴾ کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے ﴿وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ﴾ اور میرا سینہ تنگ ہوگا ﴿وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ﴾ اور نہیں چلتی میری زبان روانی کے ساتھ ﴿فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ﴾ پس آپ نبوت کا پیغام بھیجیں ہارون کی طرف بھی (علیہ السلام) ﴿وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ﴾ اور ان لوگوں کا میرے ذمے ایک گناہ ہے ﴿فَاَخَافُ﴾ پس میں خوف کرتا ہوں ﴿اَنْ يَّقْتُلُوْنِ﴾ یہ کہ مجھے قتل کر دیں گے ﴿قَالَ﴾ فرمایا پروردگار نے ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں ﴿فَاذْهَبَا﴾ پس جاؤ تم دونوں ﴿بِاٰيٰتِنَآ﴾ ہماری نشانیاں لے کر ﴿اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ﴾ بے شک ہم تمھارے ساتھ سننے والے ہیں ﴿فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ﴾ پس جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس ﴿فَقُوْلَآ﴾ پس دونوں اس سے کہو ﴿اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ بے شک ہم رب العالمین کے رسول ہیں ﴿اَنْ اَرْسِلْ﴾ یہ کہ بھیج دے ﴿مَعَنَا﴾ ہمارے ساتھ ﴿بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ بنی اسرائیل کو ﴿قَالَ﴾ فرعون نے کہا ﴿اَلَمْ نُرَبِّكَ﴾ کیا ہم نے تجھ کو پالا نہیں ﴿فِيْنَا﴾ اپنے اندر ﴿وَلِيْدًا﴾ جب کہ آپ بچے تھے ﴿وَّلَبِثْتَ فِيْنَا﴾ اور آپ ٹھہرے ہمارے اندر ﴿مِنْ عُمُرِكَ﴾ اپنی عمر سے ﴿سِنِيْنَ﴾ کئی سال ﴿وَفَعَلْتَ﴾ اور کیا تم نے ﴿فَعْلَتَكَ﴾ اپنا کام ﴿الَّتِيْ فَعَلْتَ﴾ جو تم نے کیا ﴿وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور آپ ناشکری کرنے والوں میں سے ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿فَعَلْتُهَآ اِذًا﴾ کیا میں نے وہ کام اس وقت ﴿وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ اور میں خطا کاروں میں سے تھا ﴿فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ﴾ پس میں بھاگ گیا تم سے ﴿لَمَّا خِفْتُكُمْ﴾ جب میں نے تم سے خوف کیا ﴿فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ﴾ پس مجھے عطا کیا میرے رب نے ﴿حُكْمًا﴾ حکم ﴿وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور بنایا مجھے پیغمبروں میں سے ﴿وَتِلْكَ نِعْمَةٌ﴾ اور یہ احسان ہے ﴿تَمُنُّهَا عَلَيَّ﴾ جو تو نے احسان جتلایا ہے مجھ پر ﴿اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ کہ تم نے غلام بنا رکھا ہے بنی اسرائیل کو۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات سنا کر ایک تو آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ آج اگر آپ ﷺ کو جھٹلا رہے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے پیغمبروں کو بھی انھوں نے جھٹلایا ہے۔ پھر ان کا انجام یہ ہے کہ جھٹلانے والے ناکام ہوئے اور انبیائے کرام اور ان کے متبعین کامیاب ہوئے اور ساتھ ساتھ جھٹلانے والوں کو بھی سمجھایا گیا ہے کہ جیسے ان لوگوں پر عذاب آیا جنھوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تم پر بھی آسکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ پہلے اس لیے بیان فرمایا کہ سرزمین عرب پر آبادی کے لحاظ سے مشرکوں کے بعد یہود کا نمبر تھا اور یہ مشرکین ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے ان سے سودا سلف خریدتے تھے ایک دوسرے کے حالات سے آگاہ ہوتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سن لو! ﴿وَإِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى﴾ اور جب پکارا آپ کے رب نے موسیٰ علیہ السلام کو ﴿أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ یہ کہ آپ جائیں ظالم قوم کے پاس۔ اس مقام پر اجمال ہے اور دوسرے مقام پر تفصیل ہے۔ وہ تفصیل اس طرح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دس سال مدین میں رہے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس اور ان کی بڑی صاحب زادی حضرت صفورا کے ساتھ نکاح ہوا۔ مدین سے مصر کا سفر تقریباً آٹھ دس دن کا تھا۔ دس سال کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اجازت مانگی کہ میں اب اپنے آبائی گھر مصر جانا چاہتا ہوں اہل وعیال کے ساتھ کہ مجھ سے اتفاقاً ایک آدمی مر گیا تھا جا کر حالات کا جائزہ لیتا ہوں کہ وہ بات ان کے ذہنوں سے نکل گئی ہے یا نہیں۔ اگر ان کے ذہنوں سے نکل گئی ہے تو خیر ہے اور اگر ان کے ذہنوں میں ہے اور وہ میری تلاش میں ہیں تو پھر میں واپس آجاؤں گا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی اہلیہ نے اجازت دی کہ ٹھیک ہے چلے جاؤ کہ وہاں آپ کے والدین ہیں، بہن بھائی ہیں ان کا بھی حق ہے۔ سفر شروع ہوا پیدل سفر تھا رات کی تاریکی تھی راستہ بھول گئے۔ موسم بھی سردی کا تھا۔ وادی طویٰ کے مقام پر جب پہنچے تو اہل خانہ سے کہا ﴿إِنِّيْ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ [طٰہٰ: ۱۰] "تم ذرا یہاں ٹھہرو مجھے آگ نظر آرہی ہے۔" میں وہاں جا کر راستہ بھی پوچھتا ہوں اور آگ بھی لاتا ہوں تاکہ تم سیکو۔ وہاں جب پہنچے تو وہ حقیقی آگ تو نہیں تھی وہ تو اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلیات تھیں۔ وہاں رب تعالیٰ نے پکارا، آواز دی۔ اس کا ذکر ہے۔

﴿وَإِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى﴾ اور جب آواز دی آپ کے رب نے موسیٰ علیہ السلام کو ﴿أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ یہ کہ آپ جائیں ظالم قوم کے پاس اور ان کی اصلاح کریں۔ وہ ظالم قوم کون ہے؟ ﴿قَوْمَ فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی قوم۔ فرعون مصر کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا جیسے ہمارے ملک کے سربراہ کو صدر کہتے ہیں نام جو بھی ہو صدر پاکستان کہتے ہیں۔ تو صدر اور فرعون کا مفہوم ایک ہی ہے۔ نام الگ الگ ہوتے تھے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ یہ بڑا ہوشیار چالاک آدمی تھا جیسے آج کل کے لیڈر ہیں اسی طرح کا آدمی تھا۔ تو قوم فرعون کے پاس جائیں اور ان سے کہیں ﴿أَلَا يَتَّقُوْنَ﴾ کیا وہ بچتے نہیں ہیں کفر شرک سے، رب تعالیٰ کی نافرمانی سے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے یہ پیغام دیا تو قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے

کہا ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ﴾ بے شک میں خوف کرتا ہوں اس بات کا کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے ﴿وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ﴾ اور میرا سینہ تنگ ہوگا ﴿وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ﴾ اور میری زبان بھی روانی کے ساتھ نہیں چلتی فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ پس آپ بھیجیں نبوت کا پیغام ہارون کی طرف۔ میرے بھائی ہارون کو بھی رسول بنائیں تا کہ وہ میرا معین ومددگار ہو۔

سولہویں پارے میں پڑھ چکے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان کو صندوق میں رکھ کر بحرِ قلزم میں ڈال دیا اور وہ بہتا ہوا فرعون کے باغ میں جو تالاب تھا وہاں پہنچا تو باغ کے مالی یا فوجی نے اٹھا کر آسیہ بنت مزاحم کے حوالے کر دیا جو بڑی نیک خاتون تھی۔ فرعون نے کہا کہ اس بچے کو قتل کر دیں یہ وہی خطرناک بچہ ہوسکتا ہے جس کی وجہ سے میں نے بارہ ہزار بچے قتل کرائے ہیں۔ بیوی اَڑ گئی کہ اس کو قتل نہیں کرنا ﴿عَسٰٓى اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ [القصص: ۹] "اس کو قتل نہ کرو ہوسکتا ہے اس سے ہمیں فائدہ ہو یا اس کو ہم اپنا بیٹا بنا لیں۔" فرعون نے کہا کہ تجھے کوئی فائدہ معلوم ہوتا ہوگا مجھے تو کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ "اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے۔" آسیہ علیہا السلام کی نیت اچھی تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان جیسا فائدہ پہنچایا اور آخرت بن گئی۔ فرعون بدنیت تھا اس کو کچھ نہ ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ماں کی طرف لوٹا کر دودھ کا انتظام بھی کر دیا۔

فرعون موسیٰ علیہ السلام کو اُٹھاتا تو وہ عجیب عجیب حرکتیں کرتے۔ کبھی اس کی ناک میں انگلیاں ڈال دیتے، کبھی آنکھوں میں، کبھی منہ پر تھپڑ مار دیتے۔ فرعون نے کہا کہ یہ بچہ خطرناک ہے آسیہ بنت مزاحم علیہا السلام نے کہا کہ نہیں بچے ایسی ویسی حرکتیں کرتے ہیں ناسمجھ بچہ ہے اس کو کیا پتا؟ فرعون نے کہا کہ اتنا تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ بچہ ہے مگر وہ بچے اور ہوتے ہیں یہ بچہ اس طرح کا نہیں ہے۔ کہنے لگے امتحان لیتے ہیں۔ ایک پلیٹ میں ہیرا رکھ دیا اور دوسری طرف جلتا ہوا انگارا رکھ دیا کہ دیکھو یہ ہیرا اٹھاتا ہے یا انگارا۔ چھوٹے بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو چیز ہاتھ لگے منہ میں ڈال لیتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جلتا ہوا انگارا اٹھایا اور زبان پر رکھ دیا جس سے زبان متاثر ہوگئی۔ بعض دفعہ بولتے ہوئے الفاظ کی ادائیگی صحیح نہیں ہوتی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام اس کا حوالہ دے رہے ہیں کہ میری زبان روانی کے ساتھ نہیں چلتی ہارون کو بھی نبی بنا دیں۔

اور دوسری بات یہ ہے ﴿وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ﴾ اور ان کا میرے ذمے ایک گناہ ہے ﴿فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ﴾ پس میں خوف کرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ اس کا ذکر آگے سورۃ القصص میں آئے گا کہ دو آدمی لڑ رہے تھے ایک فرعون کے باورچی خانے کا انچارج تھا قاب اس کا نام تھا۔ دوسرا ایک مزدور تھا جس پر وہ ظلم کر رہا تھا۔ مزدور نے اپنی امداد کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو بلایا۔ انھوں نے اس انچارج افسر کو سمجھایا مگر وہ نہ سمجھا تو اس کو مکا مار دیا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کا مکا برداشت نہ کر سکا اور ڈھیر ہوگیا، مر گیا۔ اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام وہاں سے مدین چلے گئے۔ اس کا حوالہ دے رہے ہیں کہ ان لوگوں کا میرے ذمے ایک گناہ ہے اور مجھے خوف ہے کہ اس گناہ کے بدلے مجھے قتل نہ کر دیں۔

قَالَ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں قتل کر سکتے ﴿فَاذْهَبَا﴾ پس تم دونوں بھائی موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام جاؤ ﴿بِاٰیٰتِنَآ﴾ میری نشانیاں لے کر ﴿اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ﴾ بے شک ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہماری مدد اور نصرت تمھارے ساتھ

ہے اور سننے والے ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں ﴿فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ﴾ پس تم دونوں جاؤ فرعون کے پاس ﴿فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾ پس دونوں جا کر کہو ہم رب العالمین کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس جملے میں دو بنیادی چیزوں کا ذکر ہو گیا۔ رب العلمین میں رب تعالیٰ کی توحید آ گئی اور رسول کے لفظ میں رسالت آ گئی اور سولھویں پارے میں قیامت کا بھی ذکر ہے۔ تو پہلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام نے توحید بھی پیش کی اور رسالت کا مسئلہ بھی بیان فرمایا اور قیامت کا بھی فرمایا ﴿أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَاءِيلَ﴾ یہ کہ بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو، ان کو آزاد کر دے۔

واقعہ اس طرح ہوا کہ یوسف علیہ السلام پہلے کچھ عرصہ مصر کے وزیر خزانہ رہے۔ اس وقت جو فرعون تھا اس کا نام تھا ریان بن ولید۔ بڑا نیک دل اور صحیح الفطرت انسان تھا اس کے صحیح الفطرت ہونے کا اندازہ یہاں سے لگاؤ کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے سامنے حق کی بات پیش کی تو اس نے بغیر کسی قیل وقال کے فوراً اس کو قبول کر لیا۔ پھر حق کو قبول کرنے کے بعد تاج شاہی اتار کر یوسف علیہ السلام کے سر پر رکھ دیا۔ شاہی قلم جس کے ساتھ دستخط کرتا تھا اور مہر وغیرہ سب کچھ یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دیئے اور کہا کہ آج کے بعد آپ ملک مصر کے بادشاہ ہیں میں نہیں ہوں۔ آج کسی چپڑاسی کو کہو کہ عہدہ چھوڑ دے، چھوڑے گا نہیں اور آج ہمارے ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھی تمھارے سامنے ہے خدا کی پناہ! ایسا کسی ملک میں نہیں ہو رہا۔ حالاں کہ یہ ملک اسلام کے نام پر لیا گیا ہے اور حال یہ ہے کہ لوٹ مار، بددیانتی اور ناانصافی سے کوئی محکمہ خالی نہیں ہے۔ قتل، اغوا، زنا کے واقعات سے اخبارات بھرے ہوئے ہیں۔ اسلم بیگ بڑا اچھا آدمی ہے مگر اس کے متعلق بھی اخبارات میں آیا ہے کہ وہ بھی بنک کے سلسلے میں سولہ کروڑ میں آلودہ ہے۔ بچا ہوا کوئی بھی نہیں ہے اوپر سے لے کر نیچے تک سب کا ایک ہی حال ہے۔

تو خیر ریان بن ولید بڑا نیک دل بادشاہ تھا بادشاہی یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دی اور کہا کہ میرا تعاون تمھارے ساتھ رہے گا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ بادشاہ تم ہو۔ حق کو آپ نے قبول کر لیا ہے میرا کلمہ پڑھ لیا ہے۔ کہنے لگا حضرت! ایسا ہرگز نہیں ہو گا کہ میں کلمہ تمھارا پڑھوں اور بادشاہ رہوں یہ نہیں ہو سکتا۔ حکومت دے دی۔ اس میں نہ کوئی جھگڑا ہوا نہ احتجاج ہوا اس وقت یوسف علیہ السلام نے اپنے اہل خانہ کو مصر بلا لیا تھا اور سب وہاں آ کر آباد ہو گئے اور وہاں ان کی نسل خوب پھیلی۔ لیکن بعد کے جو فرعون تھے انھوں نے ان کو اپنا بیگاری بنا لیا ان سے بیگار لیتے تھے۔ اول تو پیسے نہیں دیتے تھے اور دیتے تو برائے نام۔ چوں کہ پیغمبروں کی اولاد میں سے تھے ان میں اچھے بھی تھے بُرے بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ان کو آزادی ملے تو موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور انھوں نے مطالبہ کیا کہ اے فرعون! بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج، ان کو آزادی دے۔ میں نے ان کو اپنے آبائی علاقہ ارض مقدس لے جانا ہے جہاں سے یہ آئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مظلوموں کو آزادی دلانا بھی دین کا حصہ ہے بہ شرطے کہ صحیح ہو۔

﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے ﴿أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا﴾ اے موسیٰ (علیہ السلام)! کیا ہم نے آپ کو پالا نہیں اپنے اندر جب کہ آپ بچے تھے ﴿وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ﴾ اور آپ ٹھہرے ہمارے ہمارے اندر اپنی عمر سے کئی سال۔ تیس سال آپ ہمارے

ہاں کھاتے پیتے رہے ہو ہم نے تمھاری پرورش کی ہے آج ہمیں کافر مشرک بنانے آگئے ہو اور آپ یہ بات بھول گئے ہو ہمیں یاد ہے۔ ﴿وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِىْ فَعَلْتَ﴾ اور آپ نے کی وہ کارروائی جو آپ نے کی کہ بندہ مار کر بھاگ گئے۔ آج اُلٹا ہمیں نصیحت کرنے آگئے ہو ﴿وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور آپ بڑے ناشکرے ہیں۔ تمھارا تو فریضہ تھا کہ تم ہماری خدمت کرتے ہمارا شکریہ ادا کرتے کہ میں تمھارا بڑا مشکور ہوں کہ تیس سال تم نے مجھے کھلایا پلایا خدمت کی مجھ سے اتفاقاً بندہ مر گیا تھا مجھے معاف کر دو، بادشاہ ہو رحم کی اپیل کرنے آیا ہوں، تجھے تو یہ کہنا چاہیے تھا، اُلٹا آپ ہمیں نصیحت کرنے آگئے ہیں یہ سب کچھ بھول گئے ہو۔

﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿فَعَلْتُهَآ اِذًا﴾ کہ میں نے وہ کارروائی اس وقت ﴿وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ اور میں خطا کاروں میں سے تھا۔ میں نے ارادۂ قتل سے نہیں مارا تھا۔ مکا کوئی آلۂ قتل تھوڑا ہی ہے۔ مکّے سے عادتاً آدمی نہیں مرتے۔ محمد علی کلے کی ساری کمائی ہی مکّے بازی کی ہے مکّے مار مار کر اور مکّے کھا کھا کر اس نے دولت اکٹھی کی ہے۔ اگر مکوں سے آدمی مرتے تو وہ کتنوں کا قاتل ہوتا اور خود بھی مر چکا ہوتا۔ میں اپنی خطا مانتا ہوں اور میرے رب نے وہ میری خطا معاف کر دی ہے۔ اس کا ذکر آگے سورۃ القصص میں آئے گا۔ کیوں کہ عمد اور خطا کا بڑا فرق ہے۔ یہ نیت پر مبنی ہے۔

عمد اور خطا میں فرق

اس کو آپ اس طرح سمجھیں کہ ایک آدمی قرآن کریم اُٹھانے لگا صحیح پکڑ نہیں سکا نیچے گر گیا یہ خطا ہے۔ اس پر مسلمان کتنا پریشان ہوتا ہے، استغفار کرتا ہے۔ اور ایک یہ ہے کہ جان بوجھ کر ارادتاً نیچے گرا دے تو یہ قرآن کی توہین ہے اور کفر ہے ایسا کرنے والا کافر ہے۔ دیکھو! کھیالی گوجرانوالا میں اس قسم کا ایک واقعہ پیش آیا ہے۔ اس کی پوری حقیقت تو مجھے معلوم نہیں ہے اخبارات میں ہی پڑھا ہے بظاہر بڑا ظلم ہے کہ حافظ قرآن نے قرآن کی توہین کی ہے۔ لیکن لگتا یوں ہے کہ حافظ قرآن کی کسی کے ساتھ ناچاقی ہوگی اور اس نے اس طرح بدلہ لیا ہے۔ دنیا میں عداوتیں بھی ہوتی ہیں کیوں کہ حافظ قرآن کا قرآن کی بے حرمتی کرنا بظاہر سمجھ میں نہیں آتا۔ کوئی نشئی (نشہ باز) ہوتا، بے دین ہوتا اس کے بارے میں مانا جا سکتا تھا لیکن دین دار گھرانہ ہو باپ بڑا نیک ہو اور خود حافظ قرآن ہو اور قرآن کی توہین کرے یہ بات بالکل عقل کے خلاف ہے۔ اور جن ظالموں نے انتقام لینا تھا لے لیا۔ مسلمان چاہے کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو وہ دو چیزوں کے بارے میں بڑا حساس ہے۔ قرآن پاک کے احترام میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بارے میں۔ دیکھو! منظور مسیح نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دیوار پر توہین آمیز کلمات لکھے تو اس دیہات کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے کیفر کردار تک پہنچا کر چھوڑا۔

تو فرمایا کہ میں نے ارادۃً تو قتل کا نہیں کیا تھا خطا ہو گئی تھی اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ جب تم نے میرے قتل کے منصوبے بنانے شروع کیے جن کی اطلاع مجھے میرے ایک خیر خواہ نے دی ﴿فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ﴾ پس میں تم سے بھاگ گیا ﴿لَمَّا خِفْتُكُمْ﴾ جب کہ میں نے تمھاری طرف سے خوف محسوس کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مہربانی فرمائی ﴿فَوَهَبَ لِىْ رَبِّىْ حُكْمًا﴾

پس مجھے عطا کیا میرے رب نے حکم ﴿وَّ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ اور بنایا مجھے رسولوں میں سے یعنی میرے سر پر تاج نبوت رکھا۔ اب میں رسول بن کر تمھارے پاس آیا ہوں تم نے میری پرورش کا مجھ پر احسان جتلایا ہے ﴿وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَیَّ﴾ اور یہ ایک احسان ہے جو تو نے احسان جتلایا ہے مجھ پر مگر حقیقت یہ ہے کہ میری پرورش بھی تیرے ہاں تیرے ظلم کی ہی وجہ سے ہوئی ہے تم نے بنی اسرائیل پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے، ان کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کروا دیتا تھا تیرے ظلم کے ڈر سے ہی میری والدہ نے مجھے صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا اللہ تعالیٰ کو اسی طرح منظور تھا کہ وہ صندوق تمھارے محل میں پہنچ گیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے قتل سے بچالیا۔ اس نے مجھے زندہ رکھنا تھا اور بڑا کام لینا تھا۔ تو اگر میں تمھارے گھر میں پلا ہوں تو تمھارے ظلم کے نتیجے میں پلا ہوں میرے اور بہن بھائی نہیں تھے وہ اپنے گھر میں نہیں ہیں؟ تو یہ تمھارا مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے۔ کیا یہی تمھارا احسان ہے ﴿اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ کہ تو نے ساری قوم بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ ایک فرد کی پرورش کر کے لاکھوں افراد کو غلام بنانا اور ان سے مشقت لینا کہاں کا انصاف ہے؟ خواہ مخواہ یہ احسان جتلا رہے ہو۔ مزید واقعہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ﴾ کہا فرعون نے ﴿وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور کیا حقیقت ہے رب العالمین کی ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ﴾ جو آسمانوں کا رب ہے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے اس کا رب ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ﴾ اگر ہو تم یقین کرنے والے قَالَ کہا فرعون نے ﴿لِمَنْ﴾ ان لوگوں کو ﴿حَوْلَهٗۤ﴾ جو اس کے اردگرد تھے ﴿اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ﴾ کیا تم سنتے نہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبُّكُمْ﴾ وہ تمھارا رب ہے ﴿وَ رَبُّ اٰبَآىٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ اور تمھارے پہلے آباؤ اجداد کا رب ہے ﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے ﴿اِنَّ رَسُوْلَكُمُ﴾ بے شک تمھارا رسول ﴿الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ﴾ جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے ﴿لَمَجْنُوْنٌ﴾ البتہ دیوانہ ہے ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ﴾ وہ رب ہے مشرق کا اور مغرب کا ﴿وَ مَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ اگر تم عقل رکھتے ہو ﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے ﴿لَىٕنِ اتَّخَذْتَ﴾ البتہ اگر بنایا آپ نے ﴿اِلٰهًا غَیْرِیْ﴾ کسی کو الہ میرے سوا ﴿لَاَجْعَلَنَّكَ﴾ البتہ میں تجھے کروں گا ﴿مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ﴾ قیدیوں میں سے ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اَوَ لَوْ جِئْتُكَ﴾ اگر چہ میں تیرے پاس لاؤں ﴿بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ﴾ ایسی بات جو کھلی ہو ﴿قَالَ﴾ فرعون نے کہا ﴿فَاْتِ بِهٖۤ﴾ پس لاؤ تم اس کو ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہو تم سچے لوگوں میں سے ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ﴾ پس ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ڈنڈا ﴿فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ﴾ پس وہ اچانک اژدھا بن گیا ﴿مُّبِیْنٌ﴾ کھلا ﴿وَّ نَزَعَ یَدَهٗ﴾ اور نکالا اپنا

ہاتھ ﴿فَاِذَا هِیَ﴾ پس اچانک وہ ﴿بَیْضَآءُ﴾ سفید تھا ﴿لِلنّٰظِرِیْنَ﴾ دیکھنے والوں کے لیے ﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے ﴿لِلْمَلَاِ﴾ اس جماعت کو ﴿حَوْلَهٗۤ﴾ جو اس کے اردگرد تھی ﴿اِنَّ هٰذَا﴾ بے شک یہ ﴿لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ﴾ البتہ جادوگر ہے بڑا جاننے والا ﴿یُّرِیْدُ﴾ ارادہ کرتا ہے ﴿اَنْ یُّخْرِجَكُمْ﴾ یہ کہ نکال دے تمہیں ﴿مِّنْ اَرْضِكُمْ﴾ تمہاری زمین سے ﴿بِسِحْرِهٖ﴾ اپنے جادو کے زور سے ﴿فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ﴾ پس تم کیا حکم دیتے ہو، کیا مشورہ دیتے ہو ﴿قَالُوْۤا﴾ کہنے لگے وہ ﴿اَرْجِهْ﴾ مہلت دے اس کو ﴿وَ اَخَاهُ﴾ اور اس کے بھائی کو ﴿وَ ابْعَثْ﴾ اور بھیج ﴿فِی الْمَدَآىٕنِ حٰشِرِیْنَ﴾ شہروں میں اکٹھے کرنے والے ﴿یَاْتُوْكَ﴾ لائیں گے وہ تمہارے پاس ﴿بِكُلِّ سَحَّارٍ﴾ ہر ایک بڑے جادوگر کو ﴿عَلِیْمٍ﴾ جو جاننے والا ہوگا فن کو ﴿فَجُمِعَ السَّحَرَةُ﴾ پس جمع کیے گئے جادوگر ﴿لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ ایک معلوم دن کے مقرر وقت کے اندر۔

کل کے درس میں تم نے یہ بات سنی کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر حکم دیا کہ فرعون کو جا کر تبلیغ کرو۔ چنانچہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں فرعون کے دربار میں پہنچے۔ فرعون کا بہت بلند تخت تھا اور تخت کے اُوپر کرسی تھی جس پر وہ تاج پہن کر بیٹھا تھا اور اس کے دائیں بائیں سامنے وزیر مشیر وغیرہ بڑا عملہ موجود تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ "ہم رب العالمین کے رسول ہیں۔" فرعون نے اس جملے پر گرفت کرتے ہوئے ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ﴾ کہا فرعون نے ﴿وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ عربی میں مَنْ کا لفظ ذوالعقول کے لیے بولا جاتا ہے مَنْ کا معنیٰ ہے کون؟ اور ما کا معنیٰ ہے کیا چیز؟ معنیٰ ہوگا رب العالمین کیا چیز ہے، رب العالمین کیا شے ہے؟ ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ رب العالمین وہ ہے جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ آسمانوں کی تربیت کرنے والا زمین کی تربیت کرنے والا ﴿وَ مَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے سب کا رب صرف وہی ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ﴾ اگر ہو تم یقین کرنے والے۔ ﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے ﴿لِمَنْ حَوْلَهٗۤ﴾ ان لوگوں کو جو اس کے اردگرد تھے وزیر، مشیر اور دیگر عملہ اور کابینہ کے افراد ﴿اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ﴾ کیا تم سنتے نہیں یہ کیا کہہ رہا ہے۔

اس کے متعلق تفسیروں میں دو باتیں منقول ہیں اور وہ خوب سمجھنے والی ہیں۔ ایک یہ کہ فرعون نے کہا کہ ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ [سورۃ النازعات] "تمہارا بڑا رب تو میں ہوں۔" میری موجودگی میں یہ اور رب کہاں سے نکال لایا ہے تم سنتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ یہ کہتا ہے اور بھی کوئی رب ہے۔ اور آگے آرہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی کہا کہ میرے سوا آپ نے کوئی اور الٰہ بنایا تو میں تجھے قید کردوں گا۔ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآىٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے آباؤ اجداد کا بھی رب ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ آسمانوں کا رب، زمینوں کا رب، فضا کا رب، تمہارا رب اور تم سے پہلوں کا رب ہے۔

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ حرف مَا عربی گرائمر کے لحاظ سے کسی چیز کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے آتا ہے۔ مزید یہ بات بھی سمجھ لیں کہ ایک شے کی حقیقت ہوتی ہے ایک اس کی صفت ہوتی ہے۔ مثلاً: ایک شخص کا نام محمد عبداللہ ہے اور وہ حافظ بھی

ہے، قاری بھی ہے، منشی بھی ہے، سخی بھی ہے، تو یہ اس کی صفات ہیں۔ نام اس کا عبداللہ ہے۔ تو ما کے ساتھ حقیقت کے متعلق سوال ہوتا ہے۔ فرعون نے کہا ﴿مَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ یہ بتلاؤ کہ رب العالمین کی حقیقت کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے رب کی حقیقت نہیں بتلائی صفات بیان فرمائیں، وہ آسمانوں کا پالنے والا ہے، زمینوں کا پالنے والا ہے، تمھارا پالنے والا ہے، تمھارے باپ دادوں کا پالنے والا ہے۔ تو ﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے ﴿اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ﴾ بے شک تمھارا رسول جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے البتہ دیوانہ ہے، نرا پاگل ہے۔ میں سوال کرتا ہوں رب کی حقیقت کے بارے میں اور وہ جواب دیتا ہے اس کی صفات کے بارے میں۔ کوئی مطابقت نہیں ہے۔ بڑا گہرا منطقی تھا آخر بادشاہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی حقیقت کیوں نہیں بیان فرمائی؟ تو اسی مقام پر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی حقیقت کو جانتا کون ہے؟ کوئی نہیں جانتا۔ رب تعالیٰ کو جانتے ہیں اس کی صفات کے ساتھ کہ وہ خالق ہے، مالک ہے، رازق ہے، حاضر ناظر ہے، عالم الغیب والشہادہ ہے، مختار کل ہے، زندہ کرنے والا ہے، مارنے والا ہے، شفا دینے والا ہے۔

دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں کہ تیری پہچان یہی ہے

تو رب کی حقیقت کو کون سمجھ سکتا ہے۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے حقیقت نہیں بیان فرمائی صفات بیان فرمائیں۔ تو فرعون نے کہا کہ میں حقیقت پوچھتا ہوں یہ صفات بیان کرتا ہے رسول تمھارا دیوانہ ہے معاذ اللہ تعالیٰ!، سوال جواب میں مطابقت نہیں سمجھتا۔ موسیٰ علیہ السلام پھر بول پڑے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ وہ رب ہے مشرق کا اور مغرب کا ﴿وَمَا بَیْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اگر تمھیں کوئی عقل و سمجھ ہے۔ فرعون آخر بادشاہ تھا اقتدار کا ڈنڈا اس کے پاس تھا اور تھا بھی ظالم جابر ﴿قَالَ﴾ فرعون نے کہا ﴿لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ﴾ اگر آپ نے بنایا الٰہ میرے علاوہ کسی اور کو ﴿لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ﴾ تو میں ضرور تجھے قیدیوں میں سے کر دوں گا میرے سوا یہاں اور کوئی الٰہ نہیں ہے۔ ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ﴾ کیا اگرچہ میں لاؤں تیرے ایسی بات جو کھلی ہو۔ کھلی نشانی لاؤں، معجزہ دکھاؤں پھر بھی نہیں مانو گے ﴿قَالَ﴾ فرعون نے کہا ﴿فَاْتِ بِهٖۤ﴾ پس لاؤ تم اس کو جو چیز تم دکھلانا چاہتے ہو ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہیں آپ سچوں میں سے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے معجزے دکھانے لگے ہیں ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ﴾ پس ڈالی موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی پس اچانک وہ اژدہا بن گیا۔

یہاں تفسیروں میں اس موقع کا عجیب نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ فرعون اپنے بلند تخت پر بیٹھا ہوا تھا جو کہ موتیوں سے جوڑا ہوا تھا تاج شاہی اس کے سر پر تھا کابینہ کے تمام افراد موجود تھے بڑا وسیع ہال تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا اور اس نے فرعون کی طرف رخ کیا تو فرعون بدحواس ہو کر کرسی سے نیچے گر پڑا کرسی اس کے اوپر۔ تاج کہیں جا پڑا اور کابینہ کے افراد میں افراتفری پھیل گئی۔ چوں کہ فرعون بڑا ظالم جابر تھا ہال سے باہر تو کوئی نہ نکلا کناروں کے ساتھ

لگ کر کھڑے ہو گئے اور کانپ رہے تھے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اژدہا پر ہاتھ رکھا تو وہ لاٹھی بن گیا۔ دوسرا معجزہ اپنا ہاتھ مبارک گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ سورج کی روشنی کو بھی ماند کر رہا تھا۔ اب انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ فرعون مان لیتا، ایمان لے آتا کیوں کہ اس نے کہا تھا کہ کرشمہ دکھاؤ لیکن نہیں مانا کیوں کہ اقتدار چھوڑنا، کرسی چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ سورۃ نمل آیت نمبر ۱۴ میں ہے ﴿وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ﴾ "حالاں کہ یقین کیا اس کے بارے میں ان کی جانوں نے۔" فرعون، ہامان، قارون وغیرہ کے دل میں یقین تھا کہ واقعی یہ معجزے ہیں اور یہ پیغمبر ہے مگر نہیں مانے ﴿ظُلْمًا وَعُلُوًّا﴾ "ظلم اور تکبر کی بنا پر۔" بہت سے کافر دنیا میں ایسے ہیں جو حق کو سمجھتے ہیں مگر پھر بھی نہیں مانتے۔ قرآن پاک میں یہود کے متعلق آتا ہے کہ ﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ﴾ [بقرہ: ۱۴۶] "حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔" لیکن اس کے باوجود نہیں مانتے۔

فرمایا ﴿وَنَزَعَ يَدَهُ﴾ اور نکالا اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر ﴿فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ﴾ پس اچانک وہ سفید تھا دیکھنے والوں کے لیے ﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے ﴿لِلْمَلَإِ﴾ اس جماعت کو ﴿حَوْلَهُ﴾ جو اس کے اردگرد تھی۔ کابینہ کے افراد، وزیر، مشیر وغیرہ نے کیا کہا ﴿إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ﴾ بے شک یہ موسیٰ علیہ السلام البتہ جادوگر ہے جاننے والا ہے فن کا۔ دیکھتے ہیں کیا کرتا ہے ﴿يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ﴾ ارادہ کرتا ہے کہ نکال دے تمھیں تمھاری زمین سے اپنے جادو کے زور کے ساتھ۔ یہ سارا دھندا اس کا اقتدار کے لیے ہے۔ سورت یونس آیت نمبر ۷۸ میں ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا ﴿وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ﴾ "اور ہو جائے تم دونوں کے لیے بڑائی زمین میں۔" تم ہمارے سے حکومت لینا چاہتے ہو۔

تو کہنے لگا کابینہ کو کہ یہ ہمارے سے اقتدار چھیننا چاہتا ہے ﴿فَمَاذَا تَأْمُرُونَ﴾ پس تم کیا حکم کرتے ہو، کیا مشورہ دیتے ہو ﴿قَالُوا﴾ انھوں نے کہا ﴿أَرْجِهْ وَأَخَاهُ﴾ مہلت دے اس کو اور اس کے بھائی کو ان کے ساتھ۔ ایک وقت مقرر کر دو ہم مقابلہ کریں گے ﴿وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ﴾ اور بھیج دو شہروں میں جمع کرنے والوں کو ﴿يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ﴾ لائیں گے وہ آپ کے پاس ہر ایک بڑے جادوگر کو۔ موسیٰ علیہ السلام نے وقت مقرر کیا ﴿يَوْمُ الزِّينَةِ﴾ عید کا دن ﴿وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ [طٰہٰ: ۵۹] "اور یہ کہ لوگ چاشت کے وقت جمع ہوں۔" تقریباً گیارہ بجے کیوں کہ عید کے دن چھٹی ہوتی ہے اور گیارہ بجے کا وقت قریب و دور سب کے لیے موزوں وقت ہوتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ جمع ہو جائیں اور حقیقت کو دیکھ لیں۔ بہت بڑا، وسیع میدان تھا اس میں فرعون کا تخت لگا کر اس پر کرسی رکھی گئی اس کے پیچھے اس کے وزیر اعظم ہامان کی کرسی بچھائی گئی درجہ بدرجہ سب کی کرسیاں رکھ دی گئیں۔ فوج پولیس بھی آ گئی، عوام بھی آ گئے، مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، مخلوق کتنی ہو گی اس کا اندازہ تم اس سے لگاؤ کہ بہتر ہزار تو صرف جادوگر تھے۔ دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور چند کمزور آدمی سادہ لباس میں، موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں عصا مبارک تھا عوام بڑے سطحی ہوتے ہیں وہ مذاق اُڑاتے تھے کہ ان چند ملنگوں نے بادشاہی کا مقابلہ کرنا ہے گانے والے گا رہے ہیں اور نعرے مارنے والے نعرے لگا رہے ہیں۔ فرعون کے غلبے کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم

غالب آئیں گے۔

جب میدان سج گیا تو جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تم نے پہل کرنی ہے یا ہم نے پہل کرنی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ﴾ [یونس: ۸۰] "ڈالو تم جو کچھ ڈالنے والے ہو" نکالو جو تم نے سانپ نکالنے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک نے ایک ایک لاٹھی اور ایک ایک رسی ڈالی۔ ایک لاکھ چوالیس ہزار سانپ نظر آنے لگے۔ ایک سانپ نکل آئے تو لوگوں کے ہوش اُڑ جاتے ہیں کوئی اِدھر کو بھاگ رہا ہے کوئی اُدھر کو بھاگ رہا ہے نعرے لگ رہے ہیں۔ جادوگر بھی خوش، فرعون بھی خوش کہ آج ہمارا غلبہ ہوگا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ڈنڈا ڈالا۔ اس نے ان کو ایک ایک کر کے ایسے نگلا جیسے مرغی دانے چگ لیتی ہے۔ ایک سانپ بھی نہ رہا میدان صاف ہو گیا صرف موسیٰ علیہ السلام کا اژدہا نظر آ رہا تھا۔ جادوگر اپنے فن کے ماہر تھے وہ سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے حقیقت ہے۔ سر سجدے میں ڈال دیئے اور کہنے لگے ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ "ہم ایمان لائے رب العالمین پر۔" انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ فرعون بھی مان لیتا کیوں کہ اس کے وکیل جادوگر مقدمہ ہار چکے تھے مگر اس نے دھمکیاں دینا شروع کر دیں کہ میں تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا تمھیں سولی پر لٹکاؤں گا اور ستر (۷۰) کے قریب جادوگر اس نے سولی پر لٹکائے بھی۔ فرمایا ﴿فَجُمِعَ السَّحَرَةُ﴾ پس جمع کیے گئے جادوگر ﴿لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ ایک معلوم دن کے مقرر وقت کے اندر۔ باقی کچھ حصہ کل کے سبق میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

﴿وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ﴾ اور کہا گیا لوگوں کو ﴿هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ﴾ کیا تم اکٹھے ہو گے ﴿لَعَلَّنَا﴾ تاکہ ہم ﴿نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ﴾ پیروی کریں جادوگروں کی ﴿اِنْ كَانُوْا﴾ اگر ہوں وہ ﴿هُمُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ غلبہ پانے والے ﴿فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ﴾ پس جس وقت آئے جادوگر ﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿لِفِرْعَوْنَ﴾ فرعون کو ﴿اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا﴾ کیا بے شک ہمارے لیے کوئی معاوضہ بھی ہوگا ﴿اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ اگر ہوئے ہم غلبہ پانے والے ﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے ﴿نَعَمْ﴾ ہاں ﴿وَاِنَّكُمْ اِذًا﴾ اور بے شک تم اس وقت ﴿لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ مقرب لوگوں میں سے ہو گے ﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى﴾ فرمایا ان جادوگروں سے موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اَلْقُوْا﴾ ڈالو تم ﴿مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ﴾ جو تم ڈالنے والے ہو ﴿فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ﴾ پس ڈالی انھوں نے اپنی رسیاں ﴿وَعِصِيَّهُمْ﴾ اور اپنی لاٹھیاں ﴿وَقَالُوْا﴾ اور انھوں نے کہا ﴿بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ﴾ قسم ہے فرعون کے غلبے کی ﴿اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ بے شک ہم غالب ہوں گے ﴿فَاَلْقٰى مُوْسٰى﴾ پس ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿عَصَاهُ﴾ اپنی لاٹھی کو ﴿فَاِذَا هِيَ﴾ پس اچانک وہ ﴿تَلْقَفُ﴾ نگلتی تھی ﴿مَا﴾

اس چیز کو ﴿یَاْفِكُوْنَ﴾ جو انھوں نے بنایا تھا ﴿فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ﴾ پس ڈال دیئے گئے جادوگر ﴿سٰجِدِیْنَ﴾ سجدہ کرنے والے ﴿قَالُوْۤا﴾ کہنے لگے ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ہم ایمان لائے رب العالمین پر ﴿رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ﴾ جو رب ہے موسیٰ کا اور ہارون علیہما السلام کا ﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے ﴿اٰمَنْتُمْ لَهٗ﴾ ایمان لائے ہو تم اس پر ﴿قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ پہلے اس سے کہ میں تم کو اجازت دیتا ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک یہ ﴿لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ﴾ البتہ تمھارا بڑا ہے جس نے ﴿عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ تمھیں جادو سکھایا ہے ﴿فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پس البتہ عنقریب تم جان لو گے ﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ﴾ البتہ میں ضرور کاٹوں گا تمھارے ہاتھوں کو ﴿وَ اَرْجُلَكُمْ﴾ اور تمھارے پاؤں کو ﴿مِّنْ خِلَافٍ﴾ الٹے ﴿وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ اور البتہ ضرور سولی پر لٹکاؤں گا سب کو ﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿لَا ضَیْرَ﴾ کوئی ضرر نہیں ﴿اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ﴾ بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿اِنَّا نَطْمَعُ﴾ بے شک ہم طمع کرتے ہیں ﴿اَنْ﴾ اس بات کا ﴿یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا﴾ بخش دے گا ہمیں ہمارا رب ﴿خَطٰیٰنَاۤ﴾ ہماری خطائیں ﴿اَنْ كُنَّاۤ﴾ اس لیے کہ ہم ہوئے ﴿اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ایمان لانے والوں میں سے پہلے۔

پہلے سے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا قصہ چلا آرہا ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت دے کر فرعون اور اس کی ظالم قوم کی طرف بھیجا اور دو معجزے عطا فرمائے۔ ایک لاٹھی کا اژدھا بن جانا اور اور پھر لاٹھی بن جانا اور دوسرا ہاتھ مبارک کا سورج کی طرح چمکنا۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں بھائی فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس کو بتایا کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں اور اس کو توحید و رسالت سے آگاہ کیا۔ اس پر فرعون نے دھمکی دی کہ اگر میرے سوا کسی اور کو الٰہ مانا تو میں تمھیں جیل میں ڈال دوں گا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں کھلی نشانی دکھاؤں پھر بھی تو ایسا کرے گا۔ تو فرعون نے کہا کہ نشانی دکھاؤ اگر تم سچے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا اور اس کا رخ فرعون کی طرف تھا فرعون بدحواس ہو کر کرسی سے نیچے گر پڑا۔ ہوش ٹھکانے آیا تو مشیروں سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے اپنی رائے دو۔ وزیروں مشیروں نے کہا کہ جادوگر اکٹھے کر کے اس کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگے ہمارے ساتھ دن اور وقت مقرر کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا عید کے دن چاشت کے وقت مقابلہ ہو گا۔ چنانچہ فرعون نے تمام شہروں میں چپڑاسی اور کارندے بھیج کر جادوگر اکٹھے کیے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بہتر ہزار تک تعداد نقل کی ہے۔

جب دن اور وقت مقرر کر لیا گیا تو ﴿وَّ قِیْلَ لِلنَّاسِ﴾ اور کہا گیا لوگوں کو ﴿هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ﴾ کیا تم اکٹھے ہو گے عید والے دن چاشت کے وقت فلاں میدان میں ﴿لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ﴾۔ سَحَرَةٌ سَاحِرٌ کی جمع ہے۔ تاکہ ہم پیروی کریں جادوگروں کی ﴿اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ﴾ اگر ہوں وہ جادوگر غلبہ پانے والے یعنی اگر ہمارے جادوگروں نے ان کو شکست دے دی تو پھر

ہم اپنے موجودہ طریقے پر قائم رہتے ہوئے انھی کی پیروی کرتے رہیں گے اور ہمیں اپنا دین تبدیل نہیں کرنا پڑے گا ﴿فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ﴾ پس جس وقت جادوگر آئے وقت مقرر پر تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ فرعون بڑا ظالم ہے پہلے اس سے اپنا خرچہ طے کرلو کہ ہم دور دراز سے خرچہ کر کے آئے ہیں کوئی پچاس میل سے کوئی سو میل سے کوئی دو سو میل سے کوئی تین سو میل سے یا اس سے کم وبیش۔ کسی کے ساتھ دو ملازم ہیں کسی کے ساتھ تین ملازم ہیں کسی کے ساتھ دو سواریاں ہیں کسی کے ساتھ تین سواریاں ہیں ان کا کیا بنے گا؟ اس سے خرچہ منوالو کہ ہمیں خرچہ بھی ملے گا یا ویسے ہی ٹرخا دو گے۔ چنانچہ جادوگروں کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ معاوضے کی بات کرو۔ اس کا ذکر ہے۔

﴿قَالُوا لِفِرْعَوْنَ﴾ کہا انھوں نے فرعون کو ﴿اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا﴾ کیا بے شک ہمیں کوئی معاوضہ بھی ملے گا ﴿اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ اگر ہو گئے ہم غلبہ پانے والے ﴿قَالَ﴾ فرعون نے کہا ﴿نَعَمْ﴾ ہاں! تمھیں باقاعدہ خرچہ بھی ملے گا اور اس کے علاوہ ﴿وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ اور بے شک تم اس وقت جب تم غالب آگئے مقرب لوگوں میں سے ہو گے۔ ہر حکومت اپنے وفادار لوگوں کو انعام کے ساتھ ساتھ القاب بھی دیتی ہے۔ سر کا خطاب، ذیل دار صاحب، فلاں صاحب، فلاں صاحب۔ تو تمھیں سرکاری طور پر القاب بھی ملیں گے۔ ایک طرف بہتر ہزار جادوگر، لاکھوں کی تعداد میں تماشائی لوگ جمع ہیں اور دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھ تھوڑے سے آدمی ہیں۔ لوگوں نے باتیں کیں کہ یہ کیا مقابلہ کریں گے بادشاہ کا۔ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۶۵ میں ہے جادوگروں نے کہا اے موسیٰ! ﴿اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى﴾ "یا تو آپ ڈالیں پہلے یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے۔" اس کا ذکر ہے۔ ﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں کو ﴿اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ﴾ ڈالو جو تم ڈالنا چاہتے ہو جو تم نے سانپ نکالنے ہیں نکالو ﴿فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ﴾ پس ڈالی انھوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں۔ حِبَال حَبْل کی جمع ہے جس کا معنیٰ رسی ہے اور عِصِيٌّ عصا کی جمع ہے جس کا معنیٰ لاٹھی ہے انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں ہر ہر جادوگر نے دو دو سانپ نکالے اور یہ جادو کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

جادو کے متعلق اہل سنت والجماعت کا نظریہ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ہاروت ماروت کی تفسیر میں لکھتے ہیں تفسیر کبیر میں کہ اہل سنت والجماعت کا یہ نظریہ ہے کہ جادو کے ذریعے بندے کو گدھا اور گدھے کو بندہ بنایا جا سکتا ہے یعنی جادو کی بعض ایسی قسمیں بھی ہیں ان کا اتنا اثر ہے کہ بندے کو گدھا بنا دیں یا گدھے کو بندہ بنا دیں اور پھر یہ اہل سنت والجماعت کا مسلک بتاتے ہیں۔

تو انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا ان جادوگروں نے ﴿بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ یہ با قسم کی ہے۔ قسم ہے فرعون کے غلبہ کی البتہ ہم غالب ہونے والے ہیں۔ ہم نے اتنے سانپ نکال دیئے ہیں کون مقابلہ کرے گا اور کیا مقابلہ کرے گا ﴿فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ﴾ پس ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک ان کے سانپ نکالنے کے بعد

لاٹھی جب ڈالی ﴿فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ﴾ پس وہ اچانک اژدہا بن گئی کھلا ﴿فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ﴾ پس اچانک وہ لاٹھی نگلنے لگ گئی جو کچھ انھوں نے بنایا تھا۔ اِفْك کا معنیٰ ہوتا ہے جھوٹ۔ جو انھوں نے جھوٹ بنایا تھا سانگ رچایا تھا حق کے مقابلے میں، لاٹھی نے نگلنا شروع کر دیا اور سب کو نگل گئی۔ جس طرح مرغیوں کو دانے ڈالتے ہیں تو وہ جلدی جلدی چگ کر صاف کر دیتی ہیں۔ اس طرح ان کے سانپوں کو صاف کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس پر ہاتھ رکھا تو وہ دوبارہ لاٹھی بن گئی۔ جادوگر جو اپنے فن کے ماہر تھے وہ سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے کیوں کہ جادو میں اتنا اثر نہیں ہے کہ وہ آناً فاناً سب کو نگل جائے اور پھر دوبارہ لاٹھی بن جائے۔ لہٰذا سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ﴾ پس ڈال دیئے گئے جادوگر سجدے میں۔ تمام جادوگروں نے سجدے میں گر کر کہا ﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ہم ایمان لائے رب العالمین پر۔ کون رب؟ ﴿رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ﴾ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا رب۔ ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب جادوگر ایمان لے آئے تھے تو فرعون بھی ایمان لے آتا کیوں کہ جادوگر اس کے وکیل تھے اور جب وکیل مقدمہ ہار جاتا ہے تو مؤکل بھی ہارا ہوا ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وکیل ہارا ہے مؤکل تو نہیں ہارا۔ جب جادوگر ہار گئے تو فرعون بھی ہار گیا۔ جادوگر ایمان لے آئے انصاف کا تقاضا تھا کہ یہ ایمان لے آتا مگر اقتدار بڑی بُری چیز ہے اس کو چمٹا رہا اور ﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے جادوگروں کو ﴿اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ ایمان لائے ہو تم اس پر پہلے اس سے کہ میں تمھیں اجازت دیتا۔ کس کی اجازت سے تم ایمان لائے ہو بلایا تمھیں میں نے ہے، مہمان تم میرے ہو، خرچہ تمھیں میں نے دینا ہے اور میری اجازت کے بغیر ایمان لے آئے ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ ﴿اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ بے شک موسیٰ علیہ السلام تمھارا بڑا ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ تمھارا استاد ہے تم اس کے شاگرد ہو تم حکومت کو دھوکا دیتے ہو ﴿فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پس البتہ عنقریب تم جان لو گے۔ کیا جان لو گے؟ ﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ﴾ البتہ ضرور میں تمھارے ہاتھ کاٹوں گا اور تمھارے پاؤں کاٹوں گا ﴿مِّنْ خِلَافٍ﴾ الٹے۔ یعنی دایاں ہاتھ بایاں پاؤں اور مِنْ کو تعلیلیہ بناؤ تو پھر مطلب یہ ہوگا لِاَجْلِ خِلَافِكُمْ چوں کہ تم نے میری مخالفت کی ہے اس لیے میں تمھارے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا۔ یہ دونوں تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔ ﴿وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ اور میں تم سب کو سولی پر لٹکاؤں گا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں نقل فرماتے ہیں اور معالم التنزیل وغیرہ میں بھی ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اور عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے بلند طبقے کے تابعین میں سے ہیں بھی فرماتے ہیں کہ فرعون نے اعلان کرنے کے بعد کہا کہ تم میں سے جو ماہر اور بڑے جادوگر ہیں وہ آگے آجائیں۔ تو سب نے لائن لگالی ایک بھی نہیں بھاگا۔ سبعین رجلًا ستر جادوگر جو اب مومن ہو چکے تھے ان کو اس نے سولی پر لٹکا دیا، فرعون نے دیکھا کہ یہ تو پیچھے لائن لگی ہوئی ہے اور بھاگنے کا کوئی نام بھی نہیں لے رہا میں نے تو سوچا تھا کہ یہ ڈر کر بھاگ جائیں گے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ ایک سے ایک آگے بڑھتا تھا اور کہتا تھا کہ

پھانسی میں میرا پہلا نمبر آئے۔ تو بدنامی سے بچنے کے لیے باقیوں کو اس نے چھوڑ دیا۔ ایمان کا بڑا جذبہ اور طاقت ہوتی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی قوت ایمانی اور رافضی نظریہ

یہ تو ہمارے سامنے کی بات ہے۔ ۱۹۵۳ء میں جب ختم نبوت کی تحریک چلی تو لاہور میں جنرل اعظم نے دس ہزار نوجوانوں کو بھون ڈالا تھا وہ نوجوان چھاتی کھول کر سامنے آتے تھے کہ مارو ہمیں۔ دیکھو! یہ لوگ پہلے جادوگر تھے ایمان لائے ہیں ابھی تک انھوں نے نہ کوئی نماز پڑھی ہے اور نہ کوئی روزہ رکھا ہے یوں سمجھو کہ گیارہ بجے ایمان لائے اور ایک بجے سے پہلے پہلے سولی پر لٹکا دیئے گئے ان کی نماز کا وقت ہی کوئی نہیں تھا۔ بات ساری ایمانی قوت کی ہے۔ ایمان نہیں چھوڑا سولی پر لٹک گئے۔ یہ تو موسیٰ علیہ السلام کے امتی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی تو تمام امتوں میں اعلیٰ اور افضل ہیں ان کا ایمان کتنا قوی اور مضبوط ہوگا۔ مگر رافضی کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دنیا سے رخصت ہوئے:

ہمہ مرتد گشتند الا سہ و چہار کس

تین چار کے علاوہ سب مرتد ہو گئے تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ موسیٰ علیہ السلام کی اُمت بہادر نکلی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت بہت بزدل نکلی کہ تیئس (۲۳) سال آپ نے ان کو تعلیم دی مسجد میں، میدان میں، گلیوں میں، بازاروں میں اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تین چار کے سوا سارے مرتد ہو گئے معاذ اللہ تعالیٰ، العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔ پھر تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں ناکام معلم رہے۔ ایسا کہنا صراحۃً کفر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ وہ ہر طرح کی تکلیف جھیل گئے مگر ایمان نہیں چھوڑا، شہید ہو گئے، ٹکڑے بنا دیئے گئے مگر ایمان نہیں چھوڑا۔ زاد المعاد وغیرہ میں حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کا واقعہ مفصل موجود ہے اور اصل واقعہ بخاری شریف میں بھی موجود ہے ان کو جب سولی پر لٹکانے کے لیے حرم سے باہر لایا گیا تو ابوسفیان نے کہا یہ اس وقت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہوئے تھے کہ اے خبیب بن عدی! تو صرف اتنا کہہ دے آج میری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لٹکایا جاتا تو میں تیری رہائی کا ذمہ دار ہوں۔ کرتا دھرتا بھی وہی تھا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ لفظ تو بہت بڑے ہیں خدا کی قسم میں تو یہ بھی کہنے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ میری سولی کے بدلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چبھے۔

فَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا

"مجھے کوئی پروا نہیں ہے کہ میں اسلام کی حالت میں قتل کیا جاؤں"

حالاں کہ اکراہ کے موقع پر ایسے الفاظ کہنے کی شرعاً اجازت ہے۔ سورۃ النحل آیت نمبر ۱۰۶ میں ہے ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ﴾ "مگر وہ شخص جو مجبور کیا گیا اور اس کا دل مطمئن تھا ایمان کے ساتھ۔" لیکن ان کے ایمان نے یہ الفاظ کہنے کی

اجازت نہیں دی۔ کتنا مضبوط ایمان ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائیوں کا۔ دنیا میں نظیر نہیں مل سکتی۔ تو فرعون نے کہا میں تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ضرور سولی پر لٹکاؤں گا ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہنے لگے ﴿لَا ضَيْرَ﴾ کوئی ضرر نہیں ﴿اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ﴾ بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿اِنَّا نَطْمَعُ﴾ بے شک ہم طمع کرتے ہیں ﴿اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ﴾ یہ کہ معاف کر دے ہمارا رب ہماری خطائیں اس لیے کہ ﴿اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کہ ہم ہوئے ایمان لانے والوں میں سے پہلے۔ اس مقام پر سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں۔ چنانچہ جانیں دے دیں ایمان نہیں چھوڑا۔ ایمان کی بڑی قوت ہے مگر کوئی ایمان کو سمجھ لے تو، ورنہ کچھ بھی نہیں ہے۔

﴿وَ اَوْحَيْنَاۤ﴾ اور ہم نے وحی بھیجی ﴿اِلٰى مُوْسٰۤى﴾ موسیٰ علیہ السلام کی طرف ﴿اَنْ اَسْرِ﴾ کہ لے کر چلیں رات کو ﴿بِعِبَادِيْۤ﴾ میرے بندوں کو ﴿اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ﴾ بے شک تمھارا تعاقب کیا جائے گا ﴿فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ﴾ پس بھیجا فرعون نے ﴿فِي الْمَدَآئِنِ﴾ شہروں میں ﴿حٰشِرِيْنَ﴾ جمع کرنے والوں کو ﴿اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ﴾ بے شک یہ ﴿لَشِرْذِمَةٌ﴾ ایک گروہ ہے ﴿قَلِيْلُوْنَ﴾ تھوڑا سا ﴿وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ﴾ اور بے شک یہ ہمیں بہت غصہ دلاتے ہیں ﴿وَ اِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ﴾ اور بے شک ہم البتہ سب مسلح اور با اختیار ہیں ﴿فَاَخْرَجْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے نکالا ان کو ﴿مِّنْ جَنّٰتٍ﴾ باغوں سے ﴿وَّ عُيُوْنٍ﴾ اور چشموں سے ﴿وَّ كُنُوْزٍ﴾ اور خزانوں سے ﴿وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ﴾ اور عمدہ جگہوں سے ﴿كَذٰلِكَ﴾ یہ ایسے ہی ہوا ﴿وَ اَوْرَثْنٰهَا﴾ اور ہم نے وارث بنایا ان چیزوں کا ﴿بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ﴾ بنی اسرائیل کو ﴿فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ﴾ پس وہ ان کے پیچھے لگے سورج چڑھتے ہوئے ﴿فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ﴾ پس جس وقت آمنے سامنے ہوئیں دونوں جماعتیں ﴿قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے ﴿اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ﴾ بے شک البتہ ہم پکڑے گئے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں ﴿اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ﴾ بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے ﴿سَيَهْدِيْنِ﴾ بہ تاکید وہ میری راہنمائی کرے گا ﴿فَاَوْحَيْنَاۤ﴾ پس ہم نے وحی بھیجی ﴿اِلٰى مُوْسٰۤى﴾ موسیٰ علیہ السلام کی طرف ﴿اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ﴾ یہ کہ ماریں اپنی لاٹھی ﴿الْبَحْرَ﴾ سمندر پر ﴿فَانْفَلَقَ﴾ پس وہ پھٹ گیا ﴿فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ﴾ پس ہو گیا ہر ایک حصہ ﴿كَالطَّوْدِ﴾ جیسے پہاڑ ﴿الْعَظِيْمِ﴾ بڑا ﴿وَ اَزْلَفْنَا﴾ اور ہم نے قریب کر دیا ﴿ثَمَّ﴾ اس مقام میں ﴿الْاٰخَرِيْنَ﴾ دوسروں کو ﴿وَ اَنْجَيْنَا مُوْسٰى﴾ اور ہم نے نجات دی موسیٰ علیہ السلام کو ﴿وَ مَنْ مَّعَهٗۤ﴾ اور ان کو جو ان کے ساتھ تھے ﴿اَجْمَعِيْنَ﴾ سب کو ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ﴾ پھر ہم نے غرق کیا دوسروں کو ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے ﴿وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اور ان میں سے اکثر ایمان

لانے والے نہیں ہیں ﴿وَ اِنَّ رَبَّكَ﴾ اور بے شک آپ کا رب ﴿لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ البتہ وہی ہے غالب، مہربان ہے۔

پہلے سے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا قصہ چلا آرہا ہے۔فرعون موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں بہتر (۷۲) ہزار جادوگر لایا۔ انھوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں وہ سانپ بن گئیں۔انھوں نے خوشی میں بھنگڑے ڈالنے شروع کر دیئے اور کہا کہ ہم غالب آئیں گے۔موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے حکم سے لاٹھی ڈالی اس نے اژدھا بن کر سب کونگل لیا اور پھر لاٹھی کی لاٹھی۔ جو حقیقت شناس جادوگر تھے وہ سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے کہ ہم موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔فرعون نے کہا کہ تم میری اجازت سے پہلے ایمان لائے ہو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمھارا بڑا ہے تمھارا استاد ہے اندر سے تم ایک ہو حکومت کے خلاف سازش کرتے ہو۔

بنی اسرائیل کی ہجرت

جب ان لوگوں پر اتمام حجت ہوگئی دلائل سے حق سمجھا دیا گیا تو پھر ﴿وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى﴾ اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی طرف، حکم بھیجا، پیغام بھیجا ﴿اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ﴾ کہ لے چلیں رات کو میرے بندوں کو۔ اِسراء کا معنیٰ ہے رات کو لے جانا۔میرے وہ بندے جو ایمان لا چکے ہیں ان کو رات کے وقت یہاں سے لے چلو ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے سب کو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ہم نے یہاں سے چلے جانا ہے بنی اسرائیلی کافی تعداد میں تھے جن میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان تھوڑے سے آدمی بھی گھر سے نکلیں تو شور ہوتا ہے یہ تو بہت بڑی تعداد تھی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رات کو چلنا ہے ﴿اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ﴾ بے شک تمھارا پیچھا کیا جائے گا۔فرعون اور اس کی فوجیں تمھارا پیچھا کریں گی گھبرانا نہیں ہے۔ چنانچہ جس وقت فرعون کو معلوم ہوا تو اس نے ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا کہ یہ جا رہے ہیں ان کو پکڑنا ہے کیوں کہ انھی کے خون پسینے سے تو اُن کا گزارا ہوتا تھا۔کوئی کھیتی باڑی کرتا تھا، کوئی مالی تھا، کوئی دھوبی تھا، کوئی مزدور تھا اور مزدور کے بغیر کوئی ملک قائم نہیں رہ سکتا۔ سارے مزدور جا رہے ہیں کام کون کرے گا؟ ﴿فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ﴾ پس بھیجا فرعون نے شہروں میں ﴿حٰشِرِيْنَ﴾ جمع کرنے والوں کو۔مصر کے اردگرد بہت سی بستیاں تھیں جن میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ رہتے تھے۔فرعون نے آدمی بھیجے کہ فوراً ان کو جمع کرو۔

چنانچہ جس وقت وہ لوگ جمع ہو گئے تو فرعون نے کہا ﴿اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ﴾۔ شِرْذِمَه کا معنیٰ ہے گروہ، ٹولا، طبقہ، یہ جو بنی اسرائیل کے لوگ ہیں یہ ایک گروہ ہے جو ہماری نسبت تھوڑے ہیں اور تھا بھی ایسے ہی بنی اسرائیلیوں کی تعداد فرعونیوں کے مقابلے میں بالکل تھوڑی تھی۔تو یہ تھوڑے آدمی ہیں ﴿وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ﴾ اور بے شک انھوں نے ہمیں غصے میں ڈالا ہے ہر کام ہمارے خلاف ہے ہر جگہ ہمارے ساتھ مقابلہ، انھوں نے ہمارے کلیجے جلا دیئے ہیں۔اور دیکھو! ﴿وَ اِنَّا لَجَمِيْعٌ

حٰذِرُوْنَ﴾۔حاذر کا معنیٰ مسلح، باہتھیار۔اور بے شک ہم سب کے سب مسلح ہیں۔اور حذر کا معنیٰ ڈرنے کے بھی ہیں۔تو پھر معنیٰ یہ ہوگا کہ ہیں تو یہ تھوڑے سے مگر ہم ان کی فتنہ انگیزی سے ڈرتے ہیں۔حکومت کی بڑی قوت ہوتی ہے مگر پبلک جب باہر نکل آئے، احتجاج کرے، جلوس نکالے تو حکومت گھبرا جاتی ہے اس کا انکار بھی کوئی نہیں کر سکتا۔تو کہنے لگے کہ یہ تھوڑے سے ہیں لیکن ہم پھر بھی ان سے خدشہ رکھتے ہیں کہ وہ کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾ پس ہم نے نکالا فرعونیوں کو باغوں اور چشموں سے ﴿وَّكُنُوْزٍ﴾ اور خزانوں سے ﴿وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ﴾ اور ان جگہوں سے جو بڑی عمدہ تھیں، عزت والی تھیں۔کوٹھیوں میں قالین بچھے ہوئے تھے بڑے آرام دہ مکان تھے ان کوٹھیوں اور باغوں کو چھوڑ کر بنی اسرائیلیوں کا تعاقب کیا۔﴿كَذٰلِكَ﴾ رب تعالیٰ فرماتے ہیں یہ ایسے ہی ہوا ﴿وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اور وارث بنایا ہم نے ان باغات کا، کوٹھیوں کا، چشموں کا، خزانوں کا بنی اسرائیل کو اس وقت نہیں بلکہ کچھ عرصہ کے بعد۔تو موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چل پڑے۔پھر کیا ہوا؟ ﴿فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ﴾ پس وہ ان کے پیچھے لگے سورج چڑھتے ہوئے۔فرعونی حضرت موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے پیچھے گئے مُشْرِقْ، قاف قندھاری سے ہو تو اس کا معنیٰ ہے سورج چڑھ رہا تھا یعنی جس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا اس وقت پیچھے جا پہنچے۔

موسیٰ علیہ السلام قوم کے ہمراہ بحر قلزم کے کنارے پہنچ چکے تھے بحر قلزم بڑا سمندر ہے ان کے پاس نہ کشتی تھی اور نہ کوئی متبادل راستہ تھا کہ آگے چلے جائیں۔پیچھے فرعون کی فوجیں نعرے مارتے ہوئے، ڈھول پیٹتے ہوئے بجاتے ہوئے آ رہی ہیں اور آگے سمندر ہے ﴿فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ﴾ پس جب آمنے سامنے ہوئیں فوجیں۔اُنھوں نے اِن کو دیکھا اور اِنھوں نے اُن کو دیکھا ﴿قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى﴾ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا حضرت! ﴿اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ﴾ بے شک البتہ ہم پکڑے گئے کہ ہم طاقت کے اعتبار سے بھی اور افراد کے اعتبار سے بھی ان سے تھوڑے ہیں۔تاریخ میں آتا ہے کہ پہلے فرعون آگے تھا جب قریب پہنچے تو ہامان کو آگے کر دیا اس کے پیچھے فوج اور خود فوج کے پیچھے ہو گیا تھا۔اتنی بڑی فوج ہو تو طبعی طور پر گھبراہٹ تو ہوتی ہے۔تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا ہم تو گرفتار ہو گئے ان ظالموں نے ہمیں چھوڑنا نہیں ہے۔فرعون بڑا ظالم تھا پہلے بنی اسرائیلیوں کے بچے ذبح کرتا رہا پھر ستر [۷۰] وہ جادوگر جو مسلمان ہوئے تھے ان کو سولی پر لٹکا دیا تھا ﴿وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ﴾ [سورۃ الفجر] "فرعون میخوں والا۔" یعنی فرعون جب سزا دیتا تھا تو ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھونک دیتا تاکہ وہ ہل نہ سکے۔اور سورۃ الدخان آیت نمبر ۳۱ میں ہے ﴿اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ "بے شک فرعون بڑا سرکش، باغی، حد سے بڑھنے والا تھا۔"

فرعون کے سارے حالات ان کے سامنے تھے تو گھبرائے اور کہا کہ ہم تو پکڑے گئے ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! یہ تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیوں؟ ﴿اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ﴾ "بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے" اس کی مدد اور نصرت میرے ساتھ ہے فرعون کی کیا حیثیت ہے؟ دنیا میں ہزاروں فرعون آئے اور آتے رہیں گے میرا رب وہ قادر مطلق ہے جو ایک لمحے میں ہزاروں جہان آباد کر دے اور ہزاروں جہان فنا کر دے اس فرعون کی کیا حیثیت ہے میرے ساتھ میرا رب ہے

﴿سَيَهۡدِينِ﴾ وہ ضرور میری راہنمائی کرے گا اس کے حکم سے ہم گھروں سے نکلے ہیں اس کی تائید ہمیں حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰۤى﴾ پس ہم نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی طرف ﴿اَنِ اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡبَحۡرَ﴾ یہ کہ مار اپنی لاٹھی کو سمندر پر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک جب سمندر پر مارا تو بارہ راستے بن گئے تفسیروں میں لکھا ہے اور اس کی اصل قرآن پاک میں موجود ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ہر ہر بیٹے کا علیحدہ خاندان تھا انتظامی طور پر علیحدہ علیحدہ رہتے تھے وادی تیہ جس کو آج کل وادی سینائی کہا جاتا ہے میں بھی جب پانی کی ضرورت پڑی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ پتھر پر لاٹھی مارو جب انھوں نے لاٹھی ماری تو بارہ چشمے جاری ہو گئے ہر ایک کے لیے الگ الگ چشمہ متعین کر دیا گیا۔ اس موقع پر بھی جب موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کے ساتھ اشارہ کیا تو بارہ راستے بن گئے ان راستوں سے بنی اسرائیل سارے کے سارے سمندر عبور کر گئے کیا مرد اور کیا عورتیں، کیا چھوٹے اور کیا بڑے، بیمار تندرست سب نے سمندر عبور کر لیا اور فرعونی سارے سمندر میں داخل ہو گئے۔ آگے وزیر اعظم ہامان پیچھے فوجیں اور فوجوں کے پیچھے فرعون۔ ان احمقوں نے سمجھا کہ یہ راستے ہمارے لیے بنے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے پانی برابر ہو گیا اور چل پڑا فرعون کے علاوہ باقی سارے وہیں سے جہنم رسید ہو گئے کسی کی لاش بھی نہ ملی۔

فرعون بڑا واویلا کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَالۡيَوۡمَ نُـنَجِّيۡكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوۡنَ لِمَنۡ خَلۡفَكَ اٰيَةً﴾ [یونس: ۹۲] "پس آج کے دن ہم بچالیں گے تیرے بدن کو، تیری لاش کو باہر نکال کر پھینک دیں گے تاکہ پچھلوں کے لیے نشانی ہو جائے۔" لوگ دیکھیں کہ یہ ہے وہ شخص جو کہتا تھا ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى﴾ "میں تمھارا بڑا رب ہوں۔" [النازعات: ۲۴] اور یہ بھی کہتا تھا ﴿مَا عَلِمۡتُ لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرِىۡ﴾ [قصص: ۳۸] "میں نہیں جانتا تمھارے لیے اپنے سوا کوئی اور الٰہ۔" میرے علاوہ تمھارا اور کوئی الٰہ نہیں ہے تاریخ اس کا ثبوت دیتی ہے کہ فرعون جس کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا اور اس کے علاوہ مزید کئی فرعونوں کی لاشیں آج بھی مصر کے عجائب گھر میں موجود ہیں لوگ دیکھتے ہیں رب تعالیٰ نے عبرت کے لیے ان کو باقی رکھا ہوا ہے کبھی کبھی ان کی تصویریں اخبارات میں آجاتی ہیں تو ان کو دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ ان مونہوں کے ساتھ وہ اپنے آپ کو رب الاعلیٰ کہتے تھے۔

فرعون کا غرق ہونا

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ حضرت! بڑا عجیب موقع تھا فرعون جب پانی میں غوطے کھانے لگا تو اس نے بڑا واویلا کیا، آہ وزاری کی، میں نے گارا اُٹھا کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا تھا کہ کہیں رب تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ کر لے۔ اس نے بنی اسرائیل پر بڑے ظلم کیے، پیغمبروں کا مقابلہ کیا، حق کا مقابلہ کیا اب یہ واویلا کرتا ہے۔

فرمایا آپ اپنی لاٹھی ماریں سمندر پر ﴿فَانۡفَلَقَ﴾ پس وہ پھٹ گیا ﴿فَكَانَ كُلُّ فِرۡقٍ كَالطَّوۡدِ الۡعَظِيۡمِ﴾ پس ہو گیا ہر حصہ جیسے بڑا پہاڑ ہوتا ہے ﴿وَاَزۡلَفۡنَا ثَمَّ الۡاٰخَرِيۡنَ﴾ اور ہم نے قریب کر دیا اس مقام پر دوسروں کو فرعونیوں کو ہم نے قریب کر دیا۔

پھر کیا ہوا؟ ﴿وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ﴾ اور ہم نے نجات دی موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو چاہے وہ مومن تھے یا منافق تھے کیوں کہ ان میں سامری بھی تھا حالاں کہ وہ منافق تھا۔ جو بھی ساتھ تھے ان کو نجات ملی ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ﴾ پھر ہم نے غرق کر دیا دوسروں کو۔ فرعونیوں کا پتا بھی نہ چلا کہ کہاں گئے ہیں تاریخ میں ان کے قصے ہی قصے رہ گئے ہیں ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً﴾ بے شک البتہ اس میں نشانی ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ﴿وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اور نہیں ہیں ان میں اکثر ایمان لانے والے۔ ہر دور میں اکثریت کافروں کی ہی رہی ہے ﴿وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ البتہ بے شک آپ کا رب البتہ وہی ہے غالب اور مہربان۔

اس میں ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر آج یہ کافر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کر رہے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں ہے پہلے کافر بھی پیغمبروں کا مقابلہ کرتے رہے ہیں اور تباہ اور برباد ہوئے ہیں اور دوسرا کافروں کو سمجھایا گیا ہے کہ دیکھو! نافرمانی کا یہ نتیجہ ہے کہ جن قوموں نے پیغمبروں کی مخالفت کی، نافرمانی کی نوح علیہ السلام کی قوم، ابراہیم علیہ السلام کی قوم، لوط علیہ السلام کی قوم، شعیب علیہ السلام کی قوم، صالح علیہ السلام کی قوم، ان کا کیا انجام ہوا اگر تم باز نہ آئے تو تمھارا بھی وہی انجام ہوگا۔ اس قصے کو پہلے اس لیے بیان کیا کہ عرب میں مردم شماری کے اعتبار سے مشرکوں کے بعد یہود کا نمبر تھا اور یہ لوگ ان کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے۔ تو وہ اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں۔

﴿وَاتْلُ عَلَیْهِمْ﴾ اور آپ ان کو سنائیں ﴿نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ﴾ خبر ابراہیم علیہ السلام کی ﴿اِذْ قَالَ﴾ جب کہا انھوں نے ﴿لِاَبِیْهِ﴾ اپنے والد کو ﴿وَ قَوْمِهٖ﴾ اور اپنی قوم کو ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ تم کن کی عبادت کرتے ہو ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿نَعْبُدُ اَصْنَامًا﴾ ہم عبادت کرتے ہیں بتوں کی ﴿فَنَظَلُّ لَهَا﴾ پس سارا دن ہم ان کے سامنے ﴿عٰكِفِیْنَ﴾ جھکے رہتے ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿هَلْ یَسْمَعُوْنَكُمْ﴾ کیا وہ سنتے ہیں تمھاری ﴿اِذْ تَدْعُوْنَ﴾ جب تم ان کو پکارتے ہو ﴿اَوْ یَنْفَعُوْنَكُمْ﴾ یا وہ تمھیں نفع دیتے ہیں ﴿اَوْ یَضُرُّوْنَ﴾ یا وہ تمھیں نقصان پہنچاتے ہیں ﴿قَالُوْا﴾ انھوں نے کہا ﴿بَلْ وَجَدْنَاۤ﴾ بلکہ پایا ہم نے ﴿اٰبَآءَنَا﴾ اپنے باپ دادا کو ﴿كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ﴾ وہ اسی طرح کرتے تھے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اَفَرَءَیْتُمْ﴾ کیا تم دیکھتے ہو ﴿مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ﴾ جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو ﴿اَنْتُمْ﴾ تم ﴿وَ اٰبَآؤُكُمُ﴾ اور تمھارے آباؤ اجداد ﴿الْاَقْدَمُوْنَ﴾ جو پہلے گزر چکے ہیں ﴿فَاِنَّهُمْ﴾ پس بے شک وہ ﴿عَدُوٌّ لِّیْۤ﴾ میرے دشمن ہیں ﴿اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ مگر رب العالمین ﴿الَّذِیْ خَلَقَنِیْ﴾ جس نے مجھے پیدا کیا ہے ﴿فَهُوَ یَهْدِیْنِ﴾ پس وہی میری راہنمائی کرتا ہے ﴿وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ﴾ اور وہ رب مجھ کو کھلاتا ہے

﴿وَيَسْقِيْنِ﴾ اور مجھے پلاتا ہے ﴿وَاِذَا مَرِضْتُ﴾ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں ﴿فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴾ پس وہی مجھ کو شفا دیتا ہے ﴿وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ﴾ اور وہ مجھ کو وفات دے گا ﴿ثُمَّ يُحْيِيْنِ﴾ پھر مجھے زندہ کرے گا ﴿وَالَّذِيْٓ﴾ اور وہ ہے ﴿اَطْمَعُ﴾ میں اُمید رکھتا ہوں ﴿اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ﴾ یہ کہ معاف فرمائے گا ﴿خَطِيْٓـَٔتِيْ﴾ میری خطائیں ﴿يَوْمَ الدِّيْنِ﴾ قیامت کے دن ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا﴾ اے میرے رب عطا فرما مجھے حکم ﴿وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ ملا دے مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ﴾ اور بنا دے میرے لیے سچی زبان ﴿فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ پچھلوں میں ﴿وَاجْعَلْنِيْ﴾ اور بنا دے مجھ کو ﴿مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ﴾ اس جنت کے وارثوں میں سے جو خوشی کے باغ ہیں۔

اس سے پہلے تین رکوعوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اب اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کے والد اور ان کی قوم کا ذکر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ﴾ پڑھیں آپ ان پر ان کو سنائیں ﴿نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ﴾ خبر ابراہیم علیہ السلام کی۔ عرب کے لوگ عمومی طور پر اور مکے کے لوگ خصوصی طور پر یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم نسلاً بھی ابراہیمی ہیں یعنی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور نظریۃً (نظریاتی اعتبار سے) بھی ابراہیمی ہیں یعنی ہمارے عقائد اور اعمال بھی ابراہیم علیہ السلام والے ہیں۔ وہ اپنی تمام غلطیوں اور خرافات کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو ابراہیم علیہ السلام کے حالات پڑھ کر سنائیں تاکہ ان کو معلوم ہو کہ اُن کے کیا نظریات تھے اور وہ کیا کرتے تھے اور کیا کہتے تھے اور تم کیا کہتے ہو اور کرتے ہو۔ تمھارا کیا تعلق ہے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ محض نسبت سے کچھ نہیں بنتا۔

آزر ہی ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ﴾ جس وقت کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو جس کا نام آزر تھا۔ سورۃ الانعام آیت نمبر ۷۴ میں ہے ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ﴾ "اور جس وقت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد آزر کو کہا۔" رب تعالیٰ سے زیادہ جاننے والا کون ہے؟ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آزر، ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا اور کوئی انکار کرے تو اس کی کیا حیثیت ہے۔ یقین جانو! آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہی تھے۔ زبردستی ان کو چچا بنانا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنا قرآن پاک کی تحریف ہے۔ اس وقت کی کلدانی حکومت کا بادشاہ نمرود بن کنعان تھا اور آزر اس حکومت کا وزیر مذہبی امور تھا۔ اس کا کام بت خانے بنانا، بت بنانا اور اس محکمے کی نگرانی کرنا تھا۔ بت بنانے والے کے گھر رب تعالیٰ نے بت شکن بیٹا پیدا فرمایا۔ تو جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد ﴿وَقَوْمِهٖ﴾ اور اپنی قوم سے فرمایا ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ تم لوگ کون سی چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟

تمھارے معبود کون ہیں؟ ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہنے لگے ﴿نَعْبُدُ اَصْنَامًا﴾ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں ﴿فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ﴾ پس ہم سارا دن ان کے سامنے جھکے رہتے ہیں۔ کوئی رکوع میں ہوتا تھا، کوئی سجدے میں، کوئی طواف کر رہا ہوتا تھا، کوئی ان کو خوشبو لگاتا، کوئی چوم رہا ہے جو مشرک قوموں کے طریقے ہوتے ہیں وہ سب کرتے تھے۔ ایک تو وہ بت پرستی کرتے تھے اور دوسری بات ساتویں پارے میں مذکور ہے کہ سورج، چاند، ستاروں میں بھی وہ کرشمے مانتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ چاند، سورج اور ستاروں میں بھی خدائی کرشمے ہیں۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ﴿هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ﴾ کیا وہ تمھاری بات کو سنتے ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو اپنی مدد کے لیے، تمھاری فریادیں سنتے ہیں ﴿اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ﴾ یا وہ تمھیں نفع پہنچاتے ہیں ﴿اَوْ يَضُرُّوْنَ﴾ یا وہ تمھیں نقصان پہنچاتے ہیں اگر تم ان کی پوجا نہ کرو ﴿قَالُوْا﴾ ان لوگوں نے کہا ﴿بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾ بلکہ ہم نے پایا ہے اپنے آباؤ اجداد کو وہ اسی طرح کرتے تھے۔ ہمارے پاس سو دلیلوں کی ایک ہی دلیل ہے کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح کرتے تھے ہم ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ ایسی تقلید کی قرآن پاک نے سخت تردید کی ہے۔

تقلید کی اہمیت

اور اہل اسلام جو تقلید کرتے ہیں وہ مطلوب اور مقصود ہے۔ اور تقلید ایسی چیز میں ہوتی ہے جس پر نہ تو قرآن کریم میں صراحت ہو اور نہ حدیث پاک میں۔ وہ چیز خلفائے راشدین سے بھی ثابت نہ ہو اور نہ وہ چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو۔ ایسے مسئلہ میں اماموں میں سے کسی امام کی بات مان لینے کا نام تقلید ہے اور ہم امام کی بات کو بھی معصوم سمجھ کے نہیں مانتے۔ معصوم صرف پیغمبر ہیں حاشا وکلا! کوئی امام معصوم نہیں ہے اور نہ ہی کوئی حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی اماموں کو معصوم مانتا ہے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ امام مجتہد ہیں اور اجتہاد میں غلطی بھی ہو سکتی ہے اور درست بھی ہو سکتا ہے۔ بعض جاہل قسم کے لوگ عوام کو مغالطہ دیتے ہیں کہ ان لوگوں نے اماموں کو نبی کی گدی پر بٹھا دیا ہے۔ یہ گدھے خود بھی اس مسئلے کو نہیں سمجھے۔ نبی کی گدی پر تو تب بٹھاتے کہ اماموں کو معصوم سمجھتے اور کہتے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں امام بھی اسی طرح معصوم ہیں۔ جب کہ ہم اس کے قائل نہیں ہیں ہم اماموں کو معصوم نہیں سمجھتے۔ البتہ شیعہ اماموں کو معصوم سمجھتے ہیں اور شیعہ کی تکفیر کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

شیعہ کے کفر کی وجوہ ثلاثہ

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ کے کافر ہونے کی تین اصولی وجوہ بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ تحریف قرآن کے قائل ہیں۔ دوسری یہ کہ وہ کہتے ہیں امام معصوم ہوتے ہیں اور تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ جن کو رب تعالیٰ نے مومن کہا ہے۔ تو اماموں کو معصوم ماننے والوں کو اہل حق کافر کہتے ہیں تو ہم اماموں کو نبی کی گدی پر کس طرح بٹھا سکتے ہیں؟

تو انھوں نے کہا کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو وہ اسی طرح کرتے تھے لہٰذا ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ﴾ کیا تم دیکھتے ہو جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ﴾ تم اور تمھارے باپ دادا جو پہلے گزرے ہیں صاف لفظوں میں مجھ سے سن لو ﴿فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ﴾ پس بے شک وہ تمھارے سارے معبود میرے دشمن ہیں میں ان کا دوست نہیں ہوں ﴿اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ سوائے رب العالمین کے۔ باقی سب میرے دشمن ہیں۔ بڑی ہمت اور جرأت کی بات ہے کہ باپ دشمن، عزیز رشتہ دار دشمن، سوائے بیوی اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے۔ بادشاہ دشمن، سارا ملک چپڑاسی سے لے کر بادشاہ سب مشرک ہیں۔ اور کتنے صاف لفظوں میں اپنا مؤقف پیش کر رہے ہیں۔ گھر تشریف لاتے ہیں تو باپ سے ٹکر ہے سولھویں پارے میں تم پڑھ چکے ہو فرمایا ﴿یٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ﴾ "اے ابا جی! نہ عبادت کرو شیطان کی۔" کتنے پیارے انداز میں باپ کو حق سنایا مگر والد نے کہا ﴿اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰٓاِبْرٰهِیْمُ﴾ [مریم:۴۶] "اے ابراہیم! میرے الٰہوں سے اعراض کرتے ہو، ان کی تردید کرتے۔" اگر آپ باز نہ آئے تو میں پتھر مار مار کر تجھے ہلاک کر دوں گا۔ مجھے چھوڑ دو لمبے زمانے تک، زندگی بھر مجھ سے گفتگو نہ کرنا۔

تو سارے ملک کے ساتھ ٹکر ہے اور اپنا موقف واضح اور صاف لفظوں میں بیان فرما رہے ہیں کہ بے شک وہ میرے دشمن ہیں میں ان کا دشمن ہوں سوائے رب العالمین کے۔ کون رب العالمین ﴿الَّذِیْ خَلَقَنِیْ﴾ جس نے مجھے پیدا کیا ہے ﴿فَهُوَ یَهْدِیْنِ﴾ پس وہی میری راہنمائی کرتا ہے۔ یہ بتلاؤ کہ تمھارے خداؤں نے کس کو پیدا کیا ہے؟ او ظالمو! یہ الٰہ تم نے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہیں، بنائے ہیں وہ تمھارے الٰہ کیسے بن گئے اتنی موٹی بات بھی تمھیں سمجھ نہیں آتی۔ یہ چاند، سورج، ستارے جو اپنی مرضی سے کہیں کھڑے نہیں ہو سکتے رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق ڈیوٹی دے رہے ہیں یہ رب کیسے بن گئے؟ رب کی ذات وہ ہے جس پر کبھی زوال نہیں ہے اس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری راہنمائی کرتا ہے ﴿وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ﴾ اور وہ مجھ کو کھلاتا ہے ﴿وَیَسْقِیْنِ﴾ اور مجھے پلاتا ہے۔ کھانے پینے کے تمام انتظامات اس نے کیے ہیں تمھارے الٰہوں نے کیا کیا ہے ان کے پاس کیا ہے؟ ﴿وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ﴾ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے کسی اور کے پاس شفا نہیں ہے۔

انسان کے بیمار ہونے کی وجہ؟

پرانے حکیم کاغذ پر نسخہ لکھ کر دیتے تھے تو اس کے اوپر لکھا ہوتا تھا "ھو الشافی" شفا صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کی نسبت اپنی طرف کی۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بیماری میں انسان کی اپنی کوتاہی شامل ہوتی ہے۔ زیادہ کھا لیا، بدہضمی ہوگئی، گرمی سردی سے نہ بچا، بخار ہوگیا، بد پرہیزی کرتے ہیں نقصان ہوتا ہے۔ عرب کا مشہور حکیم تھا حارث بن کلدہ بڑا سمجھ دار تھا لوگ اس کے پاس جاتے کہ ہمیں علاج کے طریقے بتلاؤ۔ وہ کہتا: رَأْسُ الدَّوَاءِ الْحَمِیَّةُ وَرَأْسُ الدَّاءِ الْبَطْنَةُ "سب سے بڑا علاج پرہیز ہے اور پیٹ بھر لینا سب بیماریوں کی ماں ہے، سب بیماریوں کی جڑ ہے۔"

فرمایا ﴿وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ﴾ اور وہ جو مجھے وفات دے گا ﴿ثُمَّ یُحْیِیْنِ﴾ پھر مجھے زندہ کرے گا۔ کیوں کہ قیامت بھی حق

ہے جس میں کوئی شک شبہ نہیں ہے ﴿وَالَّذِیْٓ﴾ اور میرا رب وہ ہے ﴿اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ﴾ کہ میں امید رکھتا ہوں یہ کہ معاف فرمائے گا میری خطائیں ﴿یَوْمَ الدِّیْنِ﴾ بدلے والے دن، قیامت والے دن۔ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۳۵ میں ہے ﴿وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ "اللہ تعالیٰ کے سوا گناہ کون معاف کر سکتا ہے۔" میرے الہ کی یہ خوبیاں ہیں او ظالمو! تمھارے الہ تو تمھارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے ہیں ان کی تم عبادت کرتے ہو۔ فرمایا ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا﴾ اے رب! مجھ کو مجھے حکم عطا فرما ﴿وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ﴾ اور ملا دے مجھ کو نیکوں کے ساتھ۔ حکم سے کیا مراد ہے؟ مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ مجھے ہجرت کا حکم دیں۔ ساٹھ سال تک تبلیغ کی بلکہ بعض نے اسی سال بھی لکھے ہیں۔ اتنے عرصے میں صرف ایک عورت نے ساتھ دیا پروردگار! مجھے ہجرت کا حکم دے اس علاقے کو چھوڑ کر چلا جاؤں اور ایسے علاقے میں پہنچا جہاں نیک بندے ہوں میری بات کو سن لیں۔

اور پروردگار! ﴿وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ﴾ اور بنا میرے لیے سچائی کی زبان ﴿فِی الْاٰخِرِیْنَ﴾ پیچھے والوں میں یعنی بعد میں جو لوگ آئیں وہ اچھی زبان سے میرا تذکرہ کریں۔ میرے اچھے کام وہ بھی کریں۔ پیغمبر محض شہرت نہیں چاہتے ہم آپ شہرت پر خوش ہوتے ہیں اخبار میں نام آ گیا، اشتہار میں نام آ گیا تو بڑے خوش ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبران تمام چیزوں سے مبرا ہوتے ہیں وہ نام اس لیے چاہتے ہیں کہ جو کام انھوں نے کیے وہ باقی لوگ بھی کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے والد کے سامنے حق پیش کیا، قوم کے سامنے پیش کیا، ظالم جابر بادشاہ نمرود بن کنعان کے سامنے پیش کیا اور بڑا طویل عرصہ مگر کمزوری نہیں دکھائی۔ بالآخر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اور دعا کی کہ اے پروردگار! میرا نام پیچھے والوں میں رہے ان کے لیے سبق ہو اس سچی زبان سے جو نکلا ہے پیچھے والے لوگوں میں یادگار رہے ﴿وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ﴾ اور بنا دے مجھ کو اس جنت کے وارثوں میں سے جو خوشی کے باغ ہیں۔ بقیہ مضمون کل آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ﴾ اور بخش دے میرے باپ کو ﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ﴾ بے شک وہ گمراہوں میں سے ہے ﴿وَلَا تُخْزِنِیْ﴾ اور مجھے رسوا نہ کریں ﴿یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ﴾ جس دن کہ کھڑے کیے جائیں گے ﴿یَوْمَ﴾ وہ دن ہو گا ﴿لَا یَنْفَعُ مَالٌ﴾ نہیں نفع دے گا مال ﴿وَّلَا بَنُوْنَ﴾ اور نہ بیٹے ﴿اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ﴾ مگر وہ شخص جو آیا اللہ تعالیٰ کے پاس ﴿بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾ قلب سلیم کے ساتھ ﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ﴾ اور قریب کر دی جائے گی جنت ﴿لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ پرہیزگاروں کے لیے ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ﴾ اور ظاہر کر دی جائے گی جہنم ﴿لِلْغٰوِیْنَ﴾ گمراہوں کے لیے ﴿وَقِیْلَ لَهُمْ﴾ اور کہا جائے گا ان کو ﴿اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ﴾ کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کرتے تھے ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿هَلْ یَنْصُرُوْنَكُمْ﴾ کیا وہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں ﴿اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ﴾ یا وہ بدلہ لے سکتے ہیں ﴿فَكُبْكِبُوْا

﴿فِیۡهَا﴾ پس اُلٹے کر کے ڈالے جائیں گے دوزخ میں ﴿هُمۡ وَالۡغَاوٗنَ﴾ وہ بھی اور دوسرے گمراہ بھی ﴿وَجُنُوۡدُ اِبۡلِیۡسَ اَجۡمَعُوۡنَ﴾ اور ابلیس کے تمام لشکروں کو بھی ﴿قَالُوۡا﴾ وہ کہیں گے ﴿وَهُمۡ فِیۡهَا یَخۡتَصِمُوۡنَ﴾ اور وہ دوزخ میں جھگڑ رہے ہوں گے ﴿تَاللّٰهِ﴾ اللہ کی قسم ہے ﴿اِنۡ كُنَّا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ﴾ بے شک ہم تھے البتہ کھلی گمراہی میں ﴿اِذۡ نُسَوِّیۡكُمۡ﴾ جس وقت ہم تمھیں برابر کرتے تھے ﴿بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ رب العالمین کے ساتھ ﴿وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ﴾ اور نہیں بہکایا ہمیں مگر مجرموں نے ﴿فَمَا لَنَا مِنۡ شَافِعِیۡنَ﴾ پس نہیں کوئی ہماری سفارش کرنے والا ﴿وَلَا صَدِیۡقٍ حَمِیۡمٍ﴾ اور نہ کوئی مخلص دوست ﴿فَلَوۡ اَنَّ لَنَا كَرَّةً﴾ پس کاش بے شک ہمارے لیے دنیا کی طرف لوٹنا ہو ﴿فَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ پس ہم ہو جائیں مومنوں میں سے ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً﴾ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے ﴿وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ﴾ اور نہیں ہیں اکثر ان میں سے ایمان لانے والے ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ﴾ اور بے شک آپ کا رب ﴿لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ﴾ البتہ وہی غالب ہے، مہربان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ چلا آ رہا ہے۔ مشرکین عرب اپنا تعلق ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جوڑتے تھے کہ ہم ابراہیمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ آپ ان کو ابراہیم علیہ السلام کے حالات سنائیں کہ ان کے عقائد و نظریات کیا تھے اور تمھارے کیا ہیں؟ وہ موحد تھے۔ کل کے سبق میں گزر چکا ہے کہ انھوں نے اپنے باپ کو بھی سمجھایا، برادری کو بھی سمجھایا کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو کیا وہ تمھاری پکار کو سنتے ہیں کیا وہ تمھیں نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس کا انھوں نے صرف یہ جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا کرتے ہوئے پایا ہے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو اور تمھارے پہلے باپ دادا عبادت کرتے تھے وہ میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔ پھر رب العالمین کی صفتیں بیان فرمائیں کہ اس نے مجھے پیدا کیا ہے اور میری راہنمائی کرتا ہے، وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، جب میں بیمار ہو جاؤں تو مجھے شفا دیتا ہے، وہ مجھے مارے گا پھر زندہ کرے گا اور میں اس سے اُمید رکھتا ہوں کہ میری خطائیں بدلے والے دن معاف کر دے گا۔ اور یہ دعا بھی کی کہ اے پروردگار! مجھے ہجرت کا حکم دے اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا اور پچھلے لوگوں میں میرا اچھا نام اور کارنامے ہوں تاکہ وہ ان کی پیروی کریں اور یہ دعا بھی کی کہ مجھے جنت کے وارثوں میں سے بنا دے۔

مشرک کے لیے دعا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام

اور ایک دعا یہ تھی ﴿وَاغۡفِرۡ لِاَبِیۡۤ﴾ اے پروردگار! میرے باپ کو بخش دے ﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیۡنَ﴾ بے شک وہ گمراہوں میں سے ہے۔ یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مشرک کے لیے تو مغفرت کی دعا جائز نہیں ہے ابراہیم علیہ السلام نے کیوں کی؟ چنانچہ سورہ توبہ آیت نمبر ۱۱۳ میں ہے ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ یَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِیۡنَ﴾ "نہیں لائق نبی کے اور ان

لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ بخشش طلب کریں مشرکوں کے لیے ﴿وَ لَوْ كَانُوْۤا اُولِیْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ﴾ اگر چہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ واضح ہو گیا ان کے لیے کہ وہ جہنمی ہیں۔" ابراہیم علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے انھوں نے اپنے مشرک باپ کے لیے کیوں دعا کی؟ اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کا خود جواب دیا کہ ﴿وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ﴾ "اور نہیں تھا ابراہیم علیہ السلام کا بخشش مانگنا اپنے باپ کے لیے مگر ایک وعدے کی بنا پر جو وعدہ انھوں نے اس سے کیا تھا ﴿فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ پس جب واضح ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے، کافر اور مشرک ہے تو بیزاری کا اعلان کیا۔" اور پھر کبھی باپ کے لیے دعا نہیں کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی ﴿وَ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ﴾ اور مجھے رسوا نہ کریں جس دن کھڑے کیے جائیں گے لوگ۔

قیامت کے دن کافروں کا انجام

حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت والے دن ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد سے ملاقات ہو گی آپ دیکھیں گے کہ اس کا منہ ذلت اور گرد و غبار سے سے آلودہ ہو رہا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ پروردگار آپ کا مجھ سے وعدہ ہے کہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے سن لو! جنت تو کافر پر قطعاً حرام ہے اور ایک روایت میں ہے ابراہیم علیہ السلام بارگاہ رب العزت میں عرض کریں گے پروردگار! تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اس دن مجھے رسوا نہ کرے گا۔ مگر اس سے بڑھ کر کیا رسوائی ہو گی کہ میرا باپ اس طرح رحمت سے دور ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے خلیل! میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے۔ پھر حکم ہو گا ابراہیم دیکھ! تیرے پیروں کے تلے کیا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے کہ ایک بدصورت بجو کیچڑ میں لتھڑا کھڑا ہے جس کو پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ ہوں گے جن کی شکل تبدیل کر دی جائے گی۔

فرمایا قیامت کا دن ایسا ہو گا ﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ﴾ جس دن نہیں نفع دے گا مال اور نہ بیٹے ﴿اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾ مگر وہ شخص جو آیا اللہ تعالیٰ کے پاس قلبِ سلیم کے ساتھ وہ کامیاب ہو گا۔ قلبِ سلیم وہ ہے جو کفر، شرک، نفاق سے پاک ہو ﴿وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ اور قریب کر دی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے کہ جنتی وہاں قریب پہنچ جائیں گے ﴿وَ بُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ﴾ اور ظاہر کر دی جائے گی جہنم گمراہوں کے لیے، سامنے نظر آ رہی ہو گی۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جہنم میں سے ایک گردن نکلے گی جو گنہگاروں کی طرف غضب ناک تیوروں سے دیکھے گی اور ایسا شور مچائے گی کہ دل اڑ جائیں گے، کلیجے ہل جائیں گے۔ تو گمراہوں کو دوزخ نظر آ رہی ہو گی۔ اس میں سانپ اور بچھو بھی نظر آئیں گے اور بہت کچھ نظر آئے گا اور وہ دیکھ کر ڈر یں گے ﴿وَ قِیْلَ لَهُمْ﴾ اور کہا جائے گا ان مجرموں سے ﴿اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کرتے تھے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے۔ وہ کہاں ہیں دکھاؤ! ﴿هَلْ یَنْصُرُوْنَكُمْ﴾ کیا وہ

تمھاری مدد کرتے ہیں ﴿اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ﴾ یا وہ انتقام لے سکتے ہیں۔ جب تمھارے ان باطل معبودوں کو سزا ہوگی کیا وہ ہم سے بدلہ لے سکتے ہیں؟ دنیا میں یہی کچھ ہوتا ہے اگر کوئی کسی کے ساتھ زیادتی کرتا ہے کوئی کسی کو گالی دیتا ہے تو قوت والا آدمی بدلہ لیتا ہے۔ ابھی ان باطل معبودوں کی سزا شروع ہونے والی ہے اور تمھیں بھی سزا ہونے والی ہے کیا وہ اپنا دفاع کر سکتے ہیں یا ہم سے بدلہ لے سکتے ہیں یا تمھاری مدد کر سکتے ہیں ﴿فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا﴾ پس اُلٹے کر کے پھینک دیئے جائیں گے جہنم میں ﴿هُمْ وَالْغَاوٗنَ﴾ وہ بھی اور دوسرے گمراہ بھی۔ ٹانگیں اوپر ہوں گی اور سر نیچے ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا حضرت! سر کے بل کیسے چلیں گے؟ فرمایا جس رب نے پاؤں کے بل چلایا ہے سر کے بل بھی چلائے گا۔ یہ علامت ہوگی کہ ان کے مغز اور کھوپڑیاں الٹی تھیں۔ حق کسی طرف تھا اور یہ کسی اور طرف تھے۔

جس وقت دوزخ کے قریب پہنچیں گے تو فرشتے دھکے مار کر دوزخ میں پھینک دیں گے ﴿وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ﴾ اور ابلیس کے سارے لشکروں کو بھی دوزخ میں پھینک دیا جائے گا ﴿قَالُوْا﴾ کہیں گے ﴿وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ﴾ اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔ عبادت کرنے والے اور جن کی عبادت کی گئی ہے، گمراہ ہونے والے اور جنھوں نے گمراہ کیا تھا۔ سورہ ابراہیم آیت نمبر ۲۲ میں ہے ﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ "پس مجھے ملامت نہ کرو اپنے آپ کو ملامت کرو۔" یہ شیطان اس وقت کہے گا جب جہنمی مل جل کر ابلیس کے پاس جائیں گے کہ دنیا میں ہمیں بڑے سبز باغ دکھاتا تھا آج کچھ کرنا! ہمیں تو نے ذلیل کروا دیا ہے۔ ابلیس کو بُرا بھلا کہیں گے تو ابلیس کہے گا ﴿وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ "اور نہیں تھا میرا تمھارے اوپر کوئی غلبہ، کوئی زور ﴿اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ﴾ مگر یہ کہ میں نے تمھیں دعوت دی تو تم نے میری بات قبول کر لی۔" آج تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو میں نے کوئی تمھیں پکڑ کر گمراہ کیا تھا ﴿مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ﴾ "نہ میں تمھیں چھڑا سکتا ہوں اور نہ تم مجھے چھڑا سکتے ہو۔"

اسی طرح لوگوں نے جو جھوٹے معبود بنائے ہوئے تھے ان کے ساتھ بھی جھگڑا کریں گے اور رب تعالیٰ سے کہیں گے ﴿رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا﴾ "اے ہمارے رب ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی۔" یہ ہمارے مذہبی پیشوا اور سیاسی لیڈر ہیں ﴿فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾ "انھوں نے ہمیں گمراہ کر دیا سیدھے راستے سے ﴿رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا﴾ [احزاب: ۶۸-۶۷] اے ہمارے رب ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر کہ یہ نہ ہوتے تو ہم غلط راستے پر نہ چلتے۔" وہ کہیں گے ہم نے تم پر کوئی جبر کیا تھا؟ ہم خود گمراہ تھے ہماری بات مان کر تم بھی گمراہ ہوئے تم نے ہماری بات کیوں مانی تھی؟ عموماً انسان کا مزاج ہے کہ چند آدمی مل کر کوئی کام کریں اور اس میں کامیابی حاصل ہو جائے تو ہر آدمی اس کام کا سہرا اپنے سر باندھتا ہے کہ میری وجہ سے ہوا ہے اور اگر وہ کام خراب ہو جائے تو دوسرے کے سر ڈالتا ہے۔ یہی حال ہوگا دوزخیوں کا ایک دوسرے کے ذمے لگائیں گے کہ تیری وجہ سے ہم ذلیل ہوئے۔ معبودانِ باطلہ عابدین کو کہیں گے کہ تم نے ہماری بات کیوں مانی تھی؟ اور وہ کہیں گے کہ تم نے ہمیں کیوں گمراہ کیا تھا؟ یہ ان کا جھگڑا وہاں دوزخ میں ہوگا۔

﴿ تَاللّٰهِ ﴾ خدا کی قسم ہے ﴿ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ بے شک تھے ہم البتہ کھلی گمراہی میں ﴿ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ جس وقت ہم تمھیں برابر کرتے تھے رب العالمین کے۔ ہم اس کو الٰہ سمجھتے تھے اور تمھیں بھی الٰہ سمجھتے تھے۔ وہ بھی حاجت روا تم بھی حاجت روا، وہ بھی مشکل کشا اور تم بھی مشکل کشا، وہ بھی دست گیر تم بھی دست گیر، تمھیں ہم رب تعالیٰ کی صفات میں شریک کرتے تھے یہ ہماری کھلی گمراہی تھی ﴿ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ اور ہمیں نہیں بہکایا مگر مجرموں نے ﴿ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴾ پس نہیں ہے ہمارے پاس کوئی سفارشی جو خدا سے ہمیں چھڑا سکے۔ کافروں کے حق میں کوئی سفارش نہیں ہے اور اگر کوئی کرے گا تو قبول نہیں ہوگی۔

حضور ﷺ کا ابو طالب کے لیے دعا کرنا

آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے لیے دعائے مغفرت کی تو رب تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى ﴾ [توبہ: ۱۱۳] "نہ نبی کو حق پہنچتا ہے اور نہ ایمان والوں کو کہ استغفار کریں مشرکوں کے لیے اگرچہ قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں۔" حالاں کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ دنیا میں اتنا مہربان چچا شاید کسی کو نصیب نہ ہو۔ آپ کے دادا کے انتقال کے بعد اڑتیس (۳۸) سال یا ایک روایت کے مطابق بیالیس (۴۲) سال اس نے خود بھوکے رہ کر آپ ﷺ کی خدمت کی ہے کلمہ نہ پڑھنے کے باوجود اگر کوئی آپ ﷺ کے خلاف بات کرتا تو اس کے پیچھے پڑ جاتا تھا۔

متقین کی سفارش

تو مجرم کہیں گے کہ آج ہمارا کوئی سفارشی نہیں ہے ﴿ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴾ اور نہ کوئی مخلص دوست ہے کہ ہمارے کام آئے۔ بلکہ سورۃ زخرف آیت نمبر ۶۷ میں ہے ﴿ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴾ "دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔" مگر متقین کی دوستی وہاں بھی برقرار رہے گی۔ بخاری شریف کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک آدمی جو کہ مومن ہوگا اور گناہ زیادہ ہونے کی وجہ سے دوزخ میں چلا جائے گا اس کے ساتھی جو اس کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے روزے رکھتے تھے وہ رب تعالیٰ کے ہاں اپیل کریں گے کہ فلاں فلاں ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، ہمارے ساتھ اکٹھے روزے رکھتے تھے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے ان کے گناہ زیادہ ہیں اس لیے دوزخ میں بھیجا ہے سزا بھگت کر آجائیں گے تم جنت میں چلے جاؤ۔ یہ کہیں گے پروردگار! ہم دوستوں کے بغیر جنت میں نہیں جائیں گے ایسا احتجاج کریں گے کہ رب تعالیٰ فرمائیں گے دوزخ میں چلے جاؤ تمھارے لیے دوزخ دوزخ نہیں رہے گی بَرْدًا وَّ سَلٰمًا ہو جائے گی۔ ان کو وہاں سے نکال کر جنت میں لے آؤ۔ تو متقیوں کی دوستی وہاں بھی رہے گی۔ کافروں کا کوئی دوست نہیں ہوگا۔ کہیں گے ﴿ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً ﴾ پس کاش بے شک ہمارے لیے دنیا کی طرف لوٹنا ہو ﴿ فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ پس ہو جائیں ہم مومنوں میں سے۔ مگر وہاں واویلا کرنے

کا کیا معنٰی؟ آخرت سے دنیا کی طرف کسی نے نہیں آنا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کار خود کن کار بیگانہ مکن

در زمین دیگراں خانہ مکن

"اپنا کام کر بیگانہ کام نہ کر۔ دوسروں کی زمین میں اپنا مکان نہ بنا۔" اپنا کام کرو یہ جو تم مکان بناتے پھرتے ہو وہ تو تمھارے وارثوں کے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً﴾ بے شک اس واقعہ میں البتہ نشانی ہے جو واقعہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کا بیان فرمایا ہے لیکن ﴿وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اور نہیں ہے اکثریت ایمان لانے والی۔ نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک اکثریت گمراہوں کی ہے ایمان لانے والے بہت تھوڑے ہیں پھر جو مومن کہلاتے ہیں ان میں صحیح معنٰی میں مومن بہت تھوڑے ہیں۔ دعویٰ اور چیز ہے حقیقت اور چیز ہے ﴿وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ اور بے شک آپ کا رب وہی ہے غالب، مہربان۔ یہ پروردگار نے ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرما کر سمجھایا ہے۔

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ﴾ جھٹلایا نوح علیہ السلام کی قوم نے ﴿الْمُرْسَلِیْنَ﴾ پیغمبروں کو ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ﴾ جس وقت کہا ان کو ﴿اَخُوْهُمْ نُوْحٌ﴾ ان کے بھائی نوح علیہ السلام نے ﴿اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا تم بچتے نہیں ہو کفر، شرک سے ﴿اِنِّیْ لَكُمْ﴾ بے شک میں تمھارے لیے ﴿رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ﴾ رسول ہوں امانت دار ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿وَ اَطِیْعُوْنِ﴾ اور تم میری اطاعت کرو ﴿وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ﴾ اور میں نہیں سوال کرتا تم سے ﴿عَلَیْهِ﴾ اس تبلیغ پر ﴿مِنْ اَجْرٍ﴾ کسی معاوضے کا ﴿اِنْ اَجْرِیَ﴾ نہیں ہے میرا اجر ﴿اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ مگر رب العالمین کے ذمے ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿وَ اَطِیْعُوْنِ﴾ اور میری اطاعت کرو ﴿قَالُوْۤا﴾ کہا انھوں نے ﴿اَنُؤْمِنُ لَكَ﴾ کیا ہم آپ پر ایمان لائیں ﴿وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ﴾ حالاں کہ پیروی کی ہے آپ کی کمی لوگوں نے ﴿قَالَ﴾ فرمایا نوح علیہ السلام نے ﴿وَ مَا عِلْمِیْ﴾ اور مجھے کیا علم ہے ﴿بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ ان کاموں کا جو وہ کرتے ہیں ﴿اِنْ حِسَابُهُمْ﴾ نہیں ہے ان کا حساب ﴿اِلَّا عَلٰى رَبِّیْ﴾ مگر میرے رب کے ذمے ﴿لَوْ تَشْعُرُوْنَ﴾ کاش کہ تم سمجھ لو ﴿وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ﴾ اور نہیں ہوں میں مجلس سے نکالنے والا ﴿الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ مومنوں کو ﴿اِنْ اَنَا﴾ نہیں ہوں میں ﴿اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ مگر ڈرانے والا کھول کر ﴿قَالُوْا﴾ انھوں نے کہا ﴿لَىٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ﴾ البتہ اگر آپ باز نہ آئے ﴿یٰنُوْحُ﴾ اے نوح علیہ السلام ﴿لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ﴾ البتہ ضرور ہوں گے سنگسار کیے ہوؤں میں سے ﴿قَالَ﴾ کہا نوح علیہ السلام نے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ﴾ بے شک میری قوم نے مجھے

جھٹلایا ہے ﴿فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ﴾ پس فیصلہ کر میرے اور ان کے درمیان ﴿فَتْحًا﴾ واضح فیصلہ ﴿وَّنَجِّنِيْ﴾ اور نجات دے مجھے ﴿وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ان کو جو میرے ساتھ ایمان والے ہیں ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ﴾ پس ہم نے نجات دی ان کو ﴿وَمَنْ مَّعَهٗ﴾ اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے ﴿فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ﴾ بھری ہوئی کشتی میں ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا﴾ پھر ہم نے غرق کر دیا بعد ان کو نجات دینے کے ﴿بَعْدُ الْبٰقِيْنَ﴾ باقیوں کو ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ بے شک اس میں نشانی ہے ﴿وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں اکثر ان کے ایمان لانے والے ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ اور بے شک آپ کا رب ہی ہے غالب، مہربان۔

اس سے قبل موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور ان کی قوم کا ذکر تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی توحید پہنچائی مگر وہ ضد پر اُتر آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو غرق کر دیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر تھا کہ انھوں نے توحید کے مسئلے پر اپنے باپ، قوم اور بادشاہ سے ٹکر لی اور مقابلہ کیا آخر دم تک حق بیان کرتے رہے بالآخر ہجرت کر کے شام تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر زلزلے اور طوفان بھیجے جس سے وہ قوم تباہ ہوگئی۔

اب تیسرا واقعہ نوح علیہ السلام کا ہے۔ ارشاد ربانی ہے ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ جھٹلایا نوح علیہ السلام کی قوم نے پیغمبروں کو۔ سوال یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں اور کوئی پیغمبر نہیں تھا پھر رب تعالیٰ نے جمع کا صیغہ کیوں بولا ہے؟ اس کے جواب میں مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ایک نبی کو جھٹلانا تمام نبیوں کی تکذیب کو لازم ہے۔ کیوں کہ اصول میں سب پیغمبر متفق ہیں۔ تو گویا ایک نہیں سب کو جھٹلایا ہے ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ﴾ جب کہا اس قوم کو ان کے بھائی نوح علیہ السلام نے۔ بھائی اس لیے فرمایا کہ نوح علیہ السلام اسی قوم کے ایک فرد تھے ﴿اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا تم کفر شرک سے بچتے نہیں ہو۔

پہلے یہ بات تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [اعراف: ۵۹] "اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے کوئی تمھارے لیے معبود اس کے سوا۔" ﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ﴾ بے شک میں تمھارے لیے رسول ہوں امانت دار۔ جو کچھ مجھے رب بتلاتا ہے اتنا ہی بتلاتا ہوں اپنی طرف سے کمی بیشی نہیں کرتا ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿وَاَطِيْعُوْنِ﴾ اور میری اطاعت کرو۔ اصل میں اَطِيْعُوْنِيْ تھا 'یا' متکلم کی تخفیفاً حذف کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچو میری اطاعت کرو۔ یہ بھی قوم کو خطاب ہے ﴿وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ اور میں نہیں سوال کرتا تم سے اس تبلیغ پر کسی معاوضے کا۔ میں تبلیغ کر کے تم سے کوئی نذرانہ، کوئی چندہ وصول کروں حاشا وکلّا! میں تمھیں بالکل مفت تبلیغ کرتا ہوں ﴿اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ نہیں ہے میرا اجر مگر اس رب کے ذمے جو پالنے والا ہے سارے جہانوں کا۔

پہلے بھی یہ بات گزر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی کہ پیغمبروں نے اپنی قوموں کو تبلیغ سے پہلے کہہ دیا تھا کہ ہم دنیوی

فائدے اور مفاد کے لیے تبلیغ نہیں کرتے تمھاری خیر خواہی مقصود ہے۔ پیغمبروں نے تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں لیا ہاں ویسے کوئی پیغمبروں کو تحفہ تحائف دیتا تھا تو رد نہیں کرتے تھے کوئی اپنا دیتا یا بیگانہ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے اس کی مخالفت نہ کرو ﴿وَ اَطِيْعُوْنِ﴾ اور میری اطاعت کرو۔ لوگوں نے کیا جواب دیا ﴿قَالُوْٓا﴾ انھوں نے کہا ﴿اَنُؤْمِنُ لَكَ﴾ کیا ہم آپ پر ایمان لائیں آپ کی تصدیق کریں ﴿وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ﴾ اور آپ کی پیروی کی ہے ان لوگوں نے جو گھٹیا ہیں، ذلیل اور گھٹیا ہیں۔ اَرْذَلُوْنَ کی تشریح میں تفسیروں میں آتا ہے کہ کچھ بے چارے لوہار تھے، کچھ ترکھان تھے، کچھ موچی اور دھوبی تھے، کچھ جولاہے تھے اور ابتدا میں پیغمبروں کا ساتھ بھی ہمیشہ غریب لوگوں نے دیا ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اسلام کا دعوت نامہ ہرقل روم کے پاس بھیجا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر لگی ہوئی تھی۔ روم کے بادشاہ نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی لوگ عرب سے آئے ہوئے ہیں؟ تو اسے بتلایا گیا کہ ہاں آئے ہوئے ہیں۔ اس نے ان کو طلب کیا اتفاق سے ان میں ابوسفیان بھی تھے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ہرقل روم نے کہا: اَيُّكُمْ اَقْرَبُ نَسَبًا بِهٰذَا الرَّجُلِ۔ میرے پاس مکہ مکرمہ سے ایک خط آیا ہے محمد کی طرف سے (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے رشتے کے اعتبار اس کے زیادہ قریب کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں اس کا قریبی رشتہ دار ہوں برادری کے اعتبار سے اس کا چچا بھی لگتا ہوں اور میری لڑکی ام حبیبہ بھی اس کے نکاح میں ہے۔ ہرقل روم نے کہا کہ اس آدمی کی کرسی میرے سامنے بچھا دو اور باقیوں کو پیچھے ہٹا دو کہ میں نے اس سے کچھ سوال کرنے ہیں۔ اگر اس نے غلط بیانی کی تو تمھارا اخلاقی فرض ہوگا کہ مجھے بتلانا کہ اس نے یہ بات غلط کی ہے۔

ہرقل روم اور ابوسفیان کے مابین مکالمہ

☆ ہرقل نے کہا کہ جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کا نسب اور خاندان کیسا ہے؟

☆ ابوسفیان نے کہا کہ بڑے اونچے خاندان اور نسب کا ہے۔

☆ پھر ہرقل روم نے سوال کیا کہ اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ بھی گزرا ہے؟

☆ ابوسفیان نے کہا نہیں گزرا۔

☆ دعویٰ نبوت سے پہلے اس نے تمھارے ساتھ کبھی جھوٹ بولا ہو کسی بات میں، کسی معاملے میں؟

☆ کہا نہیں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

☆ بولا یہ بتلاؤ کہ اس کے ساتھی امیر لوگ زیادہ ہیں یا غریب لوگ زیادہ ہیں؟

☆ کہنے لگا غریب لوگ زیادہ ہیں۔

☆ یہ بتلاؤ کہ اس نے تمہارے ساتھ لڑائی بھی کی ہے؟

☆ کہنے لگا ہاں!

☆ نتیجہ کیا نکلا؟

☆ کہا کہ کبھی وہ غالب آجاتے ہیں کبھی ہم غالب آجاتے ہیں۔

☆ پھر اس نے سوال کیا کہ اس پر جو ایمان لائے ہیں ان میں سے کوئی مرتد بھی ہوا ہے؟

☆ ابوسفیان نے کہا نہیں!

☆ پھر بادشاہ نے کہا کہ اس کے ساتھی گھٹتے ہیں یا بڑھتے ہیں؟

☆ ابوسفیان نے کہا روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔

☆ وہ تمھیں کیا کہتا ہے؟

☆ ابوسفیان نے کہا کہ کہتا ہے صرف رب تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، نمازیں پڑھو، روزے رکھو، نیکی کرو، سچ بولو، نگاہ اور دل کو پاک رکھو۔

ہرقل روم نے کہا کہ اب خط کھولو۔ خط پڑھ کر اس نے کہا کہ یقین جانو وہ رب تعالیٰ کا سچا پیغمبر ہے۔ پیغمبر قوم کا اعلیٰ فرد ہوتا ہے تا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم کمی کی اتباع کیوں کریں۔ پیغمبر کے ساتھ ہمیشہ کمزور اور غریب ہوتے ہیں اور بڑھتے جاتے ہیں اور یہ باتیں جو تو نے بتلائی ہیں واقعی پیغمبروں کی ہیں اگر یہ باتیں سچی ہیں تو پھر میرا فیصلہ سن لو۔ یہ جو میرے قدموں والی جگہ ہے اس کا وہ مالک ہو کر رہے گا اور اگر میں اس کے پاس پہنچ جاؤں لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ تو میں اپنے ہاتھوں سے اس کے پاؤں دھوؤں۔ لیکن کرسی، اقتدار، امارت بُری چیز ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے آخر جس وقت اس نے سمجھا کہ میری بادشاہی ہاتھ سے چلی جائے گی تو اپنے عیسائیوں کو اس نے کہا کہ یہ باتیں تو میں نے ویسے ہی کہی تھیں۔

تو پیغمبروں کا ساتھ دینے والے ہمیشہ غریب لوگ ہوتے ہیں اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا وَ سَيَعُوْدُ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَآءِ)) "اسلام کی ابتدا بھی غریبوں سے ہوئی ہے اور رہے گا بھی غریبوں میں، فرمایا میری طرف سے غریبوں کو مبارک باد ہو۔" امیر لوٹے کی طرح گھومتے ہیں ان کو دین کے ساتھ کوئی غرض نہیں ہوتی۔ صرف اقتدار کے لیے سب کچھ کرتے ہیں اور غریب دین کے لیے جان تک قربان کر دیتا ہے۔ تو انھوں نے کہا کہ ہم آپ پر ایمان لائیں جب کہ آپ کی پیروی کمی، رذیل لوگوں نے کی ہے؟ ﴿قَالَ﴾ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا ﴿وَ مَا عِلْمِيْ﴾ اور مجھے کیا معلوم ہے ﴿بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ یہ لوگ کیا عمل کرتے ہیں۔ دیکھو! تقریباً پچاس سال سے زیادہ عرصہ مجھے یہاں ہو گیا ہے سوائے چند حضرات کے کہ جن کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ وہ ملازم تھے اب ریٹائر ہو گئے ہیں یا فلاں فلاں ساتھی کاشت کاری کرتے ہیں، ان چند کے علاوہ جو ساتھی درس سنتے ہیں یا جمعہ میں آتے ہیں مجھے کسی کے پیشے کا علم نہیں ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں اور کبھی پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے فرمایا کہ مجھے کیا معلوم یہ کیا کرتے ہیں میرا ان کے پیشوں کے ساتھ کیا تعلق ہے میرا تو کام ہے ان کو رب تعالیٰ کا پیغام سنانا اور سمجھانا ﴿اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ﴾ نہیں ہے ان کا حساب مگر میرے رب کے ذمے۔ یہ جائز کام کرتے ہیں یا ناجائز وہ حساب ان کا رب کے ساتھ ہے میرے پاس آ کر انھوں نے حق کو قبول کیا ہے ﴿لَوْ تَشْعُرُوْنَ﴾ کاش کہ تم سمجھو۔ تفسیروں میں مذکور ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بڑے لوگوں نے مشورہ کر کے نوح علیہ السلام کو کہا ہم ان کمیوں کے ساتھ آپ کی مجلس میں نہیں بیٹھ سکتے ان کو یہاں سے اٹھائیں تو پھر ہم آپ کی بات سنیں گے۔ اور آج کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے کہ یہ بڑے لوگ غریب کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔

چنانچہ چند دنوں کی بات ہے کہ ایک فوجی کرنل نے کہا ہم نے آپ کی دعوت کرنی ہے۔ میں نے معذرت کی کہ میں مصروف آدمی ہوں۔ اس نے کہا کہ ہمارے اہل خانہ کی خواہش ہے کہ آپ ضرور ہمارے گھر تشریف لائیں۔ میں آپ کو گاڑی پر لے جاؤں گا اور واپس پہنچا جاؤں گا۔ خیر وہ ڈرائیور کے ساتھ خود آیا ہم ان کے گھر پہنچے۔ چھوٹے چھوٹے بچے دم کرانے کے لیے لائے، عورتوں نے مسائل پوچھے، چائے کے وقت ڈرائیور باہر بیٹھا رہا میں نے کہا کہ اس کو بلاؤ ہمارے ساتھ چائے پیے۔ ساتھیوں نے کہا حضرت! وہ ڈرائیور ہے اس کو جرأت نہیں ہے کہ اپنے افسر کے ساتھ بیٹھ کر چائے پیے اور افسر میں بھی ایثار کا مادہ نہیں ہے کہ اس کو کہے آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ کر چائے پی لو۔ تو وہ ذہن آج بھی موجود ہے۔

تو ان کی قوم کے بڑوں نے کہا کہ ان کو مجلس سے نکال دیں تو ہم بیٹھیں گے۔ نوح علیہ السلام نے اس کا جواب دیا ﴿وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نہیں ہوں میں مجلس سے نکالنے والا مومنوں کو۔ میں ان کو مجلس سے کیوں نکالوں؟ ﴿اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ نہیں ہوں میں مگر ڈرانے والا کھول کر۔ میں تمھیں رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہوں کہ اگر تم نے میری بات نہ مانی شرک کو نہ چھوڑا دنیا میں بھی عذاب آئے گا، قبر، برزخ میں بھی اور قیامت والے دن بھی اور دوزخ میں بھی ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ﴾ البتہ اگر آپ باز نہ آئے اے نوح علیہ السلام تو یاد رکھنا! ﴿لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ﴾ البتہ ضرور ہوں گے آپ سنگسار کیے ہوؤں میں سے۔ رجم کا معنیٰ ہے پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا۔

تم ہوتے کون ہو ہمارے کلیجے جلانے والے ہم تمھیں پتھروں کے ساتھ رجم کر دیں گے ﴿قَالَ﴾ فرمایا نوح علیہ السلام نے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ﴾ بے شک میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے۔ یہ بات تم بہت دفعہ سن چکے ہو نوح علیہ السلام نے کوئی ایک دن، ایک ہفتہ، ایک مہینہ یا ایک سال تبلیغ نہیں کی بلکہ ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی ہے۔ اور ان نو سو پچاس سالوں میں کئی پیدا ہوئے اور کئی مرے مگر اپنی ضد نہیں چھوڑی، شرک سے باز نہیں آئے مگر تھوڑے سے آدمی۔ اسی اور بعض تفسیروں میں چوراسی کا عدد آتا ہے۔ بہر حال سو کی تعداد پوری نہیں تھی۔ پھر جب رب تعالیٰ نے بتلا دیا کہ ﴿لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ [ہود: ۳۶] "اے نوح علیہ السلام! آپ کی قوم میں سے جو ایمان لا چکے ہیں لا چکے ہیں اور کسی نے ایمان نہیں لانا۔" تو پھر نوح علیہ السلام نے دعا کی ﴿فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا﴾ پس فیصلہ فرما دیں میرے اور ان کے درمیان واضح فیصلہ ﴿وَّنَجِّنِيْ

﴿وَ مَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور نجات عطا فرما مجھے اور ان کو جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے۔ اور سورۃ نوح میں ہے ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا﴾ "اے میرے رب! زمین پر کسی کافر کو بسنے والا نہ رہنے دے۔" جب انھوں نے ایمان نہیں لانا تو پھر ان کو نہ چھوڑ تباہ کر دے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَنْجَیْنٰهُ﴾ پس ہم نے نوح علیہ السلام کو نجات دی ﴿وَ مَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ﴾ اور ان کو جو ان کے ساتھ تھے بھری ہوئی کشتی میں۔ سورہ ہود میں یہ واقعہ کافی تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ وہاں یہ بھی ہے کہ جب طوفان آیا تو نوح علیہ السلام نے اپنے کافر بیٹے سے فرمایا ﴿یٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا﴾ "اے میرے پیارے بیٹے! اور پنجابی میں اس کا ترجمہ ہے اے میری پتری! میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔" کلمہ پڑھ کر بچ جاؤ گے۔ اس نے بڑے غرور سے اور تکبرانہ انداز میں کہا ﴿سَاٰوِیْۤ اِلٰى جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ﴾ "میں پناہ کروں گا اس پہاڑ کی طرف میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاؤں گا پانی میرا کیا بگاڑے گا۔" فرمایا ﴿لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ﴾ "بیٹے! نہیں ہے کوئی بچانے والا آج کے دن اللہ کے حکم سے مگر وہ جس پر رحم کیا اس اللہ تعالیٰ نے۔" چنانچہ سب کے سب تباہ ہو گئے۔ نوح علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی۔

﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ﴾ پھر ہم نے غرق کر دیا اس کے بعد دوسروں کو۔ باقی جتنے بچے تھے ان سب کو طوفان نوح میں تباہ کر دیا ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً﴾ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے رب تعالیٰ کی قدرت کی۔ نافرمانوں کے لیے عبرت ہے بعد والے لوگوں کے لیے سبق ہے کہ پہلے بھی قوموں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تباہ و برباد ہوئے تم بھی اگر جھٹلانے سے باز نہ آئے تو تمھارا حشر بھی ویسا ہی ہوگا ﴿وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اور نہیں ہیں اکثر ان کے ایمان لانے والے۔ آج بھی اکثریت کافروں کی ہے۔ بتلانے والے بتلاتے ہیں کہ دنیا کی آبادی اس وقت پانچ ارب سے زیادہ ہے ان میں سے ایک ارب کے قریب کلمہ پڑھنے والے ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں مسلمانوں کے تمام فرقے ملا کر جن میں دس کروڑ تو شیعہ رافضی ہیں اور بہائی، بابی، ذکری، غالی قسم کے مشرک اور منکرین حدیث الگ ہیں یہ سب ملا کر ایک ارب کے قریب ہیں۔ عام لوگوں کے نزدیک کلمہ پڑھنے والا مسلمان ہوتا ہے حالاں کہ حقیقت اس طرح نہیں ہے۔

یاد رکھنا! کلمہ پڑھنا اور اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس کے کچھ تقاضے بھی ہیں اور وہ تقاضے پورے نہ ہوئے تو مسلمان نہیں ہیں۔ بے شک اپنے آپ کو مسلمان کہتے پھریں۔ یاد رکھنا! نہ بابی مسلمان ہیں نہ بہائی مسلمان ہیں نہ قادیانی اور نہ ذکری مسلمان ہیں نہ رافضی مسلمان ہیں اور نہ غالی مشرک مسلمان ہیں نہ منکرین حدیث مسلمان ہیں۔ مسلمان بننا کافی مشکل ہے۔ فرمایا ﴿وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ اور بے شک آپ کا رب البتہ غالب ہے، مہربان ہے۔ وہ جب چاہے قوموں کو تباہ کر دے اور اگر مہلت دیتا ہے تو یہ اس کی رحمت کا نتیجہ ہے۔

﴿كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ﴾ جھٹلایا عاد قوم نے اللہ کے رسولوں کو ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ﴾ جب کہا ان کو ﴿اَخُوْهُمْ هُوْدٌ﴾ ان کے بھائی ہود علیہ السلام نے ﴿اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا تم بچتے نہیں ہو کفر شرک سے ﴿اِنِّيْ لَكُمْ﴾ بے شک میں تمھارے لیے ﴿رَسُوْلٌ﴾ رسول ہوں ﴿اَمِيْنٌ﴾ امانت دار ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس تم ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿وَاَطِيْعُوْنِ﴾ اور اطاعت کرو میری ﴿وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ﴾ اور میں نہیں سوال کرتا تم سے اس تبلیغ پر ﴿مِنْ اَجْرٍ﴾ کوئی معاوضہ ﴿اِنْ اَجْرِيَ﴾ نہیں ہے میرا اجر ﴿اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ مگر رب العالمین کے ذمے ﴿اَتَبْنُوْنَ﴾ کیا تم بناتے ہو ﴿بِكُلِّ رِيْعٍ﴾ ہر اونچی جگہ پر ﴿اٰيَةً﴾ نشانی ﴿تَعْبَثُوْنَ﴾ کھیلتے ہو ﴿وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ﴾ اور بناتے ہو کاری گریاں ﴿لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ﴾ شاید کہ تم نے ہمیشہ رہنا ہے ﴿وَاِذَا بَطَشْتُمْ﴾ اور جب تم پکڑتے ہو ﴿بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ﴾ پکڑتے ہو تم جبر اور قہر کرتے ہوئے ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿وَاَطِيْعُوْنِ﴾ اور میری اطاعت کرو ﴿وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ﴾ اور ڈرو تم اس ذات سے ﴿اَمَدَّكُمْ﴾ جس نے تمھاری امداد کی ہے ﴿بِمَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اس چیز کے ساتھ جو تم جانتے ہو ﴿اَمَدَّكُمْ﴾ جس نے تمھاری امداد کی ہے ﴿بِاَنْعَامٍ﴾ مال مویشی کے ساتھ ﴿وَّبَنِيْنَ﴾ اور بیٹوں کے ساتھ ﴿وَجَنّٰتٍ﴾ اور باغات کے ساتھ ﴿وَّعُيُوْنٍ﴾ اور چشموں کے ساتھ ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ﴾ بے شک میں خوف کرتا ہوں تم پر ﴿عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ بڑے دن کے عذاب کا ﴿قَالُوْا﴾ ان لوگوں نے کہا ﴿سَوَآءٌ عَلَيْنَآ﴾ برابر ہے ہم پر ﴿اَوَعَظْتَ﴾ یا آپ وعظ کریں ﴿اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ﴾ یا آپ نہ ہوں وعظ کرنے والوں میں سے ﴿اِنْ هٰذَآ﴾ نہیں ہے یہ ﴿اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ مگر عادت پہلے لوگوں کی ﴿وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ﴾ اور نہیں ہم ایسے کہ سزا دیے جائیں ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ پس جھٹلایا انھوں نے ان کو ﴿فَاَهْلَكْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے ان کو ہلاک کیا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ بے شک اس میں نشانی ہے ﴿وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں ان میں اکثر ایمان لانے والے ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ اور بے شک آپ کا رب البتہ وہی ہے غالب، مہربان۔

اس سے پہلے موسیٰ، ابراہیم اور نوح علیہم السلام اور ان کی قوموں کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب ہود علیہ السلام کی قوم کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ﴾ جھٹلایا عاد قوم نے اللہ کے رسولوں کو۔ یہ عاد قوم ارم کی نسل سے تھی۔ عاد بن ارم بن سام بن نوح۔ عاد حضرت نوح علیہ السلام کا پڑپوتا تھا۔ پھر عاد سے آگے اتنی نسل چلی کہ مستقل خاندان بن گیا۔ بڑے بڑے بلند قد والے تھے۔ سورۃ الفجر تیسویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ﴾ "وہ عاد کہ نہیں پیدا کیا ان کے

مثل شہروں میں۔" اس قوم کے علاقے کے متعلق تاریخ والے بتاتے ہیں کہ ایک طرف نجران دوسری طرف عمان تیسری طرف مغربی یمن اور چوتھی طرف حضرَ مَوت ہے۔ اس کے درمیان ان کا علاقہ تھا آج کل کے جغرافیہ میں رُبع خالی دھمآ بھی کہتے ہیں، ریتلا علاقہ ہے۔ اس قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ ایک پیغمبر کو جھٹلانا سب پیغمبروں کو جھٹلانا ہے اس لیے جمع کا صیغہ بولا گیا ہے۔ کیوں کہ تمام پیغمبروں کے بنیادی اصول ایک ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ﴾ جب کہا ان کو ان کے بھائی ہود علیہ السلام نے۔ بھائی اس لیے فرمایا کہ وہ قوم کے ایک فرد تھے۔ فرمایا ﴿اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا تم بچتے نہیں ہو کفر شرک سے ﴿اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ﴾ بے شک میں تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں امانت دار۔ جو کچھ اور جتنا میرا رب مجھے بتلاتا ہے میں اتنا ہی تمھیں بتلا دیتا ہوں اپنی طرف سے کمی بیشی نہیں کرتا ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ﴿وَ اَطِیْعُوْنِ﴾ اور میری اطاعت کرو۔ اس کے بعد ہود علیہ السلام نے وہی بات فرمائی جو سارے پیغمبر کہتے آئے ہیں ﴿وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ اور میں نہیں سوال کرتا تم سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ اور بدلہ ﴿اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ نہیں ہے میرا اجر مگر رب العالمین کے ذمے۔ تمھارے سے صرف یہی مطالبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرو۔ اس قوم میں ظلم و ستم، کفر و شرک کے علاوہ اسراف کی بیماری عام تھی۔ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا ﴿اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ﴾ کیا تم بناتے ہو ہر اُونچی جگہ پر نشانی کھیلتے ہو ﴿وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ﴾ اور بناتے ہو تم کاری گریاں۔ تم عالی شان عمارات بنا کر اور اس میں نقش و نگار کر کے فضول خرچی کر رہے ہو ﴿لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ﴾ گویا کہ تم نے یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔

تفسیر مظہری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے بارے میں برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی دولت کو مٹی اور گارے میں لگا دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ: ((كُلُّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ اِلَّا مَالَا اِلَّا مَالَا)) "ہر عمارت اپنے بنانے والے کے لیے باعث وبال ہوگی سوائے اس کے جو ضروری ہے اور جس میں رہائش مقصود ہو۔"

حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اور میری والدہ اپنی جھونپڑی مرمت کر رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے پاس سے گزر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہ! کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا حضور! جھونپڑی ٹھیک کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ((اَلْاَمْرُ اَعْجَلُ مِنْ ذٰلِكَ)) "معاملہ تو اس سے بھی جلدی کا ہے۔" تمھیں کیا معلوم کہ اس کی درستگی کے بعد اس میں رہنا بھی نصیب ہو یا نہ ہو۔ کیا پتا کہ موت کس وقت آجائے۔

تو ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہر اُونچی جگہ پر نشانی بناتے ہو کھیلنے کے لیے اور کاری گریاں بناتے ہو گویا کہ تم نے ہمیشہ رہنا ہے ﴿وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ﴾ اور جب تم پکڑتے ہو دشمن کو تو پکڑتے ہو بڑا جبر اور قہر کرتے ہوئے۔ بڑا ظلم و ستم ڈھاتے ہو۔ عاد قوم کے لوگ اپنے اردگرد کے لوگوں پر بڑا ظلم کرتے تھے۔ یہ بڑی طاقت ور قوم تھی۔ دوسری قوموں کو للکارتے تھے اور

نعرے مارتے تھے ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ "ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے۔" یہ ایسے طاقت ور تھے کہ کسی آدمی کی کھوپڑی پر ہاتھ ڈالتے تھے تو اس کا بالکل بھیجا نکال دیتے تھے ایسے مضبوط ہاتھ ڈالتے تھے کہ آدمی کی پسلیاں توڑ ڈالتے تھے۔ فرمایا ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ﴾ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ان کاموں سے باز آجاؤ میں جو ٹھیک ٹھیک احکام تمھیں پہنچا رہا ہوں ان کو تسلیم کرو اور ان پر عمل کرو میں اللہ تعالیٰ کا امانت دار رسول ہوں ﴿وَ اتَّقُوا الَّذِیْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور ڈرو تم اللہ تعالیٰ کی ذات سے جس نے تمھاری امداد کی ہے ان چیزوں کے ساتھ جو تم جانتے ہو۔

تمھیں کتنے بڑے بڑے وجود عطا فرمائے بدنی طور پر تمھیں کتنی قوت عطا فرمائی اور اس وجود کے ساتھ تعلق رکھنے والی کتنی نعمتیں ہیں ﴿اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ﴾ امداد دی تمھیں مال اور مویشی کے ساتھ۔ مویشیوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۳ میں فرمایا۔ بھیڑوں میں سے نر مادہ، بکریوں میں سے نر مادہ، اُونٹوں میں سے نر مادہ، گائے بھینس میں سے نر مادہ ان کا گوشت کھاتے ہو، دودھ پیتے ہو، بعضوں سے بار برداری کا کام لیتے ہو، بعضے جانور سواری کے لیے پیدا فرمائے ﴿وَّ بَنِیْنَ﴾ اور امداد دی تمھیں بیٹوں کے ساتھ۔ بیٹے بیٹیاں سب اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔ مگر بیٹوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ یہ انسان کے لیے زیادہ مفید ہوتے ہیں مشقت کے سارے کام بیٹے کرتے ہیں مال جان کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور انسان کی نسل بھی انھی سے چلتی ہے۔ بیٹیاں فطرتاً پردہ نشین ہوتی ہیں ان سے بھاری کام نہیں لیے جاسکتے اس لیے بیٹوں کا ذکر فرمایا ہے۔

﴿وَ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ﴾ اور باغوں اور چشموں کے ساتھ امداد دی۔ اللہ تعالیٰ نے چشموں اور نہروں کے ذریعے آب پاشی کا نظام قائم کیا ہے جس سے تمھارے باغات اور کھیتیاں پیدا ہوئیں اور تمھاری خوراک اور پھل پیدا ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات ہیں جن کا شکر ادا کرنا ضروری ہے اور تم شکر کی بجائے الٹا ناشکری کرتے ہو۔ اس کے ساتھ مخلوق کو شریک ٹھہراتے ہو اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کو بے جا خرچ کرتے ہو اور اسراف کرتے ہو۔ فرمایا ﴿اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ بے شک میں خوف کرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کا کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت آئے اور تم تباہ و برباد ہو جاؤ لہٰذا تم اب بھی سنبھل جاؤ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ہود علیہ السلام کے اس وعظ و نصیحت کے جواب میں قوم نے یہ کہا ﴿قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَاۤ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ﴾ کہنے لگے کہ ہمارے لیے برابر ہے آپ ہمیں وعظ کریں یا نہ ہوں وعظ نصیحت کرنے والوں میں سے۔ مطلب یہ ہے کہ اے ہود علیہ السلام! آپ جو مرضی کہتے رہیں تمھارے وعظ و نصیحت کا ہم پر کچھ اثر نہیں ہوتا ہم تمھاری بات ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ اور سورہ ہود آیت نمبر ۵۳ میں ہے ﴿یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ﴾ "انھوں نے کہا کہ آپ ہمارے پاس کوئی واضح چیز لے کر نہیں آئے۔" لہٰذا ہمیں تمھاری باتوں پر یقین نہیں آتا بلکہ ہم تو آپ کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ ﴿اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ﴾ [آیت ۵۴] "ہم کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تمھیں برائی پہنچائی ہے۔" تمھارا دماغ ٹھیک نہیں رہا نعوذ باللہ تعالیٰ۔ تم بہکی بہکی باتیں کرتے ہو ﴿اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ نہیں ہے یہ مگر پہلے لوگوں کی عادت ہے جو تم پیش کر رہے ہو۔ پہلے بھی لوگ اسی طرح ڈرایا کرتے تھے جس طرح تم ہمیں عذاب سے ڈرا رہے ہو۔

اور یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ جو کچھ آج ہم کر رہے ہیں یہی کچھ ہمارے پرانے آباؤ اجداد بھی کیا کرتے تھے مگر تم ہمیں ان کے راستے سے ہٹانا چاہتے ہو لہٰذا ہم تمھاری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اور نہ ہم تمھاری دھمکی سے ڈرتے ہیں ﴿وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ﴾ اور نہیں ہم کہ ہمیں سزا دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ پس انھوں نے جھٹلا دیا ہود علیہ السلام کو۔ تھوڑے سے لوگ مسلمان ہوئے باقی کسی نے تسلیم نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا ﴿فَاَهْلَكْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ان کے علاقوں میں ریت کے ٹیلے تھے جن علاقوں میں یہ رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی کہ بارش روک لی۔ خشک علاقہ تھا نہری علاقوں میں بھی بارشیں نہ ہوں تو ان پر بھی اثر ہوتا ہے اور جو علاقے ہوں ہی بارانی ان کا تو بُرا حال ہو جاتا ہے۔ بارشیں نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ چشمے خشک ہو گئے، کنوئیں ختم ہو گئے، کھیت تباہ ہو گئے، درخت خشک ہو گئے، پانی کی قلت کی وجہ سے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا تم مجھ پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمھارے اُوپر لگاتار بارشیں برسائے گا حالات تمھارے ٹھیک ہو جائیں گے۔ کہنے لگے اگر آپ کی وجہ سے بارش ہوتی ہے تو پھر ہمیں پانی کے ایک قطرے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ آپ مختلف طریقوں سے اپنا بنانا چاہتے ہیں ہم آپ کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ سورۃ الاحقاف آیت نمبر ۲۲ میں کہنے لگے ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ "پس آپ لے آئیں وہ چیز جس سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں اگر ہیں آپ سچوں میں سے ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ﴾ پس جب دیکھا انھوں نے اس عذاب کو بادل کی شکل میں جو ان کی وادیوں کے سامنے سے آ رہا تھا ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔" اور ہمارے حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ وہ بادل کا ٹکڑا جس وقت ان کے سروں کے قریب پہنچا تو اس سے آواز آئی: رِمَادًا رِمَادًا لَا تَذَرْ مِنْ عَادٍ اَحَدًا۔ ترمذی شریف کی روایت ہے "ان کو راکھ اور خاک کر کے رکھ دے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑنا۔" لیکن انھوں نے اس سے بھی کوئی سبق حاصل نہ کیا وہ بادل جب ان کے قریب آیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں ایسی تند و تیز ہوا نکلی کہ اس نے ان کو اُٹھا اُٹھا کر زمین پر دے مارا حالانکہ ان کے بڑے لمبے لمبے قد تھے اور بڑے طاقتور تھے ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ کے نعرے مارتے تھے کہ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ ہوا نے اُٹھا اُٹھا کر کسی کو ایک میل دور پھینکا، کسی کو دو میل دور پھینکا۔ لاشیں اس طرح پڑی تھیں ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ﴾ [القمر:۲۰] "جیسا کہ وہ تنے ہیں اکھڑی ہوئی کھجوروں کے۔" ایک شخص بھی زندہ نہ بچا۔ ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل ہوا چلتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ﴾ [الحاقہ:۸] "اے مخاطب تم ان میں سے کسی ایک فرد کو بھی زندہ دیکھتے ہو، کوئی باقی بچا ہے۔" ہود علیہ السلام اور ان کے چند ساتھیوں کے علاوہ باقی سب تباہ ہو گئے۔

فرمایا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ بے شک اس واقعہ میں نشانی ہے عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے کہ مشرکوں کا، منکروں کا بالآخر یہی انجام ہوتا ہے۔ لیکن ﴿وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں ان میں اکثر ایمان لانے والے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں کثرت نافرمانوں کی رہی ہے اور اہل ایمان ہمیشہ قلت میں ہی رہے ہیں۔ فرمایا ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾

اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی غالب ہے مہربان۔

﴿ كَذَّبَتْ ﴾ جھٹلایا ﴿ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ ثمود قوم نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو ﴿ اِذْ قَالَ لَهُمْ ﴾ جب کہا ان کو ﴿ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ ﴾ ان کے بھائی صالح علیہ السلام نے ﴿ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ کیا تم بچتے نہیں ہو ﴿ اِنِّيْ لَكُمْ ﴾ بے شک میں تمھارے لیے ﴿ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴾ رسول ہوں امانت دار ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ اور میری اطاعت کرو ﴿ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ ﴾ اور میں نہیں سوال کرتا تم سے ﴿ عَلَيْهِ ﴾ اس تبلیغ پر ﴿ مِنْ اَجْرٍ ﴾ کسی معاوضے کا ﴿ اِنْ اَجْرِيَ ﴾ نہیں ہے میرا اجر ﴿ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ مگر رب العالمین کے ذمے ﴿ اَتُتْرَكُوْنَ ﴾ کیا تم چھوڑ دیے جاؤ گے ﴿ فِيْ مَا هٰهُنَآ ﴾ یہاں ﴿ اٰمِنِيْنَ ﴾ امن میں ﴿ فِيْ جَنّٰتٍ ﴾ باغوں میں ﴿ وَّعُيُوْنٍ ﴾ اور چشموں میں ﴿ وَّزُرُوْعٍ ﴾ اور کھیتوں میں ﴿ وَّنَخْلٍ ﴾ اور کھجوروں میں ﴿ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴾ جن کے خوشے نہایت ہی ملائم ہیں ﴿ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ ﴾ اور تراشتے ہو تم پہاڑوں میں ﴿ بُيُوْتًا ﴾ گھر ﴿ فٰرِهِيْنَ ﴾ تکلف سے ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ اور اطاعت کرو میری ﴿ وَلَا تُطِيْعُوْٓا ﴾ اور نہ اطاعت کرو ﴿ اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ اسراف کرنے والوں کے حکم کی ﴿ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ ﴾ جو فساد کرتے ہیں ﴿ فِي الْاَرْضِ ﴾ زمین میں ﴿ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴾ اور اصلاح نہیں کرتے ﴿ قَالُوْٓا ﴾ کہا انھوں نے ﴿ اِنَّمَآ ﴾ پختہ بات ہے ﴿ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴾ آپ سحر زدہ لوگوں میں سے ہیں ﴿ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ﴾ نہیں ہیں آپ مگر انسان ہمارے جیسے ﴿ فَاْتِ بِاٰيَةٍ ﴾ پس لائیں کوئی نشانی ﴿ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ اگر ہیں آپ سچوں میں سے ﴿ قَالَ ﴾ فرمایا صالح علیہ السلام نے ﴿ هٰذِهٖ نَاقَةٌ ﴾ یہ اُونٹنی ہے ﴿ لَّهَا شِرْبٌ ﴾ اس کے لیے پانی پینے کی باری ہے ﴿ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ اور تمھارے لیے بھی پانی پینے کی باری ہے ایک دن مقرر پر ﴿ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ ﴾ اور اس کو ہاتھ نہ لگانا تکلیف دینے کے لیے ﴿ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ پس پکڑے گا تمھیں بڑے دن کا عذاب ﴿ فَعَقَرُوْهَا ﴾ پس انھوں نے ٹانگیں کاٹ دیں اُونٹنی کی ﴿ فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴾ پس ہو گئے وہ پشیمان ﴿ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ﴾ پس پکڑا ان کو عذاب نے ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ﴾ بے شک اس میں نشانی ہے ﴿ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ اور نہیں ہیں اکثر لوگ ان میں ایمان لانے والے ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴾ اور بے شک آپ کا رب البتہ وہی ہے غالب، مہربان۔

اس سے پہلے چار پیغمبروں کے واقعات بیان ہو چکے ہیں۔ موسیٰ، ابراہیم، نوح، ہود علیہم السلام۔ اب صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ جھٹلایا ثمود قوم نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو۔ چوں کہ تمام پیغمبروں کا پروگرام ایک ہی تھا اس لیے ایک پیغمبر کو جھٹلانا سب پیغمبروں کو جھٹلانا ہے ﴿ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ ﴾ جب کہا ان کو ان کے بھائی صالح علیہ السلام نے۔ بھائی اس لیے کہ یہ ان کی قوم کے ایک فرد تھے۔ یہ قوم وادی القریٰ میں آباد تھی۔ یہ مشہور علاقہ ہے خیبر اور تبوک کے درمیان۔ اس علاقے کو حجر کہتے ہیں اس میں بڑی بڑی چٹانیں ہیں ان لوگوں نے ان چٹانوں کو تراش تراش کر مکان بنائے ہوئے تھے۔ قوم عاد کے بعد قوم ثمود نے بڑی ترقی کی تھی۔ یہ بھی سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے۔

صالح علیہ السلام نے فرمایا ﴿ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ کیا تم بچتے نہیں ہو کفر شرک سے اور معاصی سے ﴿ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴾ بے شک میں تمھارے لیے رسول ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے امانت دار ہوں۔ اور جو کچھ اور جتنا میرا رب مجھے بتلاتا ہے میں اتنا ہی تمھیں بتلا دیتا ہوں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی نہیں کرتا ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے اس کے قہر اور غضب سے اور میری اطاعت کرو ﴿ وَمَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ﴾ اور میں نہیں سوال کرتا تم سے اس تبلیغ پر کسی معاوضے کا ﴿ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ نہیں ہے میرا اجر مگر رب العالمین کے ذمے۔ تمام پیغمبروں اور رسولوں نے یہی بات کہی کہ تبلیغ حق کے سلسلے میں ہمارا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے صراط مستقیم کی راہنمائی کرنے کے لیے کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتے۔ ہود علیہ السلام نے قوم سے فرمایا ﴿ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ﴾ کیا تم چھوڑ دیئے جاؤ گے یہاں امن میں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ تم یہاں ہمیشہ اسی طرح خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہو گے اور تمھیں کبھی زوال نہیں آئے گا اور تم یہاں امن میں رہو گے ﴿ فِیْ جَنّٰتٍ ﴾ باغوں میں ﴿ وَّعُیُوْنٍ ﴾ اور چشموں میں۔ یہ تمھارے باغات اور ان کو سیراب کرنے والے چشمے اور نہریں اسی طرح جاری رہیں گی اور کیا تم اس خام خیالی میں مبتلا ہو کہ ﴿ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ ﴾ کھیتیوں میں اور کھجوروں میں رہو گے۔ کھجوروں کے وہ درخت ﴿ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴾ کہ ان کے خوشے بڑے ہی ملائم ہیں۔ قوم ثمود کے پاس کھجوروں کے بڑے بڑے باغ تھے جس کی وجہ سے وہ بڑے خوش حال لوگ تھے۔

فرمایا ﴿ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴾ اور تم تراشتے ہو پہاڑوں میں پُرتکلف مکانات۔ ثمود قوم فن تعمیر کی بڑی ماہر تھی۔ یہ لوگ پہاڑوں کو تراش تراش کر ان کے اندر ہی نہایت خوب صورت نقش ونگار والے مکانات بناتے تھے کیوں کہ انھوں نے سن رکھا تھا کہ جب زلزلہ آتا ہے تو مکان گر جاتے ہیں اور اینٹ پتھر علیحدہ علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ چٹان اندر سے کرید کرید کر مکان بنایا جائے تو پھر کون سی دیوار پھٹے گی۔ تو ان چٹانوں میں انھوں نے بڑے بڑے کمرے بنائے ہوئے تھے۔ ہال کمرہ، ناچ کمرہ، مہمان خانہ، غسل خانہ، باورچی خانہ۔

ہمارے ایک شاگرد نصرۃ العلوم سے فارغ ہو کر مدینہ یونیورسٹی میں داخل ہوئے۔ انھوں نے بتایا کہ یونیورسٹی کے طلبہ نے پروگرام بنایا کہ وہ علاقہ دیکھنا چاہیے۔ ہم نے اپنے پرنسپل سے اجازت مانگی تو اس نے کہا کہ تم لوگ وہاں جا کر کیا کرو گے؟

ہم نے کہا کہ بس ہمارا شوق ہے۔ اجازت مل گئی۔ بس کا انتظام ہوا جب وہاں قریب پہنچے تو وہاں چرواہے جانور چرا رہے تھے۔ ان میں کچھ جوان اور کچھ بوڑھے تھے۔ انھوں نے ہم سے پوچھا کہ تم کہاں جارہے ہو تو ہم نے کہا حجر کے علاقے میں۔ انھوں نے کہا لَا تَذْهَبُوْا وہاں نہ جاؤ خدا کا عذاب آئے گا۔ بہر حال ہم وہاں پہنچے دو سو کے قریب ہم نے چٹانیں دیکھی جن میں کمرے بنے ہوئے تھے مگر رہنے والا کوئی نہیں تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان کے اس عمل پر تنقید کی کہ اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کرو ضرورت کے مطابق مکان بناؤ یہ جو تم مکان بناتے ہو اس پر تم ستر ستر سال، اسی اسی سال لگا دیتے ہو۔ زندگی تمھاری ان کاموں میں صرف ہورہی ہے۔ دیکھو! مکان بھی انسان کی ضرورت ہے اس سے شریعت روکتی نہیں ہے مگر اپنی ضرورت کے مطابق بناؤ۔ تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ ان چیزوں میں وقت ضائع نہ کرو حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرو ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ﴾ پس تم اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تمھیں سچی بات بتاتا ہوں آخرت کی فکر کرو یہ دنیا اور اس کی تمام رونقیں جلد ختم ہونے والی ہیں اگر غلط کاموں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکو گے۔

فرمایا ﴿وَ لَا تُطِيْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ اور اسراف کرنے والوں کا حکم نہ مانو۔ عاد قوم کی طرح ثمود قوم میں بھی یہ بیماری پائی جاتی تھی کہ فضول رسم و رواج اور لہو و لعب میں بے دریغ روپیہ صرف کرتے تھے۔ فرمایا مسرف لوگ وہ ہیں ﴿الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ﴿وَ لَا يُصْلِحُوْنَ﴾ اور اصلاح نہیں کرتے۔ قوانین خداوندی کی خلاف ورزی ہی فساد فی الارض ہے۔ مشرک، کافر اور منافق قسم کے لوگ فساد فی الارض کے مرتکب ہوتے ہیں۔ قوم نے بات ماننے کی بجائے جواب دیا۔ ﴿قَالُوْۤا﴾ کہنے لگے ﴿اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ﴾ بے شک آپ سحر زدہ لوگوں میں سے ہیں جس کی وجہ سے بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں ﴿مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ نہیں ہیں آپ مگر ہمارے جیسے ہی انسان۔ تمھیں ہم پر کون سی فوقیت حاصل ہے ہم تمھیں پیغمبر مان لیں۔ ہر زمانے کے مشرکوں نے یہ بات کہی کہ بشر کیسے پیغمبر بن گیا؟ وہ بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے۔ پہلے بشریت کا انکار کیا پھر کہنے لگے ﴿فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ پس لے آئیں آپ کوئی نشانی اگر ہیں آپ سچے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کیسی نشانی چاہتے ہو؟ ایک بڑی چٹان کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ اس چٹان سے اُونٹنی نکلے اور ساتھ بچہ بھی ہو تو اس فرمائش کے پورے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ پتھروں اور چٹانوں سے کیا اُونٹنیاں پیدا ہوتی ہیں اور پھر فوراً بچہ بھی جن دے۔ اور یہ بھی انھوں نے کہا کہ اس اُونٹنی کے بال بھی گھنے اور خوب صورت ہوں۔ چنانچہ اس کے لیے ایک دن مقرر کیا گیا۔ شہروں دیہاتوں میں ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ او بھئی! فلاں دن پتھر سے اُونٹنی پیدا ہونی ہے۔ مذاق اُڑاتے تھے مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے اور جوان اکٹھے ہوئے۔ عجیب قسم کا منظر تھا ایک میلہ لگا ہوا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ اس چٹان سے اُونٹنی نکلے۔ سب نے آنکھوں سے دیکھا کہ اسی چٹان سے اُونٹنی نکلی اور ساتھ ہی بچہ جن دیا۔ اس کا ذکر ہے ﴿قَالَ﴾ فرمایا حضرت صالح علیہ السلام نے ﴿هٰذِهٖ نَاقَةٌ﴾ یہ اُونٹنی ہے جو تم نے طلب کی تھی ﴿لَّهَا شِرْبٌ﴾ اس کے

لیے پانی پینے کی باری ہے ﴿وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ اور تمھارے لیے بھی پانی پینے کی ایک باری ہے ایک دن مقرر پر۔
ایک دن چشمے سے یہ اُونٹنی پانی پیا کرے گی اور دوسرے دن تم اپنے جانوروں کو پانی پلایا کرو۔ چنانچہ دن مقرر کر لیے گئے۔ ایک دن اکیلی اُونٹنی پانی پیتی تھی اور دوسرے دن باقی جانور۔ یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک چلتا رہا اس دوران کچھ لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ یہ اُونٹنی تو ہمارے لیے عذاب بن گئی ہے۔ ایک دن یہ سارا پانی پی جاتی ہے اور ہمارے جانور اسے دیکھ کر ڈر جاتے ہیں کسی طرح اس سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے لوگوں کو خبردار کیا ﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ﴾ اور اس کو ہاتھ نہ لگاؤ تکلیف دینے کے لیے۔ ہاں! یہ سمجھتے ہو کہ پتھر سے عجیب طریقے سے نکلی ہے برکت کے لیے ہاتھ لگاؤ تو کوئی بات نہیں ہے لیکن تکلیف دینے کے لیے، ستانے کے لیے ہاتھ نہ لگاؤ ﴿فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ پس پکڑے گا تمھیں بڑے دن کا عذاب۔ سورہ نمل آیت نمبر ۴۸ میں ہے ﴿وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ﴾ "اور تھے شہر میں نو آدمی جو فساد کرتے تھے زمین میں اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔" حجر شہر میں نو غنڈے تھے انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم نے صالح علیہ السلام اور ان کے سارے اہل خانہ کو قتل کرنا ہے دودھ پیتا بچہ بھی نہیں چھوڑنا اور اس سے پہلے اُونٹنی کو بھی۔ چنانچہ انھوں نے اُونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر زلزلہ مسلط ہوا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے ایسی ڈراونی آواز ان پر مسلط کی کہ ان کے کلیجے پھٹ گئے۔ رب تعالیٰ کے عذاب سے کون بچا سکتا ہے؟ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھی زندہ رہے اور ان کے گھر کے افراد بھی اور باقی مجرم سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے۔

فرمایا ﴿فَعَقَرُوْهَا﴾ پس اُنھوں نے اُونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں ﴿فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ﴾ پس ہو گئے وہ پشیمان۔ مگر اب پشیمان ہونے کا کیا فائدہ ﴿فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ﴾ پس پکڑا ان کو عذاب نے۔ زلزلہ بھی آیا اور ڈراونی آواز بھی آئی ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ بے شک اس میں نشانی ہے مجرموں کے لیے جو رب تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں پیغمبروں کی نافرمانی کرتے ہیں ﴿وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں اکثر انسانوں میں ایمان لانے والے۔ بایں ہمہ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ اور بے شک آپ کا رب غالب، مہربان ہے۔ جب چاہے جس طرح چاہے سزا دے اور اگر فوری سزا نہیں دیتا تو یہ اس کی رحمت کا نتیجہ ہے۔

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ جھٹلایا لوط علیہ السلام کی قوم نے پیغمبروں کو ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ﴾ جب کہا ان کو ﴿اَخُوْهُمْ﴾ ان کے بھائی ﴿لُوْطٌ﴾ لوط علیہ السلام نے ﴿اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا تم بچتے نہیں ہو ﴿اِنِّيْ لَكُمْ﴾ بے شک میں تمھارے لیے ﴿رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ﴾ رسول ہوں امانت دار ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿وَاَطِيْعُوْنِ﴾ اور میری اطاعت کرو ﴿وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ﴾ اور میں نہیں سوال کرتا تم سے اس تبلیغ پر ﴿مِنْ اَجْرٍ﴾ کسی معاوضے کا

﴿اِنْ اَجْرِیَ﴾ نہیں ہے میرا اجر ﴿اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ مگر رب العالمین کے ذمے ﴿اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ﴾ کیا دوڑتے ہو تم مردوں پر ﴿مِنَ الْعٰلَمِیْنَ﴾ جہان والوں میں سے ﴿وَتَذَرُوْنَ﴾ اور چھوڑتے ہو ﴿مَا﴾ اس مخلوق کو ﴿خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ﴾ جو پیدا کی تمھارے لیے تمھارے رب نے ﴿مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ﴾ تمھاری بیویاں ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ﴾ بلکہ تم قوم ہو حد سے بڑھنے والی ﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ﴾ البتہ اگر آپ باز نہ آئے ﴿یٰلُوْطُ﴾ اے لوط علیہ السلام! ﴿لَتَكُوْنَنَّ﴾ البتہ آپ ضرور ہو جائیں گے ﴿مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ﴾ نکالے ہوئے لوگوں میں سے ﴿قَالَ﴾ فرمایا لوط علیہ السلام نے ﴿اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ﴾ بے شک میں تمھارے عمل کو ﴿مِّنَ الْقَالِیْنَ﴾ بغض کے ساتھ دیکھنے والا ہوں ﴿رَبِّ نَجِّنِیْ﴾ اے میرے رب! مجھ کو نجات دے ﴿وَاَهْلِیْ﴾ اور میرے اہل کو ﴿مِمَّا یَعْمَلُوْنَ﴾ اس کارروائی سے جو یہ کرتے ہیں ﴿فَنَجَّیْنٰهُ﴾ پس ہم نے نجات دی اس کو ﴿وَاَهْلَهٗ﴾ اور اس کے ساتھ اہل کو ﴿اَجْمَعِیْنَ﴾ سب کو ﴿اِلَّا عَجُوْزًا﴾ مگر بڑھیا ﴿فِی الْغٰبِرِیْنَ﴾ جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی ﴿ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ﴾ پھر ہم نے ہلاک کیا دوسروں کو ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا﴾ اور برسائی ہم نے ان پر ایک قسم کی بارش ﴿فَسَآءَ﴾ پس بُری تھی ﴿مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ﴾ بارش ڈرائے ہوؤں کی ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً﴾ بے شک البتہ اس میں نشانی ہے ﴿وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اور نہیں ہیں اکثر لوگ ان میں سے ایمان لانے والے ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ اور بے شک آپ کا رب البتہ وہی ہے غالب، مہربان۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے متعدد نافرمان قوموں کا ذکر اور ان کی تباہی کا بیان فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ آج کے سبق اور درس میں لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے۔

لوط علیہ السلام کا قصہ

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھتیجے تھے۔ لوط بن حاران بن آزر۔ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام بھی آزر تھا۔ ساتویں پارے میں ہے ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ﴾۔ بعض تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے مقابلے میں تاریخ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ پھر اگر مان بھی لیں تو پھر اس طرح ہوگا کہ تارخ ان کا لقب تھا اور نام قطعی اور یقینی طور پر آزر ہی تھا۔ رب تعالیٰ سے زیادہ جاننے والا کون ہے۔ اصل ان کا ملک عراق تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرصہ دراز تک تبلیغ کی۔ ساٹھ (۶۰) سال، ستر (۷۰) سال اور اسی (۸۰) سال بھی

لکھے ہیں۔ بہرحال اس سے کم وبیش تبلیغ کی مگر اہلیہ سارہ کے سوا کسی نے ساتھ نہ دیا۔ پھر یہاں سے ہجرت کر کے شام چلے گئے۔ ہجرت میں آپ کے ساتھ بیوی سارہ علیہا السلام اور بھتیجا لوط علیہ السلام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شام کا علاقہ، دمشق وغیرہ آپ کے سپرد کیا کہ یہاں کے لوگوں کو تبلیغ کرنی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو حکم دیا کہ سدوم جو بہت بڑا شہر اور منڈی تھا کہ آپ نے یہاں کام کرنا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے وہاں تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ وہاں کے لوگوں نے لوط علیہ السلام کا اخلاق، وضع قطع، شکل وصورت سے متاثر ہو کر رشتہ بھی دے دیا۔ حالانکہ دنیا میں رشتے کا مسئلہ بھی کافی پریشان کن ہے۔ قوم بھی دوسری، ملک بھی دوسرا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عقیدہ بھی نہیں ملتا تھا۔ اس عورت نے آخری دم تک آپ کا کلمہ نہیں پڑھا۔ اس زمانے میں مومن کافر کا رشتہ جائز تھا اور ہماری شریعت میں بھی کم وبیش سولہ سال تک کافر کے ساتھ نکاح جائز تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بیٹیاں کافروں کے نکاح میں تھیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے نکاح میں تھیں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا ابوالعاص بن ربیع جن کا نام مِکسَم تھا کے نکاح میں تھیں، تینوں کافر تھے۔

اسی طرح بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نکاح میں کافر عورتیں تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نکاح ام بکر سے ہوا تھا اس سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بکر تھا اسی بیٹے کی نسبت سے آپ کی کنیت ابوبکر تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کافی زور لگایا مگر ام بکر نے کلمہ نہیں پڑھا پھر طلاق دے دی کہ اس کا میرے گھر پر اثر پڑے گا دینی لحاظ سے۔ تو ابتدائے اسلام میں کافروں کے ساتھ رشتہ جائز تھا۔ ۳ھ میں اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا۔ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ "مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ اور مشرکوں کو نکاح کر کے بھی نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔" تو تقریباً سولہ سال اسلام میں بھی مسلمان اور کافر کا رشتہ جائز تھا۔

تو اللہ تعالیٰ نے سدوم شہر اور اس کے اردگرد بستیوں کی طرف حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اس کا ذکر ہے ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِالْمُرْسَلِيْنَ﴾ جھٹلایا لوط علیہ السلام کی قوم نے پیغمبروں کو۔ ان کی طرف تنہا لوط علیہ السلام ہی گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر کو جھٹلانا تمام پیغمبروں کو جھٹلانا ہے۔ اس لیے کہ تمام پیغمبر اصول میں متفق ہیں۔ فرمایا ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ﴾ جب کہا ان کو ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے۔ انسان ہونے کے لحاظ سے بھائی فرمایا ہے اور اس لحاظ سے کہ یہ ان کی طرف مبعوث ہوئے تھے ورنہ وہ کافر ہیں یہ مومن ہیں وہ مشرک ہیں یہ موحد پیغمبر ہیں۔ فرمایا ﴿اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا تم بچتے نہیں ہو کفر شرک سے، رب تعالیٰ کی نافرمانی سے، حق کی مخالفت سے ﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ﴾ بے شک میں تمہاری طرف رسول ہوں امانت دار۔ جو رب تعالیٰ بتلاتے ہیں میں اس میں ایک حرف کی کمی بیشی نہیں کرتا پوری امانت کے ساتھ تمھیں بتلا دیتا ہوں ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ پس تم ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو میرا حکم مانو ﴿وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ اور میں نہیں سوال کرتا تم سے اس تبلیغ پر کسی معاوضے کا۔ کوئی تنخواہ، کوئی نذرانہ، کسی چیز کا طالب نہیں ہوں حاشا وکلا! ﴿اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ نہیں ہے میرا اجر مگر رب العالمین کے ذمے۔

یہ سب سے پہلی قوم تھی جس نے اپنی شہوت رانی مردوں پر کی ہے۔ اس پر گرفت کرتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا ﴿اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کیا دوڑتے ہو تم مردوں پر جہان والوں میں سے۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۸۰ میں ہے ﴿مَاسَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ "اس برائی میں تم سے پہلے کوئی شخص سبقت نہیں لے گیا۔" یہ پہلی قوم تھی جس نے غلط راستہ اختیار کیا ﴿وَتَذَرُوْنَ مَاخَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ﴾ اور چھوڑتے ہو ان کو جو پیدا کی ہیں تمھارے لیے تمھارے رب نے ﴿مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ﴾ تمھاری بیویاں۔ عورتوں کی طرف تمہاری کوئی توجہ نہیں ہے اور اس خرابی میں مبتلا ہو ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ﴾ بلکہ تم قوم ہو حد سے بڑھنے والی۔ رب تعالیٰ نے حدیں مقرر فرمائی ہیں جائز اور ناجائز کی، حلال حرام بتلایا ہے کہ یہ کارِ ثواب ہے اور یہ کارِ عتاب ہے۔ تم رب کی حدیں نہ پھلانگو۔

عرصہ دراز تک سمجھاتے رہے ﴿قَالُوْا﴾ ان لوگوں نے کہا۔ کیا کہا؟ ان کا جواب سنو! کہنے لگے ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ﴾ البتہ اگر آپ باز نہ آئے اے لوط علیہ السلام! اپنی تبلیغ سے ﴿لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ﴾ تو ہو جاؤ گے ان لوگوں میں سے جن کو شہر سے نکال دیا جاتا ہے۔ تمھیں دیس نکالا دیا جائے گا۔ الٹی منطق ہے دنیا میں جب بدمعاشوں کا راج ہو تو نیک لوگوں پر عرصہ حیات تنگ ہو جاتا ہے ﴿قَالَ﴾ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ﴾ بے شک میں تمھارے عمل کو بغض کی نگاہ سے دیکھنے والوں میں سے ہوں۔ قَلٰی يَقْلِي کا معنیٰ ہوتا ہے بغض رکھنا۔ سورہ ضحیٰ میں ہے ﴿مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ "نہیں چھوڑا آپ کو آپ کے رب نے اور نہ آپ کے ساتھ بغض کیا ہے۔"

ابوداؤد وغیرہ میں ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے عرض کیا حضرت ارشاد فرمائیں اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ "کون سا عمل بہتر ہے؟" ((قَالَ)) "آپ نے فرمایا" ((اَلْحُبُّ فِي اللهِ وَالْبُغْضُ فِي اللهِ)) محبت ہو تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عداوت ہو تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔" کسی نیک آدمی کے ساتھ محبت کرنا اچھے اعمال میں سے ہے۔ تو دراصل محبت تو اچھے اعمال سے ہوئی اگر کوئی آدمی بُرے کام کرتا ہے تو اس کے ساتھ بغض رکھنا بھی اچھے اعمال میں سے ہیں اور دراصل عداوت بُرے کاموں کے ساتھ ہوئی مگر وہ کام کرنے والے بندے ہوتے ہیں بُرے ہوں یا اچھے۔ اچھے کام کرنے والوں کے ساتھ محبت اور بُرے کام کرنے والوں کے ساتھ عداوت ایمان کی علامتوں میں سے بڑی علامت ہے۔

آخرت میں انسان اپنے محبوب کے ساتھ اٹھایا جائے گا

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا حضرت! مَتَى السَّاعَةُ "قیامت کب آئے گی؟" بخاری شریف کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((مَا اَعْدَدْتَ لَهَا)) "تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟" بے چارہ شرمندہ ہوا سر جھکا کر کہنے لگا حضرت! میرے پاس اور تو کچھ نہیں ہے ((اِلَّا اِنِّيْ اُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ)) "مگر بے شک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ)) "تو ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن

کے ساتھ تیری محبت ہے۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ روایت بیان کر کے فرماتے ہیں گواہ ہو جاؤ کہ میرا عمل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا نہیں ہے مگر ان کے ساتھ میری محبت ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے قدموں تک پہنچا دے گی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو فرمایا کہ جا کر فلاں بستی کو الٹ دو۔ قَالَ بِمَنْ فِيهَا "کیا اس بستی میں جو رہتے ہیں سب پر بستی کو الٹ دوں؟ قَالَ بِمَنْ فِيهَا فرمایا ہاں! سب پر الٹ دے۔" حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار! اس بستی میں آپ کا ایک بندہ ہے لَمْ يَعْصِيكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ "اس نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی۔" پروردگار! اس پر بھی بستی الٹ دوں؟ فرمایا اس پر بھی الٹ دے۔ اس لیے کہ اس بستی میں لوگ زنا کرتے ہیں مگر اس کی پیشانی پر بل نہیں پڑتا تھا۔ بے شک خود نیکی کرتا ہے لیکن برائی کو دیکھ کر اس کی پیشانی پر بل نہیں پڑتا یاد رکھنا! ہم سے اور تو کچھ نہیں ہو سکتا مگر کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ بُرے کام کو بُرے بندے کو بُرا سمجھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُمت کے لیے راہنما اصول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کو ایک راہنما اصول دیا ہے۔ فرمایا ((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ)) "جو آدمی تم میں سے بُرا کام دیکھے اس کو طاقت اور اقتدار کے ساتھ روکے ((وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ)) اور جو ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ زبان کے ساتھ روکے۔ اور اگر زبان کے ساتھ بھی نہیں روک سکتا ((فَبِقَلْبِهٖ)) تو دل سے اس کو بُرا سمجھے ((وَلَيْسَ وَرَائَهٗ حَبَّةُ خَرْدَلٍ مِّنَ الْإِيمَانِ)) اور جو شخص برائی کو دل سے بھی برائی نہیں سمجھتا اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔" یہ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے۔ مگر ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ عداوت کسی کی ذات کے ساتھ نہیں ہے اس کے بُرے وصف کے ساتھ ہے۔ اصل بُرائی اس کے بُرے کام کی ہے۔ اس کو آپ اس طرح سمجھو کہ کسی کا بچہ گندے چھپڑ (جوہڑ) میں گر جائے یا غلاظت کے ڈھیر میں گر پڑے تو جو غلاظت اس کے بدن اور کپڑوں کے ساتھ لگی ہے اس سے آپ نفرت کریں گے اس کو دھوئیں گے کپڑوں کو صاف کریں گے اس آدمی اور بچے سے نفرت نہیں کریں گے۔

تو حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمھاری اس برائی کو بُری نگاہوں سے دیکھتا ہوں مجھے عداوت ہے تمھارے اس کام کے ساتھ۔ پھر دعا کی ﴿رَبِّ نَجِّنِيْ وَأَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ﴾ اے میرے رب! مجھے نجات دے اور میرے گھر والوں کو اس کارروائی سے جو یہ کرتے ہیں۔ لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں اور بعض روایات میں تین بیٹیوں کا ذکر آتا ہے۔ انھوں نے لوط علیہ السلام کا ساتھ دیا اور چند گنے چنے مسلمان تھے۔ سورۃ ذاریات میں ہے ﴿فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ "پس نہ پایا ہم نے اس جگہ سوائے ایک گھر کے مسلمانوں کا۔" ایک حویلی تھی اس میں چند کمرے تھے۔ ایک میں لوط علیہ السلام اور دوسروں میں دوسرے رہتے تھے۔ تو سدوم کے علاقے میں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر تھا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ﴾ پس ہم نے نجات دی لوط علیہ السلام کو اور ان کے تمام اہل کو یعنی ان کے تمام ماننے والوں کو ﴿اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ﴾ مگر ایک بڑھیا جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جس کا نام واعلہ تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ﴾ [حجر: ۶۵] "پس اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں رات کو اور آپ ان کے پیچھے رہیں اور نہ پلٹ کر دیکھے تم میں سے کوئی بھی۔" یعنی جس علاقے کو الٹا کرنا ہے اس سے نکل جاؤ۔ تو حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیٹیوں اور جو تھوڑے سے مسلمان تھے ان کو لے کر یہاں سے چلے گئے مگر بوڑھی بیوی ساتھ نہیں گئی۔

قوم لوط پر چار عذاب

اس قوم پر چار قسم کے عذاب آئے ہیں۔ ان لوگوں کی بینائی ختم کر دی گئی۔ سب کو اندھا کر دیا گیا۔ دوسرا عذاب: ان پر پتھروں کی بارش کی گئی۔ تیسرا عذاب: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک ڈراونی آواز نکالی جس سے ان سب کے کلیجے پھٹ گئے۔ چوتھا عذاب: ان کو تہہ و بالا کر دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کی بستیوں کو اُوپر اُٹھا کر اُلٹا کر کے پھینک دیا۔ پہلے اندھا کیا بھاگیں گے کہاں پھر پتھروں کی بارش ہوئی پھر چیخ سے کلیجے پھٹ گئے پھر سارا علاقہ اُلٹا کر کے پھینک دیا گیا۔ تو فرمایا ایک بڑھیا پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی ﴿ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ﴾ پھر ہم نے ہلاک کیا دوسروں کو جو پیچھے رہ گئے تھے ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا﴾ اور ہم نے برسائی ان پر ایک قسم کی بارش وہ پتھروں کی تھی ﴿فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ پس بُری تھی بارش ڈرائے ہوؤں کی۔ جن کو رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا گیا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ بے شک اس میں نشانی ہے، سبق ہے مجرموں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی نافرمانی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ اگر آج مکے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے ہیں تو گھبرائیں نہیں پہلے مکذب بھی نہیں رہے یہ بھی نہیں رہیں گے ﴿وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اور نہیں ہے اکثریت ان کی ماننے والی۔ نہ اس وقت اکثریت ایمان لائی نہ اب ہے اور نہ قیامت تک ہوں گے ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ اور بے شک آپ کا رب البتہ وہی ہے غالب، مہربان۔

﴿كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ﴾ جھٹلایا جنگل والوں نے ﴿الْمُرْسَلِيْنَ﴾ پیغمبروں کو ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ﴾ جب کہا ان کو شعیب علیہ السلام نے ﴿اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا تم بچتے نہیں ہو ﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ﴾ بے شک میں تمہارے لیے رسول ہوں امانت دار ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿وَاَطِيْعُوْنِ﴾ اور میری اطاعت کرو ﴿وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ اور میں نہیں سوال کرتا تمہارے سے کسی معاوضے کا ﴿اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ نہیں ہے میرا اجر مگر رب العالمین کے ذمے ﴿اَوْفُوا الْكَيْلَ﴾ پورا کرو ماپ کو ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ﴾ اور نہ ہو تم کمی کرنے

والوں میں سے ﴿وَ زِنُوْا﴾ اور تم تولو ﴿بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ﴾ سیدھی ترازو کے ساتھ ﴿وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ﴾ اور نہ کم دو لوگوں کو ان کی چیزیں ﴿وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ﴾ اور نہ چلو زمین میں فساد کرتے ہوئے ﴿وَ اتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ اور ڈرو تم اس سے جس نے تمھیں پیدا کیا ہے ﴿وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ﴾ اور پہلی مخلوق کو ﴿قَالُوْۤا﴾ قوم نے کہا ﴿اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ﴾ پختہ بات ہے آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن پر جادو کیا گیا ہے ﴿وَ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ اور نہیں ہیں آپ مگر بشر ہمارے جیسا ﴿وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ﴾ اور بے شک ہم آپ کے بارے میں خیال کرتے ہیں جھوٹوں میں سے ہے ﴿فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا﴾ پس گرا ہم پر ﴿كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ ٹکڑا آسمان سے ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہیں آپ سچوں میں سے ﴿قَالَ رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ فرمایا شعیب علیہ السلام نے میرا رب خوب جانتا ہے جو کام تم کرتے ہو ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ پس جھٹلایا ان لوگوں نے شعیب علیہ السلام کو ﴿فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ﴾ پس پکڑا ان کو سائے والے دن کے عذاب نے ﴿اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ بے شک وہ بڑے دن کا عذاب تھا ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً﴾ بے شک اس میں نشانی ہے ﴿وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اور نہیں ہیں اکثر ان کے ماننے والے ﴿وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ اور بے شک آپ کا رب البتہ وہی ہے غالب، مہربان۔

جن قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ہے ان میں سے ایک حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم بھی تھی۔ اس قوم کی تاریخ اس طرح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے بیٹی کوئی نہیں تھی۔ ان میں سے دو کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام۔ باقی تین بیٹوں کا ذکر تورات اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ ایک کا نام مدین، ایک کا نام مدائن اور ایک کا نام قیدار تھا رحمہم اللہ تعالیٰ۔ حضرت مدین کی اولاد قوم مدین کہلائی اور وہ جس علاقے میں آباد تھے اس کا نام مدین رکھا۔ تو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند مدین کی نسل تھی۔ جس طرح بنی اسرائیل کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد ہیں۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔

مدین شہر قوم مدین نے آباد کیا تھا۔ یہ اس زمانے میں بہت بڑی منڈی تھی اور مدین شہر کے حدود اربعہ میں بڑے بڑے وسیع جنگلات تھے اسی وجہ سے ان کو اصحابِ ایکہ بھی کہا جاتا ہے، جنگل والے یعنی جو جنگل کے درمیان میں رہتے ہیں۔ چوں کہ مدین بین الاقوامی منڈی تھی تاجر دور دراز سے سامان یہاں لاتے، خرید و فروخت کرتے بہت کچھ سلسلہ تھا۔ دوسری قوموں کی طرح یہ قوم بھی مشرک تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس قوم کو کہا ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ [اعراف:۵۹] "اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی کوئی نہیں ہے تمھارا معبود اس کے سوا۔" اس قوم میں یہ خرابی بھی تھی کہ ناپ تول میں کمی بیشی

کرتے تھے۔ لینے والا پیمانہ اور ہوتا تھا اور دینے والا اور ہوتا تھا۔ مثلاً: جب لوگوں سے کوئی جنس لیتے تھے تو چھ سیر والے پیمانے سے لیتے تھے اور دیتے تھے تو پانچ سیر والے پیمانے سے۔ اور تولنے میں بھی ان کے باٹ بڑے چھوٹے ہوتے تھے۔ جیسے سیر کا وزن کچھ کم اور کلو کا کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ یہ غریب لوگ نہیں تھے بڑے آسودہ حال لوگ تھے غریب آدمی ایسی خساست کرے تو اس کا معنیٰ کچھ اور ہوتا ہے کہ چلو کمزور آدمی تھا ڈنڈی مار گیا۔ لاکھ اور کروڑ پتی لوگ اس قسم کی خساست کریں تو یہ انتہائی بُری ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ جھٹلایا جنگل والوں نے پیغمبروں کو ان کے پاس گئے تو شعیب علیہ السلام ہی تھے مگر ایک نبی کو جھٹلانا سب نبیوں کو جھٹلانا ہے ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ﴾ جب فرمایا شعیب علیہ السلام نے قوم کو ﴿اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا تم بچتے نہیں ہو کفر شرک سے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ﴾ بے شک میں تمھارے لیے رسول ہوں امانت دار۔ جو کچھ میں کہتا ہوں اس میں کسی قسم کی خیانت نہیں ہے۔

جماعتوں میں اختلاف کی وجہ؟

جس طرح مال میں خیانت ہوتی ہے اسی طرح علم میں بھی خیانت ہوتی ہے، گفتگو میں بھی خیانت ہوتی ہے۔ آج مختلف پارٹیوں اور جماعتوں میں جھگڑے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بات کرنے والا کچھ کہتا ہے اور آگے بتانے والا کچھ بتاتا ہے جس سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں (اور تصدیق کی بھی زحمت کوئی گوارا نہیں کرتا اور حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بلوچ) بہت کم اس کے ازالے کی کوشش ہوتی ہے۔ اگر جتنی بات صحیح ہو اتنی ہی بیان کی جائے غلط فہمیاں کم پیدا ہوں۔ یہ صحافی لوگ بڑے عجیب قسم کے لوگ ہوتے ہیں بات کچھ ہوتی ہے اور بنا کچھ دیتے ہیں۔

تو فرمایا میں پیغمبر ہوں امانت دار ہوں جو کچھ کہوں گا حق کہوں گا جتنی بات مجھے رب تعالیٰ نے بتلائی ہے اس میں خیانت نہیں کرتا ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے اس کے احکام مان لو اور میری اطاعت کرو۔ اور اے میری قوم! ﴿وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ اور میں نہیں مانگتا تم سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ کہ تم کوئی تنخواہ، نذرانہ اور تحفہ مجھے دو ﴿اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ نہیں ہے میرا اجر مگر رب العالمین کے ذمے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا بیٹا کوئی نہیں تھا صرف دو بیٹیاں تھیں جن کا ذکر آگے بیسویں پارے میں آئے گا۔ اپنی ضرورت کے لیے بکریاں رکھی ہوئی تھیں اور وہ بکریاں بھی یہ بیٹیاں ہی چراتی تھیں خود بوڑھے بھی تھے اور دینی مشاغل بھی تھے بڑی بیٹی کا نام صفورا رحمۃ اللہ علیہا تھا جس کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ تو اپنی ضروریات کے لیے بکریاں رکھی ہوئی تھیں اس طرح گزر اوقات ہوتا تھا۔

فرمایا اے میری قوم! ﴿اَوْفُوا الْكَيْلَ﴾ پورا کرو ماپ کو۔ جب پیمانے سے ماپ کرو تو پورا دو ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ﴾ اور نہ ہو تم کمی کرنے والوں میں سے۔ جو بھی پیمانہ ہے ٹوپہ، صاع وغیرہ اس سے پورا پورا ماپ کر دو کمی نہ کرو۔ ﴿وَزِنُوْا﴾ واؤ عاطفہ ہے اور زنوا جمع امر کا صیغہ ہے۔ اور تولو ﴿بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ﴾ سیدھی ترازو کے ساتھ۔ ایسی ترازو کے ساتھ جو بالکل

سیدھی ہو۔ چوں کہ یہ لوگ بڑی منڈی والے تھے اور وزن میں کمی بیشی کرتے تھے۔

آج بھی کوئی دیانت دار ہوگا ورنہ اکثر اسی بیماری کا شکار ہیں۔ مثال کے طور پر بوری میں گندم پوری ہو، ٹرالی میں مٹی پوری ہو، ریت پوری ہو اور صاف ہو اس میں مٹی نہ ہو۔ اللہ کے نیک بندے ہیں لیکن نسبتاً کم ہیں یورپی لوگ اگرچہ کافر ہیں مگر ان میں دیانت داری ہے۔ میں نے کچھ دن برطانیہ میں رہ کر دیکھا ہے اگر وہ لوگ مسلمان ہوں اور ان میں بے حیائی نہ ہو تو میرا اندازہ ہے کہ وہ ان شاء اللہ العزیز سیدھے جنت میں جائیں۔ لین دین، اُٹھنے بیٹھنے میں، معاملات میں کیا مجال ہے کہ گڑبڑ ہو۔ وہ کام جو مسلمانوں کو کرنے چاہئیں تھے وہ کافر کر رہے ہیں۔ دیکھو! ان کی دوائی کے نسخے پر جو لکھا ہوگا اندر بھی وہی ہوگا اور یہاں لکھا ہوا کچھ ہوتا ہے اور اندر کچھ ہوتا ہے۔ یہاں زہر بھی خالص نہیں ملتا۔

بھئی! جو بات زبان سے کہی ہے پوری کرو گھوڑا ہے، گدھا ہے، خچر ہے جس کا سودا کیا ہے وہ دو۔ معمولی چیزوں کی خرید وفروخت پر نہ گواہ کی ضرورت ہے نہ تحریر کی شرط ہے۔ ایک نے کہا کہ یہ چیز میں نے تجھے اتنے میں بیچ دی ہے۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے خرید لی بس بیع ہو گئی۔ ہاں تیسرے پارے میں ہے کہ جب کوئی اہم چیز ادھار ہو تو اس کو لکھ لیا کرو تا کہ بعد میں جھگڑا نہ ہو اور جتنی شے کہی ہے اس کا حق پورا دو۔ بسا اوقات بظاہر دو پیمانے ایک جیسے نظر آتے ہیں لیکن ان میں فرق ہوتا ہے جس کو ہر آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ جیسے دیہات میں رہنے والے پرانے لوگ سیر اور کلو کا فرق نہیں سمجھتے اور دکان دار بھاؤ تو کلو کا بتاتا ہے اور تول کے سیر کے ساتھ دیتا ہے اس طرح کا بہت کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔

تو فرمایا ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ﴾ اور نہ کم دو لوگوں کو ان کی چیزیں ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ اور نہ چلو زمین میں فساد کرتے ہوئے۔ ان لوگوں میں سے کچھ نے ایجنٹ رکھے ہوتے تھے جو سوداگروں سے معلومات حاصل کرتے تھے کہ ان کے پاس کون کون سی قیمتی چیزیں ہیں؟ سونا چاندی، زعفران وغیرہ۔ پھر یہ اپنے ڈاکو ساتھیوں کو اطلاع دیتے تھے جو ان جنگلات میں چھپے ہوتے تھے فلاں قافلہ آ رہا ہے ان کے پاس یہ یہ چیزیں ہیں جب وہ قافلہ ان جنگلات سے گزرتا تو وہ اس پر حملہ کر کے لوٹ لیتے۔ اگر کوئی مزاحمت کرتا تو اس کو مار دیتے تھے۔ ڈکیتیاں بھی کرتے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے کہ مدین شہر میں ایک بوڑھا بابا ہے اس کا یہ حلیہ ہے اس کی بات نہ سننا۔ وہ بابا جی شعیب علیہ السلام تھے۔ ڈکیتی بھی کرتے اور راہِ حق سے بھی روکتے تھے۔ شعیب علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! ﴿وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ﴾ اور ڈرو اس ذات سے جس نے تمھیں پیدا کیا ہے ﴿وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ﴾۔ جِبِلّہ جِبِیْل کی جمع ہے بمعنی مخلوق۔ تو جبلہ کا معنی ہوگا خلائق۔ اور تم سے پہلی مخلوقات کو بھی رب نے پیدا کیا ہے۔ انسان بھی، حیوان بھی، جنات اور فرشتے بھی، پھر انسانوں میں مختلف خاندان ہیں اور مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں تمام کو پیدا کرنے والا رب ہے۔ اس پر قوم نے کہا، جواب دیا ﴿قَالُوْٓا﴾ قوم نے کہا ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ﴾ پختہ بات ہے آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن پر جادو کیا گیا ہے۔ ان کا دماغ کام نہیں کرتا پاگل ہو جاتے ہیں معاذ اللہ تعالیٰ تم پاگل ہو۔ تمھاری بیوی، دو بیٹیاں، تین چار اور آدمی تم سچے اور باقی سارا شہر جھوٹا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے تم پر جادو کیا گیا ہے تمھارے ہوش وحواس صحیح

نہیں ہیں۔ ﴿وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ اور نہیں ہیں آپ مگر انسان ہمارے جیسے۔ بھلا بشر ہو کر نبی کیسے بن گیا؟

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک مشرکوں کا یہی عقیدہ رہا ہے کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ کھانے پینے والا کیسے نبی بن گیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مشرکوں نے کہا ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ [الفرقان:۷] "کیا ہے اس رسول کو کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا ہے بازاروں میں سودا خریدنے اور بیچنے کے لیے اور کہتا ہے میں نبی ہوں۔" اور سورہ مومنوں آیت نمبر ۲۴ میں ہے ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾ "اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اُتارتا فرشتوں کو۔" نوری مخلوق ہوتے، نہ کھاتے پیتے اور نہ ان میں جنسی خواہشات ہوتیں۔ اس جواب اللہ تعالیٰ نے پندرھویں پارے میں دیا ﴿لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾ [بنی اسرائیل:۹۵] "اگر ہوتے زمین میں فرشتے چلتے بسنے والے تو یقیناً ہم اُتارتے ان پر آسمان کی طرف سے فرشتے رسول بنا کر۔" اگر زمین کی خلافت ہم نے فرشتوں کو دی ہوتی زمین میں آبادی فرشتوں کی ہوتی تو ان کی اصلاح کے لیے ہم فرشتے رسول بنا کر بھیجتے۔ تو خلافت انسان کے پاس ہے زمین میں انسان آباد ہیں تو ان کی اصلاح کے لیے بشر ہی رسول بنا کر بھیجتے ہیں۔

تو ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہمارے جیسا انسان ہو کر نبی کیسے بن گئے ﴿وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ اور بے شک ہم آپ کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ آپ جھوٹوں میں سے ہیں معاذ اللہ تعالیٰ۔ کتنے سخت الفاظ ہیں پیغمبر کے بارے میں یہ بھی نہیں خیال کیا کہ معمر آدمی ہیں۔ لوگ اختلاف کے باوجود عمر کا لحاظ کرتے ہیں انھوں نے تو کسی شے کا بھی خیال نہ کیا۔ نہ آپ کی نبوت کا، نہ عمر کا، نہ شرافت کا، کتنے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ بے شک ہم گمان کرتے ہیں کہ آپ جھوٹوں میں سے ہیں۔ پھر کہنے لگے کہ آپ جو ہمیں ڈراتے ہیں کہ نافرمانی کی تو آسمان سے تم پر عذاب آئے گا دھمکیاں کیوں دیتے ہو ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾۔ كِسَفًا كِسْفَةٌ کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے ٹکڑا۔ تو معنی ہوگا آپ ہم پر آسمان سے ٹکڑے گرا دیں کہ ہم ختم ہو جائیں۔ میدان آپ کے لیے خالی ہو جائے گرا دو نا ہم پر! ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہیں آپ سچوں میں سے ﴿قَالَ﴾ فرمایا شعیب علیہ السلام نے ﴿رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ دوسرے مقام پر تفصیل ہے کہ میرے بس میں نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکے والوں کو یہی جواب دیا ﴿مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ﴾ [انعام:۵۷] "نہیں ہے میرے پاس وہ چیز جس کو تم جلدی طلب کرتے ہو۔" عذاب لانا اور راحت لانا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ پھر کیا ہوا؟ ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ پس ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا ﴿فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ﴾ پس پکڑا ان کو سائے والے دن کے عذاب نے۔ وہ کیا تھا؟ سخت گرمی کا موسم تھا لوگوں کے لیے سانس لینا مشکل ہو گیا۔ کیا مرد اور کیا عورتیں، کیا بوڑھے اور کیا بچے سب پریشان تھے پانی پینے کے بعد بھی سانس رکتا تھا سوائے شعیب علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھیوں کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ان کا سانس معمول کے مطابق تھا۔ حالاں کہ فضا وہی تھی ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی معمول کے مطابق سانس لیتے تھے اور مخالفوں کو سانس صحیح نہیں آتا تھا۔ ایک بادل کا ٹکڑا نظر آیا چند لوگ جا کر اس کے نیچے کھڑے ہوئے ان کو راحت محسوس ہوئی سانس بھی صحیح آنے لگ

گیا۔انھوں نے دوسروں کو بلایا کہ یہاں بڑا سکون ہے۔

موت سے بچنے کے لیے آدمی بہت کچھ کرتا ہے۔زلزلہ آئے تو لوگ قیمتی چیزیں گھر میں چھوڑ کر باہر بھاگ جاتے ہیں کہ ہم بچ جائیں۔تو اس بادل کے نیچے سب جمع ہو گئے اور بھنگڑے ڈالنے لگے۔کوئی مجرم بھی پیچھے نہ رہا اور ایک دوسرے کا شکریہ ادا کرتے تھے کہ تمھارا شکریہ کہ تم نے ہمیں یہاں بلالیا ہمارا تو دم نکل رہا تھا۔پھر کیا ہوا؟ اس بادل سے آگ کے شعلے ان پر برسے اور سب کے سب ختم ہو گئے ایک بھی زندہ نہ رہا۔وہ سائبان کی شکل میں جو بادل آیا تھا اس میں ان کی ہلاکت اور بربادی تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انھوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا پس پکڑا ان کو سائے والے دن کے عذاب نے ﴿ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ بے شک تھا وہ بڑے دن کا عذاب تھا۔جس پر مصیبت آتی ہے اس کو پتا چلتا ہے کہ تکلیف اور مصیبت کیا ہوتی ہے۔دوسروں کو کیا محسوس ہونا ہے۔عذاب بھگتنے والوں سے کوئی پوچھے کہ کیا گزری ہے؟ ساری کی ساری مجرم قوم تباہ اور برباد ہو گئی ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ﴾ بے شک اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔وہ قادر مطلق ہے جس رنگ میں چاہے عذاب بھیج دے۔سیلاب کے ذریعے تباہ کر دے، ہوا کے ساتھ تباہ کر دے، حالاں کہ یہ دونوں انسان کی زندگی کا سبب ہیں جب بھی حد سے آگے نکل جائیں تو عذاب بن جاتی ہیں۔یہی زمین ہے جس پر چلتے پھرتے ہیں زلزلہ آئے تو ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔وہ قادر مطلق ہے انھی چیزوں کو عذاب کی شکل میں مسلط کر دیتا ہے ﴿ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ اور نہیں ہے اکثریت ان کی ایمان لانے والی ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴾ اور بے شک آپ کا رب البتہ وہی ہے غالب، مہربان۔

﴿ وَاِنَّهٗ ﴾ اور بے شک یہ قرآن ﴿ لَتَنْزِيْلُ ﴾ البتہ اُتارا ہوا ہے ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ رب العالمین کی طرف سے ﴿ نَزَلَ بِهِ ﴾ لے کر اُترا ہے اس کو ﴿ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴾ روح الامین جبرئیل علیہ السلام ﴿ عَلٰى قَلْبِكَ ﴾ آپ کے دل پر ﴿ لِتَكُوْنَ ﴾ تاکہ ہو جائیں آپ ﴿ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴾ ڈرانے والوں میں سے ﴿ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ ﴾ ہے عربی زبان میں ﴿ مُّبِيْنٍ ﴾ کھول کر بیان کرنے والا ﴿ وَاِنَّهٗ ﴾ اور بے شک اس قرآن کا تذکرہ ﴿ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ البتہ پہلی کتابوں میں بھی ہے ﴿ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً ﴾ کیا نہیں ہے ان کے لیے نشانی ﴿ اَنْ يَّعْلَمَهٗ ﴾ کہ جانتے ہیں اس کو ﴿ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ بنی اسرائیل کے علماء ﴿ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ ﴾ اور اگر ہم اُتارتے اس کو ﴿ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴾ عجمیوں میں سے کسی پر ﴿ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ ﴾ پس وہ پڑھتا اس قرآن کو ان عربیوں پر ﴿ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴾ نہیں تھے یہ اس پر ایمان لانے والے ﴿ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ ﴾ اسی طرح ہم نے چلائی یہ بات ﴿ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ مجرموں کے دلوں میں ﴿ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ نہیں ایمان لائیں گے اس پر ﴿ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴾ یہاں تک

کہ وہ دیکھ لیں دردناک عذاب ﴿فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً﴾ پس وہ آئے گا ان کے پاس اچانک ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور ان کو شعور بھی نہیں ہوگا ﴿فَيَقُوْلُوْا﴾ پس کہیں گے ﴿هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ﴾ کیا ہمیں مہلت مل سکتی ہے ﴿اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ کیا پس ہمارے عذاب کا وہ جلدی مطالبہ کرتے ہیں ﴿اَفَرَءَيْتَ﴾ کیا پس آپ بتلائیں ﴿اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ﴾ اگر ہم ان کو فائدہ پہنچائیں ﴿سِنِيْنَ﴾ کئی سال تک ﴿ثُمَّ جَآءَهُمْ﴾ پھر آئے ان کے پاس ﴿مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ﴾ وہ چیز جس کا وعدہ ان کے ساتھ کیا جارہا ہے ﴿مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ﴾ نہیں کفایت کرے گی ان سے ﴿مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ﴾ جس چیز کا ان کو فائدہ دیا جارہا ہے ﴿وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ﴾ اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو ﴿اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ﴾ مگر اس بستی کے لیے ڈرانے والے تھے ﴿ذِكْرٰى﴾ نصیحت کے لیے ﴿وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں ہم ظلم کرنے والے۔

ماقبل سے ربط

اس سورت کے شروع میں فرمایا کہ یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی شاید کہ آپ اپنی جان کو ضائع کر دیں ﴿اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ "اس وجہ سے کہ یہ لوگ ایمان قبول نہیں کرتے۔" پھر کئی پیغمبروں کے حالات بیان فرمائے کہ ان پر بھی اکثریت ایمان نہیں لائی لہذا آپ پریشان نہ ہوں اور نہ غمگین ہوں۔ آپ کے مشن اور پروگرام میں کوئی شک نہیں ہے ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور بے شک یہ قرآن اتارا ہوا ہے رب العالمین کی طرف سے ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ﴾ لے کر اُترا ہے اس کو روح الامین جبرئیل علیہ السلام۔ جس طرح جان دار چیزوں کی زندگی روح کے ساتھ ہوتی ہے اسی طرح قوموں کی روحانی زندگی وحی الٰہی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اگر باطنی اور خدائی علم نہ ہو تو انسان حیوان ہو جائیں بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر۔ اور یہ وحی لے کر آنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں ﴿عَلٰى قَلْبِكَ﴾ آپ کے دل پر۔ شروع شروع میں جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے کہ میں یاد کرلوں بھول نہ جاؤں۔ سورۃ القیامہ آیت نمبر ۲۹ میں ہے ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝﴾ "بے شک ہمارے ذمہ ہے اس قرآن کا آپ کے دل میں جمع کرنا اور اس کا پڑھانا آپ زبان کو حرکت نہ دیں۔" تو جبرئیل علیہ السلام قرآن پاک لاتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے تھے تو فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اُتر جاتا تھا۔ پھر ہر سال رمضان مبارک میں جبرئیل علیہ السلام آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دور بھی کرتے تھے تاکہ قرآن پاک میں کسی قسم کی غلطی نہ رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی علامت

جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے اس سال رمضان میں جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو دفعہ دور کیا

ہے جس سے آپ ﷺ نے سمجھا کہ شاید میری وفات کا وقت قریب آ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِقْتَرَبَ اَجَلِیْ)) "میری وفات کا وقت قریب آ گیا ہے۔" پوچھنے والوں نے پوچھا حضرت! اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اشارہ ہوا ہے۔ فرمایا ہر سال جبرئیل علیہ السلام رمضان مبارک میں ایک دفعہ دور کرتے تھے قرآن شریف کا اور اس دفعہ دو مرتبہ دور کیا ہے۔ اس سے میں سمجھا ہوں کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ قرآن کیوں اُتارا گیا ہے آپ کے دل مبارک پر ﴿لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴾ تاکہ آپ ہو جائیں ڈرانے والوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر مُنْذِر بھی تھے اور بشیر بھی تھے۔ مُنْذِر کا معنیٰ ہے ڈرانے والا۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑ دو ورنہ تم پر عذاب آئے گا دنیا میں بھی، قبر حشر میں بھی، میدان محشر میں بھی اور دوزخ میں بھی عذاب ہوگا۔ اور مبشر کا معنیٰ ہے خوش خبری سنانے والا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تسلیم کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہوگا دنیا میں سکون ہوگا، قبر حشر میں راحت ہوگی، محشر میں بھی سکون ہوگا اور بالآخر جنت میں رہو گے۔ اور یہ قرآن ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ﴾ عربی زبان میں ہے ﴿مُّبِيْنٍ﴾ کھول کر بیان کرنے والا بالکل واضح۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنی فصاحت و بلاغت عربی زبان میں ہے اتنی کسی زبان میں نہیں ہے۔

آقا کا بشر ہونا آقا کی زبان سے ؟

مکلف مخلوقات دو ہیں انسان اور جن۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے مخلوق میں سے افضل مخلوق انسانوں میں پیدا فرمایا۔ پھر انسانوں کے دو طبقے تھے عربی اور عجمی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہترین طبقہ عربیوں میں پیدا فرمایا۔ پھر عربیوں میں جو بہترین خاندان تھا قریش، رب تعالیٰ نے مجھے ان میں پیدا فرمایا۔ پھر قریش کی شاخ بنو ہاشم جن کو لوگ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں پیدا فرمایا۔ تو پیغمبر بھی عربی ہے فصیح و بلیغ اور قرآن کریم بھی عربی ہے فصیح و بلیغ ﴿وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ﴾ اور بے شک اس قرآن پاک کا تذکرہ پہلی کتابوں میں بھی ہے۔ پہلی کتابوں سے مراد تورات، انجیل، زبور اور دیگر آسمانی صحیفے۔ ان تمام میں قرآن پاک کا ذکر ہے باوجود اس کے کہ پادری صاحبان نے تحریف کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے لیکن پھر بھی اس سلسلے کی بعض چیزیں موجود ہیں۔ مثلاً:

آج بھی بائبل میں یہ آیت موجود ہے کہ "آنے والا جو آئے گا اس پر رب تعالیٰ کا کلام اُترے گا کچھ یہاں کچھ وہاں۔" یعنی کچھ مکے میں کچھ مدینے میں اور اس میں جو چیزیں ہوں گی وہ رب نے ان کی زبان میں ڈالی ہوں گی۔ وہ خود اپنی طرف سے نہیں کہے گا۔ سورہ نجم میں ہے ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ "اور نہیں بولتا وہ نفس کی خواہش سے نہیں ہے مگر وہ وحی جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔" اور یہ بھی بائبل میں ہے کہ ان کی شریعت آتشیں ہوگی یعنی اس میں جہاد بھی ہوگا مجرموں کو سزائیں بھی دی جائیں گی۔ تو یہ اشارات پہلی کتابوں میں آج بھی موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً﴾ کیا یہ ان کے لیے نشانی نہیں ہے ﴿اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾

کہ جانتے ہیں اس رسول کو بنی اسرائیل کے علماء اور اس کتاب کو بھی۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۵۷ میں ہے ﴿الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ﴾ "وہ جس کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔" انجیل یوحنا میں اب بھی موجود ہے عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں اور صحابیوں کو فرمایا اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیوں کہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں (باب ۱۵، آیت ۳۰) جتنی خوبیاں، کمالات اور فضائل رب تعالیٰ نے اس کو دیئے ہیں وہ مجھے نہیں دیئے۔

عیسائیوں کی تحریف کا ایک عجیب واقعہ

میں نے کتاب لکھی "عیسائیت کا پس منظر" اس میں میں نے یہ بشارت بھی لکھی تھی۔ سردی کا زمانہ تھا کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے بچے کو کہا دیکھو کون صاحب ہیں۔ بچے نے بتلایا کہ پتلون والے دو آدمی ہیں۔ میں نے کہا ان کو بیٹھک میں بٹھا کر چائے پلاؤ، ان کی خدمت کی اور پوچھا کہ تم کون ہو کہاں سے تشریف لائے ہو؟ ایک کا نام پطرس گل تھا دوسرے کا نام مجھے یاد نہیں ہے ڈائری میں لکھا ہوا ہے۔ کہنے لگے ہم انارکلی لاہور سے آئے ہیں وہاں کے گرجے کے ہم ذمہ دار افراد ہیں ہم نے آپ کی کتاب عیسائیت کا پس منظر پڑھی ہے اس میں آپ نے مسلمانوں کو یہ تاثر دیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے جس دنیا کے سردار کی خوش خبری سنائی ہے وہ تمھارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ میں نے کہا پادری صاحب دنیا کے سردار سے تمھاری کیا مراد ہے۔ کہنے لگا اس سے مراد شیطان ہے۔ اندازہ لگاؤ! اس کی تاویل کا۔

میں نے کہا پادری صاحب بات کرو کوئی کرنے والی۔ شیطان کس نعمت کا نام ہے۔ وہ کون سی دولت ہے کہ جس کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کو خوش خبری دے رہے ہیں کہ میں جاؤں گا اور وہ میرے بعد آئے گا۔ تو کیا شیطان حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے دنیا میں موجود نہیں تھا۔ حضرت آدم اور حوا کو جنت سے کس نے نکالا تھا۔ شیطان کی خرابیاں جو تمھاری کتابوں میں بیان کی گئی ہیں اس وقت شیطان کہاں تھا اور کیا تم شیطان کو دنیا کا سردار مانتے ہو؟ اور کیا شیطان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اپنے حواریوں کو، شاگردوں کو خوش خبری سناتا ہے کہ میں اب جا رہا ہوں دنیا کا سردار آئے گا اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں ہے یعنی جتنی خوبیاں اس میں ہوں گی وہ مجھ میں نہیں ہیں۔ میں نے کہا انجیل متی میں ہے عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں آنے والے کی جوتیاں اُٹھانے کے قابل نہیں ہوں۔ تو کیا آپ کے خیال کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام اس سے بھی قاصر ہیں کہ شیطان کی جوتیاں اُٹھائیں۔ شیطان کو جوتیاں مارنی ہیں یا اس کی جوتیاں اٹھانی ہیں بالآخر آئیں بائیں شائیں کر کے چلے گئے۔ تاویل دنیا میں ہر آدمی کرتا ہے۔ تاویل سے حقیقت تو نہیں جھٹلائی جا سکتی۔ حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہوتی ہے۔

فرمایا ﴿وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ﴾ اور اگر ہم اتارتے اس قرآن پاک کو عجمیوں میں سے بعض پر، کسی عجمی شخص پر اُتارتے ﴿فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ﴾ پھر وہ پڑھتا اس قرآن کو عربیوں پر ﴿مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ﴾ یہ عربی نہیں تھے اس پر ایمان لانے

والے۔ کہتے ہم تو عربی ہیں اور ہمارے لیے جو ہدایت نامہ آیا ہے وہ عجمی ہے یہ کیا جوڑ ہوا۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ [ابراہیم: ۴] "اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں۔" تا کہ قوم کو یہ کہنے کا موقع ہی نہ ملے کہ بات کو سمجھے ہی نہیں۔ زبان کے پیچ پیچ (نزاکتوں اور بلاغتوں) کو زبان والا ہی سمجھتا ہے دوسرا نہیں سمجھتا۔

پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے ہمارے ساتھ ایک ساتھی پڑھتا تھا بڑا مسخرہ تھا۔ اس سے ایک غلطی ہوگئی جس کی وجہ سے اس کی پیشی ہوئی۔ قسم اُٹھا کر بری ہو گیا۔ ساتھیوں نے کہا کہ تو نے غلط قسم اٹھائی ہے کیوں کہ تو نے یہ غلطی کی ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے کوئی اللہ کی قسم تو نہیں اٹھائی میں نے تو الّاں کی قسم اٹھائی ہے۔ الّاں لمبے کدو کو کہتے ہیں۔ اب اس بات کو پنجابی تو سمجھ سکتے تھے بلوچستانی اور سرحد والے تو نہیں سمجھ سکتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر قومی زبان میں بھیجے ہیں تا کہ بات آسانی کے ساتھ سمجھا سکیں۔

تو فرمایا کہ اگر ہم قرآن پاک عجمیوں میں سے کسی پر نازل کرتے تو یہ نہ مانتے۔ فرمایا ﴿كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اسی طرح ہم نے چلائی یہ بات مجرموں کے دلوں میں ایمان نہ لانے کی کیوں کہ انھوں نے ارادہ کیا ایمان نہ لانے کا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ "ہم پھیر دیتے ہیں اسی طرف جس طرف کوئی پھرتا ہے۔" جس طرف کا کوئی ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف پھیر دیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں راستے دکھا کر اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف: ۲۹] "پس جو چاہے اپنی سے ایمان لائے اور جو چاہے اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔" جبراً اللہ تعالیٰ کسی کو نہ ہدایت دیتے ہیں اور نہ گمراہ کرتے ہیں۔ یہ چوں کہ کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان مجرموں کے دلوں میں یہ بات چلائی ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ کہ وہ اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے ﴿حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ یہاں تک کہ وہ دیکھیں درد ناک عذاب کو۔ اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان مفید نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے پورا زور خرچ کیا فرعون کو سمجھانے کے لیے بڑا ہوشیار آدمی تھا جانتا تھا لیکن مانا نہیں اور ایمان جاننے کا نام نہیں ہے ماننے کا نام ہے۔ رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہودیوں کے متعلق فرمایا ہے ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ [بقرہ: ۱۴۶] "یہ اس پیغمبر کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔" لیکن ایمان نہیں لائے۔ سورہ نمل میں آئے گا ﴿وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ﴾ "یقین کیا ان نشانیوں کے بارے میں ان کی جانوں نے۔" فرعون اور اس کی قوم نے یقین کیا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور یہ نشانیاں حق ہیں لیکن ظلم اور سرکشی اختیار کرتے ہوئے ایمان نہیں لائے۔ تو ایمان جاننے کا نام نہیں ہے ماننے کا نام ہے۔ پھر جب غرق ہونے لگا تو کہا کہ میں ایمان لایا کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں ﴿وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ "اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔" ادھر سے ارشاد ہوا ﴿آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ﴾ [یونس: ۹۱] "اب ایمان لاتے ہو اور اب تک کفر کرتے رہے ہو۔" اب تمھارا کوئی ایمان

نہیں ہے۔

تو فرمایا عذاب دیکھ کر ایمان لائیں گے ﴿فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً﴾ پس وہ عذاب ان کے پاس آئے گا اچانک ﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور ان کو شعور بھی نہیں ہوگا۔ سیلاب کی شکل میں لائے، قحط سالی کی صورت میں لائے، زلزلے کی شکل میں لائے، آسمان سے پتھر برسائے، دشمن سے حملہ کرادے، بے شمار قسم کے عذاب ہیں جب اللہ تعالیٰ لاتا ہے تو پتا نہیں چلتا ﴿فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ﴾ پس کہیں گے کیا ہمیں مہلت مل سکتی ہے۔ کیا ہمیں توبہ کی مہلت ملے گی ﴿اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ کیا پس یہ ہمارے عذاب کے بارے میں جلدی مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ﴿فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ [انفال: ۳۲] "پس برسا ہم پر پتھر آسمان کی طرف سے یا لے آ ہمارے پاس کوئی دردناک عذاب۔"

﴿اَفَرَءَيْتَ﴾ کیا پس آپ بتلائیں تو سہی ﴿اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ﴾ اگر ہم ان کو فائدہ دے دیں کئی سال یعنی یہ کئی سال زندہ رہیں ﴿ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ﴾ پھر آئے ان کے پاس وہ چیز جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے ﴿مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ﴾ نہیں کفایت کرے گی ان سے وہ چیز جس کا ان کو فائدہ دیا جا رہا ہے۔ جتنے سال زندہ رہیں، پچاس سال، سو سال، ہزار سال، جب عذاب آئے گا تو ان کو نہ دولت بچا سکے گی، نہ کوٹھیاں بچا سکیں گی، نہ لاؤ لشکر بچا سکیں گے ﴿وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ﴾ اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس بستی کے لیے ڈرانے والے تھے ﴿ذِكْرٰى﴾ نصیحت کی بات ہماری طرف سے پوری ہوئی ﴿وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں ہم ظلم کرنے والے کہ بے خبری میں ان لوگوں کو ماردیں ہم نے ان کو استعداد دی اور ان تک حق کو پہنچایا، پیغمبروں کے ذریعے ان کو آگاہ کیا جب نہیں مانے ضد پر اڑے رہے پھر ہلاک کیا۔

﴿وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ﴾ اور نہیں اُتار کر لائے اس قرآن کو شیاطین ﴿وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ﴾ اور نہیں لائق ان کے ﴿وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾ اور نہ وہ طاقت رکھتے ہیں ﴿اِنَّهُمْ﴾ بے شک وہ ﴿عَنِ السَّمْعِ﴾ اس کے سننے سے ﴿لَمَعْزُوْلُوْنَ﴾ البتہ الگ رکھے ہوئے ہیں ﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ پس آپ نہ پکاریں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو حاجت روا، مشکل کشا ﴿فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ﴾ پس ہو جائیں گے آپ سزا یافتہ لوگوں میں سے ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ﴾ اور آپ ڈرائیں اپنی برادری کو ﴿الْاَقْرَبِيْنَ﴾ جو قریبی ہیں ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ﴾ اور آپ نرم کریں اپنے بازو کو ﴿لِمَنِ اتَّبَعَكَ﴾ ان کے لیے جنھوں نے آپ کی پیروی کی ہے ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں میں سے ﴿فَاِنْ عَصَوْكَ﴾ پس اگر یہ کافر آپ کی نافرمانی کریں ﴿فَقُلْ﴾ پس آپ کہہ دیں ﴿اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ﴾ بے شک میں بیزار ہوں ﴿مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ﴾ اور آپ توکل کریں اس

ذات پر جو غالب ہے، مہربان ہے ﴿الَّذِیْ﴾ وہ ذات ﴿یَرٰىكَ﴾ جو آپ کو دیکھتی ہے ﴿حِیْنَ تَقُوْمُ﴾ جب آپ کھڑے ہوتے ہیں ﴿وَتَقَلُّبَكَ﴾ اور آپ کا پلٹنا ﴿فِی السّٰجِدِیْنَ﴾ نمازیوں میں ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک وہ ﴿هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿هَلْ اُنَبِّئُكُمْ﴾ کیا میں تمھیں خبر دوں ﴿عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ﴾ جس پر اُترتے ہیں شیاطین ﴿تَنَزَّلُ﴾ اُترتے ہیں ﴿عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ﴾ ہر جھوٹے ﴿اَثِیْمٍ﴾ گناہ گار پر ﴿یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ﴾ وہ ڈالتے ہیں سنی ہوئی بات کو ﴿وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ﴾ اور اکثر ان کے جھوٹے ہیں ﴿وَالشُّعَرَآءُ﴾ اور جو شاعر لوگ ہیں ﴿یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ ان کی پیروی کرتے ہیں گمراہ لوگ ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا آپ نہیں دیکھتے ﴿اَنَّهُمْ﴾ بے شک وہ شاعر ﴿فِیْ كُلِّ وَادٍ﴾ ہر وادی میں ﴿یَّهِیْمُوْنَ﴾ سرگردان پھرتے ہیں ﴿وَاَنَّهُمْ﴾ اور بے شک وہ شاعر ﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ کہتے ہیں ﴿مَا لَا یَفْعَلُوْنَ﴾ وہ جو کرتے نہیں ہیں ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا﴾ اور یاد کیا اللہ تعالیٰ کو بہت ﴿وَّانْتَصَرُوْا﴾ اور انھوں نے بدلہ لیا ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا﴾ بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا ﴿وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا﴾ اور عنقریب جان لیں گے وہ لوگ جو ظالم ہیں ﴿اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ﴾ کہ کون سے پہلو پر وہ پلٹتے ہیں۔

بعض کافر قرآن کو سحر سے تعبیر کرتے تھے اور بعض اس کو شعر و شاعری کی ایک قسم پر محمول کرتے تھے۔ بعض یہ بھی کہتے تھے کہ جنات اور شیاطین آکر یہ قرآن اس کو سکھاتے ہیں۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ دو تین دن وحی نازل نہ ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید بخار ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نہ آسکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی ابولہب کی بیوی نے کہا قَدْ تَرَكَكَ شَیْطَانُكَ "وہ شیطان جو تمھیں آکر باتیں بتاتا تھا وہ تجھے چھوڑ گیا ہے۔" تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی تردید فرماتے ہیں ﴿وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ﴾ اور نہیں اتار کے لائے اس قرآن کو شیاطین ﴿وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ﴾ اور نہیں لائق ان کے ﴿وَمَا یَسْتَطِیْعُوْنَ﴾ اور نہ وہ طاقت رکھتے ہیں۔ ﴿تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ "یہ تو رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔" جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے ہیں اور شوشے لوگ دنیا میں چھوڑتے رہتے ہیں ﴿اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ﴾ بے شک وہ اس کے سننے سے الگ رکھے ہوئے ہیں۔

احادیث میں آتا ہے کہ فضا میں فرشتے ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں کہ آج رب العالمین کی طرف سے یہ وحی اتری ہے، آج فلاں کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا ہے اور فلاں کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا ہے۔ یہ شیاطین فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے اُوپر چڑھتے ہیں تو چمک دار ستارہ ان پر ٹوٹ پڑتا ہے شہاب مُبین۔ جس کی وجہ سے کوئی جل جاتا ہے کوئی زخمی ہو جاتا ہے اور کوئی مر جاتا ہے اور کوئی بچ جاتا ہے لیکن وہ اپنی مہم کو نہیں چھوڑتے۔ تو فرمایا شیاطین پر تو پابندی ہے یہ تو سن نہیں سکتے یہ کیسے اتاریں گے؟ فرمایا کہ کافروں کی بات میں نہ آنا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اُمت کو سمجھایا ہے ﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ پس آپ نہ

پکاریں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، دست گیر معاذ اللہ! اگر آپ ایسا کریں گے ﴿فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ﴾ تو ہو جائیں گے سزا یافتہ لوگوں میں سے۔ یہ آپ ﷺ کو خطاب کر کے اُمت کو سمجھایا ہے کہ رب تعالیٰ کے سوا کسی کو حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس نہ بنائیں ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ اور آپ ڈرائیں اپنی قریبی برادری کو۔

اعلانِ نبوت

۵ ھ نبوت کو جب یہ سورت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے صفا کی چٹان پر کھڑے ہو کر آواز دی اور چادر ہلائی۔ سفید چادر کو ہلانا اس بات کی علامت ہوتا تھا کہ کسی دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ اس وقت یہ بلڈنگیں اور بلند عمارتیں نہیں ہوتی تھیں دور سے کعبۃ اللہ نظر آتا تھا۔ مرد، عورتیں، بوڑھے، جوان، بچے، سب لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ان دنوں یہ افواہ پھیلی ہوئی تھی سراقہ بن مالک حملہ کرنے والا ہے۔ سراقہ بن مالک کنعانی مشہور خاندان بنو کنعانہ کا سردار تھا اور اس خاندان کی مکے والوں کے ساتھ عداوت اور دشمنی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تمھیں یہ کہوں کہ جبل ابو قبیس کے دوسری طرف ایک فوج ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے کیا تم میری بات مان لو گے یا نہیں؟ کئی قسم کی روایتیں موجود ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ مکے والوں نے کہا: مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا "ہم نے آج تک آپ سے جھوٹ نہیں سنا۔" یہ نبوت کا پانچواں سال تھا اور چالیس سال نبوت سے پہلے گزر چکے تھے۔ اور ایک روایت میں آتا ہے: مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا "ہم نے آپ سے سچی بات ہی سنی ہے۔" اگر ہمیں لشکر نظر نہ بھی آ رہا ہو تو ہم یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کی کمزوری ہے ہماری بینائی کام نہیں کر رہی آپ یقیناً سچے ہیں۔ اس تمہید کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا مکے والو! ﴿قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْنَ﴾ "لا الٰہ الا اللہ پڑھ لو کامیاب ہو جاؤ گے۔" ورنہ یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے فرشتے پہاڑ کے پیچھے ہیں وہ تمھیں زندگی میں بھی پریشان کریں گے اور مرتے وقت بھی پٹائی کریں گے اور وہ جہان جو آگے ہے وہ الگ ہے۔

جب آپ نے یہ بات فرمائی تو آپ کا چچا ابولہب جس کا نام عبدالعزیٰ تھا، نے آپ ﷺ کے منہ کے قریب آ کر ہاتھ آگے کر کے کہنے لگا: تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْاَيَّامِ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا "ہلاکت تمھارے لیے یہ لا الٰہ الا اللہ سنانے کے لیے ہمیں جمع کیا تھا۔" ہم نے تو یہ سمجھا تھا کہ کسی دشمن کا ہم پر حملہ ہونے والا ہے۔ اس سے آگاہ کرنے کے لیے ہمیں بلایا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ "ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا۔"

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ اور آپ ڈرائیں اپنی برادری کو جو قریبی ہے ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ﴾ اور پست رکھیں اپنے بازو ﴿لِمَنِ اتَّبَعَكَ﴾ ان کے لیے جنھوں نے آپ کی پیروی کی ہے ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ایمان والوں سے۔ بازو پست کرنے کا مطلب ہے نرمی۔ چھوٹے بچوں کو آپ نے دیکھا ہو گا جب ان کو کوئی کام کہے اور ان کا ارادہ ہو کام کرنے کا تو وہ بازو کو ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں اور اگر کام نہ کرنے کا ارادہ ہو تو زبان کے ساتھ کندھا بھی اوپر کو ہلاتے ہیں۔ یہ

انکار کی علامت ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے مومن ساتھیوں کے ساتھ نرمی کریں۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۵۹ میں ہے ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ "پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہیں ﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ اور اگر آپ سخت مزاج اور تنگ دل ہوتے تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے اردگرد سے۔" جو آدمی سخت مزاج ہوتا ہے لوگ اس کے قریب نہیں آتے ﴿فَاِنْ عَصَوْكَ﴾ پس اگر یہ مکے والے آپ کی نافرمانی کریں ﴿فَقُلْ﴾ پس آپ کہہ دیں ﴿اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک میں بیزار ہوں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو، کفر، شرک، نافرمانی ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ﴾ اور توکل کریں اس ذات پر جو غالب ہے مہربان ہے۔ آپ ﷺ کے مخالف آپ ﷺ کو دھمکی دیتے تھے کہ آپ ﷺ کے ساتھ کتنے آدمی ہیں کہ آپ ﷺ ان کو لے کر سارے عرب کے خلاف کارروائی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اس ذات پر توکل کریں جو غالب اور مہربان ہے۔ چند سال کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ غلبہ کس کو حاصل ہوا ہے؟ ان کو ہوا ہے یا آپ ﷺ کو۔ آپ ﷺ اس غالب مہربان ذات پر توکل کریں۔

﴿الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ﴾ جو دیکھتی ہے آپ کو جس وقت آپ کھڑے ہوتے ہیں۔ کھڑے ہونے کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ آپ جب تبلیغ کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اس وقت رب آپ کو دیکھتا ہے۔ اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور یہ تفسیر بھی ہے کہ جب آپ تہجد کے لیے کھڑے ہوتے ہیں ﴿وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ﴾ اور آپ کا پلٹنا نمازیوں میں۔ آپ کا رب آپ کو دیکھتا ہے جب آپ نمازیوں کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، رکوع میں ہوتے ہیں، کبھی سجدے میں ہوتے ہیں اور نمازیوں میں آپ کا اُٹھنا بیٹھنا رب تعالیٰ کے سامنے ہے ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ بے شک وہی اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ قریب کی بات بھی اور دور کی بات بھی، بلند بھی اور آہستہ بھی۔ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے، ظاہر و باطن کو جانتا ہے، نیت اور ارادوں کو جانتا ہے۔ کافروں نے یہ شوشہ چھوڑا تھا کہ شیطان اس کے لیے وحی لاتا ہے پہلے اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی اور کہا کہ یہ قرآن نہ شیطانوں نے اتارا ہے اور نہ ان کے مناسب ہے۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ﴾ کیا میں تمھیں خبر دوں جس پر اُترتے ہیں شیطان ﴿تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ﴾ اُترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر اور آپ ﷺ کی ذات تو وہ ہے جن کے متعلق مکے والے خود کہتے تھے کہ ہم نے آپ ﷺ کی زبان سے کبھی جھوٹ نہیں سنا۔

حضور ﷺ کا سب سے بڑا مخالف

مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کا سب سے بڑا مخالف ابوجہل تھا اور ابوجہل کا یہ مقولہ ترمذی شریف، مستدرک حاکم، مسند احمد احادیث کی کتابوں میں موجود ہے: يَا مُحَمَّدُ (ﷺ) لَا نُكَذِّبُكَ وَلٰكِنْ نُكَذِّبُ بِالَّذِيْ جِئْتَ بِهٖ "اے محمد ﷺ! ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن ہم اس کو جھٹلاتے ہیں جو آپ لے کر آئے ہیں۔" لا الٰہ الا اللہ بس ہمیں یہ گوارا نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا سب سے بڑا دشمن بھی آپ ﷺ کی سچائی کو مانتا تھا۔ تو سچے لوگوں کے پاس تو شیطان نہیں آتا شیطان تو جھوٹے اور گنہگار

لوگوں پر اُترتے ہیں ﴿یُلْقُوْنَ السَّمْعَ﴾ ڈالتے ہیں وہ لوگوں کے کانوں میں سنی ہوئی باتیں ﴿وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ﴾ اور اکثر ان کے جھوٹے ہیں۔ اور جن کے ساتھ شیطانوں کا ربط ہوتا ہے وہ بھی جھوٹے ہوتے ہیں۔

﴿وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ اور جو شاعر لوگ ہیں ان کی پیروی کرتے ہیں گمراہ لوگ۔ کافر آپ ﷺ کو شاعر بھی کہتے تھے اور ساتھ مجنون کا لفظ بھی ملاتے تھے کہ ہم شاعر اور مجنون کی بات مان لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ شاعروں کے چیلے چانٹے اور ان کی مجلس والے شرابی ہوتے ہیں بس صرف ذہنی عیاشی کے لیے لوگ شاعروں کے پاس جاتے ہیں۔ اکثر میں خدا خوفی نہیں ہوتی اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے والے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہادین مہدیین ہیں۔ خود ہدایت یافتہ اور دوسروں کی راہنمائی کرنے والے۔

اسی لیے ایک روایت میں آتا ہے: ((اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ)) "میرے صحابہ چاند کے ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔" جس سے چاہو روشنی حاصل کرو تمام صحابہ ہدایت کے روشن ستارے ہیں۔ اسی لیے تمام فقہاء، محدثین، مفسرین، مورخین رحمہم اللہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عَدُوْلٌ "سب کے سب صحابہ عادل ہیں۔" کسی صحابی پر تنقید نہیں ہو سکتی۔ تنقید کا مطلب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ فلاں صحابی ثقہ ہے اور فلاں ضعیف ہے، یہ نہیں کہہ سکتے۔ تمام کے تمام ثقہ ہیں عادل ہیں۔ جب تابعین کی باری آئے گی تو ان پر بحث ہو سکتی ہے کہ فلاں تابعی ثقہ ہے اور فلاں ضعیف ہے اور صحابی کے بارے میں کوئی دوسری رائے نہیں ہے بس اس کا صحابی ہونا ثابت ہو جائے تو وہ ثقہ اور عادل ہے اور بس۔

تو فرمایا کہ شاعر لوگوں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں ان کی مجلس میں گمراہ لوگ اُٹھتے بیٹھتے ہیں ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ﴾ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ شاعر ہر خیالی وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں سر مارتے پھرتے ہیں۔ شاعروں کی خیالی باتوں کی وجہ سے لوگ سر ہلاتے ہیں۔ حارث بھنگوی رحمہ اللہ علیہ بڑے بزرگ گزرے ہیں ان کا بیٹا شاعروں میں اُٹھتا بیٹھتا تھا۔ انھوں نے کہا بیٹا! میری نصیحت یاد رکھو! شعر و شاعری میں نہ پڑو جتنا جھوٹا شعر ہو گا اتنی اس کی لذت زیادہ ہو گی اور شعر جتنا خلافِ واقعہ ہو گا اتنا ہی باکمال نظر آئے گا (گویا مبالغے کو شعر کا حسن قرار دیا جاتا ہے) اور پھر ان میں یہ نقص بھی ہے ﴿وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ﴾ اور بے شک وہ کہتے ہیں وہ جو کرتے نہیں ہیں۔ شاعر کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ ہمارے دور کے بہت بڑے شاعر ہیں علامہ اقبال مرحوم۔ اس دور میں فارسی اردو کا اتنا بڑا شاعر کوئی نہیں پیدا ہوا۔ وہ خود اپنے بارے میں اقرار کرتے ہیں: ؎

اقبال بڑا اپدیشک ہے، من باتوں میں موہ لیتا ہے

گفتار کا یہ غازی تو بنا، کردار کا غازی بن نہ سکا

اگر گفتار کے ساتھ کردار بھی ہوتا تو علامہ وقت کا بہت بڑا ولی ہوتا۔ تو محض شعر و شاعری سے کچھ نہیں بنتا ساتھ کردار بھی ہونا چاہیے۔ حضرات سلف کہتے کم تھے کرتے زیادہ تھے اور ہم لوگ کرتے کم ہیں اور کہتے زیادہ ہیں۔

متنبی کا دعویٰ نبوت:

مشہور شاعر تھا متنبی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کے پاس جادو کے دو کرشمے تھے۔ چاول کے ایک دانے پر پوری بسم اللہ اور سورہ اخلاص لکھ لیتا تھا اور پڑھی بھی جاتی تھیں۔ اور شیشی کا منہ چاہے جتنا تنگ ہوتا اس میں انڈا داخل کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر میں نبی نہیں ہوں تو تم کر کے دکھا دو۔ اس وقت اسلامی حکومت تھی گو کہ خلافت راشدہ نہیں تھی مگر بہر حال اسلام کی قدر و منزلت تھی۔ متنبی کے خلاف مقدمہ دائر ہو گیا اس کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس سے پہلے اس نے لوگوں سے کہا، اپنے دوستوں اور شاگردوں کو کہا کہ میرا لقب 'لا' ہے تم مجھے 'لا' کہا کرو۔ لا صاحب آئے ہیں، لا صاحب گئے ہیں لا صاحب بیٹھے ہیں، لا صاحب نے کھایا ہے، لا صاحب نے پیا ہے۔ جج صاحب نے کہا کہ تم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ متنبی نے کہا ہاں کیا ہے۔ جج نے کہا کہ نبی تو کوئی معجزہ بھی دکھاتے ہیں۔ کہنے لگا خشک چاول کا دانہ لاؤ۔ عدالت میں جج کے سامنے، قاضی کے سامنے اس نے چاول کے دانے پر پوری بسم اللہ اور سورۃ اخلاص لکھ دی اور کہنے لگا اگر میں نبی نہیں ہوں تو تم میں سے کوئی ایسا کر دے۔ تنگ منہ والی شیشی منگوائی اس میں انڈا داخل کر دیا۔

قاضی بڑا سمجھ دار تھا اس نے کہا کہ تم آنحضرت ﷺ پر ایمان رکھتے ہو کہ نہیں۔ کہنے لگا ہاں! میں آپ ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں اور آپ ﷺ کی نبوت کے طفیل سے، برکت سے نبی بنا ہوں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ)) "میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔" تم کیسے نبی بن گئے ہو؟ متنبی نے کہا یہی حدیث تو میری نبوت کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لا میرے بعد نبی ہوگا اور میں لا ہوں۔ لوگوں سے پوچھو میرا لقب لا ہے۔ عدالت میں جانے سے پہلے کیسی تمہید باندھی تھی اندازہ لگاؤ۔ جج نے کہا کہ جو طاقت ور جلاد ہے اس کو بلاؤ۔ بلایا گیا اور لا صاحب کو لٹا کے جب چند درے لگے تو کان پکڑ کر کہنے لگا میری نانی کی بھی توبہ ہے میں نبی نہیں ہوں۔ ایک مقام پر جا رہا تھا کہ دشمنوں کے گھیرے میں آ گیا۔ ساتھیوں میں سے ایک شاگرد نے کہا استاد جی! یہ آپ کا شعر ہے:

فَالخیل وَالابل والبغال تَعْرِفُنِی
والارض والغرب والقرطاس

"میں وہ بہادر ہوں گھوڑے، اونٹ اور خچر مجھے جانتے ہیں، میدان جنگ اور نیزے اور قلعے مجھے جانتے ہیں۔"

تو حضرت لا صاحب! بھاگتے کیوں ہو؟

تو شاعر لوگ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سارے ایسے نہیں ہیں ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے عمل اچھے کیے وہ شاعر صحیح ہیں۔ جیسے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے شاعر تھے۔ کافر جب آپ ﷺ کی ہجو اور مذمت کرتے تھے شعر و شاعری میں تو آنحضرت ﷺ حضرت حسان بن

ثابت رضی اللہ عنہ کو فرماتے کہ ان کا جواب دو۔ تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ شعر و شاعری میں ان کا رد کرتے تھے۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کے خلاف، حدیث کے خلاف، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف، حق کے خلاف اگر کوئی بات کرے تو مسلمانوں میں ضرور کوئی نہ کوئی طبقہ ہونا چاہیے جو ان کا رد کرے۔ اگر کوئی بھی رد نہیں کرے گا تو سب گنہگار رہوں گے۔ اگر باطل کی ایک ثقہ آدمی بھی تردید کر دے گا تو سب کی طرف سے فرض ادا ہو جائے گا کیوں کہ باطل کی تردید کرنا فرض کفایہ ہے۔ کیوں کہ اگر کوئی بھی تردید نہیں کرے گا تو عوام بڑے سطحی ہوتے ہیں وہ اس کی بات کو صحیح سمجھ لیں گے اس لیے اس کی غلط بات کی تردید کرنا ضروری ہے۔ تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شعر و شاعری میں کافروں کا رد کرتے تھے اور بھی بے شمار شاعر گزرے ہیں جو حق کی ترجمانی کرنے والے تھے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے "مثنوی شریف" اس میں فارسی زبان کے اشعار ہیں۔ اس کا بڑا بہترین ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ اس کو فارغ اوقات میں ضرور پڑھیں۔ اس میں تمھیں توحید ملے گی، رسالت ملے گی، قیامت کا ذکر ملے گا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ملے گا، دنیا کی بے ثباتی ملے گی اور وہ جس کو صحیح معنیٰ میں تصوف کہتے ہیں وہ ملے گا۔ نہایت دقیق کتاب ہے ہر آدمی کو بغیر شرح کے سمجھ بھی نہیں آسکتی۔

تو فرمایا جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے اچھے ﴿وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ اور یاد کیا اللہ تعالیٰ کو بہت ﴿وَّانْتَصَرُوْا﴾ اور انتقام لیا دشمنوں سے ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا﴾ بعد اس کے کہ ان کے ساتھ زیادتی کی گئی۔ اگر کافر شعر و شاعری میں اسلام کے خلاف، مسلمانوں کے خلاف کوئی بات کرتے ہیں اور یہ شعر و شاعری میں انتقام لیتے ہیں، بدلہ لیتے ہیں، اس کا رد کرتے ہیں تو ایسے لوگ مستثنیٰ ہیں ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا﴾ اور عنقریب جان لیں گے وہ لوگ جو ظالم ہیں ﴿اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ کہ کون سے پہلو پر پلٹتے ہیں۔ جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف جاتے ہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ النَّمۡلِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ وَقَالَ الَّذِیۡنَ ، اَمَّنۡ خَلَقَ

۱۹ ۲۰

آیاتھا ۹۳ ۔۔۔ (۲۷) سُوْرَۃُ النَّمْلِ مَکِّیَّۃٌ (۴۸) ۔۔۔ رکوعاتھا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ﴾ یہ آیتیں ہیں قرآن کریم کی ﴿وَ كِتَابٍ مُّبِیْنٍ﴾ اور کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی ﴿هُدًى﴾ ہدایت ہے ﴿وَّبُشْرٰى﴾ اور خوش خبری ہے ﴿لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ایمان والوں کے لیے ﴿الَّذِیْنَ﴾ مومن وہ ہیں ﴿یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ جو قائم رکھتے ہیں نماز کو ﴿وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور دیتے ہیں زکوٰۃ ﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ﴾ اور وہ آخرت پر ﴿هُمْ یُوْقِنُوْنَ﴾ یقین رکھتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ جو ایمان نہیں لاتے ﴿بِالْاٰخِرَةِ﴾ آخرت پر ﴿زَیَّنَّا لَهُمْ﴾ ہم نے مزین کیے ہیں ان کے لیے ﴿اَعْمَالَهُمْ﴾ ان کے اعمال ﴿فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ﴾ پس وہ سرگرداں پھرتے ہیں ﴿اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں ﴿لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ﴾ ان کے لیے برا عذاب ہے ﴿وَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ﴾ اور وہ آخرت میں بہت زیادہ نقصان اُٹھانے والے ہیں ﴿وَ اِنَّكَ﴾ اور بے شک آپ کو ﴿لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ﴾ البتہ دیا جاتا ہے قرآن ﴿مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ﴾ حکمت والے کی طرف سے ﴿عَلِیْمٍ﴾ علیم کی طرف سے ﴿اِذْ قَالَ مُوْسٰى﴾ جس وقت فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿لِاَهْلِهٖٓ﴾ اپنے گھر والوں سے ﴿اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ بے شک میں نے محسوس کی ہے آگ ﴿سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا﴾ میں عنقریب لاؤں گا تمھارے پاس اس آگ سے ﴿بِخَبَرٍ﴾ کوئی خبر ﴿اَوْ اٰتِیْكُمْ﴾ یا لاؤں گا تمھارے پاس ﴿بِشِهَابٍ﴾ شعلہ ﴿قَبَسٍ﴾ سلگا کر ﴿لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ تاکہ تم آگ سیکو ﴿فَلَمَّا جَآءَهَا﴾ پس جب آئے موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس ﴿نُوْدِیَ﴾ آواز دی گئی ﴿اَنْۢ بُوْرِكَ﴾ یہ کہ برکت ڈالی گئی ہے ﴿مَنْ فِی النَّارِ﴾ اس پر جو آگ میں ہے ﴿وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ اور جو اس کے اردگرد ہے ﴿وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ﴿رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

وجہ تسمیہ:

اس سورت کا نام سورۃ النمل ہے۔ نَمل نملۃٌ کی جمع ہے اور نملہ کا معنیٰ ہے چیونٹی۔ تو نَملٌ کا معنیٰ ہوگا چیونٹیاں۔ چونکہ اس سورت میں چیونٹیوں کا ذکر ہے جس کی تفصیل آگے دوسرے رکوع میں آرہی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے فوجی لشکر کو لے کر جارہے تھے کہ آگے چیونٹیوں کی بستی تھی۔ ان میں سے ایک نے دوسریوں کو کہا کہ اپنی اپنی بلوں میں گھس جاؤ

خواہ مخواہ روندی نہ جاؤ۔ یعنی وہ سورت جس میں چیونٹیوں کا ذکر ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے سینتالیس [۴۷] سورتیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اس کا اڑتالیسواں [۴۸] نمبر ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کے سات [۷] رکوع ہیں اور ترانوے [۹۳] آیتیں ہیں۔

حروفِ مقطعات

﴿طٰسٓ﴾ یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔ کئی دفعہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قرآن کریم کی انتیس [۲۹] سورتوں کے شروع میں ایسے حروف واقع ہوئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ناموں کو مخفف طریقے سے لکھا گیا ہے۔ مثلاً: ط سے مراد طیب ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اور س سے مراد سمیع ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے ﴿سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ﴾۔ ﴿تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡقُرۡاٰنِ﴾ یہ آیتیں ہیں قرآن کریم کی۔ یہ جو پڑھی جا رہی ہیں یہ قرآن پاک کی آیات ہیں ﴿وَكِتَابٍ مُّبِيۡنٍ﴾ اور اس کتاب کی آیتیں ہیں جو حقیقت کو کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ ہماری زبان چوں کہ عربی نہیں ہے اس لیے ہم اس کی عظمت کو نہیں پاتے۔ جن لوگوں کی زبان عربی ہے وہ پڑھ کر خوب اندازہ لگا سکتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے جس چیز کو بیان کیا ہے اس میں کوئی شک شبہ نہیں ہے ﴿هُدًى﴾ ہدایت ہے ﴿وَّبُشۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ اور خوش خبری ہے ایمان والوں کے لیے۔ قرآن پاک مجسم ہدایت ہے زندگی کے ہر موڑ کے لیے اس میں ہدایت موجود ہے اور ماننے والوں کو خوش خبری دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کی، آخرت کی فلاح کی اور کامیابی کی، قبر حشر کی راحت کی اور جنت میں داخلے کی۔

ایمان والوں کے اوصاف

ایمان والوں کی اوصاف کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ﴾ ایمان والے وہ ہیں جو نماز کو قائم رکھتے ہیں۔ قائم رکھنے کا مطلب ہے کہ اس کو وقت پر باجماعت ادا کرتے ہیں پورے فرائض اور واجبات کے ساتھ۔ نماز سکون اور اطمینان کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز پڑھی اور نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِرۡجِعۡ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمۡ تُصَلِّ)) "پھر جا کر نماز پڑھ پس بے شک تو نے نماز نہیں پڑھی۔" اس نے دوبارہ نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر جا کر نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ پھر پڑھ کر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا جا کر نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے کہا حضرت! بِاَبِیۡ اَنۡتَ وَ اُمِّیۡ "میرے ماں باپ آپ پر قربان" مجھے جو طریقہ آتا ہے میں نے اس طرح نماز پڑھی ہے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سمجھائیں کہ میں نے کس طرح پڑھنی ہے تاکہ میں اس طرح پڑھوں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وضو سے لے کر آخر تک سارا نماز کا طریقہ بتلایا اور سمجھایا۔ احادیث کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص رکوع، سجود، قعود، قومہ، جلسہ، اطمینان کے ساتھ نہیں کرتا تھا۔ رکوع میں جاتا تو

جھکتے ہی سر اُٹھالیتا تھا۔

یاد رکھنا! رکوع کی ادنیٰ تسبیحات تین ہیں یعنی کم از کم تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ پڑھنا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام کے لیے مناسب ہے کہ وہ پانچ تسبیحات پڑھے تاکہ مقتدی تین دفعہ پڑھ لیں۔ الحمد للہ! اپنا معمول بھی یہی ہے کہ میں رکوع میں پانچ مرتبہ تسبیح پڑھتا ہوں اور سجدے میں بھی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ کم از کم تین ہیں زیادہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تو اس شخص نے نماز پڑھی اور رکوع سجود میں اعتدال نہ کیا۔ رکوع سے سر اُٹھایا جلدی سے سجدے میں چلا گیا۔ جب صحابی کی نماز مسجد میں تین دفعہ پڑھی ہوئی نہیں ہوئی تو ہماری کیسے ہو جائے گی۔

نماز میں گھٹنوں کا ننگا رکھنا

اور یہ بات بھی تم کئی دفعہ سن چکے ہو کہ ایک آدمی کی لُنگی ٹخنوں سے نیچے تھی اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوبارہ جا کر وضو کر اور نماز پڑھ۔ اس نے کہا حضرت! میرا وضو بھی ہے اور میں نے نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری نماز نہیں ہوئی۔ اس نے کہا حضرت! وجہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَسْبَلْتَ اِزَارَكَ)) "تو نے اپنی لُنگی ٹخنوں سے نیچے لٹکائی ہوئی ہے۔" یہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے صحیح سند کے ساتھ۔ چوں کہ ہم ان چیزوں کی پروا نہیں کرتے اس لیے ہماری نمازوں کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اگر حقیقت میں نماز ہو تو رب تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ﴾ [العنکبوت: ۴۵] "بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔"

مومنوں کی دوسری صفت: ﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور وہ دیتے ہیں زکوٰۃ۔ بدنی عبادتوں میں نماز سرفہرست ہے اور مالی عبادتوں میں زکوٰۃ۔ تو وہ مالی عبادتوں میں زکوٰۃ پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور ان کی تیسری صفت: ﴿وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جو آخرت پر یقین رکھے گا اس کے لیے تیاری بھی کرے گا۔ ایک آدمی سکول کالج میں داخل ہو جاتا ہے نہ کتابیں خریدتا ہے نہ حاضری دیتا ہے نہ تیاری کرتا ہے صرف اتنا کہتا ہے کہ میں نے امتحان دینا ہے، امتحان دینا ہے تو کیا وہ کامیاب ہو جائے گا؟ بھئی! تم نے کتابیں خریدی نہیں سکول حاضری نہیں دیتے، مضمون پڑھا نہیں، دہرایا نہیں، امتحان کیا دو گے؟ اسی طرح صرف یہ کہہ دینا کہ قیامت آئے گی، قیامت آئے گی اور اس کے لیے تیاری کچھ بھی نہیں کرتا تو اس کا قیامت پر کہاں یقین ہے؟ جن کو قیامت پر یقین ہے وہ قیامت کی تیاری کرتے ہیں۔

اب مومنوں کے مدمقابل جو دوسرے لوگ ہیں ان کا حال بھی سن لو۔ فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ﴿زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ﴾ ہم نے مزین کیے ہیں ان کے لیے ان کے اعمال ﴿فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ پس وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے لیے بُرے عمل اختیار کیے ہیں اور دیوانوں کی طرح دنیا میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو انھی راستوں پر چلا دیا جن کو وہ اچھا سمجھ رہے ہیں۔ کیوں کہ قاعدہ ہے پروردگار کا ﴿نُوَلِّهٖ مَا

تَوَلّٰی﴾[نساء:۱۱۵] "ہم اس کو پھیر دیتے ہیں اسی طرف جس طرف کا اس نے رخ کیا۔" جس طرف کوئی جانا چاہتا ہے رب تعالیٰ اس کو اس طرف پھیر دیتے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے بُرا عذاب ہے۔ مرتے وقت جب فرشتے جان نکالتے ہیں ﴿يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ﴾ [انفال:۵۰] "مارتے ہیں ان کے مونہوں پر اور پیٹھوں پر۔" پھر قبر میں عذاب ہوگا، پھر میدان محشر میں، پھر پل صراط سے گزرتے ہوئے، پھر دوزخ میں ہوگا اور کبھی ختم نہیں ہوگا ﴿وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ﴾ اور وہ لوگ آخرت میں بہت زیادہ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ اَخْسَرَ اسم تفضیل ہے، بہت زیادہ خسارے والے ہوں گے۔ سورۃ الفرقان آیت نمبر ۲۷-۲۸ میں ہے ﴿وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا﴾ "اور جس دن کاٹیں گے ظالم اپنے ہاتھوں کو اور کہیں گے کاش کہ میں نے پکڑ لیا ہوتا رسول کے ساتھ راستہ ﴿يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا﴾ اے خرابی کاش کہ میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔" لیکن اس دن افسوس اور واویلا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ جو اس دنیا میں کر کے گیا ہے اس کا پھل پائے گا۔ اور یہ بھی احادیث میں آتا ہے کہ روئے گا اور اتنے آنسو بہائے گا کہ ان میں کشتی چلائی جا سکے گی اور رو رو کے رخساروں میں گڑھے پڑ جائیں گے مگر اس وقت کا واویلا کس کام کا؟ ﴿وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ﴾ اور بے شک آپ کو البتہ دیا جاتا ہے قرآن ﴿مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ﴾ اس ذات کی طرف سے جو حکمت والی ہے جاننے والی ہے۔ بار بار یہ بات سمجھائی جارہی ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿وَ مَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ﴾ [الشعراء:۲۱۰] "اس قرآن کو شیاطین نے نہیں اُتارا اور نہ ان کے مناسب تھا اور نہ وہ طاقت رکھتے تھے۔" یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے حکیم علیم کی طرف سے ہے۔

آنحضرت ﷺ کو طبعاً بڑا صدمہ ہوتا تھا کہ میں ان کو ان کی زبان میں خیر خواہی کی باتیں بتاتا ہوں اور وہ بھی بغیر کسی اجرت اور معاوضے کے اور یہ مانتے نہیں ہیں الٹا مجھے معاذ اللہ تعالیٰ مجنون، شاعر، کاہن اور مفتری کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تسلی کے لیے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنایا مگر فرعون، ہامان، قارون اور ان کی قوم نے نہیں مانا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ﴾ جب فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں کو ﴿اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ بے شک میں نے محسوس کی ہے آگ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دس سال مدین شہر میں رہے حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی حضرت صفورا رحمۃ اللہ علیہا کے ساتھ نکاح ہوا اور ان سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا۔ دس سال کے بعد اجازت مانگی کہ میں اپنے بیوی بچوں کو مصر لے جانا چاہتا ہوں اگر حالات ساز گار ہوئے تو کچھ عرصہ رہ کر واپس آجاؤں گا اگر ساز گار نہ ہوئے تو اہل و عیال کو چھوڑ کر جلدی واپس آجاؤں گا، اجازت مل گئی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بیوی، بچہ، ایک خادم بھی ساتھ تھا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ شعیب علیہ السلام نے بکریاں بھی دی تھیں ضرورت کے لیے کہ راستے میں ان کا دودھ پیتے جانا۔ موسیٰ علیہ السلام ان کو لے کر چل پڑے۔ جب طویٰ کے مقام پر پہنچے رات

کا وقت تھا راستہ بھول گئے۔ اس وقت آج کل کی طرح کشادہ سڑکیں تو نہیں ہوتی تھیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل خانہ کو کہا کہ بے شک میں نے آگ محسوس کی ہے مجھے آگ نظر آ رہی ہے میں جاتا ہوں ﴿سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ﴾ میں عنقریب لاؤں گا تمھارے پاس اس آگ سے کوئی خبر۔ یقیناً کوئی نہ کوئی بندہ بھی وہاں ہوگا اس سے مصر کا راستہ پوچھوں گا ﴿اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ﴾ یا لاؤں گا تمھارے پاس شعلہ سلگا کر ﴿لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ تاکہ تم سیکو۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سردی کا موسم تھا۔ بعض تفسیروں میں یہ بھی لکھا ہے کہ اہلیہ محترمہ کے ہاں بچی بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ ایسے موقع پر طبی نقطہ نظر سے گرمائش اچھی ہوتی ہے نہ ٹھنڈی جگہ ہو اور نہ ٹھنڈی چیزیں کھائے۔ اس لیے فرمایا کہ میں آگ سلگا کر لاتا ہوں ﴿فَلَمَّا جَآءَهَا﴾ پس جس وقت موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو وہ دنیا کی آگ تو نہیں تھی وہ تو اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلی تھی۔ آگے درخت کا ذکر بھی آئے گا یہ بھی آتا ہے کہ وہ بیری کا درخت تھا، انار کے درخت کا ذکر بھی آتا ہے اور یہ جو کیکر یا بیری کے درخت پر جڑیں چڑھی ہوتی ہیں پیلے پیلے رنگ کی اُردو والے اس کو اَکاس کہتے ہیں۔ ان کو عربی میں علیق کہتے ہیں۔ تم اپنی بولی میں کیا کہتے ہو؟ (سامعین سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا) نرادھار۔ تو نرادھار بھی لکھا ہے۔ اور بعض تفسیروں میں ان بیریوں کا بھی لکھا ہے جو زمین پر بچھی ہوئی ہوتی ہیں اور ان کو کالے کالے دانے لگتے ہے۔

بہر حال وہ ظاہری آگ نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلی تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس پہنچے ﴿نُوْدِیَ﴾ آواز دی گئی ﴿اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ﴾ یہ کہ برکت ڈالی گئی ہے اس پر جو آگ میں ہے ﴿وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ اور جو اردگرد ہے۔ موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس تھے وہ بھی برکت والے اور اردگرد جو فرشتے کھڑے ہیں ان پر بھی رب تعالیٰ کی برکتیں ہیں۔ فرمایا ﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ آگے ذکر آئے گا کہ میں جو بول رہا ہوں رب العالمین ہوں۔

﴿یٰمُوْسٰۤی﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿اِنَّهٗۤ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ ﴿اَنَا اللّٰهُ﴾ میں اللہ ہوں ﴿الْعَزِیْزُ﴾ غالب ﴿الْحَكِیْمُ﴾ حکمت والا ﴿وَاَلْقِ عَصَاكَ﴾ اور ڈال دیں اپنی لاٹھی کو ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا﴾ پس دیکھا اس نے لاٹھی کو ﴿تَهْتَزُّ﴾ حرکت کر رہی ہے ﴿كَاَنَّهَا جَآنٌّ﴾ گویا کہ وہ پتلا سانپ ہے ﴿وَّلّٰی مُدْبِرًا﴾ پھرے موسیٰ علیہ السلام پشت دکھا کر ﴿وَّلَمْ یُعَقِّبْ﴾ اور نہ مڑ کر دیکھا ﴿یٰمُوْسٰی﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿لَا تَخَفْ﴾ خوف نہ کریں ﴿اِنِّیْ﴾ بے شک میں ﴿لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ نہیں خوف کرتے میرے پاس پیغمبر ﴿اِلَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ مگر وہ جس نے ظلم کیا ﴿ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا﴾ پھر بدل دیا اس کو نیکی کے ساتھ ﴿بَعْدَ سُوْٓءٍ﴾ برائی کے بعد ﴿فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ پس بے شک میں بخشنے والا مہربان ہوں ﴿وَاَدْخِلْ یَدَكَ﴾ اور داخل کر اپنے ہاتھ کو ﴿فِیْ جَیْبِكَ﴾ اپنے گریبان میں

﴿تَخْرُجْ﴾ نکلے گا ﴿بَيْضَآءَ﴾ سفید ﴿مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ﴾ بغیر کسی تکلیف کے ﴿فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ﴾ یہ نو نشانیوں میں ہے ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی طرف جائیں ﴿وَقَوْمِهٖ﴾ اور اس کی قوم کی طرف ﴿اِنَّهُمْ﴾ بے شک وہ ﴿كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ﴾ نافرمان قوم ہے ﴿فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا﴾ پس جب آئیں ان کے پاس ہماری نشانیاں ﴿مُبْصِرَةً﴾ بصیرت پیدا کرنے والی ﴿قَالُوْا﴾ انھوں نے کہا ﴿هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ یہ جادو ہے کھلا ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا﴾ اور انھوں نے انکار کر دیا ان نشانیوں کا ﴿وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ﴾ حالاں کہ یقین کر لیا تھا ان نشانیوں کا ان کے نفسوں نے ﴿ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ ظلم کرتے ہوئے اور سرکشی کرتے ہوئے ﴿فَانْظُرْ﴾ پس آپ دیکھیں ﴿كَیْفَ كَانَ﴾ کیسا تھا ﴿عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ انجام فساد کرنے والوں کا۔

ربطِ آیات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کچھ کل بیان ہوا تھا کہ مدین سے جب واپس مصر جا رہے تھے بیوی، بچہ اور خادم بھی ساتھ تھا راستہ بھول گئے اور بیوی کو دردِ زہ شروع ہو گیا۔ سردی کا موسم تھا آگ کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا اپنے اہلِ خانہ سے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرو مجھے آگ نظر آ رہی ہے راستے کا بھی پتا چل جائے گا آگ کا شعلہ بھی لے آؤں گا جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی جو آگ میں ہے اس پر بھی رب تعالیٰ کی برکت ہے اور جو ارد گرد ہے اس پر بھی برکت ہے ﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ "اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جو پالنے والا ہے سارے جہان کا۔" اسی مقام پر رب تعالیٰ نے آواز دی یٰمُوْسٰی اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ جو آپ کے ساتھ گفتگو کر رہا ہے میں اللہ ہوں جَلَّ جَلَالُہٗ، غالب ہے تمام چیزوں پر حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر بات واضح کر دی تاکہ وہ مغالطے میں نہ رہیں کہ میرے ساتھ کون گفتگو کر رہا ہے؟ فرشتہ بول رہا ہے، جن بول رہا ہے یا خدا کی کوئی اور مخلوق میرے ساتھ بات کر رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لاٹھی ہوتی تھی جس کے ذریعے وہ اپنی بھیڑ بکریوں کے لیے درختوں سے پتے جھاڑتے تھے سہارا لگا کر کھڑے بھی ہو جاتے تھے اور بھی کئی کام اس سے لیتے تھے۔ مثلاً: سامان لاٹھی کے ساتھ باندھ کر کندھے پر رکھ لیتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ﴿وَاَلْقِ عَصَاكَ﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! اپنی لاٹھی ڈال دے اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی پھینکی وہ سانپ بن گئی ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ﴾ پس جس وقت دیکھا موسیٰ علیہ السلام نے اس لاٹھی کو حرکت کر رہی ہے ﴿كَاَنَّهَا جَآنٌّ﴾ گویا کہ وہ پتلا سانپ ہے۔ پتلا سانپ پھرتیلا ہوتا ہے سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۲۰ میں ہے ﴿فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰى﴾ "پس اچانک وہ لاٹھی سانپ بن کر دوڑنے لگ گئی۔" ﴿وَلّٰى مُدْبِرًا﴾ پھرے موسیٰ علیہ السلام پشت دکھا کر۔ سانپ کی طرف پشت کر کے بھاگنا شروع کر دیا ﴿وَّلَمْ یُعَقِّبْ﴾ اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے خیال فرمایا یہ سانپ ہے موذی چیز ہے نقصان نہ ہو اور یاد رکھنا! موذی چیز

سے طبعی طور پر خوف ایمان کے خلاف نہیں ہے۔ آدمی شیر، چیتا، سانپ، بچھو سے ڈرتا ہے اس سے ایمان پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ سفر پر تھے ایک جگہ بڑا نرم ملائم گھاس تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہاں تم چادر ڈال دو میں آرام کر لیتا ہوں۔ اس گھاس سے بچھو نے نکل کر آپ کو ڈنگ مار دیا۔ ابوداؤد شریف کی روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَعَنَ اللهُ عَقْرَبًا لَا يَدْرِيْ نَبِيًّا اَوْ غَيْرَهٗ او كما قال)) "اللہ تعالیٰ لعنت کرے بچھو پر یہ نبی اور غیر نبی کو نہیں جانتا بس اس کا کام ڈنگ مارنا ہے۔" پھر آپ ﷺ نے یہ کلمات: ((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ)) پڑھ کر پھونک مار دی۔ سانپ بچھو ڈس جائے، شہد کی مکھی یا بھڑ ڈس جائے یا ان جیسی اور کوئی موذی شے ڈس جائے تو یہ اس کا دم ہے۔ آپ ﷺ یہ دعا پڑھ کر پھونک مارتے تھے ہاتھ بھی ملتے تھے شفا ہو جاتی تھی۔

ان کلمات میں آج بھی شفا ہے اور قیامت تک رہے گی اگر کمی ہے تو ہمارے اندر۔ ہماری زبانوں میں شفا نہیں ہے۔ قرآن پاک کی آخری دو سورتیں جو معوذتین کہلاتی ہیں جادو کے توڑ کے لیے اُتری ہیں پڑھ کر پھونک مارنے کی دیر ہوتی تھی جادو کا اثر ختم ہو جاتا تھا۔ ان میں یہ اثر آج بھی موجود ہے اور قیامت تک رہے گا۔ اگر ہم پڑھ کر دم کریں اور اثر نہ ہو تو اس کی وجہ ہماری خوراک صحیح نہیں ہے، ہمارے عقائد صحیح نہیں ہیں، ہماری نگاہیں اور ہماری زبان صحیح نہیں ہے۔ انھی زبانوں سے ہم جھوٹ بولتے ہیں، گالیاں نکالتے ہیں، غیبت کرتے ہیں، دل آزاری کی باتیں کرتے ہیں لایعنی اور فضول باتیں کرتے ہیں جو شرعی طور پر ناجائز اور گناہ ہیں تو پھر اثر کس طرح ہوگا؟

تو جب لاٹھی سانپ بنا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس سے منہ پھیر لیا اور مڑ کر نہ دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! خوف نہ کریں۔ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۲۱ میں ہے ﴿قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى﴾ "فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ اس کو پکڑ لیں اور ڈریں نہ ہم اس کو پلٹ دیں گے اس کی پہلی حالت پر۔" یہ آپ نے لاٹھی پھینکی تھی ہمارے حکم کے ساتھ سانپ بن گیا اب اس پر ہاتھ رکھنا آپ کا کام پھر اس کو لاٹھی بنانا ہمارا کام ہے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اگر اپنے اختیار میں ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام بھاگتے کیوں، خوف کیوں کرتے؟ ان کو علم ہوتا کہ میں نے اس کو سانپ بنایا ہے پھر لاٹھی بنا دوں گا مگر انھوں نے سمجھا کہ یہ موذی شے بن گئی ہے اس سے جان بچانا فرض ہے۔ تو فرمایا آپ ڈریں نہ ﴿اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ بے شک میں نہیں خوف کھاتے میرے پاس پیغمبر رسول یعنی ان چیزوں سے۔ باقی اللہ تعالیٰ کا خوف تو بڑی شے ہے۔ ہاں! خوف اس کو کرنا چاہیے ﴿اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ﴾ مگر جس نے ظلم کیا پھر بدل دیا اس کو اچھائی میں برائی کے بعد ﴿فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ پس بے شک میں بخشنے والا مہربان ہوں۔

مَنْ ظَلَمَ کے معانی

﴿مَنْ ظَلَمَ﴾ سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ظلم سے مراد شرک ہے ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ "بے شک

شرک بڑا ظلم ہے۔" تو مطلب ہوگا کہ جس نے شرک کیا پھر اس سے توبہ کی موحد بن گیا تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے بخش دے گا۔
بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ظلم سے مراد عام گناہ ہیں کہ جس نے کوئی گناہ کیا رب تعالیٰ کا حق ضائع کیا یا بندے کا حق مارا پھر توبہ کر لی، ادا کر دیا تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔ مثلاً: کسی نے شراب پی لی، شراب پینا بھی ظلم ہے، اس کے بعد اس نے سچے دل سے توبہ کر لی تو یہ حُسنًا ہے، نیکی ہے اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ یا کسی بندے کا حق کھایا ہے تو اس ظلم کی تبدیلی اس طرح ہوگی کہ یا تو اس سے معاف کرائے یا اس کو ادا کرے کہ بھئی! میں نے آپ کا اتنا حق کھایا ہے یا مارا ہے آپ میرے سے وصول کر لیں اور مجھے معاف کر دیں۔ یا یوں کہے کہ میں ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں مجھے معاف کر دیں اور وہ معاف کر دے اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دیں گے۔ اس بات میں فقہائے کرام ﷭ کا اختلاف ہے کہ اس کو تفصیل بتانی چاہیے یا اجمال ہی کافی ہے۔ تفصیل کا مطلب یہ ہے کہ بتلائے کہ میں نے تمھارے اتنے پیسے اس اس طریقے سے کھائے ہیں اور اجمال کا مطلب یہ ہے کہ کہے کہ میں نے آپ کا جو بھی اور جتنا بھی حق کھایا ہے آپ مجھے معاف کر دیں۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ تفصیل بتانی چاہیے کہ میں نے آپ کی اتنی رقم اس اس طریقے سے کھائی ہے یا ماری ہے آپ مجھے معاف کر دیں یا لے لیں۔ اور محدثین کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں ہے بس اجمالاً کہہ دے کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے آپ کے پیسے میں نے کھائے ہیں، مارے ہیں وہ جتنے بھی ہیں آپ مجھے معاف کر دیں اور اگر لینا چاہتے ہیں تو لے لیں۔ یاد رکھنا! بندے کا حق اس وقت معاف ہوگا جب وہ بندہ خود حق معاف کرے گا یا اس کو ادا کر دیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے معاف کر دے گا۔

سانپ اور اژدہا کا فرق

یہاں پتلے سانپ کا ذکر ہے اور دوسرے مقام پر ﴿ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ﴾ کا لفظ آتا ہے بڑا اژدہا۔ تو پتلا سانپ اور ہوتا ہے اور اژدہا اور ہوتا ہے۔ تو بظاہر قرآن پاک میں تعارض معلوم ہوتا ہے تو اس کے متعلق مفسرین ﷭ فرماتے ہیں کہ یہ علیحدہ علیحدہ جگہ کی بات ہے۔ جب موسیٰ ﷤ کو نبوت و رسالت ملی وادی طویٰ میں اس وقت پتلا سانپ بنا اور اژدہا بنا جب فرعون کے دربار میں گئے۔ تو جب وقت بھی ایک نہ ہو اور جگہ بھی ایک نہ ہو تو تعارض کیسا؟ کوئی تعارض نہیں ہے۔ تعارض تو تب ہو کہ جگہ بھی ایک ہو اور وقت بھی ایک ہو۔ ایک آدمی بہ یک وقت تندرست بھی ہو اور بیمار بھی ہو یہ تو تعارض ہے۔ اور کل بیمار تھا آج تندرست ہے یا کل تندرست تھا اور آج بیمار ہے تو یہ تو کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس پر دونوں حالتیں طاری ہو سکتی ہیں۔

دوسرا معجزہ: ﴿وَ اَدۡخِلۡ يَدَكَ فِيۡ جَيۡبِكَ﴾ اور داخل کر اپنے ہاتھ اپنے گریبان میں ﴿تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ﴾ یہ نکلے گا سفید بغیر کسی تکلیف کے۔ ہاتھ اس طرح روشن ہوگا جیسے ہمیں یہ ٹیوبیں جلتی نظر آ رہی ہیں لیکن ہاتھ میں نہ سوزش ہوگی نہ تپش ہوگی۔ روشنی ہوگی تکلیف نہیں ہوگی۔ یہ دو معجزے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ ﷤ کو طور کے مقام طویٰ میں عطا فرمائے۔

نو نشانیاں موسیٰ علیہ السلام کی

فرمایا ﴿فِیۡ تِسۡعِ اٰیٰتٍ﴾ یہ نو نشانیوں میں سے دو ہیں۔ چھ نشانیوں کا ذکر سورۃ الاعراف میں ہے اور ایک نشانی کا ذکر سورۃ یونس میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمُ الطُّوۡفَانَ وَ الۡجَرَادَ وَ الۡقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ﴾ "پھر بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی دل مکڑیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانیاں۔" طوفان سے مراد سیلاب بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارشیں زیادہ ہوئیں سیلاب آیا جس میں ان کا بڑا نقصان ہوا۔ جراد مکڑی کھیتوں کو کھا جاتی ہے جب اس کا طوفان آتا ہے تو حکومت مارنے کے لیے دوائیں چھڑکتی ہے۔ بعض دفعہ جہاز اور فوج بھی استعمال کرتے ہیں۔ ایک یہ عذاب تھا کہ مکڑیوں نے ان لوگوں کی فصلیں اور سبز پودے سب کھا لیے اور جوؤں کا عذاب بھیجا سر میں، بدن میں جوئیں پڑ گئیں کثرت کے ساتھ۔ ہر وقت خارش ہی کرتے رہتے تھے لکڑیوں کے ساتھ اور جسم کو دوسرے کے جسم کے ساتھ رگڑتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈک مسلط کیے۔ عمدہ سے عمدہ کھانا تیار کرتے اس میں مینڈک گھس جاتے۔ پانی سامنے رکھا، شربت سامنے رکھا، اس میں مینڈک گھس جاتا، منہ کھولتے مینڈک چھلانگ لگا کر منہ میں چلا جاتا اور خون کا عذاب، روٹی، سالن، پانی خون بن جاتے دودھ رکھا خون بن جاتا خدا کی قدرت سے۔ آج ہم غریب لوگ ہانڈی میں ہلدی ڈالتے ہیں وہ لوگ ہلدی کی جگہ زعفران ڈالتے تھے۔ عمدہ ہانڈی تیار کر کے رکھی خون بن گیا۔ اور نویں نشانی کا ذکر سورہ یونس آیت نمبر ۸۸ میں ہے ﴿رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤی اَمۡوَالِہِمۡ وَ اشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ﴾ "اے پروردگار! ان لوگوں نے اتنے معجزے دیکھ کر بھی حق کو قبول نہیں کیا نہ قبول کرنے کی وجہ ان کا مال ہے اے پروردگار! ان کے مالوں کو مٹا دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔" چنانچہ پروردگار نے ان کے پاس جو سونا چاندی تھا سونے کے دینار اور چاندی کے درہم تھے سب پتھر بنا دیئے۔

تو یہ نو نشانیاں رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دیں اور فرمایا ﴿اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ قَوۡمِہٖ﴾ فرعون اور اس کی قوم کی طرف جا ﴿اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ﴾ بے شک وہ نافرمان قوم ہے ﴿فَلَمَّا جَآءَتۡہُمۡ اٰیٰتُنَا﴾ پس جب فرعونیوں کے پاس ہماری نشانیاں آئیں ﴿مُبۡصِرَۃً﴾ بصیرت پیدا کرنے والی روشن نشانیاں۔ ایک ایک نشانی انھوں نے آنکھوں سے دیکھی ﴿قَالُوۡا﴾ کہنے لگے ﴿ہٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ﴾ یہ جادو ہے کھلا ﴿وَ جَحَدُوۡا بِہَا﴾ اور انھوں نے انکار کر دیا نشانیوں کا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ انکار غلط فہمی کی وجہ سے تھا؟ نہیں ﴿وَ اسۡتَیۡقَنَتۡہَاۤ اَنۡفُسُہُمۡ﴾ حالاں کہ یقین کر لیا تھا ان نشانیوں کا ان کے نفسوں نے۔ ان کے دلوں میں یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام واقعی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور یہ نشانیاں رب تعالیٰ کی طرف سے معجزات ہیں لیکن جب ضد اور انکار ہو تو کوئی نہ کوئی بات تو بنانی ہوتی ہے خاموش تو دنیا میں کوئی نہیں رہتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے کافروں ظالموں نے سب معجزے دیکھے اور کہا کہ جادو ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا

معجزہ اور سب سے بڑا معجزہ قرآن حکیم ہے جس کے متعلق رب تعالیٰ نے چیلنج دیا کہ جن وانس مل کر اس جیسی کتاب لاؤ ورنہ دس سورتیں لاؤ اور اگر دس سورتیں بھی نہیں لا سکتے تو ﴿فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ﴾ "ایک سورۃ اس جیسی لاؤ" نہیں لا سکے۔ وہ قرآن پاک کا اثر مانتے تھے، فصاحت بلاغت مانتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جادو ہے۔ ان ظالموں نے آنکھوں سے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے کہنے لگے یہ جادو ہے ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ بڑا مضبوط جادو ہے۔ تو فرعونی سمجھتے تھے کہ یہ معجزات ہیں۔ جادو کہہ کر ٹال دیتے تھے ﴿ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ ظلم زیادتی اور غرور تکبر کی بنا پر معجزات کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ﴾ پس آپ دیکھیں کیسا تھا انجام فساد کرنے والوں کا کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو پانی میں غرق کر دیا اور فرعون کی لاش کو عبرت کے لیے باقی رکھا۔

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا﴾ اور البتہ تحقیق دیا ہم نے ﴿دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا﴾ داؤد اور سلیمان کو علم ﴿وَقَالَا﴾ اور کہا ان دونوں نے ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿الَّذِي فَضَّلَنَا﴾ جس نے ہمیں فضیلت دی ﴿عَلٰى كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ﴾ اپنے بہت سارے بندوں پر ﴿الْمُؤْمِنِينَ﴾ جو مومن ہیں ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ﴾ اور وارث ہوئے سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے ﴿وَقَالَ﴾ اور فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾ ہمیں تعلیم دی گئی ہے پرندوں کی بولی کی ﴿وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اور دیئے گئے ہیں ہم ہر چیز ﴿إِنَّ هٰذَا﴾ بے شک یہ ﴿لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ﴾ البتہ یہ فضیلت ہے کھلی ﴿وَحُشِرَ﴾ اور جمع کیے گئے ﴿لِسُلَيْمٰنَ﴾ سلیمان علیہ السلام کے لیے ﴿جُنُودُهُ﴾ ان کے لشکر ﴿مِنَ الْجِنِّ﴾ جنات کے ﴿وَالْإِنْسِ﴾ اور انسانوں کے ﴿وَالطَّيْرِ﴾ اور پرندوں کے ﴿فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾ پس ان کو تقسیم کیا جاتا تھا ﴿حَتّٰى إِذَا أَتَوْا﴾ یہاں تک کہ جب آئے ﴿عَلٰى وَادِ النَّمْلِ﴾ چیونٹیوں کی وادی پر ﴿قَالَتْ﴾ کہا ﴿نَمْلَةٌ﴾ ایک چیونٹی نے ﴿يَا أَيُّهَا النَّمْلُ﴾ اے چیونٹیو! ﴿ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ﴾ داخل ہو جاؤ اپنے بلوں میں ﴿لَا يَحْطِمَنَّكُمْ﴾ نہ کچل دے تمھیں ﴿سُلَيْمٰنُ وَجُنُودُهُ﴾ سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ اور ان کو سمجھ بھی نہیں آئے گی ﴿فَتَبَسَّمَ﴾ پس وہ مسکرائے ﴿ضَاحِكًا﴾ ہنستے ہوئے ﴿مِّنْ قَوْلِهَا﴾ اس چیونٹی کی بات کی وجہ سے ﴿وَقَالَ﴾ اور کہا ﴿رَبِّ﴾ اے میرے پروردگار! ﴿أَوْزِعْنِي﴾ مجھے توفیق عطا فرما ﴿أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ﴾ کہ میں شکر ادا کروں تیری نعمت کا ﴿الَّتِي﴾ وہ ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيَّ﴾ جو آپ نے مجھ پر انعام کی ہے ﴿وَعَلٰى وَالِدَيَّ﴾ اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہیں ﴿وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا﴾ اور یہ کہ میں ایسا نیک کام کروں ﴿تَرْضٰهُ﴾ جس کو آپ پسند کریں ﴿وَأَدْخِلْنِي﴾ اور داخل کر مجھ کو ﴿بِرَحْمَتِكَ﴾ اپنی مہربانی کے ساتھ ﴿فِي عِبَادِكَ

الصّٰلِحِيْنَ﴾ اپنے نیک بندوں میں۔

اس سے پہلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونیوں کا ذکر تھا اور آج کی آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر ہے۔ یہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زبور کتاب عطا فرمائی تھی اور دونوں کی شان کے لائق جو علم تھا وہ بھی عطا فرمایا اسی کا ذکر ﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا﴾ اور دیا ہم نے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو علم۔ جو علم داؤد علیہ السلام کے لائق تھا ان کو دیا اور جو سلیمان علیہ السلام کے لائق تھا ان کو دیا ﴿وَ قَالَا﴾ اور دونوں بزرگوں نے فرمایا ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿الَّذِيْ﴾ وہ اللہ ﴿فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ جس نے ہمیں فضیلت بخشی اپنے بہت سے مومن بندوں پر۔ باپ بیٹا دونوں پیغمبر ہیں پیغمبر ہیں بڑی عظمت ہے مگر اللہ تعالیٰ نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

تیسرے پارے کی پہلی آیت کریمہ ہے ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ "یہ سب اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ہم نے فضیلت بخشی ہے بعض کو بعض پر۔" اور سورۃ الاسراء آیت نمبر ۵۵ میں ہے ﴿وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ﴾ "اور البتہ تحقیق ہم نے فضیلت بخشی ہے بعض نبیوں کو بعض پر۔" حضرت داؤد علیہ السلام صاحب کتاب اور صاحب شریعت پیغمبر تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام کا درجہ ان سے زیادہ ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زیادہ ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ زیادہ ہے۔ تو فرمایا ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اس نے ہمیں اپنے بہت سارے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے ﴿وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ اور وارث ہوئے سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے علم میں، دین اور شریعت میں۔ کیوں کہ پیغمبر درہم و دینار کے وارث نہیں ہوتے۔

انبیاء علیہم السلام کی وراثت

اس بات پر تمام اہل حق، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ، ائمہ دین، فقہائے کرام، محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے کہ پیغمبروں کی مالی وراثت نہیں چلتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ((لَمْ يُوَرِّثُوْا دِرْهَمًا وَ لَا دِيْنَارًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ وَ مَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ)) "نہیں وارث ہوتے درہم اور دینار کے بے شک وہ تو وارث ہوتے ہیں علم کے۔" جس نے علم دین حاصل کیا اس نے پیغمبروں کی وراثت میں سے بڑا حصہ پایا۔ رافضی کہتے ہیں کہ پیغمبروں کی وراثت تقسیم ہوتی ہے ان کا یہ خیال بالکل باطل ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب خلیفہ منتخب کیا گیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے یہ اپیل آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ شرعی وارثوں کو ملنا چاہیے۔ کیوں کہ ان کو مسئلے کا علم نہیں تھا اس لیے انھوں نے یہ اپیل کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ((نَحْنُ مَعْشَرُ الْاَنْبِيَآءِ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ)) "ہم جو انبیاء کی جماعت ہیں ہماری

مالی وراثت نہیں ہوتی جو کچھ ہم نے چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔" لہٰذا میں آپ ﷺ کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

چنانچہ اس کے بعد ان بزرگوں میں سے کسی نے مطالبہ نہیں کیا اور یہ حدیث بہت سارے صحابہ سے مروی ہے صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہی نہیں۔ اگر آپ ﷺ کی وراثت تقسیم ہوتی تو مسئلہ چوبیس (۲۴) سے بنتا یعنی کل مال کے چوبیس (۲۴) حصے کیے جاتے ان میں سے بارہ حصے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ملتے کیوں کہ قرآن کا حکم ہے کہ ایک بیٹی ہو تو اس کو کل مال کا نصف دو۔ بیوی ایک ہو، دو ہوں، تین ہوں، چار ہوں تو ان کا آٹھواں حصہ ہے اور چوبیس کا آٹھواں تین ہے۔ تو تین حصے ازواج مطہرات کو مل جاتے۔ باقی نو حصے تھے وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مل جاتے۔

رافضی کہتے ہیں کہ چوں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حصہ نہیں دیا وراثت نہیں دی لہٰذا وہ ظالم ہیں معاذ اللہ تعالیٰ۔ خمینی کی کتاب ہے "کشف الاسرار" یہ کتاب ایرانیوں نے بڑی تعداد میں چھپوا کر پاکستان میں مفت تقسیم کی ہے۔ چوں کہ ان کے پاس پیسہ وافر ہے بہت زیادہ، اس کے علاوہ اتنا لٹریچر شائع کر رہے ہیں کہ آپ اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ اس کے مقابلہ میں ہمارا لٹریچر دسواں حصہ بھی نہیں ہے ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں ایک کتاب کا خرچہ بھی پورا نہیں ہوتا۔ تو خمینی نے "کشف الاسرار" میں لکھا ہے کہ قرآن کا پہلا منکر ابوبکر ہے۔ کیوں کہ قرآن کہتا ہے بیٹیوں کو حصہ دو اور ابوبکر نے نہیں دیا۔ اور قرآن پاک کا دوسرا منکر عمر ہے اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملحد اور زندیق بھی لکھا ہے۔ یہ ان کا امام ہے۔ اگر کوئی مولوی بات کرتا ہے تو حکومت کہتی ہے کہ تم فرقہ واریت پھیلاتے ہو اور وہ جو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کہیں ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ سوال یہ ہے ان کی یہ کتابیں جو صحابہ دشمنی سے بھری ہوئی ہیں اور اتنے گھٹیا الفاظ تحریر کیے گئے ہیں۔ یہ دھڑا دھڑ چھپیں اور تقسیم ہوں تو کوئی نہ پوچھے اور کسی کو تکلیف نہ ہو اور اس پر کوئی صدائے احتجاج بلند کرے تو تمھیں تکلیف ہوتی ہے۔

تو اہل حق یہ کہتے ہیں کہ پیغمبروں کی مالی وراثت نہیں چلتی، علمی وراثت چلتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے دینی اور علمی وارث بنے کیوں کہ مالی وراثت صرف سلیمان علیہ السلام کو تو نہیں ملنی تھی اس کے دوسرے بیٹے بھی حق دار تھے۔ خود شیعوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اٹھارہ بھائی تھے یہ انیسویں تھے۔ اگر مالی وراثت مراد ہوتی تو آیت کریمہ یوں ہونی چاہیے تھی وَ وَرِثَ سُلَيْمَانُ وَ اِخْوَتُهٗ دَاوٗدَ "اور وارث ہوا سلیمان اور اس کے بھائی داؤد علیہ السلام کے۔" لہٰذا یہ مالی وراثت نہیں۔ سلیمان علیہ السلام نبوت میں، علم میں، دین میں وارث ہوئے وَقَالَ اور سلیمان علیہ السلام نے فرمایا ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾ ہمیں تعلیم دی گئی ہے پرندوں کی بولی کی۔ پرندوں کی بھی بولیاں ہیں خوش ہوں تو آواز اور ہوتی ہے خطرے کی آواز اور ہوتی ہے ہمیں سمجھ نہیں آتیں۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیاں سکھائی تھیں یہ ان کا معجزہ تھا۔ فرمایا ﴿وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اور ہمیں دی گئی ہے ہر شے جو ان کی شان کے لائق تھی۔ یہ نہیں کہ ان کو قرآن بھی دیا گیا تھا اور ان کو ختم نبوت بھی مل گئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے صحابہ بھی ان کو مل گئے تھے۔ ﴿كُلِّ شَيْءٍ﴾ سے مراد ہر وہ شے ہے جو ان کے حال کے مناسب تھی مل گئی۔ ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ﴾ بے شک یہ رب کی مہربانی ہے بڑی۔

﴿وَ حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ﴾ اور جمع کیے گئے سلیمان علیہ السلام کے لیے لشکر ﴿مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ﴾ جنات کے اور انسانوں کے ﴿وَ الطَّيْرِ﴾ اور پرندوں کے ﴿فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴾ ان کو الگ الگ جماعتوں میں تقسیم کیا جاتا تھا جیسے فوج میں الگ الگ پلٹونیں ہوتی ہیں اس طرح انھوں نے انتظامی امور کے لیے ان کو الگ الگ تقسیم کیا ہوا تھا۔ بڑا نظم ونسق تھا ایک موقع پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فوج کو حکم دیا کہ ہم نے علاقے میں مارچ کرنی ہے پہنچنا ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ طائف کے علاقے میں پہنچنا تھا لیکن اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ شام کا علاقہ تھا حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی قیادت میں لشکر لے کر چل پڑے ﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ﴾ یہاں تک کہ پہنچے چیونٹیوں کی ایک وادی میں۔ ایسے میدان میں پہنچے کہ وہاں چیونٹیاں بہت زیادہ تھیں ﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ﴾ ایک چیونٹی بولی ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ﴾ اے چیونٹیو! داخل ہو جاؤ اپنے اپنے گھروں، سوراخوں میں، بلوں میں۔ کیوں؟ ﴿لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ﴾ نہ کچل دے تمھیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر ﴿وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ ان کو تمھارے ساتھ کوئی عداوت نہیں ہے تمھارا چھوٹا سا وجود ہے وہ اپنی لے میں جا رہے ہوں گے تم ان کے پاؤں کے نیچے کچلی جاؤ گی فوراً اپنا انتظام کر لو۔

اس چیونٹی کا نام بعض نے طاخیہ لکھا ہے اور بعض مفسرین مُنْذِرَۃٌ بتلاتے ہیں۔ یہ ان چیونٹیوں کی سردار اور لنگڑی تھی۔ کاش کہ انسانوں میں انسانوں کے لیے اتنی ہمدردی، جذبہ اور خیر خواہی پیدا ہو جائے جتنی ہمدردی، جذبہ اور خیر خواہی اس لنگڑی چیونٹی میں اپنی قوم کے لیے تھی۔ پھر دیکھو! چیونٹی کو اتنا احساس اور شعور ہے کہ سلیمان علیہ السلام بزرگ ہیں پھر نام بھی لیتی ہے اور یہ بھی سمجھتی ہے کہ وہ اپنی لے میں جا رہے ہیں ان کی بے خبری میں تم ماری جاؤ گی لہٰذا فوراً اپنی بلوں میں گھس جاؤ کتنی خیر خواہی ہے قوم کی کم از کم اتنی خیر خواہی ہمیں بھی ہونی چاہیے کہ دوسرے انسانوں کو رب تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کی ترکیب سوچنی چاہیے مگر آج مصیبت یہ ہے کہ دنیا کی قدر ہے، دین کی قدر نہیں ہے۔ کوئی دو چار روپے دے دے تو اس کی تعریف کرتے ہوئے زبان خشک نہیں ہوتی اور کوئی سارا دین سکھا دے تو اس کی کوئی قدر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان فقہائے کرام، محدثین عظام، اولیائے کرام اور بزرگان دین پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے جنھوں نے یہ دین کی امانت صحیح شکل میں ہم تک پہنچائی ہے۔ ان کی بڑی قربانیاں ہیں انھوں نے ہمیں توحید و رسالت سمجھائی، قرآن سنت کی تعلیم دی، فقہ اسلامی سمجھائی، حلال حرام کی چیزیں بتلائیں۔ تو چیونٹی نے کہا کہ اپنی بلوں میں گھس جاؤ کچل نہ دے تمھیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر اور ان کو شعور بھی نہیں ہو گا۔

علم اور شعور میں فرق

ایک ہوتا ہے علم اور ایک ہوتا ہے شعور۔ علم عقل مند مخلوق کو ہوتا ہے جیسے انسان ہے جن اور فرشتے ہیں۔ شعور حیوانات میں بھی ہوتا ہے۔ شعور کا معنیٰ آپ اس طرح سمجھیں کہ آواز کا سننا، گرمی سردی کا محسوس ہونا، بھوک پیاس کا لگنا یہ ظاہر حواس کے ساتھ جو چیزیں سمجھ آتی ہیں ان کو حیوان بھی سمجھ سکتا ہے۔ تو کہنے لگی ان کو شعور بھی نہیں ہو گا۔ ظاہری اعضاء کے ساتھ بھی نہیں سمجھ

سکیں گے کہ ہم چیونٹیاں مار رہے ہیں ﴿فَتَبَسَّمَ﴾ پس سلیمان علیہ السلام مسکرائے ﴿ضَاحِكًا﴾ ہنستے ہوئے۔ ہنسنے کا معنیٰ ہے اپنے کان سنیں ﴿مِّنْ قَوْلِهَا﴾ اس چیونٹی کی بات کی وجہ سے کہ اس کو قوم کا کتنا احساس ہے ﴿وَقَالَ﴾ اور فرمایا سلیمان علیہ السلام نے ﴿رَبِّ أَوْزِعْنِيٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ﴾ اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے، میری قسمت میں کر دے، میرے نصیب میں کر دے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر ادا کروں ﴿الَّتِيٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ﴾ وہ نعمتیں جو آپ نے مجھ پر انعام کی ہیں۔ مجھے انسان بنایا، نبوت عطا فرمائی، مجھے بادشاہی اور اقتدار دیا، پرندوں کی بولیاں سکھائیں، انسانوں، جنوں، پرندوں پر حکومت کا حق دیا ﴿وَعَلٰى وَالِدَيَّ﴾ اور وہ نعمتیں جو آپ نے میرے ماں باپ کو عطا فرمائیں انھوں نے اپنا شکریہ ادا کیا مگر میں بھی ان کا بیٹا ہوں مجھے بھی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرما ﴿وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا﴾ اور یہ کہ میں عمل کروں اچھے۔ مجھے اچھے عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

اچھا عمل کون سا ہے؟

کون سے اچھے عمل؟ ﴿تَرْضٰىهُ﴾ جن کو آپ پسند کرتے ہیں۔ بعض دفعہ انسان ایک کام کرتا ہے اور دل میں خوش ہوتا ہے کہ میں نے اچھا کام کیا ہے مگر اس میں رب تعالیٰ کی رضا نہیں ہوتی کیوں کہ وہ کام رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق نہیں ہوتا۔ مثلاً: اس وقت کوئی آدمی نفلی نماز شروع کر دے اور وہ یہ سمجھے کہ میں اچھا کام کر رہا ہوں نفلی نماز پڑھ رہا ہوں لیکن اس پر رب راضی نہیں ہے اس لیے کہ صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک نفلی نماز نہیں پڑھ سکتا اجازت نہیں ہے یہ اس کو نیکی سمجھ رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں نیکی نہیں ہے۔ اہل بدعت جو کام کرتے ہیں وہ بے چارے اپنے خیال سے ان کو نیکی سمجھتے ہیں مگر چوں کہ ان پر شریعت کی مہر نہیں ہوتی اس لیے وہ نیکی نہیں ہو سکتی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے چھینک مار کر کہا: الحمد لله والسلام علی رسول الله "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے اور سلامتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر۔" حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا بازو پکڑا اور فرمایا سنو! وَأَنَا أَقُوْلُ میں بھی والسلام علی رسول الله کا قائل ہوں مگر اس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ نہیں بتلائے تم نے یہ کیوں پڑھا ہے؟

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی چھینک مارے تو الحمد للہ! کہے۔ اور یہ الفاظ بھی آتے ہیں الحمد لله علی کل حالٍ۔ اب دیکھو! اس بے چارے نے درود ہی تو پڑھا تھا مگر وہ اس کا موقع نہیں تھا دین میں محض رائے کو کوئی دخل نہیں ہے اور آج تو لوگوں کی اپنی رائیں ہی رہ گئیں ہیں۔ جی! اس میں کیا حرج ہے، اس میں کیا گناہ ہے؟ اس میں گناہ یہ ہوتا ہے کہ اس پر خدا رسول کی مہر نہیں ہوتی اور تمھاری ہماری رائے کا نام دین نہیں ہے۔ فرمایا ﴿وَأَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ﴾ اور داخل کر مجھ کو اپنی رحمت کے ساتھ ﴿فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اپنے نیک بندوں میں۔ میرا شمار آپ کے نیک بندوں میں ہو۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا ہے۔

﴿وَ تَفَقَّدَ الطَّیۡرَ﴾ اور حاضری لی سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی ﴿فَقَالَ﴾ پس فرمایا ﴿مَالِیَ﴾ مجھے کیا ہو گیا ہے ﴿لَاۤ اَرَی الۡہُدۡہُدَ﴾ میں نہیں دیکھ رہا ہدہد کو ﴿اَمۡ کَانَ مِنَ الۡغَآئِبِیۡنَ﴾ کیا وہ غائب ہے ﴿لَاُعَذِّبَنَّہٗ﴾ البتہ میں ضرور سزا دوں گا اس کو ﴿عَذَابًا شَدِیۡدًا﴾ سخت سزا ﴿اَوۡ لَاَاذۡبَحَنَّہٗۤ﴾ یا میں اس کو ذبح کروں گا ﴿اَوۡ لَیَاۡتِیَنِّیۡ﴾ یا البتہ ضرور لائے گا میرے پاس ﴿بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ﴾ کوئی روشن دلیل ﴿فَمَکَثَ﴾ پس ٹھہرا ﴿غَیۡرَ بَعِیۡدٍ﴾ تھوڑی دیر ﴿فَقَالَ﴾ پس کہا ہدہد نے ﴿اَحَطۡتُّ﴾ میں احاطہ کر کے آیا ہوں ﴿بِمَا﴾ اس چیز کا ﴿لَمۡ تُحِطۡ بِہٖ﴾ جس کا آپ احاطہ نہیں کر سکے ﴿وَ جِئۡتُکَ﴾ اور میں لایا ہوں آپ کے پاس ﴿مِنۡ سَبَاٍۭ﴾ ملک سبا سے ﴿بِنَبَاٍ﴾ ایک خبر ﴿یَّقِیۡنٍ﴾ یقینی ﴿اِنِّیۡ وَجَدۡتُّ امۡرَاَۃً﴾ بے شک میں نے پایا ایک عورت کو ﴿تَمۡلِکُہُمۡ﴾ جو ان کی حکمران بنی ہوئی ہے ﴿وَ اُوۡتِیَتۡ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ﴾ اور اس کو دی گئی ہے ہر شے ﴿وَّ لَہَا عَرۡشٌ عَظِیۡمٌ﴾ اور اس کا تخت ہے بڑا ﴿وَجَدۡتُّہَا وَ قَوۡمَہَا﴾ اور پایا میں نے اس کو اور اس کی قوم کو ﴿یَسۡجُدُوۡنَ لِلشَّمۡسِ﴾ سجدہ کرتے ہیں سورج کو ﴿مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿وَ زَیَّنَ لَہُمُ الشَّیۡطٰنُ﴾ اور مزین کیے ہیں ان کے لیے شیطان نے ﴿اَعۡمَالَہُمۡ﴾ ان کے اعمال ﴿فَصَدَّہُمۡ عَنِ السَّبِیۡلِ﴾ پس روکا ہے ان کو شیطان نے راستے سے ﴿فَہُمۡ لَا یَہۡتَدُوۡنَ﴾ پس وہ ہدایت نہیں پاتے ﴿اَلَّا یَسۡجُدُوۡا لِلّٰہِ﴾ کیوں نہیں وہ سجدہ کرتے اللہ تعالیٰ کو ﴿الَّذِیۡ یُخۡرِجُ الۡخَبۡءَ﴾ وہ جو نکالتا ہے چھپی ہوئی چیز کو ﴿فِی السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَ الۡاَرۡضِ﴾ اور زمین میں ﴿وَ یَعۡلَمُ مَا تُخۡفُوۡنَ﴾ اور وہ جانتا ہے اس چیز کو جس کو تم چھپاتے ہو ﴿وَ مَا تُعۡلِنُوۡنَ﴾ اور جس چیز کو تم ظاہر کرتے ہو ﴿اَللّٰہُ﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہے ﴿لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ﴾ نہیں کوئی معبود مگر وہی ﴿رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ﴾ وہ بڑے عرش کا مالک ہے ﴿قَالَ﴾ فرمایا سلیمان علیہ السلام نے ﴿سَنَنۡظُرُ﴾ بتاکید ہم دیکھیں گے ﴿اَصَدَقۡتَ﴾ کیا تم سچ کہتے ہو ﴿اَمۡ کُنۡتَ مِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ﴾ یا ہو تم جھوٹوں میں سے ﴿اِذۡہَبۡ بِّکِتٰبِیۡ ہٰذَا﴾ لے جاؤ تم یہ میرا خط ﴿فَاَلۡقِہۡ اِلَیۡہِمۡ﴾ پس ڈالو تم اس کو سبا والوں کے پاس ﴿ثُمَّ تَوَلَّ عَنۡہُمۡ﴾ پھر تم پھر جاؤ ان سے ﴿فَانۡظُرۡ﴾ پس تم دیکھو ﴿مَاذَا یَرۡجِعُوۡنَ﴾ وہ کیا جواب دیتے ہیں ﴿قَالَتۡ﴾ ملکہ نے کہا ﴿یٰۤاَیُّہَا الۡمَلَؤُا﴾ اے دربار والو! ﴿اِنِّیۡۤ اُلۡقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ﴾ بے شک میری طرف ڈالا گیا ہے ایک خط ﴿کَرِیۡمٌ﴾ بہت عزت والا ﴿اِنَّہٗ مِنۡ سُلَیۡمٰنَ﴾ بے شک وہ سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے ﴿وَ اِنَّہٗ﴾ اور بے شک شان یہ ہے کہ ﴿بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴾ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَیَّ﴾ یہ کہ نہ سرکشی کرو میرے مقابلے میں ﴿وَ اۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ﴾ اور آجاؤ میرے پاس مسلمان ہو کر۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ چلا آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو انسانوں، جنات، پرندوں پر حکمرانی عطا فرمائی تھی۔ ایک موقع پر انھوں نے اپنے فوجیوں کی حاضری لی تو ہدہد کو حاضر نہ پایا۔ اس کا ذکر ہے ﴿وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ﴾۔ تَفَقَّدَ کا معنیٰ ہے تلاش کرنا، دیکھنا، کون حاضر ہے، کون غیر حاضر ہے۔ تو معنیٰ ہوگا حاضری لی سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی۔ باقی پرندے موجود تھے ہدہد نہیں تھا جس کا نام یعقور تھا۔ ﴿فَقَالَ﴾ فرمایا سلیمان علیہ السلام نے ﴿مَالِيَ﴾ مجھے کیا ہو گیا ہے ﴿لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ﴾ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا، ہدہد مجھے نظر نہیں آ رہا ﴿اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ﴾ یا ہے وہ غائب۔ مجھے نظر نہیں آ رہا یا ہے ہی غیر حاضر۔ بلند آواز سے فرمایا ﴿لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ البتہ میں اس کو ضرور سزا دوں گا سخت سزا۔ مثلاً: اس کے پر اتار دوں گا اس کی پٹائی کروں گا ﴿اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ﴾ یا میں اس کو ضرور ذبح کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ڈیوٹی سے غیر حاضر ہونا بڑی بُری شے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معصوم پیغمبر ایک پرندے کو اتنی سخت سزا دینے پر آمادہ ہے اور دیانت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جو ڈیوٹی کسی کے ذمہ لگی ہے اس کو نبھائے بہ شرطے کہ وہ کام ناجائز نہ ہو۔ ﴿اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ یا البتہ لائے وہ میرے پاس کوئی دلیل کھلی۔ اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بتائے تو پھر میں سزا نہیں دوں گا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں ﴿فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ﴾ پس ٹھہرے سلیمان علیہ السلام تھوڑی دیر۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا باتیں ہو رہی تھیں فوراً ﴿فَقَالَ﴾ پس کہا ہدہد نے سلیمان علیہ السلام ﴿اَحَطْتُّ﴾ میں احاطہ کر کے آیا ہوں معلوم کر کے آیا ہوں ﴿بِمَا﴾ ایسی چیز کا اے سلیمان علیہ السلام! ﴿لَمْ تُحِطْ بِهٖ﴾ جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔ وہ کیا ہے؟ ﴿وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ﴾ میں لایا ہوں ملک سبا سے ایک یقینی خبر۔ حضرت سلیمان علیہ السلام شام کے علاقے میں رہتے تھے وہاں سے سبا کا علاقہ ایک مہینے کی مسافت پر تھا۔ وہ یقینی خبر کیا ہے؟ ﴿اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ﴾ بے شک میں نے دیکھا ایک عورت کو وہ ان کی حکمران بنی ہوئی ہے۔ اس کا نام بلقیس تھا۔ گویا کہ عورت کا حکمران ہونا اتنا معیوب ہے اتنا عجیب ہے کہ ہدہد پرندہ بھی حیران ہو رہا ہے۔ اور ہم کیسے خلاف فطرت چل رہے ہیں کہ عورت کی حکمرانی پر خوش ہیں۔ بلقیس بنت شراحیل بن ریان بن مالک کافی سمجھ دار عورت تھی لیکن کافر تھی۔ ساری قوم چوں کہ کفر شرک میں مبتلا تھی اس لیے وہ بھی کفر شرک میں مبتلا تھی۔ سورج کی بھی پوجا کرتے تھے ﴿وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اور اس کو ہر چیز دی گئی ہے۔ ہر چیز سے مراد یہ ہے کہ اس کی بادشاہی کے مناسب جو چیزیں ہیں وہ ساری اس کو حاصل ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو مرد کی داڑھی بھی ملی ہوئی ہے اور بھی کچھ ملا ہوا ہے۔ جو چیزیں اس کے حال کے مناسب ہیں وہ اس کو دی گئی ہیں ﴿وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ﴾ اور اس کا بہت بڑا تخت ہے۔ اس کے متعلق تفسیروں میں بہت کچھ لکھا ہے کہ اتنا لمبا (اسی ہاتھ) تھا، اتنا چوڑا (پچاس ہاتھ) تھا، اتنا اونچا (چالیس ہاتھ) تھا اس میں سونا، موتی، یاقوت، زمرد جڑے ہوئے تھے ساتھ سیڑھی لگی ہوئی تھی۔

حضرت! ﴿وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ﴾ میں نے پایا اس ملکہ کو اور اس کی قوم کو کہ وہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ دیکھو! شرک کتنی بری شے ہے کہ حیوان ہدہد کو بھی اس پر تعجب ہو رہا ہے۔ سورج کو سجدہ کرتے ہیں ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے

نیچے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ پہلی نرالی بات تو یہ ہے کہ عورت حکمران بنی ہوئی ہے پھر ان کی حماقت کہ سورج کی پوجا کرتے ہیں ﴿وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ اور مزین کیے ہیں ان کے لیے شیطان نے اعمال۔ یہ کارروائی ان کے لیے شیطان نے مزین کی ہے۔ ہدہد بھی سمجھتا ہے کہ شیطان بھی کوئی بلا ہے یہ شیطان کے راستے پر لگے ہوئے ہیں ﴿فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ﴾ پس اس شیطان نے ان کو روک دیا ہے راستے سے سیدھے راستے سے ﴿فَهُمْ لَا یَهْتَدُوْنَ﴾ پس وہ ہدایت نہیں پاتے۔ ھدھد نے مزید کہا ﴿اَلَّا یَسْجُدُوْا﴾ کیوں نہیں سجدہ کرتے ﴿لِلّٰهِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ﴾ اللہ تعالیٰ کو جو نکالتا ہے چھپی ہوئی چیز کو ﴿فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین میں۔

یہ بے وقوف رب تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاند اور سورج سے زیادہ اختیار انسان کو دیا ہے چاہے اس کا وجود چھوٹا سا ہے۔ یہ اپنی مرضی سے کھاتا پیتا ہے، چلتا پھرتا ہے، اُٹھتا بیٹھتا ہے، سوتا جاگتا ہے، چاند سورج میں یہ اختیارات کہاں ہیں؟ پھر ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضے اور کنٹرول میں ہے چاند سورج اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں جس رفتار اور جس لائن میں اللہ تعالیٰ نے چلا دیا ہے اس سے اِدھر اُدھر نہیں جا سکتے۔ ان کو روشنی اللہ تعالیٰ نے دی ہے رب تعالیٰ جب چاہتا ہے ان سے روشنی چھین لیتا ہے سورج گرہن اور چاند گرہن لگ جاتا ہے۔ جب تک رب تعالیٰ کو منظور ہے سورج اسی طرح چلتا رہے گا قیامت کے قریب سورج مغرب سے طلوع کرے گا آدھے آسمان تک آئے گا پھر حکم ہوگا واپس لوٹ جا۔ وہ بے چارہ تو مجبور ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے جمعہ کا دن تھا یوشع بن نون علیہ السلام دشمنوں کے ساتھ جنگ کر رہے تھے فتح قریب تھی مگر سورج غروب ہونے کا وقت آ گیا ہفتے والے دن ان کے لیے لڑائی ممنوع تھی جس طرح ہمارے لیے جمعہ کی اذان سے لے کر امام کے سلام پھیرنے تک ہر وہ کام حرام ہے جس کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر لڑائی بند کرتے ہیں تو دشمن کو تیاری کا موقع مل جائے گا۔ سورج کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے اِنَّكَ مَاْمُوْرَةٌ "اے سورج تجھے چلنے کا حکم ہے اور مجھے لڑنے کا حکم ہے۔"

پھر فرمایا اے پروردگار! اس سورج کو روک دے تاکہ ہم آج ان پر فتح پالیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا جب انھوں نے دشمن پر قابو پالیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے سورج کو حکم دیا کہ اب تو اپنی لیٹ نکال لے۔ تو سورج مجبور ہے اس کو کیوں سجدہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو چھپی ہوئی چیزوں کو نکالنے والا ہے آسمانوں اور زمین میں ﴿وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴾ اور جانتا ہے وہ اس چیز کو جس کو تم چھپاتے ہو اور جس چیز کو تم ظاہر کرتے ہو۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مسجود و معبود نہیں ہے، نہ کوئی حاجت روا ہے، نہ کوئی مشکل کشا ہے، نہ کوئی فریاد رس اور دست گیر ہے۔ اس کا تخت چاہے کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کے عرش کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ سات زمینیں ہیں، سات آسمان ہیں ان کے اُوپر عرش ہے۔ فرمایا آسمانوں اور زمینوں کی نسبت عرش کے ساتھ ایسے ہیں جیسے ایک بہت بڑے میدان میں ایک کڑا پڑا ہو، حجم کے لحاظ سے اتنا بڑا ہے۔

ہدہد نے یہ بیان کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ابھی تک یقین نہیں آیا ﴿قَالَ﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا ﴿سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ﴾ بہ تاکید ہم غور کریں گے، دیکھیں گے، تحقیق کریں گے اے ہدہد! تم نے سچ کہا ہے ﴿اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ یا ہو تم جھوٹوں میں سے۔ کیوں کہ غیر حاضر آدمی غیر حاضری کی کوئی نہ کوئی وجہ تو بیان کرتا ہے سچی ہو یا جھوٹی۔ فرمایا ہم تحقیق کریں گے کہ واقعتاً آپ سچ کہہ رہے ہیں کہ ملک سبا میں عورت حکمران ہے اور وہ سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی کابینہ کے افراد سے پوچھا کہ کیا تم نے سنا ہے کہ ملک سبا میں عورت حکمران ہے اور وہ سورج کے پجاری ہیں۔ کہنے لگے جی ہاں! ہم نے تاجروں سے سنا ہے کہ وہاں عورت حکمران ہے اور وہ سورج کے پجاری ہیں۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط لکھ کر ہدہد کو دیا کہ میرا خط اس کے پاس پہنچاؤ اور دیکھو کیا جواب دیتی ہے۔ فرمایا ﴿اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا﴾ لے جاؤ تم یہ میرا خط ﴿فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ﴾ پس ڈالو تم اس کو سبا والوں کے پاس۔ چونچ سے پکڑ کر لے جاؤ اور بلقیس اور اس کی کابینہ کے پاس پہنچاؤ ﴿ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ﴾ پھر پیچھے ہٹ کر بیٹھ جانا ﴿فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ﴾ پس تم دیکھو وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

تفسیروں میں آتا ہے کہ دوپہر کا وقت تھا بلقیس اپنے مخصوص پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی کمرہ بند تھا روشن دان کھلے ہوئے تھے ہدہد روشن دان میں بیٹھ گیا۔ ملکہ نے دیکھا کہ ہدہد نے چونچ میں کوئی چیز پکڑی ہوئی ہے۔ کافی دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی اور وہ خاموش بیٹھا رہا جس وقت ملکہ کو غنودگی آئی تو ہدہد نے خط ملکہ کی چھاتی پر رکھ دیا اور پھر روشن دان میں جا کر بیٹھ گیا۔ چنانچہ ملکہ نے دیکھا کہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے خط ہے کیوں کہ اس پر مہر سلیمان علیہ السلام کی لگی ہوئی تھی۔ خط پڑھ کر گھبرا گئی اور فوراً کابینہ کا ہنگامی اجلاس بلا لیا اور کابینہ سے کہا ﴿قَالَتْ﴾ کہا بلقیس نے ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا﴾ اے میری جماعت کے ساتھیو! کابینہ کے افراد ﴿اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ﴾ بے شک میری طرف ایک خط ڈالا گیا ہے بڑا عمدہ۔ یہ خط کس کی طرف سے ہے؟ ﴿اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ وہ خط حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بادشاہوں اور سرداروں کو خط لکھتے تھے تو شروع میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھتے تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا بھی ثابت ہے اور بِاِسْمِكَ اللّٰهُمَّ بھی ثابت ہے۔ پھر لکھتے مِنْ محمد رسول اللہ ﷺ "یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ اِلٰى فُلَانٍ وَ فُلَانٍ فلانے فلانے کی طرف ہے۔" تو خط کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لکھو۔ اگر صرف اتنے لفظ لکھو بِاِسْمِهٖ سُبْحَانَهٗ تَعَالٰى تو بھی کافی ہے بِاِسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھنا بھی بہت اچھا ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو تو نورٌ علی نور ہے۔ پھر اپنا ذکر کرے کہ یہ خط فلاں کی طرف سے ہے۔ تو ملکہ نے لکھا کہ یہ خط سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے ﴿وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اور بے شک شان یہ ہے کہ یہ خط اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھ رہا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

رحمٰن اور رحیم میں فرق؟

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لفظ رحمٰن اور لفظ رحیم کا فرق بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رحمٰن وہ ہے

جو بن مانگے دیتا ہے رحیم وہ ہے کہ جو مانگنے پر دیتا ہے۔ بہت سی چیزیں ہیں جو انسان نے مانگی نہیں ہیں از خود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ٹانگیں دیں، ہاتھ پاؤں دیئے، آنکھ، کان، زبان دی، تمام اعضا دیئے، بغیر مانگے دیئے۔ کیوں کہ جب یہ پیدا ہوا اس وقت تو اس کو کوئی شد بُد نہیں تھی۔ اور بہت ساری چیزیں ہیں جو بندے کو مانگنے سے ملتی ہیں مگر دیتا ہے اپنی مرضی اور حکمت کے مطابق۔

اسی سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر
یہی وہ در ہے جہاں ذلت نہیں سوال کے بعد

اور مضمون یہ ہے ﴿اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ﴾ اے ملک سبا والو! میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرنا میری مان لینا اور دوسرا جملہ ہے اور آجاؤ میرے پاس مسلمان ہو کر۔ میں ملک نہیں مانگتا صرف تمھارا مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ صرف یہ دو جملے ہیں خط کے۔ باقی ذکر آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

﴿قَالَتْ﴾ ملکہ نے کہا ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا﴾ اے درباریو! ﴿اَفْتُوْنِیْ﴾ مجھے بتلاؤ ﴿فِیْۤ اَمْرِیْ﴾ میرے معاملے میں ﴿مَا كُنْتُ قَاطِعَةً﴾ میں نہیں ہوں قطعی فیصلہ کرنے والی ﴿اَمْرًا﴾ کسی معاملے میں ﴿حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ﴾ یہاں تک کہ تم حاضر ہو ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ﴾ ہم قوت والے ہیں ﴿وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ اور سخت لڑائی لڑنے والے ہیں ﴿وَّ الْاَمْرُ اِلَیْكِ﴾ اور معاملہ آپ کے سپرد ہے ﴿فَانْظُرِیْ﴾ پس تم دیکھو ﴿مَاذَا تَاْمُرِیْنَ﴾ کیا حکم کرتی ہو ﴿قَالَتْ﴾ اس نے کہا ﴿اِنَّ الْمُلُوْكَ﴾ بے شک بادشاہ ﴿اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً﴾ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی میں ﴿اَفْسَدُوْهَا﴾ اس کو برباد کر دیتے ہیں ﴿وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً﴾ اور کر دیتے ہیں وہاں کے عزت والے لوگوں کو ذلیل ﴿وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ﴾ اور ایسا ہی یہ کریں گے ﴿وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ﴾ اور میں بھیجنے والی ہوں ﴿اِلَیْهِمْ﴾ ان کی طرف ﴿بِهَدِیَّةٍ﴾ تحفہ ﴿فَنٰظِرَةٌۢ﴾ پس دیکھنے والی ہوں ﴿بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ کس چیز کے ساتھ لوٹ کر آتے ہیں بھیجے ہوئے ﴿فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ﴾ پس جس وقت آئے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ﴿قَالَ﴾ فرمایا سلیمان علیہ السلام نے ﴿اَتُمِدُّوْنَنِ﴾ کیا تم میری امداد کرتے ہو ﴿بِمَالٍ﴾ مال کے ساتھ ﴿فَمَاۤ اٰتٰىنِ َۧ اللّٰهُ﴾ پس جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دیا ہے ﴿خَیْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ﴾ بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا ہے ﴿بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ﴾ بلکہ اپنے ہدیے اور تحفے پر خوش رہو ﴿اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ﴾ تم لوٹو ان کی طرف ﴿فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ﴾ پس البتہ ہم ضرور لائیں گے ان کے پاس ﴿بِجُنُوْدٍ﴾ ایسے لشکر ﴿لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا﴾ نہیں طاقت ہوگی ان کو ان کے مقابلے میں

﴿وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ﴾ اور البتہ ہم ضرور نکال دیں گے ان کو ﴿مِّنْهَآ﴾ اس بستی سے ﴿اَذِلَّةً﴾ بے عزت کر کے ﴿وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ اور وہ ذلیل ہوں گے قَالَ فرمایا سلیمان علیہ السلام نے ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا﴾ اے دربار والو! ﴿اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ﴾ کون تم میں سے لائے گا میرے پاس ﴿بِعَرْشِهَا﴾ اس کے تخت کو ﴿قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ﴾ پہلے اس سے کہ وہ آئیں میرے پاس مسلمان ہو کر ﴿قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ کہا ایک بہت بڑے جن نے ﴿اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ﴾ میں لاتا ہوں آپ کے پاس اس تخت کو ﴿قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ﴾ پہلے اس سے کہ آپ کھڑے ہوں ﴿مِنْ مَّقَامِكَ﴾ اپنی مجلس سے ﴿وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ﴾ اور بے شک میں اس پر قوی ہوں، امین ہوں۔

ربط آیات

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کا قصہ چلا آرہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کے ذریعے خط بھیجا کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرنا اور مسلمان ہو کر میرے پاس آجاؤ میں تمھارے سے کسی اور چیز کا طالب نہیں ہوں صرف تمھارا اسلام مطلوب ہے۔ ملکہ سبا نے خط پڑھ کر ہنگامی اجلاس طلب کیا اور کابینہ سے گفتگو کی ﴿قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا﴾ کہا بلقیس نے جو ملک سبا کی حکمران تھی اے میری جماعت والو! اے کابینہ کے افراد! میرے پاس ایک خط آیا ہے۔ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے جس میں انھوں نے مطالبہ کیا ہے کہ میرے خلاف سرکشی نہ کرنا اور مسلمان ہو کر میرے پاس آجاؤ ﴿اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ﴾ مجھے بتلاؤ میرے معاملے میں ﴿مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا﴾ میں نہیں ہوں قطعی فیصلہ کرنے والی کسی معاملے میں۔ میں کوئی بات طے نہیں کرتی ﴿حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ﴾ یہاں تک کہ تم حاضر ہو لہٰذا اپنی رائے دو کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے ﴿قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ﴾ کہا بلقیس کی کابینہ کے افراد نے ہم قوت والے ہیں ﴿وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ اور سخت لڑائی لڑنے والے ہیں۔ ہمارے پاس فوج ہے، جوان ہیں، اسلحہ ہے، لڑائی لڑنا ہم جانتے ہیں گویا کہ انھوں نے ان دو جملوں میں اس بات کا اشارہ دیا کہ ہمیں ان کے ساتھ لڑنا چاہیے لیکن لڑائی کے نتائج سے وہ واقف تھے۔ کیوں کہ لڑائی آخر لڑائی ہوتی ہے کھیل تو نہیں ہوتا خدانخواستہ اگر ہمیں شکست ہوگئی تو ملکہ کہے گی تمھارے کہنے پر لڑی تھی اس لیے ساتھ یہ بھی کہا ﴿وَالْاَمْرُ اِلَيْكِ﴾ اور معاملہ تمھارے سپرد ہے۔ آخری رائے تمھاری ہے ﴿فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ﴾ پس تم دیکھو کیا حکم کرتی ہو۔ پس تم غور و فکر کرو جو حکم دو گی ہم اس پر عمل کریں گے۔ ملکہ کافی سمجھ دار تھی سمجھ گئی کہ یہ لڑائی کے حق میں ہیں مگر ذمہ داری سے بچنے کے لیے معاملہ میرے سپرد کر رہے ہیں ﴿قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا﴾ کہنے لگی بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو برباد کر دیتے ہیں ﴿وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً﴾ اور کر دیتے ہیں وہاں کے عزت والے اور غالب لوگوں کو ذلیل۔ جس علاقے پر قابض ہوتے ہیں تو وہاں کے طاقتور عزت والے لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں، قید کر دیتے ہیں، جلا وطن کر دیتے ہیں۔ اگر یہ طاقتور ہیں تو کسی بھی وقت قدم اٹھا سکتے ہیں قبضہ قائم کرنے کے لیے یہ سب کچھ کرتے ہیں۔

انقلابِ روس

روس میں جب انقلاب آیا اور سٹالن نے فیصلہ کیا کہ زمینوں کے مالک یہ قابض لوگ نہیں ہیں بلکہ حکومت مالک ہے تو جن لوگوں کے پاس جدی پشتی زمین چلی آرہی تھی وہ کاشت کرتے تھے کھاتے پیتے تھے انھوں نے مزاحمت کی تین کروڑ آدمی کو قتل کیا گیا پھر جاکر زمین پر قبضہ ہوا۔ اور تاریخ بتلاتی ہے کہ چین میں ڈیڑھ کروڑ آدمیوں کو قتل کر کے حکومت چین نے لوگوں کی زمینوں پر قبضہ کیا۔ تو روس اور چین میں انسانیت کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا۔ اب سنا ہے کہ گورباجوف نے لوگوں کو کچھ تھوڑی سی آزادی دی ہے۔ واللہ اعلم کس حد تک بات صحیح ہے۔ جب گورباجوف صدر بنا تو اخبارات میں فاطمہ نامی ایک عورت کا بیان شائع ہوا تھا کہ گورباجوف میرا بھائی ہے اور ہمارے والد کا نام اکبر علی ہے اور ہم ترکی النسل ہیں۔ ہم بچپن میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے یہ ادھر چلا گیا اور میں ادھر آگئی۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر قوی بات یہ ہے کہ ان کے آباؤ اجداد مسلمان تھے اور آباؤ اجداد کا کچھ نہ کچھ اثر تو ہوتا ہے اسی کے اثر کی وجہ سے اس نے کچھ آزادی دی ہے۔ اب وہاں پہلے والی سختی نہیں ہے۔ پہلے تو سختی کا یہ عالم تھا کہ ایک کاشت کار سارا دن محنت کرتا مزدوری کرتا، فصل تیار ہو جاتی تو وہ اس سے چکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ مثلاً: مولیاں تیار ہو گئیں تو وہ ایک مولی بھی نہیں کھا سکتا تھا جب تک اس علاقے کے افسر مجاز سے اجازت نہیں لیتا تھا۔

تو کہنے لگی کہ بادشاہ جب کسی علاقے میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں ﴿وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾ اور ایسا ہی یہ کریں گے اور ہمارے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے لہٰذا میں لڑائی کے حق میں نہیں ہوں اور میں چاہتی ہوں ﴿وَ اِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ﴾ اور بے شک میں بھیجنے والی ہوں ان کی طرف تحفہ ﴿فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ پس دیکھنے والی ہوں پس کس چیز کے ساتھ لوٹ کر آتے ہیں بھیجے ہوئے۔ ہمارے قاصد کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ آخر کوئی نہ کوئی تو جواب ان کو دیں گے۔

بلقیس کے قاصد سلیمان علیہ السلام کے دربار میں

یہاں تفسیروں میں بہت کچھ لکھا ہے کہ اس نے تحفے میں بڑے غلام، لونڈیاں، سونے چاندی کی اینٹیں، ہیرے موتی، جواہرات، کستوری، عنبر، زعفران اور ریشمی کپڑے بھیجے اور یہ کچھ بعید نہیں ہے کیوں کہ آخر ملکہ تھی اپنی حیثیت کے مطابق اس نے تحفے بھیجے تھے۔ چنانچہ اس نے ایک بہت بڑا قافلہ بھیجا یہ تحائف دے کر۔ اب یہ سبا سے دمشق کی طرف چلے۔ اس زمانے میں یہ ایک مہینے کا سفر تھا بائیسویں پارے میں اس کا ذکر ہے۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کی خاطر تواضع کی اس لیے کہ مہمان کی عزت واحترام ایمان کا حصہ ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ((مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ)) "جو شخص تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے پس چاہیے کہ وہ مہمان کی عزت کرے ((جَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَ لَيْلَةٌ)) خاص قسم کا کھانا ایک دن ہے ((وَ الضِّيَافَةُ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ)) اور عام مہمانی تین دن ہے۔" اس میں

مہمان کو ہدایت ہے کہ اچھے کھانے دیکھ کر وہاں ڈیرے نہ ڈال لے۔

بہر حال پیغمبر سے بڑھ کر بااخلاق کون ہوسکتا ہے اور کس کو قوی ایمان حاصل ہوگا۔ خوب ان کی خاطر تواضع کی قافلے کے امیر نے سامان کی فہرست پیش کی ﴿فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ﴾ پس جب آیا بلقیس کا قاصد حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس اور تمام تحفے تحائف پیش کر دیئے تو ﴿قَالَ﴾ فرمایا سلیمان علیہ السلام نے ﴿اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ﴾ کیا تم میری امداد کرتے ہو مال کے ساتھ۔ یہ مال بھیج کر تم مجھے مرعوب کرنا چاہتے ہو ﴿فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ﴾ پس وہ چیز جو رب نے مجھے دی ہے بہتر ہے اس سے جو رب نے تمھیں دی ہے۔ تم سونے چاندی کی اینٹیں اور ہیرے موتی، کستوری، عنبر، زعفران کو دیکھ کر بہت خوش ہو رب تعالیٰ نے مجھے مال کے ساتھ ساتھ جنات پر، انسانوں پر، پرندوں پر حکومت کا حق دیا ہے ﴿بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ﴾ بلکہ تم اپنے تحفوں اور ہدیوں پر خوش رہو ان کو واپس لے جاؤ ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف یہ ہی نہیں کہ ان کے تحفے واپس بھیجے بلکہ تفسیروں میں یہاں تک لکھا ہے کہ جتنا کچھ انھوں نے بھیجا تھا اس سے تین چار گنا مزید دے کر ان کو بھیجا تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ یہ اسباب دنیا ہمارے پاس ان سے زیادہ ہیں۔ عموماً لوگ تحفے رد نہیں کرتے اور کرنے بھی نہیں چاہئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حتی الوسع کسی کا تحفہ رد نہیں کرتے تھے چاہے کافر کا ہی ہوتا مگر یہاں محض تحفہ نہیں تھا بلکہ اس میں کچھ مقصد تھا کہ تم ہمارے تحفوں پر خوش ہو جاؤ اور ہم سے اسلام کا مطالبہ نہ کرو۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کے تحائف واپس کر دیئے کہ تم تحفے دے کر اسلام سے گریز کرنا چاہتے ہو لہٰذا تحفے واپس لے جاؤ اور مطالبہ پورا کرو کہ مسلمان ہو کر میرے پاس آؤ ﴿اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ﴾ واپس جاؤ ان کے پاس ﴿فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا﴾ پس ہم ضرور لائیں گے ان کے پاس ایسے لشکر کہ نہیں طاقت ہوگی ان کو ان کے مقابلے کی وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ پہلی بات تو یہ ہے مومنوں کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا ایمان بڑی قوت ہے۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے انسان صحابی ایمانی قوت کے ساتھ جذبہ رکھنے والے پھر جنات کا لشکر جن تو ایک ہی بہت بڑی بلا ہے، پھر پرندوں کا لشکر۔ ان لشکروں کا مقابلہ کرنے کی ان میں صلاحیت نہیں ہے جا کر ان کو کہہ دو ﴿وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ اور ہم ان کو ضرور نکالیں گے اس بستی سے، اس ملک سے کمزور اور عاجز کر کے اور وہ ذلیل ہوں گے۔ ظاہر بات ہے کہ گھر کے مالک گھروں کو چھوڑ کر ضرورت کی چیزیں اُٹھا کر اور باقی سب کچھ چھوڑ کر بھاگیں تو اس سے زیادہ ذلت کیا ہوگی۔

تختِ بلقیس

تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو دھمکی دے کر روانہ کر دیا اور اپنی کابینہ کے افراد سے قَالَ کہا ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا﴾ اے میرے درباریو! کابینہ کے افراد! ﴿اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ﴾ کون تم میں سے لائے گا میرے پاس اس کے تخت کو پہلے اس سے کہ وہ آئیں میرے پاس مسلمان ہو کر۔ یہ ایک مہینے کا سفر تھا واپس گئے صورت حال سے آگاہ کیا ملکہ نے

اپنے درباری بلائے اور مسلمان ہوگئی۔اب وہ وفاداری کا ثبوت دینے کے لیے وہاں سے چلی۔جب قریب آ گئی تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو اس کا تخت لے کر آئے اس کے آنے سے پہلے۔تخت بہت بڑا تھا اس میں سونے چاندی کا کام کیا ہوا تھا جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

﴿قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾۔عفریت کا معنی ہے بڑا قد آور۔جنات میں سے ایک بڑے قد آور جن نے کہا ﴿اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ﴾ حضرت! میں اس کا تخت لاؤں گا آپ کے پاس پہلے اس سے کہ آپ کھڑے ہوں اپنی مجلس سے۔مثلاً: حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے دفتر میں صبح آٹھ بجے پہنچتے تھے اور بارہ بجے تشریف لے جاتے تھے۔یہ میں سمجھانے کے لیے کہہ رہا ہوں باقی ان کا وقت ہوگا جو ہوگا۔تو آپ کے اس مجلس سے اُٹھنے سے پہلے میں لے آؤں گا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ﴿وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ﴾ اور بے شک میں اس پر قوی ہوں۔وہ بڑا قد آور جن تھا اور امین بھی ہوں اس میں کوئی خیانت نہیں ہوگی کوئی چیز تخت کی اپنی جگہ سے ملے گی نہیں۔باقی واقعہ آگے آئے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ!

﴿قَالَ الَّذِيْ﴾ کہا اس شخص نے ﴿عِنْدَهٗ﴾ جس کے پاس ﴿عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ علم تھا کتاب کا ﴿اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ﴾ میں لا دیتا ہوں آپ کو وہ تخت ﴿قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ﴾ پہلے اس سے کہ لوٹے آپ کی طرف ﴿طَرْفُكَ﴾ آپ کی نگاہ ﴿فَلَمَّا رَاٰهُ﴾ پس جب دیکھا سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو ﴿مُسْتَقِرًّا﴾ رکھا ہوا ﴿عِنْدَهٗ﴾ اپنے پاس ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ﴾ یہ میرے رب کی مہربانی ہے ﴿لِيَبْلُوَنِيْٓ﴾ تاکہ وہ میرا امتحان لے ﴿ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ﴾ کیا میں شکر ادا کرتا ہوں یا میں ناشکری کرتا ہوں ﴿وَمَنْ شَكَرَ﴾ اور جو شخص شکر کرتا ہے ﴿فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ﴾ پس بے شک وہ شکر ادا کرتا ہے اپنی ذات کے لیے ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ اور جو شخص ناشکری کرتا ہے ﴿فَاِنَّ رَبِّيْ﴾ پس بے شک میرا رب ﴿غَنِيٌّ﴾ بے پروا ہے ﴿كَرِيْمٌ﴾ عزت والا ہے ﴿قَالَ﴾ فرمایا سلیمان علیہ السلام نے ﴿نَكِّرُوْا لَهَا﴾ تبدیل کر دو اس عورت کے لیے ﴿عَرْشَهَا﴾ اس کا تخت ﴿نَنْظُرْ﴾ ہم دیکھتے ہیں ﴿اَتَهْتَدِيْٓ﴾ کیا وہ ہدایت پاتی ہے ﴿اَمْ تَكُوْنُ﴾ یا ہوتی ہے ﴿مِنَ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں میں سے ﴿لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ جو نہیں سمجھتے ﴿فَلَمَّا جَآءَتْ﴾ پس جس وقت وہ آئی ﴿قِيْلَ﴾ کہا گیا ﴿اَهٰكَذَا عَرْشُكِ﴾ کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت ﴿قَالَتْ﴾ کہنے لگی ﴿كَاَنَّهٗ هُوَ﴾ گویا کہ یہ وہی ہے ﴿وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ﴾ اور دیئے گئے ہم علم ﴿مِنْ قَبْلِهَا﴾ اس سے پہلے ﴿وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ﴾ اور تھے ہم مسلمان ﴿وَصَدَّهَا﴾ اور روکا اس کو ﴿مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ﴾ اس چیز نے کہ جس کی وہ عبادت کرتی تھی ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿اِنَّهَا كَانَتْ﴾ بے شک وہ تھی ﴿مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ﴾ کافر قوم سے ﴿قِيْلَ لَهَا﴾

کہا گیا اس کو ﴿ادْخُلِي الصَّرْحَ﴾ داخل ہو محل میں ﴿فَلَمَّا رَأَتْهُ﴾ پس جس وقت دیکھا اس نے اس محل کو ﴿حَسِبَتْهُ﴾ خیال کیا اس کو ﴿لُجَّةً﴾ گہرا پانی ﴿وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا﴾ اور ننگی کی اس نے اپنی دونوں پنڈلیاں ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿إِنَّهُ صَرْحٌ﴾ بے شک یہ محل ہے ﴿مُمَرَّدٌ﴾ مزین کیا گیا ﴿مِنْ قَوَارِيرَ﴾ شیشوں سے ﴿قَالَتْ﴾ کہنے لگی ﴿رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي﴾ اے میرے رب! میں نے ظلم کیا اپنی جان پر ﴿وَأَسْلَمْتُ﴾ اور میں اسلام لائی ﴿مَعَ سُلَيْمَانَ﴾ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ﴿لِلَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کا واقعہ چلا آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بڑی شاہی عطا فرمائی تھی۔ انسانوں، جنوں اور پرندوں پر ان کی حکومت تھی۔ ایک موقع پر انھوں نے حاضری لگائی تو ہدہد کو غیر حاضر پایا۔ اس کا نام تفسیروں میں یعقور لکھا ہے۔ فرمایا مجھے ہدہد نظر نہیں آرہا۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ہدہد آ گیا۔ فرمایا تو کہاں تھا؟ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیاں سکھائی تھیں۔ ہدہد نے کہا کہ میں ملک سبا گیا تھا وہاں میں نے ایک عورت کو پایا کہ وہ حکمرانی کرتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو ضرورت کی ہر چیز عطا فرمائی ہے مگر وہ اور اس کی قوم سورج کی پوجا کرتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم غور کریں گے کیا تو نے سچ کہا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے یہ میرا خط اس کو پہنچاؤ کہ وہ کیا جواب دیتی ہے۔ ملکہ بلقیس نے کابینہ کی رائے لینے کے بعد طے کیا ہم نے ان کے ساتھ جنگ نہیں کرنی بڑے تحائف بھیج کر عندیہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے تمام تحائف واپس کر دیئے اور ساتھ ساتھ اس سے دگنے چگنے اور بھیج دیئے اور ان کو بتا دیا کہ ہم مال کے طالب نہیں ہیں صرف تمھارے اسلام کے طالب ہیں، جس وقت وفد واپس پہنچا تو سمجھ گئی کہ بہتری اسلام قبول کرنے میں ہے۔ چنانچہ کابینہ کے افراد سے کہا کہ کلمہ پڑھ لو بہتر یہی ہے۔ کلمہ پڑھ کر وہاں سے چل پڑے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ساتھیوں سے فرمایا کہ ان کے آنے سے پہلے مجھے ان کا تخت یہاں چاہیے۔ ایک بڑے قدآور جن نے کہا کہ میں تمھاری مجلس کے ختم ہونے سے پہلے پہلے لا کر دے دیتا ہوں۔ جو دفتری ٹائم تھا دو چار گھنٹے۔ انسان صحابیوں میں سے ایک نے کہا جس کا نام آصف برخیا تھا رحمہ اللہ تعالیٰ، کہ آپ نگاہ اُٹھا کر نیچے دیکھیں تو تخت تمھارے پاس پڑا ہوگا۔ اس کا ذکر ہے ﴿قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ﴾ کہا اس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا پڑھا لکھا آدمی تھا ﴿أَنَا آتِيكَ بِهِ﴾ میں لا کر دوں گا آپ کو وہ تخت ﴿قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ﴾ پہلے اس سے کہ لوٹے آپ کی طرف آپ کی نگاہ۔ یعنی چشم زدن میں تخت لا کر دے دوں گا۔ یہ کرامت ہے اور ولی کی کرامت برحق ہے اور نبی کا معجزہ بھی برحق ہے۔ ولی کی کرامت پیغمبر کی اتباع کی وجہ سے ہوتی ہے ﴿فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ﴾ جب دیکھا سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو رکھا ہوا اپنے پاس۔ ان کے سامنے ٹکا ہوا تھا ﴿قَالَ﴾ فرمایا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ﴿هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي﴾ یہ میرے رب کا فضل و کرم ہے کہ اتنا بڑا تخت جس میں سونا چاندی ہیرے موتی وغیرہ جڑے ہوئے تھے ایک مہینے کی مسافت سے میں آناً فاناً لے آیا ہوں یہ میرے رب کا فضل و کرم ہے۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ معجزہ کی

طرح کرامت بھی فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو ولی کے ہاتھ پر خلاف معمول اور خارق عادت کے طور پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ پس جس اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سورج ایک لحہ میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے اس کے لیے کیا مشکل تھا کہ وہ تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں ملک سبا سے شام پہنچا دے۔

اسم اعظم کی برکت

علامہ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں کہ جس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو آصف برخیا رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت اسم اعظم سے دعا کی کہ یا اللہ وہ تخت لا دے۔ چنانچہ وہ خدا کی قدرت سے زمین کے نیچے سے چلتا ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے پاس آ نکلا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آصف رحمۃ اللہ علیہ کا لانا یعنی ان کا لانے کی نسبت اپنی طرف کرنا بایں معنیٰ تھا کہ انھوں نے اسم اعظم کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تھی۔ اس کرامت کے اظہار میں آصف رحمۃ اللہ علیہ کا صرف یہ کام تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی۔ رہا تخت کو حقیقتاً سامنے لا کر رکھنا تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کام تھا اور اسی کو حضرت سلیمان علیہ السلام یوں تعبیر فرماتے ہیں ﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ﴾ یہ میرے پروردگار کا فضل وکرم ہے ﴿لِيَبْلُوَنِيْٓ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ میرا امتحان لے ﴿ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ﴾ کیا میں شکر ادا کرتا ہوں یا میں ناشکری کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ کو تو ہر چیز کا علم ہے یہ امتحان بندوں کے سامنے حقیقت واضح کرنے کے لیے ہوتا ہے ﴿وَمَنْ شَكَرَ﴾ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ﴿فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ﴾ پس پختہ بات ہے وہ شکر ادا کرتا ہے اپنی ذات کے لیے کہ اس کا ثواب اور اجر اس کو ملے گا ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ اور جس نے ناشکری کی تو اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑے گا ﴿فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ﴾ پس بے شک میرا پروردگار بے پرواہ ہے عزت والا ہے۔ وہ ہمارے شکر کا محتاج نہیں ہے وہ ہر وقت قابل تعریف ہے کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ کرے۔ ایک ایک ذرہ آسمانوں کا ایک ایک ذرہ زمینوں کا اس کی تسبیح بیان کر رہا ہے۔ ریت کا ایک ایک ذرہ، پانی کا ایک ایک قطرہ اس کی تعریف کر رہا ہے۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا﴾ اس کے تخت کو بدل دو اس کا حلیہ اور شکل بگاڑ دو ہیرے موتی نکال دو ﴿نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ﴾ ہم دیکھتے ہیں کیا وہ اپنے تخت کو پہچان سکتی ہے ﴿اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ یا ہوتی ہے ان لوگوں میں سے جو نہیں سمجھتے حقیقت کو۔ اس تخت میں انھوں نے بڑا تغیر کیا۔ یہاں کی چیز نکال کر وہاں لگا دی وہاں کی یہاں لگا دی۔ کچھ چیزیں ویسے نکال دیں لیکن وہ بڑی سمجھ دار تھی۔

ملکہ بلقیس سلیمان علیہ السلام کے دربار میں

﴿فَلَمَّا جَآءَتْ﴾ پس جب آئی ملکہ بلقیس اپنے عملہ سمیت ﴿قِيْلَ﴾ کہا گیا ﴿اَهٰكَذَا عَرْشُكِ﴾ کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت۔ ہم نے سنا ہے تیرا تخت بہت بڑا ہے کیا وہ ایسا ہی ہے جیسے یہ ہے ﴿قَالَتْ﴾ کہنے لگی ﴿كَاَنَّهٗ هُوَ﴾ گویا کہ یہ وہی ہے۔ یہ

میرا تخت ہی تو ہے اس میں تھوڑا، بہت تغیر ہوا ہے لیکن ہے وہی ﴿وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا﴾ اور دیا گیا ہمیں علم اس سے پہلے کہ سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ بڑے بڑے معجزے ظاہر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر چیز پر حکومت عطا فرمائی ہے ہمیں آپ کے کمالات کا علم وفد کے ذریعے ہو گیا تھا ﴿وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ﴾ اور تھے ہم مسلمان۔ ہم وہاں سے مسلمان ہو کے چلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور روکا تھا اس کو رب تعالیٰ کی عبادت کرنے سے اس چیز نے جس کی وہ عبادت کرتی تھی اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے۔ سورج کی عبادت کرتی تھی ﴿اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ﴾ بے شک وہ کافر قوم کی ایک فرد تھی اس لیے وہ غیر اللہ کی عبادت میں لگی ہوئی تھی ورنہ وہ سمجھ دار تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جس محل میں اس کو ٹھہرانا تھا اس کے صحن میں شیشے ایسے انداز سے جڑائے کہ خیال گزرتا تھا کہ یہ گہرا پانی ہے۔ بلقیس باوجود سمجھ دار ہونے کے نہ سمجھ سکی کہ یہ شیشے کا فرش بنا ہوا ہے جب وہاں سے گزرنے لگی تو اپنی پنڈلیاں ننگی کر لیں کہ میری شلوار نہ بھیگ جائے ﴿قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ﴾ اس کو کہا گیا داخل ہو جا محل میں ﴿فَلَمَّا رَاَتْهُ﴾ پس جس وقت اس نے دیکھا اس محل کو ﴿حَسِبَتْهُ لُجَّةً﴾ خیال کیا اس کو گہرا پانی ﴿وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا﴾ اور ننگی کیں اس نے اپنی دونوں پنڈلیاں ﴿قَالَ﴾ فرمایا سلیمان علیہ السلام نے ﴿اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ﴾ بے شک یہ محل مزین کیا گیا ہے شیشوں سے۔ یہ شیشے کا محل ہے پانی نہیں ہے۔

سوال ❀ اب سوال یہ ہے کہ ایسا کرنے میں کیا حکمت تھی۔ تفسیروں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ سلیمان علیہ السلام اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے تھے اور انھوں نے سن رکھا تھا کہ اس کی پنڈلیوں پر بال بہت زیادہ ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ جس عورت کی پنڈلیوں پر بال ہوں وہ خطرناک ہوتی ہے۔ حقیقت رب تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ بہر حال انھوں نے یہ حکمت عملی اختیار کی تاکہ اس کی پنڈلیوں کو دیکھ لیں۔ لیکن یہ حقیقت نہیں ہے۔ حقیقت وہ ہے جس کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان رحمۃ اللہ علیہ اس کی عقل کی خامی کو واضح کرنا چاہتے تھے کہ باوجود سمجھ ہونے کے عقل پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ شیشے کو پانی سمجھ لیا ہے ایسے ہی سورج کی چمک دیکھ کر اس کو الٰہ سمجھ بیٹھی ہے۔ جس وقت سورج چڑھتا وہ قوم ہاتھ باندھ کر سورج کے سامنے کھڑے ہو جاتے تھے۔

غیر اللہ کے پجاری

آج بھی چاند، سورج اور ستاروں کی پوجا کرنے والی قومیں دنیا میں موجود ہیں۔ چاند سورج تو درکنار درختوں کی پوجا کرنے والے، سانپوں، بچھوؤں کی پوجا کرنے والے بھی ہندوستان میں موجود ہیں۔ بلکہ ہندوؤں میں ایک قوم ہے وام مارگی، اب بھی ہندوستان میں کافی تعداد میں موجود ہیں۔ وہ شرم گاہ کی پوجا کرتے ہیں۔ مرد عورتیں بالکل ننگے ہو کر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں ہاتھ باندھ کر۔ مرد عورتوں کی شرم گاہوں کی پوجا کرتے ہیں اور عورتیں مردوں کی شرمگاہوں کی پوجا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دنیا کی جڑ اور منبع ہے۔ جب عقل پر پردہ پڑ جائے تو پھر یہی کچھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا

فرمائے تو آدمی بہت کچھ سمجھ سکتا ہے۔ تو جب اس نے پنڈلیاں ننگی کیں تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں یہ پانی نہیں ہے ﴿قَالَتْ﴾ کہنے لگی ﴿رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ﴾ اے میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ اب تک کفر شرک میں مبتلا رہی اور حقیقت کو نہیں سمجھ سکی۔ جس طرح یہاں نہیں سمجھ سکی وہاں بھی نہیں سمجھ سکی ﴿وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور میں اسلام لائی ہوں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ، مسلمان ہو چکی ہوں جو پالنے والا ہے سارے جہانوں کا۔ اب رب تعالیٰ کے سامنے جھکنا ہے سورج کی پوجا نہیں کرنی نہ کسی اور چیز کی پوجا کرنی ہے۔

﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے ﴿اِلٰی ثَمُوْدَ﴾ قوم ثمود کی طرف ﴿اَخَاهُمْ﴾ ان کے بھائی ﴿صٰلِحًا﴾ صالح علیہ السلام ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ (انھوں نے کہا) کہ تم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿فَاِذَا هُمْ﴾ پس اچانک وہ ﴿فَرِیْقٰنِ﴾ دو گروہ بن گئے ﴿یَخْتَصِمُوْنَ﴾ لڑنے جھگڑنے لگ گئے ﴿قَالَ﴾ فرمایا صالح علیہ السلام نے ﴿یٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم! ﴿لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ کیوں جلدی طلب کرتے ہو ﴿بِالسَّیِّئَةِ﴾ تکلیف کو ﴿قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾ راحت اور آرام سے پہلے ﴿لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ﴾ کیوں نہیں معافی مانگتے اللہ تعالیٰ سے ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿اطَّیَّرْنَا بِكَ﴾ ہمارے لیے بُرا شگون ہے تمھاری وجہ سے ﴿وَ بِمَنْ مَّعَكَ﴾ اور ان کی وجہ سے جو آپ کے ساتھ ہیں قَالَ فرمایا ﴿طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ تمھاری نحوست اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ﴾ بلکہ تم ایسی قوم ہو ﴿تُفْتَنُوْنَ﴾ جو فتنے میں ڈال دی گئی ہے ﴿وَ كَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ﴾ اور تھے اس شہر میں ﴿تِسْعَةُ رَهْطٍ﴾ نو افراد ﴿یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ فساد مچاتے تھے زمین میں ﴿وَ لَا یُصْلِحُوْنَ﴾ اور اصلاح نہیں کرتے تھے ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ قسم کھاؤ اللہ کے نام کی ﴿لَنُبَیِّتَنَّهٗ﴾ البتہ ہم رات کو حملہ کریں گے صالح علیہ السلام پر ﴿وَ اَهْلَهٗ﴾ اور اس کے گھر والوں پر ﴿ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ﴾ پھر ہم ضرور کہیں گے ﴿لِوَلِیِّهٖ﴾ اس کے وارثوں کو ﴿مَا شَهِدْنَا﴾ ہم حاضر نہیں تھے ﴿مَهْلِكَ اَهْلِهٖ﴾ اس کے گھر کے افراد کی ہلاکت کے وقت ﴿وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ اور بے شک البتہ ہم سچے ہیں ﴿وَ مَكَرُوْا﴾ اور انھوں نے تدبیر کی ﴿مَكْرًا﴾ تدبیر کرنا ﴿وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا﴾ اور ہم نے بھی تدبیر کی تدبیر کرنا ﴿وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ شعور نہیں رکھتے تھے ﴿فَانْظُرْ﴾ پس دیکھو ﴿كَیْفَ كَانَ﴾ کیسے تھا ﴿عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ﴾ ان کی تدبیر کا انجام ﴿اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ﴾ بے شک ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ﴿وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ اور ان کی ساری قوم کو ﴿فَتِلْكَ بُیُوْتُهُمْ﴾ پس یہ ان کے گھر ہیں ﴿خَاوِیَةًۢ﴾ خالی ﴿بِمَا ظَلَمُوْا﴾

اس وجہ سے کہ انھوں نے ظلم کیا ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً﴾ بے شک اس میں نشانی ہے ﴿لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو جانتی ہے ﴿وَ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ﴾ اور نجات دی ہم نے ان لوگوں کو ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ اور وہ تھے بچتے۔

گزشتہ قوموں کے احوال بیان کرنے کی وجہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنے والی نسلوں کی اصلاح کے لیے پہلی تباہ شدہ نافرمان قوموں کے حالات بیان فرمائے ہیں کہ نافرمانی کی وجہ سے وہ دنیا میں کیسے تباہ ہوئیں۔ قبر حشر کا عذاب اور آخرت کا عذاب علیحدہ ہے لہٰذا تم ان نافرمانیوں سے بچ جاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد قوم عاد تھی۔ ان کی طرف پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام بھیجے گئے۔

قوم صالح علیہ السلام کا واقعہ

عاد قوم کے بعد ثمود قوم تھی جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے ان کا علاقہ حجر تھا۔ یہ علاقہ اب سعودیہ میں ہے خیبر سے کافی دور ہے آج بھی بڑی بڑی چٹانوں میں بنے ہوئے مکانات وہاں موجود ہیں مگر ان میں رہنے والا کوئی نہیں ہے۔ ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی بڑی مخالفت کی یہاں تک کہ ان کو بمع اہل خانہ شہید کرنے کا منصوبہ بنایا جس کا ذکر ابھی آئے گا۔ آخر دم تک وہ لوگ کفر شرک پر ڈٹے رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے رسول بنا کر بھیجا ﴿اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾ ثمود قوم کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو۔ بھائی اس لیے فرمایا کہ وہ بھی اس قوم کے ایک فرد تھے ورنہ یہ پیغمبر ہیں مومن ہیں قوم کافر ہے۔ جیسے ہم پاکستان میں رہنے والوں کو کہیں برادران وطن۔ برادرانِ وطن میں عیسائی ہیں، ہندو، سکھ، پارسی، یہودی بھی ہیں وہ سب اس میں آجائیں گے۔ البتہ برادران ملت کہنے میں صرف مسلمان آئیں گے ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ شامل نہیں ہوں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیغمبر نے تعلیم شروع کی قوم کو خطاب کیا ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ یہ کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ہیں ان کا پہلا سبق یہی تھا ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ "اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔" مشکل کشا، حاجت روا نہیں ہے، فریاد رس، دست گیر، حاکم، مقنن نہیں ہے ﴿فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ﴾ پس وہ دو فریق بن گئے پیغمبر کے آنے کے بعد ﴿یَخْتَصِمُوْنَ﴾ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگ گئے۔ دو گروہوں سے مراد یہ ہے کہ ایک گروہ وہ جس نے پیغمبر کا کلمہ پڑھا اور دوسرا گروہ وہ جنھوں نے کلمہ نہیں پڑھا مخالف تھے۔ اور طبعی بات ہے کہ جب نظریات اور عقائد مختلف ہوں تو جھگڑا ہوتا ہے۔ کچھ تھوڑے سے لوگ حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ بھی تھے ان کا کافروں مشرکوں کے ساتھ جھگڑا ہوتا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ گھر کے افراد میں سے ایک بھائی نے کلمہ پڑھا اور دوسرے نے نہیں پڑھا، باپ نے نہیں پڑھا بیٹے نے پڑھا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے جب ان کو نافرمانی پر کفر و شرک پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے کہ جس عذاب کی آپ ہمیں دھمکی دیتے ہیں دیر کس چیز کی ہے جلدی لاؤ وہ عذاب ہم تو آپ کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے معصوم پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام نے ﴿قَالَ فرمایا ﴿يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ﴾ اے میری قوم! کیوں جلدی طلب کرتے ہو برائی، عذاب کیوں مانگتے ہو ﴿قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾ بھلائی سے پہلے، راحت سے پہلے۔ رب تعالیٰ سے راحت رحمت مانگو تکلیف اور عذاب نہ مانگو۔

اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں بھلائی مانگنی چاہیے

ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نوجوان صحابی تھے بڑے مستعد، پھرتیلے کام بڑی تیزی کے ساتھ کرتے تھے۔ وہ چند دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر نہ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلاں جوان نظر نہیں آرہا کہاں ہے؟ ساتھیوں نے کہا کہ حضرت! ہم معلوم کر کے بتائیں گے اس کے گھر جا کر معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے اور بیماری کی وجہ سے بہت کمزور ہو گیا ہے ابوداؤد شریف میں كَاَنَّهٗ فَرْخٌ کے لفظ آتے ہیں گویا کہ چڑیا کا بچہ ہے جس کے ابھی پر نہیں اُگے۔ ساتھیوں نے آکر بتلایا کہ حضرت! وہ اتنا بیمار ہے کہ کروٹ نہیں بدل سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تیمارداری کے لیے تشریف لے گئے دیکھا تو وہ واقعی کمزور ہو چکا تھا۔ فرمایا سبحان اللہ! تجھے کیا ہوا ہے؟ کہنے لگا حضرت! میں نے دعا کی ہے کہ اے پروردگار! جو سزا آپ نے مجھے مرنے کے بعد دینی ہے وہ مجھے دنیا میں ہی دے دیں تا کہ مرنے کے بعد میری زندگی صاف ستھری ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ! تو نے اللہ تعالیٰ سے تکلیف مانگی ہے راحت مانگنی چاہیے تھی هَلَّا قُلْتَ" آپ نے ایسی دعا کیوں نہیں کی ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [البقرہ:۲۰۱] "اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور بچا ہمیں آگ کے عذاب سے۔"

تو جب ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے کہا کہ آپ جس عذاب کی دھمکی دیتے ہیں وہ لاتے کیوں نہیں تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے فرمایا اے میری قوم! کیوں جلدی مانگتے ہو برائی اور تکلیف بھلائی سے پہلے ﴿لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ﴾ کیوں نہیں معافی مانگتے اللہ تعالیٰ سے کفر شرک سے باز آجاؤ اور رب تعالیٰ سے معافی مانگو ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ ﴿قَالُوْا﴾ لوگوں نے کہا ﴿اطَّيَّرْنَا بِكَ﴾ اصل میں تھا تَطَيَّرْنَا۔ تا کو طا کیا اور پھر تا کا طا میں ادغام کر دیا۔ پہلے حرف ساکن تھا تو ہمزہ وصلی لے آئے اِطَّيَّرْنَا ہو گیا تَطَيُّرٌ کا معنی ہوتا ہے پرندے اُڑانا۔ ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی کام کے لیے صبح سویرے گھر سے نکلتے جو قریب درخت ہوتا اس پر پتھر مارتے اس پر جو پرندے ہوتے اگر وہ دائیں طرف اُڑتے تو کہتے میرا کام ہو گیا اور اگر پرندے بدحواس ہو کر بائیں طرف اُڑتے تو کہتے میرا کام نہیں ہوگا۔ تو وہ پرندوں کو اُڑا کر نیک فالی اور بدفالی حاصل کرتے تھے۔ بھئی! پرندوں کے اُڑنے کے ساتھ تمھارے کام کا کیا تعلق ہے۔ کوئی عقلی طور پر یا نقلی طور پر عارضی یا عادی

طور پر کوئی تعلق ہے پرندوں کے اُڑنے کا تیرے کام کے ساتھ۔ جب ان کو پتھر مارو گے تو وہ بدحواس ہو کر یا دائیں اُڑیں گے یا بائیں اُڑیں گے۔ تو وہ پرندے اُڑاتے تھے نیک فالی یا بدفالی حاصل کرنے کے لیے جیسے آج کل بھی بعض جاہلوں میں یہ بات ہے کہ کوا بولا تو کہتے ہیں کہ مہمان آئے گا۔ ؎

منگل بدھ نہ جاویں پہاڑ
جیتی بازی آویں ہار

کہ منگل اور بدھ کو پہاڑی سفر نہ کرو کیوں کہ اگر تم کامیاب بھی ہو تو ناکام ہو کر آؤ گے۔ حالاں کہ بھائی حقیقت یہ ہے کہ دنوں میں نہ نحوست ہے نہ سعادت ہے۔ نحوست اور سعادت ہمارے اعمال میں ہے۔ کہنے لگے ہم نے تمھاری وجہ سے بدفالی حاصل کی ہے۔ وہ نحوست کیا تھی؟ بارش کا نہ ہونا تھا۔ تو ان کے کفر اور شرک کی وجہ سے، پیغمبر کی مخالفت کی وجہ سے لیکن اُلٹی گنگا کہ ذمہ داری حضرت صالح علیہ السلام پر ڈال دی اور ان کے مومن ساتھیوں پر کہ ان کی وجہ سے بارشیں نہیں ہو رہیں۔ کہنے لگے ہم نے بدفالی حاصل کی ہے ﴿بِكَ﴾ آپ کی وجہ سے ﴿وَبِمَنْ مَّعَكَ﴾ اور ان کی وجہ سے جو آپ کے ساتھ ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ تمھاری نحوست اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تمھارے کفر، شرک، رنافرمانی کی وجہ سے ہماری توحید کی وجہ سے نہیں، رسالت پر یقین رکھنے کی وجہ سے نہیں، آخرت کا عقیدہ ماننے کی وجہ سے نہیں ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ﴾ بلکہ تم ایسی قوم ہو جو فتنے میں مبتلا کی گئی ہو۔ تم اپنے گناہ اور قصور کو نہیں دیکھتے الٹا ہمارے ذمے لگاتے ہو۔

﴿وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ اور تھے حجر شہر میں۔ اس شہر کا نام حجر تھا اور اسی نسبت سے سارے علاقے کو حجر کہتے تھے۔ تو اس حجر شہر میں ﴿تِسْعَةُ رَهْطٍ﴾ نو افراد تھے ﴿يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ فساد مچاتے تھے زمین میں ﴿وَلَا يُصْلِحُوْنَ﴾ اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ یہ نو غنڈے بدمعاش تھے ان کے سردار کا نام قیدار بن ثعلب تھا۔ قذار بھی لکھ دیتے ہیں۔ درمیانے قد کا گربہ چشم تھا بلی جیسی آنکھوں والا بڑا شریر آدمی تھا اس کے آٹھ آدمی اور تھے۔ یہ نو غنڈوں کی، بدمعاشوں کی جماعت تھی وہاں ایک بیوہ عورت تھی جس کا نام عنیزہ بنت غنم تھا۔ اس کی جوان لڑکیاں تھیں اس کے پاس کافی تعداد میں بھیڑ بکریاں اور اُونٹ تھے وہاں ایک پانی کا چشمہ تھا ان لوگوں کے مطالبے پر جو اللہ تعالیٰ نے چٹان سے اُونٹنی نکالی تھی حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ﴾ "یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُونٹنی ہے۔" ایک دن چشمے سے پانی یہ پیے گی اور ایک دن تمھارے جانور۔ ان لوگوں کے جانور کافی تھے۔ عنیزہ بی بی کے بھی کافی جانور تھے جب ان کی باری ہوتی تھی عنیزہ کے کچھ جانور پیاسے رہ جاتے تھے۔ اس نے قیدار بن ثعلب کو کہا کہ میری جوان لڑکیوں میں سے جس کا چاہو رشتہ لے لو مگر صالح علیہ السلام کی اُونٹنی کو راستے سے ہٹاؤ۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کیا۔ کہنے لگے پہلے صالح علیہ السلام کو اہل خانہ سمیت قتل کرو پھر اُونٹنی کو ختم کرنا ہے۔ دوسروں نے کہا نہیں پہلے اُونٹنی کو کاٹو پھر صالح علیہ السلام کا کام کریں گے۔

تو فرمایا تھے شہر میں نو آدمی جو فساد مچاتے تھے زمین میں اور اصلاح نہیں کرتے تھے ﴿قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ ان

غنڈوں نے کہا قسمیں اُٹھاؤ اللہ تعالیٰ کی ﴿لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ﴾ کہ ہم رات کے وقت صالح علیہ السلام اور اس کے گھر والوں پر حملہ کر کے ہلاک کر دیں گے ﴿ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ﴾ پھر ان کے وارثوں کو کہیں گے ﴿مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ﴾ ہم حاضر نہیں تھے اس کے گھر کے افراد کی ہلاکت کے وقت ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ اور بے شک ہم سچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَكَرُوْا مَكْرًا﴾ اور انھوں نے تدبیر کی تدبیر کرنا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو شہید کرنے کی ﴿وَّمَكَرْنَا مَكْرًا﴾ اور ہم نے بھی تدبیر کی تدبیر کرنا ﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور ان کو شعور بھی نہیں تھا۔ انہوں نے پہلے حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی کی ٹانگیں کاٹیں۔ تفسیروں میں آتا ہے کہ جس وقت انھوں نے اُونٹنی کی ٹانگیں کاٹیں تو اُونٹنی نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور بڑبڑائی، آواز نکالی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے آواز سنی تو دوڑتے ہوئے آئے۔ دیکھا تو اُونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں تھیں۔ قوم سے فرمایا دیکھو! رب تعالیٰ نے تمھیں تین دن کی مہلت دی ہے ﴿تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ [ہود: ۶۵] "فائدہ اٹھالو اپنے گھروں میں تین دن تک یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہوگا۔" مثلاً: آج جمعرات کا دن ہے فرمایا آج کے دن تمھارے چہرے سیاہی مائل ہوں گے کل بالکل سیاہ ہو جائیں گے پرسوں بالکل شکلیں بدل جائیں گی اور چوتھے دن تباہ ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تین دن کی مہلت دی تو بہ کر لیں مگر جب انسان کا دل سیاہ ہو جائے تو خیر کی بات دل میں نہیں آتی۔ خدا کرے کسی کا دل کالا نہ ہو۔ حجر اسود کے بارے میں احادیث کے اندر آتا ہے ((يَاقُوْتٌ مِّنْ يَوَاقِيْتِ الْجَنَّةِ)) "ترمذی شریف کی روایت ہے کہ جنت کے موتیوں میں سے موتی ہے۔" یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا سورج کی طرح اس کی چمک تھی ((سَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْ اٰدَمَ)) "بنی آدم کی خطاؤں نے اس کو کالا کر دیا ہے۔" اور جامع الصغیر کی روایت میں ہے ((سَوَّدَتْهُ خَطَايَا الْمُشْرِكِيْنَ)) "مشرکین کی خطاؤں نے اس کو کالا کر دیا ہے۔" حجر اسود خطاؤں سے کالا ہو گیا ہے ہمارا دل گناہوں سے کالا کیوں نہیں ہوگا؟

گناہ کی نحوست

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کی وجہ سے دل پر ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے۔ دوسرا گناہ کیا دوسرا نکتہ، تیسرا گناہ کیا تیسرا نکتہ پڑ گیا، یہ گناہ کرتا گیا کالے نکتے پڑتے گئے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے دل پر زنگ چڑھ جاتا ہے۔ اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ نیکی کی رغبت ختم ہو جاتی ہے اور برائی کی طرف میلان ہوتا ہے۔ پھر تین دن کے بعد ان پر عذاب نازل ہوا۔ رجفہ کا لفظ بھی آتا ہے زلزلہ آیا اور صیحہ کا لفظ بھی آتا ہے، آواز۔ جبرئیل علیہ السلام نے ایک ڈراؤنی سی آواز نکالی وہ جہاں جہاں تھے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور زلزلے میں تباہ ہو گئے مجرم قوم کا ایک فرد بھی نہ بچا۔

فرمایا ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ﴾ پس دیکھو کیسا تھا ان کی تدبیر کا انجام ﴿اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ بے شک ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کی ساری قوم کو ﴿فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً﴾ پس یہ ان کے گھر ہیں خالی ان میں بسنے والا کوئی نہیں ہے ﴿بِمَا ظَلَمُوْا﴾ اس وجہ سے کہ انھوں نے ظلم کیا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ بے شک اس میں نشانی ہے ﴿لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ اس قوم

کے لیے جو جانتی ہے ﴿وَ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ اور وہ تھے بچتے شرک سے، کفر سے، خدا کی نافرمانی سے۔

﴿وَ لُوْطًا﴾ اور بھیجا ہم نے لوط علیہ السلام کو رسول بنا کر ﴿اِذْ قَالَ﴾ جب فرمایا لوط علیہ السلام نے ﴿لِقَوْمِهٖۤ﴾ اپنی قوم کو ﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ کیا تم کرتے ہو بے حیائی ﴿وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾ اور تم دیکھتے ہو ﴿اَىٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً﴾ کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر شہوت رانی کے لیے ﴿مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ﴾ عورتوں کو چھوڑ کر ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ بلکہ تم قوم ہو جاہل ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ﴾ پس نہیں تھا جواب ان کی قوم کا ﴿اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا﴾ مگر یہ کہ کہا انھوں نے ﴿اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ﴾ نکال دو لوط علیہ السلام کے گھرانے کو ﴿مِّنْ قَرْیَتِكُمْ﴾ اپنی بستی سے ﴿اِنَّهُمْ اُنَاسٌ﴾ بے شک یہ لوگ ﴿یَّتَطَهَّرُوْنَ﴾ ستھرے بنتے ہیں ﴿فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ﴾ پس ہم نے نجات دی لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ﴾ سوائے ان کی بیوی کے ﴿قَدَّرْنٰهَا﴾ مقدر کر دیا تھا ہم نے اس کے بارے میں ﴿مِنَ الْغٰبِرِیْنَ﴾ کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی ﴿وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا﴾ اور برسائی ہم نے ان پر بارش ﴿فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ﴾ پس بری ہوئی بارش ان لوگوں کی جو ڈرائے ہوئے تھے ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿وَ سَلٰمٌ﴾ اور سلام ہے ﴿عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰى﴾ اللہ تعالیٰ کے ان بندوں پر جن کو اس نے چنا ہے ﴿آٰللّٰهُ خَیْرٌ﴾ کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے ﴿اَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ یا وہ جن کو وہ شریک کرتے ہیں ﴿اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾ کون ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿وَ اَنْزَلَ لَكُمْ﴾ اور اُتارا اس نے تمھارے لیے ﴿مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ آسمان کی طرف سے پانی ﴿فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ﴾ پس اُگائے ہیں ہم نے اس کے ساتھ ﴿حَدَآىٕقَ﴾ باغات ﴿ذَاتَ بَهْجَةٍ﴾ بارونق ﴿مَا كَانَ لَكُمْ﴾ تمھارا کام نہیں ہے ﴿اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا﴾ کہ تم اُگاؤ باغات کے درخت ﴿ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ﴾ بلکہ یہ لوگ انحراف کرتے ہیں ﴿اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا﴾ بھلا کون ہے جس نے بنایا ہے زمین کو قرار گاہ ﴿وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا﴾ اور بنائی ہیں زمین کے درمیان نہریں ﴿وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ﴾ اور رکھے ہیں ان میں بوجھل پہاڑ ﴿وَ جَعَلَ﴾ اور بنایا ہے ﴿بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا﴾ دو دریاؤں کے درمیان پردہ ﴿ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ﴾ کیا کوئی الٰہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ بلکہ ان کی اکثریت نہیں جانتی۔

لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے۔ یہ عراق کے دارالخلافہ میں رہتے تھے۔ اس وقت اس جگہ کا نام کوثیٰ بروزن طوبیٰ تھا۔ آج کل کے جغرافیہ میں اس کا نام بابل ہے۔ اب یہ چھوٹا سا قصبہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بھی یہی رہتے تھے۔ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا ہی نام ہے۔ کچھ لوگوں نے ویسے ہی تاویلیں کی ہیں اور تاویلیں کس کس جگہ کریں گے؟ قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہے حدیث میں نام آزر ہے۔ تو آزر کے ایک بیٹے ابراہیم علیہ السلام تھے اور دوسرے بیٹے کا نام حاران تھا، ح حلوے والی۔ لوط علیہ السلام حاران کے بیٹے تھے۔ اس علاقے میں صرف یہ تین بزرگ حق پر تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ حضرت سارہ علیہا السلام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبوت ملنے کے بعد تقریباً اسّی سال قوم میں گزارے اور بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ تم عراق سے شام کی طرف ہجرت کر جاؤ اور دمشق میں لوگوں کو تبلیغ کرو۔ راستے میں کسی جگہ پر حضرت لوط علیہ السلام کو نبوت ملی اور حکم ہوا کہ بستی سدوم میں جا کر لوگوں کو تبلیغ کرو۔ سدوم بڑا شہر تھا یہ دس میل میں پھیلا ہوا تھا آج کل اس کی جگہ بحر میت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلُوْطًا﴾ اور یاد کرو لوط علیہ السلام کا قصہ اور بھیجا ہم نے لوط علیہ السلام کو رسول بنا کر ﴿اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ﴾ جس وقت کہا انھوں نے اپنی قوم کو وہ قوم جس کی طرف ان کو رسول بنا کر بھیجا گیا جن کا مرکزی شہر سدوم تھا۔ کیا کہا قوم کو؟ ﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ کیا تم کرتے ہو بے حیائی ﴿وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾ اور تم دیکھتے بھی ہو یعنی تم سمجھتے بھی ہو کہ یہ برا کام ہے پھر بھی اس کا ارتکاب کرتے ہو۔ وہ بے حیائی کیا تھی؟ ﴿اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ﴾ بے شک تم دوڑتے ہو مردوں پر شہوت رانی کرتے ہوئے اپنی شہوت مردوں پر پوری کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر۔ اللہ تعالیٰ نے مرد بھی پیدا فرمائے ہیں اور عورتیں بھی اور نسل انسانی کو باقی رکھنے کے لیے نکاح کا حکم فرمایا ہے کہ جائز طریقے سے تم اپنی شہوت کو پورا کرو لیکن وہ قوم اس سے ہٹ کر ہم جنس پرستی میں مبتلا ہوگئی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو۔

ہم جنس پرستی

حدیث پاک میں آتا ہے: ((اُقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ)) "جو مرد آپس میں بے حیائی کریں دونوں کو قتل کر دو۔" اور حال یہ ہے کہ یورپ کے بعض ممالک میں یہ قانون پاس ہو چکا ہے کہ مرد مرد سے نکاح کر سکتا ہے اور بعض علاقوں والے اس قانون کے پاس کرانے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ان بے حیا قوموں میں انسانیت ختم ہوگئی ہے اور کہتے ہیں کہ اس میں حرج کیا ہے؟

فرمایا ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ بلکہ تم قوم ہو جاہل۔ بے سمجھ لوگ ہو اللہ تعالیٰ نے شہوت رانی کے لیے دوسری جنس بنائی ہے عورتیں پیدا فرمائی ہیں مگر تم یہ کام مردوں کے ساتھ کرتے ہو۔ اور سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۶۸ میں ہے ﴿اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ﴾ "بے شک میں تمھارے اس فعل سے نفرت کرتا ہوں۔" قرآن پاک میں زنا اور لواطت دونوں کو فحش کہا گیا ہے بلکہ

لواطت زنا سے بھی قبیح فعل ہے۔ یہ خلاف فطرت ہے۔ یہ اتنا برا فعل ہے کہ سوائے بندروں کے کوئی دوسرا جانور بھی پسند نہیں کرتا۔ بندر کو اسی وجہ سے ذلیل جانور کہا گیا ہے۔ ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ﴾ پس نہیں تھا جواب لوط علیہ السلام کی قوم کا ﴿اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا﴾ مگر یہ کہ کہا انہوں نے ﴿اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ﴾ نکال دو لوط علیہ السلام کے گھرانے کو اپنی بستی سے۔ اسی کو کہتے ہیں اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ مجرموں کو نکالنا چاہیے یا نیکوں کو؟ مگر جب مجرم زیادہ ہو جائیں تو نیکوں پر سختیاں ہو جاتی ہیں۔ کیوں نکالو؟ ﴿اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ﴾ بے شک یہ لوگ ہیں جو پاک بنتے ہیں۔ انداز گفتگو دیکھو! کہ یہ پاک بنتے پھرتے ہیں۔ بھئی! یہ پاک بنتے نہیں پھرتے بلکہ وہ حقیقتاً پاک ہیں ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ﴾ پس ہم نے نجات دی لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ﴾ مگر اس کی بیوی کو نجات نہیں ملی۔ حضرت لوط علیہ السلام بیوی پیچھے سے تو نہیں لائے تھے اسی قوم میں شادی ہوئی مگر وہ اسلام نہیں لائی۔

اس وقت مسلمان کا نکاح کافر کے ساتھ جائز تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سولہ سال بعد تک کافروں کے ساتھ نکاح جائز رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بیٹیاں پہلے کافروں کے نکاح میں تھیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے نکاح میں تھیں اور حضرت زینب ابوالعاص بن ربیع کے نکاح میں تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ایک عورت تھی اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کی وجہ سے ان کی کنیت ام بکر پڑی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ابوبکر کہلائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑی کوشش کی مگر وہ مسلمان نہیں ہوئی۔ کہتی تھی رب مجھے اسلام سے بچائے۔ جب دوسرے پارے کی یہ آیات نازل ہوئیں ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ "اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کریہاں تک کہ وہ ایمان لائیں ﴿وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ﴾ اور البتہ مومن لونڈی بہتر ہے مشرک عورت سے ﴿وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ﴾ چاہے وہ تم کو کتنی اچھی معلوم ہو ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ اور نہ نکاح کرو مسلمان عورتوں کا مشرکوں کے ساتھ ﴿وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ﴾ اور البتہ مومن غلام بہتر ہے مشرک سے ﴿وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ﴾ چاہے وہ تمھیں اچھا معلوم ہو۔" اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد مشرکوں سے نکاح منسوخ ہو گیا۔

رشتہ کرنے میں احتیاط کرنی چاہیے

یاد رکھنا! رشتہ کرتے وقت پہلے عقیدہ دیکھو! بچہ بچی مشرک تو نہیں کافر تو نہیں تاکہ اولاد کا ایمان خراب نہ ہو۔ لیکن اب حالت یہ ہے کہ ہم شکل دیکھتے ہیں، کوٹھیاں کاریں دیکھتے ہیں، مال دیکھتے ہیں، دنیاوی تعلیم دیکھتے ہیں، عقیدے کی طرف نگاہ کرنے والے لوگ بہت کم ہیں۔ آخرت کی فکر کرو دنیا تو گزر ہی جائے گی۔

حضرت ابوالدرداء مشہور صحابی ہیں ان کی لڑکی جوان ہوگئی رشتہ داروں نے رشتہ تلاش کیا اور کہا حضرت آپ لڑکی فلاں جگہ دے دیں۔ فرمایا میں لڑکی وہاں نہیں دوں گا۔ رشتہ داروں نے کہا حضرت کیوں؟ کیا وجہ ہے؟ کیا لڑکے کی شکل اچھی نہیں

بے کار ہے؟ فرمایا نہیں شکل عقل اچھی ہے پڑھا لکھا دین دار پرہیز گار ہے سارا گھرانہ دین دار ہے مگر ان کے گھر میں لونڈیاں کام کرتی ہیں میری بیٹی کو ساس کی خدمت کا موقع میسر نہیں ہوگا جس سے اس کی آخرت ماری جائے گی اس لیے میں بیٹی وہاں دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ آخرت کا کتنا فکر ہے؟ آج تو ایسے لوگ بھی ہیں جو رشتہ کرتے وقت کہتے ہیں ہماری لڑکی روٹی نہیں پکائے گی، کپڑے نہیں دھوئے گی، جھاڑو نہیں پھیرے گی۔ اس کوٹرے میں تیار روٹی ملنی چاہیے۔

یاد رکھنا! اور عورتیں اس مسئلہ کو اچھی طرح یاد رکھیں۔ یہ جو گھر کے کام کاج ہیں مثلاً: بچوں کو نہلانا، تیار کرنا، کپڑے دھونا، روٹی پکانا اور کھلانا، جھاڑو پھیرنا، ان کا ثواب نفلی نماز روزے سے زیادہ ہے۔ تو فرمایا ان کی بیوی کو نجات نہ ملی ﴿قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِیْنَ﴾ مقدر کر دیا تھا ہم نے اس کے بارے میں کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی۔ حضرت لوط علیہ السلام کو حکم تھا کہ آپ جلدی سے یہاں سے چلے جائیں کہ آپ کے چلے جانے کے بعد ہم نے اس علاقے کو اُلٹا دینا ہے۔ وہ تشریف لے گئے اور یہ پیچھے رہ گئی معذ بین میں۔ اس قوم پر چار قسم کے عذاب آئے۔

پہلا عذاب: ﴿فَطَمَسْنَآ اَعْیُنَهُمْ﴾ [القمر: ۳۷] "ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں۔" آنکھوں کی بینائی ختم کر دی۔ دوسرے عذاب کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا﴾ اور برسائی ہم نے ان پر بارش پتھروں کی ﴿فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ﴾ پس بری ہوئی بارش ان لوگوں کی جو ڈرائے ہوئے ہیں۔ تیسرا عذاب: ڈراونی آواز تھی۔ چنانچہ سورۃ النحل میں صیحہ کے لفظ آتے ہیں اور چوتھا عذاب: ﴿فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا﴾ [الحجر: ۷۴] "پس ہم نے بستی کو اُلٹ کر اُوپر نیچے کر دیا۔" اس مقام پر بحیرہ مردار ہے وہاں پر کسی قسم کی مچھلی یا دریائی جانوروں کی قسم کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ حالاں کہ چھوٹے چھوٹے تالابوں میں بھی کیڑے مچھلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ نافرمانوں کی تباہی کا حال بیان کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی نصیحت کی گئی ہے کہ اچھا ہوا یہ لوگ اپنے انجام کو پہنچ گئے ورنہ دنیا میں مزید فتنہ فساد کا سبب بنتے جیسا کہ سورۃ الانعام آیت نمبر ۴۵ میں ہے ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ "پس ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔" پہلی بات اللہ تعالیٰ کی تعریف اور دوسری یہ کہ ہر اہم کام کی ابتداء سے پہلے ﴿وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی﴾ اور سلام ہے اللہ تعالیٰ کے ان بندوں پر جن کو اس نے چنا ہے۔ حمد و سلام کے بعد فرمایا ﴿آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جن کو یہ لوگ اس کے ساتھ شریک بناتے ہیں۔

وحدانیت باری تعالیٰ پر عقلی دلائل

آگے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے عقلی دلائل ہیں جن پر غور کر کے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچان سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ﴾ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ آسمان وزمین اور ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ دہریوں کی قلیل تعداد کے علاوہ ہر مذہب کے لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے ہیں۔ سورہ زمر آیت نمبر ۶۲ میں ہے ﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ ﴾ "ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔" باقی سب مخلوق ہے۔ عرش سے لے کر فرش تک، ملائکہ سے لے کر جنات تک ہر چیز مخلوق ہے۔ تو فرمایا بتلاؤ ارض وسماء کا خالق کون ہے؟ دوسری دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا اچھا یہ بتلاؤ ﴿ وَاَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ اور اُتارا اس نے آسمان کی طرف سے پانی۔ تمھارے لیے بارش کون برساتا ہے بارش برسانا بھی مخلوق کے بس میں نہیں ہے۔ پھر خود ہی فرمایا بارش کے نتیجے میں ﴿ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ ﴾ پس اگائے ہیں ہم نے اس پانی کے ذریعے باغات بارونق۔ حدیقہ اس باغ کو کہتے ہیں جس کے اردگرد دیوار یا جھاڑیوں کی باڑ ہو ورنہ عام باغ کو بستان کہتے ہیں۔

فرمایا ﴿ مَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ﴾ تمھارے بس کی بات نہیں ہے کہ باغات کے درختوں کو اُگا سکو یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ فرمایا جب ان میں سے کوئی چیز بھی کسی کے اختیار میں نہیں ہے تو پھر بتلاؤ ﴿ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے جس نے ان میں سے کوئی کام کیا ہو؟ نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیوں بناتے ہو؟ کبھی اللہ تعالیٰ کی صفت میں دوسروں کو شریک کرتے ہو اور کبھی عبادت میں شریک کرتے ہو۔ ایسا کیوں کرتے ہو؟ فرمایا حقیقت یہ ہے ﴿ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ ﴾ بلکہ یہ لوگ انحراف کرتے ہیں حقائق سے اعراض کرتے ہیں اور ﴿ يَعۡدِلُوۡنَ ﴾ کا معنیٰ دوسروں کو برابر کرنا بھی ہے گویا کہ یہ لوگ بڑے ظالم اور ناانصاف ہیں کہ اتنی واضح دلیلوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو برابر ٹھہراتے ہیں۔

فرمایا زمین کی تخلیق کے بعد ﴿ اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا ﴾ بھلا کون ہے جس نے بنایا زمین کو قرار گاہ یعنی ٹھہرنے کی جگہ کس نے بنایا۔ نہ تو اتنی سخت ہے کہ اُکھاڑی نہ جاسکے اور نہ اتنی نرم ہے کہ انسان اس میں دھنس جائے ﴿ وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنۡهٰرًا ﴾ اور بنائیں اس زمین کے درمیان نہریں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام بنایا ہے کہ پہاڑوں پر بارش ہوتی ہے اور دریاؤں ندیوں کی صورت میں میدانی علاقوں کو سیراب کرتی ہے ﴿ وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِىَ ﴾ اور زمین پر بوجھل پہاڑ رکھ دیئے تاکہ زمین ڈولنے نہ پائے۔ زمین پر پہاڑ اسی نے ٹکائے ہیں ﴿ وَجَعَلَ بَيۡنَ الۡبَحۡرَيۡنِ حَاجِزًا ﴾ اور بنایا دو دریاؤں کے درمیان پردہ۔ آڑ پیدا کردی ہے جس کی وجہ سے میٹھا کڑوا پانی آپس میں خلط ملط نہیں ہوتے۔ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہیں تو بھلا بتاؤ ﴿ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا کوئی اور الٰہ ہے جو ان میں سے کوئی کام کرسکے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے سوا معبود تو کوئی نہیں ہے ﴿ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴾ بلکہ ان کی اکثریت نہیں جانتی۔ اکثر لوگ بے علم اور بے سمجھ ہیں جو ان تمام دلائل کے باوجود شرک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ عطا فرمائے۔

﴿ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ ﴾ بھلا کون ہے وہ ذات جو قبول کرتی ہے مجبور اور بے کس کی دعا کو ﴿ اِذَا دَعَاهُ ﴾ جب وہ اس سے دعا کرتا ہے ﴿ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ ﴾ اور دور کرتا ہے تکلیف کو ﴿ وَ یَجْعَلُكُمْ ﴾ اور بناتا ہے تمھیں ﴿ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ﴾ زمین میں خلیفہ ﴿ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ﴾ کیا ہے کوئی دوسرا الٰہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ بہت کم تم نصیحت حاصل کرتے ہو ﴿ اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ ﴾ بھلا کون ہے وہ ذات جو راہنمائی کرتی ہے تمھاری خشکی کے اندھیروں میں ﴿ وَ الْبَحْرِ ﴾ اور سمندر کے اندھیروں میں ﴿ وَ مَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ ﴾ اور کون ہے جو چلاتا ہے ہواؤں کو ﴿ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ﴾ جو خوش خبری سناتی ہیں اس کی رحمت سے پہلے ﴿ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ﴾ کیا ہے کوئی دوسرا الٰہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴾ بلند ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے جن کو یہ اس کا شریک بناتے ہیں ﴿ اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ﴾ بھلا کون ہے جو ابتداء کرتا ہے پیدائش کی ﴿ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ﴾ پھر وہ اس کو لوٹائے گا ﴿ وَ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ اور کون ہے جو رزق دیتا ہے تمھیں آسمان سے ﴿ وَ الْاَرْضِ ﴾ اور زمین سے ﴿ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ﴾ کیا اور کوئی الٰہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ﴾ لاؤ اپنی دلیل ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ ﴾ نہیں جانتے وہ جو آسمانوں میں ہیں ﴿ وَ الْاَرْضِ ﴾ اور جو زمین میں ہیں ﴿ الْغَیْبَ ﴾ غیب کو ﴿ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ سوائے اللہ تعالیٰ کے ﴿ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴾ اور وہ شعور نہیں رکھتے کس دن ان کو کھڑا کیا جائے گا ﴿ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ ﴾ بلکہ گر گیا ہے ان کا علم ﴿ فِی الْاٰخِرَةِ ﴾ آخرت کے بارے میں ﴿ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْهَا ﴾ بلکہ وہ شک میں ہیں قیامت کے بارے میں ﴿ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴾ بلکہ وہ قیامت سے اندھے ہیں۔

اثباتِ توحید و تردید شرک

اس رکوع میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پرزور الفاظ میں توحید کا اثبات کیا ہے اور شرک کا رد کیا ہے۔ یاد رکھنا! تمام نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی توحید ہے اور تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ گزشتہ آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل کا ذکر تھا کہ آسمان زمین کس نے بنائے، بارش کس نے نازل کی ہے، باغات کے درخت کس نے اُگائے ہیں زمین کو جائے قرار کس نے بنایا ہے، زمین میں پہاڑ کس نے بنائے ہیں، دو دریاؤں کے درمیان پردہ کس نے بنایا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہے جو یہ کام کر سکے؟ اور کوئی ذات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ ﴾ بھلا وہ کون ذات ہے جو قبول کرتی ہے مجبور اور بے کس کی دعا کو

﴿اِذَا دَعَاہُ﴾ جب وہ اس سے دعا کرتا ہے۔ انسان جب ظاہری اسباب سے نا اُمید اور مایوس ہو جاتا ہے تو پھر وہ رب تعالیٰ کے سامنے جھکتا اور پکارتا ہے چاہے وہ کافر مشرک ہی کیوں نہ ہو۔ کافر جب سمندر کا سفر کرتے تھے اور سمندر کی موجوں میں پھنستے تھے تو اس وقت صرف رب تعالیٰ کو پکارتے تھے۔ سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۶۵ میں ہے ﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ "پس جب یہ سوار ہوتے ہیں کشتی پر تو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص۔" اس کی اطاعت کا عقیدہ رکھتے ہوئے کہتے ہیں اس مقام پر اے پروردگار! تیرے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔

تو فرمایا مضطر انتہائی بے کس اور بے بس، لاچار کی دعا کو کون قبول کرتا ہے جس وقت وہ اس کو پکارتا ہے ﴿وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ اور دور کرتا ہے اس کی تکلیف کو تو بتلاؤ حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس، دست گیر اور کون ہے؟ ﴿وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ﴾ اور بناتا ہے تمھیں زمین میں خلیفہ۔ تم اپنے بڑوں کے نائب ہو تم دنیا سے چلے جاؤ گے تو تمھاری اولاد تمھارا خلیفہ بنے گی ﴿ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور حاجت روا، مشکل کشا ہے، کوئی فریاد رس، دست گیر ہے؟ کون ہے تمھیں خلیفہ بنانے والا ﴿قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ بہت کم تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دعاؤں کو قبول کرنے والا نہیں ہے نہ کوئی تکلیف دور کرنے والا ہے۔ سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۷ میں ہے ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ﴾ "(اے انسان اچھی طرح سن اور سمجھ) اور اگر پہنچائے اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی تکلیف پس نہیں ہے اس کو دور کرنے والا سوائے اس کے۔" اللہ تعالیٰ کے سوا ساری مخلوق جمع ہو کر بھی اس کو دور نہیں کر سکتی ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ "اور اگر وہ پہنچائے آپ کو کوئی بھلائی پس وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔"

اور سورۃ یونس آیت نمبر ۱۰۷ میں ہے ﴿وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ "اور اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کرے آپ کے ساتھ بھلائی کا پس کوئی نہیں رد کر سکتا اس کے فضل کو۔" نافع بھی وہی ہے اور ضار بھی وہی ہے۔ نفع نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ جیسی ذات گرامی کو حکم دیا ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ "اے پیغمبر آپ کہہ دیں نہیں مالک میں اپنے نفس کے لیے نفع کا اور نہ نقصان کا ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر جو اللہ چاہے۔" اور سورۃ جن میں فرمایا ﴿قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ "آپ کہہ دیں میں تمھارے ضرر اور نفع کا مالک نہیں ہوں۔" جب آنحضرت ﷺ جیسی ذات گرامی کسی کے نفع نقصان کی مالک نہیں ہے تو اور کسی کی کیا حیثیت ہے۔

اور سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۸۸ میں ہے ﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ﴾ "اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو زیادہ کرتا بھلائی سے اور نہ پہنچتی مجھ پر کوئی برائی کوئی تکلیف۔" مجھے پہلے سے علم ہوتا کہ اس شخص نے مجھ پر اس طرح حملہ کرنا ہے تو میں پہلے اپنا بچاؤ کر لیتا۔ اُحد کے مقام پر آپ ﷺ اپنے دھیان میں تھے کہ عتبہ بن ابی وقاص نے پتھر مارا جس سے آپ ﷺ کا ہونٹ مبارک اور نیچے والا دانت شہید ہو گیا۔ پہلے سے اگر آپ ﷺ کو علم ہوتا تو آپ ﷺ دفاع نہ کرتے۔ عبد اللہ بن قمیہ کافر نے تلوار کا وار کیا جس نے آپ ﷺ کا خود کاٹا آپ ﷺ کا چہرہ مبارک

زخمی ہوا خون کا فوارہ پھوٹا علم ہوتا تو پہلے سے دفاع نہ کرتے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے علم ہوتا تو خیبر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو زہر دی جاتی اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کھاتے۔

واقعہ بیئر معونہ :

ہجرت کا تیسرا یا چوتھا سال تھا رعل، ذکوان، عصبی، قبیلوں کے لوگ وفد کی شکل میں آپ کے پاس آئے مدینہ طیبہ میں اور کہنے لگے کہ ہماری برادریاں بہت سارے علاقوں میں پھیلی ہوئی ہیں انہیں اسلام کی بڑی طلب ہے مگر ان کو اسلام سمجھانے والا کوئی نہیں ہے حضرت! آپ اپنے سارے ساتھیوں کو بھیج دیں تبلیغ کے لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارے تو نہیں جا سکتے ان میں کوئی زراعت پیشہ ہیں کوئی تاجر پیشہ ہیں کسی نے جانور رکھے ہوئے ہیں ان کو چارہ ڈالنا ہے دودھ نکالنا ہے یہ میرے پاس اصحاب صفہ ہیں طالب علم ان کو لے جاؤ۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر آدمی ان کے ساتھ بھیج دیئے جس وقت یہ ان کی بستیوں کے قریب پہنچے تو ان کی بولیاں بدل گئیں۔ ان میں ایک کعب بن یزید رضی اللہ عنہ لنگڑے صحابی تھے وہ کسی غار میں چھپ گئے باقی سب کو انھوں نے دھوکے کے ساتھ شہید کر دیا۔ آپ کئی دن مسجد میں پریشان رہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا غمگین کبھی نہیں دیکھا جتنا بیئر معونہ کے واقعہ پر دیکھا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوتا کہ انھوں نے ایسے دغا بازی کرنی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ساتھیوں کو بھیجتے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ﴾ بھلا کون ہے جو تمھاری راہنمائی کرتا ہے ﴿فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ﴾ خشکی کے اندھیروں میں وَالْبَحْرِ اور سمندر کے اندھیروں میں۔ آسمان پر ستارے کس نے بنائے ہیں جن کو دیکھ کر تم اپنی منزل تک پہنچتے ہو ﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ [النحل:۱۶] "اور ستاروں کے ذریعے بھی یہ لوگ راہ پاتے ہیں۔" کون ہے جو تمھاری راہنمائی کرتا ہے خشکی کے اندھیروں میں اور سمندر کے اندھیروں میں ﴿وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ﴾ اور کون ہے جو چلاتا ہے ہواؤں کو ﴿بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ﴾ جو خوش خبری سناتی ہیں اس کی رحمت سے پہلے۔ بارش سے پہلے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں جس سے سمجھدار لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اب رحمت کی بارش ہوگی ﴿ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے ﴿تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات بلند ہے ان چیزوں سے جن کو یہ خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

﴿اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ﴾ بھلا کون ہے جو ابتداء کرتا ہے پیدائش کی۔ ابتداء مخلوق کو پیدا کرنے والا کون ہے ﴿ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ پھر وہ اس مخلوق کو لوٹائے گا قیامت برپا ہوگی تمام انسان، تمام جنات، حیوانات، حشرات الارض میدان محشر میں جمع ہوں گے۔ بتلاؤ یہ دوبارہ لوٹانے والا کون ہے؟ ﴿وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ اور کون ہے جو تمھیں روزی دیتا ہے آسمان اور زمین سے۔ آسمان کی طرف سے بارش برستی ہے بارش کے ساتھ فصلوں کا تعلق ہے سورج کی کرنیں فصلوں پر پڑتی ہیں چاند کی چاندنی اور ستاروں کی دھیمی روشنی کا بھی فصلوں کے ساتھ تعلق ہے اور ہوا کا بھی۔ تو تمھارے رزق کا سارا انتظام کرنے والا کون ہے؟

﴿ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ﴾ کیا ہے کوئی اور الٰہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ﴾ لاؤ کوئی اپنی دلیل ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے۔ ﴿اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ سے لے کر ﴿وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ تک جتنی چیزیں بیان ہوئی ہیں ان کے بنانے اور پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی الٰہ ہے تو اس پر دلیل لاؤ۔ اتنی واضح آیات کے بعد بھی کوئی مشرک ہے تو اس کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

علم غیب خاصۂ خداوندی ہے

صفت تخلیق کے بعد صفت علم کا ذکر ہے ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ نہیں جانتے وہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں غیب کو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ آسمانوں میں مخلوق ہے فرشتے اور زمین میں انسان، جنات اور فرشتے وغیرہ کوئی مخلوق غیب کو نہیں جانتی اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو غیب کی خبریں بتلائی ہیں غیب نہیں دیا۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۴۴ میں ہے ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ "یہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔" بعض جاہل قسم کے لوگ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ اور علم غیب میں فرق نہیں جانتے۔ چند غیب کی خبریں رب تعالیٰ نے بتلائیں ہیں پھر ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ خبریں ہم نے آپ کو بتلائی ہیں۔ سورہ ہود آیت نمبر ۴۹ میں ہے ﴿مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾ "نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی اس سے پہلے۔" یعنی ہمارے بتلانے سے پہلے۔ علم غیب خاصہ خداوندی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

عباسیوں کا پہلا خلیفہ ابوجعفر منصور بڑا زیرک آدمی تھا۔ ترپن (۵۳) لاکھ مربع میل کا حکمران تھا۔ عرب سے لے کر کاشغر تک۔ اس کی خواب میں ملک الموت سے ملاقات ہوئی اور خواب میں کوئی پیغمبر یا فرشتہ نظر آئے تو وہ پیغمبر اور فرشتہ ہی ہوتا ہے۔ چوں کہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی معصوم ہیں اور فرشتے بھی معصوم ہیں۔ تو ان معصوموں کی شکل میں شیطان نہیں آسکتا۔ تو انھوں نے عزرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ خوش قسمتی سے آپ کے ساتھ ملاقات ہوگئی ہے مجھے یہ بتلاؤ کہ میری زندگی کتنی باقی ہے؟ اس نے پنجہ کھڑا کر کے دکھا دیا بس! اور کچھ نہیں کیا۔ صبح ہوئی تو خلیفہ نے تعبیر بتلانے والے بلائے اور ان کو خواب سنایا تو کسی نے کہا کہ آپ کی زندگی کے پانچ دن رہ گئے ہیں کسی نے کہا پانچ مہینے رہ گئے ہیں کسی نے پانچ سال کہا لیکن وہ مطمئن نہ ہوا اور کہا نعمان بن ثابت کو بلاؤ۔ یہ نام ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔

امام صاحب کو بلایا گیا ان کو اپنا خواب سنایا کہ خواب میں میری ملاقات عزرائیل علیہ السلام سے ہوئی تو میں نے ان سے اپنی زندگی کے متعلق سوال کیا کہ میری کتنی زندگی باقی ہے تو انھوں نے مجھے اس طرح پنجہ کھڑا کر کے دکھایا ہے اس کی تعبیر بتلاؤ کسی نے مجھے پانچ دن کی تعبیر بتلائی ہے، کسی نے پانچ مہینے کی، کسی نے پانچ سال کی آپ بتلائیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

﴿كَذَبَ كُلُّهُمْ﴾ سب نے جھوٹ بولا ہے، غلط کہا ہے۔ ملک الموت نے پنجہ سامنے کر کے یہ بتلایا ہے کہ موت ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سورہ لقمان کے آخر میں ان پانچ چیزوں کا ذکر ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے وہ بارش اور جانتا ہے جو کچھ ہے رحموں میں اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ وہ کل کیا کمائے گا اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کس سرزمین پر وہ مرے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔" تو غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ یہ چھوٹے مسائل نہیں ہیں یہ عقائد کے مسئلے ہیں عام لوگ ان مسائل کی پروا نہیں کرتے۔

فقہائے کرام رحمہم اللہ جیسا محتاط طبقہ کوئی نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو وہ کافر ہے اور جو یہ کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں وہ بھی کافر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے سوا غیب نہیں جانتے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں ﴿وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ اور وہ شعور نہیں رکھتے کہ کس دن ان کو کھڑا کیا جائے گا۔ قیامت کے متعلق نہیں جانتے کہ کب آئے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک مہینہ پہلے پوچھنے والوں نے پوچھا کہ حضرت! قیامت میں کتنا وقت رہ گیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ غیب ہے ﴿وَمَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ "اور غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔" قیامت آنی ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ کب آنی ہے جیسے ہم تم سب جانتے ہیں کہ مرنا ہے مگر کسی کو یہ معلوم نہیں کہ کب مرنا ہے کس وقت مرنا ہے؟ ۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

﴿بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾ بلکہ تھک کر گر گیا ہے ان کا علم آخرت کے بارے میں۔ بڑے بڑے محقق تحقیق کرتے گئے آخرت کے بارے میں مگر رب تعالیٰ نے کسی کو کوئی دلیل نہیں بتلائی ﴿بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا﴾ بلکہ وہ قیامت کے بارے میں شک میں ہیں ﴿بَلْ هُم مِّنْهَا عَمُونَ﴾ بلکہ وہ قیامت کے بارے میں اندھے ہیں۔ قیامت کے منکر بھی ہیں اور اندھے بھی ہیں۔ اندھے نہ ہوتے تو تیاری نہ کرتے۔ آج معمولی سا امتحان ہوتا ہے اس کے لیے پوری تیاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو آنکھیں دے اور آخرت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَقَالَ الَّذِينَ﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿كَفَرُوا﴾ جو کافر ہیں ﴿أَإِذَا كُنَّا﴾ کیا جس وقت ہم ہو جائیں گے ﴿تُرَابًا﴾ مٹی ﴿وَآبَاؤُنَا﴾ اور ہمارے باپ دادا ﴿أَئِنَّا لَمُخْرَجُونَ﴾ کیا بے شک ہم نکالے جائیں گے

(قبروں سے) ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ﴾ البتہ تحقیق وعدہ کیا گیا اس چیز کا ہمارے ساتھ ﴿وَاٰبَآؤُنَا﴾ اور ہمارے آباؤاجداد کے ساتھ بھی ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿اِنْ هٰذَآ﴾ نہیں ہے یہ ﴿اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ سیر کرو زمین میں ﴿فَانْظُرُوْا﴾ پس دیکھو! ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ کیسا تھا انجام مجرموں کا ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ اور آپ غمگین نہ ہوں مجرموں پر ﴿وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ﴾ اور نہ ہوں آپ تنگی میں ﴿مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾ اس چیز سے جو وہ تدبیر کرتے ہیں ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ کب ہوگا یہ وعدہ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿عَسٰٓى﴾ ممکن ہے ﴿اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ﴾ یہ کہ ہو پیچھے لگی ہوئی تمہارے ﴿بَعْضُ الَّذِيْ﴾ بعض وہ چیز ﴿تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ جس کی تم جلدی کرتے ہو ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ﴾ اور بے شک آپ کا رب ﴿لَذُوْ فَضْلٍ﴾ البتہ فضل کرنے والا ہے ﴿عَلَى النَّاسِ﴾ لوگوں پر ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ﴾ اور لیکن اکثر ان کے ﴿لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ شکر ادا نہیں کرتے ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ﴾ اور بے شک آپ کا رب ﴿لَيَعْلَمُ﴾ البتہ جانتا ہے ﴿مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ﴾ جس کو چھپاتے ہیں ان کے سینے ﴿وَمَا﴾ اور اس چیز کو ﴿يُعْلِنُوْنَ﴾ جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں ﴿وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ﴾ اور نہیں ہے کوئی چیز غائب ﴿فِي السَّمَآءِ﴾ آسمان میں ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ﴿اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ مگر وہ ایک روشن کتاب میں درج ہے ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ بے شک یہ قرآن ﴿يَقُصُّ﴾ بیان کرتا ہے ﴿عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ بنی اسرائیل پر ﴿اَكْثَرَ الَّذِيْ﴾ اکثر وہ چیزیں ﴿هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ کہ وہ ان میں اختلاف کرتے ہیں ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک یہ قرآن ﴿لَهُدًى﴾ البتہ ہدایت ہے ﴿وَّرَحْمَةٌ﴾ اور رحمت ہے ﴿لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ایمان والوں کے لیے ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک آپ کا رب ﴿يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ﴾ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ﴿بِحُكْمِهٖ﴾ اپنے حکم کے مطابق ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ﴾ اور وہ غالب ہے جاننے والا ہے۔

بعث بعد الموت

کل کے سبق کی آخری آیت کریمہ میں تھا ﴿بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ "بلکہ گر گیا ہے ان کا علم آخرت کے بارے میں۔" مشرکوں کی اکثریت قیامت اور حشر کی قائل نہیں تھی۔ کچھ لوگ قائل بھی تھے اور عرب کے مشرک قیامت کے منکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا مقولہ نقل فرمایا ہے ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں۔ کیا کہا؟ ﴿ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا﴾ کیا جس وقت ہم ہو جائیں گے مٹی ﴿وَّاٰبَآؤُنَآ﴾ اور ہمارے باپ دادا بھی ﴿اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ﴾ کیا بے شک ہم نکالے جائیں گے

قبروں سے۔ اور سورہ مومنون آیت نمبر ۳۶ میں ہے ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ﴾ "بعید ہے یہ بات بعید ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔" کہ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی کے اجزا میں مل جل کر دوبارہ نکالے جائیں گے۔ اور سورہ یٰسین میں ان کا مقولہ اس طرح نقل کیا گیا ہے ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ "کون زندہ کرے گا ان بوسیدہ ہڈیوں کو۔" ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ﴾ البتہ تحقیق وعدہ کیا گیا اس چیز کا ہمارے ساتھ ﴿وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ﴾ اور ہمارے باپ دادا کے ساتھ بھی اس سے پہلے کہ تم قبروں سے اُٹھو گے مگر ابھی تک تو کوئی چیز قبروں سے نہیں نکلی لہٰذا ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ [مومنون: ۳۷] "اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔" بس یہی دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔" پھر انھوں نے یہ بھی کہا ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ نہیں ہیں یہ مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں۔

بے شک قرآن کریم میں پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ہے، حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ہے، حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ ہے، حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کے حالات ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ہے، حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کے حالات ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ ہے اور پیغمبروں کے واقعات ہیں مگر یہ قصے محض قصے نہیں ہیں کہ ان میں صرف ذہنی عیاشی ہو کہ چلو ایک اجنبی چیز کا علم ہو گیا اور وقتی طور پر خوش ہو گئے وقت پاس ہو گیا۔ قرآن پاک میں جو قصے بیان کیے گئے ہیں وہ تو بڑے عبرت اور سبق آموز ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ لوگ آج حق کا انکار کر رہے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں ہے پہلے بھی لوگوں نے حق کا انکار کیا جو حشر ان کا ہوا ان کا بھی وہی ہو گا جیسے ان پر عذاب آیا ان پر بھی آئے گا۔ قرآن کریم کا ہر واقعہ اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے وہ محض قصہ نہیں ہے وہ محض ذہن کی عیاشی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ چلو پھرو زمین میں ﴿فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ دیکھو کیا انجام ہوا مجرموں کا جو حق کو مٹانا چاہتے تھے ایمان اور توحید والوں کے دشمن تھے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی مخالفت کرتے تھے آج ان کا نام و نشان مٹ چکا ہے، ان کی اُجڑی ہوئی بستیاں اور کھنڈرات تمھارے راستے میں ہیں۔ کیوں کہ مکہ مکرمہ میں نہ باغات تھے نہ کھیت تھے پہاڑ ہی پہاڑ تھے زمین بھی پتھریلی تھی وہاں پر کچھ نہیں ہوتا تھا روحانی برکات تھیں، ہیں اور رہیں گی۔ مکہ مکرمہ کے لوگ تاجر پیشہ تھے سال میں دو سفر کرتے تھے ﴿رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ﴾ "سردی کے موسم میں اور گرمی کے موسم میں سفر کرنا۔" گرمی کے زمانے میں شام کا سفر کرتے تھے کیوں کہ وہ ٹھنڈا علاقہ تھا اور سردی کے زمانے میں یمن کے علاقے کا سفر کرتے تھے کہ وہ گرم علاقہ تھا ان دو سفروں میں یہ سال کا خرچہ نکال لیتے تھے۔ مکے والوں کی وہ بڑی قدر کرتے تھے کہ مکہ مکرمہ سے آئے ہیں ان کو چارپائیاں بچھا کے دیتے تھے کھانا مفت کھلاتے تھے ان سے چیزیں مہنگی خریدتے تھے اور ان کو چیزیں سستی دیتے تھے کہ یہ بیت اللہ کے پاس رہنے والے ہیں تو یہ آتے جاتے ان تباہ شدہ بستیوں کو دیکھتے تھے۔

تو فرمایا کہ ان سے عبرت حاصل کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ

لَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴾ اور آپ غم نہ کھائیں ان پر اور نہ ہوں تنگی میں اس چیز سے جو وہ پوشیدہ تدبیریں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود ان سے نمٹ لے گا یہ اپنی سازشوں میں کامیاب نہیں ہوں گے آپ اپنا فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہیں۔ فرمایا ان لوگوں کا حال یہ ہے ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اور کہتے ہیں کافر یہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا جس قیامت سے ہمیں ڈراتے ہو وہ کب آئے گی بتاؤ اگر تم سچے ہو تو ہمیں اس کا وقت بتلاؤ۔ کل کے سبق میں گزر چکا ہے ﴿ قُلْ ﴾ "آپ کہہ دیں ﴿ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بغیر علم غیب کوئی نہیں جانتا۔" اور قیامت غیب میں سے ہے اس کا صحیح علم اور صحیح وقت اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا ﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ ﴾ "اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب آئے گی؟ ﴿ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴾ [سورۃ النازعات] آپ کو اس کے ذکر سے کیا واسطہ۔"

علم قیامت

صحیح حدیث میں ہے کہ معراج کی رات جب آپ کی پیغمبروں کے ساتھ ملاقات ہوئی عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَتَذَاكَرُوْا فِيْمَا بَيْنَهُمْ عِلْمَ السَّاعَةِ "تو قیامت کے علم کا مسئلہ چل پڑا کہ قیامت کب آنی ہے؟ کتنی صدیاں رہ گئی ہیں، کتنے سال رہ گئے ہیں، کتنے مہینے باقی ہیں؟" تمام پیغمبروں نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام بڑی شخصیت ہیں یہ خلیل اللہ ہیں ان سے پوچھو شاید ان کے پاس کوئی راز ہو۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا لَا عِلْمَ لِي مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ پھر پیغمبروں نے مشورہ کر کے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سے پوچھو کہ حضرت! قیامت کب آئے گی قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے کہا لَا عِلْمَ بِهَا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ پھر سب نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھو کہ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں کہ قیامت ان کے نزول کے بعد آنی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا فَلَا يَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰهُ اس کی صحیح گھڑی کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔ مجھے صرف اتنا رب تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ میں قیامت سے پہلے آسمان سے زمین پر اتروں گا دجال لعین کو قتل کروں گا اس کے بعد اپنی ہمت کے مطابق دین کی خدمت کروں گا۔ روایات میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد چالیس سال تک حکمران کریں گے اور قرآن کے مطابق فیصلے کریں گے، حدیث کے مطابق فیصلے کریں گے۔ یوں سمجھو کہ عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت کے ایک وفادار جرنیل کی حیثیت سے تشریف لائیں گے اور آپ کی شریعت کو ہی نافذ کریں گے ان کی انجیل والی شریعت منسوخ ہوگی لَا يَبْقٰى اِلَّا مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ جس علاقے میں ہوں گے وہاں نہ کوئی یہودی ہوگا اور نہ کوئی عیسائی وغیرہ ہوں گے صرف اسلام ہوگا سب مسلمان ہوں گے البتہ دوسرے علاقوں میں ہوں گے۔ تو قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔

یہ پوچھتے ہیں قیامت کب ہوگی؟ ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ عَسٰى ﴾ ممکن ہے ﴿ اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ ﴾ یہ کہ ہو پیچھے لگی ہوئی تمہارے ﴿ بَعْضُ الَّذِيْ ﴾ بعض وہ چیز ﴿ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴾ جس کی تم جلدی کرتے ہو یعنی جس قیامت کا تم مطالبہ کرتے

ہو یہ تمہارے پیچھے لگی ہو اور قیامت دور نہیں ہے بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے فرشتے بھی نظر آئیں گے جنت دوزخ بھی نظر آئے گی اور کوئی آدمی اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو کہ میں جوان ہوں تندرست ہوں میری موت دور ہے۔ نہ، موت سب کے لیے ہے پھر آج کل کا دور تو حادثاتی دور ہے کچھ پتہ نہیں تھوڑی دیر بعد کیا ہوگا۔ جو آدمی گھر سے باہر جائے اور رات کو خیر خیریت سے گھر آ جائے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرے کہ میں خیر خیریت سے گھر پہنچ گیا ہوں۔

﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾ اور بے شک آپ کا رب البتہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر ﴿وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر ان کے شکر ادا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور انہی کی برکت سے یہ سلسلہ چل رہا ہے اگر اللہ تعالیٰ کے وہ نیک بندے نہ ہوں تو ہم ایک لحہ بھی زندہ رہنے کے قابل نہیں ہیں۔ اور سورہ شعراء میں ہے ﴿وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ "اور ان کی اکثریت مومن نہیں ہے۔" ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ﴾ اور بے شک آپ کا رب جانتا ہے ﴿مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ﴾ ان چیزوں کو جن کو چھپاتے ہیں ان کے سینے ﴿وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾ اور ان چیزوں کو جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ظاہر باطن کو جانتا ہے دل میں جو خیالات اور وساوس پیدا ہوتے ہیں ان کو بھی جانتا ہے اور وہ خیالات جو ابھی پیدا نہیں ہوئے ان کو بھی جانتا ہے۔

﴿وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ﴾ اور نہیں ہے کوئی چیز غائب آسمانوں میں اور زمین میں ﴿إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ مگر وہ لکھی ہوئی ہے ایسی کتاب میں جو روشن ہے جس کا نام لوح محفوظ ہے۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا پیدا کی ہے اس وقت سے لے کر جنت میں داخل ہونا اور دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ابدالآباد کے سب حالات درج ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم کا کروڑواں حصہ بھی نہیں ہیں۔ ﴿إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ بے شک یہ قرآن جس کو تم پہلے لوگوں کی کہانیاں کہہ کر ٹرخا دیتے ہو ﴿يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ﴾ بیان کرتا ہے بنی اسرائیل پر ﴿أَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ اکثر وہ چیزیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ نے اپنے دین کا نقشہ بدل دیا۔

ناجی فرقہ

آنحضرت نے فرمایا یہودی اکہتر (۷۱) فرقوں میں بٹ گئے نصاریٰ نے بہتر (۷۲) فرقے بنائے اور میری امت کے تہتر (۷۳) فرقے بنیں گے ((كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدًا))۔ ان میں بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے ایک جنت میں داخل ہوگا قِيْلَ پوچھا گیا حضرت! جو جنت میں جائے گا وہ کون ہوگا؟ آنحضرت ﷺ نے موٹی علامت بتلائی ((مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ)) جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلے گا وہ ناجی فرقہ ہے جنت میں داخل ہونے والا۔ آپ ﷺ نے اصول بیان فرما دیا کہ نجات پانے والا فرقہ وہ ہے جو میرے راستے پر ہوگا اور میرے صحابہ کے راستے پر ہوگا۔ اب اس اصول کو سامنے رکھ کر دیکھ لو کہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے۔ اور لوگوں نے جو یہ بدعات اور رسومات کو دین بنا لیا ہے یہ آپ کے

زمانے میں کب تھیں؟ یہ تعزیے تابوت کہاں تھے؟ یہ خرافات کب تھیں؟ یہ جلوس اور تعزیے والی بدعت تیمور لنگ کے زمانے میں نکلی ہے اور اب یہ دین کا حصہ بن گئی ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا دین کے ساتھ تعلق ہی نہیں ہے۔ پھر عجب یہ ہے کہ ایران جہاں شیعہ حکومت ہے وہاں یہ چیزیں نہیں ہیں نہ تعزیہ ہے نہ جلوس ہے اور یہاں اس پر پورا زور لگتا ہے پوری حکومت ساتھ ہوتی ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اور یہی حال میلاد والے جلوس کا ہے۔ یہ جو بڑی عمر والے بزرگ بیٹھے ہیں ان سے پوچھو ۱۹۲۹ء میں ہمارے سامنے تین آدمیوں نے یہ جلوس نکالا تھا اور اس کا بانی ابھی تک زندہ ہے۔ شیخ عنایت اللہ قادری اور ایک اس کا دست راست تھا مولوی عبدالمجید صاحب پٹی والے اور تیسرا لاہور کا جو میسر تھا شجاع، اس کا والد عبدالقادر۔ ان تین آدمیوں نے میلاد کے جلوس کی بنیاد رکھی تھی۔ آج بھی اگر کشمیری بازار لاہور جانا ہو تو دیکھ لینا شیخ عنایت اللہ قادری کے مکان کے ماتھے پر لکھا ہوا ہے حاجی شیخ عنایت اللہ قادری بانی جلوس میلاد النبی۔ یہ پہلے ہندو تھا پھر مسلمان ہوا۔ جو کام کرنے والے ہیں ان کو مسلمان کرتے نہیں ہیں اور خرافات کو سنبھال کر نکا کے سینے کے ساتھ لگایا ہوا ہے۔

تو فرمایا یہ قرآن پاک بیان کرتا ہے بنی اسرائیل کی اکثر وہ چیزیں جن میں اختلاف کرتے ہیں ﴿وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور بے شک یہ قرآن البتہ ہدایت ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ﴾ بے شک آپ کا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ﴿بِحُكْمِهٖ﴾ اپنے حکم کے مطابق۔ ان کے متعلق جو قرآن کو قصے کہانیاں کہتے ہیں اور توحید و رسالت کے منکر ہیں اور خرافات کو دین بنائے ہوئے ہیں ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ﴾ اور وہ ہی غالب ہے اور جاننے والا ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ پس آپ بھروسا کریں اللہ تعالیٰ پر ﴿اِنَّكَ﴾ بے شک آپ ﴿عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ﴾ واضح حق پر ہیں ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ بے شک آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو ﴿وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ﴾ اور آپ نہیں سنا سکتے بہروں کو پکار ﴿اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ﴾ جس وقت وہ پھر جائیں پشت پھیر کر ﴿وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ﴾ اور آپ نہیں ہدایت دے سکتے اندھوں کو ﴿عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ﴾ ان کی گمراہی سے ﴿اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا﴾ آپ نہیں سنا سکتے مگر ان کو جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں پر ﴿فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ پس وہ مسلمان ہیں ﴿وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ﴾ اور جس وقت واقع ہو جائے گی بات ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ﴿اَخْرَجْنَا لَهُمْ﴾ ہم نکالیں گے ان کے لیے ﴿دَآبَّةً﴾ ایک جانور ﴿مِّنَ الْاَرْضِ﴾ زمین سے ﴿تُكَلِّمُهُمْ﴾ جو ان کے ساتھ گفتگو کرے گا ﴿اَنَّ النَّاسَ﴾ بے شک لوگ تھے ﴿كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ﴾ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ﴾ اور جس دن ہم

جمع کریں گے ہر اُمت سے ﴿فَوْجًا﴾ ایک فوج ﴿مِّمَّنْ یُّكَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا﴾ ان میں سے جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں کو ﴿فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ﴾ پس ان کو گروہ در گروہ بنادیا جائے گا ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ﴾ یہاں تک کہ وہ جب آئیں گے ﴿قَالَ﴾ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿اَكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ﴾ کیا جھٹلایا تم نے میری آیتوں کو ﴿وَلَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا﴾ اور تم احاطہ نہ کر سکے ان آیتوں کا علم کے ساتھ ﴿اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ کیا کچھ تم کرتے تھے ﴿وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ﴾ اور واقع ہو جائے گی بات ان پر ﴿بِمَا ظَلَمُوْا﴾ ان کے ظلم کی وجہ سے ﴿فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ﴾ پس وہ بول نہیں سکیں گے۔

ماقبل سے ربط

اس سے پہلی آیت کریمہ میں ہے کہ آپ کا رب ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اپنے حکم کے ساتھ وہ غالب بھی ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ پس آپ بھروسا کریں اللہ تعالیٰ کی ذات پر یہود و نصاریٰ کی مخالفت کی پروا نہ کریں، نصاریٰ کے اختلاف کی پروا نہ کریں، مشرکین کی جھگڑے بازی سے نہ ڈریں سب سے بے نیاز ہو کر اپنے رب کی ذات پر بھروسا کریں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حالات سازگار کر دے گا ﴿اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِیْنِ﴾ بے شک آپ حق پر ہیں جو بڑا واضح ہے۔ اس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے ﴿وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ﴾ اور آپ نہیں سنا سکتے بہروں کو پکار ﴿اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ﴾ جس وقت وہ پھر جائیں پشت پھیر کر۔

مسئلہ سماع موتی

اس مقام پر ایک بڑا طویل الذّیل مسئلہ چلا آرہا ہے۔ وہ یہ کہ آیا مردے سنتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلے کی دو شقیں ہیں۔ ایک عام مردوں کا سماع اور ایک ہے انبیائے کرام علیہم السلام کا سماع۔ اگر کوئی آدمی انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں سے دور صلوٰۃ و سلام پڑھے اور یہ سمجھے کہ وہ سن رہے ہیں تو یہ اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ اس کو فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم تسلیم نہیں کرتے۔ ایک ہے قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ و سلام پڑھنا اور آپ سے استشفاع کرنا، یہ بالکل حق ہے اس میں اُمت کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ "فتاویٰ رشیدیہ" میں فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ امداد الفتاویٰ میں فرماتے ہیں یہ مسئلہ اتفاقی ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

اس مسئلے میں پہلا شخص اختلاف پیدا کرنے والا سید عنایت اللہ شاہ بخاری گجراتی ہے۔ ان سے پہلے اُمت میں مشرق سے لے کر مغرب تک شمال سے لے کر جنوب تک اس مسئلہ میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ سید عنایت اللہ شاہ بخاری کہتا ہے کہ

آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک کے پاس بھی پڑھا ہوا صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے۔ ہم اٹھارہ سال اکٹھے رہے ہیں جلسوں میں مناظروں میں یہاں بھی آتے رہے ہیں تقریریں کرتے رہے ہیں۔ جس وقت انھوں نے اس مسئلے میں غلو کیا تو میں نے علیحدگی اختیار کر لی۔ تو انبیائے کرام علیہم السلام کے عند القبور سننے میں اُمت کا کوئی اختلاف نہیں ہے حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، مقلد، غیر مقلد سب مانتے ہیں۔ ہاں عام مردوں کے سماع کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نہیں سنتے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ سنتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی آخری عدالت ہیں آپ ﷺ کے فیصلے کے بعد کسی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے باب اِنَّ الْمَیِّتَ لَیَسْمَعُ خَفْقَ النِّعَالِ چلتے وقت جوتوں کی جو آواز ہوتی ہے اس کو خفق کہتے ہیں کہ مردے کو جب دفنا کر جا رہے ہوتے ہیں تو وہ اس وقت واپس جانے والوں کے پاؤں کی آواز سنتا ہے۔ یہ باب قائم کر کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان فرمائی ہے کہ بندہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے چلے جاتے ہیں حَتّٰی اَنَّهٗ یَسْمَعَ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ " ابھی وہ ان جانے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ ہی سن رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے پاس دو فرشتے آ جاتے ہیں۔" (بخاری صفحہ ۱۷۸، جلد ۱) اور یہ روایت مسلم شریف اور ابوداؤد شریف میں بھی ہے۔ تو یہ لوگ صحیح احادیث کا انکار کرتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ جب کوئی آدمی قبر کے پاس سلام کہتا ہے تو مردے سلام کو سنتے ہیں۔ یہ اس کا بھی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے۔ پہلے حضرات میں سے جنھوں نے سماع موتیٰ کا انکار کیا ہے ان دو چیزوں کو وہ بھی مانتے ہیں کہ مردہ جوتوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے اور سلام بھی سنتا ہے۔ ان میں ایک حافظ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو بڑے چوٹی کے فقیہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے ہاں! جوتوں کی آہٹ اور سلام سنتے ہیں اس کے علاوہ تم انہیں کچھ اور نہ سناؤ۔

شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "مائۃ مسائل" میں باب قائم کیا ہے اِنَّ الْمَوْتٰی لَا تَسْمَعُ "بے شک مردے نہیں سنتے۔" پھر فرماتے ہیں ہاں! سلام سنتے ہیں۔ تو جن حضرات نے انکار کیا ہے انھوں نے بھی کلیۃً انکار نہیں کیا۔ باقی اس آیت کریمہ کا سماع موتیٰ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور اس سے ثابت کرنا کہ مردے نہیں سنتے غلط ہے۔ کیوں کہ اس میں تو نفی ہے کہ آپ ان کو نہیں سنا سکتے۔ آپ ﷺ کے سنانے کی نفی ہے تو آپ ﷺ تو نہیں سناتے سناتا تو رب ہے سناتا تو رب تعالیٰ کا کام ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ [قصص: ۵۶] "اے پیغمبر علیہ السلام! بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو چاہیں مگر اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔" اور سورۃ فاطر آیت نمبر ۲۲ میں ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہے ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾ اور آپ نہیں سنانے والے ان کو جو قبروں میں پڑے ہیں۔"

تو فرمایا بے شک آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو اور نہ بہروں کو سنا سکتے ہیں پکار جب کہ وہ پشت پھیر کر جا رہے ہوں تو

بھاگنے والوں کو کون سنا سکتا ہے ﴿وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ﴾ اور آپ ہدایت نہیں دے سکتے اندھوں کو ﴿عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ﴾ ان کی گمراہی سے۔ جو دل کے گمراہ ہیں آپ ان کو ہدایت نہیں دے سکتے ﴿اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا﴾ آپ نہیں سنا سکتے مگر ان کو جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں پر۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ کافر نہیں سنتے اور مومن سنتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس سے مراد سماع قبول ہے کہ ایسا نہیں سنتے جس سے وہ قبول کریں۔ تو جب قبول نہ کیا تو پھر سننا نہ سننا برابر ہے۔ وہ سنتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں ﴿فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ پس وہ مسلمان ہیں، حکم مانتے ہیں گردن جھکاتے ہیں۔ یہ حق و باطل کا اختلاف چلتا رہے گا پھر ایک وقت آئے گا ﴿وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ﴾ اور جس وقت بات واقع ہو جائے گی ان پر، بات ان پر واضح ہو جائے گی حکم خداوندی آپہنچے گا۔

دابۃ الارض

﴿اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ﴾ ہم نکالیں گے ان کے لیے ایک جانور زمین سے۔ تفسیر معالم التنزیل وغیرہ میں بڑی تفصیل ہے کہ صفا کی چٹان پھٹے گی اور بیل کی طرح کا ایک جانور نکلے گا اس کی شکل اور حلیہ بیل کی طرح ہوگا اور ایسی تقریر کرے گا کہ کوئی پروفیسر بھی ایسی تقریر نہ کر سکے گا۔ لوگ اس کے ارد گرد اکٹھے ہوں گے اور اس کی تقریر سنیں گے اور ایک دوسرے کو کہیں گے کہ دیکھو! بیل کیسی معقول بات کر رہا ہے۔ اس وقت لوگوں کی شکلیں تو انسانوں والی ہوں گی مگر حیوان صفت ہوں گے۔ عربی کا مقولہ ہے:

اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْسِ

"جنس کو جنس کے ساتھ پیار ہوتا ہے۔"

یہ بتلانا مقصود ہوگا کہ انسان تمھیں وعظ نصیحت کرتے تھے مگر تم نہیں مانتے تھے اب تم بیل کی بات مان رہے ہو کیوں کہ اب تم اس حالت پر پہنچ گئے ہو۔

ایک حکایت

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بڑے عجیب بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی مثنوی شریف حکایات کی شکل میں ہے اور بڑی عبرت والی کتاب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک چھوٹا سا مکان تھا اس پر مکان والوں نے خشک کرنے کے لیے دانے ڈالے ہوئے تھے۔ اوپر جاتے دانوں پر پاؤں مارتے کہ خشک ہو جائیں۔ خاوند بیوی اور ایک دودھ پیتا بچہ تھا اوپر گئے کہ دیکھیں دانے خشک ہو گئے ہیں یا نہیں، بوریوں میں ڈالیں یا نہیں۔ بچہ بھی ساتھ لے گئے۔ بچہ پرنالے میں چلا گیا یہ پریشان ہو گئے کہ پرنالہ ٹوٹا تو یہ نیچے گر جائے گا اور گلی میں پتھر ہیں۔ وہ بچے کو لینے کے لیے آگے ہوتے تو بچہ پرنالے میں نخرے کرتا۔ کسی سمجھ دار نے ان کو کہا کہ اگر تمھیں بچے کی جان کی ضرورت ہے تو جلدی سے اس طرح کا بچہ لے آؤ اور اس کو مکان پر بٹھاؤ یہ اس کو دیکھ کر فوراً پرنالے سے

نکل آئے گا۔ وہ پڑوسیوں کا بچہ لے کر آئے تو وہ بچہ پرنالے سے نکل آیا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ یہ حکایت نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر انسانوں کی جنس سے بھیجے ہیں کہ یہ ان کی طرف مائل ہو کر گمراہی سے باہر آ جائیں۔

یہ دابۃ الارض بالکل آخر میں آئے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب سورج مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا اسی دن یہ نکل آئے گا اور اگر دابۃ الارض پہلے نکل آیا تو اسی دن سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی دن ہوں گی۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد کسی کا ایمان قبول نہیں ہوگا اور یہ بات قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ نئے نیک اعمال بھی قبول نہیں ہوں گے۔ ہاں! جو پہلے سے چلے آرہے ہیں وہ چلتے رہیں گے وہ سفیر ہوں گے۔ اس کو اس طرح سمجھو کہ جس طرح نزع کے عالم میں ایمان قبول نہیں ہے۔ ﴿تُكَلِّمُهُمْ﴾ وہ جانور لوگوں کے ساتھ بات کرے گا، گفتگو کرے گا ﴿أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ﴾ بے شک لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔ دیکھو! پیغمبر بیان کرتے رہے ان کے نائبین بیان کرتے رہے لیکن لوگوں نے یقین نہ کیا۔ علماء صالحین نے بیان کیا مگر ان لوگوں نے یقین نہ کیا۔ بیل بیان کرے گا تو سارے کہیں گے جی ہاں! بالکل ٹھیک ہے۔ اس لیے کہ لوگ انسانیت سے گر کر حیوانیت کو پہنچ چکے ہوں گے اور جنس جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔

تو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے دابۃ الارض کا نکلنا، ایک نشانی ہے یاجوج ماجوج کا نکلنا، ایک نشانی ہے سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا۔ لیکن نشانیوں سے پہلے امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، یہود ونصاریٰ کے ساتھ جنگیں ہوں گی۔ جس علاقے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے وہاں نہ کوئی یہودی ہوگا نہ عیسائی نہ اور کوئی کافر ہوگا وہاں صرف اسلام ہی اسلام ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے مجاہد ساتھی کسی کافر کو نہیں چھوڑیں گے قیامت سے پہلے لوگوں پر قحط سالی کے سال آئیں گے بارشیں نہیں ہوں گی لوگ سخت پریشان ہوں گے یُصَدَّقُ فِیْهِ الْكَاذِبُ "جھوٹے کو سچا کہا جائے گا وَ یُكَذَّبُ فِیْهِ الصَّادِقُ اور سچے کو جھوٹا کہا جائے گا۔" اور رُوَیْبَضَۃ قسم کے لوگ ان کے لیڈر ہوں گے۔ پوچھا گیا حضرت! رویبضۃ کیا ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جو نہ رب کی قدر کریں گے نہ دین کی مدد کریں گے نہ شریعت کی پروا کریں گے۔

آج اقتدار ان لوگوں کے پاس ہے جو پرلے درجے کے کمینے اور بے دین ہیں فاسق، فاجر اور عیاش، صبح کو کچھ اور شام کو کچھ۔ اس دن سب کی حقیقت واضح ہو جائے گی جس دن ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا﴾ اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے ہر اُمت میں سے ایک فوج ﴿مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا﴾ ان میں سے جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں کو۔ یعنی ہر اُمت میں ماننے والے بھی ہیں اور جھٹلانے والے بھی ہیں۔ تو جو ہماری باتوں کو جھٹلانے والے ہیں ہم ان کو جمع کریں گے فوج کر کے ﴿فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴾ پس ان کو گروہ در گروہ بنا دیا جائے گا۔ مثلاً: ایک نمبر کے جھٹلانے والے الگ ہوں گے، دو نمبر والے الگ ہوں گے، تین نمبر والے الگ ہوں گے، چار نمبر والے الگ ہوں گے، ہوتے ہوتے دس نمبر والے الگ ہوں گے جس طرح ان کے درجات بنیں گے اسی طرح اہل حق کے بھی درجات قائم ہوں گے۔ سورۃ زمر آیت نمبر ۷۳ میں ہے ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا﴾

"اور چلائے جائیں گے وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے جنت کی طرف گروہ درگروہ۔" مجاہدین الگ ہوں گے، شہداء الگ ہوں، صالحین الگ ہوں گے۔ اکثریت جہنمیوں کی ہوگی۔

بخاری شریف میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہزار میں سے ایک جنتی ہوگا نوسوننانوے (۹۹۹) جہنمی ہوں گے۔ جس وقت یہ لفظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنے تو پریشان ہوکر کہنے لگے حضرت! پھر تو بڑی مشکل ہوگی؟ فرمایا پریشان نہ ہو اللہ تعالیٰ کی مخلوق بڑی ہے یاجوج ماجوج ہیں، اس وقت چین کی آبادی ایک ارب تیس کروڑ ہے اس میں مسلمان صرف چار پانچ لاکھ کے قریب ہیں۔ انڈیا کی آبادی نوے کروڑ ہے اس میں انڈیا کے بیان کے مطابق مسلمان پچیس کروڑ ہیں واللہ اعلم کہاں تک بات صحیح ہے۔ اور یقین جانو! ہم سے وہ اچھے مسلمان ہیں باوجود یہ کہ وہ کافروں کے ملک میں رہتے ہیں اور ہم مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہیں جو انگریزوں کے خلاف بنا تھا اور جس کی بنیاد لا الٰہ الا اللہ ہے۔

تو فرمایا مکذبین گروہ درگروہ کیے جائیں گے ﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْ﴾ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں جائیں گے ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اَكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ﴾ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلا دیا تھا ﴿وَ لَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا﴾ اور تم احاطہ نہ کر سکے ان آیتوں کا علم کے ساتھ۔ تم نے توجہ ہی نہیں کی سمجھا ہی نہیں ویسے ہی جھٹلا دیا ﴿اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ یا کیا کچھ تم کرتے رہے بولو تو سہی۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کیا بولیں گے ﴿وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا﴾ اور لازم ہو جائے گی بات ان پر ظلم کی وجہ سے ﴿فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ﴾ پس وہ بول نہیں سکیں گے۔ پھر ہاتھ پاؤں بولیں گے دوسرے اعضاء بولیں گے وہ جگہ بولے گی جہاں بیٹھ کر انھوں نے برائیاں کی ہوں گے انتہائی ذلیل ورسوا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے اور اپنے عذاب سے بچائے۔

﴿اَلَمْ یَرَوْا﴾ کیا نہیں دیکھا انھوں نے ﴿اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ﴾ بے شک بنایا ہم نے رات کو ﴿لِیَسْكُنُوْا فِیْهِ﴾ تاکہ وہ آرام کریں اس میں ﴿وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ اور دن بنایا ہم نے روشن ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰیٰتٍ﴾ البتہ نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے ﴿وَ یَوْمَ یُنْفَخُ﴾ اور جس دن پھونکا جائے گا ﴿فِی الصُّوْرِ﴾ بگل ﴿فَفَزِعَ﴾ پس گھبرا جائیں گے ﴿مَنْ﴾ جو ہیں ﴿فِی السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو ہیں زمین میں ﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہے گا ﴿وَ كُلٌّ﴾ اور سب کے سب ﴿اَتَوْهُ﴾ آئیں گے اللہ تعالیٰ کے پاس ﴿دٰخِرِیْنَ﴾ ذلیل ہوکر ﴿وَ تَرَى الْجِبَالَ﴾ اور دیکھیں گے آپ پہاڑوں کو ﴿تَحْسَبُهَا جَامِدَةً﴾ آپ گمان کریں گے ان پہاڑوں کے بارے میں کہ ٹکے ہوئے ہیں ﴿وَّ هِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ﴾ اور وہ چلیں گے جیسے بادل چلتے ہیں ﴿صُنْعَ اللّٰهِ﴾ کاریگری ہے اللہ تعالیٰ کی ﴿الَّذِیْۤ اَتْقَنَ

﴿كُلَّ شَيْءٍ﴾ جس نے مضبوط کیا ہے ہر چیز کو ﴿اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ﴾ بے شک وہ خبردار ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ جو شخص لایا نیکی ﴿فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا﴾ پس اس کے لیے اس سے بہتر ہوگا ﴿وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَىٕذٍ﴾ اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے ﴿اٰمِنُوْنَ﴾ امن میں ہوں گے ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ﴾ اور جو شخص لائے گا برائی ﴿فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ﴾ پس اُلٹے کیے جائیں ان کے چہرے ﴿فِی النَّارِ﴾ دوزخ کی آگ میں ﴿هَلْ تُجْزَوْنَ﴾ (ان سے کہا جائے گا) نہیں بدلہ دیا جائے گا تمھیں ﴿اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ مگر اس چیز کا جو تم کرتے ہو ﴿اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ﴾ پختہ بات ہے مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿اَنْ اَعْبُدَ﴾ یہ کہ میں عبادت کروں ﴿رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ﴾ اس شہر کے رب کی ﴿الَّذِیْ حَرَّمَهَا﴾ جس نے اس شہر کو عزت والا بنایا ہے ﴿وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ﴾ اور اسی کے لیے ہے ہر چیز ﴿وَّاُمِرْتُ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ کہ ہو جاؤں میں مسلمانوں میں سے ﴿وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ﴾ اور یہ کہ میں تلاوت کروں قرآن کی ﴿فَمَنِ اهْتَدٰی﴾ پس جو شخص ہدایت حاصل کرے گا ﴿فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ﴾ پس پختہ بات ہے ہدایت حاصل کرے گا اپنے نفس کے لیے ﴿وَمَنْ ضَلَّ﴾ اور جو گمراہ ہوگا ﴿فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ﴾ پس آپ کہہ دیں میں ڈرانے والوں میں سے ہوں ﴿وَقُلِ﴾ اور آپ کہہ دیں ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ﴾ عنقریب وہ تمھیں دکھائے گا اپنی نشانیاں ﴿فَتَعْرِفُوْنَهَا﴾ پس تم ان کو پہچانو گے ﴿وَمَا رَبُّكَ﴾ اور نہیں ہے آپ کا رب ﴿بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ غافل ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

قدرت کی نشانیاں

اس سے پہلے قیامت کا ذکر تھا منکرین قیامت قیامت کو بہت بعید اور نرالی چیز سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان کر کے سمجھایا کہ رب تعالیٰ کی قدرت کو تم روز مرہ دیکھتے ہو یہی رب قیامت برپا کرے گا۔ فرمایا ﴿اَلَمْ یَرَوْا﴾ کیا نہیں دیکھا انھوں نے ﴿اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ﴾ بے شک ہم نے بنایا رات کو ﴿لِیَسْكُنُوْا فِیْهِ﴾ تاکہ وہ آرام کریں اس میں ﴿وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ اور دن کو بنایا روشن۔ یہ رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور اس سے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے جو پروردگار رات لاتا ہے دن کو روشن کرتا ہے وہی قیامت برپا کرے گا یہ رات دن کی نشانیاں تمھارے سامنے ہیں ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں رب تعالیٰ کی قدرت کی ﴿لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے کہ رات کا لانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے دن کو روشن کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور ہر چیز کی حقیقت کھل کر اس دن سامنے آجائے گی۔

نفخ صور

﴿وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ اور جس دن پھونکا جائے گا بگل۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بگل اپنے منہ میں لیے کبڑے آدمی کی شکل میں رکوع کی حالت میں اس طرح کھڑے ہیں کہ ایک کان اوپر کیے ہوا ہے اور ایک نیچے رب تعالیٰ کے حکم کے منتظر ہیں کہ کب اللہ تعالیٰ کا حکم ہو اور میں بگل میں پھونک ماروں جب بگل بجے گا تو اس کی آواز قریب دور والے یکساں سنیں گے۔ مشرق سے مغرب تک شمال سے جنوب تک کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی جہاں بگل کی آواز نہ جائے۔ بگل میں یہ پھونک دو دفعہ ماری جائے گی۔ نفخہ اولیٰ میں ساری کائنات فنا ہو جائے گی چالیس سال کے وقفے کے بعد دوبارہ بگل پھونکی جائے گی اور ہر شے زندہ ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی نیک کو نیکی اور بُرے کو برائی کا صلہ ملے گا۔ تو فرمایا جس دن پھونکا جائے گا صور ﴿فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ پس گھبرا جائیں گے جو ہیں آسمانوں میں ﴿وَمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور جو ہیں زمین میں ﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔ اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت عزرائیل، حضرت اسرافیل علیہم السلام مراد ہیں کہ یہ نہیں گھبرائیں گے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور شہداء ہیں کہ جس وقت بگل پھونکی جائے گی سب گھبرا جائیں گے مگر انبیائے کرام علیہم السلام اور شہداء رحمہم اللہ پر کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی۔ بعض حضرات نے حوریں مراد لی ہیں کہ وہ نہیں گھبرائیں گی پھر اس کے بعد ایک وقت آئے گا کہ جبرئیل، میکائیل، اسرافیل علیہم السلام حتیٰ کہ عزرائیل کی بھی جان قبض ہو جائے گی اور کوئی جان دار زندہ نہیں رہے گا ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [آل عمران: ۱۸۵] "ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔" صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی جو حی و قیوم ہے۔ ﴿وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ﴾ اور سب کے سب آئیں گے اللہ تعالیٰ کے پاس عاجز ہو کر۔ سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۱۰۸ میں ہے ﴿فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾ "نہیں سنے گا تو مگر ہلکی آواز۔" اللہ تعالیٰ کی عدالت کی طرف جب جائیں گے تو پاؤں کی آواز کے علاوہ کوئی آواز نہیں ہوگی۔ دنیا میں چند آدمی اکٹھے ہوں تو کتنا شور ہوتا ہے؟ لیکن سکوت ہوگا۔

سورۃ مریم آیت نمبر ۹۸ میں ہے ﴿اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾ "یا سنتا ہے تو ان کے لیے ہلکی سی آواز۔" کوئی آہستہ آواز بھی نہیں نکال سکے گا ﴿خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ﴾ [معارج: ۴۴] "آنکھیں ان کی جھکی ہوئی ہوں گی۔" اور عاجز ہو کر رب تعالیٰ کی عدالت کی طرف جا رہے ہوں گے ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً﴾ اور دیکھیں گے آپ پہاڑوں کو آپ گمان کریں گے ان پہاڑوں کے بارے میں کہ ٹکے ہوئے ہیں ﴿وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ﴾ حالاں کہ وہ چلیں گے جیسے بادل چلتے ہیں۔ سورۃ الواقعہ میں ہے ﴿وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا﴾ "ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے پہاڑ ﴿فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا﴾ پس ہو جائیں گے وہ غبار اُڑا ہوا۔" کوئی پہاڑ زمین پر نظر نہیں آئے گا کوئی پستی اور بلندی زمین میں نہیں رہے گی ساری زمین ہموار ہو جائے گی۔ فرمایا ﴿صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ کاری گری ہے اللہ تعالیٰ کی جس نے مضبوط کیا ہے ہر چیز کو۔ پہاڑوں کو زمین کو اسی نے مضبوط کیا ہے سارے

نظام کو اسی نے مستحکم کیا ہے ﴿اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ﴾ بے شک وہ خبردار ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ پھر کیا ہوگا؟ ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا﴾ پس جو شخص لایا نیکی پس اس کے لیے اس سے بہتر ہوگا۔ سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۶۰ میں ہے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ "جو شخص نیکی کرے گا اس کو اس کا دس گنا اجر ملے گا۔"

نیکی کی بنیادی شرائط

مگر اس کے لیے بنیادی شرط ایمان ہے اور ایمان بھی پوری شرائط کے ساتھ کہ جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان پر ایمان لائے۔ دوسری شرط اخلاص ہے۔ ریاکاری اور دکھاوے کے طور پر کرتا ہے تو کچھ حاصل نہ ہوگا اور تیسری شرط اتباع سنت ہے ہر نیکی سنت کے مطابق ہے۔ اگر سنت کے مطابق نہیں ہے چاہے وہ کتنی بڑی نیکی ہو اس کا کوئی اجر نہیں ہے۔

کئی دفعہ سن چکے ہو کہ عید کا دن تھا اچھا زمانہ تھا لوگ جوق در جوق عید گاہ کی طرف آرہے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ عید گاہ پہنچے تو دیکھا کہ ایک صوفی قسم کے آدمی نے نماز شروع کی ہوئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خادم کو بھیجا کہ جاؤ اس آدمی کو کہو کہ عید والے دن عید گاہ میں عید کی نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہے بلکہ عید والے دن اشراق کی نماز بھی نہیں ہے نہ گھر میں نہ عید گاہ میں۔ البتہ چاشت کی نماز پڑھ سکتا ہے لیکن وہ بھی عید گاہ میں نہیں واپس گھر آکر پڑھے یا مسجد میں پڑھے۔ تو وہ صوفی باز نہ آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود اُٹھے جا کر اس کا کندھا پکڑا اور جھنجھوڑ کر فرمایا سنتے نہیں ہو کہ عید والے دن نفل نہیں ہیں۔ اس نے کہا کہ میں کون سا گناہ کر رہا ہوں نماز ہی تو پڑھ رہا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا گناہ کر رہے ہو۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے ہیں نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز پڑھی نہ حکم دیا ہے۔ تو جو چیز سنت کے مطابق نہ ہو وہ چاہے نماز ہی کیوں نہ ہو وہ گناہ ہے کوئی نیکی نہیں ہے۔ تو جس شخص کا عقیدہ صحیح ہو اور اخلاص کے ساتھ نیکی کرے اور سنت کے مطابق ہو تو عام حالات میں دس گنا اجر ملے گا اور اگر فی سبیل اللہ کی مد میں ہوگا تو سات سو گنا ملے گا ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ "اور اللہ تعالیٰ دگنا کرتا ہے بڑھاتا ہے جس کے لیے چاہے۔" ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ کسی مسلمان بھائی کو السلام علیکم کہا دس نیکیاں مل گئیں وعلیکم السلام کہا دس نیکیاں مل گئیں ایک صغیرہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے اور ایمان میں ایک درجہ بھی بڑھے گا۔

﴿وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ﴾ اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے امن میں ہوں گے۔ اور سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۱۰۳ میں ہے ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ "نہیں غم میں ڈالے گی ان کو گھبراہٹ۔" اور اس کے برخلاف ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ﴾ اور جو شخص لایا برائی۔ متعدد مقامات میں ہے کہ برائی کا بدلہ برائی ہے اس کے مثل، زیادہ نہیں۔ تو فرمایا جو شخص برائی لایا ﴿فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ﴾ پس وہ اوندھے منہ ڈالے جائیں گے دوزخ کی آگ میں۔ ان کو اُلٹا کر کے دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ آج جس طرح آدمی پاؤں کے بل چلتے ہیں اسی طرح وہاں سر کے بل چلے گا۔ ایک آدمی نے سوال کیا حضرت! سر کے بل کیسے چلے گا؟ فرمایا جس رب نے پاؤں پر چلایا ہے وہ سر کے بل بھی چلا سکتا ہے۔ یہ اُلٹا کر کے پھینکنا اس بات کی علامت ہوگی کہ دنیا میں

ان کی کھوپڑیاں اُلٹی تھیں۔ سورہ ملک میں ہے ﴿اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ " بھلا وہ آدمی ہدایت والا ہے جو اوندھے منہ چل رہا ہے یا وہ جو سیدھا چلتا ہے۔" فرمایا ﴿هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ نہیں بدلہ دیا جائے گا تمھیں مگر اس چیز کا جو تم کرتے ہو۔ یہ جس وقت اُلٹے کر کے پھینکے جائیں گے اس وقت کہا جائے گا۔

حرمتِ کعبہ

آنحضرت ﷺ کو حکم ہے کہ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ﴾ پختہ بات ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ﴾ کہ عبادت کروں میں اس شہر کے رب کی۔ شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے کیوں کہ یہ سورۃ نمل مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ کون رب؟ ﴿الَّذِیْ حَرَّمَهَا﴾ جس نے اس شہر کو عزت والا بنایا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی جب لوگ کافر مشرک تھے حرم کے اندر کسی قسم کے جرم کو گناہ سمجھتے تھے۔ اگر کسی بات پر آپس میں تلخی ہو جاتی تو حرم میں نہیں لڑتے تھے کہتے تھے حرم سے باہر چلو۔ اسی طرح چوری ڈکیتی وغیرہ بھی حرم میں نہیں کرتے تھے۔ ہاں! کوئی بڑا ہی بدبخت انسان ہوتا جو کرتا۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بھی حرم کا احترام کرتے تھے ہتھیار ساتھ ہونے کے باوجود کچھ نہیں کرتے تھے۔

آج بعض جاہل قسم کے لوگ وہاں ایک دوسرے سے الجھتے ہیں کہ وہاں کے لوگ کہتے ہیں الحاج حرم، الحاج حرم "حاجی یہ حرم ہے یہاں جھگڑا وغیرہ نہیں کرنا۔" اور تم پہلے یہ بات سن چکے ہو کہ ﴿وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ [حج:۲۵] "اور جو کوئی ارادہ کرے گا اس کے اندر کج روی کے ساتھ ظلم کا تو ہم چکھائیں گے اس کو دردناک عذاب۔" حرم میں اگر کوئی آدمی برائی کا ارادہ بھی کرے تو وہ برائی ہے اور حرم سے باہر ایسا نہیں ہے حرم سے باہر جب تک انسان لفظ زبان سے بولتا نہیں یا عملاً برائی کرتا نہیں تو وہ لکھی نہیں جاتی لیکن حرم میں اگر برائی کا ارادہ بھی کیا تو لکھی جائے گی۔ اس لیے کہ حرم کا مقام بہت بلند ہے۔

تو فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں عبادت کروں اس شہر کے رب کی جس نے اس کو عزت والا بنایا ہے ﴿وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ﴾ اور اسی کے لیے ہے ہر شے۔ آسمان اس کے زمین اس کی، چاند، سورج، ستارے اس کے، پہاڑ، دریا اس کے، انسان، حیوان، جنات، فرشتے اس کے ﴿وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہو جاؤں میں مسلمانوں میں سے۔ مسلمان کا معنٰی ہے فرماں بردار حکم ماننے والا۔ مجھے حکم ہے کہ میں رب تعالیٰ کے احکام مانوں۔ سب سے پہلے آپ ﷺ نے ہی رب تعالیٰ کے احکام مانے ہیں جب وحی نازل ہوئی اگر آپ نہ مانتے تو تبلیغ کیسے کرتے اور یہ بات بھی تم کئی دفعہ سن چکے ہو کہ اسلام کا مادہ ہے سَلِمَ۔ ((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَیَدِهٖ)) "مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ ہوں۔"

تلاوتِ قرآن پاک

فرمایا اور مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ﴾ اور یہ کہ میں تلاوت کروں قرآن پاک کی۔ چوں کہ آپ کے اولین مخاطبین عربی لوگ تھے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت سے ہی اکثر باتیں سمجھ جاتے تھے ہماری زبان چوں کہ عربی نہیں ہے اس لیے ہم محض تلاوت سے نہیں سمجھ سکتے۔ ہاں! جن کا تھوڑا بہت مطالعہ ہے وہ کچھ سمجھیں گے۔ باقیوں کو سمجھنا پڑے گا اور بڑی نیکیوں میں سے ہے قرآن مجید کا سیکھنا اور سکھانا۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں حدیث ہے: ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ)) "تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرے اور دوسروں کو تعلیم دے۔" اور یہ تمھارے فریضہ میں داخل ہے کہ اپنے بچوں کو تعلیم دو اگر تمھیں ایک آیت بھی آتی ہے تو وہ انہیں سناؤ اور سمجھاؤ۔ قرآن کریم صرف مولویوں کے لیے نہیں ہے کہ بس یہ پڑھتے پڑھاتے رہیں یہ تمھارا بھی فریضہ ہے اور قرآن پاک کی تلاوت بڑا ورد اور وظیفہ ہے اور ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ بھی آئے تو نورٌ علی نور ہے۔

فرمایا ﴿فَمَنِ اهْتَدٰى﴾ پس جو شخص ہدایت حاصل کرے گا۔ یعنی جب میں پڑھوں گا تلاوت کروں گا سن کر جو ہدایت حاصل کرے گا ﴿فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ﴾ پس پختہ بات ہے وہ ہدایت حاصل کرے گا اپنے نفس کے لیے ﴿وَمَنْ ضَلَّ﴾ اور جو گمراہ ہوگا ﴿فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴾ پس آپ کہہ دیں میں ڈرانے والوں میں سے ہوں منوانے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ دل میں تصرف کرے، ایمان رکھ دے اور کفر نکال دے۔ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے پیغمبروں کا کام ہے سیدھا راستہ بتلانا حق کی بات واضح کرنا۔

تو فرمایا میں ڈرانے والوں میں سے ہوں منانا میرے فریضہ میں داخل نہیں ہے ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اور آپ کہہ دیں سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ ہم نے توحید، رسالت، قیامت وغیرہ صاف صاف تمھیں بتلا دیا ہے ﴿سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ﴾ عن قریب اللہ تعالیٰ تمھیں دکھائے گا اپنی قدرت کی نشانیاں ﴿فَتَعْرِفُوْنَهَا﴾ پس تم ان کو پہچان لوگے دیکھ کر۔ رب تعالیٰ کو کوئی سمجھنا چاہے تو اس کی قدرت کی نشانیوں سے سمجھ سکتا ہے وہ نشانیاں رب تعالیٰ کی رحمت کی بھی ہوسکتی ہیں اور عذاب کی بھی ہوسکتی ہیں۔ یہ موسم کی تبدیلیاں وغیرہ بھی رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور یاد رکھو! ﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور نہیں ہے آپ کا رب غافل ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ نیکی بدی سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے رب تعالیٰ کی عدالت میں ہر چیز سامنے آجائے گی۔

آج بروز بدھ ۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۰ فروری ۲۰۱۲ء کو سورۃ النمل مکمل ہوئی۔

والحمد للہ علی ذالك

(مولانا) محمد نواز بلوچ

تفسیر

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ پندرہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیشِ لفظ

نَحْمَدُہٗ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَ اَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ العزیز برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کو فرنگی استعمار سے آزادی دلانے کی جدوجہد میں گرفتار ہو کر مالٹا جزیرے میں تقریباً ساڑھے تین سال نظر بند رہے اور رہائی کے بعد جب دیوبند واپس پہنچے تو انہوں نے اپنے زندگی بھر کے تجربات اور جدوجہد کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نزدیک مسلمانوں کے ادبار و زوال کے دو بڑے اسباب ہیں۔ ایک قرآن پاک سے دوری اور دوسرا باہمی اختلافات و تنازعات۔ اس لیے مسلم اُمہ کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو عام کیا جائے اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد و مفاہمت کو فروغ دینے کے لیے محنت کی جائے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا یہ بڑھاپے اور ضعف کا زمانہ تھا اور اس کے بعد جلد ہی وہ دنیا سے رخصت ہو گئے مگر ان کے تلامذہ اور خوشہ چینوں نے اس نصیحت کو پلے باندھا اور قرآن کریم کی تعلیمات کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے نئے جذبہ و لگن کے ساتھ مصروف عمل ہو گئے۔ اس سے قبل حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے عظیم المرتبت فرزندوں حضرت شاہ عبد العزیز، حضرت شاہ عبد القادر اور حضرت شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ نے قرآن کریم کے فارسی اور اردو میں تراجم اور تفسیریں کر کے اس خطہ کے مسلمانوں کو توجہ دلائی تھی کہ ان کا قرآن کریم کے ساتھ فہم و شعور کا تعلق قائم ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر وہ کفر و ضلالت کے حملوں اور گمراہ کن افکار و نظریات کی یلغار سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

جب کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں کی یہ جدوجہد بھی اسی کا تسلسل تھی بالخصوص پنجاب میں بدعات و اوہام کے سراب کے پیچھے بھاگتے چلے جانے والے ضعیف العقیدہ مسلمانوں کو خرافات و رسوم کی دلدل سے نکال کر قرآن و سنت کی تعلیمات سے براہِ راست روشناس کرانا بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ لیکن اس کے لیے جن اربابِ عزیمت نے عزم و ہمت سے کام لیا اور کسی مخالفت اور طعن و تشنیع کی پروا کیے بغیر قرآن کریم کو عام لوگوں کی زبان میں ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا ان میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی قدس سرہ العزیز آف واں بھچراں ضلع میانوالی، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ العزیز اور حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی نور اللہ مرقدہ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

جنہوں نے اس دور میں علاقائی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر سے عام مسلمانوں کو روشناس کرانے کی مہم شروع کی جب عام سطح پر اس کا تصور بھی موجود نہیں تھا۔مگر ان ارباب ِ ہمت کے عزم واستقلال کا ثمرہ ہے کہ آج پنجاب کے طول وعرض میں قرآن کریم کے دروس کی محافل کو شمار کرنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی ہے ۔جنہوں نے ۱۹۴۳ء میں گکھڑ کی جامع مسجد بوہڑ والی میں صبح نماز کے بعد روزانہ درسِ قرآن کریم کا آغاز کیا اور جب تک صحت نے اجازت دی کم وبیش پچپن برس تک اس سلسلہ کو پوری پابندی کے ساتھ جاری رکھا۔انہیں حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے اور ترجمہ وتفسیر میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ واجازت حاصل ہے اور انہی کے اسلوب وطرز پر انہوں نے زندگی بھر اپنے تلامذہ اور خوشہ چینوں کو قرآن وحدیث کے علوم وتعلیمات سے بہرہ ور کرنے کی مسلسل محنت کی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے درس قرآن کریم کے چار الگ الگ حلقے رہے ہیں ایک درس بالکل عوامی سطح کا تھا جو صبح نمازِ فجر کے بعد مسجد میں ٹھیٹھ پنجابی زبان میں ہوتا تھا۔دوسرا حلقہ گورنمنٹ نارمل سکول گکھڑ میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے تھا جو سالہا سال جاری رہا۔تیسرا حلقہ مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں متوسطہ اور منتہی درجہ کے طلبہ کیلئے ہوتا تھا اور دوسال میں مکمل ہوتا تھا اور چوتھا مدرسہ نصرۃ العلوم میں ۱۹۷۶ء کے بعد شعبان اور رمضان کی تعطیلات کے دوران دورۂ تفسیر کی طرز پر تھا جو پچیس برس تک پابندی سے ہوتا رہا اور اس کا دورانیہ تقریباً ڈیڑھ ماہ کا ہوتا تھا۔ان چار حلقہ ہائے درس کا اپنا اپنا رنگ تھا اور ہر درس میں مخاطبین کی ذہنی سطح اور فہم کے لحاظ سے قرآنی علوم ومعارف کے موتی ان کے دامن قلب وذہن میں منتقل ہوتے چلے جاتے تھے۔ان چاروں حلقہ ہائے درس میں جن علماء کرام،طلبہ،جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں اور عام مسلمانوں نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے براہِ راست استفادہ کیا ہے ان کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس ہزار سے زائد بنتی ہے۔

﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

ان میں عام لوگوں کے استفادہ کے لئے جامع مسجد گکھڑ والا درسِ قرآن کریم زیادہ تفصیلی اور عام فہم ہوتا تھا جس کے بارے میں متعدد حضرات نے خواہش کا اظہار کیا اور بعض دفعہ عملی کوشش کا آغاز بھی ہوا کہ اسے قلمبند کر کے شائع کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہوسکیں لیکن اس میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ درس خالص پنجابی میں ہوتا تھا جو اگرچہ پورے کا پورا ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے محفوظ ہو چکا ہے مگر اسے پنجابی سے اُردو میں منتقل کرنا سب سے کٹھن مرحلہ تھا اس لیے بہت سی خواہشیں بلکہ کوششیں اس مرحلہ پر آ کر دم توڑ گئیں۔

البتہ ہر کام کا قدرت کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور اس کی سعادت بھی قدرتِ خداوندی کی طرف سے طے شدہ ہوتی ہے۔اس لئے تاخیر در تاخیر کے بعد یہ صورت سامنے آئی کہ اب مولانا محمد نواز بلوچ فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم اور برادرم

محمد لقمان میر صاحب نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور تمام تر مشکلات کے باوجود اس کا آغاز بھی کر دیا جس پر دونوں حضرات اور ان کے دیگر سب رفقاء نہ صرف حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں بلکہ ہمارے پورے خاندان کی طرف سے بھی ہدیۂ تشکر وتبریک کے مستحق ہیں۔ خدا کرے کہ وہ اس فرضِ کفایہ کی سعادت کو تکمیل تک پہنچا سکیں اور ان کی یہ مبارک سعی قرآنی تعلیمات کے فروغ، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے افادات کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے اور ان گنت لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور بارگاہِ ایزدی میں قبولیت سے سرفراز ہو۔ (آمین)

یہاں ایک امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ یہ دروس کی کاپیاں ہیں اور درس وخطاب کا انداز تحریر سے مختلف ہوتا ہے اس لیے بعض جگہ تکرار نظر آئے گا جو درس کے لوازمات میں سے ہے۔ لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ اس کو ملحوظ رکھا جائے اس کے ساتھ ہی ان دروس کے ذریعے محفوظ کرنے میں محمد اقبال آف دبئی اور محمد سرور منہاس آف گکھڑ کی مسلسل محنت کا تذکرہ بھی ضروری ہے جنہوں نے اس عظیم علمی ذخیرہ کو ریکارڈ کرنے کے لیے سالہا سال تک پابندی کے ساتھ خدمت سرانجام دی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

ابوعمار زاہد الراشدی
خطیب جامع مسجد مرکزی، گوجرانوالا
یکم مارچ ۲۰۰۲ء

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے ، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم ۔اے پنجابی بھی کیا ہے۔ اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم ۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم ۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔ دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدّ راہ بن گئی۔ وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔ تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔ اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔ اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن باایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم و فاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡقَصَصِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ اَمَّنۡ خَلَقَ

(۲۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿طٰسٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی ﴿نَتْلُوْا عَلَيْكَ﴾ ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو ﴿مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى﴾ حال موسیٰ علیہ السلام کا ﴿وَ فِرْعَوْنَ﴾ اور فرعون کا ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ﴾ بے شک فرعون ﴿عَلَا﴾ اس نے سرکشی کی ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا﴾ اور کر دیا وہاں کے رہنے والوں کو گروہ در گروہ ﴿يَّسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً﴾ کمزور بنا دیا اس نے ایک گروہ کو ﴿مِّنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ﴾ ذبح کرتا تھا ان کے بیٹوں کو ﴿وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ﴾ اور زندہ چھوڑتا تھا ان کی عورتوں کو ﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ بے شک وہ فسادیوں میں سے تھا ﴿وَ نُرِيْدُ﴾ اور ہم ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ نَّمُنَّ﴾ اس بات کا کہ ہم احسان کریں ﴿عَلَى الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں پر ﴿اسْتُضْعِفُوْا﴾ جن کو کمزور بنا دیا گیا ہے ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَ نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً﴾ اور یہ کہ ہم بنائیں ان کو پیشوا ﴿وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ اور بنا دیں ہم ان کو وارث ﴿وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ﴾ اور ہم ان کو قدرت دیں ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَ نُرِيَ فِرْعَوْنَ﴾ اور دکھائیں ہم فرعون کو ﴿وَ هَامٰنَ﴾ اور ہامان کو ﴿وَ جُنُوْدَهُمَا﴾ اور ان دونوں کے لشکر کو ﴿مِنْهُمْ﴾ ان کمزوروں سے ﴿مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ﴾ وہ چیز جس سے وہ خوف کرتے تھے ﴿وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى﴾ اور ہم نے وحی کی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف ﴿اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾ یہ کہ تم اس کو دودھ پلاتی رہو ﴿فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ﴾ پھر جب تم خوف کھاؤ اس پر ﴿فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ﴾ پس تم اس کو ڈال دو دریا میں ﴿وَ لَا تَخَافِيْ﴾ اور خوف نہ کرنا ﴿وَ لَا تَحْزَنِيْ﴾ اور نہ غمگین ہونا ﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ﴾ بے شک ہم اس کو لوٹائیں گے آپ کی طرف ﴿وَ جَاعِلُوْهُ﴾ اور ہم اس کو بنانے والے ہیں ﴿مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ رسولوں میں سے۔

سورۃ قصص کی وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۃ القصص ہے۔ قصص کا لغوی معنیٰ ہے حال، سرگزشت۔ اس سورت میں آگے آئے گا کہ جب موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر مدین حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس ﴿پہنچے تو قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ﴾ "اپنا حال ان کے سامنے بیان کیا

کہ میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں اور کیوں آیا ہوں؟" تو اس لفظ قصص کی وجہ سے اس سورۃ کا نام سورۃ القصص ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے اڑتالیس [۴۸] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس سورت کے نو [۹] رکوع اور اٹھاسی [۸۸] آیتیں ہیں۔

حروفِ مقطعات کی وضاحت

﴿طٰسٓمّٓ﴾ کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ ط سے مراد طیب ہے، س سے مراد سمیع ہے اور م سے مراد مالک ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام لفظ اللہ ہے باقی سب صفاتی ہیں۔ جیسے رحمٰن ہے، رحیم ہے، جبار ہے، قہار ہے، نور ہے، ہادی ہے، وکیل ہے، رشید ہے، صبور ہے، اٹھانوے نام صفاتی مشہور ہیں ان کے علاوہ اور بھی ہیں جو پہلی کتابوں میں آئے ہیں جن کی تعداد پانچ ہزار ہے۔

فرمایا ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ﴾ یہ جو تمھارے سامنے پڑھی جا رہی ہیں یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں ﴿الْمُبِيْنِ﴾ جو کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ ہماری زبان چوں کہ عربی نہیں ہے اس لیے ہم عربی کی فصاحت و بلاغت کو نہیں سمجھ سکتے۔ ان لوگوں کی مادری زبان عربی تھی وہ سنتے تھے، سمجھتے تھے، متاثر ہوتے تھے حق والے کہتے تھے کہ یہ حق کا اثر ہے اور باطل والے کہتے تھے یہ ﴿سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ "یہ کھلا جادو ہے۔" اثر دونوں مانتے تھے۔ تو جو کچھ بیان کرتا ہے کھول کر بیان کرتا ہے ﴿نَتْلُوْا عَلَيْكَ﴾ ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو ﴿مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ﴾ حال موسیٰ علیہ السلام کا اور فرعون کا ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لانا چاہے، اس واقعہ سے عبرت حاصل کرے۔ مصر کے بادشاہ کا لقب فرعون ہوتا تھا، نام علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے جیسے ہمارے ملک کے صدر کا نام فاروق احمد لغاری ہے اس سے پہلے اور صدر ہوئے، آگے اور ہوں گے۔ تو یہاں جیسے صدر کا لفظ ہے ایسے ہی مصر کے بادشاہوں کا لقب فرعون ہوتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام ریان بن ولید تھا۔ بڑا نیک فطرت آدمی تھا بالآخر مسلمان ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام ولید بن مصعب تھا بڑا شاطر اور شیطان آدمی تھا جیسے آج کل ہمارے لیڈر ہیں۔ رب تعالیٰ کے ساتھ بھی دھوکا اور رب تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ بھی دھوکا، دھوکا ہی دھوکا، باتونی اتنے کہ کسی کو بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔

بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کی وجہ

تفسیروں میں آتا ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے آگ آئی ہے میری طرف اور اس نے قبطیوں کے مکانوں کو جلا دیا ہے۔ اس وقت مصر میں اصولی طور پر دو خاندان تھے:

① بنی اسرائیلی، جو موسیٰ علیہ السلام کا خاندان تھا اور ② قبطی، جو فرعون کا خاندان تھا۔

تو فرعون نے نجومیوں سے اس کی تعبیر پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری حکومت اور قوم کی تباہی کا سبب بنے گا۔ اس پر فرعون نے بنی اسرائیلیوں کے بچے ذبح کرانے شروع کیے، غنڈہ گردی پر اُتر آیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ﴾ بے شک فرعون نے سرکشی کی زمین میں ﴿وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا﴾ اور اس نے کردیا زمین کے رہنے والوں کو گروہ درگروہ۔ ایک وقت تھا کہ انگریز کا بے شمار ممالک پر اقتدار تھا اس زمانے میں یہ مقولہ مشہور تھا کہ پبلک کو آپس میں لڑاؤ اور حکومت کرو۔ یہ فلسفہ برطانیہ کے انگریز نے فرعون سے سیکھا۔ فرعون نے وہاں کے لوگوں کو گروہ درگروہ بنا دیا تھا وہ آپس میں لڑتے رہتے تھے اور حکومت کی طرف رخ نہیں کرتے تھے۔

اور ہر باطل حکومت اس دستور پر آج تک عمل کرتی آ رہی ہے۔ وہ اپنی ضرورت کے تحت فرقہ واریت پھیلاتے رہتے ہیں لیکن الزام مولویوں کے سر لگا دیتے ہیں کہ انھوں نے فرقہ واریت پھیلائی ہے۔ حالاں کہ علمائے سوء حکومت کے گماشتے ہوتے ہیں اور شیعان بدکرداران کو کافی رقم دے کر آگے کر دیتے ہیں وہ لوگوں کو بھڑکاتے اور فرقہ واریت پھیلاتے ہیں۔ دوسرے لوگ بے چارے سادے ہوتے ہیں وہ دین پر اپنی جان اور مال قربان کر دیتے ہیں ان کی سادگی اور اخلاص سے یہ لوگ غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کے ذمہ لگا دیتے ہیں کہ انھوں نے یہ کیا ہے اور وہ کیا ہے۔

تو ان لوگوں نے یہ فلسفہ فرعون سے لیا ہے کہ اس نے زمین کے رہنے والوں کو گروہ درگروہ کر دیا تھا۔ ﴿يَسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ﴾ کمزور بنا دیا اس نے ایک گروہ جو موسیٰ علیہ السلام کا خاندان تھا۔ کمزور اس طرح بنایا کہ ﴿يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ﴾ ذبح کرتا تھا ان کے بیٹوں کو ﴿وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ﴾ اور زندہ چھوڑتا تھا ان کی عورتوں کو۔ کیوں کہ عورتوں سے خطرہ کوئی نہیں تھا اس لیے ان کو قتل نہیں کرتا تھا۔ دوسرا اس طرح کمزور کیا کہ بنی اسرائیلیوں سے مزدوری کرواتے کہ ان کو اجرت پوری نہیں دیتے تھے۔ جس طرح آج کل ہمارے ملک میں کارخانہ دار کرتے ہیں کہ یہ مزدور کو دیانت داری کے ساتھ اس کا جو حق بنتا ہے وہ نہیں دیتے بلکہ سننے میں آیا ہے کہ بعض ایسے کارخانہ دار بھی ہیں جو مزدور کو پکا نہیں ہونے دیتے کہ اگر یہ پکا ہو گیا تو اس کو سارے حقوق دینے پڑیں گے۔ دو چار ماہ کے بعد اس کو نکال کر دوسرا رکھ لیتے ہیں۔ یہ سب دھوکا اور فراڈ کرتے ہیں۔

تو فرعون نے بنی اسرائیل کو مزدوری والے کاموں پر لگایا ہوا تھا۔ مصر چوں کہ زرعی علاقہ تھا کاشت کاری ان سے کرواتے تھے، باغات کی نگہبانی ان کے ذمہ ہوتی تھی، مکانات، سڑکیں ان سے بنواتے اور پوری مزدوری نہیں دیتے تھے اور زیادہ تر بیگار لیتے، روٹی کھلا کر چلتا کرتے، کام بھی لیتے اور ساتھ ظلم بھی کرتے۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ بے شک فرعون فسادیوں میں سے تھا۔ بارہ ہزار بچوں کو قتل کرایا یہ کوئی معمولی بات تو نہیں۔ لوگوں سے بیگار لیتا اور اس کا لقب ذوالاوتاد بھی تھا۔ سزا دیتا تھا اس طرح کہ ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھونک دیتا کہ آدمی ہل جل نہ سکے اور یہ تم پڑھ چکے ہو موسیٰ علیہ السلام پر جو جادوگر ایمان لائے تھے موسیٰ علیہ السلام کے صحابی، ان کو اس نے سولی پر لٹکایا ان کے بدنوں میں میخیں ٹھونک دیں۔ بڑا جابر، ظالم قسم کا آدمی تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اس کا جسم آج تک مصر کے عجائب گھر میں پڑا

ہوا ہے تا کہ لوگ دیکھ کر عبرت حاصل کریں کہ یہ ہے وہ جو اپنے آپ کو رب الاعلیٰ کہتا تھا۔اس کا فوٹو بھی اخبار میں آجاتا ہے عجیب قسم کا نمونہ معلوم ہوتا ہے اس کو دیکھ کر انسان حیران ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو ظاہری اسباب نہیں روک سکتے

فرمایا ﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ﴾ اور ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم احسان کریں ﴿عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ ان لوگوں پر جن کو کمزور بنا دیا گیا ہے زمین میں ﴿وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً﴾ اور ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ان کو پیشوا بنائیں۔اپنے وقت میں وہ اپنی قوم کے پیشوا اور رہنما بنیں ﴿وَنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ اور ہم بنائیں ان کو وارث زمینوں کا، مکانوں کا، باغات کا۔وہ بنے بنائے مکان ان مظلوموں کے قبضے میں آئیں گے۔ظاہری حالات کچھ بھی ہوں اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کے متعلق فیصلہ کر لیتے ہیں تو اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے ﴿وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور ہم ان کو قدرت دیں زمین میں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی غرقابی کے بعد موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام کو اقتدار دیا ان کے بعد اور بادشاہ آئے اور صدیوں تک اقتدار ان کے پاس رہا ﴿وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ﴾ اور ہم دکھائیں فرعون کو اور ہامان کو۔یہ فرعون کا وزیر اعظم تھا فرعون کی طرح یہ بھی بڑا ہوشیار اور چالاک تھا فرعون کے قدم پر قدم رکھنے والا تھا اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا تھا بڑا مستعد تھا ایک لمحے کی تاخیر نہیں کرتا تھا ﴿وَجُنُوْدَهُمَا﴾ اور ان کے لشکروں کو دکھائیں ﴿مِنْهُمْ﴾ ان کمزوروں سے ان کو دکھانا چاہتے ہیں ﴿مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ﴾ وہ چیز جس سے وہ خوف کرتے تھے کہ بنی اسرائیل میں لڑکا پیدا ہوگا جو ہمارے اقتدار کے زوال کا سبب بنے گا کیوں کہ جب نجومیوں نے علم نجوم کے زور پر یہ بات بتلائی تھی یا فرعون نے خواب دیکھا اور اس کی تعبیر سامنے آئی تو اس کے بعد فرعون کی نیند حرام ہوگئی تھی۔کرسی والے جتنے پریشان ہوتے ہیں ہم نہیں ہیں کہ ان کو ڈر ہوتا ہے اقتدار چھن جانے کا اور مال دار جتنا پریشان ہوتا ہے اتنا غریب نہیں ہوتا۔تو ان کو جس چیز کا خوف تھا وہ رب تعالیٰ نے ان کو دکھا دیا۔

اُمِ موسیٰ کی طرف وحی کا مطلب

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى﴾ اور ہم نے وحی کی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا نام عربی والے یوخابذ اور اُردو والے یوکابد لکھتے ہیں رحمہا اللہ۔بڑی نیک پارسا تھیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد گرامی کا نام عمران تھا، عمران بن جسر بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام۔پیغمبروں کی نسل سے تھے بڑے نیک اور پارسا تھے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی کی۔اس وحی سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ایک گروہ کہتا ہے کہ خواب میں اشارہ ہوا تھا دوسرا گروہ کہتا ہے الہام ہوا تھا تیسرا گروہ کہتا ہے کہ فرشتہ آیا تھا۔اگر فرشتہ بھی آیا ہو اور اس نے رب تعالیٰ کا حکم سنایا ہو تو اس سے نبوت ثابت نہیں ہوتی۔کیوں کہ کوئی عورت نبیہ نہیں ہوئی۔چودھویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ [نحل: ۴۳] "اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم

نے وحی بھیجی۔" یعنی ہم نے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں مرد ہی بھیجے ہیں کوئی عورت نبیہ بنا کر نہیں بھیجی۔ تو یہ وحی اگر فرشتہ بھی لا یا ہے تو ذاتی طور پر پیغام پہنچایا ہے اس وحی سے نبوت لازم نہیں ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا ﴿اَنْ اَرْضِعِیْهِ﴾ کہ آپ ان کو دودھ پلاتی رہیں ﴿فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ﴾ پھر جب تم خوف کھاؤ اس پر پس تم اس کو ڈال دو دریا میں۔ جب تمھیں خوف ہو کہ سرکاری کارندے آ رہے ہیں کیوں کہ گھروں میں عورتیں بھی پھرتی تھیں مرد بھی تلاشی لیتے تھے چیک کرتے تھے۔ تو فرمایا کہ جب تم خوف محسوس کرو تو اس کو دریا میں ڈال دو دریا میں ڈالنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُٹھا کر دریا میں ڈال دو۔ سورہ طٰہٰ میں تم پڑھ چکے ہو ﴿فِی التَّابُوْتِ﴾ صندوق میں موسیٰ علیہ السلام کو لٹا کر صندوق دریا کے حوالے کر دو۔ ان کا گھر بحر قلزم کے کنارے تھا صندوق کو دریا میں ڈال کر موسیٰ علیہ السلام کی بڑی ہمشیرہ جس کا نام کلثوم تھا کو فرمایا کہ بیٹی کنارے پر مخلوق چلتی پھرتی رہتی ہے لوگ سیر و سیاحت کے لیے بھی آتے جاتے رہتے ہیں تم اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہو اور احتیاط کے ساتھ اس کو دیکھتی رہو کسی کو یہ بھی محسوس نہ ہو تم اس صندوق کے ساتھ ہو دیکھو کدھر جاتا ہے۔

فرعون کے مالی یا مچھیرے نے یا دھوبی نے دیکھا کہ صندوق بہتا ہوا آ رہا ہے اس کو پکڑا تو اس میں بچہ تھا وہ لے گیا۔ آگے آ رہا ہے کہ فرعون نے کہا کہ اس کو قتل کر دو یہ وہی خطرناک بچہ ہو سکتا ہے۔ بیوی مضبوط تھی آسیہ بنت مزاحم بن ہدیر بن ریان بن ولید۔ اس نے کہا کہ اس کو قتل نہیں کرنا ممکن ہے ہم اس سے فائدہ اُٹھائیں یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں کیا خوب صورت بچہ ہے اس کو قتل نہیں کرنا فرعون نے کہا کہ تجھے کوئی فائدہ نظر آتا ہو گا مجھے تو کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات "اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔" اس کی نیت صاف تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو فائدہ دیا کہ اس کو کلمہ ایمان نصیب ہوا ایمان سے بڑا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

تو فرمایا دریا میں ڈال دینا ﴿وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ﴾ اور نہ خوف کرنا اس کے ڈوب جانے کا، غرق ہونے کا اور نہ غم کرنا اس کی جدائی کا ﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ﴾ بے شک ہم اس کو لوٹائیں گے آپ کی طرف۔ چند گھنٹوں کی بات ہے ہم اس کو آپ کی طرف لوٹا دیں گے ﴿وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ اور ہم اس کو بنانے والے ہیں رسولوں میں سے۔ باقی قصہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ﴾ پس اُٹھا لیا اس کو فرعون کے خادموں نے ﴿لِیَكُوْنَ لَهُمْ﴾ تا کہ ہو جائے ان کے لیے ﴿عَدُوًّا﴾ دشمن ﴿وَّحَزَنًا﴾ اور پریشانی ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ﴾ بے شک فرعون اور ہامان ﴿وَجُنُوْدَهُمَا﴾ اور ان کے لشکر ﴿كَانُوْا خٰطِـِٕیْنَ﴾ خطا کار تھے ﴿وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ﴾ اور کہا فرعون کی بیوی نے ﴿قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ﴾ یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ﴿وَلَكَ﴾ اور تمھاری آنکھوں کی بھی ﴿لَا تَقْتُلُوْهُ﴾ اس کو قتل نہ کرو ﴿عَسٰۤی﴾

قریب ہے ﴿اَنۡ یَّنۡفَعَنَاۤ﴾ یہ کہ نفع دے ہمیں ﴿اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ یا ہم بنالیں اس کو بیٹا ﴿وَّهُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ﴾ اور وہ کچھ شعور نہیں رکھتے تھے ﴿وَ اَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰی﴾ اور ہو گیا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل ﴿فٰرِغًا﴾ خالی ﴿اِنۡ كَادَتۡ﴾ بے شک قریب تھا ﴿لَتُبۡدِیۡ بِهٖ﴾ کہ وہ ظاہر کر دیتی اس کو ﴿لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰی قَلۡبِهَا﴾ اگر ہم مضبوط نہ کرتے اس کے دل کو ﴿لِتَكُوۡنَ﴾ تاکہ ہو جائے وہ ﴿مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ ایمان والوں میں سے ﴿وَ قَالَتۡ﴾ اور کہا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ﴿لِاُخۡتِهٖ﴾ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو ﴿قُصِّیۡهِ﴾ اس کا سراغ لگاؤ ﴿فَبَصُرَتۡ بِهٖ﴾ پس وہ اس کو دیکھتی رہی ﴿عَنۡ جُنُبٍ﴾ دور سے ﴿وَّهُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ﴾ اور ان کو شعور نہیں تھا ﴿وَ حَرَّمۡنَا عَلَیۡهِ الۡمَرَاضِعَ﴾ اور ہم نے حرام کر دیں موسیٰ علیہ السلام پر دودھ پلانے والیاں ﴿مِنۡ قَبۡلُ﴾ اس سے پہلے ﴿فَقَالَتۡ﴾ پس کہا موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ﴿هَلۡ اَدُلُّكُمۡ﴾ کیا میں تمھیں بتلاؤں ﴿عَلٰۤی اَهۡلِ بَیۡتٍ﴾ ایک گھر والے ﴿یَّكۡفُلُوۡنَهٗ﴾ وہ کفالت کریں گے اس کی ﴿لَكُمۡ﴾ تمھارے لیے ﴿وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ﴾ اور وہ اس کے لیے خیر خواہ ہوں گے ﴿فَرَدَدۡنٰهُ﴾ پس ہم نے لوٹا دیا اس کو ﴿اِلٰۤی اُمِّهٖ﴾ اس کی ماں کی طرف ﴿كَیۡ تَقَرَّ عَیۡنُهَا﴾ تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو ﴿وَ لَا تَحۡزَنَ﴾ اور غم نہ کھائے ﴿وَ لِتَعۡلَمَ﴾ اور تاکہ جان لے کہ ﴿اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے ﴿وَّ لٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ اور لیکن اکثر ان کے نہیں جانتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ چلا آ رہا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیجا کہ جب خوف کریں تو اس کو دریا میں ڈال دیں اور پریشان نہ ہوں ہم اس کو واپس آپ کے پاس لوٹا دیں گے اور ہم اس کو رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں لٹا کر بحر قلزم میں ڈال دیا ﴿فَالۡتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرۡعَوۡنَ﴾ پس اُٹھالیا اس کو آل فرعون نے۔ صندوق دریا میں بہتا ہوا جا رہا تھا بعض کہتے ہیں کہ آگے دھوبی تھا بعض کہتے ہیں مالی تھا بعض کہتے ہیں کہ مچھیرا تھا وہ فرعون کا آدمی تھا۔ بہر حال فرعون کے کارندوں میں سے کسی نے اُٹھالیا ﴿لِیَكُوۡنَ لَهُمۡ﴾ تاکہ ہو جائیں موسیٰ علیہ السلام ان کے لیے ﴿عَدُوًّا﴾ دشمن۔ یعنی نتیجہ یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے لیے دشمن بنے ﴿وَّ حَزَنًا﴾ اور پریشانی کا ذریعہ بنے ﴿اِنَّ فِرۡعَوۡنَ وَ هَامٰنَ﴾ بے شک فرعون اور ہامان اس کا وزیر اعظم ﴿وَ جُنُوۡدَهُمَا﴾ اور ان کے لشکر ﴿كَانُوۡا خٰطِـِٕیۡنَ﴾ خطا کار تھے، گنہگار تھے کہ بارہ ہزار بچے فرعون کے حکم سے ہامان نے فوجیوں کے ذریعے قتل کرائے۔ فرعون بھی مجرم، ہامان بھی مجرم، ان کے لشکر بھی مجرم۔ جس کے لیے اتنے بچے قتل کیے وہ گھر میں پل رہا ہے۔

حماقتِ فرعون

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرعون کی حماقت ایک حکایت کے ذریعے سمجھائی ہے۔ وہ مثنوی شریف میں بڑی بڑی حکایتیں

بیان فرماتے ہیں۔ سمجھانے کے لیے فرماتے ہیں کہ ایک بڑا امیر آدمی تھا۔ سونا، چاندی، ہیرے، موتی، جواہرات، بڑا کچھ اس کے پاس تھا۔ چوروں نے اس کو لوٹنے کا پروگرام بنایا اس کا مکان بڑا بلند قلعہ نما تھا۔ اس زمانے میں بینک تو نہیں ہوتے تھے لوگ دولت گھروں میں رکھتے تھے۔ چوروں نے مشورہ کیا کہ اس کو کس طرح لوٹیں اور اس کے مکان میں کس طرح داخل ہوں؟ طے یہ پایا کہ دن کو غفلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ایک آدمی اندر جا کر کہیں پلنگ وغیرہ کے نیچے چھپ جائے اور رات کو جب فلاں ستارہ طلوع ہو تو وہ دروازہ کھول دے پھر باقی ساتھی داخل ہو جائیں گے اور اپنا کام کریں گے۔ چنانچہ وہ ان کی غفلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اندر جا کر چھپ گیا۔ جب وہ ستارہ طلوع ہوا تو اُٹھا اور کنڈی کھولی صاحب خانہ کی آنکھ کھل گئی چور پھر چھپ گیا صاحب خانہ نے اُٹھ کر کنڈی لگا دی اس خیال سے کہ کوئی کنڈی کھول کر باہر نکل گیا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود

"اس نے دروازہ بند کر دیا اور چور اندر ہی تھا۔" یہی حال فرعون کا تھا۔ ؎

حیلہ فرعون زین افسانہ بود

"فرعون کی کارروائی بھی نری افسانہ تھی۔" ظالم نے بارہ ہزار بچے قتل کروائے کہ کہیں میرا اقتدار نہ چھن جائے اور جس سے خطرہ تھا وہ گھر میں پل رہا ہے۔ خواہ مخواہ بے گناہوں کو قتل کرتا رہا، مجرم تھا۔ ﴿وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ﴾ اور کہا فرعون کی بیوی نے جس کا نام آسیہ بنت مزاحم بن ہدیر بن ریان بن ولید تھا۔ یہ ریان بن ولید حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں عزیز مصر تھا بڑا نیک صفت انسان تھا۔ کیا کہا ﴿قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ﴾ یہ تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ﴿وَ لَكَ﴾ اور تمھاری آنکھوں کی بھی ﴿لَا تَقْتُلُوْهُ﴾ اس کو قتل نہ کرو۔ فرعون اس کو قتل کرنا چاہتا تھا کہ کہیں یہ وہ بچہ نہ ہو جس سے مجھے خطرہ ہے۔ تو بیوی نے کہا کہ اس کو قتل نہ کرو ﴿عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ﴾ قریب ہے کہ یہ ہمیں نفع دے۔ ہو سکتا ہے اس سے ہمیں نفع حاصل ہو ﴿اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ یا ہم اس کو بنا لیں بیٹا چوں کہ اولاد نہیں تھی ﴿وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ کچھ شعور نہیں رکھتے تھے کہ رب تعالیٰ کی ذات کیا کر رہی ہے کہ رب تعالیٰ نے عالم اسباب میں آسیہ بنت مزاحم جیسی عورت کو آگے کر دیا کہ اس کو قتل نہیں کرنا۔

اس مقام پر تفسیروں میں لکھا ہے کہ فرعون نے کہا کہ تمھیں کوئی فائدہ نظر آتا ہوگا مجھے تو کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نیتوں کو دیکھتا ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔" حسن نیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آسیہ کو ایمان کا فائدہ دیا اور ایمان، ہدایت اور دین سے بڑا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیا کے سب فائدے ہیچ ہیں۔ وہ یہیں رہ جائیں گے یہ ساتھ جائے گا۔ ﴿وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا﴾ اور ہو گیا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل فارغ اس فکر سے کہ میرے بچے کا کیا بنے گا؟ آخر ماں تھی ﴿اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ﴾ بے شک قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کر دیتی ﴿لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا﴾ اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے تو صندوق دریا میں ڈالنے کے بعد ہو سکتا تھا کہ محلے کی عورتوں کے سامنے ذکر کر دیتیں کہ میں نے بچہ اس طرح صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے والدہ کے دل کو مضبوط کر دیا تا کہ کسی کے سامنے اس کا

ذکر نہ کرے ﴿لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ تا کہ وہ ہو جائے مومنوں میں سے۔

﴿وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ﴾ اور کہا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثوم کو۔ جس کی عمر بعض گیارہ اور بعض بارہ اور بعض تیرہ سال بتاتے ہیں سمجھ دار بچی تھی اس کو کہا ﴿قُصِّيْهِ﴾ صندوق کا سراغ لگاؤ کہاں جاتا ہے اور احتیاط کرنا کسی کو معلوم نہ ہو کہ تم اس صندوق کی نگرانی کر رہی ہو وہاں اور لوگ بھی ہوں گے کیوں کہ تماشائی کافی ہوتے ہیں تم بھی تماشائی بن کر دیکھتی رہو کیوں کہ گھر میں کوئی اور فرد نہیں تھا۔ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے تین سال کے بچے نے کیا کرنا تھا؟

﴿فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ﴾ پس وہ اس کو دیکھتی رہی دور سے تا کہ لوگوں کو محسوس نہ ہو کہ اس کے پاس صندوق کا کوئی راز ہے۔ کبھی صندوق کی طرف دیکھتی آنکھ بچا کر اور کبھی دوسری طرف دیکھتی۔ آگے چند میل کے فاصلے پر فرعون کی کالونی تھی جس کا نام مُنف تھا۔ وہاں فرعون کا عملہ اور فوجی افسر وغیرہ رہتے تھے فرعون کا جہاں محل تھا وہاں بہت بڑے باغات تھے دریا سے ایک نالہ باغات کو سیراب کرنے کے لیے جاتا تھا یہ صندوق دریا سے اس نالے میں چلا گیا۔ آگے اس کا دھوبی یا مچھیرا یا مالی تھا اس نے صندوق کو پکڑ لیا موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ صندوق کو دور سے دیکھتی رہی ﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور ان کو کچھ شعور نہیں تھا کہ یہ بچی کون ہے اور کیا کر رہی ہے۔ جس وقت یہ فیصلہ ہو گیا کہ اس بچے کو قتل نہیں کرنا تو اس کے بعد بکری کا دودھ، اُونٹنی کا دودھ، گائے، بھینس کا دودھ لایا گیا مگر موسیٰ علیہ السلام نے نہ پیا اردگرد کی عورتوں کو فوری بلایا گیا دودھ پلانے کے لیے مگر موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا۔

موسیٰ علیہ السلام دوبارہ اپنی والدہ کے پاس

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ اور ہم نے حرام کر دیں موسیٰ علیہ السلام پر دودھ پلانے والیاں اس سے پہلے۔ رب تعالیٰ نے تکوینی طور پر کسی عورت کا دودھ پینے ہی نہیں دیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے والدہ کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ ہم اس کو واپس آپ کے پاس پہنچا دیں گے۔ صندوق اُٹھانے کے بعد جب مرد عورتوں کا ہجوم اکٹھا ہوا تو موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ بھی ان میں شامل ہو گئی تھی سب کچھ دیکھ رہی تھی ﴿فَقَالَتْ﴾ پس اس نے کہا ﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ﴾ کیا میں تمھیں بتلاؤں ایک گھر والے وہ اس کی کفالت کریں گے تمھارے لیے ﴿وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ﴾ اور وہ اس کے لیے خیر خواہ ہوں گے۔ تم نے کافی عورتوں کا دودھ اس کو پلایا ہے مگر اس نے کسی کا دودھ نہیں پیا ہمارے محلے میں ایک عورت ہے اس کا دودھ اس کو پلاؤ شاید اس کا دودھ پی لے اس کا بچہ ہوا تھا غائب ہو گیا ہے۔ لیکن یہ نہ بتلایا کہ یہ بچہ کون ہے؟ فرعون نے پولیس کو حکم دیا کہ فوراً اس عورت کو لے آؤ اگر وہ چل کر آسکتی ہے تو ٹھیک ورنہ پالکی کا انتظام کرو۔ انتظام کر کے پولیس موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے پاس پہنچ گئی والدہ نے کہا کہ میں چل کر جاؤں گی مجھے پالکی کی ضرورت نہیں ہے گھر کے کام کاج کی وجہ سے بڑی صحت مند تھیں۔

آج جو عورتیں گھروں میں نکمی بیٹھی رہتی ہیں ان کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے بدن کی وضع قطع ایسی بنائی ہے کہ ہاتھ پاؤں حرکت کرتے ہیں تو صحت برقرار رہتی ہے اگر ان اعضاء سے کام نہ لیا جائے تو یہ سست ہو جاتے ہیں

اور ان سے قوت ختم ہو جاتی ہے۔ دیکھو! آج جو بوڑھے کام کرنے والے ہیں ان کی صحت بھی اچھی ہے اور نوجوانوں سے طاقتور بھی ہیں۔

تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ چل کر وہاں گئی مخلوق اکٹھی تھی انتظار کر رہے تھے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اوڑھنی اوپر کر کے موسیٰ علیہ السلام کو چھاتی کے ساتھ لگایا تو انھوں نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ سارے خوش ہو گئے کہ مسئلہ حل ہو گیا۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو کہا کہ بی بی! یہ جو بچہ تو نے اُٹھایا ہے اس کے متعلق میرا تو ارادہ تھا اس کو قتل کرنے کا مگر بیگم صاحبہ نے کہا کہ قتل نہیں کرنا۔ اب ہم نے اس کے قتل نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے ہم تمھیں یہاں کمرہ دے دیتے ہیں اور تمھاری خوراک وغیرہ کا انتظام کر دیتے ہیں اور اس کے علاوہ ماہانہ وظیفہ بھی تمھیں ملے گا یہیں رہو اور بچے کی خدمت کرو۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ بات یہ ہے کہ میرا گھر ہے میرے بچے ہیں میرا خاوند ہے میں نے ان کی خدمت کرنی ہے میں یہاں کسی قیمت پر نہیں رہ سکتی۔ فرعون نے بڑا اصرار کیا مگر بی بی نے اس کی کوئی بات نہ سنی اور کہا کہ اگر تمھیں منظور ہے تو بچے کو میرے ساتھ بھیج دو میں اس کو دودھ پلاتی رہوں گی اور ہفتہ پندرہ دن کے بعد معاینہ کرا دیا کروں گی تا کہ تمھیں تسلی رہے کہ بچہ ٹھیک ہے۔

فرعون نے منشی کو کہا کہ بی بی کے لیے اتنا وظیفہ مقرر کرو اور یومیہ اس کی خوراک وغیرہ کا انتظام کر دو اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو کہا کہ ایک ہفتہ بعد بچہ لا کر دکھا جایا کرو یہ معاینہ کر لیا کرے گی اور عورتیں اور مرد بھی دیکھ لیا کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ان کو لے کر چلی گئیں۔ ان کا گھر فرعون کی کالونی سے تین میل دور تھا بعض چار میل بتاتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پیدل چل کر ہی واپس آئیں۔ شیخ الرئیس کہتے ہیں کہ آہستہ چلنا بدن کو رطوبت پہنچاتا ہے اور بدن میں رطوبت ہو تو بیماریوں کا دفاع ہوتا ہے۔ آج کل لوگوں نے بدن سے کام لینا بالکل چھوڑ دیا ہے جس سے صحتیں خراب ہو گئی ہیں۔ دیکھو! یہ نارمل سکول ہے اور یہ کالونی ہے یہاں سے بچے بس پر لٹک کر سکول جاتے ہیں اگر یہاں سے چل کر جائیں تو صحت برقرار رہے۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ان کو گھر لے آئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ﴾ پس ہم نے اس کو لوٹا دیا اس کی ماں کی طرف ﴿كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا﴾ تا کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ ﴿وَلَا تَحْزَنَ﴾ اور اور بچے کی جدائی پر غمگین نہ ہو ﴿وَلِتَعْلَمَ﴾ اور تا کہ جان لے ﴿اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا نہ خوف کھاؤ نہ غمگین ہو ہم اس کو واپس آپ کے پاس لوٹا دیں گے۔ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا برحق تھا ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر ان کے نہیں جانتے۔ رب تعالیٰ کے اوپر یقین نہیں کرتے اپنے اندازے لگاتے رہتے ہیں رب تعالیٰ کے فیصلوں کو قبول نہیں کرتے اور اپنے نظریات کو مقدم رکھتے ہیں۔

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ﴾ اور جب پہنچے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوتوں کو ﴿وَاسْتَوٰۤى﴾ اور تمام قوتیں برابر ہو گئیں ﴿اٰتَيْنٰهُ﴾ دی ہم نے ان کو ﴿حُكْمًا﴾ دانائی ﴿وَّ عِلْمًا﴾ اور علم دیا ﴿وَ كَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ہم بدلہ دیا کرتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ﴾ اور داخل ہوئے موسیٰ علیہ السلام شہر میں ﴿عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ﴾ غفلت کے وقت ﴿مِّنْ اَهْلِهَا﴾ وہاں کے رہنے والوں سے ﴿فَوَجَدَ فِيْهَا﴾ تو پایا اس شہر میں ﴿رَجُلَيْنِ﴾ دو آدمیوں کو ﴿يَقْتَتِلٰنِ﴾ جو آپس میں جھگڑ رہے تھے ﴿هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ﴾ یہ موسیٰ علیہ السلام کی برادری میں سے ﴿وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ﴾ اور یہ اس کے دشمن میں سے ﴿فَاسْتَغَاثَهُ﴾ پس مدد طلب کی موسیٰ علیہ السلام سے ﴿الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ﴾ اس نے جو ان کی برادری میں سے تھا ﴿عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ﴾ اس شخص کے مقابلے میں جو اس کے دشمن سے تھا ﴿فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى﴾ پس مکا مارا موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ﴿فَقَضٰى عَلَيْهِ﴾ پس اس کا کام تمام کر دیا ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ یہ شیطانی کارروائی ہوئی ﴿اِنَّهٗ عَدُوٌّ﴾ بے شک وہ شیطان دشمن ہے ﴿مُّضِلٌّ﴾ بہکانے والا ﴿مُّبِيْنٌ﴾ کھلے طور پر ﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ﴾ بے شک میں نے ظلم کیا اپنے نفس پر ﴿فَاغْفِرْ لِيْ﴾ پس آپ بخش دیں مجھے ﴿فَغَفَرَ لَهٗ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ وہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ﴾ اس وجہ سے کہ آپ نے مجھ پر انعام کیا ﴿فَلَنْ اَكُوْنَ﴾ پس میں ہرگز نہیں ہوں گا ﴿ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ﴾ امداد کرنے والا مجرموں کا ﴿فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ پس صبح کی انھوں نے شہر میں ﴿خَآئِفًا﴾ خوف کرتے ہوئے ﴿يَّتَرَقَّبُ﴾ انتظار کر رہے تھے ﴿فَاِذَا الَّذِي﴾ پس اچانک وہ شخص ﴿اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ﴾ جس نے کل مدد طلب کی تھی ﴿يَسْتَصْرِخُهٗ﴾ وہ بلا رہا تھا مدد کے لیے ﴿قَالَ لَهٗ مُوْسٰى﴾ کہا اس کو موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اِنَّكَ﴾ بے شک تو ﴿لَغَوِيٌّ﴾ البتہ گمراہ ہے ﴿مُّبِيْنٌ﴾ واضح طور پر ﴿فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ﴾ پس جب ارادہ کیا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اَنْ يَّبْطِشَ﴾ کہ پکڑیں ﴿بِالَّذِيْ﴾ اس شخص کو ﴿هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا﴾ جو دونوں کا دشمن ہے ﴿قَالَ﴾ کہنے لگا ﴿يٰمُوْسٰى﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿اَتُرِيْدُ﴾ کیا تم ارادہ کرتے ہو ﴿اَنْ تَقْتُلَنِيْ﴾ کہ آپ مجھے قتل کریں ﴿كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا﴾ جیسا کہ آپ نے قتل کیا ایک نفس کو ﴿بِالْاَمْسِ﴾ کل ﴿اِنْ تُرِيْدُ﴾ آپ نہیں چاہتے ﴿اِلَّآ﴾ مگر ﴿اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا﴾ یہ کہ ہو جاؤ تم جبر کرنے والے ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَمَا تُرِيْدُ﴾ اور آپ نہیں چاہتے ﴿اَنْ تَكُوْنَ﴾ کہ ہو جاؤ تم ﴿مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ﴾ اصلاح

کرنے والوں میں سے۔

کل کے درس میں تم نے سنا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ ماجدہ نے صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا اور وہ صندوق فرعون کے کسی ملازم نے پکڑ کر فرعون کے پاس پہنچایا تو فرعون نے قتل کرنے کا فیصلہ کیا مگر بیوی آڑے آگئی اس نے قتل نہ کرنے دیا۔ پھر دودھ پلانے کا مسئلہ پیش آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کسی اجنبی کا دودھ نہ پیا والدہ کا دودھ پی لیا اور والدہ ان کو اپنے ساتھ گھر لے گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام جب چلنے پھرنے کے قابل ہوئے شد بد ہوئی تو کبھی فرعون کے گھر رہتے تھے اور کبھی اپنے گھر۔ فرعون اور اس کے ساتھی یہ سمجھتے تھے کہ یہ اس کی رضاعی والدہ ہے اور اس کی اولاد رضاعی بہن بھائی ہیں مگر وہ موسیٰ علیہ السلام کی حقیقی والدہ اور حقیقی بہن بھائی تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ﴾۔ اَشُدَّ شِدَّۃٌ کی جمع ہے اور شِدّۃ کا معنیٰ قوت ہے۔ تو معنیٰ ہوگا اور جب پہنچے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوتوں کو ﴿وَاسْتَوٰٓى﴾ اور تمام قوتیں برابر ہوگئیں، تیس سال کے ہو گئے۔ طب والے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ظاہری بیماری نہ ہو تو تیس سے لے کر چالیس سال تک انسان کی تمام قوتیں عروج پر ہوتی ہیں۔ چالیس سال کے بعد پھر آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام جب اپنی جوانی کی قوت کو پہنچے ﴿اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ تو ہم نے ان کو دانائی اور علم دیا۔ یہاں حکم سے مراد دانائی اور قوت فیصلہ ہے کہ جب دو آدمی ان کے سامنے پیش ہوتے تھے تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیتے تھے۔ یہاں حکم سے مراد نبوت نہیں ہے کیوں کہ نبوت تو اس وقت ملی جب مدین سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قوت فیصلہ بھی عطا فرمائی اور علم بھی عطا فرمایا نبوت سے پہلے جو ان کی شان کے لائق تھا ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ کوئی بھی اخلاص کے ساتھ نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بدلہ ضرور دے گا۔ مگر وہ بدلہ کب دینا ہے اس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کیوں کہ وہ خبیر ہے۔ لیکن بندے کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ جب میں دعا کروں ابھی میرے ہاتھ نیچے نہ ہوں اور میری مراد پوری ہو جائے۔ لیکن ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

فرعون کی رہائشی کالونی کا نام

فرعون جس کالونی میں رہتا تھا اس کا نام مُنَف تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا آبائی شہر دوسری طرف تھا۔ بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ درمیان میں چھ میل کا فاصلہ تھا طاقت ور آدمی کے لیے چھ، سات میل کا سفر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ دیہاتی لوگ آج بھی پانچ چھ میل کے سفر کو کچھ نہیں سمجھتے۔ تو موسیٰ علیہ السلام کبھی فرعون کے گھر رہتے تھے اور کبھی اپنی والدہ کے گھر۔

بنی اسرائیلی اور انچارج باورچی خانہ کی لڑائی کا قصہ

ایک دفعہ عین دوپہر کے وقت اپنے آبائی گھر سے چل پڑے۔ گرمی کا زمانہ تھا لوگ سو رہے تھے۔ صنعت اور

کارخانوں کا دور نہیں تھا کہ لوگ دن کو جاگتے رہتے ہیں۔ سادہ زمانہ تھا دوپہر کے وقت لوگ آرام کر رہے تھے ﴿وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ﴾ اور داخل ہوئے موسیٰ علیہ السلام شہر میں یعنی مصر میں ﴿عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ﴾ غفلت کے وقت ﴿مِّنْ اَهْلِهَا﴾ شہر والے لوگ آرام کر رہے تھے قیلولہ کر رہے تھے ﴿فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ﴾ تو پایا شہر میں دو آدمیوں کو۔ شہر کی منڈی کے قریب دو آدمیوں کو دیکھا ﴿يَقْتَتِلٰنِ﴾ آپس میں جھگڑ رہے ہیں مزید وہاں کوئی اور آدمی نہیں تھا ﴿هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ﴾ یہ ایک موسیٰ علیہ السلام کی برادری میں سے تھا وہ بنی اسرائیل میں سے سبطی خاندان کا تھا ﴿وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ﴾ اور یہ دوسرا اس خاندان میں سے تھا جوان کا دشمن تھا قبطی خاندان میں سے۔ کہتے ہیں کہ فرعون کے باورچی خانے کا انچارج افسر تھا۔ اس کا نام تفسیروں میں قاب بھی آیا ہے اور قانون بھی آیا ہے۔ بعض فیلتون بھی لکھتے ہیں بڑا ہوشیار، چالاک، ٹکے ٹکے میں بددیانتی کرنے والا۔ جہاں بادشاہ فرعون ہو اور وزیر اعظم ہامان ہو تو وہاں ماتحت عملہ کہاں ٹھیک ہوسکتا ہے؟ اُوپر والے بددیانت ہوں تو ماتحت کیسے دیانت دار ہو سکتے ہیں۔

جھگڑا کس بات پر تھا؟ اکثر تفسیروں میں یہ لکھا ہے کہ باورچی خانے کے افسر مجاز نے اس سبطی بنی اسرائیلی کو کہا کہ یہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر باورچی خانے میں پہنچا۔ اس نے کہا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں کمزور آدمی ہوں یہ گٹھا اُٹھا نہیں سکتا آپ کسی طاقتور آدمی سے کہیں وہ پہنچا دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تجھے وہاں سے مزدوری ملتی ہے وہ جیب میں ڈال لیتا ہے اور ہم سے بیگار کے طور پر کام لیتا ہے لہٰذا میں لکڑیاں نہیں پہنچاؤں گا۔ اُس نے کہا کہ تمھی نے اُٹھا کر پہنچانی ہیں۔ اس نے کہا میں نہیں اُٹھا سکتا اور تمھارا روز کا معمول بنا ہوا ہے کہ پیسے جیب میں ڈال لیتے ہو جو سرکاری طور پر ملتے ہیں اور وہاں لکھ دیتے ہو کہ اتنا پیسہ مزدوری پر خرچ ہوا ہے۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ افسر کی بددیانتی کی حقیقت کھل جائے تو وہ بڑا جوش میں آجاتا ہے۔ اس کو بڑا جوش آیا کہ یہ تو میرا بھیدی ہے میرے کرتوت کو جانتا ہے کہنے لگا تمھی نے لے کر جانا ہے۔

یہ جھگڑا ہو رہا تھا کہ اتفاقاً موسیٰ علیہ السلام وہاں سے گزر کر فرعون کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ مزدور نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی کہ حضرت! یہ میرے ساتھ زیادتی کر رہا ہے ہمارے درمیان فیصلہ کر دیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا جھگڑا ہے مزدور نے کہا کہ یہ لکڑیوں کا گٹھا دیکھو اور میرا جسم دیکھو! کیا میں اس کو اُٹھا سکتا ہوں اور یہ مجھے کہتا ہے کہ اس کو اُٹھا کر باورچی خانے پہنچاؤ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ مزدوری بھی نہیں دیتا سرکاری خزانہ سے جو مزدوری ملتی ہے وہ اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے اور یہ لوگوں سے بیگار کے طور پر کام لیتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس افسر سے فرمایا کہ مزدور کی بات صحیح ہے وہ کمزور آدمی ہے یہ لکڑیوں کا گٹھا نہیں اُٹھا سکتا۔ پھر اس نے یہ بات بھی صحیح کہی ہے کہ سرکاری طور پر تمھیں مزدوری کے پیسے ملتے ہیں وہ تم مزدوروں کو کیوں نہیں دیتے؟ انچارج افسر نے کہا کہ میں یہ سارا انتظام تمھارے پیٹ کے لیے تو کر رہا ہوں اور تم اس کی اُلٹی سیدھی حمایت کر رہے ہو تمھارا کام تو تھا کہ تم اس کو کہتے اُٹھا کر چلو یہ سرکاری افسر ہے اس کی بات مانو۔ تم بھی تو وہیں سے کھانا کھاتے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں تھا کہ تم اس طرح ظالمانہ طریقے سے کھانا پکاتے ہو میں حسن ظن کی بنا پر یہ سمجھتا تھا کہ تم حلال طریقے پر سارے کام کرتے ہو۔ اس افسر نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بدکلامی کی کہ اچھا اگر یہ نہیں اُٹھا سکتا تو آپ اُٹھا کر چلیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے

فرمایا کہ یہ ہماری ڈیوٹی نہیں ہے کسی مزدور کو پیسے دیں اور لے جائیں۔اس نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف گھور کر دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو مکا رسید کیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ﴾ پس مدد طلب کی موسیٰ علیہ السلام سے اس نے جوان کی برادری میں سے تھا ﴿عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ﴾ اس شخص کے مقابلے میں جو اس کے دشمن سے تھا ﴿فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ﴾ پس مکا مارا موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اور اس کا کام تمام کر دیا۔بس گدی میں مکا مارنے کی دیر تھی وہ ڈھیر ہو گیا۔موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ قتل کا نہیں تھا اور نہ ہی عادتاً مکوں سے آدمی مرتے ہیں اگر عادتاً مکے کے ساتھ آدمی مرتا تو پھر مکے بازوں کی کمائیاں نہ ہوتیں۔محمد علی کلے امریکہ کا مشہور مکے باز ہے۔وہ مکوں کی کمائی سے چلتا ہے اب اس کا مکا کمزور ہو گیا ہے۔غیر شعوری طور پر وہ قتل ہو گیا ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ﴿هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ یہ شیطانی کارروائی ہوئی ﴿اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ﴾ بے شک وہ شیطان ہے دشمن ہے بہکانے والا کھلے طور پر ﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ﴾ بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔قتل کا ارادہ نہیں تھا مگر آدمی ختم ہو گیا ہے ﴿فَاغْفِرْ لِيْ﴾ پس آپ بخش دیں مجھے ﴿فَغَفَرَ لَهٗ﴾ پس معاف کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان کو کیوں کہ خطا کا معاملہ تھا ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ﴾ اے میرے رب! اس لیے کہ آپ نے مجھ پر انعام کیا مجھے پیدا کیا مجھے آپ نے قوتیں عطا کیں سمجھ عطا فرمائی ﴿فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ﴾ پس میں ہرگز نہیں ہوں گا مدد کرنے والا مجرموں کا جیسے یہاں میں نے مزدور مظلوم کی مدد کی ہے ظالم کی نہیں کی آئندہ بھی مجرموں کی مدد نہیں کروں گا۔اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ مزدور بظاہر مجرم نہیں تھا لیکن اس نے شکوہ وشکایت اس انداز سے کیا کہ اس کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ آدمی قتل ہو گیا۔افسر کا قصور تو تھا لیکن اتنا نہیں جتنی سزا اس کو مل گئی۔تو ان کا آپس میں جھگڑا تھا نوبت قتل تک پہنچ گئی تو آئندہ میں ایسے لوگوں کی امداد نہیں کروں گا۔

﴿فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ پس صبح کی موسیٰ علیہ السلام نے شہر میں ﴿خَآئِفًا﴾ خوف کی حالت میں۔کیوں کہ قتل کا معاملہ تھا اور کوئی بھی حکومت قتل کے معاملے کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔اس کی کچھ نہ کچھ تفتیش ہوتی ہے ﴿يَّتَرَقَّبُ﴾ انتظار کر رہے تھے کہ اس طرف سے کوئی پولیس والا تو نہیں آ گیا ادھر سے تو کوئی پولیس والا نہیں آ گیا ﴿فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ﴾ پس اچانک وہ شخص جس نے کل مدد طلب کی تھی موسیٰ علیہ السلام سے ﴿يَسْتَصْرِخُهٗ﴾ وہ مدد کے لیے بلا رہا تھا موسیٰ علیہ السلام کو۔کل موسیٰ علیہ السلام نے جس آدمی کی مدد کی آج پھر وہ کسی سے جھگڑ رہا تھا لڑاکا سا آدمی تھا انسان کی عادت نہیں جاتی۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل گیا ہے تو مان لو اور اگر یہ سنو کہ فلاں آدمی نے عادت بدل لی ہے تو تصدیق نہ کرو۔اگر کوئی آدمی قدرتی طور پر سخت مزاج ہے تو اس سے سختی کبھی نہیں جائے گی اور اگر طبعی طور پر نرم مزاج ہے تو اس کا بھی مزاج نہیں بدلے گا۔تو عادت نہیں بدلتی اس کا مصرف بدلا جاتا ہے۔

شریعت نے عرب کی عادت نہیں بدلی مصرف بدلا !

شریعت بھی مصرف بدلتی ہے۔ دیکھو! عرب کے لوگوں کی عادت بن گئی تھی لڑنا خاندانی طور پر نسلاً بعد نسلٍ ۔ باپ دادا سے لڑتے چلے آرہے تھے اب ان سے کہا جاتا کہ تم نہ لڑو یہ بہت مشکل تھا۔ شریعت نے ان کا مصرف بدلا۔ فرمایا پہلے تم ذاتیات کے لیے لڑتے تھے اب تم خدا کے لیے لڑو کافروں پر سختی کرو۔ شیطان کے مقابلے میں سخت ہونا ہے غنڈوں، بدمعاشوں پر سختی کرو، ڈاکوؤں پر سختی کرو، نفس امارہ پر سختی کرو۔ تو شریعت نے ان کی عادت نہیں بدلی مصرف بدلا ہے۔

تو وہ آدمی دوسرے دن کسی اور سے الجھا ہوا تھا پھر اس نے موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی ﴿ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ ﴾ فرمایا اس کو موسیٰ علیہ السلام نے ﴿ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ﴾ بے شک تو البتہ گمراہ ہے واضح طور پر۔ روزانہ تو لڑتا ہی رہتا ہے میں مکے مار کر لوگوں کو اگلے جہان بھیجتا رہوں؟ آج موسیٰ علیہ السلام مکا نہیں مارنا چاہتے تھے ﴿ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي ﴾ پس جس وقت ارادہ کیا موسیٰ علیہ السلام نے کہ پکڑیں اس شخص کو ﴿ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ﴾ جو دونوں کا دشمن ہے۔ دشمن برادری کا آدمی تھا اس کو پکڑنے کا ارادہ فرمایا آگے بڑھے ﴿ قَالَ ﴾ مزدور نے کہا ﴿ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! کیا آپ ارادہ کرتے ہیں کہ مجھے قتل کریں جیسا کہ آپ نے قتل کیا کل ایک آدمی کو۔ بات سمجھنا! موسیٰ علیہ السلام کو بلایا اس مزدور نے جوان کی برادری کا تھا اور لڑا کا تھا موسیٰ علیہ السلام نے اس کو گھورا اور فرمایا ﴿ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ﴾ تو گمراہ ہے واضح طور پر یہ کہہ کر دوسرے کو پکڑنے لگے، یہ سمجھا کہ میری طرف آرہے ہیں چونکہ سخت لفظ کہے تھے اس کو وہ سمجھا کہ آج مکا مار کر مجھے قتل کر دیں گے کیوں کہ کل کا نقشہ اس کے ذہن میں تھا۔ کہنے لگا کہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ آپ نے کل ایک آدمی کو قتل کیا ہے ﴿ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ ﴾ نہیں آپ ارادہ کرتے مگر یہ کہ ہو جاؤ تم جبر کرنے والے زمین میں۔ تم جبارین میں سے ہونا چاہتے ہو ﴿ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴾ اور آپ نہیں ارادہ کرتے کہ ہو جاؤ تم اصلاح کرنے والوں میں سے۔ تم ہر روز لوگوں کو مارتے ہو تمھارا بس یہی کام ہے اصلاح نہیں چاہتے۔ باقی قصہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿ وَجَاءَ ﴾ اور آیا ﴿ رَجُلٌ ﴾ ایک آدمی ﴿ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ ﴾ شہر کے دوسرے کنارے سے ﴿ يَسْعَىٰ ﴾ دوڑتا ہوا ﴿ قَالَ ﴾ اس نے کہا ﴿ يَا مُوسَىٰ ﴾ اے موسیٰ (علیہ السلام)! ﴿ إِنَّ الْمَلَأَ ﴾ بے شک فرعون کی کابینہ اور اس کی جماعت ﴿ يَأْتَمِرُونَ بِكَ ﴾ مشورہ کر رہی ہے آپ کے بارے میں ﴿ لِيَقْتُلُوكَ ﴾ تاکہ آپ کو قتل کر دیں ﴿ فَاخْرُجْ ﴾ پس آپ نکل جائیں ﴿ إِنِّي لَكَ ﴾ بے شک میں تمھارے لیے ﴿ مِنَ النَّاصِحِينَ ﴾ خیر خواہوں میں سے ہوں ﴿ فَخَرَجَ مِنْهَا ﴾ پس نکل گئے موسیٰ علیہ السلام اس شہر سے ﴿ خَائِفًا ﴾ خوف کرتے ہوئے ﴿ يَتَرَقَّبُ ﴾ دیکھتے جاتے تھے ﴿ قَالَ ﴾ کہا ﴿ رَبِّ ﴾ اے میرے رب! ﴿ نَجِّنِي ﴾ نجات دے مجھے ﴿ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴾ ظالم قوم سے

﴿ وَلَمَّا تَوَجَّهَ ﴾ اور جب متوجہ ہوئے موسیٰ علیہ السلام ﴿ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ ﴾ مدین کی طرف ﴿ قَالَ ﴾ کہا ﴿ عَسٰى رَبِّيْٓ ﴾ قریب ہے کہ میرا رب ﴿ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ ﴾ یہ کہ میری رہنمائی کرے گا ﴿ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾ سیدھے راستے کی ﴿ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ ﴾ اور جب وہ پہنچے مدین کے پانی پر ﴿ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً ﴾ پایا انھوں نے اس پر ایک جماعت کو ﴿ مِّنَ النَّاسِ ﴾ لوگوں میں سے ﴿ يَسْقُوْنَ ﴾ جو پانی پلاتے تھے ﴿ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ ﴾ اور پایا ان سے ورے ﴿ امْرَاَتَيْنِ ﴾ دو عورتوں کو ﴿ تَذُوْدٰنِ ﴾ جو اپنے جانوروں کو روک رہی تھیں ﴿ قَالَ ﴾ فرمایا ﴿ مَا خَطْبُكُمَا ﴾ تمھارا کیا معاملہ ہے ﴿ قَالَتَا ﴾ ان دونوں عورتوں نے کہا ﴿ لَا نَسْقِيْ ﴾ ہم پانی نہیں پلا سکتیں ﴿ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ﴾ یہاں تک کہ سارے چرواہے واپس لے جائیں اپنے جانوروں کو ﴿ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴾ اور ہمارا باپ بوڑھا ہے عمر رسیدہ ہے ﴿ فَسَقٰى لَهُمَا ﴾ پس انھوں نے ان کے جانوروں کو پانی پلایا ﴿ ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ ﴾ پھر پھرے سائے کی طرف ﴿ فَقَالَ ﴾ پس کہا ﴿ رَبِّ ﴾ اے میرے رب! ﴿ اِنِّيْ ﴾ بے شک میں ﴿ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ ﴾ جو چیز آپ میری طرف نازل کریں گے ﴿ مِنْ خَيْرٍ ﴾ خیر سے ﴿ فَقِيْرٌ ﴾ اس کا محتاج ہوں ﴿ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا ﴾ پس آئی ان دو عورتوں میں سے ایک ﴿ تَمْشِيْ ﴾ جو چل رہی تھی ﴿ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ﴾ حیا کے ساتھ ﴿ قَالَتْ ﴾ اس نے کہا ﴿ اِنَّ اَبِيْ ﴾ بے شک میرے والد صاحب ﴿ يَدْعُوْكَ ﴾ آپ کو بلا رہے ہیں ﴿ لِيَجْزِيَكَ ﴾ تاکہ آپ کو بدلہ دیں ﴿ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ﴾ بدلہ اس چیز کا کہ آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے ﴿ فَلَمَّا جَآءَهٗ ﴾ پس جب گئے موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ﴿ وَقَصَّ ﴾ اور بیان کیا ﴿ عَلَيْهِ ﴾ ان کے سامنے ﴿ الْقَصَصَ ﴾ حال ﴿ قَالَ ﴾ انھوں نے کہا ﴿ لَا تَخَفْ ﴾ آپ خوف نہ کریں ﴿ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ آپ نے نجات پالی ہے ظالم قوم سے۔

مومن آدمی کا موسیٰ علیہ السلام کو سازشِ قتل سے آگاہ کرنا

کل کے درس میں تم نے یہ بات سنی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں غیر ارادی طور پر ایک آدمی مر گیا اس راز کو اگلے دن اس آدمی نے فاش کر دیا جس نے مدد کے لیے طلب کیا تھا۔ اب عام لوگوں کو بھی پتا چل گیا اور فرعون تک بھی بات پہنچ گئی کہ وہ افسر موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہوا ہے۔ اس نے فوراً کابینہ کا اجلاس طلب کر لیا اس لیے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی خوف زدہ تھا اور بہانے ڈھونڈ رہا تھا اور اب اس کو بہانہ مل گیا موسیٰ علیہ السلام کو راستے سے ہٹانے کا۔ اس کی کابینہ مشورہ کر رہی تھی کہ ﴿ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ ﴾ اور آیا ایک آدمی شہر کے دوسرے کنارے سے ﴿ يَسْعٰى ﴾ دوڑتا ہوا۔ اور یہ بات تم سن چکے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام

مصر کے دوسرے کنارے پر رہتے تھے اور فرعون کی کالونی مُنَفْ دوسری طرف تھی۔ درمیان میں فاصلہ تھا فرعون جہاں رہتا تھا اس کا دفتر اور کچہری وہیں تھی وہاں سے ایک آدمی دوڑتا ہوا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اس کا نام حزقیل تھا اور یہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا اس کے نام پر آگے سورت مومن ہے۔ اس میں ہے ﴿قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ [مومن:۲۸] یہاں مومن مرد سے مراد حزقیل ہے، رحمۃ اللہ علیہ۔ بڑا نیک آدمی تھا۔ یہ فرعون کی کابینہ میں وزیر داخلہ تھا۔ بعض کہتے ہیں وزیر مال تھا۔ بہر حال بڑے عہدے پر تھا۔ یہ شروع ہی سے طبعاً موسیٰ علیہ السلام کا بڑا ہمدرد اور خیر خواہ تھا اس کے متعلق کسی کو گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ جا کر موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع کر دے گا۔ وہ کابینہ کے اجلاس سے اچانک کسی بہانے سے نکلا اور دوڑتا ہوا موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا۔

﴿قَالَ﴾ اس نے کہا ﴿يٰمُوْسٰى﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! بے شک فرعون کی کابینہ اور اس کی جماعت ﴿اِنَّ الْمَلَاَ﴾ بے شک جماعت، فرعون کی کابینہ ﴿يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ﴾ مشورہ کر رہی ہے آپ کے بارے میں ﴿لِيَقْتُلُوْكَ﴾ تاکہ وہ آپ کو قتل کر دیں۔ میں بھی اجلاس میں تھا بہانہ کر کے باہر آیا ہوں ﴿فَاخْرُجْ﴾ پس آپ فوراً نکل جائیں ﴿اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس وقت سنا ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا﴾ پس موسیٰ علیہ السلام فوراً اس شہر سے نکل گئے جیب میں اس وقت کوئی چیز نہیں تھی نہ گھر گئے کہ دیر ہو جائے گی اور مرد مومن نے کہا تھا کہ فوراً نکل جاؤ ﴿خَآئِفًا﴾ خوف کرتے ہوئے ﴿يَّتَرَقَّبُ﴾ پیچھے مڑ کر دیکھتے تھے کہ میرے پیچھے پولیس تو نہیں لگی ہوئی ﴿قَالَ﴾ کہا۔ ساتھ یہ دعا کی ﴿رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اے میرے پروردگار! مجھے نجات دے ظالم قوم سے۔ اس نے بنی اسرائیل کے بارہ ہزار بچے قتل کیے ہیں قصداً اور ارادتاً اور مجھ سے تو یہ آدمی خطأً مارا گیا ہے اور یہ میرے قتل کے درپے ہو گئے ہیں مجھے اس ظالم قوم سے نجات دے۔ مصر سے مدین اس زمانے میں آٹھ دن کی مسافت پر تھا یعنی طاقت ور آدمی آٹھ دن میں مصر سے مدین پہنچتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دعا کر کے شہر سے نکل پڑے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے راستے پر ڈال دیا جو مدین کی طرف جاتا تھا۔ یہ علاقہ فرعون کی عمل داری سے باہر تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ﴾ اور جب موسیٰ علیہ السلام متوجہ ہوئے مدین کی طرف ﴿قَالَ﴾ آپ کی زبان سے یہ نکلا ﴿عَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ قریب ہے کہ میرا رب میری رہنمائی کرے گا سیدھے راستے کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے سروسامانی کی حالت میں چل پڑے آپ کے پاس کوئی سفر خرچ نہیں تھا راستے میں کھانے کے لیے درختوں کے پتے اور گھاس کے علاوہ کچھ نہیں تھا یا کوئی جنگلی پھل دار درخت ہوں گے مسلسل سفر کرتے مدین کے کنوئیں پر پہنچے۔

موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنوئیں پر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ﴾ اور جب پہنچے موسیٰ علیہ السلام مدین کے پانی پر یعنی کنوئیں پر پہنچے ﴿وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ﴾ پایا موسیٰ علیہ السلام نے اس کنوئیں پر لوگوں کی ایک جماعت کو ﴿يَسْقُوْنَ﴾ جو جانوروں کو پانی پلا رہی تھی۔

مدین کی بستی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کے نام پر موسوم تھی۔ اب مدین کی بستی موجود نہیں ہے سیاح اس کے کھنڈر دیکھنے کے لیے جاتے ہیں وہاں دو ویران کنوئیں بھی ہیں۔ ایک کنواں وہ ہے جس سے پانی نکال کر موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پلایا تھا اور اس زمانے کے لوگ پانی کی ضرورت اسی کنوئیں سے پوری کرتے ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام جب اس کنوئیں پر پہنچے تو لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے ﴿وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ﴾ اور پایا ان لوگوں سے ورے دو عورتوں کو جو اپنے جانوروں، بھیڑ، بکریوں کو روک رہی تھیں پانی پر جانے سے۔ موسیٰ علیہ السلام تو شروع ہی سے کمزوروں کے حامی اور ظالموں کے دشمن تھے یہ حالت دیکھ کر رہ نہ سکے اور ان دونوں عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿مَا خَطْبُكُمَا﴾ تمھارا کیا معاملہ ہے کہ تم اپنی بکریوں کو پانی کی طرف جانے سے روک رہی ہو؟ اُنھوں نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا ﴿قَالَتَا﴾ دونوں نے کہا ﴿لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ﴾ ہم نہیں پلا سکتیں یہاں تک کہ سارے چرواہے واپس لے جائیں اپنے جانوروں کو۔ یہ چرواہے جب اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے تو بچا کھچا پانی ہم اپنی بکریوں کو پلائیں گی ﴿وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ﴾ اور ہمارا باپ بوڑھا ہے، عمر رسیدہ ہے وہ نہ تو ان جانوروں کو چرا سکتا ہے اور نہ پانی پلا سکتا ہے اور ہمارا بھائی بھی کوئی نہیں ہے تو یہ لوگ جب اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے تو بچھا کھچا پانی ہم اپنے جانوروں کو پلالیں گی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ لوگوں کو کتنی عداوت تھی۔ اگر اس قدر شدید عداوت نہ ہوتی تو کم از کم اتنا خیال تو کرتے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں ہیں، عورتیں ہیں، وہ خود بوڑھے ہیں اور ان کا بھائی ہے نہیں چلو! ان کی بکریوں کو پانی پلا کر فارغ کر دو پھر دوسرے پلالیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے ساتھ عداوت انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھی بہت تھوڑے تھے اور ان بے چاروں میں بھیڑ بکریوں والے نہیں تھے کوئی جوتیاں سیتا تھا، کوئی لوہا کوٹتا تھا، لوہار تھا، کوئی بڑھئی تھا، لکڑیاں چھیلتا تھا، کوئی مزدوری کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا ساتھ دینے والے ہمیشہ غریب ہی ہوئے ہیں امیر بہت کم ہوئے ہیں جنھوں نے پیغمبروں کا ساتھ دیا۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ اِلَى الْغُرَبَآءِ "اسلام کی ابتدا غریبوں سے ہوئی ہے اور رہے گا بھی غریبوں میں فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَآءِ تو میری طرف سے غریبوں کو مبارک باد ہے۔" یہ دین غربت کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے امارت کے ساتھ نہیں۔ لیکن امیری سے مراد تھوڑے اور معمولی پیسے مراد نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے دولت مند مراد ہیں۔ بڑے دھن والوں میں سے بہت کم دین دار ہوتے ہیں۔ ہزار میں سے کوئی ایک ہوگا جو صحیح معنیٰ میں مال دار بھی ہو اور دین دار بھی ہو کہ نماز روزے کا پابند ہو اور مسجد میں غریبوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا گوارا کرے۔ وہ سلسلہ ہی دوسرا ہے۔

تو حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں نے کہا کہ ہمارے والد صاحب کافی بوڑھے ہیں وہ نہیں آسکتے مجبوراً یہ کام ہم خود کرتی ہیں۔ چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے بعد کنوئیں پر بھاری پتھر رکھ جاتے تھے تاکہ کوئی دوسرا شخص پانی نہ نکال سکے۔ وہ

پتھر دس آدمی بھی مل کر بہ مشکل ہٹاتے تھے مگر موسیٰ علیہ السلام نے تن تنہا اس پتھر کو سرکا کر پانی کا ایک ڈول نکال کر بکریوں کو پلایا۔ اور تفسیروں میں یہ بھی آتا ہے کہ اس کنوئیں کے پاس ایک اور کنواں تھا جس پر بھاری چٹان رکھی ہوئی تھی موسیٰ علیہ السلام نے تن تنہا اس چٹان کو اُٹھا کر ایک طرف پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر ان لوگوں کا منہ لٹک گیا ان میں سے کسی کے اندر بھی اتنی طاقت نہیں تھی۔ وہ لوگ بڑے حیران ہوئے کہ اس پتھر کو تو دس آدمی مل کر بھی نہیں ہٹا سکتے جو اس اکیلے نے ہٹا دیا ہے۔ ان بچیوں کے پاس ڈول اور رسی اپنی تھی اس کے ذریعے پانی نکال کر پلا دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَسَقٰى لَهُمَا ﴾ پس موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جانوروں کو پانی پلایا ﴿ ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ ﴾ پھر پھرے سائے کی طرف۔ کیکر کا درخت تھا اس کے سائے کے نیچے بیٹھ گئے اور یہ صدا لگائی ﴿ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴾ پس کہا اے میرے رب! بے شک میں جو چیز آپ میری طرف نازل کریں خیر سے اس کا محتاج ہوں۔ راستے میں ان کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی۔ کبھی کسی درخت کے پتے کھا لیتے، کبھی گھاس کھا لیتے، کبھی کسی درخت کی جڑیں نکال کر کھا لیتے۔ آج ہم تو ان چیزوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پر ایسا وقت بھی آیا کہ ہم کیکر کی پھلیاں کھاتے، درختوں کے پتے کھاتے، جڑی بوٹیاں کھاتے تھے اور بکریوں کی طرح مینگنیاں کرتے تھے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں اپنا ریوڑ لے کر چلی گئیں۔ چوں کہ وہ خلاف معمول جلدی چلی گئی تھیں اس لیے والدہ محترمہ نے پوچھا کہ کیا آج تم نے بکریوں کو پانی نہیں پلایا وقت سے پہلے آ گئی ہو؟ انھوں نے کہا نہیں امی جان! ہم نے ان کو پانی پلایا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی سن رہے تھے اندر سے باہر تشریف لائے پوچھا کیا بات ہے تم آج جلدی آ گئی ہو بھیڑ بکریوں کو پانی نہیں پلایا؟ نہیں ابا جی! پلایا ہے۔ ابا جی! ایک آدمی تھا اجنبی، درخت کے سائے کے نیچے بیٹھا کچھ دیر تو وہ منظر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آ کر ہم سے پوچھا کیا بات ہے تم اپنے جانوروں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں؟ ہم نے اسے بتایا کہ ہمارے والد صاحب عمر رسیدہ بوڑھے آدمی ہیں ہم نے گزر اوقات کے لیے یہ بکریاں رکھی ہوئی ہیں ہم کنوئیں سے پانی نکال کر نہیں پلا سکتیں۔ جب یہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے تو ان کا بچا کھچا پانی ہم پلائیں گی۔ اس نے ساتھ والے کنوئیں سے چٹان ہٹا کر ہمارے جانوروں کو پانی پلا دیا اور ہم نے یہ الفاظ بھی سنے ہیں کہ وہ دعا کر رہا تھا ﴿ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ قریب کا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ ایک بچی کو بھیجا کہ بلا کر لاؤ مسافر ہے ہم بھی اس کی کچھ خدمت کر دیتے ہیں ﴿ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا ﴾ پس آئی موسیٰ علیہ السلام کے پاس ان دو عورتوں میں سے ایک ﴿ تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ ﴾ چلتی تھی بڑے حیا کے ساتھ۔ منہ پر کپڑا اڈالے ہوئے بڑی شرم کے ساتھ چل رہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی ﴿ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ ﴾ کہنے لگی بے شک میرا باپ آپ کو بلاتا ہے ﴿ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ﴾ تاکہ وہ آپ کو بدلہ دے اس کا جو آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔ ﴿ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴾ [الرحمٰن: ۶۰] "نیکی کا بدلہ نیکی ہے۔" مگر ہمارے زمانے میں اس کا اُلٹ ہے۔ نتیجہ اس زمانے میں بھلائی کا برائی

ہے۔موسیٰ علیہ السلام اس کے ساتھ چل پڑے۔

موسیٰ علیہ السلام شعیب علیہ السلام کی خدمت میں

تفسیروں میں آتا ہے کہ ہوا بڑی تیز چل رہی تھی۔بی بی کی شلوار کبھی ٹخنوں سے اُوپر ہو جاتی تھی۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہم بڑے شرم وحیا والے خاندان کے لوگ ہیں ہوا تیز چل رہی ہے جس سے کبھی آپ کے ٹخنے ننگے ہو جاتے ہیں لہٰذا میرے پیچھے پیچھے چلو اور دائیں بائیں جدھر مڑنا ہو بتاتے جانا۔چنانچہ شرم وحیا کی وہ پتلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی۔﴿ فَلَمَّا جَآءَهٗ ﴾ پس موسیٰ علیہ السلام شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے ﴿ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ﴾ اور بیان کیا ان کے سامنے حال۔اپنی ساری سرگزشت اور آپ بیتی آغاز ہی میں سنا دی کہ فرعون کے حکم سے بنی اسرائیل کے بارہ ہزار بچے قتل کیے گئے۔میں جب پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو وحی کی، اشارہ کیا کہ اس کو صندوق میں ڈال کر دریا میں ڈال دو۔وہ صندوق فرعونیوں کو ملا۔میں اس طرح پلتا رہا اور جوان ہوا کبھی فرعون کے گھر اور کبھی اپنے گھر۔ایک دن اپنے گھر سے فرعون کے گھر کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں دو آدمی لڑ رہے تھے جھگڑا کر رہے تھے۔ظالم کو میں نے مکا مارا تو مر گیا۔دوسرے دن راز فاش ہو گیا۔فرعونیوں کو پتا چل گیا وہ میرے قتل کے درپے ہو گئے۔میرے ایک خیر خواہ نے مجھے اطلاع دی اور مشورہ کیا کہ آپ اس شہر سے نکل جائیں میں وہاں سے چلتے چلاتے یہاں تک پہنچ گیا ہوں۔جب شعیب علیہ السلام نے سارا حال سنا ﴿ قَالَ لَا تَخَفْ ﴾ فرمایا خوف نہ کریں ﴿ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ آپ نے ظالم قوم سے نجات پالی ہے۔یہ علاقہ فرعون کی عمل داری سے باہر ہے۔مدین کے علاقہ میں فرعون کا کوئی اثر ورسوخ نہیں ہے یہاں رہو۔باقی قصہ آگے آئے گا کہ پھر کیا بنا؟

﴿ قَالَتْ ﴾ کہا ﴿ اِحْدٰىهُمَا ﴾ ان دو عورتوں میں سے ایک نے ﴿ يٰٓاَبَتِ ﴾ اے میرے ابا جان! ﴿ اسْتَاْجِرْهُ ﴾ اس کو آپ نوکر رکھ لیں ﴿ اِنَّ خَيْرَ مَنِ ﴾ بے شک بہتر شخص ﴿ اسْتَاْجَرْتَ ﴾ جس کو آپ ملازم رکھیں ﴿ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴾ جو طاقتور اور ایمان دار ہو ﴿ قَالَ ﴾ فرمایا شعیب علیہ السلام نے ﴿ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ ﴾ بے شک میں ارادہ کرتا ہوں ﴿ اَنْ اُنْكِحَكَ ﴾ کہ میں آپ کو نکاح کر کے دے دوں ﴿ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ ﴾ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کو ﴿ عَلٰٓى ﴾ شرط یہ ہوگی ﴿ اَنْ تَاْجُرَنِيْ ﴾ کہ آپ خدمت کریں گے میری ﴿ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ﴾ آٹھ سال ﴿ فَاِنْ اَتْمَمْتَ ﴾ پس اگر آپ پورے کر دیں ﴿ عَشْرًا ﴾ دس سال ﴿ فَمِنْ عِنْدِكَ ﴾ پس یہ آپ کی نوازش ہوگی ﴿ وَمَآ اُرِيْدُ ﴾ اور میں نہیں ارادہ کرتا ﴿ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ﴾ کہ میں مشقت ڈالوں آپ پر ﴿ سَتَجِدُنِيْٓ ﴾ بہ تاکید آپ پائیں گے مجھے ﴿ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا ﴿ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ نیک لوگوں میں سے ﴿ قَالَ ﴾ کہا

موسیٰ علیہ السلام نے ﴿ذٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ﴾ یہ میرے اور آپ کے درمیان بات طے ہوگئی ﴿اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ﴾ ان دو میعادوں میں جس کو میں پورا کروں ﴿فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ﴾ پس مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴾ اور اللہ اس پر جو ہم کہتے ہیں گواہ ہے ﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ﴾ پس جس وقت پوری کر لی موسیٰ علیہ السلام نے میعاد ﴿وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ﴾ اور چل پڑے اپنے گھر والوں کو لے کر ﴿اٰنَسَ﴾ محسوس کی ﴿مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ﴾ طور کے کنارے پر ﴿نَارًا﴾ آگ ﴿قَالَ لِاَهْلِهِ﴾ فرمایا اپنے گھر والوں کو ﴿امْكُثُوْٓا﴾ تم ٹھہرو ﴿اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ بے شک میں نے محسوس کی ہے آگ ﴿لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا﴾ شاید کہ میں لاؤں تمھارے پاس اس آگ سے ﴿بِخَبَرٍ﴾ کوئی خبر ﴿اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ یا آگ کا شعلہ ﴿لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ تاکہ تم سینکو آگ ﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا﴾ پس جب آئے موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس ﴿نُوْدِيَ﴾ آواز دی گئی ﴿مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ﴾ اس میدان کے دائیں طرف ﴿فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ﴾ مبارک خطے میں ﴿مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ درخت سے ﴿اَنْ يّٰمُوْسٰٓى﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ﴾ بے شک میں اللہ ہوں ﴿رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ تمام جہانوں کا پالنے والا۔

شعیب علیہ السلام کی بیٹی کی سفارش

اس سے پہلے سبق میں تم پڑھ چکے ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ جب وہ لڑکیاں واپس گئیں اس وقت سے پہلے کہ جس وقت جاتی تھیں تو حضرت شعیب علیہ السلام نے پوچھا کہ تم جلدی کیسے واپس آگئیں؟ تو انھوں نے بتایا کہ ایک نوجوان نے ہمارے ریوڑ کو پانی پلا دیا اس لیے ہم جلدی آگئی ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے کہنے پر ایک بچی موسیٰ علیہ السلام کو بلا کر لائی۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی سرگزشت سنائی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا ﴿نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ آپ نجات پا گئے ہیں ظالم قوم سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا﴾ ان دو عورتوں میں سے ایک نے ﴿يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ﴾ اے میرے ابا جان! آپ اس کو نوکر رکھ لیں ﴿اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ﴾ بے شک بہتر مرد جس کو آپ نوکر رکھیں گے طاقت ور بھی ہے اور ایماندار ہے۔ قوت انھوں نے دیکھی تھی کہ جس چٹان کو دس آدمی بہ مشکل اُٹھاتے تھے موسیٰ علیہ السلام نے آسانی کے ساتھ وہ چٹان کنوئیں سے ہٹا کر ایک طرف کر دی اور امانت یہاں سے دیکھی کہ جب وہ بلانے کے لیے آئی تو موسیٰ علیہ السلام نے نگاہ نیچی کر لی۔ بی بی کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ جب ساتھ جانے لگے تو فرمایا کہ میں آگے چلتا ہوں تم میرے پیچھے پیچھے آؤ اور دائیں بائیں بتاتے جانا۔ تو کہا ابا جان! یہ قوی بھی ہے اور امین بھی ہے آپ اس کو نوکر رکھ لیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام اس بات پر آمادہ ہو گئے مگر یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ میرے گھر جواں سال دو لڑکیاں ہیں اور لوگ

کی میرے ساتھ عداوت بھی کافی ہے اگر انھوں نے شوشہ چھوڑ دیا کہ گھر میں نو جوان لڑکیاں ہیں اور موٹا تازہ نوکر گھر رکھا ہوا ہے ۔ اور وعظ کرتا پھرتا ہے۔ اس لیے شعیب علیہ السلام نے پہلی ہی مجلس میں فرما دیا ﴿قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ﴾ فرمایا بے شک میں چاہتا ہوں ﴿اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ﴾ کہ میں نکاح کر کے دے دوں آپ کو اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کو ﴿عَلٰٓى﴾ شرط یہ ہو گی ﴿اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ﴾۔ حِجَجٌ حِجَّةٌ کی جمع ہے اور حِجَّةٌ کا معنٰی سال۔ معنٰی بنے گا کہ آپ خدمت کریں میری آٹھ سال۔ اگر آپ کو یہ شرط منظور ہے تو میں اپنی لڑکی کا نکاح کر کے دینے کے لیے تیار ہوں ﴿فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا﴾ پس اگر آپ پورے کر دیں دس سال ﴿فَمِنْ عِنْدِكَ﴾ تو یہ آپ کی نوازش ہوگی۔ شرط تو میرے اور آپ کے درمیان آٹھ سال ہے اگر دس سال پورے کر دیں تو آپ کی نوازش ہوگی ﴿وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ﴾ اور میں نہیں ارادہ کرتا کہ مشقت ڈالوں آپ پر کسی قسم کی۔ بس گھ کے کام ہیں بھیڑ بکریاں چرانی ہیں ان کو پانی پلانا ہے گھر کے لیے ایندھن وغیرہ لانا ہے مزید کوئی سختی میں نہیں کروں گا ﴿سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ بہ تاکید آپ مجھے پائیں گے نیکوں میں سے۔ یہ شعیب علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ آپ مجھے نیکوں میں سے پاؤ گے۔

مسئلہ حق مہر

اس موقع پر ایک مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ آیا حق مہر کی جگہ خدمت طے ہو جائے یا تعلیم قرآن ہو جائے تو جائز ہے یا نہیں ہے۔ یعنی ایک آدمی ایک عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے اور حق مہر خدمت ہی ہے نقد پیسے یا سامان نہیں ہے یا حق مہر کی جگہ قرآن پڑھانا کہ تو میرے ساتھ نکاح کر لے میں تجھے قرآن پڑھاؤں گا اور کوئی حق مہر نہیں ہے۔ تو اس مسئلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ مہر میں خدمت اور تعلیم قرآن جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ جائز نہیں ہے بلکہ مہر میں صرف مال ہوگا خدمت اور تعلیم قرآن وغیرہ مہر نہیں بن سکتیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سورۃ النساء آیت نمبر ۲۴ سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ "اور حلال کر دی گئی ہیں تمھارے لیے ان سب عورتوں کے علاوہ (جن کا ذکر پہلے ہوا ہے) یہ کہ تلاش کرو تم اپنے مالوں کے ساتھ۔" اس سے پہلی آیت کریمہ میں ان عورتوں کا ذکر ہے جن کے ساتھ نکاح حرام ہے ان کے علاوہ تمھارے لیے حلال ہیں ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ کہ تلاش کرو تم اپنے مالوں کے بدلے۔ تو قرآن پاک میں مال کا ذکر ہے نکاح ہوگا مال کے ساتھ۔ نہ خدمت مال ہے اور نہ تعلیم قرآن مال ہے لہٰذا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بڑا صحیح ہے۔

یہاں جو فرمایا ﴿عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِیْ﴾۔ یہ لفظ ﴿عَلٰٓى﴾ شرط کے لیے ہے کہ اس شرط پر نکاح کر دیتا ہوں کہ آپ میری آٹھ سال خدمت کرو گے۔ حق مہر الگ ہے۔ اسی چیز کے پیش نظر لوگ حق مہر کے ساتھ کچھ مزید شرائط بھی رکھتے ہیں تاکہ خاوند بیوی کو تنگ نہ کرے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تائید میں یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ ایک عورت جس کی کنیت اُم شریک تھی نے

آنحضرت ﷺ کو آ کر کہا: وَ هَبْتُ نَفْسِيْ لَكَ "میں نے اپنی ذات آپ کو بخش دی۔" آپ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو نفی یا اثبات میں کوئی جواب نہ دیا وہ عورت کافی دیر تک کھڑی رہی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک غریب آدمی تھا اس کے پاس صرف تہ بند تھا جو اس نے باندھا ہوا تھا کرتہ چادر وغیرہ کوئی نہیں تھی۔ کہنے لگا حضرت! اگر آپ کو اس کے ساتھ نکاح کی حاجت نہیں ہے تو میرے ساتھ نکاح کر دیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے پوچھا کہ اس کا تمھارے ساتھ نکاح کرا دوں؟ کہنے لگی کرا دو۔ آپ ﷺ نے اس ساتھی سے فرمایا مہر کے لیے کوئی چیز لے کر آؤ۔ وہ بے چارہ گیا پھر پھرا کر آ گیا کہنے لگا حضرت! کوئی چیز نہیں ملی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اِلْتَمِسْ وَ لَوْ خَاتِمًا مِّنْ حَدِيْدٍ "تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔" اس زمانے میں لوہے کی انگوٹھی جائز تھی بعد میں لوہے کی انگوٹھی مکروہ ہوگئی۔ واپس آ کر اس نے کہا حضرت! میرے پاس سوائے اس لنگی کے کوئی شے نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا ہاں حضرت! یاد ہے۔ فرمایا میں نے اس عورت کا نکاح تیرے ساتھ کر دیا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ "اس قرآن کی برکت سے جو تیرے سینے میں ہے۔" امام شافعی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کی تعلیم حق مہر تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مہر تو اس کے ذمہ ہوگا قرآن کی برکت سے نکاح ہوا۔

تو فرمایا کہ اس شرط پر نکاح کر دیتا ہوں کہ آپ آٹھ سال میری خدمت کریں گے ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ﴾ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی میں منظور کرتا ہوں ﴿اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ﴾ ان دو میعادوں میں سے جو بھی پوری کروں آٹھ سال پورے کروں تب دس سال پورے کروں تب مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس پر جو ہم کہہ رہے ہیں گواہ ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے اور بڑے فاضل آدمی تھے۔ عراق کے علاقے میں حیرہ ایک جگہ تھی یہ بین الاقوامی منڈی تھی جیسے آج کل ہانگ کانگ ہے۔ یہ وہاں تشریف لے گئے ایک پادری نے ان کو دیکھ کر کہا کہ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا پوچھو۔ انھوں نے ان کی تمام باتوں کے جواب بڑے معقول دیئے۔ ایک بات کا جواب نہ دیا۔ وہ بات یہ تھی کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آٹھ سال میری خدمت کرو گے اگر دس سال پورے کرو تو آپ کی نوازش ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ سال خدمت کی یا دس سال۔ اس نے جواب میں فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں ہے اپنے استاذ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ سفر سے واپس آ کر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بتلایا کہ باقی باتوں کا تو میں نے اس پادری کو جواب دے دیا تھا لیکن اس بات کا جواب مجھے معلوم نہیں تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ سال پورے کیے یا دس سال۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دس سال پورے کیے تھے۔ کیوں کہ نبی کی زبان سے دس سال کا جملہ بھی ادا ہوا تھا اور جو بات نبی کی زبان سے نکلتی ہے نبی اس کو پورا کرتا ہے۔

تو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بڑی بیٹی صفورا کا نکاح موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کر دیا۔ دس سال پورے ہو گئے۔ تفسیر اور

تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ اس دوران میں موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچہ بھی عطا فرمایا۔ جب دس سال پورے ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اپنے بیوی بچوں کو لے کر اپنے آبائی وطن مصر چلا جاؤں؟ اگر حالات سازگار ہوئے تو وہیں رہ جاؤں گا اور آپ کی ملاقات کے لیے آتا جاتا رہوں گا۔ اگر حالات سازگار نہ ہوئے تو جلدی واپس آ جاؤں گا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے۔ کیوں کہ تمھارے ماں باپ، بہن بھائیوں کا بھی حق ہے ان کے حقوق کا بھی خیال ہونا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ اور بچے کو ساتھ لیا اور تفسیروں میں آتا ہے کہ ایک خادم بھی تھا کچھ بکریاں بھی تھیں وہ جہیز کے طور پر ہوں یا حق خدمت کے طور پر۔ وہاں خوراک کا ذریعہ عموماً یہی تھا کہ دودھ وغیرہ پی لیتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کی مدین سے واپسی

مدین سے موسیٰ علیہ السلام مصر کی طرف چل پڑے۔ اس کا ذکر ہے ﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ﴾ پس جب پوری کی مدت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال ﴿وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ﴾ اور چل پڑے گھر کے افراد کو لے کر اور طور پہاڑ کے قریب پہنچے ﴿اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا﴾ دیکھی طور کے کنارے پر آگ۔ اس وقت سڑکیں تو ہوتی نہیں تھیں راستہ بھی بھول گئے رات کا وقت تھا سردی کا موسم تھا آگ سینکنے کی ضرورت تھی۔ اور تفسیروں میں یہ بھی لکھا ہے کہ نئی بچہ بھی پیدا ہونے والا تھا۔ ایسے موقع پر عورت کو طبی لحاظ سے گرم رکھنا پڑتا ہے ٹھنڈی چیز کا عورت کو نقصان ہوتا ہے۔

﴿قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے تم یہاں ٹھہرو ﴿اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ بے شک میں نے آگ محسوس کی ہے ﴿لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ﴾ شاید کہ میں لے آؤں وہاں سے تمھارے لیے کوئی خبر۔ آگ ہے تو وہاں کوئی آدمی بھی ہوگا اس سے راستہ پوچھ کر آتا ہوں ﴿اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ یا آگ کا شعلہ لے آؤں گا سلگا کر ﴿لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ تاکہ تم آگ سینکو۔ آگ ذرا وہاں سے دور نظر آ رہی تھی ﴿فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ﴾ پس جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے آواز دی گئی۔ اس جگہ کا نام وادی طویٰ تھا بڑی برکت والی جگہ ﴿مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ﴾ اس میدان کے دائیں طرف ﴿فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ مبارک خطے میں درخت سے۔ اس پاکیزہ مقام پر ایک درخت تھا اور سورۃ طٰہٰ میں ہے ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ "پس اُتار دو اپنے جوتے کو بے شک تم ایک مقدس وادی میں ہو۔"

پاک جگہ آدمی جوتوں سمیت نہ جائے

مسئلہ یہ ہے کہ پاکیزہ جگہ میں آدمی کو جوتے سمیت نہیں جانا چاہیے۔ ہاں جوتا پاک ہو تو اس کا مسئلہ الگ ہے۔ ہمارے علاقے میں جہاں گلیوں میں نجاستیں ہیں اور جوتوں کے نیچے والے حصے بھرے ہوئے ہوں اور کوئی نادان کہے کہ میں نے سنت پر عمل کرنا ہے کہ جوتوں سمیت نماز پڑھنی ہے تو اس کو پہلے اپنے دماغ کا علاج کرنا چاہیے۔ بھئی! عرب کا علاقہ صاف ستھرا، ریتلا اور پھر وہاں بارشیں کم ہوتی ہیں وہاں جوتے صاف رہتے ہیں ہمارے علاقے کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

یہ کون سا درخت تھا؟ تفسیروں میں عموماً تین چیزوں کے نام آتے ہیں۔ ایک عناب کا، یہ مشہور درخت ہے اس پر سرخ سرخ رنگ کے دانے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عناب میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ خشک ہونے کے بعد بھی اتنا ہی مفید ہوتا ہے جتنا تازہ ہوتا ہے۔ دوسرا کیکر کا درخت بتاتے ہیں اور تیسرا علیق، یہ پیلے رنگ کی بیل ہوتی ہے جو درختوں کے اُوپر چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور بعض تفسیروں میں عوسج کا نام بھی ملے گا۔ اس پاک وادی میں پہنچے تو آواز آئی ﴿ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی ﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿ اِنِّیْۤ ﴾ بے شک میں جو بول رہا ہوں ﴿ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ میں اللہ ہوں تمام جہانوں کو پالنے والا۔ موسیٰ علیہ السلام وہاں گئے تو تھے خبر معلوم کرنے یا آگ لینے کے لیے مگر وہاں معاملہ کچھ اور پیش آ گیا۔ باقی تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿ وَاَنْ اَلْقِ ﴾ اور یہ کہ آپ ڈالیں ﴿ عَصَاكَ ﴾ اپنی لاٹھی کو ﴿ فَلَمَّا رَاٰهَا ﴾ پس جب دیکھا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو ﴿ تَهْتَزُّ ﴾ حرکت کرتی ہے ﴿ كَاَنَّهَا جَآنٌّ ﴾ گویا کہ وہ پتلا سانپ ہے ﴿ وَّلّٰی مُدْبِرًا ﴾ بھاگے پشت پھیر کر ﴿ وَّلَمْ یُعَقِّبْ ﴾ اور مڑ کر نہ دیکھا ﴿ یٰمُوْسٰی ﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿ اَقْبِلْ ﴾ آگے آئیں ﴿ وَلَا تَخَفْ ﴾ اور خوف نہ کر ﴿ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴾ بے شک آپ امن والوں میں سے ہیں ﴿ اُسْلُكْ یَدَكَ ﴾ ڈالیں اپنا ہاتھ ﴿ فِیْ جَیْبِكَ ﴾ اپنے گریبان میں ﴿ تَخْرُجْ ﴾ نکلے گا ﴿ بَیْضَآءَ ﴾ سفید ﴿ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ﴾ بغیر کسی تکلیف کے ﴿ وَّاضْمُمْ ﴾ اور ملاؤ ﴿ اِلَیْكَ ﴾ اپنی طرف ﴿ جَنَاحَكَ ﴾ اپنے بازو کو ﴿ مِنَ الرَّهْبِ ﴾ خوف سے ﴿ فَذٰنِكَ ﴾ پس یہ دو ﴿ بُرْهَانٰنِ ﴾ دلیلیں ہیں ﴿ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿ اِلٰی فِرْعَوْنَ ﴾ فرعون کی طرف ﴿ وَمَلَا۠ئِهٖ ﴾ اور اس کی جماعت کی طرف ﴿ اِنَّهُمْ ﴾ بے شک وہ سب ﴿ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴾ ہیں قوم نافرمان ﴿ قَالَ ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿ رَبِّ ﴾ اے میرے رب! ﴿ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ ﴾ بے شک میں نے قتل کیا ان میں سے ﴿ نَفْسًا ﴾ ایک جان کو ﴿ فَاَخَافُ ﴾ پس میں خوف کرتا ہوں ﴿ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴾ یہ کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے ﴿ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ ﴾ اور میرا بھائی ہارون علیہ السلام ﴿ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ ﴾ وہ زیادہ فصیح ہے مجھ سے ﴿ لِسَانًا ﴾ زبان کے لحاظ سے ﴿ فَاَرْسِلْهُ ﴾ پس رسول بنا کر بھیج دیں اس کو ﴿ مَعِیَ ﴾ میرے ساتھ ﴿ رِدْاً ﴾ جو میرا مددگار ہو ﴿ یُّصَدِّقُنِیْۤ ﴾ جو میری تصدیق کرے ﴿ اِنِّیْۤ اَخَافُ ﴾ بے شک میں خوف کرتا ہوں ﴿ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴾ اس بات کا کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے ﴿ قَالَ ﴾ فرمایا پروردگار نے ﴿ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ ﴾ ہم مضبوط کر دیں گے آپ کے بازو کو ﴿ بِاَخِیْكَ ﴾ آپ کے بھائی کے ساتھ ﴿ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا ﴾ اور بنائیں گے ہم تم دونوں کے لیے غلبہ ﴿ فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ﴾ پس وہ

نہیں پہنچ سکیں گے تم دونوں کی طرف ﴿بِاٰیٰتِنَاۤ﴾ جاؤ ہماری نشانیاں لے کر ﴿اَنْتُمَا﴾ تم دونوں ﴿وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا﴾ اور جنھوں نے تمھاری پیروی کی ﴿الْغٰلِبُوْنَ﴾ غالب رہیں گے۔

کل کے درس میں تم نے یہ بات سنی کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام سے اجازت لے کر اپنی بیوی کے ہمراہ مدین سے مصر جا رہے تھے سردی کا موسم تھا رات اندھیری تھی راستہ بھول گئے۔ آگ سینکنے کی بھی ضرورت تھی موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دائیں طرف طور پہاڑ کے دامن میں پاکیزہ مقام، وادی طویٰ میں دیکھا تو ایک درخت پر آگ تھی۔ دور سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے آگ جلائی ہے قریب پہنچے تو معلوم ہوا درخت جل رہا ہے۔ وہ ظاہری آگ تو نہیں تھی وہ تو اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی تھی۔ قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جوتے پیچھے اُتار کر آؤ آپ پاکیزہ وادی میں ہیں۔ اور اس درخت سے آواز آئی کہ جو آپ کے ساتھ بول رہا ہے میں اللہ رب العالمین ہوں ﴿وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ﴾ اور یہ کہ آپ ڈالیں اپنی لاٹھی کو۔ لاٹھی پھینکی ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا﴾ پس جب دیکھا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو ﴿تَهْتَزُّ﴾ حرکت کرتی ہے۔ یہ لاٹھی لاٹھی نہیں رہی وہ تو سانپ بن کر حرکت کر رہی ہے۔

ثوبان اور جان کی وضاحت

﴿كَاَنَّهَا جَآنٌّ﴾ گویا کہ وہ پتلا باریک سانپ ہے۔ اس مقام پر لاٹھی باریک سانپ بنی اور فرعون کے دربار میں جب لاٹھی پھینکی تو ﴿ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ﴾ [اعراف: ۱۰۷] "اژدہا بن گئی۔" باریک سانپ بننے کا مقام الگ ہے اژدہا بننے کا مقام الگ ہے۔ لاٹھی حرکت کرتی ہوئی سانپ نظر آئی ﴿وَلّٰى مُدْبِرًا﴾ موسیٰ علیہ السلام بھاگے پشت پھیر کر ﴿وَلَمْ يُعَقِّبْ﴾ اور مڑ کر نہ دیکھا۔

طبعی خوف ایمان کے خلاف نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ موذی چیزوں سے ڈرنے سے ایمان پر زد نہیں پڑتی۔ موسیٰ علیہ السلام مومن تو پہلے ہی تھے کیوں کہ نبی نبوت سے پہلے بھی مومن ہوتا ہے اور اب نبوت بھی مل چکی ہے نور علیٰ نور ہو گیا، اس کے باوجود سانپ دیکھ کر دوڑ لگا دی۔ تو موذی چیزوں سے طبعی طور پر ڈرنا ایمان کے خلاف نہیں ہے۔ مثلاً: کتے سے ڈرنا، شیر سے ڈرنا، سانپ سے ڈرنا بھیڑیئے سے ڈرنا، ڈاکو وغیرہ سے ڈرنا یہ سب موذی چیزیں ہیں ان کے خوف سے ایمان پر زد نہیں پڑتی۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ معجزہ پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا۔ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔ اگر معجزہ پیغمبر کا اپنا فعل ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کو ڈرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ان کو علم ہونا چاہیے تھا کہ ابھی میں اس پر ہاتھ رکھوں گا تو یہ پھر لاٹھی بن جائے گی اور سورہ طٰہٰ میں ہے ﴿سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى﴾ "عنقریب ہم اس لاٹھی کو پھیر دیں گے پہلی حالت پر۔" ہاتھ رکھنا آپ کا کام ہے اور لاٹھی بنانا ہمارا کام ہے۔ تو معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے نبی کا ذاتی طور پر اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا صرف نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔

فرمایا ﴿يٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ﴾ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! آگے آئیں لاٹھی کی طرف متوجہ ہوں ﴿وَلَا

تَخَفْ﴾ اور خوف نہ کریں ﴿اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ﴾ بے شک آپ امن والوں میں سے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے پشت پھیر کر اس پر ہاتھ رکھا تو اللہ تعالیٰ نے وہی لاٹھی بنادی جوان کے ہاتھ میں تھی۔ دوسرا معجزہ ﴿اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ﴾ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں ﴿تَخْرُجْ بَيْضَآءَ﴾ نکلے گا سفید ﴿مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ﴾ بغیر کسی تکلیف کے۔ ہاتھ گریبان میں ڈالتے ہی سفید ہوگا تپش سوزش وغیرہ کسی قسم کی تکلیف بھی نہیں ہوگی آپ کا کام ہے ہاتھ کو گریبان میں ڈالنا اس کو روشن کرنا ہمارا کام ہے۔ فرمایا ﴿وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ﴾ اور ملاؤ اپنی طرف اپنے بازو کو۔ اس سے بظاہر یہ سمجھ آتا ہے کہ کوئی اور نشانی ہے حالاں کہ ایسی بات نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم لاٹھی پھینکتے ہو تو سانپ بن جاتی ہے تو طبعی طور پر خوف تو آتا ہے تو اس وقت اپنے بازو کو اپنی چھاتی کے ساتھ لگالیں تو خوف ختم ہوجائے گا یہ کوئی اور نشانی نہیں ہے۔ نشانیاں دو ہی ہیں عصا اور ید بیضا۔

تو فرمایا ملاؤ اپنے بازو کو اپنی طرف ﴿مِنَ الرَّهْبِ﴾ خوف کی وجہ سے۔ بازو کو چھاتی کے ساتھ لگاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ڈر خوف دور ہوجائے گا ﴿فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ﴾ پس یہ دو دلیلیں ہیں آپ کے رب کی طرف سے۔ ایک عصا اور دوسری ید بیضا۔ یہ گفتگو رب تعالیٰ نے براہ راست کی ہے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ﴾ فرعون اور اس کی جماعت کی طرف جانا ہے۔ کیوں جانا ہے؟ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ بے شک وہ نافرمان قوم ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی بھائی کے حق میں سفارش

﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی ﴿رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا﴾ اے میرے پروردگار! میں نے تو ان کا ایک آدمی قتل کیا ہے وہ جو مکا مارنے سے ڈھیر ہوگیا تھا ﴿فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ﴾ پس میں خوف کرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کردیں گے میں آپ کا پیغام کیسے پہنچاؤں گا تبلیغ کس طرح کروں گا ﴿وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا﴾ اور میرا بھائی ہارون علیہ السلام جو موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے درجہ موسیٰ علیہ السلام کا زیادہ تھا۔ وہ زیادہ فصیح ہیں میری نسبت زبان کے لحاظ سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی اور سولہویں پارے میں تم پڑھ چکے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی ﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝﴾ "اور کھول دے میری زبان کی گرہ کو کہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔" میں جب بات کرتا ہوں تو میری زبان اٹک جاتی ہے۔ زبان کیوں رکتی تھی؟ اس کی وجہ پہلے بیان ہوچکی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں جب کبھی فرعون اُٹھاتا تو یہ اس کی ناک میں انگلی ڈال دیتے کبھی کان اور آنکھوں میں کبھی تھپڑ ماردیتے۔ عجیب عجیب حرکتیں اس کے ساتھ کرتے۔ فرعون نے اپنی بیوی آسیہ بنت مزاحم سے کہا یہ بچہ بڑا خطرناک معلوم ہوتا ہے یہ وہی بچہ نہ ثابت ہو جس نے میری حکومت کے زوال کا سبب بننا ہے۔ بیوی بڑی سخت تھی اس نے جھڑک دیا اور کہا کہ چھوٹے بچوں کی عادت ہوتی ہے ہاتھ مارنے کی اسے کیا تمیز ہے کہ ہاتھ کہاں لگ رہا ہے۔ فرعون نے کہا کہ یہ محض بچہ نہیں ہے کوئی اور شے لگتا ہے۔ چنانچہ امتحان لیا گیا۔ پلیٹ میں ایک طرف ہیرا رکھ دیا اور دوسری طرف جلتا ہوا کوئلہ کہ اگر یہ سمجھ دار ہوا تو ہیرے کی طرف ہاتھ بڑھائے گا اور اگر ناسمجھ ہوا تو کوئلے کو پکڑے گا۔ تفسیروں میں آتا ہے کہ

موسیٰ علیہ السلام نے پہلے ہاتھ ہیرے کی طرف بڑھایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے ان کا ہاتھ دوسری طرف پھیر دیا انھوں نے کوئلہ پکڑ کر جلدی سے زبان پر رکھ لیا۔ جیسے آپ نے چھوٹے بچوں کو دیکھا ہوگا کہ ان کو جو چیز ملے منہ میں ڈال لیتے ہیں میٹھی کڑوی کی بھی تمیز نہیں کرتے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے انگارا اُٹھا کر زبان پر رکھ لیا۔ ننھی منی زبان تھی رگیں متاثر ہوگئیں بولنے میں بعض الفاظ پر زبان رک جاتی تھی۔ تو جب اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری زبان کی گرہ کھول دے اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی بہت سارا حصہ ٹھیک ہوگیا لیکن ایک فیصد یا دو فیصد لکنت رہ گئی تھی۔ اور یہ بھی سوال کیا کہ میرے بھائی ہارون کو بھی رسول بنا دیں وہ میری نسبت زیادہ فصیح ہے اور سورہ طٰہٰ میں ہے ﴿وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ﴾ "میرے گھر کے افراد میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دیں۔" اس مقام پر ﴿رِدْاً﴾ کا لفظ ہے معین و مددگار بنا دے۔ ﴿فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً﴾ پس رسول بنا کر بھیج دیں اس کو میرے ساتھ جو میرا مددگار ہو ﴿یُّصَدِّقُنِیْۤ﴾ جو میری تصدیق کرے۔ میں بیان کروں گا وہ میری تصدیق کرے گا اور ہم دونوں بھائی آپ کے احکام کی تعمیل کریں گے ﴿اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ﴾ بے شک میں خوف کرتا ہوں اس بات کا کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ وہ کہیں گے کہ کل تو آپ نے ایک آدمی کو قتل کیا ہے اور آج واعظ بن گئے ہو۔ اور سورۃ شعراء میں تم یہ بھی پڑھ چکے ہو کہ ﴿اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا﴾ "کیا ہم نے آپ کو پالا نہیں ہے اپنے درمیان بچپن میں اور گزارے آپ نے ہم میں کئی سال اپنی عمر کے ﴿وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ﴾ اور کیا آپ نے وہ کام جو کیا تھا۔" یعنی بندہ قتل کیا تھا آج ہمیں وعظ کرتے ہو۔ دوسرا یہ کہ زبان میں لکنت کی وجہ سے جو تھوڑی سی رہ گئی ہے مذاق کریں گے لہٰذا میرے بھائی ہارون کو رسول بنا کر میرا معاون بنا دیں۔

﴿قَالَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ﴾ ہم مضبوط کر دیں گے آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ۔ ان کو بھی نبوت دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وادی طویٰ میں نبوت عطا فرمائی اور ہارون علیہ السلام کو مصر میں اپنے گھر نبوت ملی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام آنے والے ہیں ان کے ہاتھ پر معجزے صادر ہوں گے تم نے ان کی مدد کرنی ہے میرے دین کی تبلیغ میں ان کا ساتھ دینا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی فرمایا ﴿وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا﴾ اور بنائیں گے ہم تم دونوں کے لیے غلبہ ﴿فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا﴾ پس نہیں پہنچ سکیں گے آپ کے دشمن فرعون اور اس کی جماعت تم دونوں کی طرف۔ زبانی کلامی جتنی باتیں کریں مگر وہ تمھیں تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے تم دونوں تک رسائی نہیں ہوگی ﴿بِاٰیٰتِنَاۤ﴾ جاؤ ہماری نشانیاں لے کر۔ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۴۲ میں ہے ﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰیٰتِیْ﴾ "جاؤ تم اور تمھارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ۔" تو یہاں بھی اِذْهَبَا کا لفظ محذوف ہے۔ عبارت یوں بنے گی اِذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ جیسا کہ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۴۳ میں ہے ﴿اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ "جاؤ تم دونوں بھائی فرعون کی طرف۔" اور یہ بھی ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا﴾ "نرمی کے ساتھ گفتگو کرنا۔"

اندازِ تبلیغ کیسا ہونا چاہیے؟

تبلیغ کا انداز رب تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ فرعون سرکش ہے باغی ہے ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کے نعرے لگاتا ہے اس کے

سامنے بات نرمی کے ساتھ کرنا۔ یہ قیامت تک آنے والے مبلغین کے لیے ایک سبق ہے کہ تبلیغ کے وقت سختی نہ کریں۔ بات صحیح ہو، موقف میں ہیرا پھیری نہ ہو اور لہجہ نرم ہو۔ فرمایا ﴿اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا﴾ تم دونوں اور جنھوں نے تمھاری پیروی کی جو تمھیں نبی مانیں گے میری توحید کا اقرار کریں گے حق کا ساتھ دیں گے ﴿الْغٰلِبُوْنَ﴾ غالب رہیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک دو دن میں غالب ہو جائیں گے بلکہ مطلب یہ ہے انجام کار تم ہی غالب ہو گے اور جو تمھاری پیروی کریں گے وہ بھی آپ کے ساتھ غلبہ پائیں گے۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى﴾ پس جب آئے موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ﴿بِاٰيٰتِنَا﴾ ہماری نشانیاں لے کر ﴿بَيِّنٰتٍ﴾ صاف صاف ﴿قَالُوْا﴾ ان لوگوں نے کہا ﴿مَا هٰذَآ﴾ نہیں ہے یہ ﴿اِلَّا سِحْرٌ﴾ مگر جادو ﴿مُّفْتَرًى﴾ گھڑا ہوا ﴿وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا﴾ اور نہیں سنی ہم نے یہ بات ﴿فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ﴾ اپنے باپ دادا سے جو پہلے گزر چکے ہیں ﴿وَ قَالَ مُوْسٰى﴾ اور فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبِّيْٓ اَعْلَمُ﴾ میرا رب خوب جانتا ہے ﴿بِمَنْ﴾ اس کو ﴿جَآءَ بِالْهُدٰى﴾ جو آیا ہے ہدایت لے کر ﴿مِنْ عِنْدِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ﴾ اور اس کو جس کے لیے ہے اچھا گھر آخرت کا ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ فلاح نہیں پائیں گے ظالم ﴿وَ قَالَ فِرْعَوْنُ﴾ اور کہا فرعون نے ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ﴾ اے جماعت والو! ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ﴾ میں نہیں جانتا تمھارے لیے ﴿مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ کوئی الٰہ اپنے سوا ﴿فَاَوْقِدْ لِيْ﴾ پس تم آگ جلاؤ میرے لیے ﴿يٰهَامٰنُ﴾ اے ہامان! ﴿عَلَى الطِّيْنِ﴾ گارے پر ﴿فَاجْعَلْ لِّيْ﴾ پس بناؤ میرے لیے ﴿صَرْحًا﴾ محل ﴿لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ﴾ تاکہ میں جھانک کر دیکھوں ﴿اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى﴾ موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کو ﴿وَ اِنِّيْ﴾ اور بے شک میں ﴿لَاَظُنُّهٗ﴾ البتہ میں خیال کرتا ہوں اس کے بارے میں ﴿مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ جھوٹوں میں سے ہے ﴿وَاسْتَكْبَرَ هُوَ﴾ اور تکبر کیا فرعون نے ﴿وَ جُنُوْدُهٗ﴾ اور اس کے لشکر نے ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ناحق ﴿وَ ظَنُّوْٓا﴾ اور انھوں نے خیال کیا ﴿اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ﴾ کہ بے شک وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے ﴿فَاَخَذْنٰهُ﴾ پس ہم نے پکڑا اس کو ﴿وَ جُنُوْدَهٗ﴾ اور اس کے لشکر کو ﴿فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ﴾ پس ہم نے پھینک دیا ان کو دریا شور میں ﴿فَانْظُرْ﴾ پس دیکھ ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ کیسا ہوا انجام ظالموں کا ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً﴾ اور ہم نے بنایا ان کو رہنما ﴿يَّدْعُوْنَ﴾ جو دعوت دیتے ہیں ﴿اِلَى النَّارِ﴾ آگ کی طرف ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور قیامت کے دن

﴿لَا یُنْصَرُوْنَ﴾ ان کی مدد نہیں کی جائے گی ﴿وَ اَتْبَعْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان کے پیچھے لگائی ﴿فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا﴾ اس دنیا کی زندگی میں ﴿لَعْنَةً﴾ لعنت ﴿وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ اور قیامت والے دن ﴿هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ﴾ وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کی برائی بیان کی جاتی ہے۔

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا فرعون کو تبلیغ کرنا

کل کے سبق میں آپ حضرات نے یہ بات سنی (اور پڑھی) کہ اللہ تعالیٰ نے مدین سے واپسی پر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور موسیٰ علیہ السلام کے سوال پر اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمائی اور موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزے بھی عطا فرمائے اور حکم دیا کہ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جا کر ان کو سمجھاؤ اور صحیح راستے سے آگاہ کرو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام مصر پہنچے اپنے گھر تشریف لے گئے بیوی بچوں کو گھر چھوڑا۔ ہارون علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے فرمایا ہاں! میرے علم میں ہے۔ مجھے آپ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس کے احکامات پہنچائیں۔ دفتری اوقات کا انتظار کیا کہ فرعون اور اس کی کابینہ دفتر میں پہنچ جائے پھر جا کر ان کو تبلیغ کریں گے۔ فرعون کا بہت بڑا تخت تھا اس پر شاہی کرسی تھی۔ فرعون جب اقتدار والی کرسی پر آکر بیٹھ گیا اور اس کا سارا عملہ وزیر مشیر دائیں بائیں آگے پیچھے آکر بیٹھ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں بھائی بھی پہنچ گئے تیسرا آدمی ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ [طٰہٰ: ۴۷] "بے شک ہم بھیجے ہوئے ہیں تیرے پروردگار کے پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔"

پہلے رب کی دعوت دی، رب کی توحید کی دعوت دی، پھر رسالت کا مسئلہ بتایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ہماری رسالت پر یقین کرو اور قیامت کا مسئلہ بھی سمجھایا۔ توحید، رسالت، قیامت یہ بنیادی مسئلے ہیں۔ پھر بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا ﴿ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ [شعراء: ۱۷] "بنی اسرائیل کو آزاد کر دے۔" ﴿اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ [الشعراء: ۲۲] "تو نے ان کو غلام بنا رکھا ہے" میں ان کی آزادی کا مطالبہ کرتا ہوں۔ مذہبی مطالبے بھی کیے اور سیاسی بھی کیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبی ہونے پر معجزے دکھائے۔ اپنا عصا مبارک زمین پر ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا۔

تفسیروں میں بڑا عجیب منظر لکھا ہے کہ وہ اژدہا جب فرعون کی طرف متوجہ ہوا تو فرعون بدحواس ہو کر کرسی سے نیچے گر گیا۔ دفتر میں افراتفری مچ گئی۔ مگر دفتر سے باہر کوئی نہیں گیا کیوں کہ فرعون بڑا ظالم تھا ان کو معلوم تھا کہ باہر گئے تو باز پرس ہو گی کہ تم مشکل وقت میں مجھے چھوڑ گئے ﴿وَ فِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ﴾ بدن میں میخیں ٹھونک کر سولی پر لٹکا دیتا تھا۔ کچھ دیر بعد جب وہ ہوش میں آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے دوسرا معجزہ دکھایا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ سورج کی طرح روشن تھا۔ فرعون نے ماننے کے بجائے کہا کہ یہ سب جادو ہے ہم تمہارا مقابلہ کریں گے۔ ہمارے ساتھ کوئی تاریخ مقرر کرو۔ اس کی تفصیل سولھویں پارے میں گزر چکی ہے۔ قریب ہی ان کا عید والا دن آنے والا تھا یَوْمُ الزِّیْنَه موسیٰ علیہ السلام نے عید کا دن مقرر کیا اور چاشت کا وقت طے کیا

کہ عید کے دن لوگ فارغ ہوتے ہیں زیادہ سے زیادہ آئیں گے۔ اور وقت بھی ایسا مقرر فرمایا کہ قریب و دور کے لوگوں کے لیے آنے جانے میں دقت نہ ہو۔ وقت پر پہنچ بھی جائیں اور شام سے پہلے گھروں کو بھی چلے جائیں۔ بہت بڑا میدان تھا اس میں گھوڑے بھی دوڑتے تھے، فوجی ٹریننگ بھی ہوتی تھی لوگ اس میں خوشی کے موقع پر اپنے رواج کے مطابق کھیل تماشے کرتے تھے۔ سولھویں پارے میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں ستر ہزار ماہر جادوگر آئے موسیٰ علیہ السلام سب پر غالب آ گئے جادوگر ناکام ہوئے اور سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام سے جو کچھ ظاہر ہوا ہے وہ جادو نہیں ہے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور سجدے میں گر گئے۔ لیکن فرعون اور اس کی قوم ایمان نہ لائی۔

فرعون پر تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ﴾ پس جب آئے موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ہماری واضح نشانیاں لے کر ﴿قَالُوْا﴾ ان لوگوں نے کہا۔ فرعون اور اس کی قوم نے ﴿مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى﴾ نہیں ہے یہ مگر جادو گھڑا ہوا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزے ظاہر کیے ہیں یہ گھڑا ہوا جادو ہے۔ انھوں نے معجزات کو جادو کہہ کر انکار کر دیا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے ﴿وَمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ﴾ اور نہیں سنی ہم نے یہ بات اپنے باپ دادوں سے جو پہلے گزرے ہیں کہ ساری کائنات کا خدا ایک ہی ہے۔ وہی سب کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی سارا نظام چلانے والا ہے۔ وہ سب کو فنا کر دے گا پھر دوبارہ زندہ کرے گا، حساب کتاب ہوگا، جزائے عمل کا فیصلہ ہوگا۔ ہم نے تو ایسی باتیں پہلے کبھی نہیں سنیں ﴿وَقَالَ مُوْسٰى﴾ اور فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جواب میں ﴿رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ﴾ میرا رب خوب جانتا ہے اس کو جو آیا ہے ہدایت لے کر میں جو کچھ تمھارے سامنے پیش کر رہا ہوں اپنی مرضی سے نہیں اور نہ اس میں میری کوئی ذاتی غرض ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا اسی کا پیغام تمھارے سامنے پیش کر رہا ہوں اور وہی بہتر جانتا ہے ﴿وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ﴾ کہ آخرت کا اچھا گھر کس کے لیے ہے مگر اتنی بات یقینی ہے ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ فلاح نہیں پائیں گے ظالم، وہ ہمیشہ نامراد رہیں گے۔ ظلم میں سرفہرست کفر اور شرک ہے۔ فرعون پر موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا کہنے لگا ملک مصر کا بااختیار حاکم تو میں ہوں سیاہ و سفید کا مالک میں ہوں ملک زرخیز ہے اس میں نہریں چل رہی ہیں ڈیم بنے ہوئے ہیں یہ سارا نظام میں چلا رہا ہوں اور موسیٰ علیہ السلام کسی اور الٰہ کی بات کر رہے ہیں ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ﴾ اور کہا فرعون نے ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ﴾ اے جماعت والو! اے اہل دربار! ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ میں نہیں جانتا تمھارے لیے کوئی الٰہ اپنے سوا۔

فرعونیت فرعون

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل نہیں تھا۔ وہ پاگل نہیں تھا بڑا سمجھ دار تھا وہ سمجھتا تھا میں پیدا ہوا ہوں میرے باپ دادا پیدا ہوئے ہیں اور ملک پہلے سے آباد اور چلا آ رہا ہے۔ بلکہ اس کا موقف یہ تھا کہ میں اس ملک کا

مطلق العنان بادشاہ ہوں مصر کا ملک میرا ہے اس ملک میں میری بات چلتی ہے یہاں اور کسی کی بات نہیں چلتی، یہاں میرے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ خدا کے وجود کا وہ قائل تھا اپنے سوا کسی کی حکمرانی کا قائل نہیں تھا۔ یہاں کسی اور کی حکمرانی نہیں ہے یہاں میں ہی ہوں۔ پھر کہنے لگا ﴿فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ﴾ ہامان فرعون کا وزیر اعظم تھا۔ یہ بھی فرعون جیسا تھا۔ مشہور محاورہ ہے: "جیسی روح ویسے فرشتے۔" تو فرعون نے ہامان کو کہا پس تم آگ جلاؤ میرے لیے اے ہامان! گارے پر۔ گارے پر آگ جلانے کا مطلب یہ ہے کہ بھٹے میں پکی اینٹیں تیار کرو میرے لیے ﴿فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا﴾ پھر میرے لیے محل بناؤ بہت بڑا۔ کیوں؟ ﴿لَّعَلِّیْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوْسٰی﴾ تاکہ میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کو، محل پر چڑھ کر کہ موسیٰ علیہ السلام کا الٰہ کیسا ہے؟ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ اس نے مذاق کیا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ حقیقت ہے۔

تفسیر مدارک وغیرہ میں لکھا ہے کہ ہامان نے ملک سے پچاس ہزار مستری بلوائے اور ان کو بلڈنگ کا نقشہ دیا کہ اس طرح کا محل بنانا ہے جس میں اس طرح سیڑھیاں اُوپر جاتی ہیں۔ تفسیر مدارک والے فرماتے ہیں کہ شاید دنیا میں کسی نے اتنی بلند بلڈنگ بنائی ہو۔ جب عمارت تیار ہوگئی تو جبرئیل علیہ السلام نے آکر ایک پَر مارا تو اس کا ایک حصہ سمندر میں جا گرا۔ دوسرا پَر مارا تو دوسرا حصہ فرعون کی فوجوں پر جا گرا۔ جب تیسری دفعہ پَر مارا تو ساری عمارت زمین بوس ہوگئی۔ یہ سب کرشمے دیکھتے ہوئے بھی ہٹ دھرمی اور ضد سے باز نہیں آئے۔ فرعون رب تعالیٰ کو بلڈنگ پر چڑھ کر دیکھنا چاہتا تھا رب تعالیٰ نے فرمایا ہوگا کہ میں تجھے سمندر کی تہہ میں نظر آؤں گا۔

چنانچہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو اس وقت اس نے بہت واویلا کیا اور کہا ﴿اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ "میں ایمان لایا ہوں بے شک نہیں کوئی معبود مگر وہی جس پر ایمان لائے ہیں بنو اسرائیل اور میں بھی فرماں برداروں میں سے ہوں۔" رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ [یونس: ۹۰-۹۱] "اب (تم یہ کہتے ہو) اور تحقیق تم نافرمانی کرتے رہے ہو اس سے پہلے اور تھے تم فسادیوں میں سے۔" جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بڑا عجیب منظر تھا فرعون جب واویلا کرنے لگا تو میں نے سمندر سے گارا نکال کر اس کے منہ میں ٹھونسا کہ اس کی آواز نہ نکلے کہ کہیں رب تعالیٰ اس کی پکار کو قبول ہی نہ کر لے۔

تو فرعون نے کہا ہامان کو کہ میرے لیے محل بنا کہ میں اس پر چڑھ کر جھانک کر دیکھوں موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کو ﴿وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ﴾ اور بے شک میں خیال کرتا ہوں موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہ وہ جھوٹوں میں سے ہے معاذ اللہ تعالیٰ! ﴿وَ اسْتَكْبَرَ هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ﴾ اور تکبر کیا فرعون نے اور اس کے لشکر نے زمین میں ﴿بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾ ناحق۔ واضح دلیلیں دیکھنے کے باوجود حق کو ٹھکرایا ﴿وَ ظَنُّوْۤا﴾ اور انھوں نے یقین کیا ﴿اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ﴾ بے شک وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔ کیوں کہ اگر آخرت پر ایمان ہو کہ آخرت آئے گی اور مجھے اپنے کیے کا بدلہ ملے گا تو آدمی ڈرتا ہے لیکن وہ اس قدر ہٹ دھرمی اور ضد پر آئے ہوئے تھے کہ آخرت پر بالکل یقین نہیں تھا۔

فرعونیت کا انجام

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ﴾ پس ہم نے پکڑا فرعون کو اور اس کے لشکر کو ﴿فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ﴾ پس پھینک دیا ہم نے ان کو دریائے شور میں ﴿فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ﴾ پس دیکھ اے مخاطب! کیسا ہوا انجام ظالموں کا۔ یہ واقعات اللہ تعالیٰ نے سنا کر مکے والوں کو سمجھایا کہ نہ تو تمھاری اتنی قوت ہے نہ تمھارے پاس اتنے لشکر ہیں نہ تمھارے پاس وہ اقتدار ہے جو فرعون کے پاس تھا اس کا حشر تم نے دیکھ لیا ظالمو! اگر تم باز نہ آئے تو تمھارا بھی وہی حشر ہوگا۔ فرمایا ﴿وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ ائمہ امام کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے راستہ دکھانے والا۔ تو راہنما اچھا بھی ہوتا ہے بُرا بھی ہوتا ہے۔ اس مقام پر بُرا راہنما مراد ہے۔ معنیٰ ہوگا بنایا ہم نے ان کو راہنما دعوت دیتے تھے آگ کی طرف۔ یہ وہ امام تھے جو دوزخ کی طرف بلاتے تھے۔ سورۃ ہود آیت نمبر ۹۸ میں ہے ﴿یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ﴾ "آگے آگے ہوگا وہ اپنی قوم کے قیامت کے دن پس پہنچائے گا ان کو آگ میں۔" دنیا والی سرداری وہاں بھی قائم رہے گی مگر دوزخ کی طرف، آگے فرعون ہوگا پیچھے ہامان ہوگا پھر درجہ بہ درجہ فوجی افسر دوزخ میں جا پڑیں گے ﴿وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ﴾ اور قیامت والے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ جیسے دنیا میں جب اللہ تعالیٰ نے پکڑا تو ان کی کسی نے مدد نہیں کی آخرت میں بھی نہیں ہوگی۔ ﴿وَ اَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً﴾ اور ہم نے ان کے پیچھے لگا دی لعنت دنیا کی زندگی میں۔ فرعون ہامان کا جب ذکر آتا ہے یا اس کی کابینہ کا ذکر آتا ہے تو لوگ ان پر لعنت بھیجتے ہیں بُرا ہی کہتے ہیں کوئی ان کو اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرتا۔

سردرد کا نسخہ

بلکہ بعض بزرگان دین اپنے تجربے سے یہ فرماتے ہیں۔ قرآن وحدیث کا مسئلہ نہیں ہے یہ بزرگوں کا اپنا تجربہ ہے کہ فرعون کا لفظ لکھ کر اس پر جوتیاں مارو تو سردرد دور ہو جاتا ہے۔ مگر ایسا کرنا نہیں چاہیے۔ کیوں کہ فرعون قرآن کا لفظ ہے قرآن کریم میں جب اس کو پڑھیں گے تو پچاس نیکیاں ملیں گی۔ کیوں کہ اس کے پانچ حرف ہیں۔ شیطان کا لفظ بھی قرآن میں آیا ہے ﴿مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ [النحل: ۹۸] ابولہب کافر تھا مگر اس کا نام بھی قرآن میں آگیا ہے۔ اس لیے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملیں گی۔ تو خیر یہ بزرگوں کا تجربہ ہے کہ سردرد ہو تو فرعون کا لفظ کاغذ پر لکھ کر جوتیاں مارو تو سردرد ختم ہو جاتا ہے۔ تو قیامت تک لوگ اس کو جوتیاں مارتے رہیں گے، بُرا کہتے رہیں گے ﴿وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ﴾ اور قیامت والے دن وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کی برائی بیان کی جائے گی۔ دوزخی دوزخیوں کو کہیں گے او بے ایمانو! تم خود تو دوزخ میں آئے ہمیں بھی لے آئے ہو۔ دنیا و آخرت میں برائی ہوگی۔

﴿وَ لَقَدْ﴾ اور البتہ تحقیق ﴿اٰتَیْنَا﴾ دی ہم نے ﴿مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ﴾ اس کے بعد ﴿اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى﴾ ہم نے ہلاک کردیں پہلی جماعتیں ﴿بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ﴾ دل میں روشنیاں پیدا کرنے کی چیزیں لوگوں کے لیے ﴿وَ هُدًى﴾ اور ہدایت ﴿وَّ رَحْمَةً﴾ اور رحمت ﴿لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿وَ مَا كُنْتَ﴾ اور نہیں تھے آپ ﴿بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ﴾ مغربی کنارے پر ﴿اِذْ قَضَیْنَاۤ﴾ جب ہم نے طے کیا ﴿اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ﴾ موسیٰ علیہ السلام کی طرف معاملے کو ﴿وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ﴾ اور آپ نہیں تھے حاضر ہونے والوں میں سے ﴿وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا﴾ اور لیکن ہم نے پیدا کیں ﴿قُرُوْنًا﴾ جماعتیں ﴿فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ﴾ پس لمبی ہوگئیں ان پر عمریں ﴿وَ مَا كُنْتَ ثَاوِیًا﴾ اور آپ نہیں تھے مقیم ﴿فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ﴾ مدین والوں میں ﴿تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا﴾ کہ تلاوت کرتے ہوں ان پر ہماری آیتیں ﴿وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ﴾ اور لیکن ہم ہیں بھیجنے والے رسولوں کو ﴿وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ﴾ اور نہیں تھے آپ طور کے کنارے پر ﴿اِذْ نَادَیْنَا﴾ جس وقت ہم نے آواز دی ﴿وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ اور لیکن یہ رحمت ہے آپ کے رب کی ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا﴾ تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو ﴿مَّاۤ اَتٰىهُمْ﴾ نہیں آیا ان کے پاس ﴿مِّنْ نَّذِیْرٍ﴾ کوئی ڈرانے والا ﴿مِّنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿وَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ﴾ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ پہنچے ان کو مصیبت ﴿بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ﴾ بہ سبب اس کے آگے بھیجیں ان کے ہاتھوں نے برائیاں ﴿فَیَقُوْلُوْا﴾ تو وہ کہیں گے ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب! ﴿لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا﴾ کیوں نہیں بھیجا آپ نے ہماری طرف رسول ﴿فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ﴾ پس ہم پیروی کرتے آپ کی آیات کی ﴿وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور ہو جاتے مومنوں میں سے۔

موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ چلا آرہا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے واپس مصر جارہے تھے اہل وعیال سمیت۔ تو اللہ تعالیٰ نے طور کے کنارے پر مقدس وادی طویٰ میں نبوت عطا فرمائی، معجزے عطا فرمائے انھوں نے فرعون اور اس کی قوم کو تبلیغ کی۔ جب ان کی طرف سے ایمان کی کوئی امید نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کو رات کے وقت لے کر چلے جائیں۔ پھر فرعون اور اس کی قوم تباہ ہوگئی غرق ہوگئی۔ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر وادی تیہ پہنچ گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تورات عطا فرمائی۔ آسمانی کتابوں میں قرآن کریم کے بعد تورات کا بڑا بلند مقام ہے اس کا تذکرہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو تورات کا عطا ہونا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى﴾ بعد اس کے کہ ہم نے ہلاک کیا پہلی جماعتوں کو۔ نوح علیہ السلام کی قوم تباہ ہوئی، ہود علیہ السلام کی قوم تباہ ہوئی، صالح علیہ السلام کی قوم تباہ ہوئی، شعیب علیہ السلام کی قوم تباہ ہوئی، فرعون اور اس کے ساتھی ہلاک ہوئے، ان ہلاکتوں کے بعد تورات ملی۔ یہ تورات کیوں دی گئی؟ ﴿بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ﴾۔ بصائر بصیرت کی جمع ہے۔ بصیرت کا معنیٰ ہے دل کی روشنی۔ بصارت آنکھ کی روشنی کو کہتے ہیں۔ معنیٰ ہوگا ہم نے تورات اس لیے دی کہ لوگوں کے دلوں میں روشنی پیدا ہو ﴿وَ هُدًى﴾ اور ہدایت تھی اپنے دور میں قرآن کریم کی طرح ﴿وَّ رَحْمَةً﴾ اور رحمت ﴿لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ تورات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں ﴿وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ﴾ اور نہیں تھے آپ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! وادی کے مغربی کنارے پر یا پہاڑ کے مغربی کنارے پر۔ ﴿اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ﴾ جب ہم نے معاملہ طے کیا موسیٰ علیہ السلام کی طرف کہ جب وہ مدین سے واپس مصر جارہے تھے طور کے کنارے پر مغرب کی طرف سے آواز دی جس کے متعلق تم تفصیل سے سن چکے ہو کہ ایک درخت سے نور کی تجلی ظاہر ہو رہی تھی جس کو موسیٰ علیہ السلام ظاہری آگ سمجھے تھے۔ جس وقت وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی ﴿يٰمُوْسٰۤى اِنِّيْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ "اے موسیٰ (علیہ السلام)! بے شک میں اللہ ہوں رب العالمین میں نے آپ کو نبوت دی ہے۔" اور موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر ان کے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت ملی اور اللہ تعالیٰ نے دو معجزے عطا فرمائے۔ عصا کا سانپ بن جانا اور ید بیضا۔ اور حکم دیا کہ دونوں بھائی جا کر فرعون اور اس کی جماعت کو تبلیغ کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے جب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ معاملہ طے کیا تھا اس وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے ﴿وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ اور آپ نہیں تھے حاضر ہونے والوں میں سے۔ موسیٰ علیہ السلام کے حالات دیکھنے والوں میں آپ شامل نہیں تھے کہ ان واقعات کو چشم دید واقعات کے طور پر بیان کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی

اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ناظر ہونے کی صراحت کے ساتھ نفی کی گئی ہے۔ لیکن جاہل قسم کے لوگوں نے بلا وجہ حاضر و ناظر اور علم غیب کا عقیدہ گھڑ لیا ہے۔ حالاں کہ یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں ان میں اور کوئی شریک نہیں ہے، نہ نبی، نہ ولی، نہ کوئی فرشتہ، نہ جن۔ فرمایا کہ جب ہم نے مغربی جانب موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی تو آپ اس وقت موجود نہیں تھے ﴿وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا﴾ اور لیکن ہم نے پیدا کیں جماعتیں ﴿فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ﴾ پس لمبی ہوگئیں ان پر عمریں، ان کی زندگیاں دراز ہوگئیں وہ کفر و شرک میں مبتلا ہوئے، ظلم اور سرکشی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ﴾ اور آپ نہیں تھے مقیم مدین والوں میں کہ آپ کو حالات کا علم ہوا اور اب آپ ان

کو سنا رہے ہیں ﴿تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا﴾ کہ ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ مدین کے واقعات بھی موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہم ہی نے آپ کو بتلائے ہیں آپ کوئی عالم الغیب تو نہیں ہیں ﴿وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ﴾ اور لیکن ہم بھیجنے والے ہیں رسولوں کو۔ ہم ان پر وحی نازل کر کے پہلے واقعات سے آگاہ کرتے ہیں اور آئندہ حالات سے مطلع کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے ایک یہودی نے تخلیق کے بارے میں سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا پھر اس کے سوال کا جواب دیا۔ یہودی چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ یہودی نے جب یہ سوال کیا تھا تو مجھے اس کا جواب معلوم نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے فوراً جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر سوال کا جواب پہنچایا جو یہودی کے علم کے مطابق بھی درست تھا اس لیے وہ مطمئن ہو کر چلا گیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَیْنَا﴾ اور نہیں تھے آپ طور کے کنارے پر جس وقت ہم نے آواز دی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! میں اللہ ہوں رب العالمین ہوں اور آپ وادی مقدس طویٰ میں ہیں اپنے جوتے اُتار دیں میں نے آپ کو نبوت و رسالت کے لیے منتخب کیا ہے۔ ہماری اس گفتگو کے وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے یہ ساری باتیں ہم نے آپ کو بتائی ہیں ﴿وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ اور لیکن یہ رحمت ہے آپ کے رب کی کہ آپ کو ان حالات سے آگاہ فرمایا ورنہ آپ حاضر و ناظر تو نہیں تھے یہ رحمت ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ تاکہ آپ ڈرائیں ان لوگوں کو جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا کیوں کہ عربوں کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد طویل عرصے تک کوئی نبی نہیں آیا تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا عرب بھی پہلے صحیح دین ابراہیمی پر تھے۔

عرب میں شرک کی ابتداء اور لفظ قوم کی تشریح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریباً پانچ سو سال پہلے قصی بن کلاب کے زمانے میں یہاں شرک کی ابتدا ہوئی اور اکثر لوگ مشرک ہو گئے۔ یہاں پر قوم کا لفظ خاص طور پر توجہ طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ایسی قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف عربوں کے لیے مبعوث ہوئے ہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قومی نبی بھی ہیں اور عالمی بھی

نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ پہلی حیثیت تو قومی نبی کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرزمین عرب میں عربوں کے لیے مبعوث ہوئے اور دوسری حیثیت رسول عالمین کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری کائنات کے لیے مبعوث ہوئے۔ چنانچہ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۵۸ میں ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾ "اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" اور سورۃ الانعام آیت نمبر ۹۲ میں ہے ﴿لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ "تاکہ آپ مکے والوں اور اس کے

اردگرد والوں کو ڈرائیں ﴿وَمَنۢ بَلَغَ﴾ اور ان لوگوں کو بھی جہاں تک یہ قرآن پہنچے۔" مطلب یہ ہے کہ دنیا کے کونے کونے تک خدا کا یہ پیغام پہنچے گا۔" تو اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بین الاقوامی نبی ہیں تمام اقوام عالم کی سعادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہے۔ تو فرمایا تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو کہ آپ سے پہلے ان کو ڈرانے والا کوئی نہیں آیا ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ تاکہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ عرب کی طرف ڈیڑھ ہزار سال تک کوئی پیغمبر نہیں آیا اگر آخری پیغمبر کو بھی مبعوث نہ فرماتے اور پھر ان پر کوئی مصیبت آجاتی تو یہ لوگ فوراً کہہ دیتے کہ ہمارے پاس تو کوئی رسول ہی نہیں آیا جو ہمیں سیدھا راستہ دکھاتا اور ہم عذاب الٰہی سے بچ جاتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آخری پیغمبر بھیج کر ان کا منہ بند کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيبَهُمْ مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيهِمْ﴾ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ پہنچے ان کو مصیبت بہ سبب اس کے کہ آگے بھیجیں ان کے ہاتھوں نے برائیاں۔ اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے کبھی کوئی مصیبت پہنچتی ﴿فَيَقُولُوا﴾ تو وہ کہیں گے ﴿رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُولًا﴾ اے ہمارے رب! کیوں نہیں بھیجا آپ نے ہماری طرف رسول ﴿فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ﴾ پس ہم پیروی کرتے آپ کی آیات کی ﴿وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور ہو جاتے ایمان والوں میں سے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آخری پیغمبر بھیج کر ان کا یہ عذر ختم کر دیا تاکہ کل قیامت والے دن یہ نہ کہیں کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا ہی نہیں آیا تھا ہمیں کفر و شرک سے آگاہ ہی کسی نے نہیں کیا ہمیں حق و باطل کا علم ہی نہیں تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آخری پیغمبر بھیج کر یہ سارے اعتراضات ختم کر دیئے۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ﴾ پس جب آیا ان کے پاس حق ﴿مِنْ عِنْدِنَا﴾ ہماری طرف سے ﴿قَالُوا﴾ کہا ان لوگوں نے ﴿لَوْلَآ اُوْتِيَ﴾ کیوں نہیں دیئے گئے اس نبی کو ﴿مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوسٰى﴾ اس کے مثل جو دیئے گئے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات ﴿اَوَلَمْ يَكْفُرُوا﴾ کیا اور انھوں نے انکار نہیں کیا ﴿بِمَآ اُوْتِيَ مُوسٰى﴾ اس چیز کا جو دی گئی موسیٰ علیہ السلام کو ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿قَالُوا﴾ کہا انھوں نے ﴿سِحْرٰنِ﴾ یہ دونوں جادو ہیں ﴿تَظٰهَرَا﴾ ایک دوسرے کی تاکید کرتے ہیں ﴿وَقَالُوْٓا﴾ اور انہوں نے کہا ﴿اِنَّا﴾ بے شک ہم ﴿بِكُلٍّ كٰفِرُونَ﴾ ہر ایک کا انکار کرتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿فَاْتُوا بِكِتٰبٍ﴾ پس لاؤ تم کوئی کتاب ﴿مِّنْ عِنْدِ اللهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿هُوَ اَهْدٰى﴾ وہ زیادہ ہدایت والی ہو ﴿مِنْهُمَآ﴾ ان دونوں سے ﴿اَتَّبِعْهُ﴾ میں اس کی پیروی کروں گا ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ﴾ پس اگر یہ قبول نہ کریں آپ کی بات کو ﴿فَاعْلَمْ﴾ پس آپ جان لیں ﴿اَنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿يَتَّبِعُونَ﴾ وہ پیروی کرتے ہیں ﴿اَهْوَآءَهُمْ﴾ اپنی خواہشات کی ﴿وَمَنْ﴾ اور

کون ہے ﴿ اَضَلُّ ﴾ زیادہ گمراہ ﴿ مِمَّنِ ﴾ اس شخص سے ﴿ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ﴾ جس نے پیروی کی اپنی خواہش کی ﴿ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللهِ ﴾ بغیر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ﴿ اِنَّ اللهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو ﴿ وَ لَقَدْ ﴾ اور البتہ تحقیق ﴿ وَصَّلْنَا ﴾ ہم نے لگا تار ملا دیا ﴿ لَهُمُ الْقَوْلَ ﴾ ان لوگوں کے لیے بات کو ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿ اَلَّذِيْنَ ﴾ وہ لوگ ﴿ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ جن کو دی ہم نے کتاب ﴿ مِنْ قَبْلِهٖ ﴾ اس سے پہلے ﴿ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں ﴿ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ﴾ اور جس وقت پڑھ کر سنایا جاتا ہے ان کو ﴿ قَالُوْٓا ﴾ وہ کہتے ہیں ﴿ اٰمَنَّا بِهٖٓ ﴾ ہم ایمان لائے اس پر ﴿ اِنَّهُ الْحَقُّ ﴾ بے شک یہ قرآن حق ہے ﴿ مِنْ رَّبِّنَآ ﴾ ہمارے رب کی طرف سے ﴿ اِنَّا كُنَّا ﴾ بے شک ہم تھے ﴿ مِنْ قَبْلِهٖ ﴾ اس سے پہلے ﴿ مُسْلِمِيْنَ ﴾ ماننے والے ﴿ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں دیا جائے گا ان کو ﴿ اَجْرَهُمْ ﴾ ان کا اجر ﴿ مَّرَّتَيْنِ ﴾ دُہرا ﴿ بِمَا صَبَرُوْا ﴾ بہ سبب اس کے کہ انھوں نے صبر کیا ﴿ وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ ﴾ اور ٹالتے ہیں اچھائی کے ساتھ ﴿ السَّيِّئَةَ ﴾ برائی کو ﴿ وَمِمَّا ﴾ اور اس میں سے ﴿ رَزَقْنٰهُمْ ﴾ جو ہم نے ان کو روزی دی ہے ﴿ يُنْفِقُوْنَ ﴾ خرچ کرتے ہیں۔

اہل مکہ کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اتمام حجت ہے

کوئی یہ نہ کہے یعنی مکے والے یہ نہ کہیں کہ ہم تو ان پڑھ تھے ہمیں کوئی علم نہیں ہے کہ نیکی کیا ہے بدی کیا ہے حق کیا ہے باطل کیا ہے؟ ناسمجھ لوگ ہیں کدھر جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بہانے کو ختم کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا قرآن بھی ان کی زبان میں نازل فرمایا اور ساری حقیقت کو کھول دیا اور حقیقت ان پر واضح کر دی۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کر لیتے اور قرآن پاک جیسی کتاب کو مان لیتے مگر ہوا کیا؟ وہ سنو! ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ ﴾ پس جب آیا ان کے پاس حق، مکے والوں کے پاس حق آیا، عربوں کے پاس حق آیا، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے ﴿ مِنْ عِنْدِنَا ﴾ ہماری طرف سے۔ یہ قرآن ہم نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تو جب ہماری طرف سے حق آ گیا ﴿ قَالُوْا ﴾ کہا ان لوگوں نے ﴿ لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ﴾ کیوں نہیں دیئے گئے اس نبی کو معجزے اس جیسے جو دیئے گئے موسیٰ علیہ السلام کو۔ یہ بھی لاٹھی ڈالتا سانپ بن جاتی، گریبان میں ہاتھ ڈالے جو سورج کی طرح چمکے۔ اگر نبی ہے تو موسیٰ علیہ السلام جیسے معجزات دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ﴿ اَوَ لَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ﴾ اور کیا انھوں نے انکار نہیں کیا اس چیز کا جو دی گئی موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزے موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے اس سے پہلے انکار کرنے والوں نے کیا ان کا انکار نہیں کیا۔ فرعون، ہامان اور ان کی کابینہ کے سامنے موسیٰ علیہ السلام نے عصا مبارک ڈالا اژدہا بن گیا، ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا سورج کی طرح چمکنے لگ

گیا۔ کیا انھوں نے مان لیا، تسلیم کر لیا؟ تمھارے بھی نہ ماننے کے بہانے ہیں ورنہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے سے بڑی کون سی نشانی ہو سکتی ہے۔

چودھویں رات کا چاند تھا مکمل سر پر کھڑا تھا مکے والوں نے آ کر آپ ﷺ کو کہا کہ اگر یہ چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے چاند دو ٹکڑے کر دیا۔ اس طرح کہ ایک ٹکڑا مشرق کی طرف جبل ابوقبیس پر اور دوسرا مغرب کی طرف جبل قُعَیقعان پر چلا گیا۔ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ تجھے بھی دو ٹکڑے نظر آ رہے ہیں؟ وہ کہتا ہاں! دو ٹکڑے نظر آ رہے ہیں۔ مگر ایک نے بھی ایمان قبول نہیں کیا اور کہنے لگے ﴿ سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾ [القمر: ۲] "بڑا مضبوط جادو ہے۔" آنحضرت ﷺ کے بارے میں کہا کہ یہ بہت بڑا جادوگر ہے اس کے جادو کا اثر چاند پر بھی ہو گیا ہے۔

خوئے بد را بہانہ ہائے بسیار

بُری عادت والا ضدی آدمی کبھی صحیح بات نہیں مانتا۔ نہ ماننے کے لیے کیا شوشہ چھوڑا کہ اس کے ہاتھ سے اس طرح کے معجزے کیوں نہیں ظاہر ہو رہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے تھے اس سے پہلے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کیا انھوں نے انکار نہیں کیا اس چیز کا جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اس سے پہلے ﴿ قَالُوْا ﴾ کہنے لگے ﴿ سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ﴾ یہ دونوں جادو ہیں ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

لفظ سِحْرٰنِ کی وضاحت

سِحْران سے مراد قرآن پاک اور تورات ہے۔ قرآن بھی جادو ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات ملے تھے وہ بھی جادو تھے معاذ اللہ تعالیٰ۔ یہ قرآن تورات کی تائید کرتا ہے اور تورات قرآن کی تاکید کرتی ہے۔ کیوں کہ مکے والے عربی تھے قرآن پاک کی فصاحت کو مانتے تھے قرآن پاک کے اثر کا تو انکار نہ کر سکے بجائے اس کے کہ اس کے اثر کو حق کا اثر سمجھتے جادو کا اثر کہہ کر ٹال دیا۔ تو ایک تفسیر یہ ہے کہ قرآن پاک کو اور تورات کو کہا کہ یہ جادو ہیں ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں اور یہی تفسیر راجح ہے کیوں کہ اگلی آیت اس کی تائید کرتی ہے ﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ آپ کہہ دیں پس لاؤ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب جو زیادہ ہدایت پر مشتمل ہو تورات اور قرآن سے میں اس کی پیروی کروں گا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ سحران مصدر ہے اور معنیٰ میں ساحران کے ہے۔ پھر معنیٰ یہ ہو گا کہ انھوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں، تائید کرتے ہیں ﴿ وَقَالُوْٓا ﴾ اور کہا انھوں نے ﴿ اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴾ بے شک ہم ہر ایک کا انکار کرتے ہیں نہ قرآن کو مانتے ہیں نہ تورات کو مانتے ہیں۔

قرآن پاک کا اپنی سچائی پر چیلنج

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ آپ کہہ دیں پس لاؤ تم کوئی کتاب مگر اپنی طرف سے نہیں ﴿ مِّنْ

عِنْدِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو﴿ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ ﴾ وہ زیادہ ہدایت والی ہوان دونوں سے۔قرآن سے بھی اور تورات سے بھی ﴿ اَتَّبِعْهُ ﴾ میں اس کی پیروی کروں گا ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ اگر ہوتم سچے تو لے آؤ کوئی کتاب ﴿ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ ﴾ پس اگر یہ قبول نہ کریں آپ کی بات کو آپ کا یہ چیلنج قبول نہ کریں ﴿ فَاعْلَمْ ﴾ پس آپ جان لیں ﴿ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ﴾ پختہ بات ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔یہ چیلنج کب وہ قبول کر سکتے تھے اور کب کوئی کتاب لا سکتا ہے؟

قرآن نے تو فیصلہ سنا دیا کہ ﴿ وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ [بقرۃ:۲۳] "اور اگر ہوتم شک میں اس چیز کے بارے میں جو ہم نے نازل کیا ہے اپنے بندے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پس لاؤ تم ایک سورت چھوٹی سی اس کے مثل اور بلالو اپنے مددگاروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر ہوتم سچے۔" قرآن پاک کی تین سورتیں سب سے چھوٹی ہیں۔سورۃ العصر،سورۃ کوثر،سورۃ نصر۔ہر ایک کی تین تین آیات ہیں تین آیات سے کم کوئی سورۃ نہیں ہے اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں کم از کم تین آیات پڑھنی چاہئیں۔اگر کسی نے تین آیات سے کم قرآن پڑھا تو اس کی رکعت صحیح نہیں ہوگی۔یا ایک آیت لمبی ہو آیَةٌ طَوِیْلَةٌ جیسے تیسرے پارے میں قرآن پاک کی سب سے لمبی آیت ہے ﴿ اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ [بقرۃ:۲۸۲] تو قرآن پاک کے مثل کوئی چھوٹی سی سورت لاؤ ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا ﴾ "پس اگر تم نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے۔" تو محض دعویٰ اور ضد سے تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ تو فرمایا کہ اگر یہ آپ کا چیلنج قبول نہ کریں تو جان لو یہ لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں ﴿ وَ مَنْ اَضَلُّ ﴾ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے ﴿ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ﴾ جو پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی ﴿ بِغَیْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ﴾ بغیر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے۔

خواہشات کو رب تعالیٰ کے احکامات کے مطابق پورا کرو

جس خواہش کے پیچھے رب تعالیٰ کی ہدایت نہ ہو ایسی خواہش کی پیروی کرنے والے سے بڑا گمراہ کون ہے۔رب تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق کون سی خواہش ہوگی؟ دیکھو اللہ تعالیٰ نے خواہشات تو انسان میں پیدا فرمائی ہیں پانی پینے کی خواہش ہے، روٹی کھانے کی خواہش ہے، جنسی خواہشات ہیں اور بہت سی خواہشات ہیں مگر ان خواہشات کو رب تعالیٰ کے احکامات کے مطابق پورا کرو۔رب تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا ﴾ "کھاؤ پیو ﴿ وَ لَا تُسْرِفُوْا ﴾ [اعراف:۳۱] اور اسراف نہ کرو۔" اور جنسی خواہش کو پورا کرو نکاح کے ساتھ ﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ [النساء:۳] "پس تم نکاح کرلو ان سے جو تم کو پسند ہوں عورتوں میں سے۔" تو خواہشات کو شریعت کے حکم کے مطابق پورا کرو۔اور ایسی خواہشات جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر پوری کی جائیں مثلاً: شراب پینا، حرام کھانا، خنزیر کھانا، چوری کرنا، ڈاکا ڈالنا بُرے کام کرنا، ایسی خواہشات کی پیروی کرنے والا سب سے زیادہ گمراہ ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو۔جبراً دے سکتا ہے قادر مطلق ہے

مگر اس کا ضابطہ ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۸] "پس جس کا جی چاہے خوشی سے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے مرضی سے ۔" اللہ تعالیٰ جبر کسی پر نہیں کرتا اتنا ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے ۔ انسان جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دے دیتا ہے ۔ جو سیدھے راستے پر چلنے کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کی توفیق دے دے گا اور جو غلط راستے پر چلنے کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اس کی توفیق دے دے گا ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے لگا تار ملا دیا ان لوگوں کے لیے بات کو وَصَلَ يَصِلُ کا معنیٰ ہے ملنا، وصال مشہور لفظ ہے ۔ اور وَصَّلَ يُوَصِّلُ باب تفعیل ہے اس کا معنیٰ ہے ملانا ۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان لوگوں کے لیے بات ملائی ۔ اصل میں یہ ایک سوال کا جواب ہے ۔

کیا جن جماعتوں کو ہلاک کیا ان کے پاس پیغمبر نہیں آئے ؟

سوال یہ ہے کہ جن جماعتوں کو ہلاک کیا گیا ہے کیا ان کے پاس پیغمبر نہیں آئے وحی نہیں آئی ؟ بس ان کو بے خبری ہی میں ہلاک کر دیا گیا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ ایک پیغمبر آیا اس پر وحی نازل ہوئی پھر دوسرا پیغمبر آیا اس پر وحی نازل ہوئی پھر تیسرا پیغمبر آیا اس پر وحی نازل ہوئی ۔ اب لازمی معنیٰ کرتے ہیں کہ ہم نے ان کے لیے بات بیان کر دی پیغمبر لگا تار آتے رہے حق بیان کرتے رہے یہاں تک کہ آخری پیغمبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام اللہ تعالیٰ اُمت کے کندھوں پر ڈال دیا ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [آل عمران:۱۱۰] "تم سب اُمتوں سے بہتر اُمت ہو تمھیں لوگوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے، تمھارا کام کیا ہے، نیکی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو ۔" الحمد للہ! اس اُمت نے آپ کے دین کی صحیح حفاظت کی ہے ۔ گو لوگوں نے بدعات گھڑی ہیں، رسومات گھڑی ہیں، رواجات میں پڑے ہیں مگر ان تمام خرافات کے باوجود اس وقت بھی اسلام اپنی اصل شکل میں موجود ہے اور قیامت تک رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ کوئی باطل فرقہ اسلام کو گڈمڈ نہیں کر سکتا ۔

تو فرمایا البتہ تحقیق ہم نے لگا تار ملا دیا ان لوگوں کے لیے بات کو ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ وہ لوگ جن کو ہم نے دی کتاب، تورات، زبور، انجیل ﴿مِنْ قَبْلِهٖ﴾ اس قرآن سے پہلے ﴿هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ﴾ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں ۔ جو صحیح معنیٰ میں تورات، انجیل، زبور پر ایمان لاتے ہیں اور اہل انصاف ہیں جیسے عبد اللہ بن سلام، حضرت ثعلبہ، حضرت اسد، حضرت اُسید، حضرت بنیامین رضی اللہ عنہم یہ پہلے یہودی تھے قرآن پاک آیا ان لوگوں نے فوراً حق کو قبول کر لیا ۔ اور حضرت تمیم داری، عدی بن حاتم اور عدی بن بدّاء رضی اللہ عنہم پہلے عیسائی تھے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی عیسائی تھے جس وقت انھوں نے حق کو سنا فوراً قبول کر لیا ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ اور جس وقت ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے قرآن ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ﴾ وہ جو

حق پرست ہیں اہل کتاب میں سے وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے کیوں؟ ﴿اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ﴾ بے شک یہ قرآن حق ہے ہمارے رب کی طرف سے آیا ہے ﴿اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ﴾ بے شک ہم تھے اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے ماننے والے۔ پہلی کتابوں میں ذکر تھا کہ نبی آخرالزمان تشریف لائیں گے ان پر کتاب نازل ہوگی۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۵۷ میں ہے ﴿الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ "یہ وہ نبی ہے جس کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔" تو ان میں سے جو اہل انصاف تھے وہ قرآن پر فوراً ایمان لائے کہ یہ ہمارے رب کی طرف سے ہے ﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ یہی وہ لوگ ہیں ان کو دیا جائے گا اجر دُہرا ﴿بِمَا صَبَرُوْا﴾ بہ سبب اس کے کہ انھوں نے صبر کیا۔ پہلے وہ سابقہ دین پر ایمان رکھتے تھے پھر جب آخری پیغمبر تشریف لائے تو اس پر ایمان لائے اس پر نازل ہونے والی کتاب کو مانا جس کی وجہ سے انہیں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں مگر انھوں نے صبر و استقامت کا دامن نہیں چھوڑا۔ اس لیے یہ لوگ دُہرے اجر کے مستحق ہیں۔

اہل کتاب کے لیے دُہرا اجر

حدیث پاک میں آتا ہے اور قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ بھی اس پر دلالت کر رہی ہے کہ اہل کتاب میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے گا اس کو ڈبل اجر ملے گا۔ اگر کسی نیکی پر دوسروں کو دس نیکیاں ملتی ہیں تو ان کو بیس ملیں گی اگر دوسروں کو سات سو ملتی ہیں تو ان کو چودہ سو ملیں گی۔ فرمایا ﴿وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ﴾ اور ٹالتے ہیں اچھائی کے ساتھ برائی کو وہ برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ نہیں دیتے بھلائی کے ساتھ دیتے ہیں۔ کوئی ان کو گالیاں دیتا ہے تو وہ ان کو دعائیں دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ پروردگار ان گالیوں کو ہمارے گناہوں کا کفارہ بنادے اور اے گالی دینے والے اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت عطا فرمائے۔ اور ان میں یہ خوبی بھی ہے ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ اور اس میں سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔

﴿وَاِذَا سَمِعُوا﴾ اور جس وقت وہ سنتے ہیں ﴿اللَّغْوَ﴾ بے ہودہ چیز ﴿اَعْرَضُوْا عَنْهُ﴾ تو اعراض کرتے ہیں اس سے ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہتے ہیں ﴿لَنَاۤ اَعْمَالُنَا﴾ ہمارے لیے ہمارے اعمال ﴿وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ اور تمھارے لیے تمھارے اعمال ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ سلامتی ہو تم پر ﴿لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ﴾ ہم نہیں الجھتے جاہلوں کے ساتھ ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ﴾ بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے ﴿مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ جس کے ساتھ آپ کی محبت ہے ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے ﴿مَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کو چاہتا ہے ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے

﴿بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ ہدایت پانے والوں کو ﴿وَ قَالُوْٓا﴾ اور انھوں نے کہا ﴿اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى﴾ اگر ہم پیروی کریں ہدایت کی ﴿مَعَكَ﴾ آپ کے ساتھ ﴿نُتَخَطَّفْ﴾ ہم اُچک لیے جائیں ﴿مِنْ اَرْضِنَا﴾ اپنی زمین سے ﴿اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ﴾ کیا اور ہم نے قدرت نہیں دی ان کو ﴿حَرَمًا﴾ حرم میں ﴿اٰمِنًا﴾ جو امن والا ہے ﴿يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ﴾ کھینچ کر لائے جاتے ہیں اس کی طرف ﴿ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز کا پھل ﴿رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا﴾ رزق ہماری طرف سے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر ان کے نہیں جانتے ﴿وَ كَمْ اَهْلَكْنَا﴾ اور کتنی ہلاک کیں ہم نے ﴿مِنْ قَرْيَةٍ﴾ بستیاں ﴿بَطِرَتْ﴾ جو اِترا گئی تھیں ﴿مَعِيْشَتَهَا﴾ اپنی زندگی میں ﴿فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ﴾ پس یہ ان کے مکانات ہیں ﴿لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ﴾ نہیں بسائے گئے ان کے بعد ﴿اِلَّا قَلِيْلًا﴾ مگر بہت تھوڑے ﴿وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ اور ہم ہی وارث ہیں ﴿وَ مَا كَانَ رَبُّكَ﴾ اور نہیں ہے آپ کا رب ﴿مُهْلِكَ الْقُرٰى﴾ بستیوں کو ہلاک کرنے والا ﴿حَتّٰى يَبْعَثَ﴾ یہاں تک کہ بھیج دے ﴿فِيْٓ اُمِّهَا﴾ ان بستیوں کی مرکزی بستی میں ﴿رَسُوْلًا﴾ رسول ﴿يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا﴾ جو تلاوت کرے ان پر ہماری آیتیں ﴿وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى﴾ اور نہیں ہیں ہم ہلاک کرنے والے بستیوں کو ﴿اِلَّا﴾ مگر ﴿وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ﴾ اس حال میں کہ ان کے باشندے ظالم ہوتے ہیں ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ اور جو چیز تم کو دی گئی ہے ﴿فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ پس یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے ﴿وَ زِيْنَتُهَا﴾ اور دنیا کی زینت ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اور وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿خَيْرٌ﴾ بہت بہتر ہے ﴿وَّ اَبْقٰى﴾ اور بہت پائیدار ہے ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس تم نہیں سمجھتے۔

نیک دل اہل کتاب کی تیسری خوبی:

اس سے پہلے ان نیک دل اہل کتاب کا ذکر تھا کہ جو قرآن پاک پر بھی ایمان لائے ہیں اور ان کی خوبیاں بیان فرمائیں کہ وہ لوگ برائی کا بدلہ بھلائی کے ساتھ ٹالتے ہیں۔ دوسری خوبی یہ بیان فرمائی کہ ہم نے جو ان کو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ان کی تیسری خوبی کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ﴾ اور جب وہ سنتے ہیں بے ہودہ چیز ﴿اَعْرَضُوْا عَنْهُ﴾ تو اس سے اعراض کرتے ہیں۔ بے ہودہ چیز کسے کہتے ہیں؟ تو اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو شریعت کے خلاف ہو وہ بیہودہ ہے۔ شریعت کے خلاف کوئی بات کرے تو وہ نہیں سنتے اعراض کرتے ہیں۔ اور ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ اگر ان کو کوئی گالی دے بُرا بھلا کہے تو وہ اس کا جواب نہیں دیتے معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اگر یہ بھی اسی طرح کا جواب دیں تو پھر ان میں اور گالی دینے والے میں کوئی فرق نہیں رہے گا اور یہ بات قرآن پاک سے ثابت ہے۔ مشرک کافر منہ پھٹ قسم کے لوگ

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے سامنے ان کو کہتے تھے کہ تم شاعر ہو، پاگل ہو، ساحر ہو، کذاب ہو، مفتری ہو، تم پر جادو کیا ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا کہ مجھے پاگل کہنے والو تم خود پاگل ہو تم خود جھوٹے ہو۔

تو فرمایا کہ جب وہ بے ہودہ بات کو سنتے ہیں تو اس کا جواب نہیں دیتے ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہتے ہیں ﴿لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمھارے لیے تمھارے اعمال۔ جھگڑنے کی کیا ضرورت ہے ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ سلامتی ہو تم پر ہم تمھیں گالیاں نہیں دیں گے تمھاری کسی خیانت کا جواب نہیں دیں گے۔ کیوں؟ ﴿لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ﴾ ہم نہیں الجھتے جاہلوں کے ساتھ۔ جاہل کی مثال باؤلے کتے کی ہے۔ اب اگر کتا کسی کو کاٹ لے تو وہ یہ کہے کہ میں نے بدلہ لینا ہے اور سارا دن کتے کی تلاش میں پھرتا رہے یہ کوئی انسانیت ہے۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں

آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہدایت رب تعالیٰ کے قبضے میں ہے مخلوق میں سے کسی کے پاس ہدایت نہیں ہے چاہے وہ کتنی بڑی ہستی ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی ہستی نہیں ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خدمت گار چچا عبد مناف ابو طالب اس کی کنیت تھی کو ہدایت نہیں دے سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال کی تھی یا بارہ سال کی تھی تاریخ میں اختلاف ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان کا انتقال ہوا ہے بعض تاریخ کی کتابیں آٹھ سال بتاتی ہیں اور بعض بارہ سال بتاتی ہیں بارہ سال کی عمر سے لے کر پچاس سال کی عمر تک ابو طالب نے جس انداز سے آپ کی خدمت کی ہے تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی کہ کسی چچا نے نظریات کے اختلاف کے باوجود اتنی خدمت کی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قلبی طور پر چاہتے تھے کہ میرے چچا کو ایمان نصیب ہو جائے مگر ان کے جو ساتھی تھے وہ قبیلے کے بڑے سرکردہ لوگ تھے۔ ابوجہل، عتبہ، شیبہ ولید بن عتبہ، ولید بن مغیرہ۔ یہ ان کی سوسائٹی سے نکل نہیں سکے۔ بُرا ساتھ بھی بُرا ہوتا ہے، بُری مجلس بھی بُری مجلس ہوتی ہے۔

بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ ابو طالب بیمار ہوا بظاہر نظر آ رہا تھا کہ بچنا مشکل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ابوجہل، ابن قمیہ وغیرہ بھی وہیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ یہ لوگ اُٹھ کر چلے جائیں تو میں کچھ کہوں۔ ابوجہل بڑا تیز طرار آدمی تھا اس کو معلوم تھا کہ اس نے مرتے ہوئے بھی چچا کو کلمہ پڑھانے کی کوشش کرنی ہے، نہیں اُٹھا سارے کام چھوڑ کر بیٹھا رہا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے فرمایا: يَا عَمِّي قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ "چچا جی کلمہ پڑھ لیں۔" تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ کہنے والا ہو جاؤں۔ ابو طالب نے اس وقت ایک لمبا چوڑا قصیدہ بھی پڑھا اور بخاری شریف میں یہ لفظ آتے ہیں کہ اگر مجھے اپنے گروہ سے عار کا خیال نہ ہو تو اَقْرَرْتُ عَيْنَيْكَ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا مگر میرے ساتھی کہیں گے کہ مرتے وقت ہمارے ساتھ غداری کی ہے۔

حافظ ابن کثیر وغیرہ نے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِيْنَ مُحَمَّدٍ مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ "میں جانتا

ہوں کہ محمد ﷺ کا دین تمام دینوں سے اچھا ہے۔" مگر مجھے اس سے شرم آتی ہے کہ میری برادری میرے ساتھی کہیں گے کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ گیا۔ جس وقت یہ لفظ کہے لَا قُرَّتْ عَیْنَیْكَ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا، ابوجہل یہ سمجھا کہ یہ تو نرم ہو گیا ہے تو یہ لفظ کہے یَا غُدَرُ اَتَتْرُكُ مِلَّةَ اَبِیْكَ "اے غدار! مرتے وقت اپنے باپ کا دین چھوڑنا چاہتا ہے ہمارے ساتھ بات کرو اور اپنی طرف کھینچا۔" بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے اَبٰی اَنْ یَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه "لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔" اس کے بعد آپ ﷺ وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہا حضرت! اِنَّ عَمَّكَ الشَّیْخَ الضَّالَّ قَدْ مَاتَ "بے شک آپ کا چچا بوڑھا گمراہ مر گیا ہے مجھے بتلاؤ میں کیا کروں۔" کفن، قبر، دفن ان میں شرکت کروں یا نہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اِذْهَبْ فَوَارِ اَبَاكَ "جاؤ اپنے باپ کو دفن کرو۔" لیکن آنحضرت ﷺ نے شرکت نہیں کی۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ ﴾ بے شک آپ اے محمد ﷺ! ہدایت نہیں دے سکتے ﴿ مَنْ ﴾ اس کو ﴿ اَحْبَبْتَ ﴾ جس کے ساتھ آپ کی محبت ہے۔ ہدایت دینا آپ کا کام نہیں ہے ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ وہ ہدایت کس کو دیتا ہے؟ ﴿ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ ﴾ [رعد: ۲۷] "اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے۔" اور دوسری جگہ ﴿ مَنْ یُّنِیْبُ ﴾ کے لفظ ہیں جو اس کی طرف رجوع کرے گا۔ [شوریٰ: ۱۳]۔ طالب کو ہدایت دیتا ہے زبردستی کسی کو ہدایت نہیں دیتا۔ ﴿ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت حاصل کرنے والوں کو۔ ﴿ وَقَالُوْٓا ﴾ اور کہا مکے کے مشرکوں نے بات ٹالنے کے لیے ﴿ اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰی مَعَكَ ﴾ اگر ہم پیروی کریں ہدایت کی جو آپ کے پاس ہے آپ جو ہدایت لے کر آئے ہیں اس کی پیروی کرتے ہیں ﴿ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ﴾ تو ہم اُچک لیے جائیں گے اپنی زمین سے۔ آپ سچے ہیں آپ کا رستہ صحیح ہے مگر ہمیں یہ خدشہ ہے کہ اگر ہم آپ کی پیروی کرتے ہیں تو لوگ ہمیں اُٹھا کر لے جائیں گے اور قتل کر دیں گے۔ یہ انھوں نے شوشہ چھوڑا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا ﴾ کیا ہم نے ان کو قدرت نہیں دی حرم میں ان کو ٹھکانا نہیں دیا جو امن والا ہے۔

مقامِ حرم

حرم کی حدود میں لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی قتل و غارت، لڑائی جھگڑا، چوری، ڈاکا، بدمعاشی سے سختی کے ساتھ گریز کرتے تھے۔ حرم کی برکت سے ان کو بھی کوئی خطرہ نہیں ہوتا تھا۔ یہاں کون کسی کو چھیڑے گا اور یہ حرم وہ ہے ﴿ یُّجْبٰٓی اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ کھینچ کر لائے جاتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل۔ ہر قسم کے پھل وہاں پہنچائے جاتے ہیں ﴿ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا ﴾ رزق ہماری طرف سے۔ مکہ مکرمہ میں خوراک اور پھلوں کی فراوانی اُس دور میں بھی اسی طرح ہوتی تھی جس دور میں موجودہ اسباب نہیں تھے۔ آج تو خیر بڑے اسباب ہیں دور دراز سے پھل وغیرہ پہنچتے ہیں لاکھوں کی تعداد میں حجاج ہوتے ہیں ہر

ایک کی ضرورت پوری ہوتی ہے بلکہ وہ تھوڑی چیز تو دیتے بھی نہیں آپ کسی دکان دار سے کہیں مجھے ایک کیلا دے دے، ایک سنگترہ دے دو، ایک مسمی دے دو، نہیں دے گا۔ کلو آدھا کلو دے گا کم پر اصرار کرو تو کہتے ہیں یلاّ بھاگ جا۔ پھر ہر ملک کا اور ہر قسم کا پھل وہاں موجود ہوتا ہے۔

تو فرمایا کہ ہر قسم کا پھل وہاں پہنچتا ہے۔ شہر امن والا ہے خطرہ کس بات کا ہے؟ مگر خاموش تو دنیا میں کوئی نہیں رہتا۔ تو یہ ان کا بہانہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی ہدایت پر ہیں ہم اس ہدایت کو قبول کر لیتے مگر ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہمارے مخالف ہمیں یہاں سے اُٹھا کر ماردیں گے رب تعالیٰ نے جواب دیا کہ غلط بات ہے رب تعالیٰ تمھیں ہر قسم کا پھل پہنچاتا ہے اور امن والے شہر میں تمھیں ٹھکانا دیا ہے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر ان کے نہیں جانتے۔ نہ جاننے کا مطلب یہ ہے کہ مانتے نہیں ہیں۔ عقل تو رب تعالیٰ نے سب کو دی ہے اگر کوئی خوشی سے نہ مانے تو رب تعالیٰ زبردستی نہیں منواتا ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ﴾ اور کتنی ہم نے ہلاک کیں بستیاں ﴿بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا﴾ جو اترا گئیں اپنی معیشت پر تکبر میں آ گئی تھیں اپنی زندگی میں۔ انسان کو انسان نہیں سمجھتے تھے ہم نے ان بستیوں کو تباہ کر دیا ﴿فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ پس یہ ان کے مکانات ہیں نہیں بسائے گئے ان کے بعد مگر بہت تھوڑے۔ اس وقت بھی حجر کے علاقے میں جہاں ثمود قوم رہتی تھی اور ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے چٹانوں میں بنے ہوئے بڑے بڑے مکانات موجود ہیں لیکن ان میں بسنے والا کوئی نہیں ہے۔

ہمارے کچھ ساتھی مدینہ یونیورسٹی میں پڑھتے رہے۔ مولوی عقیل صاحب نصرۃ العلوم میں مدرس بھی رہے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ہم نے ارادہ کیا حجر کے علاقہ کو دیکھنے کا۔ ہم وہاں پہنچے تو ایک چرواہے نے ہمیں دیکھ کر کہا کہ تم کہاں جانا چاہتے ہو؟ ہم نے کہا کہ حجر کا علاقہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا: لَا تَذْهَبُوْا لَا تَذْهَبُوْا " وہاں نہ جاؤ، نہ جاؤ هِنَا هَلَاكٌ وہاں خدا کا عذاب آیا تھا۔" کہتے ہیں ہم وہاں پہنچے۔ دو سو چٹانوں میں ہم نے مکان بنے ہوئے دیکھے لیکن وہاں رہنے والا کوئی نہیں ہے۔

﴿وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ اور ہم ہی وارث ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے ہلاک کرنے کا ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ہم کب ہلاک کرتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا﴾ اور نہیں ہے آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا یہاں تک کہ بھیجتا ہے مرکزی بستی میں رسول۔ اُمّ کے معنیٰ ماں کے ہیں۔ ماں اولاد کے لیے منبع ہوتی ہیں تو مراد مرکزی بستی ہے ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا﴾ پڑھ کر سنائے ان کو ہماری آیتیں تاکہ وہ بے خبری میں نہ رہیں۔ یہ سلسلہ نبوت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک چلتا رہا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی نبوت ختم کر دی اور فرمایا ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [احزاب: ۴۰] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فرمایا ﴿وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ﴾ اور نہیں ہیں ہم ہلاک کرنے والے بستیوں کو مگر اس حال میں کہ اس کے باشندے ظالم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہلاک کرتا ہے مگر انسان کا مزاج اور طبیعت ہے کہ اپنی غلطی کو

تسلیم نہیں کرتا۔

پچھلے دنوں راولپنڈی والوں پر قلتِ ماء کا عذاب آیا پانی کو ترس گئے اور اب پانی اتنا زیادہ آیا کہ اس کو سنبھال نہیں سکتے آدمی اس میں مر رہے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے مگر لوگ ٹس سے مس نہیں ہوتے کہ تسلیم کریں کہ ہمارا بھی کوئی قصور ہے۔ ہاں اگر زیادہ تنگ ہو جائیں تو اذانیں دینا شروع کر دیتے ہیں وہ بھی ظاہری طور پر اندر کا انقلاب نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے دنیا پر غرور کرنے والو! ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ جو چیز بھی تمھیں دی گئی ہے کسی شے سے دنیاوی چیزوں میں سے ﴿فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ پس یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے ﴿وَزِيْنَتُهَا﴾ اور یہ دنیا کی زینت ہے۔ کیا مکان، کوٹھیاں، باغات، کارخانے، دکانیں، سواریاں، یہ سب دنیا کی چیزیں ہیں اور یاد رکھو! ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں جنت میں وہ بہتر ہیں اور بہت پائیدار ہیں (دائمی ہیں۔) دنیا کی کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس تم نہیں سمجھتے کیا فرق ہے پائیدار اور ناپائیدار میں۔ اچھی اور بری کا فرق نہیں سمجھتے۔ دنیا میں غافل ہو کر نہ رہو آخرت کی فکر کرو۔ رب تعالیٰ سب کو فکرِ آخرت نصیب فرمائے۔

﴿اَفَمَنْ﴾ کیا پس وہ شخص ﴿وَّعَدْنٰهُ﴾ جس کے ساتھ ہم نے وعدہ کیا ہے ﴿وَعْدًا حَسَنًا﴾ وعدہ اچھا ﴿فَهُوَ لَاقِيْهِ﴾ پس وہ اس وعدے کو ملنے والا ہے ﴿كَمَنْ﴾ یہ اس شخص کی طرح ہو جائے گا ﴿مَّتَّعْنٰهُ﴾ جس کو ہم نے فائدہ پہنچایا ہے ﴿مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ فائدہ دنیا کی زندگی کا ﴿ثُمَّ هُوَ﴾ پھر وہ ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ﴾ ان لوگوں میں سے ہوگا جو حاضر کیے جائیں گے دوزخ میں ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ﴾ اور جس دن پکارے گا ان کو اللہ تعالیٰ ﴿فَيَقُوْلُ﴾ پس وہ فرمائے گا ﴿اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ﴾ کہاں ہیں میرے وہ شریک ﴿كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے ﴿قَالَ الَّذِيْنَ﴾ کہیں گے وہ لوگ ﴿حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ﴾ جن پر لازم ہو چکی ہو گی بات ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب! ﴿هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں ﴿اَغْوَيْنَا﴾ جن کو ہم نے گمراہ کیا ﴿اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا﴾ ہم نے ان کو گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے ﴿تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ﴾ ہم بے زاری کا اعلان کرتے ہیں آپ کے سامنے ﴿مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ﴾ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ﴿وَقِيْلَ﴾ اور کہا جائے گا ﴿ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ﴾ بلاؤ اپنے شریکوں کو ﴿فَدَعَوْهُمْ﴾ پس وہ ان کو بلائیں گے ﴿فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ﴾ پس وہ قبول نہیں کریں گے ان کی پکار کو ﴿وَرَاَوُا الْعَذَابَ﴾ اور وہ دیکھیں گے عذاب کو ﴿لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ﴾ کاش کہ وہ ہدایت یافتہ ہوتے ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا

﴿فَیَقُوْلُ﴾ پھر فرمائے گا ﴿مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ کیا جواب دیا تم نے بھیجے ہوؤں کو ﴿فَعَمِیَتْ عَلَیْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ﴾ پس تاریک ہو جائیں گی ان پر خبریں ﴿یَوْمَىٕذٍ﴾ اس دن ﴿فَهُمْ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ﴾ پس وہ ایک دوسرے سے نہیں پوچھ سکیں گے ﴿فَاَمَّا مَنْ تَابَ﴾ پس بہرحال وہ جس نے توبہ کی ﴿وَاٰمَنَ﴾ اور ایمان لایا ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور عمل کیا اچھا ﴿فَعَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ﴾ پس قریب ہے کہ یہ ہوگا فلاح پانے والوں میں سے ﴿وَرَبُّكَ یَخْلُقُ﴾ اور آپ کا رب ہی پیدا کرتا ہے ﴿مَا یَشَآءُ﴾ جو چاہے ﴿وَیَخْتَارُ﴾ اور وہی اختیار رکھتا ہے ﴿مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ﴾ نہیں ہے ان لوگوں کے لیے کوئی ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ﴿وَتَعٰلٰى﴾ اور بلند ہے ﴿عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ اس چیز سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رضا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے

اس سے پہلی آیت میں فرمایا ﴿وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ اور جو کچھ تمھیں دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا سامان اور دنیا کی زینت ہے ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت بہتر ہے اور پائیدار ہے ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ فانی اور عارضی شے کیا ہوتی ہے اور پائیدار اور دائمی شے کیا ہوتی ہے۔ اور یہ بات بھی سمجھ لو ﴿اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا﴾ کیا پس وہ شخص جس کے ساتھ ہم نے وعدہ کیا ہے اچھا وعدہ کہ جو شخص ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرے حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھے تو ایسے شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے رضا کا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا اور اس کو جنت میں داخل کرے گا ﴿فَهُوَ لَاقِیْهِ﴾ پس وہ شخص اس اچھے وعدے کو ملنے والا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر وعدے کو پورا کرنے والا اور کون ہے؟ تو کیا یہ شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے ﴿كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ﴾ اس شخص کی مثل ہو سکتا ہے کہ ہم نے اس کو فائدہ دیا ﴿مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ فائدہ دنیا کی زندگی کا۔ دنیا کی زندگی کا سامان دیا ﴿ثُمَّ هُوَ﴾ پھر وہ ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ﴾ قیامت والے دن ان لوگوں میں سے ہوگا جو قیامت والے دن گرفتار کر کے حاضر کیے جائیں گے دوزخ میں۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

دُنیا کی زندگی ایک افسانہ

دنیا کی زندگی افسانے کی طرح بے حقیقت ہے۔ مجرم کی عیش و عشرت اور موج میلے کو تم اس مثال سے سمجھو کہ ایک آدمی مجرم ہے چور، ڈاکو، قاتل ہے پولیس اس کو گرفتار کرنے کے لیے اس کو تلاش کر رہی ہے چھاپے مار رہی ہے وہ رات کو سویا اور اس نے خواب دیکھا کہ وہ بادشاہ بن گیا ہے اور تخت پر بیٹھا ہے اور شاہی تاج اس کے سر پر رکھا ہوا ہے اور نوکر چاکر اس کے آگے پیچھے پھر رہے ہیں عمدہ قسم کے کھانے اس کو مل رہے ہیں اسی عالم عشرت میں یک دم اس کی آنکھ کھلی اور اس نے دیکھا کہ پولیس سر

پر کھڑی ہے وہ گرفتار کر کے لے گئے اور چھترول شروع کر دی۔ تو اس کے خواب کی کیا حیثیت ہوگی؟ یہی حال ہے اس آدمی کا کہ وہ مجرم ہے خدا کا نافرمان ہے کفر وشرک میں مبتلا ہے دنیا میں ہر طرح کی راحت اس کو حاصل ہے تو یہ اس کا خواب سمجھو۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے گرفتار ہو کر جہنم میں ہوگا۔ ہاں مومن ہے عقیدہ صحیح ہے اعمال درست ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اور وہ مال کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق خرچ کرتا ہے پیغمبر علیہ السلام کی پیروی میں خرچ کرتا ہے، حج کرتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، قربانی کرتا ہے، فطرانہ ادا کرتا ہے، مجاہدین کی خدمت کرتا ہے تو یہ دولت نور علیٰ نور ہوگی۔ اور نافرمان کے لیے ذلت اور رسوائی کا باعث بنے گی۔

مشرکوں کی ذلت اور رسوائی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا۔ میدان محشر برپا ہوگا اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت لگی ہوگی حدیث پاک میں آتا ہے یہ آواز قریب والے بھی سنیں گے اور دور والے بھی سنیں گے سب کو سنائی دے گی ﴿فَيَقُولُ﴾ پس رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ﴾ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے۔ اپنے گمان کے مطابق تم نے میرے شریک بنائے ہوئے تھے۔ حقیقت میں تو میرا کوئی شریک نہیں تھا تمھارے گمان کے مطابق جو میرے شریک تھے وہ کہاں ہیں لاؤ ان کو تم ہمارے سامنے ﴿قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ﴾ کہیں گے وہ لوگ جن پر لازم ہو چکی ہوگی یہ بات۔ وہ کہیں گے جنھوں نے گمراہ کیا ﴿رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا ﴿أَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا﴾ ان کو گمراہ ہم نے ایسے ہی کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے۔ لیکن اے پروردگار! ﴿تَبَرَّأْنَآ إِلَيْكَ﴾ ہم آپ کے سامنے بے زاری کا اعلان کرتے ہیں ﴿مَا كَانُوٓا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ﴾ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔

تو خود اقرار کریں گے کہ ہم خود بھی گمراہ تھے اور ان کو بھی گمراہ کیا۔ اور سورۃ سبا آیت نمبر ۳۱-۳۲ میں ہے ﴿يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَآ أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ﴾ "کہیں گے وہ لوگ جو کمزور سمجھے جاتے تھے ان لوگوں سے جنھوں نے تکبر کیا اگر تم نہ ہوتے تو البتہ ہم ہوتے ایمان داروں میں سے۔" کہیں گے وہ لوگ جو بڑائی کرنے والے تھے ان لوگوں سے جو کمزور سمجھے جاتے تھے ﴿أَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى﴾ "کیا ہم نے تمھیں روکا تھا ہدایت سے ﴿بَعْدَ إِذْ جَآءَكُمْ﴾ بعد اس کے کہ وہ تمھارے پاس آ چکی تھی ﴿بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِينَ﴾ بلکہ تم خود مجرم تھے۔" اور سورہ اعراف آیت نمبر ۳۸ میں ہے ﴿رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ أَضَلُّونَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ﴾ "اے ہمارے رب! انھوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا ان کو دگنا عذاب دے۔" یہ ان کی نوک جھوک آپس میں ہوتی رہے گی ﴿وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَآءَكُمْ﴾ اور کہا جائے گا بلاؤ اپنے شریکوں کو جن کو تم دنیا میں مشکل کشا، حاجت روا، فریاد رس سمجھ کر پکارتے تھے، دست گیر سمجھ کر پکارتے تھے پکارو ان کو ﴿فَدَعَوْهُمْ﴾ پس وہ ان کو پکاریں گے ﴿فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ﴾ پس وہ قبول نہیں کریں گے ان کی پکار کو پس وہ ان کو جواب نہیں دے سکیں گے وہ ان کے کام نہیں آئیں

گے ان کی مدد نہیں کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کیا اختیار ہے؟ نہ دنیا میں کوئی کسی کی مشکل کشائی کر سکتا ہے اور نہ آخرت میں کر سکے گا۔

﴿وَرَاَوُا الْعَذَابَ﴾ اور وہ دیکھیں گے عذاب کو سامنے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کھڑے ہوں گے اور دوزخ کا عذاب سامنے نظر آئے گا اس وقت کہیں گے ﴿لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ﴾ کاش کہ وہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ دنیا میں ہمیں ہدایت نصیب ہوتی مگر اس وقت افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیوں کہ وہ دار الجزاء ہے، بدلے کا دن ہے، وہاں نیکی اور بدی کا بدلہ ملے گا، مجرم بڑی منت سماجت کریں گے، کہیں گے اے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھیج دے ہم اچھے کام کریں گے لیکن اس وقت ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔

﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا آواز دے گا ﴿فَيَقُوْلُ﴾ پس فرمائے گا ﴿مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ یہ بتلاؤ کہ کیا جواب دیا تم نے بھیجے ہوئے رسولوں کو۔ پہلے توحید کے متعلق سوال ہوگا تم نے جو میرے شریک بنائے تھے وہ کہاں ہیں؟ پھر رسالت کے بارے میں سوال ہوگا کہ تم نے میرے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا؟ ﴿فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ﴾ پس مشتبہ ہو جائیں گی ان پر خبریں، تاریک ہو جائیں گی ان پر خبریں ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ پس وہ ایک دوسرے سے پوچھ نہیں سکیں گے۔ اس دنیا کے امتحانی نظام میں نقل بھی ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے سوالات کے جوابات بھی پوچھ لیے جاتے ہیں لیکن وہاں رب تعالیٰ کی اتنی دہشت ہوگی کہ کوئی کسی سے کچھ نہیں پوچھ سکے گا کہ میں اس کا کیا جواب دوں۔ کسی موقع پر کہیں گے مَا جَآءَنَا مِنْ نَّذِيْرٍ "ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔" اور کسی موقع پر کہیں گے ڈرانے والے تو ہمارے پاس آئے تھے لیکن ﴿رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ﴾ [مومنون: ۱۰۶] "ہم پر غالب آئی ہماری بدبختی اور تھے ہم لوگ گمراہ۔" مختلف حیلے بہانے کریں گے لیکن سب بے کار ہوں گے کیوں کہ دنیا میں ان کو سمجھانے میں کسی قسم کی کمی نہیں کی گئی لیکن ان لوگوں نے تسلیم کرنے کے بجائے اُلٹا حق کا مقابلہ کیا۔

مشرک رب تعالیٰ کی عدالت میں بھی جھوٹ بولیں گے

قرآن کریم کے بیان کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو سمجھایا لیکن ان کی قوم بھی انکار کر دے گی کہ ہمیں انھوں نے تبلیغ نہیں کی۔ چنانچہ قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اُمت کو بلائیں گے حساب کے لیے حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھیں گے هَلْ بَلَّغْتَ قَوْمَكَ "کیا آپ نے قوم کو تبلیغ کی تھی؟" نوح علیہ السلام عرض کریں گے اے پروردگار! میں نے قوم کو تبلیغ کی تھی۔ قوم سے پوچھا جائے گا هَلْ بَلَّغَكُمْ نُوْحٌ "کیا نوح علیہ السلام نے تمھیں میرے احکام پہنچائے تھے؟" کہیں گے ہمارے پاس کوئی آیا ہی نہیں۔ اتنے جھوٹے کہ رب تعالیٰ کی سچی عدالت میں کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی آیا ہی نہیں۔ حالاں کہ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی ہے۔ ضابطے کے مطابق

اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ گواہ پیش کرو اپنے دعوے پر کیوں کہ گواہ مدعی کے ذمہ ہوتے ہیں اگر مدعی گواہ نہ پیش کر سکے تو مدعا علیہ کو قسم اُٹھانا پڑتی ہے۔

تو نوح علیہ السلام کی پوزیشن مدعی کی ہوگی کہ میں نے تبلیغ کی ہے اور وہ لوگ انکار کریں گے کہ ہمیں تبلیغ نہیں کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کو فرمائیں گے مَنۡ یَّشۡهَدُ لَكَ "آپ کا گواہ کون ہے؟" نوح علیہ السلام عرض کریں گے میرا گواہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت ہے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو بلائیں گے کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی ہے میری توحید ان کو سمجھائی ہے؟ وہ لوگ کہیں گے پروردگار! یہ لوگ ہمارے خلاف گواہی کس طرح دے سکتے ہیں کیوں کہ یہ تو موقع پر موجود ہی نہیں تھے یہ تو ہزاروں سال بعد میں آئے ہیں گواہ تو موقع پر موجود ہوتا ہے؟

ہر گواہی کے لیے موقع پر ہونا ضروری نہیں

رب تعالیٰ فرمائیں گے سنتے ہو دوسرا فریق کیا کہہ رہا ہے۔ یہ اُمت کہے گی اے پروردگار! ہم وہاں یقیناً موجود نہیں تھے لیکن اے پروردگار! اگر آپ سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں تو ہماری گواہی بھی سچی ہے۔ اے پروردگار! اگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں تو پھر ہماری گواہی بھی سچی ہے کیوں کہ اے پروردگار! آپ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے ﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ﴾ [اعراف: ۵۹] "بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر ان کی قوم کی طرف اور کہا انھوں نے اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔" اور آپ کے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بَلَّغَ نُوۡحٌ قَوۡمَهٗ "نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو حق پہنچایا۔" اے پروردگار! آپ سچے، آپ کا کلام سچا، آپ کا پیغمبر سچا، لہٰذا ہماری گواہی بھی سچی اور یاد رکھنا! کہ ہر بات کی گواہی کے لیے موقع پر ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔ فقہائے کرام نے یہ بات بہت سی مثالیں دے کر سمجھائی ہے۔ مثلاً:

عام لوگوں میں مشہور ہے کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے تو آپ اس کے متعلق عدالت میں جا کر گواہی دے سکتے ہیں کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے حالاں کہ جس وقت وہ پیدا ہوا تھا اس وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ اسی طرح ایک آدمی کا ایک عورت کے ساتھ نکاح ہوا ہے اور لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ فلاں کا فلاں کے ساتھ نکاح ہو گیا ہے تو یہ سننے والا آدمی عدالت میں جا کر گواہی دے سکتا ہے کہ فلاں کا فلاں کے ساتھ نکاح ہوا ہے بے شک یہ مجلس میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح کوئی آدمی فوت ہو گیا اور اس کی وفات لوگوں میں مشہور ہو گئی اگر عدالت کو ضرورت پیش آئے تو گواہی دے سکتا ہے کہ فلاں آدمی فوت ہو گیا ہے بے شک یہ موقع پر موجود بھی نہ ہو اور جنازے میں بھی شریک نہ ہوا ہو۔ البتہ ثقہ اور معتبر ذرائع سے خبر کا پہنچنا ضروری ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت نوح علیہ السلام کے حق میں گواہی دے گی اور فیصلہ ہوگا۔

تو اس دن مشرکوں پر تاریکی چھا جائے گی وہ ایک دوسرے سے پوچھ بھی نہیں سکیں گے کہ رب تعالیٰ کو کیا جواب دینا

ہے ہاں توبہ کا دروازہ کھلا ہے ﴿فَاَمَّا مَنْ تَابَ﴾ پس بہر حال جس نے توبہ کی ﴿وَاٰمَنَ﴾ اور ایمان لایا ﴿وَ عَمِلَ صَالِحًا﴾ اور اچھے کام کیے ﴿فَعَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ﴾ پس قریب ہے کہ وہ ہوگا فلاح پانے والوں میں سے۔ ہر آدمی گنہگار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے گناہ پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے سے وہ کبیرہ بن جاتا ہے۔ ہر وقت آدمی سمجھے کہ میں گنہگار ہوں اور توبہ کرتا رہے۔ مومن کی علامت یہ ہے کہ ﴿وَ لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا﴾ [آل عمران: ۱۳۵] "اور وہ اصرار نہیں کرتے اس پر جو انھوں نے کیا ہے۔"

رب تعالیٰ کے اختیارات کسی کے پاس نہیں ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ رَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ﴾ اور آپ ہی کا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں ہے ﴿وَ یَخْتَارُ﴾ اور اختیار بھی اسی کا ہے ﴿مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ﴾ نہیں ہے ان لوگوں کے لیے اختیار۔ خدائی اختیارات میں سے کوئی اختیار مخلوق کے پاس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات کسی کو نہیں دیئے۔ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے اللہ تعالیٰ نے اعلان کروایا ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا﴾ [اعراف: ۱۸۸] "میں نہیں مالک اپنے نفس کے لیے کسی نفع نقصان کا۔" اور فرمایا کہ یہ اعلان بھی کر کے ان کو سنا دیں ﴿قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا﴾ [الجن: ۲۱] "اے لوگو! سن لو میں تمھارے نقصان اور نفع کا بھی مالک نہیں ہوں۔" اگر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کے پاس خدائی اختیارات ہوتے تو آنحضرت ﷺ کے پاس ہوتے جب آپ ﷺ کے پاس خدائی اختیارات نہیں ہیں تو اور کسی کے پاس کس طرح ہو سکتے ہیں مگر ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ آج بھی لاؤڈ سپیکر پر پڑھا جاتا ہے الصّلوٰۃ والسلام علی مختارِ الله. اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔

کوئی معمولی آدمی بات کرے تو اس کی بات کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی اور اگر باحیثیت آدمی بات کرے تو اس کی بات کی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ بات احمد رضا خان بریلوی نے لکھی ہے جس کو ان لوگوں نے اماموں کے برابر کھڑا کیا ہوا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "اَلْاَمْنُ وَالْعُلٰی" میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اختیارات آنحضرت ﷺ کو دے دیئے ہیں (اب اللہ تعالیٰ فارغ ہیں) اور آنحضرت ﷺ نے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو دے دیئے ہیں۔ ؎

احد سے احمد کو اور احمد سے تجھ کو
سب کن مکن حاصل ہے یا غوث

احد اللہ تعالیٰ کی ذات نے احمد ﷺ کو اختیارات دے دیے اور احمد ﷺ نے کن مکن کے سب اختیارات سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو دے دیئے۔ اور "اَلْاَمْنُ وَالْعُلٰی" میں لکھتا ہے کہ سورج نہیں چڑھتا جب تک شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت نہ لے لے اور سلام نہ کر لے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بڑی بلند شخصیت ہیں اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ ان کی ولادت ۴۹۴ھ میں ہوئی ہے اور ۵۶۱ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ۴۹۴ھ سے پہلے سورج کس سے اجازت لیتا تھا اور کس کو سلوٹ مارتا تھا؟ بھائی غلو کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ خدا خدا ہے اس کا کوئی حصہ دار نہیں ہے اور یہ بڑے بنیادی مسائل ہیں ان کو فروعی مسائل نہ سمجھنا یہ نظریات قرآن پاک کے صریح خلاف ہیں۔

تو فرمایا آپ ہی کا رب پیدا کرتا ہے اور اختیار بھی اسی کو ہے مخلوق کو کوئی اختیارات حاصل نہیں ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ﴿وَتَعٰلٰى﴾ اور بلند ہے ﴿عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ اس چیز سے جو یہ شرک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شرک سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ [آمین!]

﴿وَرَبُّكَ يَعْلَمُ﴾ اور آپ کا رب ہی جانتا ہے ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ﴾ جس کو چھپاتے ہیں ان کے سینے ﴿وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾ اور اس چیز کو جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں ﴿وَهُوَ اللّٰهُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں کوئی معبود مگر صرف وہی ﴿لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى﴾ اسی کی تعریف ہے دنیا میں ﴿وَالْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں ﴿وَلَهُ الْحُكْمُ﴾ اور اسی کا حکم ہے ﴿وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ تم بتلاؤ ﴿اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ﴾ اگر کرے اللہ تعالیٰ تمھارے اُوپر ﴿الَّيْلَ سَرْمَدًا﴾ رات کو ہمیشہ ﴿اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن تک ﴿مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ﴾ کون الٰہ ہے اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿يَاْتِيْكُمْ﴾ جو لا دے تمھیں ﴿بِضِيَآءٍ﴾ روشنی ﴿اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ﴾ کیا پس تم سنتے نہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ تم بتلاؤ ﴿اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ﴾ اگر کرے اللہ تعالیٰ ﴿عَلَيْكُمُ﴾ تم پر ﴿النَّهَارَ سَرْمَدًا﴾ دن کو ہمیشہ ﴿اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن تک ﴿مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ﴾ کون الٰہ ہے اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ﴾ جو لا کر دے تم کو رات ﴿تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ﴾ کہ آرام حاصل کرو تم اس میں ﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ کیا پس تم دیکھتے نہیں ہو ﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ اور اپنی رحمت سے ہی ﴿جَعَلَ لَكُمُ﴾ بنائی اس نے تمھارے واسطے ﴿الَّيْلَ﴾ رات ﴿وَالنَّهَارَ﴾ اور دن ﴿لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ﴾ تاکہ تم آرام حاصل کرو رات میں ﴿وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اور تاکہ تلاش کرو تم اس کے فضل کو ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا ﴿فَيَقُوْلُ﴾ پس فرمائے گا ﴿اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ﴾ کہاں ہیں میرے وہ شریک ﴿كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے ﴿وَنَزَعْنَا﴾ اور ہم کھینچ لیں گے ﴿مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ﴾ ہر اُمت سے ﴿شَهِيْدًا﴾ گواہ ﴿فَقُلْنَا﴾ پس ہم

کہیں گے ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ﴾ لاؤ اپنی دلیل ﴿فَعَلِمُوٓا﴾ پس وہ جان لیں گے ﴿أَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ﴾ بے شک حق صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ﴾ اور غائب ہو جائیں گے ان سے ﴿مَّا﴾ وہ چیزیں ﴿كَانُوا يَفْتَرُوْنَ﴾ جو وہ افتراء باندھتے تھے۔

اس سے پہلی آیت کریمہ میں صفت خلق کا بیان تھا کہ وہ خالق ہے اور اس کے سوا خالق کوئی نہیں ہے اور صفت اختیار کا بیان تھا کہ وہ مختار کل ہے سارے جہانوں کا رکھنے والا ہے۔ اب صفت علم کا بیان ہے کہ وہ ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے اور اس کے سوا ظاہر و باطن کو جاننے والا کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں وحدہٗ لاشریک ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَرَبُّكَ يَعْلَمُ﴾ اور آپ کا رب ہی جانتا ہے ﴿مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ﴾ ان چیزوں کو جن کو ان کے سینے چھپاتے ہیں دل چھپاتے ہیں ﴿وَمَا﴾ ان چیزوں کو بھی ﴿يُعْلِنُوْنَ﴾ جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ خالق بھی وہی، مختار کل بھی وہی اور سینے کے رازوں کو جاننے والا بھی وہی ہے ﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ اور وہی ہے اللہ، نہیں ہے کوئی الہ مگر وہی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی حاجت روا، نہ مشکل کشا، نہ کوئی مالک، نہ مختار، نہ کوئی حاضر و ناظر، نہ کوئی عالم الغیب، نہ کوئی فریادرس، نہ کوئی دست گیر، یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں۔

﴿لَهُ الْحَمْدُ﴾ اسی اللہ تعالیٰ کی ہے تعریف ﴿فِي الْأُوْلٰى﴾ دنیا میں۔ اُوْلٰی سے مراد دَارُ الْأُوْلٰی ہے پہلا گھر۔ اور آخرت کو دار الآخرۃ کہتے ہیں تو اولیٰ دار کی صفت ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے رب تعالیٰ ہی کر رہا ہے۔ تو تعریف بھی اسی کی ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے جو آدمی رب تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہے وہ رب تعالیٰ کی توفیق سے کرتا ہے اور جو کرے گا رب تعالیٰ کی توفیق سے کرے گا ﴿وَالْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے ﴿وَلَهُ الْحُكْمُ﴾ اور اسی کا ہے حکم ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾ [یوسف: ۴۰] "حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔" اور سورۃ الاعراف آیت نمبر ۵۴ میں ہے ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ "خبردار مخلوق رب کی ہے اور حکم بھی رب ہی کا نافذ ہوگا۔" آج باطل قوتوں نے لوگوں کے ذہن بگاڑ دیئے ہیں۔ امریکہ کا حکم امریکہ میں، برطانیہ کا حکم برطانیہ میں، فرانس کا حکم فرانس میں، روس کا حکم روس میں۔ وہی ذہن ہم پاکستانیوں کا ہے کہ سرکار جو حکم کرے۔ حالاں کہ حکم اور قانون صرف اللہ تعالیٰ کا ہے ﴿وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ تمھارا کیا دھرا سب سامنے آجائے گا آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے قیامت قائم ہے، جنت دوزخ نظر آئے گی۔ راحت، عذاب سب کچھ کھل کر سامنے آجائے گا۔

﴿قُلْ﴾ آپ اے نبی کریم ﷺ! ان سے کہہ دیں ﴿أَرَءَيْتُمْ﴾ کا معنیٰ ہے ﴿أَخْبِرُوْنِيْ﴾ مجھے بتلاؤ، مجھے خبردو ﴿إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا﴾ اگر کرے اللہ تعالیٰ تمھارے اُوپر رات کو ہمیشہ۔ تم پر رات کو دائمی کر دے، ہمیشہ رات ہی رہے دن ہو ہی نہ ﴿إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن تک تو بتلاؤ ﴿مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ﴾ کون الٰہ ہے اللہ تعالیٰ کے

سوا جو تمھیں روشنی لا کر دے ﴿ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴾ کیا پس تم سنتے نہیں ہواتنی واضح بات تمھیں سمجھ نہیں آتی کہ سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں سورج طلوع کرے یا نہ کرے۔

توبہ کے دروازے کا بند ہونا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کے بعد قیامت کے بالکل قریب ایک وقت ایسا آئے گا لوگ منتظر ہوں گے کہ سورج طلوع ہو لیکن سورج طلوع نہیں ہوگا سورج کے طلوع ہونے سے پہلے سفیدی ہوتی ہے پھر سرخی۔ اس دن نہ سفیدی ہوگی نہ سرخی نظر آئے گی مطلع بھی صاف ہوگا لوگ حیران ہوں گے کہ سورج نہیں طلوع ہو رہا۔ اللہ تعالیٰ سورج کو حکم دیں گے کہ آج مشرق کی طرف سے نہیں بلکہ مغرب کی طرف سے طلوع ہونا ہے۔ اس دن سورج معکوس یعنی اُلٹے طریقے سے راستہ طے کرے گا اور مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا آدھے آسمان تک آئے گا پھر مغرب کی طرف غروب کرے گا اس دن توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس کے بعد کسی کا ایمان قبول نہیں ہوگا اس کے بعد اگر کوئی گناہ سے توبہ کرے گا تو قبول نہیں ہوگی۔ یوں سمجھو کہ مغرب سے سورج کا طلوع ہونا یہ سارے جہان کی نزع ہوگی۔ جیسے نزع کی حالت میں نہ ایمان قبول ہوتا ہے نہ توبہ قبول ہوتی ہے۔ تو یہ سارے جہان کی نزع ہوگی۔ اب نہ ایمان قبول ہوگا نہ توبہ قبول ہوگی اس سے پہلے لوگ جو نیکیاں کرتے تھے بس وہی معتبر ہوں گی۔ اس کے بعد اگر کوئی مزید نیکی کرے گا تو وہ قبول نہیں ہوگی۔ صفا پہاڑی سے ایک بیل کی شکل کا جانور نکلے گا جو لوگوں کے ساتھ گفتگو کرے گا لوگ اس کی باتیں مانیں گے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ لوگ انسانیت سے گر کر حیوانیت کو پہنچ گئے ہیں۔

اَلْجِنْسُ يَمِيْلُ اِلَى الْجِنْسِ

"جنس جنس سے پیار کرتی ہے۔"

لوگ اس کی باتیں سمجھیں گے اور مانیں گے۔ حالاں کہ ان لوگوں کو انبیائے کرام کی باتیں سمجھ نہیں آئیں مگر جانور کی باتیں سمجھ آئیں گی کیوں کہ ان کا بھائی آ گیا ہے نا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ روایات نقل کرتے ہیں کہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد تقریباً ایک سو سال گزریں گے پھر اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ بگل پھونک دو اور سارا جہان درہم برہم ہو جائے گا۔

تو فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لیے تم پر رات کو مسلط کر دے تو کون الٰہ ہے جو تمھیں روشنی لا کر دے گا۔ ﴿قُلْ﴾ آپ ان سے کہہ دیں ﴿ اَرَءَيْتُمْ ﴾ مجھے تم بتلاؤ ﴿ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا ﴾ اگر کر دے اللہ تعالیٰ تم پر دن کو ہمیشہ ﴿ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ قیامت کے دن تک دن ہی رہے ﴿ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ﴾ کون الٰہ ہے اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ ﴾ جو تمھیں رات لا کر دے ﴿ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ﴾ تا کہ تم آرام کرو رات میں ﴿ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴾ کیا پس تم دیکھتے نہیں اللہ تعالیٰ

کی قدرتوں کو، رب تعالیٰ کی نعمتوں کو نہیں دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے دن کو لمبا کر دے رات ہو ہی نہ۔

دجال چار جگہوں کے علاوہ ساری دنیا پھرے گا ؟

چنانچہ جب دجال لعین ظاہر ہوگا مسلم شریف وغیرہ کی روایات کے مطابق وہ چالیس دن دنیا میں رہے گا چار جگہوں کے علاوہ باقی تمام دنیا میں اس کے ناپاک قدم پہنچیں گے۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس اور طور پہاڑ پر نہیں جا سکے گا۔ اس کا پہلا دن سال جتنا لمبا ہوگا دوسرا دن مہینے جتنا لمبا ہوگا تیسرا دن ہفتے کے برابر لمبا ہوگا اور باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ آج کا زمانہ ہوتا تو لوگ کہتے حضرت! یہ کیسے ہو سکتا ہے رات نہ آئے دن ہی رہے؟ ان کے ذہن صاف تھے وہ ماننے والے تھے ان کے ذہنوں میں جو اشکال پیدا ہوا اس کو پیش کیا۔ کہنے لگے حضرت! یہ فرمائیں کہ جو دن سال کے برابر لمبا ہوگا اس میں نماز ایک دن کی پڑھنی ہوگی یا سال کی نمازیں پڑھنی پڑیں گی؟ آپ نے فرمایا سال کی نمازیں پڑھنی پڑیں گی اندازے کے ساتھ۔ ہفتے کے برابر لمبا دن ہوگا تو ہفتے کی پڑھنی پڑیں گی، مہینے کے برابر لمبا ہوگا تو مہینے کی نمازیں پڑھنی پڑیں گی اندازے سے ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا وقفہ کر لیا جائے گا۔ مثلاً: فجر اور ظہر کے درمیان جتنا وقفہ ہوتا ہے اتنا وقفہ کر لیا جائے گا اور ظہر اور عصر کے درمیان جتنا وقفہ ہوتا ہے اتنا وقفہ کر لیا جائے گا اسی اندازے سے ساری نمازیں پڑھی جائیں گی نماز کی معافی نہیں ہے چاہے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا ہو۔ مرنے سے پہلے اگر نماز کا وقت ہو گیا ہے تو پڑھنی پڑے گی نماز اس کو بھی معاف نہیں ہے۔

نماز اور روزہ توبہ سے معاف نہیں ہوتے ؟

فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ عورت کے ہاں بچے کی پیدائش کے وقت سر ماں کے پیٹ سے باہر آ گیا ہے اور نماز کا وقت ہو گیا ہے تو نماز پڑھے نماز کی معافی نہیں ہے۔ کس طرح پڑھے؟ بچے کا سر ہانڈی یا برتن میں ڈالے، اگر وضو کر سکتی ہے تو ٹھیک ورنہ تیمم کرے، رکوع و سجود پر قدرت نہیں تو اشارے کے ساتھ پڑھے، نماز کی معافی نہیں ہے۔ اس وقت جو خون نکلے گا وہ استحاضہ، بیماری کا خون ہوگا۔ نفاس کا خون تو اس وقت شروع ہوگا جب بچہ مکمل پیدا ہو جائے گا۔ پھر نفاس کے دوران میں نماز کی معافی ہے۔ اب عقل منداس سے اندازہ لگائے کہ جب اس حالت میں نماز کی معافی نہیں ہے تو اور کس حالت میں ہو سکتی ہے؟ ہم نے نماز کے مسئلے کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ تمام فقہائے کرام اور تمام محدثین عظام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ نماز، روزہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے۔ بالغ ہونے کے بعد مرد اور عورت کے ذمہ اگر ایک نماز بھی ہے سجدے میں گر کر چاہے کروڑ مرتبہ بھی توبہ کرے معافی نہیں ملے گی جب تک قضا نہیں کریں گے۔ بہت سارے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ توبہ ایسا چورن ہے کہ جس سے ہر شے ہضم ہو جاتی ہے۔ حاشا وکلا! ہرگز نہیں۔ نہ بندوں کے حقوق معاف ہوتے ہیں اور نہ نماز، روزہ معاف ہوتے ہیں بلکہ ہر وہ عبادت جس کی قضا ہے وہ توبہ سے معاف نہیں ہوتی۔ تو فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر دن کو لمبا کر دے ہمیشہ قیامت تک کون لائے گا رات کو تمھارے پاس جس میں آرام حاصل کر سکو۔ کیا تمھیں اللہ تعالیٰ کی قدرتیں نظر نہیں آتیں۔

فرمایا ﴿وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے بنائی تمھارے لیے رات اور دن ﴿لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ﴾ تاکہ تم آرام حاصل کرو رات میں ﴿وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اور تاکہ تلاش کرو تم اس کے فضل کو۔ دن کو اس کا فضل تلاش کرو محنت مزدوری کرو کھیتی باڑی کرو۔ اسلام حلال کمائی سے نہیں روکتا کہ صرف یہ نہیں کہتا نمازیں پڑھو، روزے رکھو۔ اسلام کہتا ہے کہ پوری زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالو۔ دین و دنیا کا جو بھی کام ہے شرعی احکام کے مطابق ہو۔ کمائی کرو حلال طریقے کے مطابق ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تاکہ تم شکر ادا کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا جن سے تم نے فائدہ اُٹھایا ہے۔

روزِ قیامت مشرکوں کی کوئی مدد نہیں کرے گا

﴿وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ﴾ اور جس دن پکارے گا ان کو اللہ تعالیٰ۔ وہ قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت قائم ہوگی ساری مخلوق کھڑی ہوگی۔ ﴿فَيَقُوْلُ﴾ پس رب تعالیٰ فرمائے گا ﴿اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے کہ میرے شریک ہیں حقیقت میں تو میرا کوئی شریک نہیں ہے مگر تم نے اپنے گمان کے مطابق میرے شریک بنائے ہوئے ہیں وہ کہاں ہیں ان کو لاؤ۔ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ پس وہ اپنے معبودوں کو پکاریں گے جس طرح دنیا میں پکارتے تھے یا علی مدد، مولا علی مدد، گیارھویں والیا مدد نوں پہنچیں، فلانے میری مدد کر، فلانے میری مدد کر، یہ جھلے وہاں بھی پکاریں گے مگر وہاں ان کی کوئی نہیں سنے گا۔ پھر یہ ان کے ساتھ جھگڑا کریں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا تھا تم نے ہمارا بیڑا غرق کیا تھا۔ وہ کہیں گے تم خود گمراہ ہوئے تھے۔ سورۃ ص آیت نمبر ۶۴ میں ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ﴾ ''بے شک البتہ یہ برحق ہے جھگڑنا آپس میں دوزخ والوں کا۔'' تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے کہ وہ میرے شریک ہیں ﴿وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا﴾ اور کھینچ لیں گے ہم ہر امت سے ایک گواہ۔ وہ ان اُمتوں کے پیغمبر ہوں گے جیسا کہ گزشتہ درس میں پوری تفصیل کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کا مقدمہ گزر چکا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت کو حساب کے لیے بلایا جائے گا اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ میں نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا تھا آپ نے قوم کو تبلیغ کی تھی وہ کہیں گے اے پروردگار! میں نے ان کو دن رات تبلیغ کی تھی، صبح و شام کی تھی، چوکوں چوراہوں میں کھڑے ہو کر کی تھی، ان کے دروازوں پر دستک دے کر ان کو سمجھایا تھا لیکن انھوں نے میری بات نہیں مانی۔ قوم انکار کرے گی کہ انہوں نے ہمیں کوئی تبلیغ نہیں کی۔ نوح علیہ السلام اپنے دعوے پر آخری پیغمبر کی اُمت کو بطور گواہ پیش کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کی صفائی کے طور پر پیش ہوں گے کہ میری اُمت نے جو گواہی دی ہے وہ گواہی بالکل صحیح دی ہے۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۴۳ میں ہے ﴿لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ ''تاکہ ہو جاؤ تم لوگوں پر گواہ اور رسول تم پر گواہی دینے والا ہو۔'' اس کے بعد فیصلہ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَقُلْنَا﴾ پس ہم کہیں گے ان لوگوں کو ﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ﴾ لاؤ تم اپنی دلیل۔ اگر تمھارے پاس کفر و شرک کے حق میں کوئی دلیل ہے تو اسے پیش

کرو مگر اس دن تو وہاں کسی کو دم مارنے کی بھی ہمت نہیں ہوگی اور نہ ہی کوئی دلیل پیش کر سکیں گے۔ ﴿فَعَلِمُوْٓا﴾ پس وہ جان لیں گے ﴿اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰہِ﴾ بے شک حق صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس نے اپنے پیغمبروں کو بھیج کر حق واضح کر دیا تھا اور اپنی کتابوں کے ذریعے حق اور باطل، کفر و شرک اور توحید کو بیان کیا تھا۔ اس نے بتلا دیا تھا کہ خالق، مالک، رازق۔ قادر مطلق، مختار کل، نافع ضار، مشکل کشا، حاجت روا، دست گیر، اللہ تعالیٰ ہی ہے ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اور غائب ہو جائیں گی ان سے وہ تمام چیزیں جو وہ افترا باندھتے تھے۔ سب بناوٹی الٰہ اور معبود غائب ہو جائیں گے اور کوئی ان کے کام نہیں آئے گا۔

﴿اِنَّ قَارُوْنَ﴾ بے شک قارون ﴿كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى﴾ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا ﴿فَبَغٰى عَلَيْهِمْ﴾ پس اس نے سرکشی کی ان کے خلاف ﴿وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ﴾ اور دیئے ہم نے اس کو خزانے ﴿مَآ﴾ اس قدر ﴿اِنَّ مَفَاتِحَهٗ﴾ بے شک اس کے خزانے کی چابیاں ﴿لَتَنُوْٓاُ﴾ البتہ بوجھل کر دیتی تھیں ﴿بِالْعُصْبَةِ﴾ جماعت کو ﴿اُولِي الْقُوَّةِ﴾ جو قوت والی ہوتی تھی ﴿اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ﴾ جس وقت کہا قارون کو اس کی قوم نے ﴿لَا تَفْرَحْ﴾ اترا و مت ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾ پسند نہیں کرتا اِترانے والوں کو ﴿وَابْتَغِ﴾ اور تلاش کر ﴿فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ﴾ اس چیز کے ذریعے جو اللہ تعالیٰ نے تجھے دی ہے ﴿الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾ آخرت کا گھر ﴿وَلَا تَنْسَ﴾ اور نہ بھول ﴿نَصِيْبَكَ﴾ اپنا حصہ ﴿مِنَ الدُّنْيَا﴾ دنیا سے ﴿وَاَحْسِنْ﴾ اور احسان کر ﴿كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ﴾ جیسا کہ احسان کیا اللہ تعالیٰ نے ﴿اِلَيْكَ﴾ تیرے ساتھ ﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ﴾ اور نہ تلاش کر فساد کو ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ ﴿لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ پسند نہیں کرتا فساد کرنے والوں کو ﴿قَالَ﴾ قارون نے کہا ﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ﴾ پختہ بات ہے میں دیا گیا ہوں یہ دولت ﴿عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾ علم اور لیاقت کی بنا پر جو میرے پاس ہے ﴿اَوَلَمْ يَعْلَمْ﴾ کیا اس نے نہیں جانا ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ نے ﴿قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ﴾ تحقیق ہلاک کیا اس سے پہلے ﴿مِنَ الْقُرُوْنِ﴾ کئی جماعتوں کو ﴿مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً﴾ وہ زیادہ سخت تھیں قارون سے قوت میں ﴿وَّاَكْثَرُ جَمْعًا﴾ اور زیادہ تھیں جماعت کے لحاظ سے ﴿وَلَا يُسْئَلُ﴾ اور نہیں سوال کیا جائے گا ﴿عَنْ ذُنُوْبِهِمُ﴾ ان کے گناہوں کے بارے میں ﴿الْمُجْرِمُوْنَ﴾ مجرموں سے۔

پیغمبروں کے مراتب کی ترتیب

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ عقائد والے لکھتے ہیں کہ تمام پیغمبروں میں بلند مرتبہ اور شان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور پیغمبروں کا مرتبہ تمام مخلوقات میں بلند ہے۔ یوں سمجھو کہ ارضی و سماوی جتنی مخلوق

ہے اس جہان کی مخلوق ہو یا اگلے جہان کی۔ انسان، فرشتے، جنات وغیرہ میں سب سے بلند مرتبہ اور مقام آنحضرت ﷺ کا ہے آپ ﷺ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا درجہ اور مقام ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام عمران تھا دادے کا نام قاہث تھا اور پردادے کا نام لاوی تھا اور لکڑ دادے کا نام یعقوب علیہ السلام تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچے کا نام یصہر بن قاہث تھا۔ اس کا ایک بیٹا تھا قرآن نے جس کو قارون کے نام کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

قارون کا تعارف

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا نام منور تھا قارون اس کا لقب تھا۔ تو قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا بڑا ذہین اور لائق تھا۔ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے بعد تورات کا سب سے بڑا عالم تھا تاجر اور ٹھیکیدار تھا اس کے پاس مال بے حساب تھا اور خرچ کرنے میں انتہائی کنجوس تھا اور ظاہر بات ہے کہ مال آئے اور خرچ نہ ہو تو اس نے جمع ہی ہونا ہے۔

"کِتَابُ البُخَلَاء" ایک کتاب ہے۔ اس میں بخیلوں کے عجیب قسم کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں قارون کے بارے میں لکھا ہے کہ سالن روٹی پر رکھ کر کھاتا تھا پلیٹ میں نہیں ڈالتا تھا کہ کہتا تھا پلیٹ قلعی کرانا پڑے گی۔ مکان کی چھت پر محلے کے بچوں کو نہیں چڑھنے دیتا تھا۔ اس وقت لینٹروں والے مکان تو نہیں ہوتے تھے۔ کہتا تھا کہ یہ مکان پر دوڑیں گے بھاگیں گے چھت خراب ہو جائے گی لپائی کرنی پڑے گی خرچہ ہوگا۔ جس آدمی کی یہ حالت ہو کہ سالن روٹی پر رکھ کر کھائے، چھت پر بچوں کو نہ چڑھنے دے اس سے کیا توقع رکھی جاسکتی ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کیمیا گر تھا چاندی، تانبے کا سونا بناتا تھا۔ لیکن حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سختی سے اس بات کی تردید کی ہے۔ یہ ٹھر کی قسم کے لوگ اس مغالطے کا شکار ہیں کہ چاندی کا سونا بن جاتا ہے تانبے کا سونا بن جاتا ہے یہ بات بالکل غلط ہے۔ انقلاب حقیقت قطعاً غلط ہے۔ ہاں ملمع سازی ہو سکتی ہے کہ پیتل کے اُوپر سونے کا پانی چڑھا دیا جائے اور دھوکے کے ساتھ سونا بنا کر بیچ دیا جائے۔ لیکن انقلاب حقیقت نہیں ہو سکتا۔ ہاں! اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے معجزے اور کرامات کے طور پر پیتل سونا بن جائے پتھر سونا بن جائے، ہو سکتا ہے مان لیں گے۔ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

چنانچہ حیوہ بن شریح صحاح ستہ کے ثقہ راویوں میں سے ہیں بڑے نیک پارسا آدمی تھے مالی اعتبار سے بھوکے ننگے تھے (غریب اور پسماندہ تھے) ویسے لباس صاف ستھرا پہنتے تھے، سفید پوش تھے۔ مسجد میں بیٹھے تھے ایک مسافر ان کے پاس آیا سفید پوشی دیکھ کر سمجھا کہ یہ بہت امیر ہوں گے قریب ہو کے کہنے لگا۔ حضرت! میں مسافر ہوں پیشہ ور سائل نہیں ہوں راستے میں کچھ نقصان ہو گیا ہے جس کی وجہ سے گھر نہیں پہنچ سکتا آپ میری مدد کریں۔

حضرت حیوہ بن شریح رحمۃ اللہ علیہ بڑے حیران ہوئے کہ اس بے چارے نے میرے سفید کپڑے دیکھ کر مجھ سے سوال کیا

ہے اور میری حالت یہ ہے کہ گھر میں فاقے پر فاقہ ہے، کبھی کچھ پکتا ہے اور کبھی کچھ نہیں پکتا۔ پریشان ہو گئے۔ مسجد کے ایک کونے میں پتھر پڑا ہوا تھا مسافر کو کہا کہ وہ پتھر اُٹھا کر لاؤ۔ وہ بے چارہ پتھر اُٹھا کر لایا اور ڈرا بھی کہ کہیں مجھے نہ ماردیں۔ حضرت حیوہ بن شریح رحمۃ اللہ علیہ نے پتھر ہاتھ پر رکھ کر دعا کی اے پروردگار! اس آدمی نے مجھے مال دار سمجھ کر سوال کیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے اور اے پروردگار! آپ قادر مطلق ہیں اس پتھر کو سونا بنا دیں میں اس کو دے دوں کہ اس کا کام چل جائے۔ پروردگار نے اس پتھر کو سونا بنا دیا۔ یہ ان کی کرامت تھی۔ فرمایا لے جاؤ اپنی حاجت پوری کرلو۔ تو ایسے تو ہوسکتا ہے باقی سب غلط ہے۔

بہرحال قارون تاجر پیشہ اور ٹھیکیدار تھا اس کے پاس بڑی دولت جمع تھی۔ اس کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى﴾ بے شک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا ان کا چچا زاد بھائی تھا مگر بڑا پکا منافق تھا ﴿فَبَغٰى عَلَيْهِمْ﴾ پس قارون نے ان کے خلاف سرکشی کی ﴿وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ﴾۔ کُنُوْز کَنْزٌ کی جمع ہے اور کنز کا معنیٰ خزانہ ہے۔ معنیٰ ہوگا ہم نے اس قارون کو خزانے دیئے تھے ﴿مَآ﴾ اس قدر ﴿اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ﴾۔ مَفَاتِحْ مِفْتَحٌ کی جمع ہے۔ معنیٰ ہے چابی، تو مفاتح کا معنیٰ ہوگا چابیاں۔ بے شک اس کے خزانے کی چابیاں البتہ بوجھل کر دیتی تھیں ایک جماعت کو۔ عصبہ کا لفظ عربی زبان میں دس سے لے کر چالیس تک بولا جاتا ہے دس سے کم پر نہیں بولا جاتا۔ تو ایک اچھی خاصی جماعت اس کے خزانے کی چابیاں اُٹھا کر بوجھل ہوجاتی تھی، تھک جاتی تھی ﴿اُولِي الْقُوَّةِ﴾ جو قوت والی ہوتی تھی۔ اس سے تم اس کے خزانوں کا اندازہ لگالو۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ مَفَاتِح مَفْتَحَةٌ کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے خزانہ۔ تو معنیٰ ہوگا بے شک خزانے اس قارون کے البتہ بوجھل کر دیتے تھے ایک طاقت ور جماعت کو۔ اچھی خاصی جماعت ان کو اُٹھا نہیں سکتی تھی۔ جب گھر سے نکلتا تھا تو بڑی اکڑفوں کے ساتھ نکلتا تھا لوگ سلام کرتے تھے غرور کی وجہ سے ان کے سلام کا جواب نہیں دیتا تھا۔ کوئی امیر سلام کرتا تو جواب دیتا تھا۔ ﴿اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ﴾ جس وقت کہا اس کو اس کی قوم نے ﴿لَا تَفْرَحْ﴾ گھمنڈ نہ کر اپنے مال پر ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا گھمنڈ کرنے والے کو، اِترانے والوں کو۔

خوشی اور گھمنڈ کا فرق

خوشی اور گھمنڈ کا فرق سمجھ لو۔ خوشی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو حلال طیب مال دے تو وہ کہے الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے۔ اور گھمنڈ یہ ہے کہ مال آئے تو آپے سے باہر ہوجائے اور دوسروں کو حقیر سمجھے، غریب کو اپنے برابر نہ بیٹھنے دے، غریب کی بات نہ سنے۔ اور آج عموماً ایسا ہی ہے الا ماشاء اللہ کوئی ہوگا جو یہ سمجھے کہ یہ مال مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اس میں غریبوں کا حق ہے اور وہ غریبوں کا خیال رکھے اور ان کی تحقیر نہ کرے۔

دین غریبوں کے پاس ہے

یاد رکھنا! دین غریبوں کے پاس ہے امیروں کے پاس دین نہیں ہے۔کوئی بڑا امیر ہوگا کہ امیر ہوکر دین دار بھی ہو یہ اس کی کرامت ہے۔غریبو! تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمھیں مال نہیں دیا دین تو دیا ہے۔مال کوئی کتنے عرصے تک کھا لے گا۔ایک دن موت تو آنی ہے کیا یہ دنیا کی چیزیں ساتھ جائیں گی، کوئی کوٹھی، باغ، کارخانہ ساتھ نہیں جائے گا ساتھ ایمان جائے گا، عمل صالح جائے گا۔

تو قوم نے کہا کہ اپنے مال پر اترا نہیں، گھمنڈ نہ کر اللہ تعالیٰ اِترانے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ ﴿وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾ اور تلاش کر اس مال کے ذریعے، دولت کے ذریعے جو اللہ تعالیٰ نے تجھے دی ہے، آخرت کا گھر۔زکوٰۃ دے، صدقہ خیرات کر، غریبوں کی مدد کر، مہمان نوازی کر، مال کے ذریعے جو اچھے کام ہو سکتے ہیں وہ کر ﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے۔ضرورت کے مطابق کھاؤ، پیو، پہنو، ضرورت کے مطابق مکان بناؤ، سواری رکھو، اپنے آپ پر اور اہل خانہ پر خرچ کرو۔

قارون کے بارے میں لکھا ہے کہ روٹی چنگیر میں رکھ کر نہیں کھاتا تھا۔ کہتا تھا کہ چنگیر میلی ہو جائے گی دھونی پڑے گی، صابن خرچ ہوگا۔بھئی! رب تعالیٰ نے تجھے مال دیا ہے اس کو خرچ کر اپنے حصے کو نہ بھول۔روٹی چنگیر میں رکھو، سالن پلیٹ میں ڈالو، وقت پر عمدہ کھانا کھاؤ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔سورہ مومنون آیت نمبر ۵۱ میں تم پڑھ چکے ہو اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ "اے پیغمبر کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور عمل کرو نیک۔" پاکیزہ کھانا چھوڑنا کوئی نیکی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں استعمال کرو اور اچھے اعمال کرو۔

مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی حیثیت کے مطابق لباس نہیں پہنتا یہ بھی رب تعالیٰ کا ناشکر گزار ہے رب تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک میلے کچیلے لباس والا آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمھارے پاس صابن نہیں ہے کہ لباس کو دھولو کیا تیل نہیں ملتا کہ سر میں لگا کے کنگھی کرلو؟ اس نے کہا حضرت! میرے پاس اتنے غلام ہیں، اتنی بکریاں ہیں، اونٹ ہیں اور بہت کچھ ہے۔فرمایا رب کی نعمت کا اثر تیرے جسم پر نظر آنا چاہیے تو اپنی حیثیت کے مطابق لباس نہ پہننا بھی رب تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری ہے۔

عام مفسرین کرام رحمہم اللہ تو اسراف کا معنیٰ حد سے زیادہ خرچ کرنا کرتے ہیں۔اور علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ حد سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے۔اس میں تو کوئی شک نہیں ہے لیکن کم استعمال کرنا کہ جس سے جسم کی ضرورت پوری نہ ہو بدن کی صحت برقرار نہ رہے یہ بھی اسراف میں شامل ہے۔اتنا کھاؤ پیو کہ جس سے بدن تندرست رہے نمازیں پڑھ سکو، روزے رکھ سکو۔ تو کہا اے قارون! مال کو رب تعالیٰ کی نعمت سمجھو اپنا حصہ بھی نہ بھولو اور غریبوں کا حق بھی ادا کرو ﴿وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ اور احسان کر لوگوں کے ساتھ جیسا کہ احسان کیا اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ ﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ﴾ اور نہ تلاش کر

فساد کو زمین میں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتے۔ خدا کی نافرمانی فساد فی الارض ہے، اکڑ کے چلنا، دوسروں کو حقیر سمجھنا، غریب کی بات نہ سننا یہ بھی فساد فی الارض ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ قارون قوم کو جواب دیتا کہ الحمد للہ! رب تعالیٰ نے مجھے مال دیا ہے اس کا شکر ہے میں اس سے آخرت حاصل کروں اور غریبوں کی امداد بھی کروں گا۔ لیکن اس نے کیا جواب دیا سنو! ﴿ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ﴾ کہنے لگا پختہ بات ہے یہ مال جو مجھے ملا ہے اپنے علم اور لیاقت کی بنیاد پر ملا ہے تم بھی اپنے اندر لیاقت پیدا کرو اور مال کماؤ مجھ سے نہ مانگو۔

نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَوَلَمْ يَعْلَمْ ﴾ اور کیا نہ جانا قارون نے ﴿ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تحقیق ہلاک کیں اس سے پہلے ﴿ مِنَ الْقُرُوْنِ ﴾ جماعتیں۔ اس سے پہلے کتنی جماعتیں ہلاک ہوئی ہیں ﴿ مَنْ ﴾ وہ جماعتیں ﴿ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً ﴾ وہ زیادہ سخت تھیں قارون کی قوت سے۔ مال و دولت اور جسمانی طاقت، ہر لحاظ سے قارون سے بڑھ کر تھیں ﴿ وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ﴾ اور زیادہ تھیں جماعت کے لحاظ سے۔ افرادی لحاظ سے بھی زیادہ تھیں۔ رب تعالیٰ کی گرفت سے نہ ان کو مال بچا سکا نہ افراد بچا سکے۔ ان جماعتوں کی ہلاکت سے عبرت حاصل کرو۔ حدیث میں آتا ہے: اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهٖ "نیک بخت انسان وہ ہوتا ہے جو دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔" جو دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل نہ کرے وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

(بندہ نواز بلوچ کا جی چاہ رہا ہے کہ میں یہاں مثنوی شریف سے ایک حکایت نقل کر دوں جو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات سمجھانے کے لیے بیان فرمائی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیر نے بھیڑیے اور لومڑی کو کہا کہ آؤ شکار کرنے کے لیے چلیں تاکہ ایک دوسرے کی مدد کے ساتھ آسانی کے ساتھ شکار کر لیں۔ چنانچہ شیر، بھیڑیا اور لومڑی شکار کو گئے اور پہاڑی گائے اور بکرا اور موٹا خرگوش انھوں نے پکڑ لیا۔ شکار کر کے جب بیٹھ گئے تو شیر نے بھیڑیے کو کہا کہ تقسیم کر دو۔ بھیڑیے نے کہا نیل گائے تیرا حصہ ہے یہ بھی بڑی ہے اور تو بھی بڑا ہے اور بکرا میرا ہے کیوں کہ یہ متوسط اور درمیانہ ہے اور لومڑی خرگوش لے لے۔ شیر نے کہا او بھیڑیے! تو کیا بکتا ہے میری موجودگی میں میری تیری کی بات کرتا ہے آگے آ۔ جب وہ آگے آیا تو شیر نے پنجہ مار کر اس کو چیر پھاڑ دیا۔

پھر لومڑی کو کہا کہ اب تو تقسیم کر۔ لومڑی نے سجدہ کیا اور کہا کہ یہ موٹی نیل گائے اے بادشاہ آپ کا ناشتہ ہے اور بکرا دوپہر کے لیے یخنی ہوگی اور خرگوش شام کے لیے۔ شیر نے کہا اے لومڑی! تو نے انصاف کو روشن کر دیا اس طرح کی تقسیم تو نے کس سے سیکھی ہے؟ لومڑی نے کہا اے جنگل کے بادشاہ! بھیڑیے کے انجام سے۔ اس کے بعد مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عقل مند وہ ہے جو عبرت حاصل کرے۔)

فرمایا ﴿ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ اور نہیں سوال کیا جائے گا ان کے گناہوں کے بارے میں مجرموں سے۔

کیوں کہ یہ تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور دوسرے مقام پر سوال کرنے کا بھی ذکر ہے ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ [الحجر:۹۲] "آپ کے رب کی قسم ہے ہم سب سے ضرور سوال کریں گے۔" تو سوال ہوگا کہ تم نے گناہ کیوں کیے ہیں؟ اور اس بارے میں سوال نہیں ہوگا کہ تم نے گناہ کیے ہیں یا نہیں کیے۔ تو جب حیثیت بدل جائے تو تعارض ختم ہو جاتا ہے۔

﴿فَخَرَجَ﴾ پس وہ نکلا ﴿عَلٰى قَوْمِهٖ﴾ اپنی قوم کے سامنے ﴿فِيْ زِيْنَتِهٖ﴾ اپنی ٹھاٹ باٹ کے ساتھ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ﴾ کہا ان لوگوں نے ﴿يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ جو ارادہ کرتے تھے دنیا کی زندگی کا ﴿يٰلَيْتَ لَنَا﴾ کاش کہ ہمارے لیے بھی ہو جائے ﴿مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ﴾ اس کے مثل جو دیا گیا قارون ﴿اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ بے شک وہ بڑے نصیبے والا ہے ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ جن کو علم دیا گیا تھا ﴿وَيْلَكُمْ﴾ خرابی ہے تمھارے لیے ﴿ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ﴾ بدلہ اللہ تعالیٰ کا بہتر ہے ﴿لِّمَنْ اٰمَنَ﴾ اس کے لیے جو ایمان لایا ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿وَلَا يُلَقّٰىهَاۤ﴾ اور نہیں دی جاتی یہ صفت ﴿اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ﴾ مگر صبر کرنے والوں کو ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ﴾ پس ہم نے دھنسا دیا اس کو ﴿وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ﴾ اور اس کی کوٹھی کو زمین میں ﴿فَمَا كَانَ لَهٗ﴾ پس نہیں تھا اس کے لیے ﴿مِنْ فِئَةٍ﴾ کوئی گروہ ﴿يَّنْصُرُوْنَهٗ﴾ جو اس کی مدد کرتا ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ﴾ اور نہیں تھا وہ انتقام لینے والوں میں سے ﴿وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ﴾ اور ہو گئے وہ لوگ ﴿تَمَنَّوْا﴾ جنھوں نے آرزو کی تھی ﴿مَكَانَهٗ﴾ اس جیسا ہونے کی ﴿بِالْاَمْسِ﴾ کل ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ کہنے لگے ﴿وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ﴾ تعجب ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ ﴿يَبْسُطُ الرِّزْقَ﴾ کشادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ رزق ﴿لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کے لیے چاہتا ہے ﴿مِنْ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿وَيَقْدِرُ﴾ اور تنگ کرتا ہے ﴿لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ کرتا ﴿لَخَسَفَ بِنَا﴾ تو ہمیں بھی دھنسا دیتا زمین میں ﴿وَيْكَاَنَّهٗ﴾ تعجب ہے گویا کہ ﴿لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ شان یہ ہے کہ فلاح نہیں پانے والے کافر۔

اس سے پہلے درس میں بھی قارون کا ذکر تھا اور آج کی آیات میں بھی اس کا نام لے کر واقعہ بیان ہوا ہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سگا چچا زاد بھائی تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام عمران تھا رحمہ اللہ تعالیٰ۔ اور قارون کے باپ کا نام یَصْھَرْ تھا۔ یہ دونوں بھائی تھے۔ قارون جس کا نام منور تھا بڑا ذہین اور ہوشیار آدمی تھا تورات اس کو ایسے ہی یاد تھی جیسے ہمارے حفاظ کو قرآن یاد ہوتا ہے مگر بدفطرت آدمی کا مسئلہ علیحدہ ہے۔ اس کا اندازہ تم اس سے لگاؤ کہ باپ یَصْھَرْ ولی اللہ، دادا قاہث ولی اللہ، پردادا لاوی ولی اللہ، لکڑ دادا اللہ تعالیٰ کا پیغمبر یعقوب علیہ السلام، ان کے والد اسحاق علیہ السلام اور ان کے والد ابراہیم علیہ السلام۔

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

کن کی اولاد میں سے تھا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا مگر بدفطرت تھا، بے راہ تھا۔ تاجر پیشہ آدمی تھا اور ٹھیکے بھی لیتا تھا اور حد درجے کا کنجوس آدمی تھا آمدنی ڈھیر تھی خرچ نہیں کرتا تھا۔ پڑھ چکے ہو کہ اس کے خزانے کی چابیاں ایک اچھی خاصی جماعت اُٹھاتی تھی۔ عصبہ کا لفظ دس سے لے کر چالیس تک بولا جاتا ہے۔ پھر وہ بھی پہلوان قسم کی جماعت تھی۔ لوگ اکٹھے ہو کر اس کے پاس گئے اور کہا ﴿ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾ "جیسے رب تعالیٰ نے تیرے اُوپر احسان کیا ہے تو بھی لوگوں پر احسان کر۔" غریبوں کے ساتھ ہمدردی کر۔ بجائے اس کے کہ وہ کہتا کہ اچھا جی! ضرور کروں گا کہنے لگا مجھے جو کچھ ملا یہ علم اور قابلیت کی بنیاد پر ملا ہے۔ مجھ سے کیوں مانگتے ہو اپنے اندر قابلیت اور لیاقت پیدا کرو، محنت کرو اور کماؤ۔ اصولی طور پر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلواتا تھا موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے نمازیں پڑھتا تھا مگر منافق تھا۔

شریعتِ محمدی اور موسوی میں مسائل کا فرق

جس طرح ہماری شریعت میں زکوٰۃ کا حکم ہے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی زکوٰۃ کا حکم تھا۔ ہماری شریعت میں چالیسواں حصہ ہے سو میں اڑھائی روپے، دو سو میں پانچ روپے، ہزار میں پچیس روپے۔ ان کی شریعت میں زکوٰۃ چوتھائی حصہ تھا۔ سو میں سے پچیس روپے، ہزار میں اڑھائی سو روپے، چار ہزار میں ایک ہزار۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب تورات کا یہ حکم سنایا کہ ہر اسرائیلی پر جو میرا کلمہ پڑھتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُوْسٰی كَلِيْمُ اللّٰهِ۔ اس کو چوتھا حصہ زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ تو قارون کی نیند اُڑ گئی کہ میں ہر سال چوتھائی حصہ زکوٰۃ دوں۔ کیوں کہ زکوٰۃ تو ہر سال دینی پڑتی ہے۔ بعض جاہل قسم کے لوگ سمجھتے ہیں کہ زیورات کی زکوٰۃ ایک دفعہ دے دی تو پھر دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، یہ جاہلوں کا مسئلہ ہے، زیورات پر زکوٰۃ ہے اور ہر سال ہے۔ قارون بدفطرت انسان تھا اطاعت کا مادہ اس میں نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معمول تھا کہ جب کوئی مضمون بیان کرنا ہوتا تھا تو لوگوں کو اطلاع کرتے تھے کہ فلاں جگہ اکٹھے ہو جاؤ فلاں عنوان پر بیان ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زنا کا حکم بیان کرنا تھا کہ شادی شدہ مرد زنا کرے یا عورت اس کو رجم کیا جائے گا اور ہماری شریعت میں بھی یہی حکم ہے اور غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑوں کا حکم ہے۔

سزاؤں سے معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے

یہ سب اللہ تعالیٰ کے قطعی احکام ہیں ان کو ظالمانہ کہنا ظالموں کا کام ہے کیوں کہ رب تعالیٰ کا کوئی حکم بھی ظلم نہیں ہے۔ جو ڈاکو ڈاکے کے ساتھ قتل بھی کرے اور جو بدمعاش کسی کو ناحق قتل کرے تو اس کو قتل کی سزا دی جائے تو یہ کون سا ظلم ہے؟ اس نے ظلم نہیں کیا۔ ہاں! بے گناہ کو کوئی قتل کرے تو وہ ظلم ہے۔ مگر شریعت یہ تو نہیں کہتی کہ کسی بے گناہ کا ہاتھ کاٹ دو، غیر زانی کو رجم کر دو، کوڑے مارو، یہ تو مجرموں کی سزائیں ہیں اور ان سے معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے۔ طالبان حکومت نے شرعی سزائیں نافذ

کیں تو وہاں امن ہو گیا اور کفریہ طاقتوں نے ان کی مخالفت شروع کر دی کہ یہ علاقہ تو نمونہ بن جائے گا کہ شرعی سزائیں نافذ کرنے سے علاقے میں امن ہو جاتا ہے تو ارد گرد کی ریاستیں بھی ضرور متاثر ہوں گی لہٰذا طالبان کی حکومت کو ختم کیا جائے اس کے لیے اب وہ بین الاقوامی کانفرنس بلا رہے ہیں۔ اسلام آباد میں جب روس، امریکہ یہ بدمعاشوں کا ٹولہ اکٹھا ہوگا کہ طالبان کو کہیں کہ وہ شرعی سزائیں نافذ نہ کریں اسلام کا نام نہ لیں۔ ان سے کوئی پوچھے او شیطانو! چور چوری کرے، ڈاکو ڈاکا مارے، زانی زنا کرے، کوئی کسی کو ناحق قتل کرے وہ ظلم نہیں ہے ان کو سزا دینا ظلم ہو گیا۔ یہ ذہن ہیں ان خبیثوں کے۔

توحضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کل فلاں وقت تمام لوگ اکٹھے ہو جائیں زانی کے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکام بتلائے جائیں گے۔ قارون نے ایک عصمت فروش، منہ پھٹ عورت کے ساتھ ساز باز کیا۔ مثلاً: اس کو دس ہزار روپے دیے کہ موسیٰ علیہ السلام جب یہ حکم بیان کریں تو نے کھڑے ہو کر کہہ دینا ہے کہ یہ قانون لوگوں کے لیے ہے یا ہمارے تمھارے لیے بھی ہے۔ فلاں رات آپ نے میرے ساتھ یہ کارروائی کی تھی تم پر بھی یہ قانون لاگو ہوگا یا نہیں؟ پیسہ بڑی حرامی چیز ہے۔ یہ بہت کچھ کروا دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب مجمع میں یہ حکم بیان کیا کہ شادی شدہ مرد عورت جب زنا کا ارتکاب کریں تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا قانون ہے رجم کرنا۔ وہ بے حیا عورت اُٹھ کھڑی ہوئی کہنے لگی یہ قانون کمزوروں کے لیے ہے یا طاقتوروں کے لیے بھی ہے؟ فرمایا سب کے لیے ہے۔ کہنے لگی آپ نے جو فلاں رات میرے ساتھ یہ کارروائی کی ہے تو یہ قانون آپ پر بھی لاگو ہوگا یا نہیں۔ لوگ حیران ہو گئے۔ مخلص ساتھی تو سمجھتے تھے کہ یہ جھوٹ بول رہی ہے مگر بد باطن لوگوں کو یہ بات مل گئی انھوں نے باتیں بنانی شروع کر دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اکثر باوضو ہوتے تھے وہ سجدے میں گر پڑے اور عرض کی اے پروردگار! آپ ہی نے میری مدد کرنی ہے۔ اس عورت کی بات کو میرے مخالف ہتھیار کے طور پر استعمال کریں گے اے پروردگار! میری تبلیغ رک جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ غم نہ کریں ابھی فیصلہ ہو جائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سر سجدے سے اُٹھا کر فرمایا بی بی! اللہ تعالیٰ کا عذاب ابھی آنے والا ہے سچ سچ بتلاؤ قصہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نہیں بول رہی قارون نے جو پیسوں کی تھیلی دی ہے وہ بول رہی ہے۔ اس نے کہا کہ میں بدمعاش اور بدکار ہوں میں نے یہ بات غلط کہی ہے۔

قارون کا عبرت ناک انجام

قارون کا بڑا محل تھا اس میں بڑے بڑے کمرے تھے بڑا وسیع رقبہ تھا باغ باغیچے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قارون کو کوٹھی سمیت، دولت، باغ باغیچوں سمیت زمین میں دھنسا دیا اس کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ﴾ پس وہ قارون نکلا اپنی قوم کے سامنے ﴿فِيْ زِيْنَتِهٖ﴾ اپنی ٹھاٹ باٹھ کے ساتھ۔ سونے کے زین والے گھوڑے پر سوار ہوا سر پر عمدہ پگڑی تھی سونے کی پٹی باندھ رکھی تھی آگے پیچھے نوکر چاکر تھے ﴿قَالَ الَّذِيْنَ﴾ کہا ان لوگوں نے ﴿يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ جو ارادہ کرتے تھے دنیا کی زندگی کا۔ دنیا کے طلب گار لوگوں نے اس کو دیکھا تو کہا ﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ﴾ کاش کہ ہمارے لیے بھی ہو جائے اس کے مثل جو دیا گیا قارون۔ یہ مال و دولت اور شان و شوکت ہمیں بھی مل جائے ﴿اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ بے شک یہ

بڑے نصیبے والا، بخت والا ہے ﴿وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ اور کہا ان لوگوں نے جن کو علم دیا گیا۔ صاحب علم اللہ والوں نے کہا جوان کے پاس تھے ﴿وَیْلَكُمْ﴾ تمھارے لیے خرابی ہے ﴿ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ﴾ جو بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گا وہ بہتر ہے۔ یہ ٹھاٹ باٹھ اور شان وشوکت عارضی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بدلہ ملے گا وہ بہت بہتر ہے۔ مگر وہ کس کو ملے گا؟ ﴿لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا﴾ اس کو ملے گا جو ایمان لایا اور اچھے عمل کیے ﴿وَ لَا یُلَقّٰىهَاۤ﴾ اور نہیں دی جاتی یہ صفت ﴿اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ﴾ مگر صبر کرنے والوں کو ایمان کی دولت اور عمل کی توفیق صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔ پھر کیا ہوا؟ ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ﴾ پس ہم نے دھنسا دیا قارون کو ﴿وَ بِدَارِهِ﴾ اور اس کی کوٹھی کو ﴿الْاَرْضَ﴾ زمین میں۔ قارون کو کوٹھی اور دولت سمیت اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا۔ قارون، اس کی کوٹھی اور ساری دولت کو زمین نگل گئی ﴿فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ﴾ پس نہیں تھی اس کے لیے کوئی جماعت ﴿یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جو مدد کرتی اس کی اللہ تعالیٰ کے سوا۔ رب تعالیٰ کی گرفت سے کون بچا سکتا ہے ﴿وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ﴾ اور نہیں تھا وہ انتقام لینے والوں میں سے۔ رب تعالیٰ سے کون انتقام لے سکتا ہے۔ وہ اپنا دفاع نہیں کر سکا انتقام کیا لیتا تھا۔ جس وقت قارون اور اس کی کوٹھی وغیرہ زمین میں دھنس گئی تو ﴿وَ اَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا﴾ اور ہو گئے وہ لوگ جنھوں نے آرزو کی تھی ﴿مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ﴾ اس جیسا ہونے کی کل۔ کل جنھوں نے آرزو کی تھی کہ ہمیں بھی قارون جیسی دولت مل جائے اور اس جیسی ٹھاٹھ باٹھ مل جائے ﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ انھوں نے کہا ﴿وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ تعجب ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے ﴿وَ یَقْدِرُ﴾ اور تنگ کرتا ہے۔ کل جو قارون کی دولت کی آرزو کر رہے تھے آج وہ پشیمان ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمیں نہیں ملی ورنہ ہم بھی زمین میں دھنسا دیئے جاتے۔ اگر کسی نے جائز ذرائع سے دولت کمائی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اور خرچ بھی جائز کاموں میں ہو تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سزا نہیں دیتے۔ اور جو لوگ ناجائز طریقے سے دولت کماتے ہیں وہ کب تک اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچیں گے۔ دنیا کی زندگی میں عذاب نہ ہوا تھا تو قبر برزخ میں ہوگا، دوزخ میں ہوگا۔ عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے۔ کہنے لگے ﴿لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا﴾ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ کرتا ﴿لَخَسَفَ بِنَا﴾ تو ہمیں بھی دھنسا دیتا زمین میں ﴿وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ تعجب ہے گویا کہ فلاح نہیں پاتے کفر کرنے والے۔ رب تعالیٰ کے احکام کا انکار کرنے والے فلاح نہیں پا سکتے چاہے وہ کھلے کافر ہوں یا بہ ظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے ہوں۔ اب یہاں دیکھ لو کہ قارون اولیاء کی اولاد میں سے تھا موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا مگر کوئی نسبت کام نہ آئی۔ ایمان اور عمل صالح کام آتا ہے۔

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ﴾ وہ آخرت کا گھر ہے ﴿نَجْعَلُهَا﴾ ہم ٹھہراتے ہیں اس کو ﴿لِلَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿لَا یُرِیْدُوْنَ﴾ جو نہیں ارادہ کرتے ﴿عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ﴾ بڑائی کا زمین میں ﴿وَ لَا فَسَادًا﴾ اور نہ فساد کا ﴿وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ اور اچھا انجام ہے پرہیزگاروں کے لیے ﴿مَنْ جَآءَ﴾ جو شخص لے کر آیا ﴿بِالْحَسَنَةِ﴾ نیکی ﴿فَلَهٗ خَیْرٌ﴾

﴿مِّنْهَا﴾ پس اس کے لیے بہتر ہوگا اس سے ﴿وَ مَنْ جَآءَ﴾ اور جو شخص لے کر آیا ﴿بِالسَّيِّئَةِ﴾ برائی ﴿فَلَا يُجْزَى﴾ پس نہیں بدلہ دیا جائے گا ﴿الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ﴾ جنھوں نے عمل کیے بُرے ﴿اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ مگر اسی چیز کا جو وہ عمل کرتے تھے ﴿اِنَّ الَّذِيْ﴾ بے شک وہ رب ﴿فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ﴾ جس نے فرض کیا آپ پر قرآن ﴿لَرَآدُّكَ﴾ البتہ آپ کو لوٹائے گا ﴿اِلٰى مَعَادٍ﴾ لوٹنے کی جگہ ﴿قُلْ رَّبِّيْۤ اَعْلَمُ﴾ آپ کہہ دیں میرا رب خوب جانتا ہے ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿جَآءَ بِالْهُدٰى﴾ جو ہدایت لے کر آیا ہے ﴿وَ مَنْ هُوَ﴾ اور اس کو ﴿فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ جو کھلی گمراہی میں ہے ﴿وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا﴾ اور آپ اُمید نہیں رکھتے تھے ﴿اَنْ يُّلْقٰۤى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ﴾ کہ ڈالی جائے آپ کی طرف کتاب ﴿اِلَّا رَحْمَةً﴾ مگر رحمت ہے ﴿مِّنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ﴾ پس آپ ہرگز نہ ہوں ﴿ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ امداد کرنے والے کافروں کی ﴿وَ لَا يَصُدُّنَّكَ﴾ اور ہرگز نہ روکیں آپ کو ﴿عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ﴿بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ﴾ بعد اس کے وہ نازل کی گئی ہیں ﴿اِلَيْكَ﴾ آپ کی طرف ﴿وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ﴾ اور آپ بلائیں اپنے رب کی طرف ﴿وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور آپ ہرگز نہ ہوں شرک کرنے والوں میں سے ﴿وَ لَا تَدْعُ﴾ اور آپ نہ پکاریں ﴿مَعَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ کسی اور کو معبود ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں ہے کوئی الٰہ مگر وہی ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ﴾ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے ﴿اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ مگر رب کی ذات ﴿لَهُ الْحُكْمُ﴾ اسی کا حکم ہے ﴿وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

کل کے درس میں تم نے پڑھا کہ قارون کو اس کی قوم نے کہا ﴿وَ ابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾ "اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے اس میں آخرت کا گھر تلاش کر۔" آج کی پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ آخرت کے گھر سے کون لوگ محروم رہتے ہیں اور وہ کن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ فرمایا ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ﴾ آخرت کا وہ گھر ہے کہ ﴿نَجْعَلُهَا﴾ بنایا ہے ہم نے وہ آخرت کا گھر ﴿لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ﴾ جو نہیں ارادہ کرتے بڑائی کا زمین میں ﴿وَ لَا فَسَادًا﴾ اور نہ فساد کرتے ہیں۔ جو غرور کرے گا زمین میں اور فساد کرے گا وہ آخرت کے گھر سے محروم رہے گا۔

تکبر روحانی بیماریوں میں بڑی بیماری

تکبر روحانی بیماریوں میں سے بڑی بیماری ہے۔ تکبر کی وجہ سے ابلیس راندۂ درگاہ ہوا۔ تکبر کا معنٰی ہے لوگوں کو حقیر سمجھنا اور حق کو قبول نہ کرنا۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جس آدمی کی جان اس کے جسم سے اس حالت میں جدا ہوئی کہ وہ شخص تکبر، خیانت اور غلول سے پاک ہو تو ایسا شخص جنت میں داخل ہوگا۔ تو تکبر جنت میں جانے سے رکاوٹ ہے۔ اور دوسری چیز

فساد ہے۔ قارون کو قوم نے یہ بھی کہا تھا ﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ﴾ "زمین میں فساد طلب نہ کر اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی فساد فی الارض ہے۔

تو فرمایا آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے ہے جو تکبر اور فساد کرنے سے پرہیز کرتے ہیں ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ اور اچھا انجام پرہیز گاروں کا ہے جو گناہوں سے بچتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا﴾ جو شخص لے کر آیا نیکی پس اس کے لیے بہتر ہوگا اس سے۔

نیکی کے قبول ہونے کی تین بنیادی شرائط

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ نیکی والے سے مراد کون شخص ہے کہ اس میں نیکی کی قبولیت کی شرطیں پائی جائیں اور نیکی کی قبولیت کی تین بنیادی شرطیں ہیں وہ سمجھ لیں۔ پہلی شرط ایمان ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی اور ایمان وہ ہے جس کو قرآن ایمان کہے، حدیث ایمان کہے، فقہ اسلامی ایمان کہے۔ خود ساختہ، جعلی اور بناوٹی ایمان کی کوئی حیثیت نہیں ہے دعویٰ ایمان کوئی چیز نہیں ہے۔ دعویٰ تو منافق بھی کرتے تھے کہ ہم مومن ہیں۔

ایمان کے بعد دوسری شرط اخلاص ہے کہ وہ نیکی ریا اور دکھلاوے سے پاک ہو نیکی صرف رب تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو۔ تیسرے پارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے اعمال کو ریا کے ساتھ باطل نہ کرو ریا والا کوئی عمل قبول نہیں ہے۔ ایمان اخلاص کے ساتھ تیسری بنیادی شرط اتباعِ سنت ہے کہ وہ نیکی سنت کے مطابق ہو۔ ان شرائط کے ساتھ نیکی کرنے والے لوگ آیت کریمہ میں مراد ہیں۔ ان شرائط کے ساتھ جس آدمی نے نیکی کی تو اس کے لیے اس سے بہتر ہوگا۔

اس کی تفصیل سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۶۰ میں موجود ہے کہ ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ "پس جو شخص لایا نیکی پس اس کے لیے دس گنا اجر ہے۔" مثلاً: جس نے سبحان اللہ کہا اس کو دس نیکیاں نقد مل گئیں، الحمد للہ کہا دس نیکیاں مل گئیں۔ لا الہ الا اللہ کہا دس نیکیاں مل گئیں مسلمان بھائی کو السلام علیکم کہا دس نیکیاں مل گئیں جواب میں وعلیکم السلام کہا دس نیکیاں مل گئیں، صدقہ کیا دس نیکیاں مل گئیں۔ عام حالات میں ہر نیکی کا اجر دس گنا اور فی سبیل اللہ کی مد میں ایک نیکی کا ادنیٰ ترین بدلہ سات سو ہے ﴿وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ [بقرہ: ۲۶۱] فی سبیل اللہ کی بہت ساری قسمیں ہیں۔ پہلی قسم علم دین حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا۔ مثلاً: صبح کو تم گھر سے چلتے ہو نماز پڑھنے کے لیے، ساتھ یہ بھی ارادہ کر لو کہ قرآن پاک کا درس سننا ہے تو تمھیں ہر ہر قدم پر ادنیٰ ترین نیکی سات سو ملے گی۔ آتے ہوئے بھی اور جاتے ہوئے بھی۔ دین کی تبلیغ کے لیے جانا یہ بھی فی سبیل اللہ ہے، کافروں کے ساتھ جہاد کرنا یہ بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ کیوں کہ اگر جہاد نہ ہوا تو کافروں کی قوت بڑھ جائے گی اسلام نہیں پھیل سکے گا لہٰذا جہاد کے ذریعے ان کی حوصلہ شکنی کرنی ہے۔

تو فرمایا جو بھلائی لے کر آیا اس کے لیے اس سے بہتر ہے ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ﴾ اور جو لایا برائی ﴿فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ پس نہیں بدلہ دیا جائے گا ان لوگوں کو جنھوں نے عمل کیے برے مگر اتنا جتنا انھوں نے عمل

کیا۔ایک برائی کی ہے تو ایک ہی ہوگی، دو کی ہیں تو دو ہی ہوں گی، تین کی ہوں گی تو تین ہی ہوں گی، چار کی ہوں گی تو چار ہی ہوں گی پانچ نہیں ہوں گی۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کتنی وسیع ہے۔ فرمایا ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ [اعراف:۱۵۶] "میری رحمت ہر شے پر وسیع ہے۔" پھر بھی کوئی بد بخت دوزخ میں جائے تو اس سے بڑا بد بخت کون ہے؟

بزرگوں کے مجاہدے اور ریاضتیں صحیح ہیں

جنت بڑی قیمتی ہے اس کے لیے بڑی محنت کی ضرورت ہے تیاری کی ضرورت ہے۔ دل صاف ہوگا تو تیاری کرے گا اور دل کی صفائی کے لیے بزرگوں نے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کی ہیں۔ دل کی صفائی اگر اتنی آسان ہوتی تو ان کو اتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ بعض لوگ کہتے ہیں یہ سنت کے خلاف ہیں اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا نہیں کیا۔ بھئی! ٹھیک ہے بیشک انھوں نے ایسا نہیں کیا لیکن ان کے دل کی صفائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ سے ایک منٹ میں ہو جاتی تھی ان کے دل ایسے صاف تھے جیسے آئینہ صاف ہوتا ہے اس کو صاف کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں کلمہ پڑھا رنگ چڑھ گیا۔ آج اس طرح کی صفائی پچاس سال میں بھی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا آج مجاہدوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہے۔

لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ کی تفسیر

فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْ﴾ بے شک وہ رب ﴿فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ﴾ جس نے فرض کیا آپ پر قرآن ﴿لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ﴾ البتہ آپ کو لوٹائے گا لوٹنے کی جگہ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے تھے۔ رب تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھر فاتحانہ انداز میں مکہ مکرمہ لاؤں گا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں سے تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے اور چھپ چھپا کر گئے تھے۔ مگر جب ۸ ھ میں آپ فاتحانہ انداز میں تشریف لائے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن مشرک چھپتے پھرتے تھے یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بخاری شریف میں ہے۔ اور ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ بڑے مفسر ہیں وہ فرماتے ہیں کہ معاد سے مراد مقام محمود ہے۔ مقام محمود میدان محشر میں ایک مقام ہے اور وہاں ایک جھنڈا ہوگا اس کا نام لواء الحمد ہے۔ اس کو تم یوں سمجھو کہ یہاں جلسہ ہوتا ہے تو سٹیج بناتے ہیں خاص حضرات سٹیج پر ہوتے ہیں اور عام لوگ نیچے بیٹھے ہوتے ہیں۔ تو مقام محمود میدانِ محشر کا سٹیج ہوگا اس پر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھنڈا لہرا رہا ہوگا باقی مخلوق نیچے ہوگی۔ تو امام ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معاد سے مراد مقام محمود ہے اور اکثر مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معاد سے مراد قیامت ہے کہ رب تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کی طرف لوٹائے گا ﴿قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ﴾ آپ فرما دیں میرا رب خوب جانتا ہے ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿جَآءَ بِالْهُدٰى﴾ جو ہدایت لے کر آیا ﴿وَمَنْ﴾ اور اس کو بھی ﴿هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ جو کھلی گمراہی میں ہے رب اس کو بھی جانتا ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤى اِلَیْكَ الْكِتٰبُ﴾ اے نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ اُمید نہیں رکھتے تھے کہ ڈالی جائے گی، اُتاری جائے گی آپ کی طرف کتاب نبوت ملنے سے پہلے۔ آپ کو کوئی اُمید نہیں تھی کہ مجھے نبوت ملے گی، کتاب ملے گی ﴿ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ﴾ مگر رحمت ہے آپ کے رب کی طرف سے کہ اس نے آپ کو نبی بنایا، کتاب نازل فرمائی۔

بدعتیوں کا غلط نظریہ

بریلوی حضرات میں جو غالی قسم کے لوگ ہیں جن میں مفتی احمد یار خان بھی ہے۔ وہ اپنی کتاب "جاء الحق" میں لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو حافظ قرآن تھے۔ سوال یہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی حافظ قرآن تھے تو غارِ حرا میں قرآن کس پر نازل ہوا پھر مکہ مکرمہ میں کس پر نازل ہوا؟ پھر مدینہ منورہ میں کس پر نازل ہوتا رہا؟ مبالغے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمید بھی نہیں تھی کہ کتاب ملے گی اور سورت شوریٰ میں فرمایا کہ ﴿ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ﴾ "آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کی تفصیلات کیا ہیں۔" اور یہ کہتا ہے کہ آپ پیدائشی طور پر حافظ تھے غلو کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اس کا نام محبت نہیں ہے کون شخص ہے مسلمانوں میں سے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت نہیں ہے؟ مگر محبت کا یہ مطلب تو نہیں کہ آدمی حدیں پھلانگ جائے کہ جس سے قرآن کا انکار لازم آئے۔ فرمایا ﴿ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾ پس آپ نہ ہوں امداد کرنے والے کافروں کے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اُمت کو سمجھایا ہے کہ ہرگز کافروں کی مدد نہ کریں۔ کافروں کی مدد کسی بھی مرحلہ میں صحیح نہیں۔

اب اس وقت دیکھو! ہماری حکومت خود تو ہمارے ساتھ ظلم و زیادتی کر ہی رہی ہے دوسروں سے بھی ہمارے ساتھ زیادتی کرا رہی ہے۔ مثلاً: بھارت کو تجارت کی وہ سہولتیں دی ہیں جو مقامی تاجروں کو حاصل نہیں ہیں۔ کیا ان کو یہ سہولتیں اس لیے دی ہیں کہ وہ بے ایمان ہمارا گلا کاٹ رہے ہیں، مسلمان عورتوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ غداری کر رہے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ حربی کافر یعنی وہ کافر جو مسلمانوں کے ساتھ لڑ رہے ہیں ان کی مدد کرنا حرام ہے۔ ہاں وہ کافر جو تمھارے ساتھ نہیں لڑتے دین کے معاملے میں تو ان کے ساتھ برتاؤ کرنے کی اجازت ہے جیسا کہ سورۃ الممتحنہ میں اس کا حکم موجود ہے۔ لڑنے والے کافروں کو سہولتیں دینا حرام ہے مگر ہم نے تو کام ہی وہ کرنا ہے جو قرآن کے خلاف ہو۔ قرآنی احکامات کو ظالمانہ کہا، جابرانہ کہا، وحشیانہ کہا اور اس کے باوجود مسلمان کہلاتے ہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ اگر قرآن کی اوّل تا آخر مخالفت کرنے کے باوجود بھی مسلمان ہیں تو پھر کافر کس بلا کا نام ہے؟

رب تعالیٰ کی طرف دعوت پیغمبروں کا اجتماعی کام ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَلَا يَصُدُّنَّكَ ﴾ اور ہرگز نہ روکیں آپ کو۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اُمت کو سمجھایا جا رہا ہے۔ ہرگز نہ روکیں آپ کو ﴿ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو بیان کرنے سے ہرگز یہ کافر نہ روکیں ﴿ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ ﴾

بعد اس کے کہ وہ نازل کی گئی ہیں آپ کی طرف۔ اور کیا کام کرنا ہے ﴿وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ اور آپ بلائیں اپنے رب کی طرف۔ اپنے رب کی طرف دعوت دیں۔ یہ تمام پیغمبروں کا اجتماعی کام ہے اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت۔ اگر دنیا میں اس سے اچھا کام ہوتا تو اللہ تعالیٰ وہ کام اپنے پیغمبروں کے سپرد کرتا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا اس سے بڑا کام دنیا میں کوئی نہیں ہے ﴿وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ یہ بھی آپ کو خطاب کر کے امت کو سمجھایا گیا ہے۔ اور ہرگز نہ ہوں شرک کرنے والوں میں سے۔ اور شرک کی عام قسم ہے غیر اللہ کو پکارنا اس لیے فرمایا ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ﴾ اور آپ نہ پکاریں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود، حاجت روا، مشکل کشا۔ جب مشکلات پیش آتی ہیں تو مشرک لوگ کہتے ہیں:

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا غوث اعظم دست گیر

یہ خالص شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا نہ کوئی حاجت روا، نہ مشکل کشا، نہ کوئی فریاد رس اور نہ کوئی دست گیر، نہ کوئی دینے والا اور نہ کوئی لینے والا۔ اس کو جاہل قسم کے لوگ فروعی مسائل سمجھتے ہیں یہ فروعی مسائل نہیں ہیں یہ کفر و شرک کی بنیاد ہے۔ فروعی مسائل تو ہیں حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی کے درمیان۔ یہ عقائد تو بالکل قرآن کے خلاف ہیں۔ یاد رکھنا! ساری عمر نمازیں پڑھتا رہے ایک دفعہ کہے یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ اور عقیدہ ہو کہ شیخ عبدالقادر جیلانی ہر جگہ سے سنتے اور دیتے ہیں تو کافر ہو گیا ساری عبادات باطل ہو گئیں۔ یہ چھوٹے مسائل نہیں ہیں۔

تو فرمایا مت پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود، حاجت رو ﴿لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ نہیں ہے کوئی الٰہ، حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس، دستگیر مگر وہی اللہ تعالیٰ ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے مگر رب کی ذات۔ سورۂ رحمٰن میں ہے۔

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴾ ”جو کوئی ہے زمین میں فنا ہونے والا ہے ﴿وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴾ اور باقی رہے گی تیرے رب کی ذات جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔“ باقی سب فانی ہیں۔ حتی کہ لوگوں کی جان نکالنے والے فرشتے پر بھی موت آئے گی ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [آل عمران: ۱۸۵] ”ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔“ ﴿لَهُ الْحُكْمُ﴾ اسی کا حکم ہے ﴿وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اس کے متعلق سوچو کہ جب رب تعالیٰ کی عدالت میں جاؤ گے تو کیا جواب دو گے۔ آج کے درس کو اپنے گھروں میں جا کر سناؤ، دھراؤ اور اس کا تکرار کرو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡعَنۡکَبُوۡتِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ اَمَّنۡ خَلَقَ ، اُتۡلُ مَآ اُوۡحِیَ
(۲۰) (۲۱)

آیاتہا ۶۹ ㉙ سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْتِ مَکِّیَّۃٌ ㊽ رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ﴾ کیا گمان کرتے ہیں لوگ ﴿اَنْ یُّتْرَکُوْٓا﴾ کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے ﴿اَنْ﴾ اس بات پر ﴿یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا﴾ کہ وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں ﴿وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ﴾ اوران کی آزمائش نہیں کی جائے گی ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا﴾ اور البتہ تحقیق آزمائش میں ڈالا ہم نے ﴿الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿مِنْ قَبْلِھِمْ﴾ جو ان سے پہلے تھے ﴿فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ﴾ پس اللہ تعالیٰ ضرور ظاہر کرے گا ﴿الَّذِیْنَ صَدَقُوْا﴾ ان لوگوں کو جو سچے ہیں ﴿وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ﴾ اور ضرور ظاہر کرے گا جھوٹوں کو ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ﴾ کیا خیال کیا ان لوگوں نے ﴿یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ جو عمل کرتے ہیں بُرے ﴿اَنْ یَّسْبِقُوْنَا﴾ کہ وہ ہم سے آگے نکل سکتے ہیں ﴿سَآءَ﴾ بُرا ہے ﴿مَا یَحْکُمُوْنَ﴾ جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿مَنْ کَانَ یَرْجُوْا﴾ جو شخص اُمید رکھتا ہے ﴿لِقَآءَ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی ﴿فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ﴾ پس بے شک میعاد اللہ تعالیٰ کی ﴿لَاٰتٍ﴾ البتہ آنے والی ہے ﴿وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ اور وہی سننے والا جاننے والا ہے ﴿وَمَنْ جَاھَدَ﴾ اور جس نے جہاد کیا ﴿فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ﴾ پس پختہ بات ہے وہ جہاد کرے گا اپنی جان کے لیے ﴿اِنَّ اللّٰہَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَغَنِیٌّ﴾ البتہ بے پرواہ ہے ﴿عَنِ الْعٰلَمِیْنَ﴾ تمام جہان والوں سے ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿لَنُکَفِّرَنَّ﴾ البتہ ہم ضرور مٹائیں گے ﴿عَنْھُمْ﴾ ان سے ﴿سَیِّاٰتِھِمْ﴾ ان کی خطائیں ﴿وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ﴾ اور ہم ضرور ان کو بدلہ دیں گے ﴿اَحْسَنَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ بہتر ان اعمال کا جو وہ کرتے تھے ﴿وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ﴾ اور ہم نے تاکیدی حکم دیا ہے انسان کو ﴿بِوَالِدَیْہِ﴾ اس کے والدین کے بارے میں ﴿حُسْنًا﴾ اچھائی کا ﴿وَاِنْ جَاھَدٰکَ﴾ اور اگر وہ زور ڈالیں تجھ پر ﴿لِتُشْرِکَ بِیْ﴾ کہ تو شریک بنائے میرے ساتھ ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ﴾ جس کا تجھے علم نہیں ہے ﴿فَلَا تُطِعْھُمَا﴾ پس اطاعت نہ کر ان دونوں کی ﴿اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ﴾ میری طرف ہے تمہارا لوٹنا ﴿فَاُنَبِّئُکُمْ﴾ پس میں تمہیں خبر دوں گا ﴿بِمَا﴾ اس کارروائی کی ﴿کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ جو تم کرتے تھے۔

سورۃ العنکبوت کی وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۃ العنکبوت ہے۔ عنکبوت کا معنیٰ ہے مکڑی جو گھروں میں جالا بنتی ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا رد کرتے ہوئے فرمایا۔ مثال ان لوگوں کی جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے مکڑی، ﴿ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ﴾، چوں کہ عنکبوت کا لفظ اس سورت میں آیا ہے تو اس وجہ سے سورت کا نام عنکبوت ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اس سے پہلے چوراسی سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے سات [۷] رکوع اور اُنہتر [۶۹] آیات ہیں۔

﴿ الٓمّٓ ﴾ حروف مقطعات میں سے ہے۔ اور یہ حروف انتیس [۲۹] سورتوں کے شروع میں آتے ہیں۔ ان کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ نے بڑی تفصیل بیان کی ہے۔ ایک یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے مخفف ہیں۔ مخفف کا مطلب یہ ہے کہ ایک لفظ سے ایک حرف لے لیا جائے جیسے محمد شفیع۔ تو لفظ محمد سے میم لے لیا جائے اور شفیع سے شین لے لیا جائے اور م۔ ش لکھا جائے جس سے مراد محمد شفیع ہو۔ تو گویا م۔ ش محمد شفیع کا مخفف ہے۔ تو اس تفسیر کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً: الف سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ اور لام سے مراد لطیف ہے باریک بین۔ اور میم سے مراد مالک ہے ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ قیامت کے دن کا مالک۔ "کتاب الاسماء والصفات للبیہقیؒ" میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر نقل کی گئی ہے کہ هِيَ مِنْ اَسْمَاءِ اللهِ تعالٰی کہ یہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ کے نام ہیں یعنی بعینہ یہ حروف اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام مشہور اور پانچ ہزار غیر مشہور ہیں

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ابن کثیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام خمسۃ الاف پانچ ہزار ہیں۔ ان ناموں میں یہ بھی ہیں۔ یہ جو ننانوے نام ہیں وہ مشہور ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام صرف ننانوے ہیں بلکہ یہ مشہور نام ہیں تو ایک تفسیر یہ ہوئی کہ بعینہ یہی حروف اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اور دوسری تفسیر یہ ہوئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں سے مخفف ہیں ان پر دلالت کرتے ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ الف سے مراد اللہ تعالیٰ اور لام سے مراد جبرئیل علیہ السلام اور میم سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الف الآءُ اللہ سے مخفف ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ میں ہے الاء۔ اِلْیٌ، اَلْیٌ یا اُلْیٌ ہے۔ جس کا معنیٰ نعمت ہے۔ آلاء کا معنیٰ نعمتیں اور لام سے مراد لطف اللہ ہے اور میم سے مراد ملک اللہ ہے۔ مطلب بنے گا ملک بھی اللہ تعالیٰ کا، مہربانیاں بھی اللہ تعالیٰ کی، نعمتیں بھی اللہ تعالیٰ کی۔ اور بھی بہت سی باتیں کی گئی ہیں۔

ایمان سے زیادہ قیمتی شے کوئی نہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ ﴾ کیا خیال کرتے ہیں لوگ، کیا گمان کرتے ہیں لوگ ﴿ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا ﴾ اس بات کا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے ﴿ اَنْ ﴾ صرف اس بات پر ﴿ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا ﴾ کہ وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں۔ صرف ﴿ اٰمَنَّا ﴾ کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے ﴿ وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴾ اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے اس کے لیے اتنی ہی محنت کرنا پڑتی ہے۔ محنت کے بغیر قیمتی شے حاصل نہیں ہوتی اور یقین جانو! ایمان سے زیادہ قیمتی شے کوئی نہیں ہے۔ اس جہان میں چوں کہ اس کی منڈی نہیں ہے اس لیے اس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کا علم اگلے جہان میں ہوگا۔ بہر حال ایمان سے قیمتی شے کوئی نہیں ہے۔

تو صرف ﴿ اٰمَنَّا ﴾ کہنے سے ایمان کی سند نہیں مل جائے گی کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ ہم مومن ہیں اتنی بات پر تمھیں نہیں چھوڑ دیا جائے گا کہ تمھارا امتحان نہ ہو آزمائش نہ ہو کہ ایمان پر پورے اُترتے ہو یا نہیں۔ یاد رکھنا! ہم موروثی مسلمان ہیں کہ ہمارے باپ دادا مسلمان تھے اس لیے ہم مسلمان ہیں۔ جو چیز وراثت میں ملتی ہے اس کی قدر نہیں ہوتی۔ اسلام کی قدر پوچھو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے، حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے، حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے اسلام کی قدر پوچھو، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ سے، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا سے، حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اس کی کچھ قیمت بھی دنیا میں ادا کی، ماریں کھائیں، قیدیں بھگتیں، دھوپ میں لٹرے، انگاروں پر جلے، بہت کچھ کیا۔

ایمان کے ساتھ آزمائش ہوگی

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کیا خیال کرتے ہیں کہ صرف امنا کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے اور انہیں آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا ﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آزمائش میں ڈالا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے۔ ان کا امتحان ہوا بڑی آزمائشیں ہوئیں ﴿ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ﴾ پس ضرور ظاہر کرے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو سچے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو صحابہ کرام میں دوسرے نمبر کے مفسر ہیں کیوں کہ پہلے نمبر کے مفسر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ اس کا معنیٰ کرتے ہیں کہ پس البتہ ضرور ظاہر کرے گا ان لوگوں کو جو سچے ہیں ﴿ وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ اور ضرور ظاہر کرے گا ان کو جو جھوٹے ہیں۔ بغیر امتحان کے جھوٹے سچے کا پتا نہیں چلتا۔ دنیا میں امتحان اسی لیے مقرر ہوئے ہیں کہ محنت کرنے والے اور محنت سے گریز کرنے والے کا علم ہو جائے، سمجھ دار اور احمق کا امتیاز ہو جائے۔ دعویٰ ایمان اور چیز ہے اور حقیقتِ ایمان اور چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا فرمائیں گے کہ ان سے جھوٹے اور سچے الگ الگ ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا

آگے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو تنبیہ فرمائی ہے جو مومنوں پر مظالم ڈھاتے ہیں۔ فرمایا ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

السَّیِّاٰتِ﴾ کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جو بُرے کام کرتے ہیں ﴿اَنْ یَّسْبِقُوْنَا﴾ کہ وہ ہم سے سبقت لے جائیں گے، آگے نکل سکتے ہیں، ہم سے بھاگ جائیں گے۔ عربی میں سابق اس کو کہتے ہیں جو آگے نکل جائے اور مسبوق اسے کہتے ہیں جو پیچھے رہ جائے۔ مدرک اس کو کہتے ہیں جو اول سے آخر تک نماز میں شریک رہے۔ تو جو لوگ برے کام کرتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے بچ جائیں گے دوڑ کے آگے نکل جائیں گے اگر ایسا فیصلہ کرتے ہیں تو ﴿سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ﴾ بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ کی گرفت اور پکڑ سے کوئی نکل سکتا ہے؟ کہاں جائے گا۔ سورہ رحمٰن میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ "اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! ﴿اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ نکل جاؤ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے ﴿فَانْفُذُوْا﴾ تو نکل جاؤ ﴿لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ تم نہیں نکل سکتے مگر غلبے کے ساتھ۔" رب تعالیٰ کے آسمان کو چھوڑ کر زمین کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے؟ یہ کبھی نہ خیال کرو کہ رب تعالیٰ کی گرفت سے بچ جاؤ گے نافرمانی کر کے ﴿مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ﴾ جو شخص اُمید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی۔ اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے مراد قیامت کا یقین رکھنا ہے۔ اس پر یقین ہے کہ قیامت حق ہے ایک دن آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت قائم ہوگی اور میں رب تعالیٰ کی عدالت میں کھڑا ہوں گا اور رب تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے کہ اے بندے! تو کیا کر کے آیا ہے۔ فرمایا یاد رکھو! ﴿فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ﴾ پس بے شک میعاد یعنی اللہ تعالیٰ نے جو وقت مقرر کیا ہے وہ البتہ آنے والا ہے ضرور آ کر رہے گا۔

بنیاد پرست ہونا عقل مندی ہے

جیسے توحید اور رسالت کا مسئلہ بنیادی ہے اسی طرح قیامت کا مسئلہ بھی بنیادی ہے۔ آج جو آدمی ان چیزوں پر ایمان رکھتا ہے اس کو یورپی قومیں بنیاد پرست کہہ کر طعنہ دیتی ہیں۔ بھائی بنیاد پرست ہونا عقل کی بات ہے۔ اس طعنے سے گھبرائیں مت، کسی زمانے میں اولڈ فیشن ہوتا تھا کسی زمانے میں قدامت پسند کا لفظ بولتے تھے۔ آج کل بنیاد پرست کی اصطلاح ہے جو پکا سچا مسلمان ہو اپنے عقیدے پر قائم ہو اس کو بنیاد پرست کہتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بنیاد پرست بنائے اس طعنے سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ﴿وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ اور وہی سننے والا ہے اور وہی جاننے والا ہے۔ قریب و بعید، بلند اور پست بات کو اللہ تعالیٰ ہی سنتا ہے اور اس کی اس صفت میں اور کوئی شریک نہیں ہے۔ فرمایا ﴿وَمَنْ جَاهَدَ﴾ اور جس نے جہاد کیا ﴿فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ﴾ پس پختہ بات ہے کہ وہ جہاد اپنے نفس کے لیے کرے گا۔

جہاد کی اقسام

جہاد کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک جہاد ہے دشمن کے مقابلہ میں مورچہ بند ہونا، اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے کافروں کے ساتھ لڑنا اور نفس امارہ کا مقابلہ کرنا بھی جہاد ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِالْمُجَاهِدِ "کیا میں تمھیں نہ بتلاؤں کہ مجاہد کون ہوتا ہے۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضرت بتلائیں۔ فرمایا: مَنْ

جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِيْ طَاعَةِ اللهِ "جوشخص جہاد کرے اپنے نفس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں۔" جو رب تعالیٰ کی رضا کے لیے دین کے سلسلے میں اپنے نفس کا مقابلہ کرے وہ بھی مجاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننا یہ بھی جہاد کی ایک قسم ہے۔

تو فرمایا جس نے جہاد کیا پختہ بات ہے وہ جہاد کرے گا اپنے نفس کے لیے۔ رب تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے ﴿اِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ البتہ بے پروا ہے تمام جہان والوں سے۔ وہ تمھاری نمازوں، روزوں، عبادتوں اور محنتوں کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی صفت ہے الصمد بے نیاز۔ ساری دنیا اس کی محتاج ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ البتہ ہم ضرور مٹادیں گے ان کی خطائیں۔ گناہ معاف کر دیں گے۔ گناہ معاف ہو جائیں بڑی بات ہے۔ شیخ مصلح الدین سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان میں ایک بزرگ کی بات نقل فرمائی ہے:۔

می نگویم کہ طاعتم بہ پذیر
قلم عفو بر گنا ہم کش

"میں نہیں کہتا کہ میری بندگی قبول فرمالے البتہ معافی کا قلم میرے گناہوں پر پھیر دے۔" یعنی میرے گناہوں کو معاف فرما دے۔ ہم بے فکر لوگ ہیں ہمیں آخرت کا احساس ہی نہیں ہے۔ ایک دو دن نماز پڑھ کے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ رب ہمارا مقروض ہو گیا ہے۔ وہ لوگ بھی تھے جو عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ "اے پروردگار! تیری عبادت کا حق ہم سے ادا نہیں ہو سکا جس طرح آپ کی عبادت کرنے کا حق تھا اس طرح ہم عبادت نہیں کر سکے۔" تو فرمایا ہم ان کے گناہ معاف کر دیں گے ﴿وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور ہم ان کو ضرور بدلہ دیں گے بہتر ان کاموں کا جو وہ کرتے تھے۔ پہلے تم پڑھ چکے ہو کہ جو آدمی ایمان، اخلاص اور اتباعِ سنت کے جذبے سے نیکی کرے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ دس گنا اجر عطا فرماتے ہیں۔ فی سبیل اللہ کی مد میں کرے گا تو سات سو گنا اجر ملے گا ﴿وَاللهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ "اور اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا امتحان

آگے ایک امتحان کا ذکر ہے۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ مردوں میں تیسرے نمبر پر مسلمان ہوئے ہیں۔ بخاری شریف میں روایت ہے وہ خود فرماتے ہیں اِنَّا ثُلُثُ الاسلام "مسلمانوں کا تیسرا حصہ۔" مطلب یہ ہے کہ میں تیسرے نمبر پر مسلمان ہوا۔ ان کے والد کا نام مالک تھا اور دادے کا نام وقاص تھا تو سعد بن وقاص یہ دادے کی طرف نسبت ہے۔ عتبہ بن وقاص جس نے احد کے موقع پر پتھر مار کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھوڑا سا دانت توڑا تھا یہ ان کا بھائی تھا۔ بعد میں ۸ھ میں عتبہ بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور فاتح ایران ہیں۔ جب یہ مسلمان ہوئے تو والد تو ان

کے فوت ہو چکے تھے محلے داروں نے ان کو ڈرایا دھمکایا کہ اسلام چھوڑ دو، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دو۔ لیکن یہ کوئی کچے آدمی تو نہیں تھے کہ لوگوں کے ڈرانے دھمکانے سے ایمان چھوڑ دیتے۔ لیکن دنیا میں بڑی سازشیں ہوتی ہیں۔ محلے دار اکٹھے ہو کر ان کی والدہ کے پاس گئے جس کا نام حمنہ تھا اور یہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھی۔ محلے داروں نے جا کر کہا باجی! آپ کے بیٹے سعد کو کیا ہو گیا ہے اس نے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے؟ کسی نے کہا خالہ جی! آپ کا عقیدہ کیا ہے اور سعد نے کون سا عقیدہ بنا لیا ہے خوب اُکسایا اور کہا کہ تم بھوک ہڑتال کر دو کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کھاؤں پیوں گی جب تک سعد کلمہ نہیں چھوڑے گا۔ لوگ منہ میں پانی ڈالتے تھوک دیتی، روٹی ڈالتے اُگل دیتی، گھر میں شدید پریشانی کی صورت حال پیدا ہو گئی۔

سعد رضی اللہ عنہ نے کہا امی! آپ کا بھی حق ہے مگر کلمہ کلمہ ہے، ایمان ایمان ہے میں نے کلمہ نہیں چھوڑنا ایمان نہیں چھوڑنا۔ ماں نے کہا میں اس وقت تک نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک تو اپنے آبائی دین پر واپس نہیں آجائے گا یا پھر میں اسی طرح بھوکی پیاسی مر جاؤں گی اور ساری دنیا میں ہمیشہ کے لیے یہ رسوائی تیرے سر رہے گی کہ تم اپنی ماں کے قاتل ہو۔ شریر لوگوں نے مزید یہ کیا کہ ان کی والدہ کو کہا کہ تم گلی میں جا کر دھوپ میں لیٹ جاؤ۔ وہ گلی میں جا کر لیٹ گئی۔ لوگ پوچھتے ماں تجھے کیا ہوا ہے؟ تو کہتی کہ میرا بیٹا سعد نافرمان ہو گیا ہے۔ اندر لے جاتے کھسک کر پھر گلی میں آجاتی۔ مسلم شریف اور ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد بڑے پریشان ہوئے کہ میں کیا کروں ماں ایسی حالت کو پہنچ گئی ہے کہ جان خطرے میں تھی۔ لوگوں نے کہا سعد ماں پر ترس کھاؤ ہمارے ساتھ چلو تمہارے پیغمبر کے پاس جاتے ہیں کہ اس حالت میں کیا کرنا چاہیے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ﴾ تو پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے پاس گئے اور کہا اماں جان! اگر آپ کے بدن میں سو روحیں ہوں اور میرے سامنے ایک ایک کر کے نکلتی رہیں میں پھر بھی اپنا دین نہیں چھوڑوں گا۔ اب تم چاہو تو کھاؤ پیو یا مر جاؤ بہر حال میں اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا۔ ماں نے ان کی اس گفتگو سے مایوس ہو کر کھانا کھا لیا۔ ابن کثیر، روح المعانی، معالم التنزیل وغیرہ میں اس آیت کریمہ کا یہ شان نزول لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ﴾ اور ہم نے تاکیدی حکم دیا ہے انسان کو ﴿بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا﴾ اس کے والدین کے بارے میں اچھائی کا۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا یہ ایسا حکم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے تک یہی حکم رہا ہے کہ والدین کی ہر وہ بات ماننا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو ﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ﴾ اور اگر وہ زور ڈالیں تجھ پر۔ تمہارے والدین تم پر دباؤ ڈال کر تمہیں اس بات پر آمادہ کریں ﴿لِتُشْرِكَ بِي﴾ کہ تو شریک بنائے میرے ساتھ ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ جس کا تجھے علم نہیں ہے ﴿فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ پس اطاعت نہ کر ان دونوں کی۔ شرک ایک ایسی قبیح بیماری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ اگر والدین بھی اس پر آمادہ کریں تو ان کی بات نہ مانو۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں خدا کی شریک کوئی چیز نہیں ہے۔ سورہ یونس میں ہے ﴿قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ

۔ ﴿بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ "اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو وہ چیز بتلانا چاہتے ہو جو وہ زمین آسمان میں نہیں جانتا۔" خدا کے علم میں تو اس کا کوئی شریک نہیں ہے تمھیں کہاں سے علم ہو گیا کہ خدا کا شریک ہے۔ بہر حال فرمایا کہ والدین اگر شرک کی ترغیب دیں تو اطاعت نہیں کرنی۔

ماں باپ کی اطاعت کے متعلق ایک فقہی ضابطہ

چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق ایک فقہی ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ماں باپ اگر ایسے حکم کو چھوڑنے کا حکم دیں جو فرض اور واجب ہو تو پھر ان کی بات نہیں ماننی۔ مثلاً: کہیں کہ نماز نہ پڑھو، روزہ نہ رکھو، عورتوں کو شریعت نے پردے کا حکم دیا ہے اور وہ کہیں کہ پردہ نہ کرو، لڑکوں کو کہیں کہ ڈاڑھی منڈاؤ۔ یہ تمام چیزیں فرض یا واجب کے درجے میں آتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ "رب تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی طاعت جائز نہیں ہے۔" تو فرض یا واجب کو والدین کے کہنے پر چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ ہاں وہ احکام جو مستحب ہیں اگر والدین ان کو چھوڑنے کا حکم دیں تو چھوڑ دیں۔ مثلاً: کہیں کہ نفلی نماز نہ پڑھ، نفلی روزہ نہ رکھ اور ہماری خدمت کر تو مستحب پر والدین کی خدمت مقدم ہے۔

تو فرمایا کہ اگر والدین تجھے میرے ساتھ شریک ٹھہرانے پر آمادہ کریں تو ان کی بات نہیں ماننی ﴿اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ﴾ میری طرف ہے تمھارا لوٹنا ﴿فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پس میں تمھیں خبر دوں گا اس کارروائی کی جو تم کرتے تھے۔ پھر اس عقیدے اور عمل کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿لَنُدْخِلَنَّهُمْ﴾ البتہ ہم ضرور داخل کریں گے ان کو ﴿فِي الصّٰلِحِيْنَ﴾ نیک لوگوں میں ﴿وَمِنَ النَّاسِ﴾ اور لوگوں میں سے ﴿مَنْ﴾ وہ بھی ہیں ﴿يَّقُوْلُ﴾ جو کہتے ہیں ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ایمان لائے ہم اللہ تعالیٰ پر ﴿فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ﴾ پس جب ان کو تکلیف دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿جَعَلَ﴾ ٹھہراتے ہیں ﴿فِتْنَةَ النَّاسِ﴾ لوگوں کی آزمائش کو ﴿كَعَذَابِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح ﴿وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ﴾ اور البتہ اگر آئے مدد آپ کے رب کی طرف سے ﴿لَيَقُوْلُنَّ﴾ البتہ ضرور کہیں گے ﴿اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ﴾ بے شک ہم تمھارے ساتھ تھے ﴿اَوَلَيْسَ اللّٰهُ﴾ اور کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِاَعْلَمَ﴾ اچھی طرح جانتا ﴿بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اس چیز کو جو جہان والوں کے سینوں میں ہے ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ﴾ اور البتہ ضرور ظاہر کرے گا اللہ تعالیٰ ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾

ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ اور البتہ ضرور ظاہر کرے گا منافقوں کو ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ ان لوگوں کو جو مومن ہیں ﴿اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا﴾ تم پیروی کرو ہمارے راستے کی ﴿وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ﴾ اور ہم اٹھالیں گے تمہارے گناہ ﴿وَمَا هُمْ﴾ اور نہیں ہیں وہ ﴿بِحٰمِلِيْنَ﴾ اٹھانے والے ﴿مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی ﴿اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ بے شک وہ البتہ جھوٹے ہیں ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ﴾ اور البتہ وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ ﴿وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ اور کچھ بوجھ اپنے بوجھوں کے ساتھ ﴿وَلَيُسْـَٔلُنَّ﴾ اور البتہ ضرور سوال کیے جائیں گے ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿عَمَّا﴾ اس چیز کے بارے میں ﴿كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ جو وہ افترا باندھتے تھے۔

کل کے درس میں تم نے سنا (اور پڑھا) کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تاکیدی حکم دیا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے اور اگر والدین کفر و شرک پر آمادہ کریں تو پھر اطاعت نہیں کرنی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے ایمان کی قدر و قیمت بیان فرمائی ہے۔ فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل اچھے کیے یعنی ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی ہوں تو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے فرمایا ﴿لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ﴾ البتہ ہم ان کو ضرور داخل کریں گے نیک لوگوں میں اور نیک لوگوں کا مقام جنت ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو ایمان لائیں گے اور اچھے عمل کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا اور ان کو نیک لوگوں کی رفاقت حاصل ہوگی۔

کمزور ایمان اور منافق قسم کے لوگوں کا ذکر

آگے اللہ تعالیٰ نے کمزور ایمان والے منافق قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ﴾ اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں ﴿يَّقُوْلُ﴾ جو کہتے ہیں ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر۔ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ﴿فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ﴾ جب ان کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں تکلیف پہنچائی جاتی ہے ﴿جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ﴾ ٹھہراتے ہیں لوگوں کی آزمائش اور سزا کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح۔ لوگوں کی سزا کو ایسے سمجھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا عذاب یعنی لوگوں کی سزا سے بچنے کی ایسے کوشش کرتے ہیں جیسے رب تعالیٰ کے عذاب سے بچنا ہے۔ اور دعویٰ ایمان کا کرتے ہیں اور ایمان کے بارے میں جب امتحان آتا ہے تو پھر کچے ثابت ہوتے ہیں۔

ایمان کے دعوے دار امتحان کے وقت کچے ثابت ہوتے ہیں

اس کا ہم نے عملاً مشاہدہ کیا ہے ۱۹۳۵ء کی تحریک ختم نبوت میں دس ماہ میں نے ملتان جیل میں گزارے ہیں۔ اس جیل میں چار ضلعوں کے دوسو سیاسی قیدی تھے۔ گوجرانوالا، سیالکوٹ، کیمبل پور، سرگودھا۔ بہت بڑی بیرک تھی دومنزلہ، B کلاس

کے قیدی تھے۔ ہمیں وہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں تھی اور نہ ہی ہم سے کوئی مشقت لی جاتی تھی بلکہ ہم وہاں باقاعدہ پڑھتے پڑھاتے تھے۔ پانچ چھ سبق میں پڑھاتا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ہمارے ساتھ استاد مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل اسلم خان چھچھ کے علاقے کا تھا اور مولانا عبدالقدیر صاحب بھی چھچھ کے علاقہ کے رہنے والے تھے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ وہ ہفتے میں ایک دو دفعہ معاینہ کے لیے ضرور آتا تھا۔ ایک دفعہ آیا اور بڑی عقیدت کے ساتھ مولانا کو سلام کیا اور کہا کہ اگر آپ کو کوئی تکلیف ہو تو بتائیں میں اپنے اختیار کے مطابق اس کا ازالہ کروں گا۔ مولانا بڑے مستقل مزاج تھے کہنے لگے الحمدللہ! ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ اسلم خان نے کہا مولانا میرے پاس ایک درخواست آئی ہے اس میں لکھا ہے کہ تم ہمیں رہا کردو ہم ختم نبوت کا عقیدہ تو رکھیں گے مگر نہ ہم درس میں بیان کریں گے اور نہ مجمع میں بیان کریں گے۔

اسلم خان نے ہنستے ہوئے کہا مولانا میرے پاس دو ہزار سے زیادہ اخلاقی قیدی ہیں چھ چھ، سات سات، آٹھ آٹھ، نو نو سال سے بامشقت قید کاٹ رہے ہیں کبھی کسی قیدی نے معافی کی درخواست نہیں دی کہ ہمیں رہا کردو آئندہ ہم جرائم نہیں کریں گے۔ تمھارے مولوی دین کے لیے آئے ہیں اور اتنے کچے ہیں کہتے ہیں کہ ہم لکھ کر دیتے ہیں کہ ہم عقیدۂ ختم نبوت درس میں بیان کریں گے نہ مجمع میں بیان کریں گے۔ پھر ان کو اتنا بھی علم نہیں ہے کہ میں قیدیوں کو رہا کرنے کا مُجاز نہیں ہوں میں تو امین ہوں یہ میرے پاس امانت ہیں۔ پھر یہ مرکزی حکومت کے قیدی ہیں ان کو وزیر اعلیٰ اور گورنر بھی رہا نہیں کرسکتے۔ ہم نے استاد محترم سے کہا کہ اس سے کہو کہ ہمیں ان کے نام بتلائے۔ حضرت کے ساتھ چوں کہ اس کی بے تکلفی تھی حضرت نے کہا اسلم خان ہمیں ان کے نام بتلاؤ؟ کہنے لگا یہ راز کی باتیں ہیں بتلائی نہیں جاسکتیں۔ حضرت نے فرمایا نہیں ہمیں ضرور بتلاؤ۔ کہنے لگا اچھا میں صرف آپ کو بتلاؤں گا کسی موقع پر۔

حضرت اس کے پاس دفتر میں تشریف لے گئے۔ حضرت بڑے زودنویس تھے وہ درخواست اس نے حضرت کے سامنے رکھی حضرت نے درخواست کا مضمون تو نہ لکھا کیوں کہ وہ زبانی بتلاچکا تھا مولویوں کے نام لکھ لیے۔ وہ بہت سے مولوی تھے اور سبھی حلوہ خور تھے۔ حلوہ خوروں کے علاوہ کسی دوسرے کا نام نہ نکلا اور ہمیں اس آیت کریمہ کا مفہوم سمجھ آ گیا کہ لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر پس جب ان کو تکلیف دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ٹھہراتے ہیں لوگوں کی آزمائش اور سزا کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح۔ جیسے رب تعالیٰ کی سزا سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے ایسے اس عارضی سزا سے بچنے کے لیے حیلے بہانے بناتے ہیں۔ ﴿وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ﴾ اور البتہ اگر آئے مدد آپ کے رب کی طرف سے کہ کامیابی نصیب ہو پھر کیا ہوگا؟ ﴿لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ﴾ البتہ ضرور کہیں گے بے شک ہم تمھارے ساتھ تھے۔ یعنی تکلیف کے وقت بھاگ جاتے ہیں اور راحت اور کامیابی حاصل ہو جائے تو کہتے ہیں ہم تمھارے ساتھ ہیں۔

ہندوستان کی آزادی میں اہل بدعت کا کوئی حصہ نہیں

اس کی تازہ مثال جہادِ افغانستان میں شیعہ کا کردار ہے کہ جہاد افغانستان شروع ہوا تو تمام شیعہ تنظیمیں بھاگ کر ایران چلی گئی تھیں۔ مجاہدین کی جتنی بھی تنظیموں نے حصہ لیا وہ ساری اہل سنت والجماعت کی ہیں شیعہ کی کوئی تنظیم جہاد افغانستان میں شریک نہیں ہوئی یہ سب ایران میں مزے اڑاتے رہے جس وقت فتح قریب ہوئی تو کود کر آ گئے کہ حکومت میں ہمیں بھی حصہ دو۔ بھائی! تم جہاد سے بھاگ کر ایران میں مزے کرتے رہے اور اب تم شور مچاتے ہو کہ ہمیں بھی سیٹیں دو حکومت میں شریک کرو۔ عجیب دور ہے۔ اور یہی حال اہل بدعت کا ہے۔ تاریخ والے جانتے ہیں کہ ہندوستان کی آزادی میں اہل بدعت کا کوئی حصہ نہیں ہے سوائے ایک مولوی فضل حق خان خیر آبادی کے کہ وہ نام کے مغالطے کی وجہ سے پکڑا گیا تھا کہ اصل حکومت کا باغی تو فضل حق رام پوری تھا نام کے مغالطے کی وجہ سے فضل حق خیر آبادی پکڑا گیا اور جزیدہ انڈمین میں قید کر دیا گیا اس نے وہاں سے خط بھی لکھا کہ میں تو تمھارا ملازم ہوں اور میرا باپ بھی تمھارا ملازم رہا ہے میں تمھارا ہمدرد ہوں مگر رہا نہ ہو سکا اور جزیرہ انڈمین ہی میں بے چارہ فوت ہو گیا۔ یہ مولوی فضل حق خیر آبادی غالی بدعتی تو نہیں تھا آج کل کے بدعتیوں کی طرح کچھ تھوڑا سا بدعت کو پسند کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ بدعتی اس کو اپنا سمجھتے ہیں۔ تو اہل بدعت میں سے صرف ایک مولوی فضل حق خان خیر آبادی گرفتار ہوا اور وہ بھی نام کے مغالطے کی وجہ سے باقی سب نے انگریز کے خلاف جہاد کی مخالفت کی ہے اور اس موضوع پر انھوں نے باقاعدہ کتاب لکھی "طُرق الهُدٰی وَالْاِرشاد" یہ ہندوستان میں طبع ہوئی اور میرے پاس موجود ہے۔ اس میں ان تمام لوگوں کے فتوے موجود ہیں اور احمد رضا خان بریلوی کے بیٹے کا فتویٰ بھی موجود ہے کہ انگریز کے خلاف جہاد حرام ہے۔ پھر جب ملک بن گیا تو دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان ہم نے بنایا ہے۔ کیسی عجیب الٹی منطق ہے؟ نہ ان میں سے کوئی پھانسی پر لٹکا نہ قید ہوا نہ کوئی اجڑا، سزائیں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے کاٹیں، سزائیں مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ، محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ، شوکت علی قدوائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھگتیں، پھانسیوں پر علمائے دیوبند لٹکے، کھیر کھانے کے لیے یہ آ گئے کہ پاکستان ہم نے بنایا ہے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر آپ کے رب کی طرف سے مدد آئے تو یہ ضرور کہیں گے کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ تکلیف میں ساتھ نہیں دیتے کھیر تقسیم ہونے کے وقت آ جاتے ہیں (مراعات لینے کے لیے آ جاتے ہیں اور یہی حلوہ خور لوگوں کا وتیرہ ہے)۔ ﴿اَوَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ﴾ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ﴿بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اس چیز کو جو جہان والوں کے سینے میں ہے ﴿وَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾۔ عَلِمَ یَعْلَمُ کا معنیٰ جاننا بھی ہے اور ظاہر کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں معنیٰ ظاہر کرنے کے ہیں۔ معنیٰ ہوگا اور البتہ ضرور ظاہر کرے گا اللہ تعالیٰ ﴿الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان لوگوں کو جو مومن ہیں ﴿وَلَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ﴾ اور ضرور ظاہر کرے گا منافقین کو۔ حالات ایسے پیدا کر

دے گا کہ ان کی روشنی میں سچے جھوٹے، مخلص غیر مخلص ظاہر ہو جائیں گے۔ اگلی آیت کریمہ میں مومنوں کی ایک آزمائش کا ذکر ہے۔ کل کے سبق میں تم نے سنا کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی والدہ حمنہ بنت ابی سفیان جو بعد میں رضی اللہ عنہا ہو گئی تھیں کو محلہ داروں نے اُکسایا کہ تیرا بیٹا صابی ہو گیا ہے اس نے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے اس کو روکو اور اس سے کلمہ چھڑواؤ۔ اس نے بھوک ہڑتال کی، گلی میں لیٹی اور بڑے جتن کیے کہ سعد کلمہ چھوڑ دے مگر انھوں نے کلمہ نہ چھوڑا۔ ایک موقع پر محلہ داروں کا ایک وفد حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگے اے سعد! اگرچہ ہمارے لیے مناسب نہیں ہے کہ ہم تمھارے خانگی معاملے میں دخل دیں لیکن ایک محلے میں رہنے کی حیثیت سے ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ تمھاری والدہ کی حالت تمھارے سامنے ہے اس کا تمھارے اُوپر حق ہے لہٰذا تم اس کی بات مان لو اور اس کو راضی کرو۔ اگر تمھیں یہ خطرہ ہو اس گناہ کی وجہ سے تم سزا پاؤ گے تو تمھارے گناہ ہم اُٹھا لیتے ہیں۔

اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں ﴿لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان لوگوں کو جو مومن ہیں۔ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ جیسوں کو کہا ﴿اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا﴾ پیروی کرو تم ہمارے راستے کی۔ کفر اختیار کرو، کلمہ چھوڑ دو ﴿وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ﴾ اور ہم اُٹھا لیں گے تمھارے گناہوں کو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ اور نہیں ہیں وہ اُٹھانے والے ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی۔ سورہ فاطر آیت نمبر ۱۸ میں ہے ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ "کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔" اور سورہ لقمان آیت نمبر ۳۳ میں ہے ﴿لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا﴾ "اور نہیں کام آئے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کے اور نہ کوئی بیٹا کفایت کرنے والا ہو گا اپنے باپ کے لیے کچھ بھی۔" اور سورہ عبس میں ہے ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝﴾ "جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور بھاگے گا اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور بیٹوں سے۔" پورے میدان حشر میں کوئی کسی کو نیکی دینے کے لیے تیار نہیں ہو گا یہ کیسے کہتے ہیں کہ ہم تمھارے گناہ اُٹھا لیں گے ﴿اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ بے شک یہ جھوٹے ہیں۔ ورغلانا چاہتے ہیں مگر سعد بن مالک بن وقاص رضی اللہ عنہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کو کون ورغلا سکتا ہے وہ تیسرے نمبر پر مسلمان ہونے والے تھے، عشرہ مبشرہ میں سے تھے، فاتح ایران تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ اِنِّيْ اَوَّلُ رَجُلٍ رَمٰى فِي الْاِسْلَامِ "جب جہاد شروع ہوا تو پہلا تیر میں نے چلایا۔" رشتے اور برادری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں بھی بنتے تھے کتنے اعزاز ان کو حاصل تھے۔ کوفے کے گورنر تھے تو کچھ لوگوں نے ان کی شکایتیں کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحقیق کے لیے آدمی بھیجے تو سب جھوٹ تھا۔ مقبول الدعاء تھے اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتے تھے تو ایسے جلیل القدر صحابی کافروں کے کہنے پر کلمہ چھوڑ سکتے تھے؟

آیات کا بظاہر تعارض اور اس کا حل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ اور البتہ وہ ضرور اُٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کچھ بوجھ

اپنے بوجھوں کے ساتھ۔ بظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں ہے کہ وہ ان کے گناہوں میں کچھ بھی نہیں اٹھائیں گے اور دوسری آیت کریمہ میں ہے کہ اپنے بوجھ کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی اُٹھائیں گے۔ تو بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ نفی کا محل اور ہے اور اثبات کا محل اور ہے۔ جہاں فرمایا کہ کوئی کسی کا گناہ نہیں اٹھائے گا اس کا مطلب یہ ہے ایسے انداز سے دوسروں کے گناہ اور بوجھ اٹھانا کہ اس پر کوئی گناہ نہ رہے اس طرح کوئی نہیں اٹھائے گا۔ اور اثبات کا محل یہ ہے کہ اپنے گناہ اور بوجھ بھی اٹھائے گا اور جن کو گمراہ کرنے کا سبب بنا ہے ان کے گناہ بھی اٹھائے گا لیکن کرنے والا بھی نہیں چھوٹے گا۔ اس نے چونکہ ان کو بہکایا اور گمراہ کیا لہٰذا گمراہ کرنے کا وبال بھی اس پر پڑے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس نے کسی کو بُرا کام بتلایا تو کرنے والوں کا وبال بتلانے والے پر بھی پڑے گا جس نے ان کو غلط راستے پر ڈالا ہے اور اگر کسی نے نیکی بتلائی تو جتنے لوگ نیکی کریں گے اس بتلانے والے کو ثواب ملے گا اور ان کے ثواب میں بھی کمی نہیں ہوگی۔

فرمایا ﴿وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور البتہ ضرور سوال کیے جائیں گے قیامت والے دن۔ قیامت والے دن سوال ہوگا ﴿عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اس چیز کے بارے میں جو وہ افترا باندھتے تھے۔ سب چیزوں کے بارے میں قیامت والے دن پوچھا جائے گا۔

~~~

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو ﴿اِلٰى قَوْمِهٖ﴾ ان کی قوم کی طرف ﴿فَلَبِثَ فِيْهِمْ﴾ پس وہ ٹھہرے ان کے درمیان ﴿اَلْفَ سَنَةٍ﴾ ایک ہزار سال ﴿اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا﴾ مگر پچاس سال کم ﴿فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ﴾ پس پکڑا اس قوم کو طوفان نے ﴿وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ اور وہ ظالم تھے ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ﴾ پس ہم نے نجات دی نوح علیہ السلام کو ﴿وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ﴾ اور کشتی والوں کو ﴿وَجَعَلْنٰهَآ﴾ اور بنایا ہم نے اس کشتی کو ﴿اٰيَةً﴾ نشانی ﴿لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ جہان والوں کے لیے ﴿وَاِبْرٰهِيْمَ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا ہم نے ﴿اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ﴾ جس وقت کہا انھوں نے اپنی قوم کو ﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَاتَّقُوْهُ﴾ اور ڈرو اس سے ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ یہی تمھارے لیے بہتر ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو ﴿اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ﴾ بے شک جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿اَوْثَانًا﴾ بت ہیں ﴿وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا﴾ اور گھڑتے ہو تم جھوٹ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا﴾ نہیں مالک تمھارے لیے رزق کے ﴿فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ﴾ پس تم تلاش کرو اللہ تعالیٰ کے پاس روزی ﴿وَاعْبُدُوْهُ﴾ اور اس کی عبادت کرو ﴿وَاشْكُرُوْا لَهٗ﴾ اور اس کا شکر ادا کرو ﴿اِلَيْهِ
~~~

تُرْجَعُوْنَ ﴾ اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا ﴾ اور اگر تم جھٹلاؤ گے ﴿ فَقَدْ كَذَّبَ ﴾ پس تحقیق جھٹلا چکی ہیں ﴿ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ﴾ اُمتیں جو تم سے پہلے گزری ہیں ﴿ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ اور نہیں ہے رسول کے ذمے مگر پہنچانا کھول کر ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا ﴾ کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے ﴿ كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ﴾ کیسے ابتداء کرتا ہے اللہ تعالیٰ مخلوق کی ﴿ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ﴾ پھر وہ لوٹاتا ہے ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ﴿ قُلْ ﴾ آپ فرمادیں ﴿ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ سیر کرو تم زمین میں ﴿ فَانْظُرُوْا ﴾ پس دیکھو تم ﴿ كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ﴾ کیسے ابتدا کی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ﴿ ثُمَّ اللّٰهُ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ ﴿ يُنْشِئُ ﴾ اُٹھائے گا ﴿ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ﴾ اُٹھانا آخرت کا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ہر چیز پر قادر ہے ﴿ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ عذاب دے گا جس کو چاہے گا ﴿ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اور رحم کرے گا جس پر چاہے گا ﴿ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴾ اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے ﴿ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾ اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے ﴿ فِي الْاَرْضِ ﴾ زمین میں ﴿ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴾ اور نہ آسمان میں ﴿ وَمَا لَكُمْ ﴾ اور نہیں ہے تمھارے لیے ﴿ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿ مِنْ وَّلِيٍّ ﴾ کوئی حمایتی ﴿ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾ اور نہ کوئی مددگار۔

نوح علیہ السلام کا تعارف اور ان کی تبلیغ کا ذکر

سورت کی ابتدا میں تھا کہ لوگ کیا سمجھتے ہیں کہ دعویٰ ایمان سے چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا ﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ "اور البتہ تحقیق ہم نے آزمایا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے۔" تو ان پہلے لوگوں میں نوح علیہ السلام کی قوم ہے، ابراہیم علیہ السلام کی قوم ہے اور دوسرے پیغمبروں کی قومیں ہیں جن کا ذکر آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ ﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف۔ تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں ہے کہ نوح علیہ السلام کا نام عبدالغفار تھا اور ان کے والد کا نام زمق تھا نوح بن زَمَق علیہما السلام۔ قوم کی حالت پر نوحہ کرتے کرتے لقب نوح پڑ گیا۔

﴿ فَلَبِثَ فِيْهِمْ ﴾ پس ٹھہرے نوح علیہ السلام قوم میں ﴿ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ﴾ پچاس کم ایک ہزار سال یعنی نوح علیہ السلام نے قوم کو نو سو پچاس سال تبلیغ کی اور یہ بات قطعی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے۔ اور پھر تبلیغ کس انداز میں کی، نہ دن دیکھا، نہ رات دیکھی، نہ صبح دیکھی، نہ شام دیکھی، بازاروں میں، چوکوں پر، مکان کی چھت پر چڑھ کر توحید سنائی، دروازوں پر دستک دے کر توحید کا سبق دیا۔ سورہ نوح میں ہے ﴿ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ﴾ "اے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی۔" آگے فرمایا ﴿ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴾ "پھر بے شک میں نے ان کو برملا دعوت دی ﴿ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴾ پھر میں نے ان کو علی الاعلان دعوت دی اور پوشیدہ طور پر بھی دعوت دی۔"

نو سو پچاس سال ہر رات دعوت ہر دن دعوت، علانیہ دعوت، پوشیدہ دعوت، رات کو مکان کی چھت پر چڑھ کر دعوت ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ "اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی الہٰ نہیں ہے، مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہے۔" گلیوں میں، محلوں میں، اگر کوئی تنہائی میں ملا تو اس کو آہستہ دعوت دی، جنازے کے موقع پر، برات کے موقع پر، غرض کہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا لیکن ﴿وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ﴾ [ہود: ۴۰] "بہت کم لوگ مسلمان ہوئے۔" مرد عورتیں، بچے، بوڑھے ملا کر سو بھی پورے نہیں ہوتے۔ اور بڑے افسوس اور حسرت کی بات یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی ایمان نہیں لایا اور بیوی بھی ایمان نہیں لائی۔ کتنی بڑی آزمائش ہے معمولی آزمائش نہیں ہے ﴿فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ﴾ پس پکڑا ان کو طوفان نے۔ زمین نے پانی اگلا آسمان سے بارش برسی طوفان آیا کیوں آیا؟ ﴿وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ اور وہ ظالم تھے نو سو پچاس سال کی تبلیغ سے انھوں نے کوئی اثر نہ لیا ﴿فَاَنْجَیْنٰهُ﴾ پس ہم نے نجات دی نوح علیہ السلام کو ﴿وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ﴾ اور کشتی والوں کو جو ان کے ساتھ سوار تھے ان کو نجات دی اور کوئی نہیں بچا ﴿وَجَعَلْنٰهَاۤ﴾ اور ہم نے کر دیا کشتی کو ﴿اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ نشانی جہان والوں کے لیے۔ سورہ ہود آیت نمبر ۴۴ میں ہے ﴿وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ﴾ "اور وہ کشتی ٹکی جودی پہاڑ پر۔" یہ جودی پہاڑ آج کل کے جغرافیے میں عراق کے صوبہ موصل میں ہے اور آج کل اس پہاڑ کو ارارات کہتے ہیں۔ یہ سطح سمندر سے سترہ (۱۷) ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے اَدْرَكَهَا اَوَائِلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ "اس اُمت کے پہلے لوگوں نے اس پہاڑ پر چڑھ کر اس کشتی کا ڈھانچا دیکھا ہے۔" تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی قوم کو تباہ کیا کیوں کہ وہ ظالم تھے مشرک تھے ﴿وَاِبْرٰهِیْمَ﴾ اس کا عطف اَرْسَلْنَا پر ہے اس کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ عبارت یوں بنے گی وَاَرْسَلْنَا اِبْرٰهِیْمَ اور ہم نے بھیجا ابراہیم علیہ السلام کو ﴿اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ﴾ جب فرمایا انھوں نے اپنی قوم کو ﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَاتَّقُوْهُ﴾ اور اس کی مخالفت سے بچو، رب تعالیٰ کے عذاب سے بچو ﴿ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس کے عذاب سے بچنا تمھارے لیے بہتر ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو تو میری بات سن لو کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی بہتر ہے اور اس کے عذاب سے بچنا ہی بہتر ہے۔

قوم ابراہیم علیہ السلام کا دو طرح کے شرک میں مبتلا ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم دو طرح کے شرک میں مبتلا تھی۔ ایک اصنام پرستی، بت پرستی۔ سورہ انعام آیت نمبر ۷۴ میں ہے ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾ "اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے۔" یہ بت کوئی ہوائی اور خیالی نہیں تھے بلکہ بزرگوں کی شکل پر تھے۔ کوئی کسی بزرگ کی شکل پر کوئی کسی بزرگ کی شکل پر۔ محض لکڑی اور کاغذ کے ساتھ کسی کو پیار نہیں ہوتا پیار اس کے ساتھ ہوتا ہے جس کی تصویر اور فوٹو ہوتا ہے۔

تو شرک کی ایک قسم تو یہ تھی کہ بزرگوں کے بت بناتے تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے اور دوسری قسم یہ تھی کہ وہ

ستارہ پرستی میں مبتلا تھے۔ستاروں میں خدائی کرشمے مانتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے جواثر چاند، سورج، ستارے میں رکھا ہے اس کا تو انکار نہیں ہے کہ سورج میں حرارت اور روشنی ہے جس کا اثر فصلوں پر اور پھلوں پر ہے۔ چاند کی چاندنی اور ستاروں کی روشنی کا بھی پھلوں پر اثر ہے اس کا انکار نہیں ہے لیکن خدائی اختیارات تو کسی میں نہیں ہیں تو یہ لوگ چاند، سورج، ستاروں کی بھی پوجا کرتے تھے اور بتوں کی بھی پوجا کرتے تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا رد فرمایا ﴿اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ بے شک وہ جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿اَوۡثَانًا﴾ وہ بت ہیں انسانوں کے بت تم نے بنائے ہیں ﴿وَّتَخۡلُقُوۡنَ اِفۡكًا﴾ اور تم گھڑتے ہو جھوٹ کہ ان میں خدائی اختیارات ہیں حالاں کہ خدائی اختیارات کسی کے پاس نہیں ہیں۔تو یہ بت بزرگوں کی شکل پر ہوتے تھے۔

وَد، سُواع، یغوث، یعوق، نسر کی تشریح

سورہ نوح میں پانچ نام ہیں وَد، سُواع، یغوث، یعوق، نسر۔ بخاری شریف میں ہے: اسماءِ رِجَالٍ صَالِحِيۡنَ مِنۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ "یہ پانچ نوح علیہ السلام کی قوم کے بزرگ آدمیوں کے نام تھے۔" حضرت نوح علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی تو لوگوں نے کہا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمۡ "اپنے ان پانچ خداؤں کو نہ چھوڑنا۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ وَد حضرت ادریس علیہ السلام کا لقب تھا اور باقی چار حضرت ادریس علیہ السلام کے نیک صالح پرہیز گار بیٹے تھے۔ جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو لوگوں نے ان کے مجسمے بنا کر پوجا شروع کر دی۔ تو محض پتھر اور لکڑی کی پوجا کسی نے نہیں کی۔ یہ جو بڑی عمر والے بزرگ بیٹھے ہیں ان کے علم میں ہے کہ ہندو ایک من کا، تیس سیر کا پتھر اُٹھا کر لاتے تھے اسی طرح بھاری لکڑی لاتے جب گھڑتے گھڑتے دس سیر کی رہ جاتی اور رام چندر یا سیتا جی کی شکل بن جاتی کرشنا جی کی شکل بن جاتی تو اس کی عبادت کرنے لگ جاتے۔تو دراصل تو عبادت رام چندر، سیتا جی، کرشنا جی کی ہوئی پتھر اور لکڑی کی تو نہ ہوئی۔ باقی اصنام اور اوثان کی تشریح میں نے "گلدستہ توحید" میں کر دی ہے اس کا ایک دفعہ ضرور مطالعہ کریں۔ درس میں تو موٹی موٹی باتیں بیان ہوتی ہیں۔

تو فرمایا بے شک تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے بتوں کی اور تم جھوٹ گھڑتے ہو ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ بے شک جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿لَا يَمۡلِكُوۡنَ لَكُمۡ رِزۡقًا﴾ وہ مالک نہیں ہیں تمھارے لیے رزق کے ﴿فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ﴾ پس تم رزق تلاش کرو اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ رازق صرف اللہ تعالیٰ ہے اسی سے رزق طلب کرو ﴿وَاعۡبُدُوۡهُ﴾ اور اس کی عبادت کرو ﴿وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ﴾ اور شکر ادا کرو اسی رب کا ﴿اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ﴾ اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اے میری قوم! ﴿وَاِنۡ تُكَذِّبُوۡا﴾ اور اگر تم جھٹلاؤ گے توحید کو، رسالت کو، قیامت کے عقیدے کو ﴿فَقَدۡ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ﴾ پس تحقیق جھٹلا چکی ہیں وہ اُمتیں جو تم سے پہلے گزری ہیں۔قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ ان کا انجام دیکھ لو ﴿وَمَا عَلَى

الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾ اور نہیں ہے رسول کے ذمے مگر بات پہنچانی ہے کھول کر۔ پیغمبر کے فرائض میں منوانا نہیں ہے بات کو واضح کر کے پہنچانا ہے۔

﴿اَوَ لَمْ یَرَوْا﴾ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا ﴿كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ﴾ کیسے ابتدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ مخلوق کی۔ ابتداءً انسان کا بچہ، حیوان کا بچہ، پرندوں کا بچہ کیسا ہوتا ہے پھر کس طرح ان کو جوانی تک لے جاتا ہے ﴿ثُمَّ یُعِیْدُهٗ﴾ پھر وہ لوٹاتا ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ﴾ یہ لوٹانا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ جو ابتداءً پیدا کرسکتا ہے وہ لوٹا بھی سکتا ہے (اس عمل تخلیق کا اعادہ بھی کرسکتا ہے) اس کے لیے کوئی چیز مشکل نہیں ہے ﴿قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ آپ کہہ دیں اے ابراہیم علیہ السلام! زمین میں سیر کرو چلو پھرو ﴿فَانْظُرُوْا كَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ﴾ پس دیکھو کس طرح رب تعالیٰ نے مخلوق پیدا فرمائی ہے۔ آسمان دیکھو، زمین دیکھو، چاند، سورج، ستارے دیکھو ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔

﴿ثُمَّ اللّٰهُ یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اٹھائے گا اُٹھانا آخرت کا۔ جس نے ابتداءً پیدا کیا ہے وہ آخرت والے دن بھی اُٹھائے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر رب تعالیٰ کے پاس جانے کے بعد کیا ہوگا؟ ﴿یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ سزا دے گا جس کو چاہے گا۔ کافر، مشرک، منافق، باغی کو سزا دے گا ﴿وَ یَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ اور رحم کرے گا جس پر چاہے گا۔ اہل توحید اچھے اعمال کرنے والوں پر رب تعالیٰ کی رحمتیں ہوں گی ﴿وَ اِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ﴾ اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے۔

دین کی بات ان کو سمجھ آتی ہے جن کے دل صاف ہوتے ہیں

انسان کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اس نے رب تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونا ہے اور اس کے لیے تیاری کرنی ہے لیکن آج ہمارے دل پتھر کی طرح سخت ہو چکے ہیں۔ دنیا کی ساری باتیں ہم سمجھتے ہیں مگر دین کی بات ہمیں سمجھ نہیں آتی۔ اور ان کو سمجھ آتی ہے جن کے دل شیشے کی طرح صاف ہیں اور جن پر رب تعالیٰ کا کرم ہے باقی جن کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں وہ نہیں سمجھتے ان کو نوح علیہ السلام نہیں سمجھا سکے، ابراہیم علیہ السلام نہیں سمجھا سکے، دوسرے پیغمبر نہیں سمجھا سکے اور کون سمجھا سکتا ہے۔ ﴿وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ اور تم عاجز نہیں کر سکتے رب کو زمین میں ﴿وَ لَا فِی السَّمَآءِ﴾ اور نہ آسمان میں۔ رب تعالیٰ کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ تمھیں پیدا کیا تم آگئے جب مارے گا مر جاؤ گے موت کو ٹال نہیں سکتے۔ اردو کے مشہور شاعر ذوق کا شعر ہے:

لائی حیات، آئے، قضا لے چلی، چلے
اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے

زمین آسمان میں جو فیصلہ رب تعالیٰ فرمائیں گے وہی ہوگا اور یاد رکھنا! ﴿وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ﴾ اور نہیں ہے

تمھارے لیے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔ وَلی اس کو کہتے ہیں جو زبانی زبانی حمایت کرے۔ جس طرح لوگ زبانی طور پر کہتے ہیں کہ مظلومان کشمیر کی حمایت کرتے ہیں۔ اور نصیر اسے کہتے ہیں جو عملی طور پر مدد کرنے والا ہو۔ تو رب تعالیٰ جب پکڑے گا نہ تو کوئی حمایت کرنے والا ہوگا اور نہ کوئی مدد کرنے والا ہوگا۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا ﴿وَلِقَآئِهٖ﴾ اور اس کی ملاقات کا ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یہی لوگ ہیں ﴿يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ﴾ جو مایوس ہو چکے ہیں میری رحمت سے ﴿وَاُولٰٓئِكَ﴾ اور یہی لوگ ہیں ﴿لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ان کے لیے عذاب ہے دردناک ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ﴾ پس نہیں تھا ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا جواب ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوا﴾ مگر یہ کہ انھوں نے کہا ﴿اقْتُلُوْهُ﴾ قتل کرو اس کو ﴿اَوْ حَرِّقُوْهُ﴾ یا اس کو آگ میں جلاؤ ﴿فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی ﴿مِنَ النَّارِ﴾ آگ سے ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰيٰتٍ﴾ البتہ نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے ﴿وَقَالَ﴾ اور کہا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ﴾ بے شک تم نے بنا لیا ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿اَوْثَانًا﴾ بتوں کو معبود ﴿مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ﴾ آپس کی محبت کی بنا پر ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ پھر قیامت والے دن ﴿يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ﴾ انکار کریں گے بعض تمھارے بعض کا ﴿وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ اور لعنت بھیجیں گے تمھارے بعض بعض پر ﴿وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ﴾ اور ٹھکانا تمھارا آگ ہوگی ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ اور نہیں ہوگا تمھارے لیے کوئی مددگار ﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ﴾ پس تصدیق کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت لوط علیہ السلام نے ﴿وَقَالَ اِنِّيْ﴾ اور فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے بے شک میں ﴿مُهَاجِرٌ﴾ ہجرت کرنے والا ہوں ﴿اِلٰى رَبِّيْ﴾ اپنے رب کی طرف ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ بے شک وہ رب غالب ہے، حکمت والا ہے ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ﴾ اور ہم نے عطا کیا ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق ﴿وَيَعْقُوْبَ﴾ اور یعقوب ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ﴾ اور رکھ دی ہم نے ان کی اولاد میں ﴿النُّبُوَّةَ﴾ نبوت ﴿وَالْكِتٰبَ﴾ اور کتاب ﴿وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ﴾ اور دیا ہم نے اس کو اس کا اجر ﴿فِي الدُّنْيَا﴾ دنیا میں ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک وہ ﴿فِي الْاٰخِرَةِ﴾ آخرت میں ﴿لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ البتہ نیکوں میں سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک عراق کے علاقہ اُور میں پیدا ہوئے۔ آج کل کے جغرافیہ میں اس کا نام گوئی بروزن طوبیٰ ہے۔ یہ کلدانی حکومت کا دارالخلافہ تھا نمرود بن کنعان بڑا مشرک، کافر، ظالم اور جابر بادشاہ تھا۔ اس کے دور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ ان کی کافی تقریر پہلے

گزر چکی ہے یہ بھی انھی کا بیان ہے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو سنایا اور سمجھایا ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا۔ آیت سے حسی آیت بھی مراد ہو سکتی ہے اور معنوی آیت بھی مراد ہو سکتی ہے۔

لفظ آیت کی وضاحت

حسی آیت سے مراد معجزہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے ہاتھوں پر جو معجزے ظاہر ہوتے تھے ان کا انکار کرتے ہیں۔ کہتے تھے کہ یہ جادو ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی نہیں ہے۔ نظر تو ان کو سب کچھ آتا تھا جیسے مکے والوں نے چاند دو ٹکڑے ہونے کا انکار کیا یہ کہہ کر کہ یہ بڑا طاقتور جادو ہے۔ چاند دو ٹکڑے ہوا انھوں نے دیکھا اس کا انکار نہیں کیا کہ چاند دو ٹکڑے نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی ہونے کا انکار کیا جادو کہہ کر۔ یہ مطلب ہے انکار کا۔

اور معنوی آیت سے مراد آسمانی کتابوں کی آیات ہیں۔ قرآن کی آیات، تورات کی آیات، انجیل اور زبور کی آیات کہ ان لوگوں نے آسمانی کتابوں کی آیات کا انکار کیا جیسے قرآن پاک کے بارے میں کہا کہ یہ کھلا جادو ہے ﴿وَلِقَآئِهٖ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے رب تعالیٰ کی ملاقات کا انکار کیا کہ قیامت نہیں آئے گی حشر نشر نہیں ہوگا رب تعالیٰ کی ملاقات نہیں ہوگی اور قیامت کا مذاق بھی اُڑاتے تھے۔ ایک خبیث ہندو شاعر نے قیامت کا ایسے مذاق اُڑایا۔ کہتا ہے:

ملے گی شیخ کو جنت ہمیں دوزخ عطا ہوگا
بس اتنی بات ہے جس کے لیے محشر بپا ہوگا

بھئی! یہ چھوٹی بات ہے کہ کافروں کو دوزخ ملے گا اور مومنوں کو جنت؟ اے بے وقوف! تو مذاق کرتا ہے۔ تو فرمایا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا ﴿اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ﴾ یہی لوگ ہیں جو مایوس ہوئے ہیں میری رحمت سے حالاں کہ ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ [الاعراف: ۱۵۶] "اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر شے کو وسیع ہے۔" ﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ رب تعالیٰ کا پیغام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زبان میں لوگوں کو سنایا۔

لوگوں نے کیا جواب دیا سنو! ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ﴾ پس نہیں تھا ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا جواب ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوا﴾ مگر انھوں نے یہ کہا ﴿اقْتُلُوْهُ﴾ ابراہیم علیہ السلام کو قتل کرو ﴿اَوْ حَرِّقُوْهُ﴾ یا اس کو آگ میں جلا دو کہ اس نے ہمارے بت توڑ کر ہمارے کلیجے جلائے ہیں۔ چنانچہ اسی پر اتفاق ہوا کہ آگ میں جلاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ صرف دو آدمی تھے۔ ایک کا ذکر ابھی آگے آرہا ہے حضرت لوط علیہ السلام جو ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور بعد میں پیغمبر بنے اور ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام جو ابراہیم علیہ السلام کی چچازاد بہن تھی۔ انھوں نے ساتھ دیا تیسرا کوئی آدمی ساتھ دینے والا نہیں تھا سب نے اتفاق کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دو۔

ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا قصہ

تاریخ اور تفسیر کی کتابوں میں بڑا عجیب منظر لکھا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے لیے بہت بڑا بھٹا تیار کیا گیا اور شہریوں اور دیہاتیوں سے لکڑیوں کا چندہ مانگا گیا کہ لکڑیاں لا کر اس میں ڈالتے جاؤ۔ بوڑھی بوڑھی عورتیں جو سہارے کے بغیر چل نہیں سکتی تھیں ہاتھ میں لاٹھی اور سر پر لکڑیوں کا گٹھا لے کر جارہی ہیں۔اماں! کہاں جارہی ہے؟ کہتی ابراہیم کو جلانا ہے آگ میں لکڑیاں ڈالنے کے لیے جارہی ہوں۔آگ میں ڈالنے کا دن مقرر ہوا۔انجینئر ھیزوم نے آلہ تیار کیا جس کے ذریعے اُٹھا کر پھینکنا تھا اس آلے کا نام منجنیق تھا۔ یہ ایسا آلہ تھا کہ بڑے بڑے پتھروں کو بغیر بارود کے اُٹھا کر قلعوں پر پھینکتا تھا اسے ھیزوم انجینئر نے تیار کیا تھا۔ بعد میں یہ آلہ جنگوں میں استعمال ہوتا تھا۔تاریخ بتلاتی ہے کہ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ جب چھ ہزار کی فوج لے کر راجہ داہر کے مقابلے میں آئے تو ان کی منجنیق پر پانچ سو آدمی بیٹھے تھے۔

لکڑیوں کو آگ لگائی گئی سب لوگ تماشائی اکٹھے ہوئے نمرود بن کنعان بھی بمع کابینہ کے آکر بیٹھ گیا جُرِّدَ عَنِ الثِّیَابِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو برہنہ کر کے ہاتھ پاؤں باندھ کر منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینک دیا گیا۔نعرے پر نعرے لگ رہے تھے لوگ انتظار میں تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کا سر پھٹے گا اور ہمارے سینے ٹھنڈے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔فرمایا ﴿قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا﴾ [انبیاء:۶۹] "اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ ٹھنڈی ہو جا مگر حد سے زیادہ نہیں سلامتی والی۔" آگ نے صرف وہ رسیاں جلائیں جن سے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے باقی بدن کا ایک بال بھی نہ جلا اور آگ آناً فاناً بجھ گئی۔اور اسی مقام پر تفسیروں میں لکھا ہے کہ اس جگہ باغ بن گیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اس باغ میں ٹہل رہے تھے۔ والد نے یہ لفظ بھی کہے: نِعْمَ الرَّبُّ رَبُّكَ یَا اِبْرَاهِیْمُ "اے ابراہیم! تیرا رب بہت اچھا ہے۔" مگر ایمان نہیں لایا اپنے گروہ کو نہیں چھوڑا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ﴾ پس ہم نے نجات دی ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں لیکن کس کے لیے ﴿لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے کہ آگ نے صرف رسیوں کو جلایا اور ٹھنڈی ہوئی اور اس جگہ باغ بن گیا یہ بڑی نشانیاں ہیں مگر ماننے والوں کے لیے ﴿وَقَالَ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا﴾ پختہ بات ہے کہ جن کو تم نے معبود بنایا ہوا ہے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے وہ بت ہیں۔ یہ تمھارا بتوں کو معبود بنانا ﴿مَّوَدَّةَ بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ آپس کی محبت کی بنا پر دنیا کی زندگی میں۔اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ چوں کہ تمھاری ان بتوں کے ساتھ دوستی اور محبت ہے اس لیے تم نے ان کو معبود بنایا ہوا ہے۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ چوں کہ تمھارے دوست مشرک ہیں تو ان کی دوستی اور محبت کی وجہ سے تم نے ان بتوں کو معبود بنایا ہے۔

سوسائٹی کے اثرات

سوسائٹی کا بڑا اثر ہوتا ہے مجلس کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ بُری مجلس کی وجہ سے پیغمبر کا بیٹا کنعان کفر و شرک میں مبتلا ہو کر

اللہ تعالیٰ کا باغی ہو گیا۔ کنعان کی مجلس جب برے لوگوں کے ساتھ شروع ہوئی تو نوح علیہ السلام نے بڑا سمجھایا کہ بیٹے میری حیثیت دیکھو میری پوزیشن دیکھو! میرا ماحول دیکھو! ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ کہنے لگا ابا جی! یہ میرا کیا بگاڑ لیں گے۔ لیکن اس بری مجلس نے اس کو کفر و شرک پر آمادہ کیا وہ رب تعالیٰ کا نافرمان اور باغی ہوا۔ دنیا میں پانی کے اندر غرق ہوا اور آخرت میں ہمیشہ دوزخ کے اندر رہے گا۔ تو بُری مجلس کا بھی اثر ہوتا ہے اور بُرے ساتھی کا بھی۔ فارسی زبان کا مقولہ ہے:

یار بد از مار بد بسیار بد

"بُرا ساتھی بُرے سانپ سے بھی بُرا ہوتا ہے۔" اور سوسائٹی آدمی کی پہچان ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھیں کسی آدمی کے متعلق یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ نیک ہے یا بد ہے فرمایا: فَلْيَنْظُرْ مَنْ يُّخَالِلُ "پس دیکھو اس کے دوست کیسے ہیں۔" اس کی سوسائٹی کیسی ہے۔ کن لوگوں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے تمھیں خود بہ خود پتا چل جائے گا کہ یہ آدمی کیسا ہے۔ اگر مجلس اچھی ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اچھا ہے اور اگر مجلس بُری ہے تو یہ بھی بُرا ہے۔

تو فرمایا کہ تم نے جو بتوں کو معبود بنایا ہے دنیا کی زندگی کی دوستی کی بنا پر بنایا ہے لیکن یاد رکھنا! ﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ پھر قیامت والے دن ﴿يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ﴾ انکار کریں گے بعض تمھارے بعض کا۔ یہ تمھارے معبود تمھارا انکار کریں گے اور تم ان کا انکار کرو گے ﴿وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ اور تم ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے تم معبودوں پر اور معبود تم پر لعنت بھیجیں گے۔ اسی طرح جن کی دوستی کی وجہ سے تم غلط راستے پر چلے تم ان پر لعنت بھیجو گے اور وہ تم پر لعنت بھیجیں گے۔ یہ بات سوچنے اور سمجھنے والی ہے آنکھیں بند ہونے کے بعد کچھ نہیں کر سکو گے ﴿وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ﴾ اور ٹھکانا تمھارا دوزخ ہے ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ اور نہیں ہوگا تمھارے لیے کوئی مددگار ﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ﴾ پس تصدیق کی ابراہیم علیہ السلام کی لوط علیہ السلام نے جو ان کے سگے بھتیجے تھے لوط بن ہاران بن آزر ﴿وَقَالَ﴾ اور فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ﴾ بے شک میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔ اپنے رب کی رضا کے لیے عراق سے شام کی طرف۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت لوط علیہ السلام تھے کافی سفر تھا لیکن وہ لوگ بڑی ہمت والے ہوتے تھے ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے، حکمت والا ہے ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ﴾ اور عطا کیا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق۔ چوں کہ ہجرت کا ذکر ہے اور ہجرت میں حضرت سارہ علیہا السلام ساتھ تھیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت سارہ علیہا السلام سے پیدا ہوئے اس لیے یہاں اسحاق علیہ السلام کا ذکر ہے ورنہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اسحاق علیہ السلام سے بڑے ہیں مگر ان کی والدہ ہجرت کے سفر میں ساتھ نہیں تھیں راستے میں ملی تھیں۔ ان کی والدہ کا نام ہاجرہ ہے۔ چوں کہ ہجرت کے سفر میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ ساتھ تھیں اور ذکر ہجرت کا ہے اس لیے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق عطا کیا ﴿وَيَعْقُوْبَ﴾ اور یعقوب دیا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں۔ اسحاق علیہ السلام بڑے ہوئے ان کی شادی ہوئی ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں اللہ تعالیٰ نے پوتا عطا فرمایا۔ پھر یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یوسف علیہ السلام ہیں۔

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

﴿وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ﴾ اور رکھ دی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت۔ اسحاق علیہ السلام نبی، ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام، ان کا لقب اسرائیل ہے۔ اسراء کا معنیٰ عبد اور ایل کا معنیٰ اللہ۔ تو اسرائیل کا معنیٰ بنا عبداللہ۔ ان کی اولاد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار پیغمبر تشریف لائے ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ تو فرمایا ہم نے ان کی اولاد میں نبوت رکھی ﴿وَ الْكِتٰبَ﴾ یہ الف لام جنس کا ہے مراد کتابیں ہیں، تورات، انجیل، زبور اور آخر میں قرآن کریم ﴿وَ اٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا﴾ اور دیا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اجر دنیا میں کہ آج بھی دنیا میں ابراہیم علیہ السلام کا نام عقیدت اور ادب واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام۔ مسلمانوں کا تو ایمان ہی یہ ہے کہ سب پیغمبروں کا نام ادب اور احترام سے لیتے ہیں۔ یہودی، عیسائی بھی ان کا احترام کرتے ہیں۔ یہودی عیسائی ابراہام کہتے ہیں۔

عبدالقادر جیلی بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں انھوں نے تصوف کے موضوع پر کتاب لکھی ہے "الانسان الکامل" اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ہندو جس کو برھما کہتے ہیں وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں، برھما مہاراج۔ تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بھی عظمت، فضیلت اور شہرت عطا فرمائی ہے ﴿وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ اور بے شک وہ آخرت میں البتہ نیکوں میں سے ہیں۔ یہ بات تم کئی دفعہ سن چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے پہلا اور بلند درجہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے دوسرا درجہ ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔

~~~

﴿وَ لُوْطًا﴾ اور بھیجا ہم نے لوط علیہ السلام کو رسول بنا کر ﴿اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ﴾ جس وقت کہا انھوں نے اپنی قوم کو ﴿اِنَّكُمْ﴾ بے شک تم ﴿لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ البتہ کرتے ہو تم بے حیائی ایسی ﴿مَا سَبَقَكُمْ بِهَا﴾ نہیں سبقت کی تم سے اس بے حیائی میں ﴿مِنْ اَحَدٍ﴾ کسی ایک نے ﴿مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ﴾ جہان والوں میں سے ﴿اَىِٕنَّكُمْ﴾ کیا بے شک تم ﴿لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ﴾ شہوت رانی کرتے ہو مردوں پر ﴿وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ﴾ اور کاٹتے ہو راستے ﴿وَ تَاْتُوْنَ﴾ اور کرتے ہو تم ﴿فِیْ نَادِیْكُمُ﴾ اپنی مجلسوں میں ﴿الْمُنْكَرَ﴾ بُری باتیں ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ﴾ پس نہیں تھا جواب ان کی قوم کا ﴿اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا﴾ مگر یہ کہ انھوں نے کہا ﴿ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ﴾ لاؤ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہیں آپ سچ کہنے والوں میں سے ﴿قَالَ﴾ کہا لوط علیہ السلام نے ﴿رَبِّ انْصُرْنِیْ﴾ اے میرے رب میری مدد کر! ﴿عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ فسادی قوم کے مقابلے میں ﴿وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ﴾ اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ﴿اِبْرٰهِیْمَ﴾ ابراہیم علیہ السلام کے پاس ﴿بِالْبُشْرٰى﴾ خوش خبری
~~~

لے کر ﴿ قَالُوْٓا ﴾ انھوں نے کہا ﴿ اِنَّا مُهْلِكُوْٓا ﴾ بے شک ہم ہلاک کرنے والے ہیں ﴿ اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ﴾ اس بستی والوں کو ﴿ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴾ بے شک۔ اس بستی کے رہنے والے ظالم ہیں ﴿ قَالَ ﴾ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ﴿ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ﴾ بے شک اس بستی میں لوط علیہ السلام بھی ہیں ﴿ قَالُوْا ﴾ فرشتوں نے کہا ﴿ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ﴾ ہم خوب جانتے ہیں اس کے رہنے والوں کو ﴿ لَنُنَجِّيَنَّهٗ ﴾ البتہ ہم ضرور اس کو نجات دیں گے ﴿ وَ اَهْلَهٗٓ ﴾ اور اس کے اہل کو بھی ﴿ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ﴾ مگر اس کی بیوی ﴿ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴾ ہوگی پیچھے رہنے والوں میں۔

ابراہیم علیہ السلام نے عراق میں اسّی سال قوم کو تبلیغ کی

کل کے درس میں یہ بات تم سن چکے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک عراق کے رہنے والے تھے اور انھوں نے کم وبیش ستر، اسّی سال اپنے والد اور اپنی قوم کو تبلیغ کی۔ مگر اتنے طویل عرصہ میں سوائے اہلیہ محترمہ اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے اور کوئی ایمان نہیں لایا۔ حضرت لوط علیہ السلام تو پیغمبر تھے اور پیغمبر پیدائشی طور پر کفر وشرک سے پاک ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی تم پڑھ اور سن چکے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے بھٹے میں ڈالا گیا اللہ تعالیٰ نے آگ کو باغ بنا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا تو وہ عراق سے شام چلے گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی اور حکم ہوا کہ بستی سدوم اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو تبلیغ کرو۔

حضرت لوط علیہ السلام جب ان لوگوں کے پاس گئے تو وہ لوگ ان کے طور اطوار، خوش اخلاقی سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کو رشتہ دے دیا حالاں کہ رشتہ دنیا کے مشکل مراحل میں سے ایک مشکل مرحلہ ہے ایسے ہی کوئی بہن بیٹی نہیں دیتا۔ رشتہ دے دیا مگر کلمہ نہیں پڑھا۔ اس زمانے میں مومن کافر کا رشتہ جائز ہوتا تھا۔ اسلام میں بھی سولہ سال تک، تیرہ سال مکہ مکرمہ کے اور تین سال مدینہ منورہ کے کافروں کے ساتھ رشتہ جائز تھا۔ ہجرت کے تیسرے سال کے آخر میں سورہ بقرہ کی یہ آیات نازل ہوئیں ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ "اور مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔" اور آگے آتا ہے ﴿ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ﴾ "اور نکاح نہ کرو مسلمان عورتوں کا مشرکوں کے ساتھ یہاں تک کہ ایمان لائیں۔" اس آیت سے پہلا حکم منسوخ ہوگیا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے کافی عرصہ اس کو تبلیغ کی اس بیوی سے دو بچیاں بھی پیدا ہوئیں۔ بعض نے تین بچیاں بھی لکھی ہیں مگر دو کا ثبوت واضح دلائل کے ساتھ ہے۔ بیوی نے بھی کلمہ نہیں پڑھا بچیوں نے کلمہ میں والد کا ساتھ دیا وہ ماں سے متاثر نہیں ہوئیں۔ حالاں کہ طبعی طور پر بچیوں کا میلان ماں کی طرف ہوتا ہے اور ماں سے متاثر ہونا فطری امر ہے۔ لیکن ان کی قسمت اچھی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جب اس بستی سے ہجرت کی تو ان کے ساتھ یہ دو بچیاں اور پانچ چھ آدمی اور تھے اور بس۔

قوم لوط کی بدکاریوں کا ذکر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلُوْطًا﴾ اور ہم نے بھیجا لوط علیہ السلام کو رسول بنا کر ﴿اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ﴾ جس وقت فرمایا لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو۔ شہر سدوم اور اس کے آس پاس رہنے والوں کو کہا ﴿اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ بے شک تم البتہ کرتے ہو بے حیائی ایسی ﴿مَا سَبَقَكُمْ بِهَا﴾ نہیں سبقت کی تم سے اس بے حیائی میں ﴿مِنْ اَحَدٍ﴾ کسی ایک نے ﴿مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ﴾ جہان والوں میں سے۔ یہ جو خباثت تم کرتے ہو تم سے پہلے جہان میں کسی ایک نے نہیں کی۔ نہ انسان نے نہ جن نے۔ قرآن کریم کی یہ نص قطعی واضح کر رہی ہے کہ یہ بے حیائی پہلے کسی نے نہیں کی۔ ﴿اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ﴾ کیا بے شک تم اپنی شہوت مردوں پر پوری کرتے ہو ﴿وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ﴾ اور کاٹتے ہو تم راستے کو جو رب تعالیٰ نے شہوت کی تکمیل کے لیے بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی افزائش کے لیے مرد بھی پیدا فرمائے عورتیں بھی پیدا فرمائیں۔ جائز طریقے سے عورتوں کے ساتھ نکاح کرو اور اپنی خواہش کو پورا کرو اور غلط راستہ اختیار نہ کرو یہ بُرا کام ہے۔ اور ﴿تَقْطَعُوْنَ﴾ کی دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ تم راہ کاٹتے ہو۔ یعنی راستے پر چلتے لوگوں پر ڈاکے ڈالتے ہو اور ان کا مال واسباب لوٹتے ہو اور یہ تفسیر بھی بیان کی گئی کہ راستے پر چلتے لوگوں کو پکڑ کر ان کے ساتھ بے حیائی کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ بڑے تومند اور طاقت ور لوگ تھے۔ حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں آتا ہے کہ لوگوں نے ان کی یہ برائی سن کر راستوں پر آنا چھوڑ دیا تھا۔ ﴿وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ﴾ اور تم کرتے ہو اپنی مجلس میں بُری باتیں۔ اتنے بے شرم اور بے حیا تھے کہ مجلس میں بھی یہ برائی کرنے سے باز نہیں آتے تھے حالانکہ مجلس میں آدمی تھوڑی بہت شرم کرتا ہے لیکن یہ باز نہیں آتے تھے۔ پھر مجلسوں میں گوز بازی کا مقابلہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جس کی ہوا زیادہ آواز کے ساتھ نکلے وہ بہادر ہے۔ اور ایک دوسرے کے منہ پر تھوکتے تھے۔ انگلیوں اور ناخنوں پر مہندی لگائی ہوتی تھی اور ایک دوسرے کو چھیڑتے تھے۔ جیسے عورتیں آج کل ناخن پالش لگاتی ہیں۔ یہ سب سے پہلے سدومیوں نے شروع کی ہے۔

وضو کے لیے اہم جزئیات

یہ مسئلہ میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ ناخنوں پر پالش لگی ہوئی ہو تو نہ وضو ہوتا ہے اور نہ غسل ہوتا ہے نہ نماز ہوگی نہ طواف ہوگا۔ کیوں کہ لمبے ناخنوں کے نیچے میل جمع ہو جاتا ہے پانی نیچے نہیں پہنچتا اور ناخن پالش سے لیپ ہو جاتا ہے پانی نیچے نہیں جاتا۔ اور یہ مسئلہ بھی تم بارہا سن چکے ہو کہ فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بے وضو سجدہ کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے کیوں کہ بے وضو سجدہ کرنا کفر ہے اور کفر سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ حالاں کہ فقہائے کرام رحمہم اللہ کا طبقہ بڑا محتاط طبقہ ہے۔ جن عورتوں نے ناخن پالش لگائی ہوئی ہے لمبے ناخن ہیں وضو تو ہوا نہیں سجدہ کرے گی تو نکاح ٹوٹ جائے گا اولاد حرامی ہوگی پھر وہ ان کا کیا کہنا مانے گی۔ ان مسائل کو چھوٹا نہ سمجھو یہ بڑے مسائل ہیں۔ ان مسائل کی گھروں میں نگرانی کرو۔

اور یہ مسئلہ بھی میں نے کئی دفعہ سمجھایا ہے کہ عورتوں نے ناک میں کوکا پہنا ہوتا ہے۔اگر کوکے والے سوراخ میں پانی نہ گیا تو وضو نہیں ہوگا اور نہ ہی غسل ہوگا۔عورتیں دم کرانے کے لیے آتی ہیں ان سے پوچھتا ہوں کہ بیٹی وضو کرتے وقت ناک کے سوراخ میں پانی ڈالتی ہو تو سو میں سے ایک دو کہتی ہیں کہ ڈالتی ہوں۔بعض کہتی ہیں کہ معلوم نہیں پانی جاتا ہے کہ نہیں جاتا۔بعض کہتی ہیں کہ ہمیں تو مسئلے کا علم نہیں ہے۔بیڑا غرق ہو گیا ہے۔جو بے دین ہیں ان کی تو بات ہی نہ کرو۔جو اپنے آپ کو دین دار کہلاتے ہیں ان کا بھی بیڑا غرق ہو گیا ہے۔اور یہ مسئلہ بھی کئی دفعہ سمجھا چکا ہوں کہ باریک دوپٹہ جس سے سر کے بال نظر آتے ہوں اس کے ساتھ قطعاً نماز نہیں ہوتی چاہے دروازہ بند کر کے بجلی بند کر کے کمرے کے اندر ہی کیوں نہ نماز پڑھی جائے۔

اسی طرح ٹیڈی لباس ہو۔عورت کی کلائی بقدر دو انگشت ننگی ہو تو قطعاً نماز نہیں ہوگی،کان ننگے ہوں عورت کی نماز نہیں ہوگی۔یہ مسائل اپنے گھروں میں جا کر سمجھاؤ اور پھر ان کی نگرانی کرو اور جو عزیز رشتہ دار عورتیں آئیں ان کو بھی سمجھاؤ۔

تو فرمایا کہ تم اپنی مجلسوں میں بری باتیں کرتے ہو ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ﴾ پس نہیں تھا لوط علیہ السلام کی قوم کا جواب ﴿اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا﴾ مگر یہ کہ انھوں نے کہا ﴿ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ﴾ لاؤ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہیں آپ سچ بولنے والوں میں سے۔ہمیں عذاب سے ڈراتے ہو،لے آؤ عذاب،دیر کس چیز کی ہے ﴿قَالَ﴾ کہا لوط علیہ السلام نے ﴿رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ﴾۔ رَبِّ اصل میں یَا رَبِّیْ تھا پھر 'یا' کو بھی حذف کر دیا گیا اور آخری 'ی' کو بھی حذف کر دیا گیا۔معنیٰ ہوگا اے میرے رب!میری مدد کریں فسادی قوم کے خلاف،فسادی قوم کے مقابلے میں میری مدد کریں۔آگے ذکر آ رہا ہے درمیان میں ایک اور بات کا بیان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو بیس سال کے قریب تھی اور اہلیہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام کی اٹھانوے ننانوے اور بعض سو بھی بتاتے ہیں۔لیکن بچی بچہ نہیں ہوا تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام گھر تشریف فرما تھے کہ اچانک مہمان آ گئے۔تفسیروں میں چھ کا ذکر بھی آتا ہے،دس کا ذکر بھی آتا ہے،بارہ کا ذکر بھی آتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو بیٹھک میں بٹھایا اور خیال کیا کہ ایک آدھ مرغا تو کام نہیں آئے گا مہمان زیادہ ہیں اور چہرے بشرے سے اور کپڑوں سے معزز معلوم ہوتے ہیں۔ایک بچھڑا پالا ہوا تھا اس کو ذبح کر کے گھر دیا کہ اس کو روسٹ کرنا ہے شوربے والا نہیں بنانا۔مہمان بڑے مزے سے بیٹھے رہے اور یہ کارروائی ہوتی رہی۔

پہلے زمانے کے ڈاکو آج کی نسبت شریف ہوتے تھے

جس وقت گوشت تیار ہو گیا تو تھالوں میں رکھ کر مہمانوں کے سامنے پیش کیا لیکن مہمانوں نے کھانے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھائے۔سورۃ الذاریات آیت نمبر ۲۸ میں ہے ﴿فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً﴾ "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔" کہ لگتا ہے کہ یہ لوگ کسی اچھے ارادے سے نہیں آئے۔کیوں کہ اس زمانے کے چور ڈاکو بہ نسبت آج کے زمانے کے

چوروں اور ڈاکوؤں کے، شریف ہوتے تھے جس کے گھر سے کچھ کھا پی لیتے تھے اس کے خلاف کارروائی کرنے کو نمک حرامی سمجھتے تھے۔ اور آج کل کے ڈاکو آتے ہیں تو پہلے کہتے ہیں کہ کھانے کی چیزیں کہاں ہیں؟ کھانے پینے سے فارغ ہو کر کہتے ہیں کہ سیف اور تجوری کی چابیاں لاؤ۔ اتنے بے خوف ہو چکے ہیں کہ کوئی حساب ہی نہیں ہے دن دیہاڑے لوٹتے ہیں۔ کوٹھیوں میں داخل ہو کر، بسوں میں گھس کر، بازاروں میں لوٹ مار کرتے ہیں، بینک لوٹتے ہیں حالاں کہ ان کے گن مینوں کے پاس بندوقیں ہوتی ہیں مگر ان کو کوئی ڈر خوف نہیں۔

یہ ساری خرابی غلط نظام کی وجہ سے ہے۔ جب تک نظام درست نہیں ہوگا یہ برائیاں ختم نہیں ہوں گی اور نظام کی درستی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کو نافذ کیا جائے۔ تم سعودیہ جا کر دیکھ لو وہاں سامان کھلے میدان میں دس دن پڑا رہے کوئی نہیں چھیڑتا۔ بڑی بڑی سونے کی دکانیں ہیں کوئی گن مین نہیں ہے حالاں کہ وہاں بھی مکمل اسلامی قانون نافذ نہیں ہے چند حدود نافذ ہیں جن کی یہ برکات ہیں کہ اگر کسی کا جنگل میں ڈیرا ہے تو وہاں بھی اس کو کوئی نہیں چھیڑتا اور یہاں شہروں میں گھروں سے نکال کر لے جاتے ہیں کوئی جگہ محفوظ نہیں ہے اور آزادی کے جشن منائے جاتے ہیں۔ جشن آزادی منانے کا کیا معنیٰ ہے؟ بس لوگوں کو الو بنایا ہوا ہے۔ یہ آزادی جو تم نے بنائی ہوئی ہے قرآن کے خلاف، اسلام کے خلاف اس پر ہزار لعنت۔

تو خیر جب مہمانوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دل میں ڈر محسوس کیا۔ فرشتے سمجھ گئے کہنے لگے ﴿لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ﴾ [ہود: ۷۰] "آپ خوف نہ کھائیں بے شک ہم بھیجے ہوئے ہیں قوم لوط کی طرف۔" میں جبرئیل ہوں یہ میکائیل ہے، یہ اسرافیل ہے ہم کھانا نہیں کھاتے آپ کو خوش خبری سنانے آئے ہیں آپ کے ہاں بیٹا ہوگا اور پھر اس کے بعد یعقوب پوتا ہوگا۔ حضرت سارہ علیہا السلام کہنے لگیں ﴿يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا﴾ [ہود: ۷۲] "تعجب ہے میں بچہ جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہے اس کی عمر ایک سو بیس سال ہے۔" فرشتوں نے کہا ہم فرشتے ہیں سچ کہہ رہے ہیں رب تعالیٰ آپ کو بیٹا بھی دے گا اور تمھاری زندگی میں پوتا بھی دے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ﴾ اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس ﴿بِالْبُشْرٰى﴾ خوش خبری لے کر۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ خوش خبری کے لیے تو ایک آدھ فرشتہ ہی کافی تھا اور یہ اچھی خاصی ٹیم ہے۔ کہنے لگے کہ ہم نے آپ کو خوش خبری دینی ہے لڑکے اور پوتے کی اور پھر بستی سدوم کو غرق کرنا ہے۔ ﴿قَالُوْۤا﴾ فرشتوں نے کہا ﴿اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ﴾ بے شک ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس بستی کے رہنے والوں کو۔ هٰذِهِ سے اشارہ تھا بستی سدوم کی طرف جن کی طرف لوط علیہ السلام گئے تھے ﴿اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ﴾ بے شک اس بستی کے رہنے والے ظالم ہیں۔ جب فرشتوں نے یہ بات کہی اور استثناء بھی کسی کا نہ کیا ﴿قَالَ﴾ ابراہیم علیہ السلام بول پڑے ﴿اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا﴾ بے شک اس بستی میں میرے بھتیجے لوط علیہ السلام بھی تو ہیں ان کا کیا بنے گا؟ ﴿قَالُوْا﴾ فرشتوں نے کہا ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا﴾ ہم خوب جانتے ہیں ان کو جو وہاں رہتے ہیں ان کو کوئی خطرہ نہیں ﴿لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ﴾ البتہ ہم ضرور نجات دیں گے لوط علیہ السلام کو اور ان کے ماننے والوں کو بھی۔

ماننے والوں میں دو بیٹیاں تھیں اور چند اور نیک بخت عورتیں تھیں باقی سب دوسری طرف تھے۔ تو ہر زمانے میں اکثریت گمراہوں کی رہی ہے۔ آج اکثریت پر لوگوں کو گھمنڈ ہے۔ بھائی اکثریت سے کیا بنتا ہے اصل تو ایمان اور عمل ہے اس کے بغیر اکثریت کی کیا حیثیت ہے۔

آج بے نظیر کہتی ہے کہ ہم زیادہ ہیں (بے نظیر ایک سیاسی پارٹی کی سربراہ تھیں اور وزیراعظم پاکستان رہ چکی ہیں۔) نواز شریف کہتا ہے ہم زیادہ ہیں اکثریت ہماری ہے (نواز شریف بھی ایک سیاسی پارٹی کے سربراہ ہیں اور وزیراعظم پاکستان رہ چکے ہیں) بھئی! تم دونوں اسلام کے باغی ہو تمھاری اکثریت کا ہم نے کیا کرنا ہے تم ملک میں امن نہیں قائم کر سکے۔ چوری، ڈاکے، قتل و غارت، بدمعاشی عام ہے۔ سارے ملکوں سے بدترین ملک پاکستان ہے۔ بدامنی کے لحاظ سے اس کو پلیدستان کہو تو زیادہ بہتر ہے۔ جب تک قرآن کا نظام نہیں آئے گا یہ برائیاں ختم نہیں ہوں گی۔

تو فرشتوں نے کہا کہ ہم لوط علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو بچا لیں گے ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ﴾ مگر اس کی بیوی کو نجات نہیں ملے گی جس کا نام واھلہ ہے، ھا کے ساتھ ﴿كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے پَر مارا، ساری بستی کو اٹھا لیا، بہت بلندی پر لے جا کر اُلٹا کر پھینک دیا۔

﴿وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ﴾ اور جس وقت آئے ﴿رُسُلُنَا﴾ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ﴿لُوْطًا﴾ لوط علیہ السلام کے پاس ﴿سِیْٓءَ بِهِمْ﴾ تو وہ پریشان کر دیئے گئے ان کی وجہ سے ﴿وَضَاقَ بِهِمْ﴾ اور وہ تنگ ہوئے ان کی وجہ سے ﴿ذَرْعًا﴾ دل میں ﴿وَّقَالُوْا﴾ اور کہا ان فرشتوں نے ﴿لَا تَخَفْ﴾ آپ خوف نہ کریں ﴿وَلَا تَحْزَنْ﴾ اور نہ غم کریں ﴿اِنَّا مُنَجُّوْكَ﴾ بے شک ہم آپ کو بچانے والے ہیں ﴿وَاَهْلَكَ﴾ اور آپ کے اہل کو ﴿اِلَّا امْرَاَتَكَ﴾ سوائے آپ کی بیوی کے ﴿كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ ہو گی پیچھے رہنے والوں میں سے ﴿اِنَّا مُنْزِلُوْنَ﴾ بے شک ہم اُتارنے والے ہیں ﴿عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ﴾ اس بستی کے رہنے والوں پر ﴿رِجْزًا﴾ عذاب ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان سے ﴿بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ یہ نافرمانی کرتے ہیں ﴿وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے چھوڑی اس بستی میں ﴿اٰيَةً﴾ نشانی ﴿بَيِّنَةً﴾ واضح ﴿لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو عقل سے کام لیتی ہے ﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ اور بھیجا ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو ﴿فَقَالَ﴾ پس کہا انھوں نے ﴿يٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم! ﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ اور اُمید رکھو آخرت کے دن کی ﴿وَلَا تَعْثَوْا﴾ اور نہ پھرو ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿مُفْسِدِيْنَ﴾ فساد کرتے ہوئے

﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ پس جھٹلایا انھوں نے شعیب علیہ السلام کو ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ پس پکڑا ان کو زلزلے نے ﴿فَاَصْبَحُوْا﴾ پس ہوگئے وہ ﴿فِیْ دَارِهِمْ﴾ اپنے گھروں میں ﴿جٰثِمِیْنَ﴾ گھٹنوں کے بل گرنے والے ﴿وَعَادًا﴾ اور ہم نے ہلاک کیا عاد قوم کو ﴿وَّثَمُوْدَا۟﴾ اور قوم ثمود کو بھی ﴿وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ﴾ اور تحقیق واضح ہو چکے ہیں تمھارے لیے ان کے مکانات ﴿وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ﴾ اور مزین کیا ان کے لیے شیطان نے ﴿اَعْمَالَهُمْ﴾ ان کے اعمال کو ﴿فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ﴾ پس روکا ان کو راستے سے ﴿وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ﴾ اور تھے وہ لوگ ہوشیار ﴿وَقَارُوْنَ﴾ اور قارون کو ہم نے تباہ کیا ﴿وَفِرْعَوْنَ﴾ اور فرعون کو ﴿وَهَامٰنَ﴾ اور ہامان کو ﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰی﴾ اور البتہ تحقیق آئے ان کے پاس موسیٰ علیہ السلام ﴿بِالْبَیِّنٰتِ﴾ واضح دلائل لے کر ﴿فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ پس انھوں نے تکبر کیا زمین میں ﴿وَمَا كَانُوْا سٰبِقِیْنَ﴾ اور نہیں تھے وہ بھاگ کر نکل جانے والے۔

لوط علیہ السلام کی پریشانی کا ذکر

اس سے پہلے سبق میں تم پڑھ چکے ہو کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے اسحاق اور پوتے یعقوب علیہ السلام کی خوش خبری دی یہ فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو ادھیڑ عمر کے لوگوں کی شکل میں آئے۔ وہاں سے جب بستی سدوم میں لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو نوعمر لڑکوں کی شکل میں بارہ تیرہ سال، چودہ سال کی عمر میں۔ یہ وہی فرشتے تھے جو ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے۔ جن میں جبرئیل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام، اسرافیل علیہ السلام خاص طور پر آئے۔ جب یہ فرشتے لوط علیہ السلام کے گھر آئے تو دوپہر کا وقت تھا ان کو دیکھ کر لوط علیہ السلام سخت پریشان ہوئے۔ اس کا ذکر ہے۔

﴿وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا﴾ اور جس وقت آئے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس ﴿سِیْٓءَ بِهِمْ﴾ پریشان کر دیئے گئے ان کی وجہ سے ﴿وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا﴾ اور تنگ ہوئے ان کی وجہ سے دل میں۔ پریشانی میں انسان کا دل تنگ ہوتا ہے پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ وہ قوم کی بدفطرتی کو جانتے تھے، بدکرداری سے واقف تھے کہ قوم کو جب ان کا علم ہوگا تو وہ مہمانوں کی عزت پر ہاتھ ڈالیں گے، بدکاری کے لیے حملہ کریں گے اور مہمان کی عزت اور اکرام بھی ضروری ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُكْرِمْ ضَیْفَهٗ "جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے پس اس کو چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔" تو گویا مہمان کی عزت قولاً اور فعلاً ہر طریقے سے، یہ ایمان کا حصہ ہے۔ اور پیغمبر سے بڑا مومن کون ہوسکتا ہے۔ تو ایک طرف یہ بات تھی کہ مہمانوں کی عزت اور اکرام بہت ضروری ہے اور دوسری طرف قوم کی بدکاری سامنے تھی۔ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ﴿وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ﴾ [ہود: ۷۸] "اور آئی ان کے پاس ان کی قوم دوڑتی ہوئی۔" لوط علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! ﴿هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ﴾ "یہ

میری بیٹیاں ہیں تمھارے لیے پاک ہیں۔" اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں فرمایا کہ پیغمبر روحانی باپ ہوتا ہے۔ یہ میری قوم کی لڑکیاں ہیں تمھارے لیے حلال ہیں۔ اللہ سے ڈرو میرے مہمانوں کو بے آبرو نہ کرو۔ تو قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں کہا۔

آج بھی عموماً بڑے عمر والے کو سب لوگ ابا ہی کہتے ہیں اگرچہ وہ حقیقتاً والد نہیں ہوتا۔ مجھے بھی تمام بیبیاں ابا جی! کہتی ہیں۔ تو یہ قوم کی بیٹیاں ہیں ان سے جائز طریقے سے نکاح کر لو ﴿وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ﴾ [ہود:۷۸] "اور مہمانوں کے بارے میں مجھے پریشان نہ کرو۔"

اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں۔ آنے والوں کو فرمایا کہ تم میں جو اثر ورسوخ والے ہیں میری بیٹیوں کے ساتھ نکاح کر لو اور اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے ان لوگوں کو یہاں سے لے جاؤ میرے مہمانوں کی عزت خراب نہ ہو۔ کتنی بڑی قربانی ہے۔ قوم نے کہا کہ آپ جانتے ہیں ﴿مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ﴾ [ہود:۷۹] "ہمیں آپ کی بیٹیوں میں کوئی رغبت نہیں ہے۔" ہمیں لڑکیوں کا شوق نہیں ہے ہمیں اپنی عادت پوری کرنی ہے۔ کہنے لگے ﴿اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ﴾ [حجر:۷۰] "ہم نے آپ کو روکا نہیں تھا جہان والوں کی حمایت سے۔" تم مہمانوں کے ٹھیکے دار ہو۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں اور آنے والے مہمان بڑے اطمینان کے ساتھ بیٹھے رہے وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ ان کے چہروں پر کوئی پریشانی نہیں تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا تھا پریشانی کی وجہ سے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ لوط علیہ السلام بہت زیادہ پریشان ہو گئے ہیں تو ﴿وَقَالُوْا﴾ بول پڑے کہنے لگے ﴿لَا تَخَفْ﴾ آپ خوف نہ کریں اپنی ذات کے لیے ﴿وَلَا تَحْزَنْ﴾ اور نہ غم کریں اپنے مومن ساتھیوں کے بارے میں۔

خوف اور حزن کا فرق

خوف ہوتا ہے اپنی ذات کے لیے اور غم ہوتا ہے دوسروں کے لیے۔ اور دوسرا فرق یہ بیان کرتے ہیں کہ خوف ہوتا ہے آئندہ کسی چیز کے بارے میں اور غم ہوتا ہے گزشتہ چیز پر۔ آپ نہ غم کریں اور نہ خوف کریں ﴿اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ﴾ بے شک ہم آپ کو بچانے والے ہیں اور آپ کے اہل کو، آپ کے ماننے والوں کو ﴿اِلَّا امْرَاَتَكَ﴾ سوائے آپ کی بیوی کے ﴿كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ﴾ ہو گی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ﴿اِنَّا مُنْزِلُوْنَ﴾ بے شک ہم اُتارنے والے ہیں ﴿عَلٰۤی اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ﴾ اس بستی کے رہنے والوں پر ﴿رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ عذاب آسمان سے۔ کیوں؟ ﴿بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ یہ نافرمانی کرتے ہیں ﴿وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰیَةً﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے چھوڑی اس بستی میں نشانی ﴿بَیِّنَةً﴾ واضح لیکن ﴿لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو عقل سے کام لیتی ہے۔

اس قوم پر چار قسم کے عذاب آئے جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ پہلے عذاب کا ذکر سورۃ قمر آیت نمبر ۳۷

میں ہے ﴿فَطَمَسْنَآ اَعْیُنَهُمْ﴾ ”ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں۔“ پہلے ان کو اندھا کیا۔ دوسرا عذاب: ﴿وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ﴾ ”اور برسائے ہم نے ان پر پتھر کھنگھر۔“ تیسرا عذاب: صَیْحَةٌ جبرئیل علیہ السلام نے ڈراؤنی آواز نکالی جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے۔ چوتھا عذاب: جبرئیل علیہ السلام نے پَر مارا اور سارے علاقے کو اُٹھا لیا بہت بلندی پر لے جا کر اُلٹ کر پھینک دیا ﴿فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا﴾ [حجر: ۷۴] ”پس کر دیا ہم نے ان بستیوں کے اوپر والے حصے کو نیچے۔“ سدوم مرکزی شہر تھا لوگ وہاں آتے جاتے تھے چیزیں بیچتے خریدتے تھے۔ اب وہ آب سیاہ ہو گیا ہے اور سیاہی رنگ کی زمین ہے کہ لوگ وہاں آکر عبرت حاصل کریں لیکن وہ جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے نافرمان قوموں کے واقعات بیان فرمائے ہیں کہ ان کے انجام سے عبرت حاصل کرو۔ نوح علیہ السلام کی قوم کا حال، ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا حال پھر لوط علیہ السلام کی قوم کا حال۔ آگے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر

فرمایا ﴿وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا﴾ اور بھیجا ہم نے مدین قوم کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے دو کا ذکر قرآن کریم میں ہے اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام۔ باقی تین کا ذکر تورات اور تاریخ میں آتا ہے۔ مدین، مدائن اور قیدار رحمہم اللہ تعالیٰ۔ تو مدین کی اولاد مدین قوم کہلائی۔ اس قوم نے اپنے نام پر شہر آباد کیا جیسے سننے میں آتا ہے کہ گکھڑ کوئی قوم تھی اس کے نام پر یہ گکھڑ شہر آباد ہے۔ تو فرمایا بھیجا ہم نے مدین قوم کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو ﴿فَقَالَ﴾ پس انھوں نے کہا ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی غیر اللہ کی عبادت نہ کرو اور رب تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ آخرت پر یقین رکھو ﴿وَ ارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ اور اُمید رکھو آخرت کے دن کی۔

مشرک قیامت کے بھی منکر ہیں

عموماً مشرک قومیں توحید و رسالت کے انکار کے ساتھ قیامت کا بھی انکار کرتی ہیں۔ اگر مانتے بھی ہیں تو اس انداز سے کہ اس کی حقیقت بے حیثیت ہو کر رہ جاتی ہے۔ قیامت کا جو حلیہ وہ بیان کرتے ہیں وہ قیامت نہیں ہے کوئی اور بلا ہے۔ اس کو آپ اس طرح سمجھیں کہ کوئی آدمی صدر کا حلیہ بیان کرے کہ اس کی چار ٹانگیں ہیں بڑی موٹی موٹی اور پیٹھ بھی بڑی چوڑی ہے کہ اس پر چھوٹی چارپائی آسکتی ہے اور بڑے لمبے لمبے کان ہیں اور بڑی لمبی سونڈ ہے تو عقل مند سمجھے گا کہ یہ صدر کا حلیہ نہیں ہے اس نے ہاتھی دیکھا ہوگا۔ ایسے ہی یہ مشرک قومیں قیامت کی شکل بیان کرتی ہیں۔ قیامت کو صحیح معنیٰ میں ماننے والے صرف مسلمان ہیں کہ ان کا قرآن و سنت پر ایمان ہے اور قرآن و سنت نری حقیقت ہے۔

تو فرمایا عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دوسرے مقام پر ہے ﴿مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ، معبود، مشکل کشا، حاجت روا نہیں ہے اور آخرت کے دن کی اُمید رکھو۔ اور تیسری چیز ﴿وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ﴾ اور نہ پھرو

زمین میں فساد مچاتے ہوئے۔ مدین شہر کے چاروں طرف بڑے بڑے جنگلات تھے اسی وجہ سے ان کو اللہ تعالیٰ نے اَصْحٰبُ الایکہ بھی کہا ہے، جنگل والے۔ جنگل میں ڈاکو رہتے تھے اور شہر میں ان کے ایجنٹ ہوتے تھے جو خرید و فروخت کی معلومات حاصل کر کے ان کو بتاتے تھے کہ فلاں قافلے والوں کے پاس اتنا سونا ہے، چاندی ہے، ہیرے ہیں۔ قافلہ جب جنگل میں پہنچتا تو ڈاکو اس کو لوٹ لیتے تھے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ وہاں ایک بابا ہے اور پھر حضرت شعیب علیہ السلام کا حلیہ بتاتے کہ اس کے پاس نہ جانا وہ ہمارے باپ دادا کے دین کا دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ پس انھوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ پس پکڑ لیا ان کو زلزلے نے۔ یہاں رجفہ کا لفظ ہے اور سورہ ہود میں صیحہ کا لفظ ہے کہ پکڑا ان ظالموں کو چیخ نے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک آواز نکالی اس کی وجہ سے زلزلہ آیا اور وہ قوم تباہ ہوگئی ﴿فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرنے والے۔ جیسے ہم التحیات میں بیٹھتے ہیں عاجزی کے ساتھ۔ اس وقت وہ گھٹنوں کے بل گرے اور کہتے رہے ﴿اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ بے شک ہم ظالم ہیں مگر اب کیا فائدہ۔

﴿وَعَادًا﴾ اور تباہ کیا ہم نے عاد قوم کو ﴿وَّثَمُوْدَاۡ﴾ اور ثمود قوم کو تباہ کیا جو صالح علیہ السلام کی قوم تھی ﴿وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ﴾ اور تحقیق واضح ہو چکے ہیں تمھارے لیے ان کے مکانات۔ حضرت صالح علیہ السلام کا علاقہ حجر تھا اور یہ خیبر اور تبوک کے درمیان کا علاقہ ہے۔ انھوں نے بڑی بڑی چٹانیں تراش کر مکان بنائے کہ زلزلے سے ان کو نقصان نہ پہنچے مگر جب رب تعالیٰ کا عذاب آیا تو وہ قوم تباہ ہوگئی اور مکان ابھی تک موجود ہیں ﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ اور مزین کیا ان کے لیے شیطان نے ان کے اعمال کو ﴿فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ﴾ اور روک دیا ان کو حق کے راستے سے ﴿وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ﴾ اور تھے وہ لوگ ہوشیار۔ یہ قومیں بڑی ہوشیار تھیں جیسے آج کل کے لیڈر بڑے ہوشیار ہیں۔ ایمان و عمل سے بندہ محروم ہو تو نری ہوشیاری کیا کام آئے گی؟

﴿وَقَارُوْنَ﴾ اور قارون کو بھی تباہ کیا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ﴾ اللہ تعالیٰ نے قارون کو کوٹھی اور عملے سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ ﴿وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ﴾ اور فرعون اور ہامان کو تباہ کیا۔ ہامان فرعون کا وزیر اعظم تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو بحر قلزم میں غرق کیا ﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ﴾ اور البتہ تحقیق آئے ان کے پاس موسیٰ علیہ السلام واضح دلائل اور معجزات لے کر ﴿فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ پس انھوں نے تکبر کیا زمین میں حق کو ٹھکرایا نہ فرعون نے حق کو قبول کیا اور نہ ہامان نے ﴿وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ﴾ اور نہیں تھے وہ بھاگ کر نکل جانے والے ہماری گرفت سے۔ سابق اسے کہتے ہیں جو دوڑ کر بھاگ جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کون بھاگ سکتا ہے۔

﴿ فَكُلًّا اَخَذْنَا ﴾ پس سب کو پکڑا ہم نے ﴿ بِذَنْۢبِهٖ ﴾ ان کے گناہوں کی وجہ سے ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ ﴾ پس بعض ان میں سے وہ ہیں ﴿ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ﴾ کہ جن پر بھیجی ہم نے تندوتیز ہوا ﴿ وَمِنْهُمْ ﴾ اور بعض ان میں سے ﴿ مَّنْ ﴾ وہ ہیں ﴿ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ﴾ جن کو پکڑا چیخ نے ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ ﴾ اور بعض ان میں سے وہ ہیں ﴿ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ﴾ جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ ﴾ اور بعض ان میں سے وہ ہیں ﴿ اَغْرَقْنَا ﴾ جن کو ہم نے غرق کیا ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ ﴾ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسا کہ ان پر ظلم کرے ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ اور لیکن تھے وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ ﴾ مثال ان لوگوں کی ﴿ اتَّخَذُوْا ﴾ جنھوں نے بنائے ہیں ﴿ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿ اَوْلِيَآءَ ﴾ کارساز ﴿ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ﴾ جیسے مثال ہے مکڑی کی ﴿ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ﴾ جس نے بنایا اپنا گھر ﴿ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ ﴾ اور بے شک سب گھروں میں کمزور گھر ﴿ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ﴾ البتہ مکڑی کا گھر ہے ﴿ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ کاش کہ یہ جان لیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿ مَا ﴾ ان کو ﴿ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿ مِنْ شَيْءٍ ﴾ کچھ بھی ہو ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ اور وہ زبردست حکمت والا ہے ﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ ﴾ اور یہ مثالیں ہیں ﴿ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ﴾ ہم ان کو بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے ﴿ وَمَا يَعْقِلُهَآ ﴾ اور نہیں سمجھتے ان مثالوں کو ﴿ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴾ مگر صرف علماء ﴿ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ ﴾ پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ﴿ وَالْاَرْضَ ﴾ اور زمین کو ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ حق کے ساتھ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ﴾ بے شک اس میں ﴿ لَاٰيَةً ﴾ البتہ نشانی ہے ﴿ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ مومنوں کے لیے۔

مختلف قسم کے عذابوں کا تذکرہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں بہت سی مجرم قوموں کا ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے پیغمبروں کی نافرمانی کی۔ نتیجہ کیا ہوا؟ ﴿ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ﴾ پس سب کو ہم نے پکڑا ان کے گناہوں کی وجہ سے۔ ان تمام قوموں نے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی، گناہ کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان گناہوں کے بدلے میں ان کو پکڑا۔ کیسے پکڑا ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ﴾۔ حاصب کے عربی میں دو معنیٰ آتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی تیز ہوا ہو کہ اس میں سنگریزے بھی اُڑتے پھریں۔ تو اس لحاظ سے معنیٰ ہو گا پس ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جن پر بھیجی ہم نے تندوتیز ہوا۔ ہود علیہ السلام کی قوم پر ایسی تندوتیز ہوا مسلط کی کہ وہ لوگوں کو اُٹھا اُٹھا کر دور پھینکتی تھی۔ اور دوسرا معنیٰ ﴿ حَاصِبًا ﴾ کا سنگریزے اور پتھر ہے۔ لوط علیہ السلام کی قوم پر اللہ تعالیٰ نے پتھر برسائے۔ تو ان میں سے وہ بھی ہیں کہ ان پر ہم نے تیز ہوا مسلط کی یا ان پر سنگریزے اور پتھر برسائے ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ﴾۔ صیحہ کا معنیٰ آواز ہے۔

اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ ان کو پکڑا چیخ نے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایسی ڈراؤنی آواز نکالی کہ وہ جہاں جہاں تھے وہیں ان کے کلیجے پھٹ گئے۔

یہ سزا صالح علیہ السلام کی قوم کو بھی ہوئی اور شعیب علیہ السلام کی قوم کو بھی ہوئی۔ شعیب علیہ السلام کی قوم پر تین قسم کے عذاب آئے۔ صیحہ، رجفہ، زلزلہ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے چیخ ماری، آسمان سے آگ برسی اور زلزلہ آیا۔ اور صالح علیہ السلام کی قوم پر چیخ بھی مسلط کی اور زلزلہ بھی آیا۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ﴾ اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ ہم نے ان کو زمین میں دھنسا دیا۔ سورۂ قصص میں تم تفصیل کے ساتھ سن چکے ہو کہ قارون جس کا نام منور تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا ظاہری طور پر اس نے کلمہ بھی پڑھا تھا اور تورات کا بھی ماہر تھا مگر دنیا کی محبت میں سر سے لے کر پاؤں تک ڈوبا ہوا تھا نہ رب تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا تھا اور نہ مخلوق خدا کے۔ رب تعالیٰ نے اس کو بمع دولت اور عملے کے زمین میں دھنسا دیا۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا﴾ اور ان میں بعض وہ ہیں جن کو ہم نے پانی میں غرق کر دیا۔ نوح علیہ السلام کی قوم کو پانی میں غرق کیا گیا۔ فرعون اور اس کے لشکر کو پانی میں غرق کیا ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ﴾ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسا کہ ان پر ظلم کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ اور لیکن تھے وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے۔ رب تعالیٰ کا شریک بنانا، رب تعالیٰ کے پیغمبروں کا مقابلہ کرنا، حق کو ٹھکرا دینا، کمزوروں پر ظلم کرنا، یہ مختلف قسم کے مظالم انھوں نے اپنی جانوں پر کیے جس کی سزا پائی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے مثال کے ذریعے مشرکوں کو بات سمجھائی ہے کہ جن کو تم نے خدا کا شریک بنایا ہوا ہے یہ تمھارے کچھ کام نہیں آئیں گے۔

مشرک خدا کا منکر نہیں ہوتا

یہاں ایک بات سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مشرک خدا کا منکر ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کو نہیں مانتا ہے۔ ایسی بات نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مشرک اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑی عقیدت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو بہت بلند سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے اور ہم عاجز، کمزور اور اتنے پست ہیں کہ اس تک پہنچ نہیں سکتے۔ اس لیے ہم ان بابوں کی عبادت کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔ چنانچہ سورۃ زمر آیت نمبر ۳ میں مشرکوں کا مقولہ موجود ہے۔ وہ کہتے ہیں ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ "نہیں عبادت کرتے ہم ان کی مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب دلائیں۔" یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں اس لیے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں۔ اور سورۃ یونس آیت نمبر ۱۸ میں ہے ﴿هٰۤؤُلَاۤءِ شُفَعَاۤؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ "اور یہ لوگ کہتے ہیں (کہ جن کی یہ عبادت کرتے ہیں) یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔" یہ رب تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔ اب دیکھو! ظاہری طور پر مشرک کے دل میں اللہ تعالیٰ کی کتنی عظمت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رفعت و بلندی کا کتنا قائل ہے کہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے اس تک پہنچنے

کے لیے یہ بزرگ ہماری سیڑھیاں ہیں۔تو مشرک اللہ تعالیٰ کا منکر نہیں ہوتا وہ خدا کو مانتے ہوئے نیچے چھوٹے چھوٹے خدا بناتا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو مثال کے ذریعے سمجھایا ہے کہ یہ خدا تمھارے کچھ کام نہیں آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ﴾ مثال ان لوگوں کی جنھوں نے بنائے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے کارساز، مشکل کشا، حاجت روا، فریادرس، دست گیر، ان کی مثال ایسی ہے ﴿ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ﴾ جیسے مکڑی کی مثال ﴿ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ﴾ جس نے بنایا گھر، جالا بنایا ﴿ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ ﴾ اور بے شک سب گھروں میں کمزور گھر ﴿ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ﴾ البتہ مکڑی کا گھر ہے، مکڑی کا جالا ہے۔اتنا کمزور گھر کسی کا نہیں ہے ﴿ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ کاش کہ یہ جان لیں کہ جن کو یہ معبود سمجھتے ہیں وہ کتنے کمزور ہیں۔

بیتِ عنکبوت کے ساتھ مشرکوں کی وجہ تشبیہ

اب یہاں وجہ تشبیہ سمجھ لیں کہ مکان جتنا چاہے مضبوط ہو، کوٹھی ہو، قلعہ ہو، مکڑی کو اس پر اعتماد نہیں ہوتا ہے اس کے نیچے اپنا جالا ضرور بنے گی۔یہی حال مشرک کا ہے کہ اس کو اللہ قادر مطلق پر اعتماد نہیں ہے اس سے نیچے نیچے، چھوٹے چھوٹے معبود، مشکل کشا بنائے گا۔دوسری بات یہ ہے کہ مکڑی جو جالا بنتی ہے اس کا مادہ میٹریل باہر سے نہیں لاتی وہ سب اس کے پیٹ سے لعاب کی شکل میں نکلتا ہے۔یہی حال مشرک کا ہے کہ اس کے پاس بھی شرک پر کوئی خارج اور نفس الامر میں دلیل نہیں ہوتی جو اُگلے گا اندر ہی سے اُگلے گا۔جو کچھ نکلتا ہے اس کے پیٹ ہی سے نکلتا ہے اور دنیا میں خاموش تو کوئی نہیں رہتا خواہ وہ کتنا ہی جھوٹا کیوں نہ ہو۔

جب پاکستان بنا ان دنوں کی بات ہے میں نے جمعہ میں بیان کیا کہ تم کہتے ہو کہ بزرگوں کے پاس سب کچھ ہے اور وہ سب کچھ کر سکتے ہیں تو مشرقی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں نے بڑے ظلم ڈھائے ہیں مسلمانوں پر اگر ان بزرگوں کے پاس اختیارات ہوتے تو یہ ظلم کرنے دیتے؟ حالاں کہ مشرقی پنجاب میں بے شمار بزرگ ہیں۔حضرت مجدد الف ثانی شاہ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ وہ بھی مشرقی پنجاب میں ہیں جو اب سکھوں اور ہندوؤں کے پاس ہے۔مرد قتل ہوئے، عورتیں قتل ہوئیں، برچھیاں مار کر پیٹ سے عورتوں کے بچے ضائع کیے گئے، مساجد شہید کی گئیں، بڑا ظلم ہوا۔اخبارات کے بیان کے مطابق دس لاکھ مسلمان شہید ہوئے اگر ان بزرگوں کے بس میں ہوتا تو یہ ظلم ہونے دیتے؟ تو ایک مشرک ٹائپ آدمی بولا کہ یہ بزرگ ان دنوں حج کے لیے گئے ہوئے تھے۔

(حضرت نے ہنستے ہوئے فرمایا) بہانہ دیکھو! میں نے کہا بابا جی! پہلی بات تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد کسی پر حج فرض نہیں رہتا، نہ نماز، نہ روزہ فرض رہتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ حج کا تو موسم ہی نہیں ہے۔ہاں اگر حج کا موسم ہوتا تو یہ شوشہ کچھ تیرے کام آجاتا۔بس اس طرح کے دلائل مشرکوں کے پاس ہوتے ہیں۔اور تیسری بات یہ ہے کہ مکڑی کا جالا اس کو گرمی سے بچا

سکتا ہے اور نہ سردی سے۔زیادہ گرمی ہو تو پھر بھی مر جاتی ہے زیادہ سردی ہو تو پھر بھی مر جاتی ہے اور یہی حال مشرک کا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے چھوٹے چھوٹے خدا بناتا ہے جو نہ اسے فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان سے بچا سکتے ہیں کیونکہ ان کے پاس ایک ذرے کا بھی خدائی اختیار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خدائی اختیار کسی کو دیئے ہی نہیں ہیں۔اگر کسی کو دیئے ہوتے تو آنحضرت ﷺ کو دیئے ہوتے حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے قرآن کریم میں اعلان کروایا ﴿قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ " آپ کہہ دیں میں نہیں مالک تمھارے لیے نقصان کا اور نہ نفع کا۔" اور یہ بھی اعلان کروایا کہ ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ [الاعراف:۱۸۸] "میں نہیں مالک اپنے لیے نفع کا اور نہ نقصان کا۔" اور ہے کوئی ماں کا لال جو کہے کہ میرے پاس خدائی اختیارات ہیں اور نہ ہی کسی اللہ والے نے کہا ہے کہ میرے پاس خدائی اختیارات ہیں۔یہ جن کی قبروں کو عرق گلاب سے غسل دیا جاتا ہے اور ان پر عطر چھڑکا جاتا ہے اگر ان کے بس میں ہوتا تو قبر سے نکل کر ان کے منہ سینک دیتے اور کہتے کہ ظالمو! ہم تو یہ خرافات کفر، شرک، بدعات مٹانے کے لیے دنیا میں آئے تھے اور تم ہمارے ساتھ یہ کارروائی کر رہے ہو، مگر ان کے بس میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿مِنْ شَیْءٍ﴾ کچھ بھی ہو۔فرشتہ ہو، جن ہو، انسان ہو، ولی ہو، شہید ہو، قطب ہو ﴿وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ﴾ اور یہ مثالیں ہیں ﴿نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ﴾ ان کو ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے ﴿وَمَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ اور نہیں سمجھتے ان مثالوں کو مگر علماء۔مکڑی کی تشبیہ کو عالم ہی سمجھتے ہیں کہ کیوں دی ہے کہ اس کا گھر نہ اس کو گرمی سے بچا سکتا ہے اور نہ سردی سے۔اسی طرح یہ معبودان کے نہ ان کو نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان سے بچا سکتے ہیں اور سارا مواد مشرک کے پیٹ سے نکلتا ہے اور اس کے پاس بھی کوئی خارجی دلیل شرک پر نہیں ہے اس نے بھی جو اگلنا ہے اندر ہی سے اُگلنا ہے۔﴿خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ پیدا کیے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ۔آسمانوں کو دیکھو زمین کو دیکھو ایک ایک چیز میں رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانی موجود ہے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً﴾ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے لیکن کن کے لیے ﴿لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ماننے والوں کے لیے۔جنھوں نے نہیں ماننا ان کے لیے کوئی نشانی نہیں ہے۔

﴿اُتْلُ﴾ آپ پڑھ کر سنائیں ﴿مَآ﴾ وہ چیز ﴿اُوْحِیَ اِلَیْكَ﴾ جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف ﴿مِنَ الْكِتٰبِ﴾ کتاب ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کریں نماز کو ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ﴾ بے شک نماز ﴿تَنْهٰی﴾ روکتی ہے ﴿عَنِ الْفَحْشَآءِ﴾ بے حیائی سے ﴿وَالْمُنْكَرِ﴾ اور برائی سے ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ﴾ اور البتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ﴿اَكْبَرُ﴾ سب سے بڑا ہے ﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿مَا تَصْنَعُوْنَ﴾ جو تم کرتے ہو ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا﴾ اور تم جھگڑا نہ

کرو ﴿اَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ اہل کتاب سے ﴿اِلَّا بِالَّتِیْ﴾ مگر ایسے طریقے سے ﴿هِیَ اَحْسَنُ﴾ جو اچھا ہو ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ﴾ مگر وہ لوگ ﴿ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ جو ظالم ہیں ان میں سے ﴿وَ قُوْلُوْۤا﴾ اور کہو تم ﴿اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ﴾ ہم ایمان لائے اس چیز پر ﴿اُنْزِلَ اِلَیْنَا﴾ جو نازل کی گئی ہماری طرف ﴿وَ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ﴾ اور جو نازل کی گئی تمھاری طرف ﴿وَ اِلٰهُنَا﴾ اور ہمارا معبود ﴿وَ اِلٰهُكُمْ﴾ اور تمھارا معبود ﴿وَاحِدٌ﴾ ایک ہی ہے ﴿وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ اور ہم اس کی فرماں برداری کرنے والے ہیں ﴿وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ﴾ اور اسی طرح ہم نے نازل کی ﴿اِلَیْكَ الْكِتٰبَ﴾ آپ کی طرف کتاب ﴿فَالَّذِیْنَ﴾ پس وہ لوگ ﴿اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ جن کو دی ہم نے کتاب ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ وہ اس پر ایمان لائے ہیں ﴿وَ مِنْ هٰۤؤُلَآءِ﴾ اور ان لوگوں میں سے بھی ﴿مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ﴾ وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اس پر ﴿وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ﴾ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا ﴿اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ﴾ مگر کافر ﴿وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا﴾ اور نہیں تھے آپ تلاوت کرتے ﴿مِنْ قَبْلِهٖ﴾ اس قرآن سے پہلے ﴿مِنْ كِتٰبٍ﴾ کسی کتاب کی ﴿وَّ لَا تَخُطُّهٗ﴾ اور نہ آپ لکھتے تھے ﴿بِیَمِیْنِكَ﴾ اپنے دائیں ہاتھ سے ﴿اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ اس وقت البتہ شک کرتے باطل پرست لوگ ﴿بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ﴾ بلکہ یہ آیتیں ہیں ﴿بَیِّنٰتٌ﴾ صاف صاف ﴿فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے دلوں میں ﴿اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ جن کو دیا گیا علم ﴿وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ﴾ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا ﴿اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ﴾ مگر ظالم ﴿وَ قَالُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ﴾ کیوں نہیں اُتاری جاتیں اس پر ﴿اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ آیات اس کے رب کی طرف سے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَا الْاٰیٰتُ﴾ پختہ بات ہے نشانیاں ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں ﴿وَ اِنَّمَاۤ اَنَا﴾ اور پختہ بات ہے کہ میں ﴿نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ ڈرانے والا ہوں کھول کر ﴿اَوَ لَمْ یَكْفِهِمْ﴾ کیا ان کو کافی نہیں ہے ﴿اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ﴾ بے شک ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف کتاب ﴿یُتْلٰى عَلَیْهِمْ﴾ جو پڑھی جاتی ہے ان پر ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً﴾ بے شک اس کتاب میں البتہ رحمت ہے ﴿وَّ ذِكْرٰى﴾ اور نصیحت ہے ﴿لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے۔

چند اہم امور کا حکم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے مجرم قوموں کی سزاؤں کا ذکر فرمایا پھر شرک کا رد فرمایا کہ ان قوموں کی تباہی کی بنیادی وجہ شرک ہی تھی۔ رب تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے کامیابی کے اصول بیان فرماتے ہیں۔

① پہلی چیز: ﴿اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ آپ تلاوت کریں پڑھ کر سنائیں وہ کتاب جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔

آپ بھی عربی،قوم بھی عربی، کتاب بھی عربی میں۔تو بیش تر مضامین وہ سن کر سمجھ جاتے تھے اور یہ بات تم کئی دفعہ سن چکے ہو کہ قرآن کریم کا ایک حرف پڑھا جائے تو اس پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور ایک صغیرہ گناہ معاف ہو جاتا ہے مثلاً:﴿اُتْلُ﴾ کے کلمے میں تین حرف ہیں۔تو﴿اُتْلُ﴾ پڑھنے والا تیس نیکیوں کا مستحق ہو گیا۔اس سے اندازہ لگاؤ کہ جو ایک رکوع پڑھے گا،ایک پاؤ پڑھے گا،ایک پارہ پڑھے گا اس کو کتنا اجر ملے گا اور جو دو پارے پڑھے گا اس کو کتنا اجر ملے گا۔

ایمان کے بعد اہم عبادت نماز ہے

② دوسرا کام:﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم رکھیں نماز کو۔ایمان کے بعد تمام عبادات میں پہلا نمبر نماز کا ہے کہ مومن اور کافر کے درمیان فرق اسی عبادت کے ذریعے ہوتا ہے﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور برائی سے۔فحشاء اس عمل کو کہتے ہیں جو عملاً ہو۔جیسے: زنا کرنا،شراب پینا وغیرہ اور مُنکَر کا تعلق زبان سے ہے جیسے گالی دینا، جھوٹ بولنا،غیبت کرنا،کسی کی دل آزاری کرنا۔تو جن گناہوں کا تعلق بدن سے ہے وہ فحشاء ہیں اور جن کا تعلق زبان سے ہے وہ منکر ہیں۔تو نماز عملی برائی سے روکتی ہے اور قولی برائی سے بھی روکتی ہے۔اب ہمیں ٹھنڈے دل سے غور وفکر کرنا چاہیے کہ اگر ہماری نمازیں ہمیں بے حیائی اور برائی سے روکتی ہیں تو پھر تو ہماری نمازیں نمازیں ہیں اور اگر بے حیائی اور برائی سے نہیں روکتیں تو پھر اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔پہلا مطلب العیاذ باللہ نقل کفر کفر نہ باشد کہ رب تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وہ غلط ہے۔اس کا تو کوئی مسلمان تصور نہیں کر سکتا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہو اور غلط ہو۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہماری نمازیں نمازیں نہیں ہیں۔اگر نمازیں نمازیں ہوتیں تو پھر ہم سے بے حیائی اور برائی نہ ہوتی۔کیوں کہ رب تعالیٰ معیار کے طور پر فرماتے ہیں نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور ہم بے حیائی اور برائی سے باز نہیں آ رہے تو پھر محض ٹکریں ہیں نمازیں نہیں ہیں۔﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ اور البتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا ہے کہ اللہ اکبر سے لے کر سلام پھرنے تک ذکر ہی ذکر ہے﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

③ تیسرا کام﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ اور اہل کتاب کے ساتھ جھگڑا نہ کرو﴿اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ مگر ایسے طریقے کے ساتھ جو بہتر ہو یعنی ان کی بات کا معقول جواب دو۔مدینہ طیبہ میں یہودی بھی تھے،عیسائی بھی تھے۔چھیڑ خانی کے لیے آ جاتے تھے اور الٹے سیدھے سوال کرتے تھے جس پر مسلمانوں کو غصہ آتا تھا۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے ساتھ احسن طریقے سے لڑو ان کی باتوں کا معقول جواب دو۔پھر بھی اگر باز نہ آئیں تو پھر تم بھی لڑ سکتے ہو۔

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ مگر وہ جو ان میں سے ظالم ہیں کہ چھیڑ خانی سے باز نہیں آتے ان کے ساتھ لڑنے کی تمھیں اجازت ہے مگر ابتدا نہ کرو﴿وَقُوْلُوْٓا﴾ اور اے مومنو! تم کہو﴿اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ ہم ایمان لائے اس چیز پر جو ہماری طرف اُتاری گئی ہے۔قرآن کریم پر ایمان ہے،حدیث پر ایمان ہے کہ حدیث بھی اُتاری گئی ہے﴿وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ﴾ اور جو

اُتاری گئی ہے تم پر۔ جو کتابیں تمھاری طرف اُتاری گئی ہیں ہمارا ان پر بھی ایمان ہے ہم تورات، انجیل، زبور کو مانتے ہیں، آسمانی صحیفوں کو مانتے ہیں لیکن وہ کتابیں اور صحیفے جن میں تبدیلی اور تحریف نہیں کی گئی ﴿وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ﴾ اور ہمارا الٰہ اور تمھارا الٰہ ایک ہی ہے۔ جس کو تم رب مانتے ہو ہم بھی اسی کو رب مانتے ہیں ﴿وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں اسی کے سامنے جھکتے ہیں ﴿وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ﴾ اور اسی طرح ہم نے نازل کی آپ کی طرف کتاب جس طرح پہلے پیغمبروں پر کتابیں نازل کیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات، داؤد علیہ السلام پر زبور اور عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اُتاری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک نازل فرمایا۔ ﴿فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ پس وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہودیوں میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، حضرت اسد رضی اللہ عنہ، حضرت اسید رضی اللہ عنہ، حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ، حضرت بن یامین رضی اللہ عنہ۔ یہ سارے پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے۔ عیسائیوں میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ، مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ ان کے آباؤ اجداد کا عقیدہ مشرکانہ تھا۔ عرب کے رہنے والے تھے پھر عیسائی ہوگئے اور عیسائیوں کے پادری رہے ہجرت کے نویں یا دسویں سال مسلمان ہوئے۔

﴿وَمِنْ هٰۤؤُلَآءِ﴾ اور ان میں سے بھی۔ یہ اشارہ ہے مکے والوں کی طرف، مکے والوں میں سے بھی ﴿مَنْ﴾ وہ ہیں ﴿یُّؤْمِنُ بِهٖ﴾ جو ایمان لاتے ہیں اس پر۔ پہلے تو تھوڑے تھوڑے مسلمان ہوئے اور ۸ ھ اور اس کے بعد تو جوق در جوق ﴿یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ فوج در فوج، جماعت در جماعت اور خاندان در خاندان، قبیلہ در قبیلہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ﴿وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا مگر وہی جو کافر ہیں ﴿وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا﴾ اور نہیں تھے آپ پڑھتے ﴿مِنْ قَبْلِهٖ﴾ اس قرآن سے پہلے ﴿مِنْ كِتٰبٍ﴾ کوئی کتاب بھی ﴿وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ﴾ اور نہ آپ لکھتے تھے اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے ﴿اِذًا﴾ اس وقت اگر آپ لکھنا یا پڑھنا جانتے ہوتے تو ﴿اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ البتہ شک کرتے باطل پرست لوگ۔ یہودی، عیسائی کہہ دیتے کہ یہ وہ نبی نہیں ہے کیوں کہ اس کی صفت پہلی کتابوں میں ﴿الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾ ہے کہ وہ اُمی ہوگا، لکھنا پڑھنا نہیں جانتا ہوگا ﴿الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ﴾ [الاعراف: ۱۵۷] "پاتے ہیں وہ اس کو لکھا ہوا تورات اور انجیل میں۔" اور عرب والے اس طرح شک کرتے کہ پڑھا لکھا آدمی ہے فارغ وقت میں بیٹھ کر مضمون لکھ لیتا ہے اور پھر ہمیں سنا دیتا ہے لیکن وہ جانتے تھے کہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ پھر کتاب ایسی پیش کی کہ ساری کا مقابلہ تو درکنار اس کی چھوٹی سی سورت کی نظیر بھی پیش نہ کر سکے۔ حالاں کہ عربی لوگ بڑے فصیح بلیغ تھے زور لگاتے ناگر وہ عاجز آ گئے اس کی مثل نہ لا سکے۔

تو معلوم ہوا کہ یہ کسی آدمی کا کلام نہیں ہے ﴿بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ﴾ بلکہ یہ قرآن پاک آیتیں ہیں بالکل واضح ﴿فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے دلوں میں ﴿اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ جن کو دیا گیا علم ان کے سینوں میں یہ کتاب محفوظ ہے۔ یہ بھی اس کتاب کے برحق ہونے کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ایسا انتظام کیا ہے کہ پوری کی پوری کتاب حفاظ کے سینوں

میں بند کردی ہے ﴿وَ مَا یَجۡحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوۡنَ﴾ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا مگر ظالم۔ جو لوگ ظالم ہیں وہ قرآن پاک کی آیتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔

معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے نبی کا نہیں

اور شوشہ ﴿وَ قَالُوۡا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡہِ اٰیٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ﴾ اور کہا ان کافروں نے کیوں نہیں نازل کی گئیں اس نبی پر نشانیاں اس کے رب کی طرف سے یعنی ان کی خواہش کے مطابق کہ صفا سونا بن جائے مکہ مکرمہ کی زمین میں زراعت ہو، باغات ہوں، نہریں جاری ہوں، یہ ہمارے سامنے اڑ کر اوپر جائے اور کتاب لے کر آئے۔ ایسی نشانیاں اس پر کیوں نہیں نازل کی گئیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ﴿قُلۡ﴾ آپ ان سے کہہ دیں ﴿اِنَّمَا الۡاٰیٰتُ عِنۡدَ اللّٰہِ﴾ پختہ بات ہے کہ نشانیاں، معجزات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں میرے پاس نہیں ہیں۔ دیکھو! معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور کرامت بھی اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ معجزہ میں نبی کا ذاتی کوئی دخل نہیں ہوتا اور کرامت میں ولی کا ذاتی کوئی دخل نہیں ہوتا یہ مافوق الاسباب چیزیں ہیں اور جادو مسمریزم ماتحت الاسباب ہیں ان کا کوئی نہ کوئی ظاہری سبب ہوتا ہے معجزے اور کرامت کا کوئی ظاہری سبب نہیں ہوتا وہ صرف اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام جب چھوٹی بچی تھیں اور حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں وہ کمرہ جالی دار تھا حضرت زکریا علیہ السلام جب جاتے تو تالا لگا کر جاتے تھے جب واپس آتے تو ان کے پاس بے موسم پھلوں کا ڈھیر لگا ہوا ہوتا تھا۔ پوچھتے اے مریم علیہا السلام! یہ کہاں سے آئے ہیں تو وہ کہتی ﴿ھُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ﴾ "یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔" آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی تھے ملکہ سبا کا تخت چشم زدن میں لا کر سامنے رکھ دیا۔ حالاں کہ دمشق سے سبا کا سفر ایک مہینے کا تھا۔ یہ ان کی کرامت تھی ظاہری سبب کوئی نہیں تھا بس اللہ تعالیٰ کی قدرت تھی اسی لیے انھوں نے کہا ﴿ھٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ﴾ [نمل: ۴۰]۔

تو فرمایا آپ کہہ دیں نشانیاں اور معجزات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں ﴿وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ﴾ پختہ بات ہے میں ڈرانے والا ہوں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے۔ فرمایا اگر یہ معجزے چاہتے ہیں تو ﴿اَوَ لَمۡ یَکۡفِہِمۡ﴾ اور کیا ان کو کافی نہیں ہے ﴿اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ﴾ بے شک ہم نے اُتاری ہے آپ پر کتاب ﴿یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ﴾ جو پڑھی جاتی ہے ان پر ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ یہ کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنے معجزے عطا فرمائے ہیں ان میں سے قرآن ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک رہے گا اور اس کی مثال نہ اس وقت کوئی پیش کر سکا اور نہ قیامت تک کوئی پیش کر سکے گا۔ دنیائے کفر نے اس کو ختم کرنے کی بڑی کوشش کی ہے لیکن الحمد للہ! آج تک محفوظ اور موجود ہے اور قیامت تک رہے گا ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَۃً﴾ بے شک اس میں رحمت ہے۔ پڑھنے والا رحمت کا مستحق ہے ﴿وَّ ذِکۡرٰی﴾ اور نصیحت ہے۔ اس کتاب میں نصیحت کی باتیں ہیں مگر کس کو فائدہ دیں گی ﴿لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ﴾ اس قوم کو جو ایمان لائے اور جو نہ مانے اس کے لیے یہ کتاب نہ

رحمت ہے اور نہ نصیحت، کچھ بھی نہیں۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿كَفٰى بِاللّٰهِ﴾ کافی ہے اللہ تعالیٰ ﴿بَيْنِيْ﴾ میرے درمیان ﴿وَ بَيْنَكُمْ﴾ اور تمہارے درمیان ﴿شَهِيْدًا﴾ گواہ ﴿يَعْلَمُ﴾ جانتا ہے ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو آسمانوں میں ہے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور جو زمین میں ہے ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ﴾ جو ایمان لائے باطل پر ﴿وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور انکار کیا اللہ تعالیٰ کا ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں نقصان اُٹھانے والے ﴿وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾ جلدی طلب کرتے ہیں آپ سے عذاب کو ﴿وَ لَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ اور اگر نہ ہوتی ایک میعاد مقرر ﴿لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ﴾ البتہ آجاتا ان پر عذاب ﴿وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ﴾ اور البتہ ضرور آئے گا ان پر ﴿بَغْتَةً﴾ اچانک ﴿وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی ﴿يَسْتَعْجِلُوْنَكَ﴾ یہ جلدی طلب کرتے ہیں آپ سے ﴿بِالْعَذَابِ﴾ عذاب کو ﴿وَ اِنَّ جَهَنَّمَ﴾ اور بے شک جہنم ﴿لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ البتہ گھیرنے والی ہے کافروں کو ﴿يَوْمَ﴾ اس دن ﴿يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ﴾ چھا جائے گا ان پر عذاب ﴿مِنْ فَوْقِهِمْ﴾ ان کے اُوپر ﴿وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ﴿وَيَقُوْلُ﴾ اور فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿ذُوْقُوْا﴾ چکھو ﴿مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ بدلہ اس چیز کا جو تم کرتے تھے ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو ﴿اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ﴾ بے شک میری زمین کشادہ ہے ﴿فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ﴾ پس خاص میری عبادت کرو ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے ﴿ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل اچھے کیے ﴿لَنُبَوِّئَنَّهُمْ﴾ البتہ ہم ان کو ضرور ٹھکانا دیں گے ﴿مِّنَ الْجَنَّةِ﴾ جنت میں ﴿غُرَفًا﴾ بالا خانوں میں ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے ان جنتوں میں ﴿نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾ اچھا ہے بدلہ عمل کرنے والوں کا۔

اس سے پہلی آیات میں کافروں کے ایک شوشے کا ذکر تھا کہ انھوں نے کہا ﴿لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ "کیوں نہیں اُتاری گئیں اس پیغمبر پر نشانیاں معجزے اس کے رب کی طرف سے۔" ان کی اس بات کے اللہ تعالیٰ نے تین جواب دیئے۔ ایک یہ کہ ﴿اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ "آپ کہہ دیں کہ معجزات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔" نبی کا معجزات میں کوئی دخل نہیں

ہے نبی کا کام ہے ڈرانا کھول کر۔

مشرکوں کے شوشے کا دوسرا اور تیسرا جواب

دوسرا جواب یہ دیا ﴿اَوَ لَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ﴾ "کیا یہ ان کو کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے جو ان پر پڑھی جاتی ہے جس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔" یہ معجزہ نہیں ہے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کے معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ ہے جو قیامت تک رہے گا۔

تیسرا جواب: فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿كَفٰى بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ شَهِیْدًا﴾ کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے اور تمھارے درمیان گواہ۔ اس نے گواہی دی کہ میرے ہاتھ پر چاند دو ٹکڑے کیا، آتے جاتے پتھر مجھے سلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، میرے حکم سے درخت چل کر آتے ہیں، پانی کی کمی ہو تو انگلیوں سے پانی کے فوارے پھوٹ پڑتے ہیں، کافروں کے ہاتھوں میں کنکریاں میرا کلمہ پڑھتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں، یہ تمام اللہ تعالیٰ کی گواہیاں ہیں میری نبوت پر۔ مگر ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

﴿یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اس سے کوئی شے مخفی نہیں ہے لیکن ﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں باطل پر جنھوں نے باطل کی تصدیق کی، باطل کو مانا ﴿وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور انکار کیا اللہ تعالیٰ کا، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تسلیم نہیں کیا ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں نقصان اُٹھانے والے۔ ان کے انکار سے خدا اور رسول کا تو کچھ نہیں بگڑے گا خسارہ انھی کو ہوگا کہ قبر و حشر میں ذلیل و رسوا ہوں گے۔ اب انھوں نے پینترا بدلا، ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر آ گئے۔ کہنے لگے اگر ہماری مرضی کے معجزے نہیں لا سکتے کہ صفا سونے کی بن جائے، مکہ مکرمہ کی زمین قابل زراعت ہو جائے، یہاں نہریں جاری ہو جائیں، باغات لہلہانے لگ جائیں، اگر یہ نہیں کر سکتے تو پھر جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو وہ ہی لے آؤ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾ یہ جلدی طلب کرتے ہیں آپ سے عذاب کو کہتے ہیں ﴿فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ [الانفال: ۳۲] "پس برسا دے ہم پر پتھر آسمان کی طرف سے یا لے آ ہمارے پاس کوئی دردناک عذاب" اور ہمیں ختم کر دے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَوْ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ اور اگر نہ ہوتی ایک میعاد مقرر ﴿لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ﴾ البتہ ان پر عذاب آ جاتا۔ ہر کام کا اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر کر دیا ہے اور تقدیر میں لکھ دیا ہے کہ فلاں کام فلاں وقت میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے عذاب کا وقت مقرر ہے وہ عذاب بدر میں ہوگا مرنے کے بعد قبر میں ہو گا پھر دوزخ میں ہوگا۔ اور ان کو یقین رکھنا چاہیے ﴿وَ لَیَاْتِیَنَّهُمْ بَغْتَةً﴾ اور البتہ ضرور آئے گا ان پر عذاب اچانک ﴿وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ اور ان کو شعور بھی نہیں ہوگا خبر بھی نہیں ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بددعا فرمانا

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی اے پروردگار! ان پر اس طرح کے سال مسلط فرما جیسے یوسف کے زمانے میں قحط سالی کے تھے۔ پھر وہی کچھ ہوا بارش کا قطرہ تک نہ گرا، مکہ مکرمہ میں تو پہلے ہی کچھ نہیں ہوتا آس پاس کی آبادیوں میں بھی کچھ نہ ہوا۔ پھر وہ وقت آیا کہ ان لوگوں نے مردار کھائے، ہڈیاں پیس پیس کر پھانکیں، چمڑے بھگو بھگو کر کھائے۔ پھر یہ ابوسفیان کے پاس گئے کہ تم جا کر سفارش کرو کہ وہ دعا کریں اور یہ عذاب ہم سے ٹل جائے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس وقت تک نہیں ہوا تھا۔ وہ گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہنے لگا دیکھو! جو بھی ہے، ہے تو آپ کی قوم، یہ پریشان ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو یہ تکلیف رفع ہو جائے۔ یہ سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے یہ قحط سالی والا عذاب ختم ہو جائے گا لیکن اپنا دھڑا نہیں چھوڑا۔ ۸ھ تک ضد پر اڑا رہا پھر ایمان لے آیا۔

فرعون وہامان کو معجزاتِ موسیٰ علیہ السلام میں کوئی شک نہیں تھا

اور سورۃ نمل میں تم پڑھ چکے ہو کہ ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ﴾ فرعون، ہامان وغیرہ نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار کیا لیکن دل میں ان کے کوئی شک نہیں تھا جانتے تھے کہ یہ معجزے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں صرف ظلم اور سرکشی کرتے ہوئے نہیں مانا۔ فرعون یہ سمجھتا تھا اگر میں نے کلمہ پڑھ لیا تو پھر اقتدار میرے پاس نہیں رہے گا۔ ہامان کو یہ خطرہ تھا کہ میری وزارت عظمیٰ ختم ہو جائے گی۔ کیوں کہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے خدائی وزیر تھے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے مانگ کر لیے ہیں ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ﴾ [طٰہٰ:۲۹] تو یہ چیزیں ان کے لیے حق سے مانع تھیں ورنہ دل میں ان کے پورا یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

تو فرمایا کہ ضرور آئے گا ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اور ان کو خبر بھی نہیں ہوگی۔ مشرکین مکہ کا جو حشر بدر میں ہوا کیا وہ سوچ سکتے تھے؟ ہزار کی تعداد تھی اسلحہ ان کے پاس وافر تھا ضرورت سے زیادہ اونٹ ساتھ لے کر آئے تھے ناچنے والے، گانے والی عورتیں ساتھ لے کر آئے تھے کہ یہ چند آدمی ہیں ان کا صفایا کر کے دھمالیں ڈالیں گے، بھنگڑے ہوں گے، رقص وسرود کی محفلیں ہوں گی، اُونٹ ذبح ہوں گے، شراب چلے گی۔ ان کو کیا معلوم تھا کہ یہ اُونٹ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت بنیں گے اور گانے والیاں مکے تک تمھارا ماتم کریں گی اور شراب کی جگہ تم موت کے پیالے بھر بھر کے پیو گے۔ ستر مارے گئے، ستر گرفتار ہوئے اور جو بچ کے بھاگے وہ سال بھر گھروں سے باہر نہیں نکلے، منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔

فرمایا ﴿يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾ یہ جلدی طلب کرتے ہیں آپ سے عذاب کو ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ اور بے شک جہنم احاطہ کرنے والی ہے کافروں کا۔ بندے کو تو وہ چیز مانگنی چاہیے جو بن مانگے نہ ملے۔ جہنم تو تمھیں بن مانگے ملنی ہے اسے مانگنے کی کیا ضرورت ہے آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جنت بھی سامنے اور دوزخ بھی سامنے چاہے دفن پر کئی دن لگ

جائیں موت کے بعد مومن کی روح علیین میں پہنچ گئی اور کافر کی سجین میں پہنچ گئی۔ ﴿یَوْمَ یَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ﴾ جس دن چھا جائے گا عذاب ان پر اُوپر سے ﴿وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ اور ان کے پاؤں کے نیچے سے۔ آج اگر پاؤں چنگاری پر جا پڑے آدمی اچھل کر ادھر جا پڑتا ہے اور جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے لیکن ہمیں اس سے بچنے کی فکر ہی کوئی نہیں ہے۔ ﴿وَیَقُوْلُ﴾ اور فرمائیں گے رب تعالیٰ ﴿ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ چکھو بدلہ اس چیز کا جو تم عمل کرتے تھے۔

ہجرت کا حکم

اُوپر خطاب تھا کافروں کو اور اب خطاب ہے مومنوں کو ﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے میرے وہ بندو! جو ایمان لائے ہو۔ رب کے بندے وہ ہیں جو صحیح طریقے پر ایمان لائے ہیں ﴿اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ﴾ بے شک میری زمین کشادہ ہے ﴿فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ﴾ پس خاص میری ہی عبادت کرو۔ اگر کسی علاقے میں کافروں کا غلبہ ہو اور مسلمانوں کو خالص عبادت نہیں کرنے دیتے تو حکم ہے کہ وہاں سے ہجرت کر کے دوسری جگہ چلے جاؤ۔ اس وقت سے لے کر آج تک ہجرت کا سلسلہ چلا آ رہا ہے افغانستان کے مہاجر لاکھوں کی تعداد میں ابھی تک پاکستان میں موجود ہیں ان میں اکثریت تو خالص مہاجرین کی ہے جو اس لیے آئے ہیں کہ وہاں روس کا غلبہ ہو جائے گا تو ایمان بچانا مشکل ہو جائے گا عورتوں کی بے عزتی ہو گی چلو ایمان بچاؤ، عزت بچاؤ۔ اکثریت ان لوگوں کی ہے۔ اگرچہ جہالت کی وجہ سے ان میں رسومات و بدعات ہیں لیکن بدعات کو تو تمام مسلمانوں نے گلے لگایا ہوا ہے۔

بدعت پر ثواب کی بجائے عذاب ہوتا ہے

یہ تیجا، ساتواں، دسواں وغیرہ تو ہر قوم میں ہیں۔ مجھے یہاں محنت کرتے ہوئے اکاون (۵۱) سال ہو گئے ہیں اور بدعات کی جتنی تردید میں نے کی ہے دنیا کی ساری زمین میں کسی مسجد کے اندر اتنی تردید نہیں ہوئی۔ میں پھر یہ بات دعوے سے کہتا ہوں کہ دنیا کی کسی مسجد میں بدعات کی اتنی تردید نہیں ہوئی جتنی میں نے یہاں کی ہے۔ صحاح ستہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابو داؤد، نسائی کا درس میں نے تمھیں سنایا ہے۔ جنازے کے لیے میری منت کرتے ہو کہ جنازہ تم نے پڑھانا ہے اور جنازے کے بعد زور لگا کر کہتے ہو قُل کل ہوگا، پرسوں ہوگا اور زور لگا کر کہتے ہو۔ یاد رکھنا! ان بدعات میں کوئی ثواب نہیں ہے بلکہ عذاب لازم ہے کچھ لوگوں نے یہ طریقہ نکالا ہے کہ فلاں جگہ قرآن خوانی ہو گی۔ یہ قرآن خوانی کے لیے اجتماع دوسرے تیسرے روز جو کرتے ہیں یہ بھی بدعت ہے۔ بھائی! اگر کسی کا عزیز رشتہ دار فوت ہو گیا ہے تو جہاں بھی ہو وہیں سے ایصالِ ثواب کر دو کسی کو بتلانے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر ہمیں تو دکھاوے کے بغیر سکون نہیں آتا۔ وہ کہے گا تم قُل پر نہیں آئے تو خفت ہو گی۔

تو اکثریت تو خالص مہاجرین کی ہے۔ بعض اس لیے بھی آئے ہیں کہ یہاں تنگی ہے وہاں مالی طور پر فراوانی ہو گی اور بعضے جاسوسی کے لیے بھی آئے ہیں۔ تو فرمایا مومنوں پر زمین کشادہ ہے پس خالص میری عبادت کرو ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ﴾

ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے موت سب پر آنی ہے ﴿ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر ہماری طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ آنا سب نے ہماری طرف ہے ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے۔ صرف ایمان کا دعویٰ ہی نہیں ساتھ عمل بھی اچھے کیے ﴿لَنُبَوِّئَنَّهُمْ﴾ البتہ ہم ان کو ضرور ٹھکانا دیں گے ﴿مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا﴾۔ غُرَفًا غُرْفَةٌ کی جمع ہے۔ اُوپر والی منزل کو کہتے ہیں، چوبارا۔ معنیٰ ہوگا جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے۔ جنت میں سو سو منزلوں والے مکان ہوں گے ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ نہروں کے دونوں کناروں پر درخت ہوتے ہیں اور نیچے نہریں چل رہی ہوتی ہیں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے جو سعادت مند، خوش نصیب جنت میں داخل ہو گیا وہ کبھی نہیں نکلے گا۔ وہ ایسی ہمیشہ کی زندگی ہے کہ ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتی ﴿نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ﴾ اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا۔ رب تعالیٰ سب کو نصیب فرمائے۔

﴿اَلَّذِیْنَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿صَبَرُوْا﴾ جنھوں نے صبر کیا ﴿وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ﴾ اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ﴿وَكَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ﴾ اور کتنے ہی جانور ہیں ﴿لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا﴾ نہیں اُٹھائے پھرتے وہ اپنا رزق ﴿اَللّٰهُ یَرْزُقُهَا﴾ اللہ تعالیٰ ہی ان کو رزق دیتا ہے ﴿وَاِیَّاكُمْ﴾ اور تم کو بھی ﴿وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ اور وہی سننے والا، جاننے والا ہے ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور البتہ اگر آپ سوال کریں ان سے ﴿مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ کس نے پیدا کیا آسمانوں کو ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ﴾ اور کس نے کام میں لگایا سورج کو ﴿وَالْقَمَرَ﴾ اور چاند کو ﴿لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ البتہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے ﴿فَاَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ﴾ پس کدھر پھیرے جاتے ہیں ﴿اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کشادہ کرتا ہے روزی ﴿لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ جس کے لیے چاہے ﴿مِنْ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿وَیَقْدِرُ لَهٗ﴾ اور تنگ کرتا ہے اس کے لیے جس کے لیے چاہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور البتہ اگر آپ ان سے سوال کریں ﴿مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ کس نے اُتارا ہے آسمان کی طرف سے پانی ﴿فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ﴾ پس زندہ کیا اس پانی کے ذریعے زمین کو ﴿مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا﴾ اس کے مرنے کے بعد ﴿لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ البتہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ بلکہ اکثر ان کے عقل سے کام نہیں لیتے ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ﴾ اور نہیں ہے یہ دنیا کی زندگی ﴿اِلَّا لَهْوٌ﴾ مگر تماشا ﴿وَّلَعِبٌ﴾ اور کھیل ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾ اور بے شک آخرت کا گھر ﴿لَهِیَ الْحَیَوَانُ﴾ البتہ وہی زندگی ہے ﴿لَوْ كَانُوْا

یَعْلَمُوْنَ﴾ کاش کہ یہ جان لیں۔

جنتیوں کی دو خوبیوں کا ذکر

کل کے سبق میں تم نے یہ بات پڑھی کہ ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ "اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کیے ان کو ہم ضرور جگہ دیں گے جنت کے بالا خانوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔" ان جنتیوں کی اللہ تعالیٰ نے دو خوبیاں یہاں بیان فرمائی ہیں ﴿الَّذِیْنَ صَبَرُوْا﴾ وہ ہیں جو صبر کرتے ہیں تکالیف پر ایمان لانے کے بعد۔ مشکلات ہیں ایمان لانا آسان نہیں ہے اپنے آپ کو ایک دائرے کے اندر لانا ہے پھر اس پر قائم رہنا آسان نہیں ہے اور نیکی کا کوئی کام بھی آسان نہیں ہے۔

سردی کے زمانے میں وضو کرنا، نماز پڑھنا، گرمی میں روزہ رکھنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اور جو لوگ ان تکالیف پر صبر کریں گے جنت کے وارث بھی وہی ہوں گے۔ دنیا نام ہی پریشانیوں کا ہے۔

کبھی دکھ کبھی سکھ اسی کا نام دنیا ہے

دنیا میں نہ ہمیشہ راحت ہے اور نہ ہمیشہ تکلیف ہے۔

ان کی دوسری خوبی: ﴿وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ﴾ اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ شریعت میں توکل کا معنٰی ہے ظاہری اسباب اختیار کر کے ان کا نتیجہ رب تعالیٰ کی ذات پر چھوڑ دینا۔ زمین دار زمین کاشت کرے کھیت اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا اور وہی پھل لگائے گا، دکان دار دکان کھول کر بیٹھے گا گاہک اللہ تعالیٰ بھیجے گا، ملازم ملازمت کرے گا تو تنخواہ ملے گی مزدور مزدوری کرے گا تو کچھ حاصل ہوگا، تاجر خرید و فروخت کرے گا تو نفع ہوگا۔ غرض کہ حرکت میں برکت ہے۔ توکل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہاتھ پاؤں جوڑ کر بیٹھ جاؤ اور کہو کہ یا اللہ مجھے روزی دے۔ بے شک وہ قادر مطلق ہے وہ ایسا کر سکتا ہے مگر عادت اللہ یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کرو نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ اگر ظاہری اسباب اختیار نہ کیے جائیں تو اس کو تعطل کہتے ہیں۔ شاعر نے بہت عمدہ انداز میں توکل کا معنٰی بیان کیا ہے:۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر اس خنجر کی تیزی کو مقدر کے حوالے کر

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو! میری زمین بڑی وسیع ہے پس خاص میری ہی عبادت کرو یعنی جہاں تم رہ رہے ہو اگر وہاں تمھیں میری عبادت میں رکاوٹ ہے تو ہجرت کر جاؤ۔ اب سوال یہ ہے کہ جہاں آدمی رہ رہا ہے وہاں کاروبار ہے، زمین ہے، تجارت ہے، جہاں جائے گا نہ معلوم کیا بنے گا، حالات کیا ہوں گے؟ آخر اخراجات ہوتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ پریشانی تم دل سے نکال دو رزق کی ذمہ داری میری ہے۔ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ﴾ اور کتنے جانور ہیں ﴿لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا﴾ جو اپنا رزق نہیں اُٹھائے پھرتے ﴿اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا﴾ اللہ تعالیٰ ہی ان کو رزق دیتا ہے ﴿وَاِيَّاكُمْ﴾ اور تمہیں بھی رب رزق دیتا ہے۔ سورہ ہود آیت نمبر ۶ میں ہے ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ "اور نہیں ہے کوئی جان دار چیز زمین میں مگر اس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔" اور سورۃ الذاریات آیت نمبر ۵۸ میں ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ ہی روزی دینے والا مضبوط طاقت کا مالک ہے۔" جانور انسان سے کئی گنا زیادہ کھانے والے ہیں سب کو روزی اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو انسانوں، جنوں، پرندوں پر، جانوروں پر حکومت کا حق دیا تھا ہوا بھی ان کے حکم کے تابع تھی۔ بہت اچھی طرح انتظام حکومت چل رہا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کی دعوت کا ذکر

کتابوں میں یہ واقعہ آتا ہے کہ ایک دن سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی اے پروردگار! میں تیری مخلوق کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا تم اپنا کام کرو یہ میرا کام ہے۔ جب اصرار کیا تو ایک دن کے کھانے کی اجازت مل گئی۔ کئی ماہ تیاری پر لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سمندری مخلوق سے ابتدا کرنی ہے یا میدانی مخلوق سے؟ تو سمندری مخلوق سے ابتدا کی۔ وہیل مچھلی نے منہ کنارے پر رکھا اور کچا پکا، اناج پھل وغیرہ سب کچھ کھا گئی اور کہنے لگی کچھ اور لاؤ اس کو کہا گیا کہ اور تو کچھ نہیں ہے۔ تو مچھلی نے کہا پروردگار! آج آپ نے مخلوق کے حوالے کیا پیٹ بھر کے کھانا نصیب نہیں ہوا۔

تو یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ساری مخلوق کو دے رہا ہے اور کون دے سکتا ہے؟ ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ اور وہی سنتا ہے جانتا ہے۔ پھر یہ جو مشرک ہیں جنھوں نے آپ کو ہجرت پر مجبور کر دیا ہے بنیادی باتیں تو یہ ساری مانتے ہیں ان کو نتیجہ کیوں نہیں مانتے اور ہمارے ساتھ کیوں جھگڑتے ہو؟ ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور البتہ اگر آپ ان سے سوال کریں ﴿مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو۔ ہمارے ساتھ دشمنی اور عداوت رکھنے والو اور ہمیں عبادت سے روکنے والو بتلاؤ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور کام میں لگا دیا سورج کو اور چاند کو۔ ان کو تمھاری خدمت پر کس نے لگایا ہے، بتلاؤ؟ ﴿لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ البتہ یہ ضرور کہیں گے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

مشرک رب تعالیٰ کے وجود کو مانتا ہے

مشرک رب تعالیٰ کا منکر نہیں ہوتا مشرک رب تعالیٰ کے وجود کو مانتا ہے اور یہ بھی مانتا ہے کہ آسمانوں کو پیدا کرنے والا زمین کو پیدا کرنے والا، چاند سورج ستاروں کا خالق، پہاڑوں، دریاؤں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے مگر کہتا ہے کہ چوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے اور ہماری وہاں تک رسائی نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے ہمارے لیے سیڑھیاں ہیں۔ چنانچہ سورۃ زمر آیت نمبر ۳ میں ہے کہتے تھے ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ "ہم ان کی پوجا پاٹ

اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں۔" ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾[یونس:۱۸] "یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔" سفارش اور صرف سفارش ہی ان کا مقصود و مدعا ہے۔

مسئلہ شفاعت کی تشریح

ایک ہے عالم اسباب میں ایک دوسرے کی سفارش۔ تو یہ قرآن سے ثابت ہے۔ پانچویں پارے میں ہے ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً﴾ "جو آدمی اچھی سفارش کرے گا اس کو ثواب ملے گا اور جو بری سفارش کرے گا اس کو گناہ ہوگا۔" اور ایک ہے مافوق الاسباب سفارش کا عقیدہ رکھنا۔ یہ ممنوع ہے۔ مثلاً: یہاں سے کوئی آدمی کہتا ہے کہ اے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی! میرا یہ مسئلہ ہے، مجھے یہ پریشانی ہے آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں میری سفارش کریں کہ اللہ تعالیٰ میرا کام کر دے تو یہ ممنوع ہے اور ناجائز ہے۔ کیوں کہ ایسی سفارش میں چند غلط عقیدے ملے ہوئے ہیں ایک یہ کہ سفارش کرانے والا سمجھتا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ یہاں حاضر و ناظر ہیں اور میری بات کو سن رہے ہیں۔ اور دوسرا عقیدہ یہ ہوگا کہ وہ میری تکلیف اور مشکل کو جانتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ وہ کچھ کرا سکتے ہیں متصرف فی الامور ہیں اور یہ تینوں باتیں کفر کے ستون ہیں۔

فقہائے کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے: مَنْ قَالَ اَرْوَاحُ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ كَفَرَ "جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی ارواح میرے پاس موجود ہیں اور ہمارے حالات کو جانتی ہیں تو وہ پکا کافر ہے۔" چاہے نمازیں پڑھے، چاہے روزے رکھے، حج کرے، قربانی دے، فطرانہ دے، پکا کافر ہے۔ بریلوی مولویوں اور پیروں کا یہی عقیدہ ہے اور ان کے جو خاص مقربین ہیں غالی قسم کے ان کا بھی یہی عقیدہ ہے باقی عوام بے چارے تو ناسمجھ ہیں ان کے مولوی، پیر اور جو غالی بریلوی ہیں عوام میں سے وہ پیغمبروں کو حاضر و ناظر مانتے ہیں ولیوں، شہیدوں کو بھی حاضر و ناظر مانتے ہیں اور یہ سب کفر ہے۔

فقہائے کرام کا طبقہ بہت محتاط طبقہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی ایسا جملہ بولے کہ اس کے سو معنی بنتے ہوں ننانویں کفریہ ہوں اور ایک اسلام کا ہو تو اس کو کافر نہ کہو کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی مراد اسلام والا معنیٰ ہو۔ ایک فیصد احتمال کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اس سے بڑی احتیاط کیا ہوگی۔ یہ فقہاء کا طبقہ اس بات پر متفق ہے کہ جو بزرگوں کی ارواح کو حاضر و ناظر جانے اور عالم الغیب جانے وہ پکا کافر ہے یہ کوئی فروعی مسائل نہیں ہیں کہ ان کو نظر انداز کر دیا جائے۔

﴿فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ پس کدھر یہ اُلٹے پھیرے جاتے ہیں ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہے ﴿مِنْ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿وَيَقْدِرُ لَهٗ﴾ اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہے، رزق کا کشادہ اور تنگ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا کام ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور اگر ان مشرکوں کافروں سے سوال کریں جو آپ کو اپنے شہر میں عبادت نہیں کرنے دیتے اور ہجرت پر مجبور کرتے ہیں ﴿مَنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ کس نے نازل کیا آسمان کی طرف سے پانی۔ بارش کون برساتا ہے؟ ﴿فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ﴾ پس زندہ کیا

اس پانی کے ذریعے زمین کو ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا﴾ اس کے مرنے کے بعد، خشک ہو جانے کے بعد۔ بتلاؤ ﴿لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ البتہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے زمین کو زندہ کرتا ہے فصلیں اُگاتا ہے درخت اور پھل اُگاتا ہے یہ سب کام رب تعالیٰ کرتا ہے ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ آپ کہہ دیں سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ یہ اقراری مجرم ہیں سب کچھ تسلیم کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں جب یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو شرک کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟ عقل رب تعالیٰ نے سب کو دی ہے تھوڑی عقل والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ جب ان تمام کاموں میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے تو عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شرک کرتا ہے تو پھر دھکے شاہی، ضد اور گروہ بندی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اس کی مثال تم اس طرح سمجھو کہ ایک آدمی نے سفید زمین خریدی۔ اس پر مکان بنوایا اینٹیں اس نے خریدیں، سیمنٹ بجری اس نے مہیا کی مزدوری اس نے دی، دروازے کھڑکیاں اس نے لگوائیں، رنگ روغن اس نے کروایا، درمیان میں ایک آدمی آکر کہتا ہے کہ یہ مکان میرا ہے۔ بھائی تیرا کس طرح ہے؟ زمین تو نے خریدی ہے اینٹیں تو لایا ہے، سیمنٹ بجری کے پیسے تو نے دیئے ہیں، مزدوری وغیرہ تو نے دی ہے؟ تو کس طرح دعوے دار بن گیا ہے؟ بعینہٖ اسی طرح سمجھو کہ سارا کچھ رب نے کیا اور حاجت روا، مشکل کشا، دست گیر شیخ عبدالقادر جیلانی بن گیا اور بڑے زور شور کے ساتھ کہتے ہیں: ؎

امداد کن امداد کن از رنج وغم آزاد کن
در دین ودنیا شاد کن یا غوثِ اعظم دست گیر

بھئی! اس سے بڑا شرک کیا ہے؟

صفاتِ باری تعالیٰ میں شرک فروعی مسئلہ نہیں

بعض جاہل قسم کے لوگ ان مسائل کو فروعی سمجھتے ہیں جیسے: حنفی، شافعی، مالکی، حنابلہ کے درمیان فروعی مسائل ہیں حاشا وکلا ثم حاشا وکلا! ایسا نہیں ہے۔ اسی لیے میری کوشش یہی رہی ہے کہ تمھیں قرآن کریم کا لفظی ترجمہ آجائے، ہوائی تقریریں نہیں کیں۔ تم خود قرآن کے لفظ سمجھو آگے تمھارا ذوق ہے کہ کس نے کیا اخذ کیا ہے؟ ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ بلکہ اکثر ان کے عقل سے کام نہیں لیتے۔ وہ عقل انھوں نے اپنے مولویوں، پیروں کے پاس گروی رکھی ہوئی ہے وڈیروں کے پاس گروی رکھی ہوئی ہے۔ فرمایا یاد رکھو! کسی کے کہنے میں نہ آؤ عقل سے کام لو دنیا پر مفتون ہو کر آخرت برباد نہ کرو ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ﴾ اور نہیں ہے یہ دنیا کی زندگی ﴿اِلَّا لَهْوٌ﴾ مگر تماشا ﴿وَّلَعِبٌ﴾ اور کھیل۔ کھیل وہ ہوتا ہے جو آدمی خود کرے اور اس کھیل کو کنارے پر تماشائی دیکھتے ہیں کچھ لوگ وہ ہیں جن کو کوٹھیاں، کارخانے، دکانیں، زمین، باغات، نصیب ہیں، وہ کھیل ہیں اور ہم تم ان کو دیکھتے ہیں ہم تماشائی ہیں۔ تو دنیا کھیل تماشے کے علاوہ کچھ نہیں ہے ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾ اور بے شک آخرت کا گھر ﴿لَهِيَ

﴿الْحَیَوَانُ﴾ زندگی وہی ہے۔ حیوان کا معنیٰ ہے زندگی۔ یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے اب ہے لمحہ بعد کچھ نہیں ہے۔ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ کاش کہ یہ لوگ حقیقت کو جان لیں۔

﴿فَاِذَا رَكِبُوْا﴾ پس جس وقت وہ سوار ہوتے ہیں ﴿فِی الْفُلْكِ﴾ کشتیوں میں ﴿دَعَوُا اللّٰهَ﴾ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ﴿مُخْلِصِيْنَ﴾ خالص کرتے ہوئے ﴿لَهُ الدِّيْنَ﴾ اسی کے لیے دین ﴿فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ﴾ پس جس وقت اللہ تعالیٰ ان کو نجات دیتا ہے ﴿اِلَى الْبَرِّ﴾ خشکی کی طرف ﴿اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ اچانک وہ شرک کرنے لگتے ہیں ﴿لِيَكْفُرُوْا﴾ تاکہ وہ انکار کریں ﴿بِمَآ﴾ اس نعمت کا ﴿اٰتَيْنٰهُمْ﴾ جو ہم نے ان کو دی ہے ﴿وَلِيَتَمَتَّعُوْا﴾ اور تاکہ وہ فائدہ اُٹھائیں ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب وہ جان لیں گے ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ کیا انھوں نے نہیں دیکھا ﴿اَنَّا جَعَلْنَا﴾ بے شک ہم نے بنایا ہے ﴿حَرَمًا اٰمِنًا﴾ حرم کو امن والا ﴿وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ﴾ اور اُچک لیے جاتے ہیں لوگ ﴿مِنْ حَوْلِهِمْ﴾ ان کے اردگرد سے ﴿اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ﴾ کیا پس وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں ﴿وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ﴾ اور کون زیادہ ظالم ہے ﴿مِمَّنِ﴾ اس شخص سے ﴿افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ جس نے افترا باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ﴾ یا اس نے جھٹلایا حق کو ﴿لَمَّا جَآءَهٗ﴾ جب اس کے پاس آیا ﴿اَلَيْسَ فِیْ جَهَنَّمَ﴾ کیا نہیں ہے جہنم میں ﴿مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ ٹھکانا کافروں کا ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کوشش کی ہمارے بارے میں ﴿لَنَهْدِيَنَّهُمْ﴾ البتہ ہم ضرور راہنمائی کریں گے ان کی ﴿سُبُلَنَا﴾ اپنے راستوں کی طرف ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ البتہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

انتہائی مشکل میں مشرک بھی صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے

اس سے پہلی آیات میں تم پڑھ چکے ہو کہ مشرکین مکہ آسمانوں کا خالق، زمین کا خالق، چاند، سورج، ستاروں کا خالق اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے۔ بارش برسانے والا، پھل کھیتیاں اُگانے والا اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے بلکہ انتہائی مشکل میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ پس جس وقت وہ سوار ہوتے ہیں کشتیوں میں تو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے دین۔ خالص اسی پر یقین کرتے ہوئے اسی کے دین پر چلتے ہوئے۔

مکہ مکرمہ کے نامی گرامی مجرموں کا ذکر:

۸ ھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے مکہ مکرمہ فتح ہوا تو جتنے نامی گرامی مجرم تھے وہ سب بھاگ گئے کہ ان کو اپنے کرتوت کا علم تھا اس لیے فکر ہوئی کہ ہماری جان بخشی نہیں ہوگی۔ ان بھاگنے والوں میں وحشی بن حرب بھی تھا جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو احد کے مقام پر بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کیا تھا۔ حبار بن اسود بھی تھا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ٹانگ کھینچ کر اُونٹ سے نیچے گرادیا تھا جس سے ان کا حمل بھی ضائع ہوگیا تھا اور وہ خود بھی بیمار ہوگئی تھیں۔ وہ اس طرح ہوا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا عورتوں کے قافلے کے ساتھ مدینہ طیبہ جارہی تھیں حبار بن اسود حقیقی سسر تو نہیں تھا برادری میں خسر لگتا تھا۔ اس نے کہا کہ کدھر جارہی ہو؟ انھوں نے کہا چچا جان! میں اپنے خاوند کی اجازت سے مدینہ طیبہ جارہی ہوں ابا جان کی ملاقات کے لیے۔ اس نے کہا کوئی اجازت نہیں ہے۔ ٹانگ سے پکڑ کر نیچے گرادیا۔ یہ کوئی معمولی جرم نہیں تھا لہٰذا یہ بھی بھاگ گیا۔

صفوان بن اُمیہ بڑا سردار اور امیر آدمی تھا کافروں کو یہ اسلحہ سپلائی کرتا تھا۔ بدر، احد، خندق میں اسی نے اسلحہ مہیا کیا تھا۔ یہ دور دراز کے علاقہ سے اسلحہ خریدتا اور تھوڑی تھوڑی قیمت پر کافروں کو دیتا تھا اور غریبوں کو مفت بھی دے دیتا تھا کہ اسلام کے خلاف استعمال کرو، یہ بھی بھاگ گیا۔ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی بھاگ گیا۔ اس وقت بیت اللہ سے اُونچی کوئی منزل نہیں تھی۔ کعبۃ اللہ کی بلندی پچاس فٹ تھی دور سے نظر آتا تھا۔ اب تو کعبۃ اللہ کے اردگرد بڑی بڑی بلند عمارتیں بن گئی ہیں باہر سے کعبۃ اللہ نظر نہیں آتا۔ صفا پہاڑی بھی دور سے نظر آتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفا کی چٹان پر چڑھ کر سفید چادر لہرائی۔ یہ خطرے کی علامت ہوتی تھی۔ جب کوئی خاص بات ہوتی یا انتہائی خطرہ ہوتا تو پھر کپڑے اُتار کر آواز بلند کرتے تھے اِنَّمَا اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَان یہ خطرے کا آخری الارم ہوتا تھا۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چادر ہلائی۔ مرد عورتیں اکٹھے ہو گئے سننے کے لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سب جرائم بیان کیے کہ تم نے فلاں موقع پر یہ زیادتی کی، فلاں موقع پر تم نے یہ ظلم کیا، میرے فلاں ساتھی کو تم نے شہید کیا، فلاں کو قید کیا، فلاں کے پاؤں میں رسیاں ڈال کر اُلٹا لٹکایا، فلاں کو پانی میں غوطے دیئے، فلاں کو انگاروں پر لٹایا، فلاں کو رسیوں سے باندھ کر گھسیٹا، یہ کیا وہ کیا۔ جوں جوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جرائم بیان کرتے تھے ان کے ہوش وحواس اُڑتے جاتے تھے کہ ہمیں تو اپنے عیب یاد نہیں اور انھوں نے سارے نوٹ کیے ہوئے ہیں۔ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ اب تمھارے ساتھ کیا ہونا ہے؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تو انھوں نے یقین کرلیا کہ اب ہماری خیر نہیں ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں آج وہی کروں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا انھوں نے کہا تھا ﴿لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ﴾ "آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔" اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ معاف کرے جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا میں نے سب تمھیں معاف کردیا کسی کو کچھ نہیں کہوں گا۔

وحشی بن حرب کا دوست بولا کہ وحشی بن حرب کو بھی کچھ نہیں کہو گے؟ فرمایا کچھ نہیں کہوں گا۔ ایک نے کہا حبار بن اسود کو بھی کچھ نہیں کہو گے؟ فرمایا کچھ نہیں کہوں گا۔ صفوان بن اُمیہ بھاگا ہوا ہے اس کو بھی کچھ نہیں کہو گے؟ فرمایا کچھ نہیں کہوں گا۔ عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی اُم حکیم پاس کھڑی تھی بعد میں رضی اللہ عنہا ہو گئی تھی۔ کہنے لگی حضرت! آپ مجھے جانتے ہیں کہ میں کون ہوں؟ فرمایا ہاں! تو اُم حکیم ہے۔ میرا خاوند عکرمہ بھاگا ہوا ہے اس کو بھی کچھ نہیں کہیں گے؟ فرمایا کچھ نہیں کہوں گا۔ بدر میں جب اس کا باپ ابوجہل مارا گیا تو بعد میں اس نے اپنے والد کی پوری نمائندگی کی تھی۔ اُم حکیم نے کہا حضرت! اس کو ویسے یقین نہیں آئے گا کوئی نشانی دے دیں۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر عمامۃ سوداء سیاہ پگڑی سر پر باندھی ہوئی تھی اتار دی۔ فرمایا لے جاؤ یہ میری طرف سے نشانی ہے۔ اس وقت جدہ کا تو نام ونشان ہی نہیں تھا۔ کعبہ کے دروازے کے بالکل سیدھ میں تیس میل کی مسافت پر دریا تھا وہاں گھاٹ تھا کچھ لوگوں نے وہاں جھونپڑیاں بنائی ہوئی تھیں۔ کھجوریں دودھ وغیرہ اس قسم کی کچھ چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ کشتی کبھی پندرہ دن کے بعد چلتی کبھی مہینے کے بعد اور یہ مسافر وہیں پڑے رہتے۔

سکہ بند مشرک اور موجودہ دور کے مشرک

اتفاق کی بات ہے کہ یہ عکرمہ جب وہاں پہنچا تو حبشہ کی طرف جانے والی کشتی چل پڑی۔ پانچ سات میل سمندر میں گئے طوفان آ گیا غرق ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تو کسی نے کہا یَا لَاتُ اَغِثْنِیْ "اے لات مجھے بچا۔" کسی نے کہا یَا مَنَاتُ اَغِثْنِیْ "اے منات مجھے بچا۔" کسی نے کہا یَا عُزّٰی اَغِثْنِیْ عزیٰ ایک پری ہوئی ہے جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔ "اے عزیٰ میری مدد کر، مجھے بچا۔" تو اپنے اپنے انداز میں غیر اللہ سے مدد طلب کی۔ ملاحوں نے کہا: فَاِنَّ اٰلِهَتَكُمْ لَا تُغْنِيْ هٰهُنَا شَيْئًا "بے شک تمھارے خدا یہاں کچھ نہیں کر سکتے۔" یہاں رب تعالیٰ کے بغیر کوئی مدد نہیں کرے گا۔ عکرمہ نے کہا کہ اگر ہمارے یہ خدا یہاں کچھ نہیں کر سکتے تو پھر خشکی میں بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ یہی بات تو میرا چچا زاد بھائی کہتا تھا اور ہم بھاگتے تھے۔ کہنے لگا کشتی واپس کرو میں رب سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تو نے نجات دے دی تو میں محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا۔

کشتی واپس آ گئی۔ طوفان میں آگے نہ جا سکی۔ عکرمہ نے دیکھا کہ اس کی بیوی کنارے پر کھڑی ہے بغل میں کوئی چیز لیے ہوئے۔ عکرمہ حیران ہوا اور یہ سمجھا کہ شاید عورتوں کو بھی پناہ نہیں ملی۔ کہنے لگا کَیْفَ کیسے آئی ہو؟ اُم حکیم نے کہا خطرے کی کوئی بات نہیں تمھارے لیے پناہ لے کر آئی ہوں وہاں تو رحمت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ انھوں نے فرمادیا ہے ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ "کسی کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔" دیکھو! یہ ان کی پگڑی علامت کے طور پر لائی ہوں۔ دونوں سوار ہو کر مکہ مکرمہ پہنچے۔ مؤطا امام مالک کی روایت میں ہے آپ نے ان کو دیکھا تو دل جوئی کے لیے کھڑے ہو گئے۔ فرمایا: مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ۔ تو مشرک بھی جب کشتیوں میں سفر کرتے اور پھنس جاتے تو صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے اخلاص کے ساتھ خالص اسی پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے دین پر چلتے ہوئے۔ یہ سکہ بند مشرکوں کا حال ہے۔ اور ہمارے جو کلمہ گو مشرک ہیں یہ کیا

کہتے ہیں؟ ؎

بگرداب بلا افتاد کشتی
مدد کن یا معین الدین چشتی

"کشتی ڈوبنے لگی ہے معین الدین ہماری مدد کو پہنچو۔" کوٹ ادو سے لوگ جب ڈیرہ غازی خان جاتے تھے تو غازی گھاٹ جگہ تھی وہاں سے کشتیوں پر بیٹھ کر جاتے تھے۔ اب وہاں پر پل بن گیا ہے اور ریلوے لائن بھی بچھ گئی ہے۔ تو یہ لوگ جب کشتی پر سوار ہوتے تھے تو کہتے تھے:

یا بہاؤ الحق بیڑا دھک

حضرت بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اکابر اولیائے کرام میں سے ہوئے ہیں۔ ملتان کے علاقے میں اور ہر جگہ ان کی قدر کی جاتی تھی۔ ان کی کرامت تھی کہ چوبیس گھنٹوں میں تین سو مرتبہ قرآن ختم کرتے تھے۔ دیوبند سے اجمیر شریف تقریباً اکتیس بتیس میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں جمعرات کو قوالی ہوتی تھی۔ ہمارا طالب علمی کا زمانہ تھا ہم بھی وہاں گئے قوالی ہو رہی تھی ایک انگریز اور ایک میم بھی قوالی سننے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ قوالی کے عجیب و غریب قسم کے الفاظ تھے۔ اس میں ایک شعر یہ بھی تھا: ؎

خدا سے میں نہ مانگوں گا کبھی فردوس اعلیٰ کو
مجھے کافی ہے یہ تربت معین الدین چشتی کی

ایک مقام پر ایک قوال نے یہ کہا: ؎

نہ جا مسجد نہ کر سجدہ نہ رکھ روزہ نہ مر بھوکا
وضو کا توڑ دے کوزہ شراب شوق پیتا جا

یہ خیر سے مسلمان ہیں اور وہ مشرک تھے۔

تو فرمایا ﴿فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ﴾ پس جس وقت ہم ان کو نجات دیتے ہیں خشکی کی طرف ﴿اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ اچانک وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔ دریا میں وہ شرک کو چھوڑ دیتے ہیں باہر آ کر شرک کرنے لگتے ہیں ﴿لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ﴾ تاکہ وہ انکار کریں اس نعمت کا جو ہم نے ان کو دی ہے۔ معمولی نعمت تو نہیں ہے کہ دریا میں ڈوب رہے تھے اللہ تعالیٰ نے بچا دیا ﴿وَلِيَتَمَتَّعُوْا﴾ اور تاکہ وہ فائدہ اُٹھالیں جتنا عرصہ زندہ رہنا ہے ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب وہ جان لیں گے۔ مرنے کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ان پر کتنا احسان کیا ہے کہ حرم کی وجہ سے لوگ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حرم کے رقبے کا احترام کرتے تھے اس میں چوری نہیں کرتے تھے ڈاکا نہیں ڈالتے تھے، کسی کو اغوا نہیں کرتے تھے اور حرم سے باہر لوگ محفوظ نہیں تھے۔ سفر پر جاتے تو نہ کوئی مرد محفوظ ہوتا اور نہ کوئی محفوظ عورت ہوتی تھی۔ جیسے آج کل کے غلط کار حکمرانوں نے غنڈے پیدا کر دیئے ہیں کہ کوئی حساب ہی نہیں ہے۔ اگر یہ حکمران ان غنڈوں، بدمعاشوں کی

سرپرستی چھوڑ دیں تو تمام برائیاں ختم ہوجائیں لیکن ان کو باقاعدہ حصہ ملتا ہے یہ کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا﴾ کیا انھوں نے نہیں دیکھا ﴿اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا﴾ بے شک ہم نے بنایا ہے حرم کو امن والا۔ کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ نہ چوری کا، نہ ڈاکے کا، نہ اغوا کا ﴿وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ﴾ اور اُچک لیے جاتے ہیں لوگ حرم کے آس پاس سے۔ قتل بھی کر دیئے جاتے تھے اور بھی بہت کچھ ہوتا تھا۔ انھوں نے اتنی بڑی نعمت کی کوئی قدر نہیں کی ﴿اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ﴾ کیا پس یہ باطل پر ایمان لاتے ہیں، لات پر، منات پر، عزیٰ پر، ہبل پر ﴿وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ حرم میں ان کو امن سکون نصیب ہے کتنی بڑی نعمت ہے؟ نہ ان کی جان کو کوئی خطرہ نہ مال کو نہ عزت کو۔

حرم میں لڑائی جھگڑا جائز نہیں

آج بھی اگر کوئی نادان قسم کے لوگ حرم کے رقبے میں لڑتے جھگڑتے ہیں تو سمجھ دار لوگ ان کو کہتے ہیں الحرم یا حاج الحرم" حاجی یہ حرم ہے یہاں لڑائی جھگڑا جائز نہیں ہے۔" اور ایسے ایسے بے وقوف دیکھے ہیں کہ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے دوسروں کو دھکا مار کر پیچھے پھینک دیتے ہیں۔ حالاں کہ حجر اسود کا چومنا بعض کے نزدیک سنت ہے اور بعض کے نزدیک مستحب ہے اور مومن کو تکلیف دینا حرام ہے۔ تو محض ایک مستحب کی ادائیگی کے لیے حرام کا ارتکاب کرتے ہیں یہ سب کچھ جہالت کی وجہ سے اور شریعت سے ناواقفیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ﴾ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا ﴿مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ جس نے افترا باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ﴾ یا حق کو جھٹلایا ﴿لَمَّا جَآءَهٗ﴾ جس وقت حق اس کے پاس آگیا۔ حافظ ابن کثیر بڑے چوٹی کے مفسر ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ دو طرفیں ہیں۔ ایک طرف آنحضرت ﷺ اور آپ کے مومن ساتھی ہیں۔ آپ ﷺ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت اور رسالت دی ہے مجھ پر وحی اُترتی ہے اور دوسری طرف کافر اور منکر ہیں جو آپ ﷺ کو نبی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگر رب تعالیٰ نے مجھے نبی نہیں بنایا اور میں ایسے ہی دعویٰ کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افترا باندھ رہا ہوں تو پھر تو مجھ سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے۔ اور دوسری طرف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں جب وہ حق لے کر آئے تو انھوں نے ان کو جھٹلایا، توحید کو جھٹلایا، قیامت کو جھٹلایا۔ تو جو حق کو جھٹلاتا ہے اس سے زیادہ ظالم کوئی ہے؟ اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو جھٹلایا ہے لہٰذا یہ سب سے بڑے ظالم ہیں اور جو شخص سچی بات کو جھٹلاتا ہے ﴿اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ﴾ کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم نہیں ہے جو ضد اور عناد پر اڑے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دیتا ہدایت ان کو دیتا ہے جو ہدایت کے طالب ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کوشش کی ہمارے بارے میں أَيْ فِيْ رَضَاءِنَا

فِيْ حَقِّنَا فِيْ سَبِيْلِنَا جولوگ کوشش کرتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے۔ ایمان لائیں گے تو اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔ ﴿وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ [زمر:۷] "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کفر پر راضی نہیں ہوتا۔" اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر راضی ہے۔ ﴿لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ البتہ ہم ضرور راہنمائی کریں گے اپنے راستوں کی طرف۔ ہم ان کو ضرور چلائیں گے اپنے راستوں پر۔

اگر آدمی اخلاص کے ساتھ ایمان قبول کرے تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق دیتے ہیں اور اس کا خاتمہ ایمان پر کرتے ہیں اور جس کا خاتمہ ایمان پر ہو گیا تو پھر اس کے ہمیشہ کے لیے مزے ہی مزے ہیں۔ اور جو شخص عملی منافق ہے کبھی نیکی کرتا ہے کبھی نہیں کرتا اس کے ساتھ وعدہ نہیں ہے وہ اپنی مرضی کرے ایسے شخص کا ایمان خطرے میں ہے۔ اور اگر خاتمہ ایمان پر نہ ہوا تو پھر بیڑا غرق ہو گیا ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ مزید نیکی کی توفیق دیتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الرُّوۡمِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ اُتۡلُ مَآ اُوۡحِیَ

(۲۱)

آیاتھا ۶۰ ﴿۳۰﴾ سُوْرَۃُ الرُّوْمِ مَکِّیَّۃٌ ﴿۸۴﴾ رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ﴾ مغلوب ہوگئے رومی ﴿فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ﴾ قریب کی زمین میں ﴿وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ﴾ اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد ﴿سَیَغْلِبُوْنَ﴾ عنقریب غالب آئیں گے ﴿فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ﴾ چند سالوں میں ﴿لِلّٰهِ الْاَمْرُ﴾ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے معاملہ ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَمِنْۢ بَعْدُ﴾ اور اس کے بعد بھی ﴿وَیَوْمَىِٕذٍ﴾ اور اس دن ﴿یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ خوش ہوں گے مومن ﴿بِنَصْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی مدد ﴿یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہے ﴿وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ اور وہ غالب ہے رحم کرنے والا ہے ﴿وَعْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ﴿لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾ نہیں خلاف ورزی کرتا اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿یَعْلَمُوْنَ﴾ جانتے ہیں ﴿ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ دنیا کی ظاہری زندگی کو ﴿وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ﴾ اور وہ آخرت سے ﴿هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ غافل ہیں ﴿اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا﴾ کیا انھوں نے غور وفکر نہیں کیا ﴿فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ اپنی جانوں میں ﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ﴾ نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿وَمَا بَیْنَهُمَآ﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ ﴿وَاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور ایک مدت مقرر تک ﴿وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ اور بے شک بہت سارے لوگ ﴿بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی ملاقات سے ﴿لَكٰفِرُوْنَ﴾ انکار کرتے ہیں ﴿اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا﴾ کیا یہ لوگ چلے پھرے نہیں ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿فَیَنْظُرُوْا﴾ پس دیکھتے ﴿كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ﴾ کیسا تھا انجام ان لوگوں کا ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جو ان سے پہلے گزرے ہیں ﴿كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ﴾ وہ زیادہ سخت تھے ان سے ﴿قُوَّةً﴾ قوت میں ﴿وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ﴾ اور انھوں نے زمین میں ہل چلائے ﴿وَعَمَرُوْهَآ﴾ اور زمین کو آباد کیا ﴿اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا﴾ زیادہ اس سے جو انھوں نے آباد کیا ﴿وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ﴾ اور آئے ان کے پاس ان کے پیغمبر ﴿بِالْبَیِّنٰتِ﴾ واضح دلائل کے ساتھ ﴿فَمَا كَانَ اللّٰهُ﴾ پس نہیں ہے اللہ تعالیٰ ﴿لِیَظْلِمَهُمْ﴾ کہ ان پر ظلم کرتا ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾ لیکن وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

ایران اور روم کی حکومتوں کا ذکر

اس سورت کا نام سورۃ الروم ہے۔ یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور اس سے پہلے تراسی [۸۳] سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کا چوراسی [۸۴] نمبر ہے۔ اس کے چھ [۶] رکوع اور ساٹھ [۶۰] آیتیں ہیں۔ الٓمّٓ کے متعلق کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ ایک تفسیر کے مطابق الف سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور لام سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں اور میم سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی۔ نزول قرآن کے زمانے میں دنیا کے اندر دو بڑی حکومتیں تھیں۔ ایک ایرانیوں کی، ان کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ایران ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خسرو پرویز بادشاہ تھا یہ ایرانی آتش پرست تھا اور ان کے نزدیک ہر عورت سے نکاح جائز تھا بغیر کسی تمیز کے۔ ماں کے ساتھ، بہن کے ساتھ، بیٹی کے ساتھ، پھوپھی اور خالہ کے ساتھ۔ وہ کہتے تھے کہ سب اسی مقصد کے لیے ہیں۔

ان کے مقابلے میں دوسری حکومت روم کی تھی۔ یہ عیسائی تھے۔ اہل کتاب ہونے کی نسبت سے یہ ان سے کچھ بہتر تھے۔ اس وقت شام، مصر، عراق، خلیج فارس کی ریاستیں ذوحی، دوبئی، ابوظہبی، مسقط وغیرہ تمام رومیوں کے ماتحت تھیں۔ ایرانیوں نے حملہ کیا اور تمام ریاستیں ان سے چھین لیں۔ یہاں تک کہ ہرقل روم کو قسطنطنیہ تک محدود ہونے پر مجبور کر دیا اور ایرانی سارے علاقوں پر قابض ہو گئے۔ اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی۔

﴿الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ﴾ مغلوب ہو گئے رومی ﴿فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ﴾ قریب کی زمین میں۔ کیوں کہ عرب کے ساتھ ہی علاقہ تھا شام اردن وغیرہ ﴿وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ﴾ اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہو جائیں گے ﴿فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ﴾ چند سالوں میں۔ یہ ایسی پیشین گوئی تھی کہ بظاہر اس کا واقع ہونا اور پورا ہونا محال تھا۔ یہ نبوت کا پانچواں سال تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت پینتالیس سال تھی۔ مکہ مکرمہ کی صورت حال یہ تھی کہ مسلمان رومیوں کے ہمدرد تھے کہ وہ اہل کتاب تھے اور قریش مکہ ایرانیوں کے ہمدرد تھے کہ وہ مشرک تھے۔ جب رومیوں کو شکست ہوئی تو مشرکین مکہ نے خوب ڈھنڈورا پیٹا کہ مسلمانوں کے بھائیوں کو شکست ہوئی ہے کل ان کی بھی ہوگی۔

حقانیتِ قرآن اور پیغمبر پر دلیل

جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بازار میں کھڑے ہو کر ابتدائی آیتیں پڑھیں ﴿الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ﴾ رومیوں کو شکست ہوگئی ہے تمھاری قریب کی زمین میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہو جائیں گے چند سالوں میں۔ اُبی بن خلف بڑا بے لحاظ منہ پھٹ کافر تھا یہ سن کر اس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دی اور کہا کیا بکتے ہو رومی پھر غالب آئیں گے؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گالیوں کا جواب تو نہیں دوں گا لیکن میں اللہ تعالیٰ کے کلام پر یقین رکھتا ہوں رومی ضرور غالب آئیں گے۔ ابی بن خلف نے کہا

کتنے سالوں میں؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا چار پانچ سال کے اندر غالب آجائیں گے۔ ابی بن خلف نے کہا کہ میرے ساتھ شرط لگاؤ اور اس وقت دوطرفہ شرط جائز تھی بعد میں حرام ہوگئی۔ شرط یہ طے پائی کہ چار پانچ سال میں اگر رومی دوبارہ غالب آگئے تو ابی بن خلف دس اونٹ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دے گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس کو دس اونٹ دیں گے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس شرط کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بضع کا اطلاق تین سے نو تک کی گنتی پر ہوتا ہے لہٰذا چار پانچ سال کی مدت کا تعین درست نہیں ہے اسے نو سال تک بڑھانا چاہیے۔

چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں ابی بن خلف سے دوبارہ بات کی اور شرط میں ترمیم کردی گئی۔ مدت نو سال اور شرط دس اونٹوں کے بجائے سو اونٹ کردیئے گئے۔ ظاہری طور پر رومیوں کے غالب ہونے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ ابھی نو سال پورے نہیں ہوئے تھے ہجرت ہوگئی۔ ہجرت کے دوسرے سال بدر کے مقام پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی اور ادھر رومیوں نے غلبہ حاصل کرلیا اور چھینے ہوئے علاقے واپس لے لیے۔ ہرقل روم نے منت مانی تھی کہ اگر میری زندگی میں چھینا ہوا علاقہ واپس مل گیا تو میں حمص سے پیدل چل کر مسجد اقصیٰ جاؤں گا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے۔ چنانچہ فتح کے بعد اس نے اپنی وہ منت پوری کی۔

ابی بن خلف جس نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرط لگائی تھی وہ بدر میں مارا گیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کے بیٹے اور وارثوں سے کہا کہ شرط پوری کرو۔ آج کا دور ہوتا تو وہ وکیلوں کی طرح باتیں بناتے۔ کہتے تم مکہ چھوڑ کے چلے گئے اب کس شرط کا مطالبہ کرتے ہو؟ ہمارے ساتھ لڑتے ہو ہمارے آدمی ذبح کرتے ہو اور شرط بھی مانگتے ہو۔ اگر شرط لینی ہے تو اس سے لو جس سے شرط طے کی تھی۔ میری بات سمجھ آرہی ہے نا۔ مگر باوجود کافر ہونے کے وہ بات کے پکے تھے۔ ابی بن خلف کے بیٹے اور وارثوں نے کہا کہ واقعی شرط طے ہوئی تھی شرط کے مطابق انھوں نے سو اُونٹ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے تمھاری شرط پوری کردی یہ شرط ان سے لینا آپ کے لیے جائز ہے۔ کیوں کہ اس وقت دوطرفہ شرط جائز تھی مگر اب چوں کہ دوطرفہ شرط جائز نہیں ہے لہٰذا یہ اُونٹ صدقہ کردو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورے سو اُونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق صدقہ کردیئے ایک اُونٹ بھی اپنے پاس نہیں رکھا۔ یہ قرآن پاک کی صداقت کی دلیل ہے کہ قرآن پاک نے جو پیش گوئی کی تھی وہ پوری ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴾ مغلوب ہوگئے رومی، شکست کھا گئے رومی ﴿فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ﴾ قریب کی زمین میں۔ وہ علاقے عرب کے ساتھ لگتے تھے ﴿وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ﴾ اور وہ اپنی شکست کے بعد ﴿سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ﴾ عنقریب وہ غالب آجائیں گے چند سالوں میں ﴿لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ﴾ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے معاملہ، اس سے پہلے ان کو جو شکست ہوئی ہے وہ معاملہ بھی اللہ تعالیٰ کے قبضے میں تھا ﴿وَمِنْۢ بَعْدُ﴾ اور اس کے بعد بھی معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے حالات کو بدلنے والا وہی ہے۔ کسی کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ یہ تین سو تیرہ دشمنوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیں گے

جس وقت آنحضرت ﷺ تین سو بارہ کو اپنی قیادت میں کہ تیرہویں آپ ﷺ تھے مدینہ طیبہ سے چلے تو اکثر ننگے پاؤں اور ننگے سر تھے صرف آٹھ تلواریں، چھ زرہیں تھیں۔ منافقوں نے، یہودیوں نے، نصرانیوں نے مذاق اُڑایا ﴿ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ﴾ [انفال: ۴۹] "ان سادہ لوگوں کو دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔" یہ عرب کو فتح کرنے چلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا مختصر جواب دیا۔ فرمایا ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ "اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے گا پس بے شک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔" اللہ تعالیٰ کا کرنا یوں ہوا کہ جو بات انھوں نے مذاق میں کہی تھی اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی۔ ستر کافروں کی گردنیں اُڑائیں، ستر گرفتار کیے، باقی بھاگ گئے اور چودہ صحابہ شہید ہوئے آٹھ انصار میں سے اور چھ مہاجرین میں سے دو سو ننانوے واپس آ گئے۔

آنحضرت ﷺ تین دن وہاں قیام پذیر رہے کہ کسی طرف سے کوئی سر نظر آئے مگر کوئی دکھائی نہ دیا یہاں تک کہ ان کے مردے بھی آپ نے دفن کرائے وہ اپنے مردے بھی دفن کرنے نہیں آئے اتنی بے غیرتی کی۔ تو رب تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ فرمایا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی ﴿ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ اور اس دن خوش ہوں گے مومن۔ ایک تو شرط جیتنے کی وجہ سے۔ نمبر دو بدر میں کامیابی کی وجہ سے ﴿ بِنَصْرِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی مدد پر خوش ہوں گے ﴿ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے جس کی چاہے ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ ﴾ اور وہ غالب ہے ﴿ الرَّحِيْمُ ﴾ مہربان ہے ﴿ وَعْدَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ﴿ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کے قادر مطلق ہونے کو کہ وہ ظاہر حالات کو پلٹ دیتا ہے اس کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں ہے ﴿ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ جانتے ہیں وہ دنیا کی ظاہری زندگی کو ﴿ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ اور وہ آخرت سے بے خبر ہیں۔

دین سے غفلت کا عالم

دنیا کے معاملے میں اتنے ہوشیار ہیں کہ چھوٹے چھوٹے بچے ایسی باتیں کرتے ہیں کہ آدمی سن کے حیران رہ جاتا ہے اور دین کے معاملے میں پوچھو تو کچھ پتا نہیں ہے۔ پکے نمازیوں کو چھوڑ کر عام نمازیوں سے بھی پوچھو کہ عید کی نماز کی جو تکبیریں زائد ہیں اور واجب ہیں اگر وہ رہ جائیں اور امام رکوع میں چلا جائے تو جس کی یہ تکبیریں رہ گئی ہیں اس نے کیا کرنا ہے؟ بہت کم نمازی ہیں جو بتلا سکیں۔ یاد رکھنا! یہ تکبیریں واجب ہیں اور واجب کے بغیر نماز نہیں ہوتی اگر سجدہ سہو نہ کیا جائے۔ رکوع کی تسبیحات کے بارے میں اختلاف ہے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ کا ایک طبقہ سنت کہتا ہے اور اکثر مستحب کہتے ہیں۔ لہٰذا جب امام رکوع میں چلا جائے تو تم بھی رکوع میں چلے جاؤ کیوں کہ رکوع فرض ہے اور رکوع کی تسبیحات کی جگہ وہ تکبیریں کہہ لو جو رہ گئیں ہاتھ اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے بس اللہ اکبر، اللہ اکبر کہے پھر اگر وقت مل جائے تو رکوع کی تسبیحات پڑھ لے۔ اور نماز جنازہ کی

تکبیریں فرض ہیں اگر کسی کی ایک دو تکبیریں رہ گئی ہیں اور اس نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو اس کا جنازہ قطعاً نہیں ہوگا۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد جو تکبیریں رہ گئی ہیں پہلے وہ کہے پھر سلام پھیرے۔

تو فرمایا یہ دنیا کی ظاہری زندگی کو جانتے ہیں آخرت سے غافل ہیں ﴿اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ کیا انھوں نے غور و فکر نہیں کیا اپنی جانوں میں، اپنے دلوں میں ﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو ﴿وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ۔ یہ چھوٹی سی تپائی ہے میں اس کے متعلق دعویٰ کروں کہ یہ بلا وجہ بنا دی گئی ہے تو کوئی میرا دعویٰ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے بلکہ اس کے بنانے کا مقصد ہے۔ تو کیا رب تعالیٰ نے آسمان اور زمین اور اس کے درمیان جو کچھ ہے بلا مقصد بنا دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا مقصد ہے ﴿وَاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور ایک مدت مقرر کے لیے ہے ﴿وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ اور بے شک بہت سارے لوگ ﴿بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ﴾ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں قیامت کے منکر ہیں ﴿اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ کیا یہ لوگ چلے پھرے نہیں زمین میں ﴿فَیَنْظُرُوْا﴾ پس دیکھتے ﴿كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔

قرآن پاک نے بار بار اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ زمین میں اس نقطہ نظر سے چلو پھرو کہ پہلی قومیں جن کاموں کی وجہ سے تباہ ہوئی ہیں کیا ہم نے وہ کام تو اختیار نہیں کیے ہوئے؟ مگر اس نقطہ نظر سے کوئی نہیں سیر کرتا بلکہ دیکھتے ہیں کہ پودے کیسے ہیں، یہ درخت کیسے ہیں، یہ پھل کیسے ہیں؟

فرمایا ﴿كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ وہ زیادہ سخت تھے ان سے قوت میں۔ وہ بڑے تنومند اور طاقت ور تھے ﴿وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ﴾ اور انھوں نے ہل چلائے زمین میں ﴿وَعَمَرُوْهَآ﴾ اور انھوں نے آباد کیا زمین کو ﴿اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا﴾ زیادہ اس سے جو انھوں نے آباد کیا ﴿وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ﴾ اور آئے ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ۔ لیکن انھوں نے پیغمبروں کی مخالفت کی، حق کو ٹھکرایا جس کے نتیجے میں تباہ ہوئے ﴿فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ﴾ پس نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ ان پر ظلم کرتا ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾ لیکن ان لوگوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا کہ پیغمبروں کی مخالفت کی، رب تعالیٰ کے انعامات کو نہ مانا۔

﴿ثُمَّ كَانَ﴾ پھر تھا ﴿عَاقِبَةَ﴾ انجام ﴿الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کا ﴿اَسَآءُوا السُّوْٓاٰی﴾ جنھوں نے کی برائی برا ہوا ﴿اَنْ كَذَّبُوْا﴾ اس وجہ سے کہ جھٹلایا انھوں نے ﴿بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ﴿وَكَانُوْا بِهَا یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور تھے وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ مذاق کرتے ﴿اَللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ﴾ اللہ تعالیٰ ہی پہلی دفعہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے ﴿ثُمَّ یُعِیْدُهٗ﴾ پھر وہ اس کو لوٹائے گا ﴿ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿وَیَوْمَ تَقُوْمُ

﴿السَّاعَةُ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی ﴿یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ نا اُمید ہو جائیں گے مجرم ﴿وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ﴾ اور نہیں ہوں گے ان کے لیے ﴿مِّنْ شُرَكَآىِٕهِمْ﴾ ان کے شریکوں میں سے ﴿شُفَعٰٓؤُا﴾ سفارشی ﴿وَكَانُوْا﴾ اور ہو جائیں گے ﴿بِشُرَكَآىِٕهِمْ﴾ اپنے شریکوں کے بارے میں ﴿كٰفِرِیْنَ﴾ انکار کرنے والے ﴿وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی ﴿یَوْمَىِٕذٍ﴾ اس دن ﴿یَّتَفَرَّقُوْنَ﴾ جدا جدا ہو جائیں گے ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ پس بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿فَهُمْ﴾ پس وہ لوگ ﴿فِیْ رَوْضَةٍ﴾ باغ میں ﴿یُّحْبَرُوْنَ﴾ خوش کیے جائیں گے ﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور بہر حال وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت کی ملاقات کو ﴿فَاُولٰٓىِٕكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ﴾ پس یہ لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ﴿حِیْنَ تُمْسُوْنَ﴾ جس وقت تم شام کرتے ہو ﴿وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ اور جس وقت تم صبح کرتے ہو ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ﴾ اور اسی کے لیے تعریف ہے ﴿فِی السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ﴿وَعَشِیًّا﴾ اور پچھلے پہر ﴿وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ﴾ اور جس وقت تم ظہر کرتے ہو ﴿یُخْرِجُ الْحَیَّ﴾ نکالتا ہے زندہ کو ﴿مِنَ الْمَیِّتِ﴾ مردہ سے ﴿وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ﴾ اور نکالتا ہے مردہ کو ﴿مِنَ الْحَیِّ﴾ زندہ سے ﴿وَیُحْیِ الْاَرْضَ﴾ اور زندہ کرتا ہے زمین کو ﴿بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ اس کے مرجانے کے بعد ﴿وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ﴾ اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔

اس سے پہلے سبق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو پہلے تھے۔ وہ قوت میں زیادہ تھے، ہل چلانے اور زمین آباد کرنے میں بھی ان سے زیادہ تھے۔ پیغمبران کے پاس آئے واضح دلائل لے کر تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا انھوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ پیغمبروں کی نافرمانی کی، خدائی احکامات ٹھکرائے۔

بُروں کا بُرا انجام

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوا﴾ پھر ہوا انجام ان لوگوں کا جنھوں نے برائی کی ﴿السُّوْٓاٰی﴾ بُرا۔ کوئی پانی میں غرق ہوا کسی پر تند و تیز ہوا مسلط ہوئی، کسی پر پتھر برسے، کسی کو زمین میں دھنسا دیا گیا، کوئی زلزلے کا شکار ہوئے، کسی پر آسمان سے بجلی گری۔ بُرے کاموں کا انجام بُرا ہوا۔ کیوں؟ ﴿اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ آیات سے حسی آیتیں بھی مراد ہیں کہ معجزات کو جھٹلایا جو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے تھے اور معنوی آیتیں بھی مراد ہیں کہ پہلی کتابوں کی آیتوں کو جھٹلایا، صحیفوں کو جھٹلایا ﴿وَكَانُوْا بِهَا یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور تھے وہ

اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ تمسخر کرتے، ٹھٹھا کرتے۔ یہ ان کی تباہی کا سبب تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو قوم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلائے گی اور مذاق اُڑائے گی وہ ضرور تباہ ہوگی چاہے فوراً ہو یا دیر سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ بڑا حلیم ہے اور محبت کرنے والا ہے وہ بسا اوقات سرکشی اور گناہوں کے باوجود ڈھیل دیتا ہے۔ تو اس کی ڈھیل کو کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں بچ گیا ہوں۔

مشرکوں کے قیامت کے متعلق عجیب وغریب شوشے

چوں کہ یہ لوگ آخرت اور قیامت کے منکر تھے اور اس کے متعلق عجیب عجیب قسم کے شوشے چھوڑتے تھے کبھی کہتے تھے ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ [قٓ:۳] "کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہوجائیں گے پھر اُٹھائے جائیں گے یہ لوٹ کر آنا تو بعید ہے۔" کبھی کہتے ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ [یٰسین:۷۸] "ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔" رب تعالیٰ نے قیامت کے اثبات کے لیے پہلی دلیل یہ پیش کی ﴿اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ﴾ اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کو ابتداءً پیدا کرتا ہے ﴿ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ پھر وہ اس کو لوٹائے گا۔ اس بات کا تو تم انکار نہیں کرتے کہ تمھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، زمین وآسمان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، چاند، سورج، ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ تو کیا جو رب مخلوق کو پیدا کرسکتا ہے وہ لوٹا نہیں سکتا۔ لہٰذا یاد رکھو! ابتداءً بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور دوبارہ بھی وہی لوٹائے گا وہی پیدا کرے گا ﴿ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی نیکی وبدی کا پورا پورا جائزہ لیا جائے گا اور پھر جزا وسزا ہوگی پھر احساس ہوگا کہ دنیا میں کیا کمایا اور کیا ضائع کیا ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی ﴿يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ ناامید ہوں گے مجرم۔ اس لیے کہ وہ دار الجزا ہے، دار العمل دنیا ہے۔ وہاں تو کچھ نہیں ہوسکتا البتہ منتیں کریں گے۔ کہیں گے ﴿رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا﴾ "اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا ﴿فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا﴾ [السجدہ:۱۲] پس ہمیں لوٹا دیں تاکہ ہم اچھے عمل کریں پروردگار۔" ﴿رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا﴾ [مومنون:۱۰۶] "غالب آگئی ہمارے اُوپر ہماری بدبختی۔" اور یہ آرزو بھی کریں گے ﴿يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ [الحاقہ:۲۷] "کاش کہ یہ موت مجھے ختم ہی کردیتی۔" لیکن یہ ساری درخواستیں ضائع ہوجائیں گی وہاں کچھ نہیں ہوسکے گا ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا﴾ اور نہیں ہوں گے ان کے لیے ان کے شریکوں میں سے سفارشی۔ ظاہری طور پر دیکھا جائے تو رب تعالیٰ کے بارے میں نظریہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات بڑی بلند ذات ہے ہماری اللہ تعالیٰ تک پہنچ نہیں ہے یہ جو ہمارے بابے ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس:۱۸] "یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں۔" اور سورہ زمر پارہ نمبر ۲۳ میں ہے کہتے تھے ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ "ہم ان کی پوجا اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں گے۔" ان کو رب نہیں رب کے ہاں سفارشی بنایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

کہ یہ ان کے شریک ان کے سفارشی نہیں ہوں گے۔

آخرت میں سفارش کے لیے دو شرطیں

کیوں کہ سفارش کے لیے دو شرطیں ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔

❀ ...... پہلی شرط یہ ہے کہ ﴿مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ﴾ [زخرف:۸۶] "جس نے گواہی دی حق کی یعنی حق کو مانتا ہو مومن ہو۔" مومن سفارش کر سکے گا۔

❀ ...... اور دوسری شرط یہ ہے کہ ﴿مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا﴾ [طٰہٰ:۱۰۹] "جس کو اجازت دے رحمٰن اور پسند کیا اس کی بات کو۔" جس کے لیے سفارش ہو اس پر رب راضی ہو یعنی وہ مومن ہو کافر نہ ہو سفارش کرنے والا بھی مومن اور جس کے لیے سفارش ہوگی وہ بھی مومن۔ مشرکوں کے لیے سفارش نہیں ہوگی۔ ﴿وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ اور ہو جائیں گے اپنے شریکوں کے بارے میں انکار کرنے والے۔ کہیں گے ہم تم سے بےزار ہیں اور جن کو شریک کرتے تھے وہ کہیں گے ہم تم سے بےزار ہیں۔ مگر اس وقت کی بیزاری کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا جو کچھ کرنا ہے دنیا ہی میں کرلو ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی ﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ﴾ اس دن جدا جدا ہو جائیں گے گروہ در گروہ بن جائیں گے۔ مومن الگ ہوں گے کافر الگ ہوں گے۔ پھر مومنوں کے بھی درجات ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہر نیکی میں یکتا تھے

حدیث پاک میں آتا ہے جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ ایک دروازے کا نام باب الصلوٰۃ ہے، نماز والا دروازہ۔ اس سے وہ داخل ہوں گے جو کثرت کے ساتھ نفلی نماز پڑھتے تھے۔ فرض تو پڑھتے ہی تھے۔ ایک کا نام باب الرّیان ہے۔ اس دروازے سے وہ داخل ہوں گے جو کثرت سے روزے رکھتے ہوں گے۔ ایک کا نام باب الجہاد ہے۔ اس سے وہ داخل ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ ایک کا نام باب الصدقہ ہے۔ اس سے وہ داخل ہوں گے جو کثرت سے خیرات کرتے ہیں۔ ایک کا نام باب التوبہ ہے۔ اس دروازے سے وہ داخل ہوں گے جو کثرت کے ساتھ توبہ کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے بندے بھی ہوں گے کہ جن کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے صدا کریں گے کہ وہ یہاں سے داخل ہوں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! داخل تو بندہ ایک ہی دروازے سے ہوگا لیکن کوئی ایسا بندہ بھی ہوگا کہ آٹھوں دروازوں سے اس کو آواز آئے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَاَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ "اور مجھے اُمید ہے کہ آپ ان میں سے ہوں گے۔" کیوں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہر قسم کی نیکی میں پیش پیش تھے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمْ صَائِمًا "تم میں سے آج کس نے روزہ رکھا ہے؟" بڑی گرمی تھی لمبے دن تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! میرا روزہ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

آج تم میں سے کس نے بیمار کی تیمارداری کی؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! میں نے تیمارداری کی ہے۔ پھر فرمایا آج تم میں سے کس نے مسکین یتیم کو کھانا کھلایا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! میں نے کھلایا ہے۔ کسی نے تم میں سے کسی مسلمان کے جنازے میں شرکت کی ہے؟ عرض کیا حضرت! میں نے کی ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس نیکی کے متعلق پوچھا عرض کیا میں نے کی ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ پوچھتے تو کبھی نہ بتلاتے۔ مگر چوں کہ پیغمبر کے سوال کے بعد خاموش رہنا گناہ تھا اس لیے بتاتے گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے تمام خوبیوں سے نوازا تھا۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانے میں ایک بوڑھی عورت جوان کے محلے میں رہتی تھی اور اس کا کوئی سہارا نہیں تھا بے یارو مددگار تھی۔ اس زمانے میں سب سے بڑی دقت پانی کی ہوتی تھی۔ تہجد کے لیے جب اُٹھتے تو مشکیزہ پانی کا بھر کر کندھے پر رکھ کر جاتے اور آواز دیتے پانی والا آیا ہے۔ وہ دروازہ کھولتی مٹکے بھر کے آجاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی خیال آیا کہ اس بوڑھی کو پانی لا کر دینے والا کوئی نہیں ہے یہ کام میں کر دیا کروں۔ جب سحری کے وقت جا کر پوچھتے تو بی بی کہتی بیٹا تم سے پہلے کوئی مٹکے بھر گیا ہے۔ کہنے لگے یہ کون ہے جو مجھ سے نمبر لے جاتا ہے؟ پوچھا بی بی! وہ کون ہے؟ بڑھیا نے کہا کہ میں نہیں جانتی کئی دن مسلسل نگرانی کرتے رہے لیکن اتفاق نہ ہوسکا۔ ایک دن سوچا کہ تہجد تو پڑھنی ہے وہیں باہر مصلیٰ ڈال لیتا ہوں اور انتظار کرتا ہوں۔ یہ تہجد میں تھے کہ ایک آدمی آیا آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا گھڑے بھرے اور جلدی سے نکل گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا پیچھے دوڑے اور پکڑ لیا فَإِذَا هُوَ بِأَبِي بَكْرٍ ۔ دیکھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔

آج حالت یہ ہے کہ اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کو بانس پر چڑھاتا ہے، اس کی نمائش کرتا ہے، اشتہار لگاتا ہے۔ اپنے باپ دادا کی نیکی کو بھی بانس پر چڑھاتا ہے (بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے) اور کہتا ہے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں پوتا ہوں جس نے یہ نیکی کی تھی۔ وہ لوگ نیکی کرتے تھے کنوئیں میں ڈال دیتے تھے۔ رب تعالیٰ کے سوا ان کی نیکی کو کوئی نہیں جانتا تھا۔

امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ کئی گھروں میں سحری کے وقت پانی دیا کرتے تھے۔ جب فوت ہوئے تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارا پانی والا نہیں آیا۔ غسل دینے والوں نے دیکھا کہ ان کے کندھے پر مشکیزے کے نشان ہیں۔ بڑے حیران ہوئے کہ انھوں نے تو کبھی مشکیزہ اُٹھایا نہیں نشان کیسے پڑ گئے؟ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ وہی بزرگ تھے جو لوگوں کے گھروں میں پانی بھرتے تھے لیکن کسی کو معلوم نہیں تھا کہ کب بھرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ پس بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور اُنھوں نے عمل کیے اچھے ﴿فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ﴾ پس وہ باغوں میں ہوں گے ﴿یُحْبَرُوْنَ﴾ خوش کیے جائیں گے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس کا معنیٰ کرتے ہیں ﴿یُکْرَمُوْنَ﴾ ان کی عزت کی جائے گی، اکرام کیا جائے گا ﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ اور بہرحال وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ اور انھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا کہ کوئی قیامت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی حاضری نہیں ہے ﴿فَاُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ﴾ پس یہ لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں

گے جہاں سے کبھی غائب نہیں ہوسکیں گے ﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ ﴾ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ۔تم اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو ﴿ حِیْنَ تُمْسُوْنَ ﴾ جس وقت تم شام کرتے ہو۔شام کی نماز ہے عشاء کی نماز ہے۔نمازوں کے بعد تسبیحات کا بڑا اثر ہے۔

چار پیارے کلمات کا ذکر

آنحضرت ﷺ نے فرمایا فرض نماز کے بعد تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر، آیت الکرسی، استغفار تین دفعہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ۔ جو پڑھے گا اس کے درمیان اور جنت کے درمیان موت کے سوا کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔موت آئے گی تو جنت میں چلا جائے گا۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ چار کلمات بڑے پیارے ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَر اور تیسرا کلمہ کثرت کے ساتھ پڑھو سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۔ اور یہ بات میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ ورد وظائف کے لیے وضو شرط نہیں ہے۔کسی جگہ بیٹھ کر پڑھنا شرط نہیں ہے بے وضو پڑھ سکتا ہے، چلتے پھرتے پڑھ سکتا ہے، لیٹے ہوئے پڑھ سکتا ہے۔﴿ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴾ اور جس وقت تم صبح کرتے ہو۔آدمی صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اور اس کے بعد ورد وظائف کرے۔

ذاکرین سے تعلیم دینے والے افضل ہیں

اور یاد رکھنا! قرآن کریم کی ایک آیت کا ترجمہ پڑھنا مفہوم سمجھنا ہزار رکعت نفل پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے۔بعض لوگ درس کے دوران تسبیح پھیرتے رہتے ہیں یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔درس پوری توجہ کے ساتھ سنو یہ سب سے بڑی عبادت ہے اور یہ وہ عبادت ہے کہ جس کے لیے پیغمبر بھیجے گئے۔اور کئی دفعہ سن چکے ہو کہ آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو ایک جگہ اللہ اللہ کرنے والوں کا حلقہ تھا اور دوسری جگہ پڑھنے پڑھانے والوں کا حلقہ تھا۔آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: کِلَا ھُمَا عَلَی الْخَیْرِ "دونوں جماعتیں خیر پر ہیں۔" لیکن آپ ﷺ اس جماعت کے ساتھ بیٹھ گئے جو پڑھ پڑھا رہے تھے اور فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا "رب نے مجھے معلم بنا کر بھیجا ہے اس لیے میں ان میں آ کر بیٹھ گیا ہوں۔" پھر سورج چڑھنے کے بعد دو رکعت پڑھے اشراق کی۔تو حدیث ہے ترمذی شریف کی کہ اللہ تعالیٰ عمرے کا ثواب عطا فرماتے ہیں تَامَّۃً تَامَّۃً تَامَّۃً مکمل، مکمل، مکمل۔اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے بہت وسیع ہیں مگر ہم لوٹنے والے نہیں ہیں ہمارے اندر کمی ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ اشراق کے لیے فجر کی نماز والا وضو ضروری نہیں ہے۔انسان بے وضو ٹوٹ سکتا ہے دوبارہ کر لے۔یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ مسجد میں بیٹھا رہے گھر جا کر پڑھ لے، دفتر جا کر پڑھ لے۔تو فرمایا تسبیح بیان کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت ﴿ وَلَہُ الْحَمْدُ ﴾ اور اسی کے لیے تعریف ہے ﴿ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ آسمانوں میں اور زمین میں ﴿ وَ عَشِیًّا ﴾ اور پچھلے پہر اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو مثلاً: عصر کے وقت ﴿ وَّ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴾ اور جس وقت تم ظہر کرتے ہو اس وقت

اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو ﴿یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ﴾ نکالتا ہے زندہ کو مردے سے۔ نطفہ مردہ ہے اس سے بچہ پیدا کرتا ہے، انڈا مردہ ہے اس سے بچہ نکلتا ہے، کافر سے مسلمان پیدا ہوتے ہیں ﴿وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ﴾ اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے۔ انسان زندہ ہے اس سے نطفہ پیدا کرتا ہے، مرغی زندہ ہے اس سے انڈہ پیدا کرتا ہے، نوح علیہ السلام جیسے پیغمبر سے کنعان جیسا ناری پیدا کرتا ہے ﴿وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ اور زمین کو زندہ کرتا ہے مرجانے کے بعد، خشک ہوجانے کے بعد اس کو سرسبز کرتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ کرتا ہے ﴿وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ﴾ اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے قبروں سے اپنے وقت پر لہٰذا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہرگز انکار نہ کرو۔

~~~

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿اَنْ خَلَقَكُمْ﴾ یہ کہ اس نے پیدا کیا تم کو ﴿مِّنْ تُرَابٍ﴾ مٹی سے ﴿ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ﴾ پھر تم انسان ہوکر ﴿تَنْتَشِرُوْنَ﴾ بکھرے پھرتے ہو ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿اَنْ خَلَقَ لَكُمْ﴾ کہ اس نے پیدا کیا تمھارے لیے ﴿مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ تمھاری جانوں سے ﴿اَزْوَاجًا﴾ جوڑے ﴿لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا﴾ تاکہ تم سکون حاصل کرو ان سے ﴿وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ﴾ اور ڈال دی اللہ تعالیٰ نے تمھارے درمیان ﴿مَّوَدَّةً﴾ محبت ﴿وَّرَحْمَةً﴾ اور شفقت ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰیٰتٍ﴾ البتہ نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو غور وفکر کرتی ہے ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿خَلْقُ السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں کا پیدا کرنا ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ﴾ اور تمھاری زبانوں کا مختلف ہونا ﴿وَاَلْوَانِكُمْ﴾ اور تمھارے رنگوں کا ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ﴿لِّلْعٰلِمِیْنَ﴾ جاننے والوں کے لیے ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿مَنَامُكُمْ﴾ تمھارا سونا ﴿بِالَّیْلِ﴾ رات کو ﴿وَالنَّهَارِ﴾ اور دن کے وقت ﴿وَابْتِغَآؤُكُمْ﴾ اور تمھارا تلاش کرنا ﴿مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ اس کے فضل کو ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰیٰتٍ﴾ البتہ نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو سنتی ہے ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ﴾ کہ وہ دکھاتا ہے تمھیں بجلی ﴿خَوْفًا﴾ خوف کے لیے ﴿وَّطَمَعًا﴾ اور اُمید کے لیے ﴿وَّیُنَزِّلُ﴾ اور اُتارتا ہے ﴿مِنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان کی طرف سے ﴿مَآءً﴾ پانی ﴿فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ﴾ پس زندہ کرتا ہے اس پانی کے ذریعے زمین کو ﴿بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ اس کے مرجانے کے بعد ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰیٰتٍ﴾ البتہ نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو عقل رکھتی ہے ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں
~~~

میں سے ہے ﴿اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ﴾ کہ قائم ہے آسمان ﴿وَ الْاَرْضُ﴾ اور زمین ﴿بِاَمْرِهٖ﴾ اس کے حکم سے ﴿ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ﴾ پھر وہ جب بلائے گا تمھیں ﴿دَعْوَةً﴾ بلانا ﴿مِّنَ الْاَرْضِ﴾ زمین سے ﴿اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ﴾ اچانک تم زمین سے نکلو گے۔

کل کے سبق میں بیان ہوا تھا کہ مومنوں کی باغوں میں عزت کی جائے گی اور جو کافر ہیں اور آخرت کے منکر ہیں وہ پکڑ کر عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔ آخرت کے منکر کہتے تھے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کون دوبارہ زندہ کرے گا۔ وہ دوبارہ زندہ ہونے کو بڑا بعید سمجھتے تھے۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے کچھ دلائل بیان فرمائے ہیں کہ جو ذات ان قدرتوں کی مالک ہے اس کے لیے تمھیں دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں ہے اور ان نشانیوں کو تم بھی مانتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کا ذکر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ کہ اس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [آل عمران: ۵۹] "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا ہو جا پس وہ ہو گیا۔" اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ڈھانچے کے لیے تمام زمین کے چہرے سے مٹی لی اور مٹی کے چوں کہ مختلف رنگ ہیں سفید، سیاہ، سرخ، اسی لیے اولاد میں کوئی سفید ہیں، کوئی سرخ ہیں اور کوئی سیاہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے باقی رہنے کے لیے ذریعہ خوراک بنائی ہے۔ اناج، پھل، میوہ جات وغیرہ سب زمین سے پیدا ہوتے ہیں۔ جنھیں کھانے سے خون بنتا ہے اور اس خون سے مادہ تولید بنتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔

تو یہ رب تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اس نے تمھیں مٹی سے پیدا فرمایا ہے ﴿ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ﴾ پھر تم انسان ہو کر بکھرے پھرتے ہو۔ کوئی عرب میں، کوئی عجم میں، کوئی پورب میں، (کوئی پچھم میں) کوئی ایشیا میں، کوئی کہاں اور کوئی کہاں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حقیر قطرے میں آنکھیں بھی رکھیں، کان بھی، ہاتھ بھی، بازو بھی، دل و دماغ بھی، یہ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے تمھاری جانوں میں سے ﴿اَزْوَاجًا﴾ جوڑے، بیویاں۔ ازواج کا لفظی معنیٰ جوڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کو چلانے کے لیے عورتیں پیدا فرمائیں مردوں کے لیے اور مرد پیدا فرمائے عورتوں کے لیے۔ ایک ماں باپ سے اللہ تعالیٰ بچہ بھی پیدا کرتا ہے اور بچی بھی پیدا کرتا ہے۔ بسا اوقات دو پیدا ہوتے ہیں ایک لڑکی ایک لڑکا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ساتھ تمھاری جانوں سے تمھارے لیے جوڑے پیدا فرمائے ﴿لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا﴾ تا کہ تم سکون حاصل کرو ان کے ساتھ مل کر۔ عورتیں مردوں سے سکون حاصل کریں اور مرد عورتوں سے سکون حاصل کریں ﴿وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً﴾ اور ڈال دی، بنائی تمھارے درمیان محبت اور شفقت۔ یہ عورتیں اور مرد پیدا کر کے ان کے درمیان محبت

ڈالنے والا کون ہے؟ ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک اس میں نشانیاں ہیں رب تعالیٰ کی قدرت کی ﴿لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو غور وفکر کرنے والی ہے ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، دلائل میں سے ہے ﴿خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں کا پیدا کرنا اور زمین کا پیدا کرنا۔ یہ پہلا آسمان تمھیں نظر آتا ہے اس کے اُوپر چھ آسمان اور ہیں ﴿سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا﴾ [ملک:۳] "سات آسمان تہہ بہ تہہ۔" پھر ان کے اوپر عرش ہے جو اعظم المخلوقات ہے حجم اور جسم کے لحاظ سے عرش سب سے بڑی مخلوق ہے اس نے سب کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اور مرتبے اور درجے کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ تمام مخلوقات میں بلند ہیں۔

﴿وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ﴾ اور تمھاری زبانوں کا مختلف ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی اور دلیل ہے۔ کسی جگہ کوئی بولی بولی جاتی ہے اور کسی جگہ کوئی بولی بولی جاتی ہے۔ پھر ایک لفظ ایک زبان میں اچھے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے اور وہی لفظ دوسری زبان میں برے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: نائی کا لفظ یہاں حجامت بنانے والے پر بولا جاتا ہے یعنی حجام کو نائی کہتے ہیں اور مدراس ہندوستان کے علاقے میں نائی کتے کو کہتے ہیں۔ یہاں مہتر صفائی کرنے والے کو کہتے ہیں اور چترال کے علاقے میں مہتر سردار کو کہتے ہیں، یہاں ڈنگر حیوان کو کہتے ہیں اور بلوچستان میں ڈنگر دبلے پتلے آدمی کو کہتے ہیں۔ یہ بولیاں اور زبانیں مختلف کس نے بنائی ہیں۔ یہ ہمارا چھوٹا سا ملک ہے پاکستان اس میں بتیس (۳۲) زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ﴿وَاَلْوَانِكُمْ﴾ اور تمھارے رنگوں کا مختلف ہونا۔ شکلیں دیکھو مختلف ہیں، رنگ دیکھو تو مختلف ہیں، کوئی گورا، کوئی کالا، کوئی سرخ ہے، کوئی گندمی ہے، کوئی موٹا ہے، کوئی پتلا ہے، کوئی ذہین ہے، کوئی غبی ہے، کوئی اچھے اخلاق والا ہے، کوئی بُرے اخلاق والا ہے۔

جب آدمی حج پر جاتا ہے تو وہاں ان چیزوں کا صحیح مشاہدہ ہوتا ہے۔ ایک دفعہ میں مسجد حرام میں کھڑا تھا کہ میرے دائیں طرف ملک سوڈان کا ایک آدمی بڑا قد اور اتنا موٹا کہ میرے جیسے پانچ آدمی اس سے نکل سکتے تھے اور بائیں طرف انڈونیشیا کا آدمی کھڑا تھا جیسے بلی کھڑی ہے۔ میں دائیں طرف دیکھتا تو پہاڑ کو دیکھتا اور بائیں طرف والا میری پسلیوں تک بھی نہیں آتا تھا یہ کس کی قدرت ہے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ﴿لِّلْعٰلِمِیْنَ﴾ جاننے والوں کے لیے۔ کیوں کہ زبانوں کا تعلق علم کے ساتھ ہے اس لیے عالِمِین لام کی زیر کے ساتھ فرمایا عالَمِین نہیں فرمایا لام کی زبر کے ساتھ۔

آنحضرت ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو وہاں یہودی بھی آباد تھے بلکہ وہ وہاں کے بااثر لوگ تھے۔ وہ بولتے تو عربی تھے مگر خط اپنی عبرانی زبان میں لکھتے تھے۔ جیسے یہاں لوگ عموماً پنجابی بولتے ہیں مگر خط اردو میں لکھتے ہیں۔ سرحد بلوچستان والے بولتے پشتو ہیں مگر خط اردو میں لکھتے ہیں۔ تو وہ بولتے عربی تھے اور خط عبرانی زبان میں لکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے پاس جب خط آتے تھے تو بڑی دقت پیش آتی تھی آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو بڑے ذہین تھے کو فرمایا کہ تمھاری ڈیوٹی ہے کہ تم عبرانی زبان لکھنی، پڑھنی، بولنی سیکھو۔ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ انھوں نے تھوڑے سے عرصہ میں سیکھ لی۔ پھر جب خط آتے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی پڑھتے اور آپ ﷺ انہی سے

جواب لکھواتے ۔لہٰذا دوسری زبانیں بھی سیکھنی چاہییں یہ اس دور میں بہت ضروری ہے۔

روسی فوج میں جو مسلمان تھے ان کی وردیاں فوجی تھیں تنخواہیں ملتی تھیں لیکن ان کو اسلحہ چلانے کی ٹریننگ نہیں دی جاتی تھی ان سے کھدائی کا کام لیتے ، خیمے لگواتے ، سڑکوں پر دوڑاتے ، کھانا پکواتے ، گاڑیاں چلواتے ، ان کو بندوق تک چلانی نہیں سکھلائی۔ اب ازبکستان وغیرہ ریاستیں جب آزاد ہوئی ہیں تو ان کو اسلحہ چلانے کی ٹریننگ دینے کے لیے پاکستانی وہاں گئے ہیں۔ ان میں اپنے صوفی عطاء اللہ صاحب کا بیٹا بھی ہے لیکن زبان کی وجہ سے دقت پیش آتی ہے۔ ان کی زبان اُزبک ہے۔ وہ اُردو، فارسی، پشتو نہیں سمجھتے کچھ تھوڑی بہت ترکی سمجھتے ہیں۔ وہاں سے کچھ علمائے کرام آئے تھے جنھوں نے کہا تم ہماری یہ امداد کرو کہ ہمارے بچوں کو تعلیم دو۔ تو اس کے متعلق ہم سوچ رہے ہیں کہ تقریباً پچاس بچوں کا انتظام نصرۃ العلوم میں کیا جائے کیوں کہ ان کے رہن سہن اور رہائش کا معیار بہت بلند ہے۔ تو اس زمانے میں مختلف زبانیں سیکھنا بھی بہت ضروری ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی برطانیہ میں ایک انگریز سے ملاقات

انگلستان کے سفر میں ایک مقام پر ساتھیوں نے بڑی دعوت کا انتظام کیا اور اس میں ایک پڑھے لکھے انگریز کو بھی مدعو کیا کہ پاکستان سے ہمارے بزرگ آئے ہوئے ہیں ان سے ملاقات کرو۔ خیر وہ آ گیا۔ اس نے ہمارے ساتھ کھانا تو نہ کھایا۔ کہنے لگا میں بیمار ہوں بیماری کا کارڈ بھی اس نے دکھایا کہ میں جھوٹ نہیں کہہ رہا۔ قوم وہ سچی ہے اگر وہ لوگ کلمہ پڑھ لیں اور بے حیائی، شراب نوشی اور حرام خوری کو چھوڑ دیں تو وہ بڑے اخلاق والے ہیں۔ اس نے میرے ساتھ ترجمان کے ذریعے گفتگو شروع کی۔

کہنے لگا تمھیں یہاں آئے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟ میں نے کہا تھوڑا سا عرصہ ہوا ہے۔ پھر کہنے لگا کہ کتنی دیر ٹھہرنا ہے؟ میں نے کہا مصروف آدمی ہوں تھوڑے سے عرصے کے لیے آیا ہوں وہ بھی ساتھی زبردستی لے آئے ہیں۔ اس نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ ہمارے ملک میں تم نے کیا دیکھا ہے کیا تجزیہ کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے یہاں آئے ہوئے بیس بائیس دن ہو گئے ہیں۔ میں نے تمھارے ملک میں جسم کے لیے ساری سہولتیں دیکھی ہیں روح کے لیے کچھ نہیں دیکھا۔ دوسرے لفظوں میں اس طرح کہہ لو کہ اس جہان کے لیے ساری سہولتیں ہیں آخرت کے لیے کوئی سہولت نہیں ہے۔ اس نے تین دفعہ کہا گڈ، گڈ، گڈ، آپ نے صحیح تجزیہ کیا ہے۔ میں نے اس وقت محسوس کیا کہ اگر میں انگریزی زبان جانتا ہوتا تو میں اس کو براہِ راست سمجھاتا اور بہت کچھ سمجھاتا۔ تو اس زمانے میں مختلف زبانیں اس ارادے سے سیکھنی چاہییں کہ کہیں تبلیغ کی نوبت آئے تو بندہ سمجھا تو سکے۔

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ ﴾ تمھارا سونا رات کو اور دن کو۔ نیند بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اپنے وقت پر اگر آدمی کو دو چار دن نیند نہ آئے تو پاگل ہو جائے۔ پورا پاگل نہ بھی ہو نیم پاگل تو ہو جائے گا۔ طبی نقطہ نگاہ سے جوان آدمی کے لیے چوبیس گھنٹوں میں سے سات گھنٹے سونا کافی ہے۔ اس سے زیادہ سونا اچھا نہیں ہے اور بوڑھے آدمی کے لیے چار پانچ گھنٹے کافی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بھوک بھی نعمت ہے کہ بھوک اس

وقت لگے گی جب معدہ صحیح ہوگا اور معدہ صحیح ہوگا تو جسم کا سارا نظام صحیح ہوگا ﴿وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ اور تمھارا تلاش کرنا اللہ تعالیٰ کے رزق کو یہ بھی اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کوئی رات کو کماتا ہے کوئی دن کو کماتا ہے یہ سلسلے کس نے بنائے ہیں ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک البتہ اس میں نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو سنتی ہے۔ سننے کا مطلب یہ کہ مانتی ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی میری بات نہیں سنتا یعنی نہیں مانتا۔

﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ﴾ کہ دکھاتا ہے وہ تمھیں بجلی ﴿خَوْفًا﴾ خوف کی خاطر ﴿وَّطَمَعًا﴾ اور طمع کی خاطر۔ آسمانی بجلی گرنے سے آدمی مرتے ہیں، جانور مرتے ہیں، مکان جل جاتے ہیں، بڑا بڑا نقصان ہو جاتا ہے اور طمع بھی ہوتا ہے کہ بارش ہوگی گرمی میں کمی آئے گی، پانی کی قلت دور ہوگی ﴿وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور وہ پروردگار آسمان کی طرف سے پانی اُتارتا ہے ﴿فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ﴾ پس زندہ کرتا ہے اس کے ذریعے زمین کو ﴿بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ اس کے مرجانے کے بعد ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک اس میں نشانیاں ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کہ زمین خشک تھی بارش کے بعد ترو تازہ ہوگئی لیکن ﴿لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو عقل رکھتی ہے جو عقل سے کام لے ﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ﴾ کہ قائم ہے آسمان ﴿وَ الْاَرْضُ﴾ اور زمین ﴿بِاَمْرِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ دیکھو آج چھوٹی چھوٹی عمارتوں کے نیچے کتنی دیواریں اور ستون ہوتے ہیں لیکن دیکھو! آسمان کتنا وسیع ہے مگر نیچے نہ کوئی دیوار ہے نہ کوئی ستون ہے۔ پھر اوپر نیچے سات آسمان ہیں کسی کے نیچے کوئی دیوار اور ستون نہیں ہے اور زمین اپنی جگہ قائم ہے۔

سائنس دانوں کا اس میں اختلاف ہے کہ زمین ساکن ہے یا متحرک ہے۔ اس کے متعلق انھوں نے بڑی لمبی چوڑی بحثیں کی ہیں لیکن قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین ساکن ہے متحرک نہیں ہے۔ اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ زمین قائم ہے ﴿ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ پھر جس وقت بلائے گا تمھیں بلانا زمین سے۔ اس طرح کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے تو تمام لوگ مشرق و مغرب والے، شمال و جنوب والے اکٹھے ہو جائیں گے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی قیامت کو برپا کرے ﴿اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ﴾ اچانک تم زمین سے نکلو گے۔ یہ اہل عرب کو سامنے رکھ کر فرمایا کہ وہ مردوں کو دفن کرتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھنا کہ جو قبروں میں دفن کیے جاتے ہیں وہ تو نکلیں گے اور جن کو جلا دیا جاتا ہے یا پرندے اور مچھلیاں کھا جاتی ہے وہ حاضر نہیں ہوں گے نہیں بلکہ سب آئیں گے۔ رب تعالیٰ نے قدرت کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں یہ سن کر بھی اگر کوئی انکار کرے تو پھر اس کی ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔

﴿وَلَهٗ﴾ اور اسی کے لیے ہے ﴿مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ وہ مخلوق جو آسمانوں میں ہے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور جو زمین میں ہے ﴿كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ﴾ سب کے سب اس کے فرماں بردار ہیں ﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اور وہ وہی ہے ﴿يَبْدَؤُا الْخَلْقَ﴾ جو ابتداءً پیدا کرتا ہے مخلوق کو ﴿ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ پھر وہ اس کو لوٹائے گا ﴿وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ اور یہ اس پر بہت ہی آسان ہے ﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى﴾ اور اسی کے لیے ہے اعلیٰ صفت ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے ﴿ضَرَبَ لَكُمْ﴾ بیان کی اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ﴿مَّثَلًا﴾ ایک مثال ﴿مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ تمھاری جانوں سے ﴿هَلْ لَّكُمْ﴾ کیا ہے تمھارے لیے ﴿مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ ان میں سے جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہیں ﴿مِّنْ شُرَكَآءَ﴾ کوئی شریک ﴿فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ اس چیز میں جو ہم نے تمھیں روزی دی ہے ﴿فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ﴾ پس تم سب اس میں برابر ہو جاؤ ﴿تَخَافُوْنَهُمْ﴾ تم ڈرتے ہو ان سے ﴿كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ جیسا کہ تم خوف کھاتے ہو اپنی جانوں سے ﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ﴾ اسی طرح ہم تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں آیتیں ﴿لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو سمجھتی ہے ﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا﴾ بلکہ پیروی کی ان لوگوں نے جنھوں نے ظلم کیا ﴿اَهْوَآءَهُمْ﴾ اپنی خواہشات کی ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ علم کے بغیر ﴿فَمَنْ يَّهْدِيْ﴾ پس کون ہدایت دے سکتا ہے ﴿مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ اور نہیں ہے ان کے لیے کوئی مدد کرنے والا ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ﴾ پس آپ قائم کریں اپنے چہرے کو دین کے لیے ﴿حَنِيْفًا﴾ یک سُو ہو کر ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ﴾ لازم پکڑو اللہ تعالیٰ کی فطرت کو ﴿الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ وہ جس پر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا لوگوں کو ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ نہیں تبدیلی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز میں ﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ یہی دین مضبوط ہے، سچا ہے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ﴾ لیکن اکثر لوگ ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ نہیں جانتے ﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ﴾ اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہو ﴿وَاتَّقُوْهُ﴾ اور ڈرو اس سے ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرو نماز ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا﴾ اور نہ ہو جاؤ ﴿مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ شرک کرنے والوں میں سے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی کام مشکل نہیں

کل کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں بیان ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ چند نشانیاں صرف تمھاری توجہ کے لیے ہیں ورنہ ﴿وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اسی کے لیے ہے وہ مخلوق جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔

آسمانوں میں فرشتے ہیں، زمین میں انسان ہیں، جنات ہیں، حیوانات ہیں، کیڑے مکوڑے ہیں ان کو رب تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے اور اسی کے اختیار میں ہیں اور اس نے اپنا اختیار کسی کو نہیں دیا ﴿كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ﴾ سب کے سب اس کے فرماں بردار ہیں۔ خوشی سے ہوں یا بے بسی سے ہوں ﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿يَبْدَؤُا الْخَلْقَ﴾ جو ابتداءً پیدا کرتا ہے مخلوق کو ﴿ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ پھر وہ رب اس مخلوق کو لوٹائے گا قیامت آئے گی جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے ﴿وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ اور یہ اس پر بہت ہی آسان ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے تمھارے سمجھانے کے لیے فرمایا ہے کہ دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے بہت ہی آسان ہے۔ کہ کسی چیز کا دوبارہ بنانا بہ نسبت پہلی مرتبہ بنانے کے آسان ہوتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا کوئی مشکل ہے اور نہ دوبارہ پیدا کرنا مشکل ہے ﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اسی کے لیے ہے اعلیٰ صفت آسمانوں میں اور زمین میں۔ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی صفت ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ حدیث پاک میں آتا ہے اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "تمام اذکار میں سے افضل ترین ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے۔" ذکر اتنا ہی ہے لا الٰہ الا اللہ۔ ہاں کلمہ پڑھنا ہے تو پورا پڑھو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی میرے بیٹو! کثرت سے پڑھو لا الٰہ الا اللہ۔ اس کا اتنا وزن ہے کہ ترازو کے ایک پلڑے میں لا الٰہ الا اللہ رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں سات آسمان، سات زمینیں، پہاڑ، دریا رکھ دیئے جائیں تو لا الٰہ الا اللہ کا وزن بھاری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ نہ آسمانوں میں کوئی الٰہ ہے نہ زمین میں الٰہ ہے نہ کوئی حاجت روا، نہ کوئی مشکل کشا، نہ کوئی دست گیر ہے، نہ کوئی خالق ہے، نہ کوئی رازق ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

شرک کے رد کی ایک مثال

آگے اللہ تعالیٰ نے شرک کے رد کی ایک مثال دی ہے۔ اس سے پہلے ﴿مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ کا مفہوم سمجھ لیں۔ جہاد میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے تو دشمن کے جو آدمی قیدی ہوتے ہیں ان کے متعلق قرآن میں تفصیل ہے کہ تم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ تو اس کی ایک صورت یہ ہے کہ قیدیوں کے ساتھ قیدیوں کا تبادلہ کر لو۔ آخر جنگ میں تمھارے ساتھی بھی تو قیدی ہوئے ہیں ان کے قیدی دے کر اپنے قیدی لے لو۔

❀...... دوسری صورت یہ ہے کہ احسان کرو اور مفت رہا کر دو۔

❀...... تیسری صورت یہ ہے کہ جرمانہ لے کر چھوڑ دو کہ بھئی! ایک ایک آدمی کے بدلے اتنے پیسے دو اور اپنے قیدی لے لو۔

❀...... اور چوتھی صورت یہ ہے کہ ان کے مردوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈیاں بنا لو۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ امیر لشکر قیدی کو دائیں ہاتھ میں پکڑتا اور مجاہد کے دائیں ہاتھ میں دے دیتا کہ یہ تیرا غلام ہے یا لونڈی ہے۔ چوں کہ وہ دائیں ہاتھ سے پکڑا تا اور یہ دائیں سے پکڑتا اس لیے یہ مِلک یمین کہلاتی ہے، دائیں ہاتھ کی ملک۔ تو مَا مَلَكَتْ کا محاورتاً معنیٰ ہوگا جو تمھارے غلام اور

لونڈیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال تمھارے لیے تمھاری جانوں سے ﴿هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ کیا ہے تمھارے لیے ان میں سے جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہیں ﴿مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ کوئی شریک اس میں جو ہم نے تمھیں روزی دی ہے ﴿فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ﴾ پس تم سب اس میں برابر ہو جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جو تمھارے غلام اور لونڈیاں ہیں کیا تم برداشت کرتے ہو وہ تمھاری جائیداد میں برابر کے شریک ہو جائیں حالاں کہ وہ بھی تمھاری طرح انسان ہیں۔ تمھارا رشتہ بھی آدم علیہ السلام سے ملتا ہے ان کا بھی آدم علیہ السلام سے ملتا ہے جو ضروریات تمھاری ہیں ان کی بھی وہی ہیں، جو بشری تقاضے تمھارے ہیں ان کے بھی ہیں صرف اعتباری فرق ہے کہ تم ان کے مجازی مالک ہو اور وہ تمھارے غلام ہیں اور تم یہ برداشت نہیں کرتے کہ وہ تمھاری جائیداد میں برابر کے شریک ہو جائیں ﴿تَخَافُوْنَهُمْ﴾ تم ڈرتے ہو ان سے ﴿كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ جیسا کہ تم خوف کھاتے ہو اپنی جانوں سے کہ مشترک جائیداد اور مال ہو تو حصہ دار کا خطرہ رہتا ہے کہ مشترک چیز میں تصرف کرنے میں وہ ناراض نہ ہو جائے یا تقسیم کرانے لگے یا کم از کم یہ پوچھے کہ میری اجازت کے بغیر تم نے یہ کام کیوں کیا ہے۔ تو غلام اور لونڈیوں سے تم اس طرح ڈرتے ہو کہ اگر وہ تمھاری جائیداد میں برابر کے شریک ہو جائیں تو وہ بھی تم سے پوچھیں گے اس لیے تم ان کو اپنی جائیداد اور مال میں شریک کرنے کے لیے تیار نہیں ہو اور نہ برابر تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسے شریک ٹھہراتے ہو؟ جب کہ مخلوق رب تعالیٰ کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ ظالمو! سوچو تو سہی کہ خالق اور مخلوق کا کتنا فرق ہے؟ مخلوق، رب کی کیسے شریک بن گئی؟ تو فرمایا تم ان سے ڈرتے ہو جیسے ایک دوسرے سے ڈرتے ہو ﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ اسی طرح ہم تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں آیتیں اس قوم کے لیے جو سمجھتی ہے اور جو سمجھنے کے لیے تیار نہ ہو اس نے سن کے بھی نہیں ماننا اور ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ ان کے شرک کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے ﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ﴾ بلکہ پیروی کی ان لوگوں نے جو ظالم ہیں شرک کرنے والے ہیں اپنی خواہشات کی ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ علم کے بغیر۔ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ سورہ لقمان آیت نمبر ۱۳ میں ہے ﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۗ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ "اے بیٹے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کر بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔" اور مشرک سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے اور مشرک کے پاس شرک پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ اپنی خواہشات پر چلتے ہیں اور حق کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ایسوں کی گمراہی کا فیصلہ کر دیتے ہیں ﴿فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ﴾ پس کون ہدایت دے سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا۔

جبراً اللہ تعالیٰ نہ کسی کو گمراہ کرتا ہے اور نہ ہدایت دیتا ہے

اور گمراہ اللہ تعالیٰ انہی ظالموں کو کرتا ہے جو اپنی خواہشات کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ابتداءً اور جبراً کسی کو گمراہ

نہیں کرتا اور یہ بات میں بہت دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ آدمی ایمان اور کفر اختیار کرنے میں مجبور نہیں ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جو چاہے اپنی مرضی سے ایمان لائے اور جو چاہے اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔" نہ رب تعالیٰ زبردستی کسی کو ایمان دیتا ہے اور نہ کسی کو زبردستی کافر بناتا ہے۔ سورۃ البلد میں فرمایا ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ "اور ہم نے اس کو دو راستے بتلا دیئے ہیں۔" ﴿اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ [دھر:۳] "یا تو اس راستے پر چل پڑے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہو یا کفر کا راستہ اختیار کرے۔" ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنکبوت:۶۹] "جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہمارے بارے میں ہماری طرف آتے ہیں ہم ان کو ہدایت کے راستے پر چلنے کی توفیق دے دیتے ہیں۔" اور دوسری طرف ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ [صف:۵] "پس جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔"

تو انسان ایمان اور کفر میں مجبور نہیں ہے لیکن جس نے اپنے لیے کفر کو پسند کر لیا اور الہ تعالیٰ نے اس کی گمراہی پر مہر لگا دی تو پھر کون اس کو ہدایت دے سکتا ہے؟ ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ اور نہیں ہے ان کے لیے کوئی مدد کرنے والا۔ نہ دنیا میں ان کو کوئی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا سکتا ہے، نہ قبر میں، نہ میدان محشر میں اور نہ دوزخ سے کوئی ان کو بچا سکے گا۔ ان مشرکوں کے اعتراضات سے متاثر نہ ہوں ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا﴾ پس آپ قائم کریں اپنے چہرے کو دین کے لیے یک سو ہو کر۔ آپ کا رخ دین کی طرف ہو۔ یہ آپ ﷺ کو خطاب کر کے ہمیں تمھیں بلکہ قیامت تک آنے والی اُمت کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم حق کو بیان کرو باطل کی تردید کرو احسن طریقہ کے ساتھ ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ اللہ تعالیٰ کی فطرت کو لازم پکڑو جس پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ وہ فطرت اسلام ہے۔ اسلام ایک فطری مذہب ہے کہ اگر کسی آدمی نے غلط ماحول میں پرورش نہ پائی ہو تو بالغ ہونے پر اس کے سامنے اسلام پیش کرو اسلام کے اصول بتلاؤ تو وہ فوراً اسلام قبول کر لے گا۔

آج مسلمانوں کا کردار اشاعتِ اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہے

دو تین دن ہوئے ہیں "پاکستان" اخبار میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ چند سالوں میں برطانیہ میں تقریباً دس ہزار عورتیں مسلمان ہوئی ہیں ان کا بیان ہے کہ اسلام امن چین کا ماحول دیتا ہے اسلام پر عمل کر کے رب ملتا ہے اور اس پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے مگر آج مسلمانوں کا وجود اور کردار رکاوٹ ہے دوسرے کو اسلام قبول کرنے سے روکتا ہے۔ اٹلی کا مشہور مؤرخ جارج برنارڈ شا جس کی تاریخی اور افسانوی کتابیں لوگ بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں اس کو فوت ہوئے آٹھ نو سال ہوئے ہیں۔ اس نے بڑے دھڑلے اور زوردار الفاظ میں پیش گوئی کی کہ سو سال کے اندر اسلام ساری دنیا پر چھا جائے گا۔ لوگ اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اس سے لوگوں نے پوچھا کہ تم خود مسلمان کیوں نہیں ہوتے؟ تو جارج نے جو جواب دیا اس کو سن کر حقیقت یہ ہے کہ ہماری گردنیں جھک گئی ہیں۔ اس نے کہا کہ اسلام سچا مذہب ہے مگر مجھے ان مسلمانوں میں بیٹھنا گوارا نہیں ہے یہ لوگ برے کردار کے مالک ہیں۔ وہ اُونچے طبقے کا آدمی تھا وزیروں،

مشیروں، سفیروں میں بیٹھتا تھا اور وہ سارے زانی، شرابی، بدمعاش، بے نماز ہوتے ہیں۔

آج مسلمان کا وجود اسلام قبول کرنے میں رکاوٹ ہے اور ایک وقت وہ تھا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے کو دیکھ کر تیس ہزار یہودی، عیسائی، مجوسی مسلمان ہوئے تھے۔ اس وقت لوگ تھوڑے ہوتے تھے مگر اپنے بزرگوں کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے میں تقریباً سولہ لاکھ آدمی شریک ہوئے۔ مسلمانوں کی وضع قطع نشست و برخاست کو دیکھ کر، ان کی شکل و صورت کو دیکھ کر امام کے ساتھ عقیدت اور محبت کو دیکھ کر: اَسْلَمَ ثَلٰثُوْنَ اَلْفًا مِنَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی وَ الْمَجُوْس "تیس ہزار یہودی، عیسائی، مجوسی مسلمان ہو گئے۔" اور آج مسلمانوں کو دیکھ کر لوگ نفرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے ان میں بیٹھنا گوارا نہیں ہے۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے ہر مسلمان کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیے کہ زبان سے تو میں اسلام اسلام کرتا ہوں لیکن میرے چہرے پر بھی اسلام ہے یا نہیں۔ میری شکل وصورت اور وضع قطع اسلام کے مطابق ہے یا نہیں ہے؟

فرمایا ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ نہیں تبدیلی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز میں۔ وہ فطرت اسلامی ہے اسلام قیامت تک سچا رہے گا ﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ یہی دین مضبوط ہے سچا ہے۔ اس دین قیم کی تفسیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے اور سب سے آخر میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد قیامت تک کوئی پیغمبر پیدا نہیں ہوگا۔

اُمت نے دین پھیلانے کی ذمہ داری کو نبھایا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد یہ ذمہ داری امت کے کاندھوں پر ہے الحمد للہ! اُمت نے اس ذمہ داری کو نبھایا ہے۔ یہ ہمارے ملک پاکستان، ہندوستان، افغانستان اور بنگلہ دیش اور آس پاس کے علاقوں میں اسلام کی حفاظت کا ظاہری سبب حضرت مجدد الف ثانی شاہ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامے ہیں۔ اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی قربانیاں ہیں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پورے خاندان کے علمی اور مجاہدانہ کارنامے ہیں۔ پھر آگے ان کے شاگرد در شاگرد جنھوں نے اس کام کو آگے چلایا اور انھوں نے مدارس قائم کیے جن میں دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم دہلی ڈھابیل کہ ان مدارس کی وجہ سے اسلام اپنی اصل شکل میں موجود ہے۔ آج تم دوسرے علاقوں میں جاؤ صرف نام مسلمانوں والے ہیں کہ بچی کا نام فاطمہ ہوگا اور بچے کا نام عبد اللہ ہوگا باقی اسلام کا ظالموں نے ان سے سب کچھ چھین لیا ہے کہ روس میں ستر سال تک پابندی رہی کہ کوئی شخص نہ قرآن پڑھ سکتا تھا، نہ نماز، نہ کلمہ پڑھ سکتا تھا۔ قرآن پڑھنے پر اور نماز پڑھنے پر سزائے موت تھی۔ کچھ علمائے کرام نے تہہ خانوں میں چھپ چھپا کر کام کیا جس سے کلمہ بچ گیا اور یہ کہ ہم مسلمان ہیں۔

تو فرمایا یہ دین مضبوط ہے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ﴾ اسی رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں ﴿وَاتَّقُوْهُ﴾ اور رب تعالیٰ سے ڈرو اور کسی سے نہ ڈرو اور رب تعالیٰ کی طرف رجوع کے لیے

سب سے بڑی چیز نماز ہے۔ فرمایا ﴿ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ﴾ اور قائم کرو نماز۔ جو نماز نہیں پڑھتا اس کو مسلمان کہنا بھی مشکل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے نماز کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے اسی لیے ساتھ ہی فرمایا ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ اور نہ ہو جاؤ مشرکوں میں سے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ "جس نے ایک نماز دانستہ چھوڑ دی وہ کھلا کافر ہو گیا۔" اور آج گھر کے گھر غرق ہیں کفر میں، جن کے اندر نماز کا احساس بھی نہیں ہے۔ اور جو نماز پڑھتے ہیں ان کو نماز کے آداب ہی کا علم نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ہم نے نماز کو باقی کس طرح رکھنا ہے۔ عورتیں لمبے ناخن رکھ لیتی ہیں ان پر ناخن پالش لگاتی ہیں۔ ململ کے باریک دوپٹے میں نماز پڑھتی ہیں اور تنگ ٹیڈی لباس میں نماز پڑھتی ہیں۔ ان تمام صورتوں میں قطعاً نماز نہیں ہوتی۔ اپنے گھروں کی نگرانی کرنا تمھاری ذمہ داری ہے اگر وضو کرتے وقت ناک کے کوکے والے سوراخ میں پانی نہ ڈالا تو نماز قطعاً نہیں ہوگی۔ کانٹے پہنے ہوئے ہیں اور غسل ضروری ہے اگر سوراخ میں پانی نہ گیا قطعاً غسل نہیں ہوگا۔ ان چیزوں کا لحاظ کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نماز پڑھنے کی توفیق دے اور شرک سے محفوظ فرمائے۔

﴿ مِنَ الَّذِيْنَ ﴾ ان لوگوں میں سے ﴿ فَرَّقُوْا ﴾ جنھوں نے تفرقہ ڈالا ﴿ دِيْنَهُمْ ﴾ اپنے دین میں ﴿ وَ كَانُوْا شِيَعًا ﴾ اور وہ شیعہ ہو گئے ﴿ كُلُّ حِزْبٍ ﴾ ہر گروہ ﴿ بِمَا لَدَيْهِمْ ﴾ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے ﴿ فَرِحُوْنَ ﴾ خوش ہونے والا ہے ﴿ وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ ﴾ اور جس وقت پہنچتی ہے لوگوں کو تکلیف ﴿ دَعَوْا رَبَّهُمْ ﴾ پکارتے ہیں اپنے رب کو ﴿ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ﴾ رجوع کرتے ہوئے اسی کی طرف ﴿ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً ﴾ پھر جس وقت اللہ تعالیٰ ان کو چکھاتا ہے اپنی طرف سے رحمت ﴿ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ﴾ اچانک ایک گروہ ان میں سے ﴿ بِرَبِّهِمْ ﴾ اپنے رب کے ساتھ ﴿ يُشْرِكُوْنَ ﴾ شرک کرنے لگتا ہے ﴿ لِيَكْفُرُوْا ﴾ تاکہ انکار کر دیں وہ ﴿ بِمَا ﴾ اس چیز کا ﴿ اٰتَيْنٰهُمْ ﴾ جو ہم نے ان کو دی ہے ﴿ فَتَمَتَّعُوْا ﴾ پس تم فائدہ اُٹھالو ﴿ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ پس عنقریب تم جان لو گے ﴿ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا ﴾ کیا ہم نے نازل کی ہے ان پر کوئی سند اور دلیل ﴿ فَهُوَ يَتَكَلَّمُ ﴾ پس وہ کلام کرتی ہے ﴿ بِمَا ﴾ اس چیز کے مطابق ﴿ كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴾ جس کی وجہ سے وہ شرک کرتے ہیں ﴿ وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً ﴾ اور جس وقت ہم چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت ﴿ فَرِحُوْا بِهَا ﴾ خوش ہو جاتے ہیں اس پر ﴿ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ﴾ اور اگر پہنچتی ہے ان کو کوئی تکلیف ﴿ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ﴾ بہ سبب اس کے جو آگے بھیجا ہے ان کے ہاتھوں نے ﴿ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴾ اچانک وہ نا اُمید ہو جاتے ہیں ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا ﴾ کیا نہیں دیکھا انھوں نے ﴿ اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ ﴾

بیشک اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق ﴿لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ جس کے لیے چاہتا ہے ﴿وَ یَقْدِرُ﴾ اور تنگ کرتا ہے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰیٰتٍ﴾ البتہ نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے۔

فرقہ بندی کی مذمت، شیعہ پہلا فرقہ

اس سے پہلے سبق میں تھا کہ ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا﴾ "آپ قائم کریں اپنے چہرے کو دین کے لیے یکسو ہو کر اور اللہ تعالیٰ کی فطرت کو لازم پکڑو جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے۔" وہ فطرت اسلام ہے توحید ہے۔ جو اس فطرت کے خلاف چلے گا وہ فرقہ بندی کا شکار ہوگا۔ لہٰذا آگے فرقہ بندی کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ﴾ ان لوگوں میں سے جنھوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا ﴿وَ كَانُوْا شِیَعًا﴾ اور ہو گئے گروہ در گروہ۔ شیعہ کا لفظی معنیٰ ہے گروہ۔ توحید کے مقابلے میں جو بھی سلسلہ ہوگا وہ گروہ بندی ہوگی۔ کلمہ پڑھنے والوں میں پہلا فرقہ شیعہ کا فرقہ ہے جس نے اسلام میں فتور ڈالا ہے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے عبداللہ بن سبا کی شرارت کی وجہ سے اور شوریٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تو انھوں نے کوشش کی کہ یہ افتراق ختم ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس کوشش کو دیکھ کر سبائی پارٹی بپھر گئی۔ (کیوں کہ خارجی بھی سبائیوں میں سے تھے۔ نواز بلوچ مرتب) تو انھوں نے سوچا کہ اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپس میں صلح کر لی تو ہمارا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

ایک روایت کے مطابق اس طرح ہے کہ انھوں نے ایک عورت کو آگے کیا جس پر عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی نامراد فریفتہ تھا اس عورت نے اس کو کہا کہ میں تیرے ساتھ نکاح کر لوں گی اس شرط پر کہ یہ تین چیزیں مجھے دے۔

(۱)......غرا تین ہزار درہم مہر لوں گی۔

(۲)......ایک غلام لوں گی۔

(۳)......اور علی کا سر لوں گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ عموماً صبح کی نماز کے لیے اندھیرے میں مسجد جاتے تھے۔ رمضان المبارک کی بیسویں تھی وہ شیطان راستے میں بیٹھ گیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ گزرے تو ان پر حملہ کر دیا۔ اس وقت تو وفات نہ ہوئی لیکن زخم اتنے کاری تھے کہ جاں بر نہ ہو سکے۔ تو خیر یہ تو طویل و عریض قصہ ہے۔ تو اسلام میں پہلا فرقہ شیعہ کا ہے جس نے دین میں فتور ڈالا۔ جس کا بانی عبداللہ بن سبا ہے۔ یہ اپنے آپ کو شیعان علی کہتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ میں سے ہیں۔

تو فرمایا ان لوگوں میں سے جنھوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور ہو گئے گروہ در گروہ ﴿كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ﴾ ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے خوش ہے۔ ہر عقیدے والا اپنے عقیدے پر خوش ہے۔ یہودی اپنے عقیدے

پر، عیسائی اپنے عقیدے پر، مجوسی اپنے عقیدے پر خوش ہیں، ہندو اپنے عقیدے پر خوش ہیں۔ حالاں کہ ہندوؤں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو عورتوں کی پوجا کرتے ہیں اور عورتیں مردوں کی پوجا کرتی ہیں، سانپ کی پوجا کرتے ہیں، درختوں اور دریاؤں کی پوجا کرتے ہیں۔ ان کے کسی بزرگ نے اس دریا کے پانی سے غسل کیا تھا تو یہ ان کے نزدیک متبرک ہو گیا اور اس کی پوجا شروع کر دی۔ درخت کے نیچے کوئی بزرگ بیٹھا تھا تو اس درخت کی پوجا شروع کر دی۔

۶ ھ ذوالقعدہ کے مہینے میں حدیبیہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ نے کیکر کے درخت کے نیچے پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے۔ تو ظاہر بات ہے کہ جس درخت کے نیچے آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہوئے اس کی شان کوئی کم تو نہیں ہے۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ [الفتح:۱۸] اس طرف جاتے ہوئے کچھ لوگ اس درخت کے نیچے برکت حاصل کرنے کے لیے بیٹھے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ بڑی دوررس تھی۔ انھوں نے سوچا کہ یہ حضرات تو پختہ عقیدہ رکھتے ہیں محض برکت حاصل کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں اور بعد میں آنے والے لوگ اس درخت کی پوجا شروع کر دیں گے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے فوجی افسر کو بھیج کر اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر اس کا نام و نشان مٹا دیا۔ تو یاد رکھنا! محض درخت کی کسی نے پوجا نہیں کی۔ اس درخت کی پوجا ہوئی ہے جہاں کوئی بزرگ بیٹھا ہے، محض پتھر کی پوجا نہیں ہوئی اس پتھر کی پوجا ہوئی ہے جو کسی بزرگ کی شکل میں تراشا گیا۔

تو فرمایا ہر گروہ جو اپنے پاس رکھتا ہے اس پر خوش ہے حالاں کہ عقل سے کام لینا چاہیے اور جو حق اور صحیح ہے اس پر خوش ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل سب کو دی ہے اگر اس کو استعمال کرے تو کھوٹی کھری بات کو پرکھ سکتا ہے۔ غلط بات پر خوش ہونا نادانی ہے۔ ﴿وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ﴾ اور جب پہنچتی ہے لوگوں کو تکلیف ﴿دَعَوْا رَبَّهُمْ﴾ تو پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو ﴿مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ﴾ اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے۔ مشرک بھی انتہائی مشکل میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے ﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ [العنکبوت:۶۵] "پس جب وہ سوار ہوتے ہیں کشتیوں پر تو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے اطاعت کو۔"

صحت اور بیماری سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

انسان کا مزاج ہے کہ جب پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے تو پھر رب تعالیٰ کو پکارتا ہے اس وقت رب اس کو یاد آتا ہے۔ غریب آدمی جلدی پکارتا ہے امیر ذرا دیر سے۔ ہاں! امیر آدمی صحیح العقیدہ ہو تو بات علیحدہ ہے۔ مثال کے طور پر مال دار بیمار ہو گا تو وہ پہلے ڈاکٹروں اور حکیموں کی طرف رجوع کرے گا۔ تھک ہار کے جب بے بس ہو جائے گا تو پھر رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا۔ اکثر امیر آدمی جب ہر طرف سے ناامید ہو جاتے ہیں تو آ کر کہتے ہیں حضرت جی! دعا کرو اللہ تعالیٰ مہربانی کرے۔ اور غریب کو جب تکلیف پہنچتی ہے تو پہلے قدم ہی پر کہتا ہے اے پروردگار! میرے پاس تو کچھ نہیں ہے میرا تو صرف تو ہے۔ تو نے

ہی کرم کرنا ہے۔

تو فرمایا جب ان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتے ہیں اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے ﴿ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً﴾ پھر جب رب ان کو اپنی طرف سے رحمت چکھاتا ہے ان کو صحت دے دیتا ہے، تکلیف سے نجات دے دیتا ہے ﴿اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ﴾ اچانک ایک گروہ ان میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے رب تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔ جب صحت یاب ہو گیا تکلیف دور ہو گئی تو پھر کیا کہتا ہے ڈاکٹر بڑا قابل تھا حکیم بڑا ماہر تھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے دوائیں بڑی قیمتی استعمال کی ہیں، میرا وکیل بہت تجربہ کار تھا اس نے بڑی محنت کی ہے۔ اگرچہ ان ظاہری اسباب کا نام لینا کوئی گناہ نہیں ہے مگر اعتماد رب تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہیے۔ یہ کہنا چاہیے کہ فلاں سبب بنا، شفا رب تعالیٰ نے دی ہے۔ ذریعہ وکیل بنا اللہ تعالیٰ نے مجھے مقدمہ سے نجات دی ہے۔ رب تعالیٰ کا نام پہلے ہو اور سبب کا بعد میں ہو۔ اسباب کو اسباب سمجھو۔ کئی لوگ اعلیٰ سے اعلیٰ ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں قیمتی سے قیمتی ادویہ استعمال کرتے ہیں لیکن شفا نہیں ملتی اعلیٰ سے اعلیٰ وکیل ہوتے ہیں اور مقدمہ ہار جاتے ہیں۔ اسباب میں اثر تو رب تعالیٰ نے رکھنا ہے۔

تو فرمایا کہ جب رب تعالیٰ مہربانی کر دیتے ہیں رحمت کر دیتے ہیں تو ایک فریق ان میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے ﴿لِیَكْفُرُوْا﴾ تاکہ انکار کر دیں ﴿بِمَآ اٰتَیْنٰهُمْ﴾ اس نعمت کا جو ہم نے ان کو دی ہے، صحت دی، مال دیا، رہائی دی۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَتَمَتَّعُوْا﴾ پس تم فائدہ اٹھا لو۔ کب تک فائدہ اٹھاؤ گے ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب تم جان لو گے۔ بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا اور کسی قسم کا کوئی خفا اور پردہ باقی نہیں رہے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے شرک کے رد میں فرمایا ﴿اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا﴾ کیا ہم نے نازل کی ہے ان پر کوئی دلیل۔ کیا کسی کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بزرگ، ولی، صاحب قبر کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ لوگوں کی مشکل کشائی، حاجت روائی کرے یا ان کے پاس کوئی دلیل ہے ﴿فَهُوَ یَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ یُشْرِكُوْنَ﴾ پس کلام کرتی ہے اس چیز کے مطابق جس کی وجہ سے یہ شرک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی بلکہ یہ از خود شرک کرتے ہیں اور اپنے لیے جہنم کا سامان پیدا کر رہے ہیں ﴿وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً﴾ اور جس وقت ہم چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت ﴿فَرِحُوْا بِهَا﴾ خوش ہو جاتے ہیں اس پر۔ گرمی تھی بارش ہوئی، موسم بدلا خوش ہوئے۔ پہلے غریب تھے مال دار کر دیا خوش ہو گئے، اولاد نہیں تھی رب تعالیٰ نے اولاد دے دی خوش ہو گئے ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ﴾ اور اگر پہنچتی ہے ان کو تکلیف ﴿بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ﴾ بہ سبب اس کے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔

تکالیف گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی کا سبب

اکثر انسانوں کو جو تکالیف آتی ہیں وہ ان کے گناہوں کا وبال ہوتی ہیں۔ اکثر اس لیے کہا کہ پیغمبروں کو جو تکالیف آتی ہیں

وہ گناہوں کی وجہ سے نہیں ہوتیں کیوں کہ پیغمبر تو معصوم ہوتے ہیں۔ اہل حق کا یہی نظریہ ہے۔ پیغمبروں کو جو تکلیفیں آتی ہیں وہ ان کے درجات کی بلندی کے لیے ہوتی ہیں اور اس لیے آتی ہیں کہ ان کے صحیح متبعین ان کے نقش قدم پر چلیں ان تکالیف پر صبر کریں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً "حضرت! یہ فرمائیں کہ انسانوں میں سے سب سے زیادہ تکلیفیں کن کو پیش آتی ہیں قَالَ الْاَنْبِیَآءُ فرمایا سب سے زیادہ تکلیفیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو آتی ہیں ثُمَّ الْاَمْثَلَ پھر اس کو جو درجے میں ان کے قریب ہوتا ہے ثُمَّ الْاَمْثَلَ پھر اس کو جو ان کے قریب ہوتا ہے یُبْتَلَی الرَّجُلُ عَلٰی قَدْرِ دِیْنِہٖ جتنا کسی کا دین ہوتا ہے اتنا ہی اس کا امتحان ہوتا ہے۔" لیکن عام لوگوں کو جو تکلیفیں آتی ہیں وہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہیں ﴿اِذَا ھُمْ یَقْنَطُوْنَ﴾ اچانک وہ نا اُمید ہو جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہونا گناہ ہے اور رب تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا بھی گناہ ہے۔ اسی لیے فرماتے ہیں کہ اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَ الرَّجَاءِ "ایمان دو چیزوں کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا بھی رہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اُمیدوار بھی رہے۔"

﴿اَوَلَمْ یَرَوْا﴾ کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے ﴿اَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق ﴿لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ جس کے لیے چاہے ﴿وَیَقْدِرُ﴾ اور تنگ کرتا ہے۔ رزق کا کشادہ اور تنگ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی رزق تنگ کر سکتا ہے نہ کشادہ کر سکتا ہے۔ مومن آدمی کا رزق اگر کشادہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا زکوٰۃ دے گا، قربانی دے گا، حج کرے گا، فطرانہ دے گا، اچھے کام کرے گا اور بُرا آدمی شرابیں پیے گا، بدمعاشیاں کرے گا ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک اس میں نشانیاں ہیں رب تعالیٰ کی قدرت کی۔ لیکن کس قوم کے لیے ﴿لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے۔ ضدی کے لیے سب نشانیاں بے کار ہیں۔

~~~

﴿فَاٰتِ﴾ پس دے دو ﴿ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ قریبی رشتہ دار کو اس کا حق ﴿وَالْمِسْكِیْنَ﴾ اور مسکین کو ﴿وَابْنَ السَّبِیْلِ﴾ اور مسافر کو ﴿ذٰلِكَ خَیْرٌ﴾ یہ بہتر ہے ﴿لِّلَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ﴾ جو ارادہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کا ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ﴿وَمَآ اٰتَیْتُمْ﴾ اور جو تم دیتے ہو ﴿مِّنْ رِّبًا﴾ سود ﴿لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ﴾ تاکہ بڑھے وہ لوگوں کے مالوں میں ﴿فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ پس وہ نہیں بڑھتا اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ﴾ اور جو تم دیتے ہو زکوٰۃ ﴿تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ﴾ ارادہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی رضا کا ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں کہ وہ اپنا اجر دگنا کرنے والے ہیں ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿خَلَقَكُمْ﴾ جس نے پیدا کیا تم کو ﴿ثُمَّ رَزَقَكُمْ﴾ پھر تمھیں روزی دی ﴿ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ﴾ پھر تمھیں مارے گا ﴿ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ﴾ پھر تمھیں زندہ کرے گا ﴿هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ﴾ کیا ہے
~~~

تمھارے شریکوں میں سے کوئی ﴿مَّنْ یَّفْعَلُ﴾ جو کرے ﴿مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ ان چیزوں میں سے کوئی چیز ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ﴿وَتَعٰلٰی﴾ اور بلند ہے ﴿عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ اس سے جو تم شرک کرتے ہو ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ﴾ ظاہر ہو چکا فساد ﴿فِی الْبَرِّ﴾ خشکی میں ﴿وَالْبَحْرِ﴾ اور سمندر میں ﴿بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ﴾ بہ سبب اس کے جو کمایا ہے لوگوں کے ہاتھوں نے ﴿لِیُذِیْقَهُمْ﴾ تاکہ چکھائے اللہ تعالیٰ لوگوں کو ﴿بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا﴾ بعض ان کاموں کا بدلہ جو انھوں نے کیے ہیں ﴿لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ تاکہ وہ واپس آجائیں ﴿قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ آپ اے پیغمبر کہہ دیں چلو زمین میں ﴿فَانْظُرُوْا﴾ پس دیکھو ﴿كَیْفَ كَانَ﴾ کیسا تھا ﴿عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ﴾ انجام ان لوگوں کا ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ جو اس سے پہلے تھے ﴿كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِیْنَ﴾ ان میں سے اکثر شرک کرنے والے تھے ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ﴾ پس قائم رکھ اپنے چہرے کو ﴿لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ﴾ سیدھے دین کی طرف ﴿مِنْ قَبْلِ﴾ پہلے اس سے ﴿اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ﴾ یہ کہ آئے وہ دن ﴿لَّا مَرَدَّ لَهٗ﴾ جس کے لیے ٹلنا نہیں ہے ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿یَوْمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ﴾ اس دن جدا جدا ہو جائیں گے ﴿مَنْ كَفَرَ﴾ جس نے کفر کیا ﴿فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ﴾ پس اسی پر اس کے کفر کا وبال ہوگا ﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا﴾ اور جس نے عمل کیا اچھا ﴿فَلِاَنْفُسِهِمْ﴾ پس اپنی جانوں کے لیے ﴿یَمْهَدُوْنَ﴾ تیاری کر رہے ہیں ﴿لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ﴾ تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اپنے فضل سے ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک وہ ﴿لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ﴾ نہیں پسند کرتا کافروں کو۔

مال خرچ کرنے کی جگہیں :

اس سے پہلی آیت کریمہ ہے ﴿اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ رزق کشادہ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔" چوں کہ رزق کا ذکر تھا تو آگے اس کے خرچ کرنے کی جگہیں بیان فرمائیں۔ فرمایا ﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ پس دے دو قریبی رشتہ دار کو اس کا حق ﴿وَالْمِسْكِیْنَ﴾ اور مسکین کو حق دو ﴿وَابْنَ السَّبِیْلِ﴾ اور مسافر کو اس کا حق دو ﴿ذٰلِكَ خَیْرٌ﴾ یہی بہتر ہے ﴿لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ﴾ ان لوگوں کے لیے جو ارادہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کا ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔ ان کو دنیا میں بھی کامیابی حاصل ہوگی اور آخرت میں بھی۔ اس سے پہلے مال کے ہاتھ سے نکل جانے کا ذکر تھا کہ قریبی رشتہ داروں کو دینا ہے، ضرورت مندوں کو دینا ہے، مسافروں کو دینا ہے، جس سے بظاہر مال کم ہوتا ہے لیکن حقیقتاً بڑھتا ہے۔ اس کے مدمقابل آگے سود کا بیان ہے کہ اس سے مال تو بڑھتا ہے لیکن اس

میں برکت نہیں ہوتی۔

سود اور صدقہ کی وضاحت

فرمایا ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا﴾ اور جو تم دیتے ہو سود۔ لوگوں سے قرض لیتے ہو اور سود کے ساتھ واپس کرتے ہو لِيَرْبُوَا۠ تا کہ وہ بڑھے ﴿فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ﴾ لوگوں کے مالوں میں ﴿فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ پس وہ نہیں بڑھتا اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ سود خوروں کو جو تم مال دیتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں بڑھتا ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ﴾ اور جو تم دیتے ہو زکوٰۃ ﴿تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ﴾ ارادہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی رضا کا ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں اپنے اجر اور ثواب کو دگنا کرنے والے۔ زکوٰۃ دینے سے مال میں کوئی کمی نہیں ہوتی حالاں کہ ظاہری طور پر سود سے رقم بڑھتی ہے اور زکوٰۃ سے کم ہوتی ہے۔

اس مقام پر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جنھوں نے پاکستان بننے کے بعد مغربی پاکستان میں سب سے پہلے پرچم لہرایا تھا۔ اس مقام پر لکھتے ہیں:

”یعنی سود بیاج سے گو بظاہر مال بڑھتا دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت میں وہ گھٹ رہا ہے جیسے کسی آدمی کا بدن ورم سے پھول جائے وہ بیماری یا پیام موت ہے اور زکوٰۃ نکالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کم ہو گا فی الحقیقت وہ بڑھتا ہے جیسے کسی مریض کا بدن سہل اور تنقیہ سے گھٹتا دکھائی دے مگر انجام اس کا صحت ہو۔ سود اور زکوٰۃ کا حال بھی انجام کے اعتبار سے ایسا ہی سمجھ لو۔“

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ [البقرۃ:۲۷۶] ”اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔“ تو سود کی رقم بظاہر بڑھتی نظر آتی ہے لیکن وہ مال کا ورم ہے سوجن ہے جو ہلاکت تک لے جائے گی۔ اور زکوٰۃ سے بظاہر مال گھٹتا نظر آتا ہے مگر تم اس کو اس طرح سمجھو بدن میں جب مواد فاسدہ جمع ہو جاتے ہیں تو اطباء لوگ اس کو جلاب دیتے ہیں کہ اس کے فاسد مادے خارج ہو جائیں۔ ظاہری طور پر جلاب لینے والا آدمی کمزوری محسوس کرتا ہے لیکن یہ اس کے لیے صحت کی علامت ہوتی ہے۔ پہلے حکماء کا طریقہ علاج بڑا آسان اور زود اثر ہوتا تھا۔ وہ مریض کو سب سے پہلے جلاب دیتے تھے تا کہ جو فاسد مادے اکٹھے ہوئے ہیں وہ خارج ہو جائیں۔ فاسد مادوں سے کئی طرح کی تکلیفیں شروع ہو جاتی ہیں عموماً کہتے ہیں کہ چھوٹے بچے کو ڈوا ہو گیا ہے چھاتی کھڑکتی ہے۔ یہ سب بلغم وغیرہ معدے اور چھاتی میں جمع ہو جاتی ہے بچوں کو تم کسٹرول پلاؤ وہ ٹھیک ہو جائیں گے اور کسی علاج کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جب تک وہ مواد فاسدہ بدن سے نکل نہیں جائیں گے بچے کو صحت نہیں ہو گی۔ بلغم دوائیاں کھلانے سے تحلیل نہیں ہوتی اور معدہ اس کو جلدی ہضم کرتا ہے۔ کسٹرول کا جلاب دو گے اندر صاف ہو جائے گا نہ ڈوا رہے گا نہ اور کچھ رہے گا۔

یہ ساری تقریر اس صورت میں ہے کہ ربا سے سود مراد لیا جائے۔ جب کہ اس آیت کریمہ کی ایک دوسری تفسیر بھی کرتے ہیں کہ ربٰوا سے مراد وہ زیادتی ہے جو کسی لین دین کے معاملے میں کی جائے۔ مثلاً: ایک شخص دوسرے شخص کو اس نیت سے تحفہ دیتا ہے کہ وہ مجھے اس سے بہتر تحفہ دے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں بڑھتا کیوں کہ اس کا ارادہ اچھا نہیں ہے اس لیے ثواب سے

محروم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمھیں پیدا کیا ﴿ثُمَّ رَزَقَکُمْ﴾ پھر اس نے تمھیں رزق دیا ﴿ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ﴾ پھر وہ تمھیں مارے گا ﴿ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ﴾ پھر وہ تمھیں زندہ کرے گا قیامت والے دن ﴿ھَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ﴾ کیا ہیں تمھارے شریکوں میں سے جن کو تم نے رب کا شریک بنایا ہوا ہے ﴿مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِکُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ جو کریں ان کاموں میں سے کوئی کام۔ تمھیں پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا رزق وہ دیتا ہے مارے گا بھی وہی، دوبارہ زندہ بھی وہی کرے گا۔ تم نے جن کو رب تعالیٰ کا شریک بنایا ہے ان میں سے کوئی ہے جو یہ کام کر سکے؟ ہرگز نہیں! ﴿سُبْحٰنَہٗ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ﴿وَتَعٰلٰی﴾ اور بلند ہے ﴿عَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾ اس چیز سے جو تم شرک کرتے ہو۔ رب تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ اس کے افعال میں۔

فسادات ہمارے اعمال کا نتیجہ

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ ظاہر ہو چکا فساد خشکی میں اور سمندر میں بھی۔ کیوں ﴿بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ﴾ بہ سبب اس کے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمائی کی ہے۔ لوگوں کے کرتوت جوں جوں بڑھتے ہیں اس کے ذریعے فساد بڑھتا ہے۔ یہ تو اُس زمانے کی بات ہے جب آج کی نسبت گناہ کم تھے اور آج چوں کہ گناہ بہت زیادہ ہو گئے ہیں لہٰذا ﴿ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ کے ساتھ فِی الْجَوِّ وَ الْخَلَآءِ وَ تَحْتَ الْبَحْرِ بھی ہو گیا ہے۔ خلا میں بھی اور پانی کے نیچے بھی۔ جوں جوں گناہ بڑھتے جائیں گے دنیا میں فسادات بھی بڑھتے جائیں گے اور امام مہدی علیہ السلام کا ظہور جب ہوگا مُلِئَتِ الْاَرْضُ ظُلْمًا وَّ جَوْرًا "زمین ظلم اور جور سے بھری ہوئی ہوگی۔" ظلم کا معنیٰ ہے رب کے حقوق پامال کیے جائیں گے اور جور کا معنیٰ ہے بندوں کے حقوق پامال کیے جائیں گے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے حقوق محفوظ ہوں گے نہ بندوں کے حقوق محفوظ ہوں گے۔

امام مہدی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے وقتِ نزول کی برکات

حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو امن قائم ہوگا اور برکتیں نازل ہوں گی۔ صحیح روایت میں ہے کہ ایک بکری اتنا دودھ دے گی کہ وہ کئی گھروں کو کفایت کرے گا ایک گائے اتنا دودھ دے گی کہ کئی خاندانوں کو کفایت کرے گا، ایک انار اتنا بڑا ہوگا کہ اس کو کاٹ کر دو حصے کیے جائیں تو آدھے کے نیچے کئی آدمی رہ سکیں۔ اس زمانے میں بھیڑ، بکریاں، شیر، بھیڑیے، گیدڑ اکٹھے پھریں گے کوئی کسی سے نہیں ڈرے گا، سانپوں کے ساتھ بچے کھیلیں گے وہ ڈسیں گے نہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا عدل کا تھا کہ میں نے ایک تر، ناپی جو کھاتے ہیں، تیرہ ہاتھ لمبی تھی۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداؤد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک دور ایسا بھی تھا کہ گندم کا ایک دانہ کوفہ اور بصرہ کی کھجور کی طرح تھا اور اب دیکھو! گندم کے دانے کہاں پہنچے ہوئے ہیں۔

تو عدل و انصاف کی بڑی برکات ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک حد قائم کی جائے

تو اس کی اتنی برکت ہے کہ جیسے چالیس دن وقفے وقفے کے ساتھ مناسب حالات میں بارش برسے۔یعنی چالیس دن تک اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی رہتی ہے۔ایک حد قائم ہونے کی اتنی برکت ہے۔دیکھو! طالبان نے حدود اللہ قائم کی ہیں تو وہاں نہ چوری ہے نہ ڈاکا ہے نہ قتل و غارت ہے سب لوگ باز آ گئے ہیں مگر باطل قوتوں امریکہ، برطانیہ، فرانس وغیرہ کو یہ چیز ہضم نہیں ہو رہی اور کابل پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں کہ طالبان کی حکومت ختم ہو جائے حالاں کہ اس وقت دنیا میں صرف یہی خطہ ہے جہاں قرآن و حدیث کے احکام نافذ ہیں۔دنیا میں اور کوئی خطہ نہیں ہے بشمول سعودی عرب کے جہاں مکمل اسلامی نظام نافذ ہو۔ اللہ تعالیٰ طالبان کی نصرت فرمائے۔

تو فرمایا فساد ظاہر ہو گا خشکی میں اور سمندر میں لوگوں کے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے ﴿لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا﴾ تاکہ چکھائے ان کو اللہ تعالیٰ بعض ان کاموں کا بدلہ جو انھوں نے کیے ہیں۔مکمل نتیجہ تو قیامت کو نکلے گا ان فسادوں کا تھوڑا سا مزہ دنیا میں چکھا دیا جائے گا ﴿لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ تاکہ وہ واپس آ جائیں۔اپنے گناہوں اور شرارتوں سے باز آ جائیں۔ اگر ان کو ہماری بات سمجھ نہیں آتی تو ﴿قُلْ﴾ آپ اے نبی کریم ﷺ! ان سے کہہ دیں ﴿سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ چلو پھرو زمین میں ﴿فَانْظُرُوْا﴾ دیکھو! ﴿کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلُ﴾ کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔تباہی کی بہت ساری وجوہات ہیں لیکن ﴿کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّشْرِکِیْنَ﴾ ان میں سے اکثر شرک کرنے والے تھے۔تباہ ہونے والوں کی اکثریت مشرک تھی۔سب سے بڑا جرم ان کا شرک تھا۔جنس پرستی، ڈاکے ڈالنا، ناپ تول میں کمی کرنا مختلف قسم کی بیماریاں ان میں تھیں لیکن بنیادی وجہ شرک تھا۔

قیامت کا آنا ضروری ہے

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ﴾ اے نبی کریم ﷺ! اپنا چہرہ دین کی طرف سیدھا رکھیں۔یہ آپ ﷺ کو خطاب کر کے اُمت کو سمجھایا گیا ہے کہ اپنا چہرہ دین کی طرف سیدھا رکھو ﴿مِنْ قَبْلِ﴾ اس سے پہلے ﴿اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ﴾ آئے وہ دن ﴿لَّا مَرَدَّ لَهٗ﴾ جس کے لیے ٹلنا نہیں ہے ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔قیامت ضرور آئے گی کیوں کہ اگر قیامت قائم نہ ہو تو دنیا میں تو نیک کو نیکی کا پورا بدلہ نہیں ملا اور نہ بُرے کو برائی کی پوری سزا ملی ہے بلکہ دنیا میں ایسے بندے بھی ہوئے ہیں کہ ان کو نیکی کا بدلہ ملا ہی نہیں ہے۔

دور جانے کی ضرورت نہیں ہے آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کون نیک ہو سکتا ہے؟ مگر آنحضرت ﷺ کے پاس چھوٹا سا کمرہ تھا اور اس میں چراغ بھی نہیں تھا یعنی روشنی کا انتظام نہیں تھا۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر دو دو مہینے مسلسل چولہا نہیں جلتا تھا کہ پکانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا عام قسم کی کھجوریں ہوتی تھیں اور وہ اتنی سخت ہوتی تھیں کہ دانتوں والا آدمی چبا سکتا تھا جس بے چارے کے دانت نہیں ہوتے تھے وہ چبا بھی نہیں سکتا تھا۔اور ایسے

مجرم بھی ہوئے ہیں جو اپنے آپ کو رب الاعلیٰ کہتے تھے فرعون جیسے۔ ان کو برائی کا پورا بدلہ نہیں ملا۔ کیا ہوا بحر قلزم میں ڈوبا، پانی پیا اور مرا۔ لیکن یہ اس کے مظالم کا پورا بدلہ تو نہیں ہے۔ اس نے ہزاروں بچے قتل کرائے، مخالفین کو آگ میں جلایا، لوگوں سے بیگار لی۔ تو اگر قیامت قائم کر کے نیک کو نیکی کا بدلہ نہ دیا جائے اور برے کو برائی کی سزا نہ دی جائے تو پھر تو اندھیر نگری ہوئی۔ اس لیے قیامت ضرور قائم ہوگی ٹلے گی ہرگز نہیں ﴿يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ﴾ اس دن لوگ گروہ در گروہ ہوں گے۔ بے نمازوں کا گروہ الگ، روزے خوروں کا الگ، شرابیوں کا الگ اور زانیوں کا الگ ہوگا۔ جھوٹوں کا الگ، مکاروں کا الگ اور ظالموں کا الگ ہوگا مَنْ كَفَرَ جس نے کفر کیا ﴿فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ﴾ پس اسی پر اس کا کفر پڑے گا یعنی کفر کا وبال اس پر پڑے گا ﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا﴾ اور جس نے عمل کیے اچھے ﴿فَلِأَنفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ﴾ پس وہ اپنے نفسوں کے لیے تیاری کر رہے ہیں۔ انسان کو ہر وقت آخرت کی تیاری میں رہنا چاہیے ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے اللہ تعالیٰ ان کو بدلہ دے گا ﴿مِن فَضْلِهِ﴾ اپنے فضل سے۔ کیونکہ اس پر لازم نہیں ہے وہ مختار ہے وہ اپنے فضل اور عنایت سے بدلہ دے گا ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ بے شک وہ پسند نہیں کرتا کافروں کو۔ اللہ تعالیٰ کی محبت مومنوں کے ساتھ ہے کافروں کے ساتھ نہیں ہے۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿أَن يُرْسِلَ الرِّيَاحَ﴾ کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو ﴿مُبَشِّرَاتٍ﴾ جو خوش خبری لانے والی ہوتی ہیں ﴿وَلِيُذِيقَكُم﴾ اور تاکہ چکھائے تمھیں ﴿مِّن رَّحْمَتِهِ﴾ اپنی رحمت سے ﴿وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ﴾ اور تاکہ چلیں کشتیاں ﴿بِأَمْرِهِ﴾ اس کے حکم کے ساتھ ﴿وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ﴾ اور تاکہ تلاش کرو تم اللہ تعالیٰ کے فضل کو ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ اور تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے ﴿مِن قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿رُسُلًا﴾ کئی رسول ﴿إِلَىٰ قَوْمِهِمْ﴾ ان کی قوموں کی طرف ﴿فَجَاءُوهُم﴾ پس وہ آئے ان کے پاس ﴿بِالْبَيِّنَاتِ﴾ واضح دلائل لے کر ﴿فَانتَقَمْنَا﴾ پس ہم نے انتقام لیا ﴿مِنَ الَّذِينَ﴾ ان لوگوں سے ﴿أَجْرَمُوا﴾ جنھوں نے جرم کیا تھا ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا﴾ اور ہے لازم ہمارے ذمے ﴿نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ مومنوں کی مدد کرنا ﴿اللَّهُ الَّذِي﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿يُرْسِلُ الرِّيَاحَ﴾ جو چلاتا ہے ہواؤں کو ﴿فَتُثِيرُ سَحَابًا﴾ پس وہ ہوائیں اُٹھاتی ہیں بادلوں کو ﴿فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ﴾ پھر اللہ تعالیٰ بکھیر دیتا ہے ان بادلوں کو آسمان میں ﴿كَيْفَ يَشَاءُ﴾ جس طرح چاہے ﴿وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا﴾ اور کرتا ہے اس کو تہہ بہ تہہ ﴿فَتَرَى الْوَدْقَ﴾ پس آپ دیکھیں گے بارش کو ﴿يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ﴾ نکلتی ہے ان کے درمیان سے ﴿فَإِذَا أَصَابَ﴾

بِہٖ﴾ پس جب وہ پہنچاتا ہے بارش ﴿مَنْ یَّشَآءُ﴾ جس کو چاہے ﴿مِنْ عِبَادِہٖۤ﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿اِذَا هُمْ﴾ تو اچانک وہ ﴿یَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ خوش ہو جاتے ہیں ﴿وَ اِنْ كَانُوْا﴾ اور تحقیق تھے وہ ﴿مِنْ قَبْلِ﴾ اس سے پہلے ﴿اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ﴾ ان پر بارش نازل کی جاتی ﴿مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ ان کے نازل ہونے سے پہلے ﴿لَمُبْلِسِیْنَ﴾ البتہ نا اُمید ﴿فَانْظُرْ﴾ پس دیکھ ﴿اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نشانات کو ﴿كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ﴾ کیسے زندہ کرتا ہے زمین کو ﴿بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ اس کے مرنے کے بعد ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک یہی رب ﴿لَمُحْیِ الْمَوْتٰى﴾ البتہ زندہ کرے گا مردوں کو ﴿وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

41
41

تفسیر آیات

تمام مشرکین کا تو نہیں بعض کا یہ عقیدہ تھا اور اب بھی ہے کہ قیامت کوئی چیز نہیں ہے۔ بس یہی دنیا کی زندگی ہے مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں نیکی اور بدی کا صلہ اسی دنیا میں مل جاتا ہے۔ حالاں کہ ان کا یہ خیال قطعی طور پر باطل تھا۔ قیامت حق ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جنت بھی سامنے ہوگی اور دوزخ بھی سامنے۔ اور ان کا یہ خیال بھی ہے کہ ہر نیکی کا صلہ دنیا میں مل جاتا ہے اور ہر بدی کی سزا دنیا میں مل جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی نیک نہیں ہے مگر دو دو مہینے تک آپ کے گھر آگ نہیں جلتی تھی کہ پکانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ دقل ردی قسم کی کھجوریں بھی دو دن سیر ہو کر کھانی نصیب نہیں ہوئیں، پانی کی بھی دقت تھی۔

تو یہ کہنا کہ ہر نیکی کا صلہ دنیا میں مل جاتا ہے غلط ہے اور ایسے باغی اور مجرم بھی دنیا میں گزرے ہیں اور قیامت تک رہیں گے جن کو برائی کا پورا بدلہ نہیں ملا۔ فرعون نے اور مظالم کے علاوہ بارہ ہزار بچے قتل کیے اللہ تعالیٰ کے دو پیغمبروں کو ستایا، موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو، لیکن کیا بدلہ ملا دریا میں دو غوطے کھائے اور مر گیا۔ یہ سارے گناہوں کی سزا تو نہیں بن سکتی۔ لہٰذا ان لوگوں کا نظریہ غلط ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی بلکہ ضرور قائم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی قیامت کے اثبات کے لیے بعض دلائل کی طرف توجہ دلائی ہے۔

فرمایا ﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ﴾ کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو ﴿مُبَشِّرٰتٍ﴾ جو بارش سے پہلے خوش خبری لانے والی ہوتی ہیں۔ بارش سے پہلے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں جس سے سمجھ دار لوگ اندازہ لگا لیتے ہیں کہ ان شاء اللہ اب بارش ہوگی، گرمی ختم ہوگی، خشک سالی دور ہوگی، یہ ہوائیں رب ہی تو چلاتا ہے ﴿وَ لِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ چکھائے تمھیں اپنی رحمت سے کچھ۔ ٹھنڈی ہوا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ دیکھو! آج کیسا موسم ہے آج سے تین دن پہلے سانس لینا مشکل تھا مگر ہم لوگ رب تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے ﴿وَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ

﴿بِاَمْرِہٖ﴾ اور تاکہ چلیں کشتیاں اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ۔ پہلے زمانے میں کوئلہ، پٹرول، بجلی وغیرہ نہیں ہوتے تھے بس کشتیاں ہواؤں کے زور پر چلتی تھیں بڑے مضبوط ٹاٹ انھوں نے باندھے ہوئے تھے ان کے ذریعے ہوا کشتیوں کو لے کر چلتی تھی۔ تو یہ ہوائیں کس کے حکم سے چلتی ہیں ﴿وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ﴾ اور تاکہ تلاش کرو تم اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔ اِدھر کی چیزیں اُدھر لے جاؤ، اُدھر کی اِدھر لے آؤ۔ تجارت کرو تاکہ لوگوں کے لیے سہولت ہو، ضروریات زندگی پر دسترس ہو ﴿وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تاکہ تم شکر ادا کرو کہ ایک ہوا میں کتنے فائدے ہیں بارش کی خوش خبری بھی دیتی ہے گرمی بھی دور ہوتی ہے کشتیوں کو بھی چلاتی ہے اور تم اس سے سانس بھی لیتے ہو ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں

جتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں وہ سارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد اب دنیا میں کوئی پیغمبر پیدا نہیں ہوگا اور جو پیدا ہوگا اور نبوت کا دعویٰ کرے گا جھوٹا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد کئی ملعونوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس وقت بھی امریکہ میں ایک سیاہ فام جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوا ہے۔ کذاب اور دجال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا کذاب اور دجال ہوگا۔

دلاور چیمہ قصبہ ہے احمد نگر کے قریب ضلع گوجرانوالا ہی میں، وہاں ایک عالم تھے مولانا ابو القاسم رفیق احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے میں نے حضرت کو جب دیکھا تو اس وقت وہ میری طرح عمر رسیدہ تھے۔ انھوں نے بڑی قیمتی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک ہے "عماد الدین" اردو میں ہے۔ اس میں نماز اور روزمرہ کے درپیش آنے والے مسائل ہیں۔ اور ایک بے نظیر کتاب "ائمہ تردید" انھوں نے لکھی ہے۔ اس میں انھوں نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی سے لے کر اپنے وقت کے عبد اللطیف گناچوری تک جس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا دنیا کے جس خطے میں اور جہاں جہاں جھوٹے مہدی پیدا ہوئے ان کے مفصل حالات لکھے ہیں۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد کوئی سچا پیغمبر پیدا نہیں ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے آسمان پر زندہ تشریف فرما ہیں قیامت کے قریب اُتریں گے مگر ان کی آمد سے ختم نبوت پر کوئی زد نہیں پڑتی بلکہ میں کہتا ہوں کہ سارے پیغمبر بھی تشریف لے آئیں تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت پر کوئی زد نہیں پڑے گی۔ کیوں کہ تعداد تو اتنی ہی رہنی ہے جتنی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے بلند ہے بہ خلاف اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی مانیں تو اس سے ختم نبوت پر زد پڑے گی۔

تو خیر عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر کوئی زد نہیں پڑے گی اور وہ قرب قیامت میں ضرور تشریف لائیں گے اور میرے اندازے کے مطابق ان کے آنے کے حالات بن رہے ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طویل

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: هَلَاكُ سِنْدٍ بِالْهِنْدِ وَهلاك هند بِالصِّين " سندھ کا علاقہ ہندوستان کے ذریعے تباہ ہوگا اور ہندوستان چین کے ذریعے تباہ ہوگا۔" اور ایک وقت آئے گا تمھاری ہندوستان کے ساتھ لڑائی ہوگی۔ یہ تیاریاں ایسے تونہیں ہورہیں۔ نسائی شریف میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا دو گروہوں پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ حرام کردی ہے عِصَابَةٌ تَغْزُوْا الْهِنْدَ "ایک گروہ جو ہندوستان کے ساتھ لڑے گا اور ایک وہ گروہ جو عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دے گا۔" وقت کا انتظار کرو۔

تو فرمایا ہم نے بھیجے آپ سے پہلے کئی پیغمبر ﴿اِلٰى قَوْمِهِمْ﴾ ان کی قوموں کی طرف ﴿فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ پس وہ آئے واضح دلائل کے ساتھ لیکن قوم نے پیغمبروں کو نہ مانا ان کی تبلیغ کو تسلیم نہ کیا ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا﴾ پس ہم نے انتقام لیا ان سے جنھوں نے جرم کیے ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ہے لازم ہمارے ذمہ مومنوں کی مدد کرنا۔

ایک سنت کے چھوڑنے پر فتح میں تاخیر

اگر کسی مقام پر مدد نہیں ہوتی تو سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان میں کمی ہے یا ایمان کے کسی کام میں کوتاہی ہے یا نیت میں فتور ہوگا کوئی نہ کوئی چیز ہوگی۔ صرف مسواک کی سنت چھوڑنے کی وجہ سے مصر کے علاقہ میں قلعہ بولس فتح نہیں ہورہا تھا حالانکہ مسواک کرنا مستحب ہے اور یہ عمل کچھ ساتھیوں سے رہ گیا تھا حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھنا پڑا کہ اے امیر المومنین! دو مہینے ہوگئے ہیں محاصرہ کیے ہوئے اور آٹھ ہزار فوج میرے پاس ہے ہمیں امداد بھیجو فوج کے ساتھ اور دعا بھی کرو اور طریقہ بھی بتلاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خط پڑھ کر زار و قطار رو پڑے۔ ساتھیوں نے پوچھا حضرت! خط کہاں سے آیا ہے؟ فرمایا مصر سے۔ ساتھی سمجھے کہ شاید سارے مجاہد شہید ہوگئے ہیں۔ فرمایا نہیں۔ حضرت! کیا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے ہیں؟ فرمایا نہیں۔ حضرت کیا فلاں ساتھی شہید ہوگئے ہیں؟ فرمایا نہیں؟ حضرت! پھر آپ روتے کیوں ہیں؟ فرمایا دو ماہ ہوچکے ہیں قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے اور قلعہ فتح نہیں ہورہا میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ: قَدْ تَرَكُوْا سُنَّةً مِّنْ سُنَنِ النَّبِيِّ ﷺ " کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی سنت رہ گئی ہے جس کی وجہ سے قلعہ فتح نہیں ہورہا۔" نباض حکیم ہوتے تھے وہ نبض دیکھ کر بتلا دیتے تھے کہ اس کو یہ بیماری ہے آج مشینیں نہیں بتلاسکتیں۔ وہ زبان دیکھ کر بتلا دیتے تھے آج بڑے سے بڑا ڈاکٹر بھی تمھاری علامتیں بتلانے سے بیماری نہیں سمجھ سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نباض تھے سمجھ گئے کہ کمی کیا ہوئی ہے۔ فرمایا آنحضرت ﷺ کی کوئی سنت رہ گئی ہے اور بات بھی یہی تھی جب سنت پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمادی۔

تو فرمایا لازم ہے ہمارے ذمہ مومنوں کی مدد کرنا ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو ہوائیں چلاتا ہے ﴿فَتُثِيْرُ سَحَابًا﴾ پس وہ اٹھاتی ہیں بادلوں کو ﴿فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ﴾ پھر وہ پھیلاتا ہے بکھیر دیتا ہے ان بادلوں کو آسمان میں ﴿كَيْفَ يَشَآءُ﴾ جس طرح چاہے۔ جسے جہاں پہنچانا ہوتا ہے وہاں پہنچا دیتا ہے ﴿وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا﴾ اور کرتا ہے اس کو تہہ بہ تہہ۔

کبھی ہوائی جہاز کا سفر کرو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ اُوپر نیچے بادلوں کی کیسے تہہ لگی ہوئی ہے اور سفید کالے رنگ کے کیسے پہاڑ ہیں بادلوں کے ﴿ فَتَرَى الْوَدْقَ ﴾ پھر اے مخاطب! تو دیکھے گا بارش کو ﴿ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ﴾ نکلتی ہے ان کے درمیان سے ﴿ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ ﴾ پس جب وہ پہنچاتا ہے بارش جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے ﴿ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴾ تو اچانک وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ دیکھو! پچھلے دنوں کتنی شدید گرمی تھی بارشیں شروع ہوئیں تو لوگوں نے خوشی منائی لیکن اس پر ہم نے خدا کا شکر ادا نہیں کیا رب تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا۔ جب ایسا ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اسی بارش کو عذاب بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ آج کل کی بارشیں بعض علاقوں میں عذاب کی شکل اختیار کر گئی ہیں۔

کل میں نے عرض کیا تھا کہ ریڈیو پر مختصر سی خبر آئی ہے کہ حالیہ بارشوں کے نقصات کے اعداد و شمار جمع ہو رہے ہیں اندازہ ہے کہ دو ارب چالیس کروڑ کا نقصان ہوا ہے۔ یہ عذاب ہمارے حکمرانوں کی وجہ سے آرہے ہیں ان کا وجود ہمارے لیے عذاب ہے اور اس کا سبب ہم خود ہیں کہ ہمارے ووٹوں سے آئے ہیں۔ لوگ اپنا ذہن اسباب کی طرف لے جاتے ہیں اصل علت نہیں سمجھتے کہ ان آفتوں کی علت کیا ہے؟

اے باد صبا ایں ہمہ آور دہ تست

"اے باد صبا! یہ سارا تیرا لایا ہوا ہے۔" یہ سب ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ عذاب کی مختلف شکلیں ہیں کبھی اللہ تعالیٰ کسی طریقہ سے عذاب مسلط کرتا ہے کبھی کسی طریقہ سے مسلط کرتا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۵ میں ہے ﴿ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ﴾ "مسلط کیے ہم نے تمھارے اُوپر اپنے بندے سخت لڑائی والے پھر وہ گھس گئے شہروں کے درمیان۔" یہ ایران کا بُخت نصر تھا۔ جس کی فوجوں نے بنی اسرائیل کو تباہ و برباد کر دیا۔ جب بندہ نافرمانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے چاہے سکھوں کو مسلط کر دے چاہے ہندوؤں کو عذاب کی شکل میں مسلط کر دے۔

تو فرمایا جب بارش ہوتی ہے تو یہ خوش ہو جاتے ہیں ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ ﴾ علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اِنْ، قَدْ کے معنیٰ میں ہے جیسے سورۃ الاعلیٰ میں بھی اِنْ، قَدْ کے معنیٰ میں ہے ﴿ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴾ "پس آپ نصیحت کریں تحقیق نفع دے گی نصیحت کرنا۔" دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ اِنْ مخففہ مِنَ المُثقلہ ہے یعنی اصل میں اِنَّ تھا پھر شد کو ختم کر دیا تو اِنْ رہ گیا۔ معنیٰ ہوگا اور تحقیق تھے وہ اس سے پہلے ﴿ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ ﴾ کہ ان پر بارش نازل کی جاتی ﴿ مِّنْ قَبْلِهٖ ﴾ بارش ہونے سے پہلے ﴿ لَمُبْلِسِيْنَ ﴾ البتہ نا اُمید۔ بارش ہونے سے پہلے وہ نا اُمید تھے ﴿ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ ﴾ پس دیکھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نشانات کو۔ بارش اس کی رحمت کی نشانی ہے، ہوائیں اس کی رحمت کی نشانی ہے، کشتیوں کا چلنا اس کی رحمت کی نشانی ہے، فصلوں کا پیدا ہونا اس کی رحمت کی نشانی ہے، درختوں کا اُگنا، پھلوں کا لگنا اس کی رحمت کی نشانی ہے۔

فرمایا دیکھو! ﴿ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ رب تعالیٰ کیسے زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد۔ بارشیں نہ ہوں تو زمین سڑ مر جاتی ہے بارشیں ہونے کے بعد گھاس، پودے، سبزیاں، فصلیں پیدا ہوتی ہیں زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ یہ تمام

چیزیں بیان کرنے کے بعد رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ بے شک جس رب نے یہ سارے کام کیے ہیں وہی مردوں کو زندہ کرے گا ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

﴿وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا﴾ اور اگر ہم بھیج دیں ہوا ﴿فَرَاَوْهُ﴾ پس یہ دیکھیں اس کو ﴿مُصْفَرًّا﴾ زرد ﴿لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ البتہ ہو جائیں وہ اس کے بعد ﴿يَكْفُرُوْنَ﴾ ناشکری کرنے والے ﴿فَاِنَّكَ﴾ پس بے شک آپ ﴿لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ نہیں سنا سکتے مردوں کو ﴿وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ﴾ اور نہیں سنا سکتے بہرے کو پکار ﴿اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ﴾ جب کہ وہ پشت پھیر کر جا رہے ہیں ﴿وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ﴾ اور آپ نہیں ہدایت دے سکتے اندھوں کو ﴿عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ﴾ ان کی گمراہی سے ﴿اِنْ تُسْمِعُ﴾ آپ نہیں سنا سکتے ﴿اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ﴾ مگر ان کو جو ایمان لائے ﴿بِاٰيٰتِنَا﴾ ہماری آیتوں پر ﴿فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ پس وہ مسلمان ہیں ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿خَلَقَكُمْ﴾ جس نے پیدا کیا تم کو ﴿مِّنْ ضُعْفٍ﴾ کمزوری سے ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً﴾ پھر بنائی اس نے کمزوری کے بعد قوت ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا﴾ پھر بنائی اس نے قوت کے بعد کمزوری ﴿وَّشَيْبَةً﴾ اور بڑھاپا ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ پیدا کرتا ہے جو چاہے ﴿وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ﴾ اور وہ سب کچھ جاننے والا قدرت والا ہے۔

ربطِ آیات

اس سے پچھلی آیات میں تھا ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو ہواؤں کو چلاتی ہے وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور آسمان میں بکھیر دیتی ہیں بارش برستی ہے لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ اب اس کے مقابلے میں دوسری ہوا کا ذکر ہے ﴿وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا﴾ اور اگر ہم بھیجیں ہوا ایسی تند و تیز ﴿فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا﴾ پس دیکھیں وہ اپنی کھیتی کو زرد۔ یعنی کھیتی پکنے سے پہلے تند و تیز ہوا بھیجیں کہ کھیتی زرد ہو جائے ﴿لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ البتہ ہو جائیں اس زرد کھیتی کو دیکھنے کے بعد ﴿يَكْفُرُوْنَ﴾ ناشکری کرنے والے کہ ہم پر بڑا ظلم ہوا ہے ہمارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔ واہی تباہی جو زبان سے نکلے بولیں۔

یہ ہوا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور ایسی نعمت ہے کہ صرف جان دار ہی نہیں بلکہ درختوں اور جمادات تک کی بقا کا ذریعہ ہے ہم سانس لیتے ہیں اگر باہر نہ آئے تو زندگی ختم ہو جائے۔ لیکن یہ ہوا اللہ تعالیٰ نے مفت دی ہے۔ یہ ہوا اگر موافق چلے تو انسان خوش ہوتا ہے اور اگر اسی کو عذاب بنا دے جیسے عاد قوم کے لیے بنایا تو ناشکرا ہو جاتا ہے۔ تو انسان کو سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نعمت

کو عذاب بھی بنا سکتا ہے۔ پانی نعمت ہے مگر سیلاب عذاب ہوتا ہے اس کے لیے دلیل کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ کھانا نعمت ہے مگر جب ہیضے کی شکل اختیار کر لے تو عذاب بن گیا۔ رب تعالیٰ کے لیے کیا مشکل ہے لیکن انسان کا مزاج ہے کہ راحت و آرام میں خوش رہتا ہے اور دکھ تکلیف میں زبان سے ایسے الفاظ نکالتا ہے کہ پہلی تمام نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری ہو جاتی ہے۔ یہ بھی گناہ کی بات ہے۔ حالاں کہ دکھ تکلیف ہمارے اعمال کے نتیجے میں ہوتی ہے اپنے اعمال کی اصلاح کرنی چاہیے۔

فرمایا ﴿فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ پس بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے ﴿وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ﴾ اور نہیں سنا سکتے بہروں کو پکار جب وہ لوٹیں پیٹھ پھیر کر۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ مردوں بہروں کو سنانا یا اندھوں کو راہ ہدایت کی طرف لانا آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی بات تو وہ سنے گا جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کو مردوں، بہروں اور اندھوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جس طرح یہ لوگ نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں نہ دلائل قدرت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں یہی حال ہے کافر مشرک کا کہ ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں۔ ان پر آیات الٰہی کا کچھ اثر نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ دوسری تشبیہ کانوں سے بہروں کے ساتھ ہے اور تیسری تشبیہ اندھوں کے ساتھ ہے۔ جس طرح اندھے کو کوئی دکھا نہیں سکتا اور بہرے کو کوئی نہیں سنا سکتا، مردے کو سناؤ تو کوئی فائدہ نہیں ہے اسی طرح زندہ کافروں کو ایسا سنانا کہ وہ آپ کی بات کو قبول کر لیں آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ منوانا رب تعالیٰ کا کام ہے۔ کافر سنتے تو ہیں لیکن ایسا سننا کہ حق کو قبول کریں وہ نہیں ہے۔ انھی کافروں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ﴾ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ حالاں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ نہ سارے کافر بہرے ہیں، نہ گونگے ہیں اور نہ اندھے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے زندہ کافروں کو صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ کے ساتھ ذکر کیا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جیسے بہرے فائدہ نہیں اُٹھاتے، گونگے فائدہ نہیں اُٹھاتے، اندھے فائدہ نہیں اُٹھاتے اسی طرح جو ضدی کافر ہیں وہ سن کر بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

آج سے تقریباً پچپن (۵۵) سال پہلے کی بات ہے ہمارا طالب علمی کا زمانہ تھا مشکوٰۃ شریف ہم پڑھتے تھے اس میں ایک حدیث آئی کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہوگی اَنْ تَرَى الصُّمَّ الْبُكْمَ الْعُمْيَ مُلُوْكَ الْاَرْضِ "کہ تم دیکھو گے بہروں کو، گونگوں کو، اندھوں کو کہ وہ بادشاہ بنے ہوں گے۔" ہم نے استاد محترم مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! اس وقت آنکھوں والے نہیں ہوں گے، کانوں والے نہیں ہوں گے، زبان والے نہیں ہوں گے کہ لوگ اندھوں، بہروں اور گونگوں کو بادشاہ بنائیں گے۔ بخاری شریف کی روایت کہ جس وقت تم دیکھو کہ اندھے، بہرے، گونگے بادشاہ بنے بیٹھے ہیں تو سمجھ لو کہ قیامت قریب ہے۔ استاد محترم کا تکیہ کلام تھا "میاں" فرمایا میاں! کان بھی ہوں گے، آنکھیں بھی ہوں گی، زبانیں بھی ہوں گی، حق کی بات نہیں سنیں گے حق سننے سے بہرے ہوں گے، حق کی بات زبان سے نہیں نکالیں گے اس لیے گونگے ہوں گے، سب کچھ سامنے ہوگا آنکھیں بند کر لیں گے مظالم ان کو نظر نہیں آئیں گے۔ اس وقت بالکل یہی معاملہ ہے گھنٹوں گھنٹوں

بولتے ہیں لیکن حق بات کہنے سے گونگے ہیں، کسی مظلوم کی فریاد نہیں سنتے بہرے ہیں، ظلم ان کے سامنے ہو رہے ہیں لیکن ان کو کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کافروں کو صم، بکم، عمی کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ وہ بہرے ہیں حق سنتے نہیں ہیں، گونگے ہیں حق کی بات زبان سے نہیں نکالتے، اندھے ہیں حق ان کو نظر نہیں آتا۔ تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح مردوں کو سنانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اسی طرح جن کافروں اور مشرکوں کے دل مردہ ہو چکے ہیں ان کو بھی سنانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

مسئلہ سماع موتیٰ

یہاں پر ایک یہ بحث چل پڑی ہے کہ کیا مردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے؟ مسئلہ طویل الذیل ہے۔ پچھلے سالوں میں یہ مسئلہ بڑے زوروں پر تھا۔ اس مسئلے کی دو شقیں ہیں۔ ایک شق یہ ہے کہ قریب سے سنتے ہیں دور سے نہیں سنتے۔ تو قبر کے قریب سے سنتے ہیں۔ پھر اس میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے سب کا اتفاق ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں کے قریب سے سنتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رشیدیہ میں فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے سب قائل ہیں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، مقلد، غیر مقلد۔ ہاں! اب کچھ غیر مقلد حضرات آج کل انکار کرتے ہیں لیکن ان کے بزرگ سارے مانتے ہیں قاضی شوکانی، نواب صدیق حسن خان، نواب نور الحسن خان اور شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی مرحوم۔ اب کچھ نئی پود انکار کرنے لگی ہے۔ اور دیوبندی کہلانے والوں میں سے پہلے شخص عنایت اللہ شاہ بخاری ہیں ہم نے ان کے ساتھ اٹھارہ سال کام کیا ہے مگر جس وقت وہ اس مسئلے پر مصر اور بضد ہو گئے تو پھر ہم نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ تو ایک ہے قبر کے قریب سے سننا۔ تو اس سننے میں انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ امدادیہ میں لکھتے ہیں سب اُمت کا اس پر اتفاق ہے۔ جب اس مسئلے میں اختلاف ہوا تو مولانا غلام اللہ خان مرحوم نے اپنے رسالہ "تعلیم القرآن" میں لکھا کہ اس مسئلہ میں فریقین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور دوسری شق ہے دور سے سننے کی۔ تو اس مسئلہ میں بھی کسی اہل حق کا اختلاف نہیں ہے کہ دور سے کوئی نہیں سنتا نہ نبی نہ غیر نبی۔ ہر جگہ سے سننے والا صرف پروردگار ہے۔ اور دوسرا مسئلہ ہے عام مردوں کے سماع، عدم سماع کا۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر اب تک اختلافی چلا آرہا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نہیں سنتے **وَ خَالَفَهَا الْجُمْهُوْرُ** جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ابن کثیر میں اور عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں **وَخَالَفَهَا الْجُمْهُوْرُ** جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اس مسئلے میں ان کے مخالف ہیں۔ جمہور صحابہ فرماتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں۔

مردوں کے سننے پر دلائل

بخاری، مسلم میں مردوں کے سننے کا باقاعدہ باب ہے اور اس کے تحت حدیث نقل کی ہے کہ بندہ جب قبر میں رکھا جاتا

ہے اور اس کے ساتھی وہاں سے چلے جاتے ہیں حَتّٰی اَنَّهٗ یَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ" ابھی وہ ان جانے والوں کی جوتیوں کی کھڑکھڑاہٹ ہی سن رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں۔" دیکھو! آنحضرت ﷺ فرمائیں کہ سنتے ہیں اور کوئی دوسرا کہے نہیں سنتے بات کس کی مانی جائے گی؟ اسی طرح جب کوئی مردوں کو سلام کرے تو وہ اس کا سلام سنتے ہیں۔ چوں کہ اختلافی مسئلہ ہے اس لیے منکر اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی میں سماع کی نفی ہے سنانے سننے کی نفی نہیں ہے کہ آپ ﷺ مردوں کو نہیں سنا سکتے یہ آپ کا کام نہیں ہے یہ رب کا کام ہے۔ سورۃ فاطر آیت نمبر ۲۲ میں ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ "بے شک اللہ سناتا ہے جس کو چاہے ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾ اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں پڑے ہیں۔" تو نفی سنانے کی ہے۔ جیسے دوسرے مقام میں آتا ہے ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ [قصص:۵۶] "بے شک اے پیغمبر آپ نہیں راہِ راست پر لا سکتے لیکن اللہ تعالیٰ راہِ راست پر لاتا ہے جس کو چاہتا ہے۔" اسی طرح یہاں ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے، سنانا رب کا کام ہے۔

فرمایا ﴿وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ﴾ اور آپ نہیں ہدایت دے سکتے اندھوں کو ان کی گمراہی سے ﴿اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا﴾ آپ نہیں سنا سکتے مگر ان کو جو ایمان لائے ہیں ہماری آیتوں پر ﴿فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ پس وہ مسلمان ہیں۔ ایمان والے سنتے ہیں نفع والا سننا صرف مومنوں کا ہے۔ نفع والا سننا کافروں کو حاصل نہیں ہے۔ بدر میں ستر کافر مارے گئے ایک کے بغیر سب کو ایک کنوئیں میں پھینک دیا امیہ بن خلف کو کھینچتے گھسیٹتے ہوئے اس کے بازو الگ ہو گئے، ٹانگیں الگ ہو گئیں اس کے علاوہ سب کو کنوئیں میں اوپر نیچے دبا دیا گیا۔ اور یہ روایت بھی ہے کہ چوبیس بڑے بڑے کافروں کی لاشیں بدر کے کنوئیں میں ڈالیں۔ تیسرے دن آنحضرت ﷺ کنوئیں پر تشریف لے گئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر ایک ایک کافر کا نام لے کر فرمایا اے ابوجہل! جو میں کہتا تھا وہ حق ہے یا نہیں؟ کہ مرنے کے بعد کافر و مشرک کو عذاب ہوگا۔ اے عقبہ ابن ابی معیط! میں نے ٹھیک کہا تھا کہ نہیں؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! کیا آپ ایسے اجسام سے گفتگو کر رہے ہیں جن میں ارواح نہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس پروردگار کی قسم! جس کی قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے تم اس گفتگو کو جو میں ان سے کر رہا ہوں ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ حدیث صحیح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں اور محدثین کے جم غفیر نے اس کی تصحیح کی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحیح ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحیح ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ جب کوئی آدمی قبر کے پاس سے گزرتا ہے اور بلند آواز سے سلام کہتا ہے عَرَفَهٗ وہ مردہ اس کو آواز سے پہچان لیتا ہے کہ یہ فلاں ہے۔ جس طرح ہم ایک دوسرے کو آواز سے پہچان لیتے ہیں۔ ان صحیح احادیث کو چھوڑ کر ان لوگوں کے ڈھکوسلوں کے پیچھے کیسے چلیں۔ لوگ ڈھکوسلے مارتے ہیں کہ اس پر اتنی مٹی ڈال دی گئی ہے اب وہ کیسے سنتا ہے؟ کہاں سے سنتا ہے؟ ان ڈھکوسلوں سے حق ختم نہیں ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درود وسلام سننا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ صَلّٰی عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ "جو میری قبر کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھے گا میں خود سنوں گا اور جو دور سے پڑھے گا فرشتے پہنچائیں گے۔" تو انبیائے کرام علیہم السلام کے عند القبر سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اب اگر کوئی اختلاف کرتا ہے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں نے اس مسئلے پر تقریباً پچیس سال کھپائے ہیں کہ شاید سلف صالحین میں سے کوئی اس کا منکر ہو لیکن قطعاً نہیں۔ تو اس مسئلے پر اہل سنت والجماعت اور غیر مقلد سب متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں۔ میں بار بار اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آج کل کچھ بالکل نوخیز چاہے وہ دیوبندی کہلائیں یا اہل حدیث وہ اس مسئلے کا انکار کرتے ہیں اور پرانے تمام بزرگ اس مسئلے پر متفق ہیں کوئی منکر نہیں ہے۔

فرمایا ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا ﴿مِّنْ ضُعْفٍ﴾ کمزوری سے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے وہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ پہلو تک نہیں بدل سکتا۔ اے انسان! ذرا سوچ اللہ تعالیٰ نے تجھے کس حقیر قطرے سے پیدا فرمایا اور تو کتنا کمزور تھا تیری والدہ، دادی، نانی، بہن تجھے اُٹھاتی تھیں، تجھے کھلاتی پلاتی تھیں تو خود کچھ نہیں کر سکتا تھا ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً﴾ پھر بنائی اللہ تعالیٰ نے کمزوری کے بعد قوت۔ اس نے تجھے جوان کر دیا تو خود چلتا پھرتا ہے، دوڑتا پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے اور تجھے بچپن کی وہ ساری حالتیں بھول گئیں حالاں کہ صحیح معنیٰ میں انسان وہ ہے جو ماضی نہ بھولے، اپنی غربت اور کمزوری کو نہ بھولے۔ اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے: اُنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ تَحْتَكُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ فَوْقَكُمْ او کما قال ﷺ "ان کو دیکھو جو تم سے کمزور ہیں ان کو نہ دیکھو جو تم سے طاقتور ہیں۔" جب تم طاقت ور کو دیکھو گے کہ اس کے پاس کوٹھی ہے، باغ ہے، کارخانہ، کار ہے میرے پاس نہیں ہیں تو ان نعمتوں کی ناشکری ہوگی جو رب تعالیٰ نے تمھیں دی ہیں۔ اپنے سے کمزوروں کو دیکھو کہ خیمے میں رہ رہے ہیں، رات سڑکوں کے کنارے سو کر گزارتے ہیں، بیمار کو دیکھو کہ کروٹ نہیں بدل سکتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سر چھپانے کے لیے مکان دیا ہے صحت دی ہے۔

تو فرمایا پروردگار نے تمھیں کمزوری کے بعد قوت عطا فرمائی ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا﴾ پھر بنائی اس نے قوت کے بعد کمزوری۔ پھر اس نے قوت کے بعد کمزور کر دیا ﴿وَّشَيْبَةً﴾ اور بڑھاپا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک وقت تھا کہ میں دس منٹ میں گھر سے چل کر نارمل سکول کی مسجد میں پہنچ جاتا تھا اور اب میں اپنی مسجد میں سہارے کے ساتھ پہنچتا ہوں۔ یہ انقلابات جو رب بندوں پر لاتا ہے ان کو کبھی نہ بھولو۔ اس وقت تھا بچہ اور کمزور تھا جوان ہو گیا طاقت آ گئی ایک وقت تھا مالی لحاظ سے بھی کمزور تھا میرے پاس سائیکل بھی نہیں تھا آج سواری کا انتظام ہے۔ رب تعالیٰ کی نعمتوں کو اور اپنی اصلیت کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم کون تھے اور کیا تھے۔ انسان کو اپنی اصلیت کبھی نہیں بھولنی چاہیے جو بھلا دے وہ انسان نہیں ہے۔ پرانے بزرگ اپنی یاد دہانی کے لیے پرانے کپڑے رکھتے اور بتلاتے تھے کہ ہماری اصلیت یہ تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فقر

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایمن رضی اللہ عنہ جو کہ غلام تھے ان کو آواز دی اور بلایا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مسلک یہ تھا کہ غلام سے پردہ نہیں ہے۔ فرمایا ایمن! یہ میری لونڈی دیکھو۔ اس کے بدن پر یہ قِطرِی کرتہ ہے یعنی کپاس کا، یہ گھر کے اندر اس کو نہیں پہنتی۔ فرمایا میرے پاس اس جیسا ایک کرتہ تھا مدینہ طیبہ میں جب کسی عورت کی شادی ہوتی تھی تو وہ میرا کرتہ ادھار مانگ کر لے جاتی تھی کہ وقت گزار لیں۔ یعنی ایک وہ وقت تھا کہ میرا کرتہ لے جا کر خواتین اپنی شادی کا وقت گزارتی تھیں۔ اب انقلاب آ چکا ہے کہ میری لونڈی گھر میں بھی نہیں پہنتی۔ جس وقت کی ام المومنین رضی اللہ عنہا بات کر رہی ہیں آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہیں اور کرتے پر سترہ پیوند لگے ہوئے ہیں۔ بیمار ہیں کھانسی آ رہی ہے اور اسی حالت میں نماز پڑھا رہے ہیں۔ لفظ پڑھتے ہیں پھر کھانستے ہیں پھر لفظ پڑھتے ہیں اور کھانستے ہیں۔ ساتھیوں نے کہا حضرت! کھانسی لگی ہوئی ہے تھوڑا سا شہد استعمال کر لیں۔ فرمایا لَآ اَسْتَطِیْعُ میں طاقت نہیں رکھتا کہ شہد استعمال کروں۔ اندازہ لگاؤ خلیفۃ المسلمین ہیں۔ کسی نے کہا حضرت! بیت المال میں شہد کے کنستر بھرے پڑے ہیں۔ فرمایا: بیت المال میرا نہیں لوگوں کا ہے۔ کسی نے کہا شوریٰ سے اجازت لے لیں۔ فرمایا ہاں! آپ کی بات معقول ہے ساری شوریٰ مسجد ہی میں ہوتی تھی۔ فرمایا بھئی شوریٰ والو! اگر اجازت ہو تو میں تھوڑا سا شہد استعمال کر لوں علاج کے لیے؟ اور آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب تمھارے سامنے ہے۔

عیاں را چہ بیاں

تو خیر میں عرض کر رہا تھا کہ اپنی اصلیت اور حقیقت کو نہ بھولو۔ یہی بات رب تعالیٰ نے سمجھائی ہے کہ تمھیں پیدا کیا کمزوری میں پھر قوت دی پھر کمزور کر دیا کہ کھڑے نہیں ہو سکتے ﴿ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ﴾ وہ پیدا کرتا ہے جو چاہے ﴿ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴾ اور وہ سب کچھ جاننے والا، قدرت والا ہے۔

﴿ وَیَوْمَ ﴾ اور جس دن ﴿ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ﴾ قیامت قائم ہوگی ﴿ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ قسم اُٹھائیں گے مجرم ﴿ مَا لَبِثُوْا ﴾ نہیں ٹھہرے وہ ﴿ غَیْرَ سَاعَةٍ ﴾ ایک گھڑی کے سوا ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ اسی طرح ﴿ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴾ وہ اُلٹے پھیرے جاتے ہیں ﴿ وَقَالَ الَّذِیْنَ ﴾ اور کہیں گے وہ لوگ ﴿ اُوْتُوا الْعِلْمَ ﴾ جن کو علم دیا گیا ﴿ وَالْاِیْمَانَ ﴾ اور ایمان ﴿ لَقَدْ لَبِثْتُمْ ﴾ البتہ تحقیق ٹھہرے تم ﴿ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی لکھت میں، تحریر میں ﴿ اِلٰى یَوْمِ الْبَعْثِ ﴾ اُٹھنے والے دن تک ﴿ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ ﴾ پس یہ دن ہے اُٹھ کھڑے ہونے کا ﴿ وَلٰكِنَّكُمْ ﴾ اور لیکن تم ﴿ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ نہیں جانتے تھے ﴿ فَیَوْمَئِذٍ ﴾ پس اس دن ﴿ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ﴾ نہیں نفع دے گا ان لوگوں

کو ﴿ ظَلَمُوْا ﴾ جنھوں نے ظلم کیا ﴿ مَعْذِرَتُهُمْ ﴾ ان کا معذرت کرنا ﴿ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴾ اور نہ ان کو منانے کی اجازت دی جائے گی ﴿ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا ﴾ اور البتہ تحقیق بیان کی ہم نے ﴿ لِلنَّاسِ ﴾ لوگوں کے لیے ﴿ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ ﴾ اس قرآن میں ﴿ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ﴾ ہر قسم کی مثال ﴿ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ ﴾ اور البتہ اگر آپ لائیں ان کے پاس ﴿ بِاٰيَةٍ ﴾ کوئی نشانی ﴿ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ البتہ ضرور کہیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴾ نہیں ہو تم مگر باطل پر چلنے والے ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ اسی طرح ﴿ يَطْبَعُ اللّٰهُ ﴾ مہر لگا تا ہے اللہ تعالیٰ ﴿ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ ﴾ ان لوگوں کے دلوں پر ﴿ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ جو نہیں جانتے ﴿ فَاصْبِرْ ﴾ پس آپ صبر کریں ﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے ﴿ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ ﴾ اور ہرگز نہ آپ کو ہلکا کریں ﴿ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴾ وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے۔

اسلام کے بنیادی عقائد کا انکار کرنا کفر ہے؟

یہ بات کئی دفعہ بیان ہو چکی ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد میں قیامت کا عقیدہ بھی ہے وَالْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنا۔ جو آدمی قیامت کو تسلیم نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ وہ عقائد جو اللہ تعالیٰ نے بتلائے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے ہیں ان میں سے کسی ایک کا انکار کرنے سے آدمی مسلمان نہیں رہتا۔ تم قادیانیوں کو دیکھ لو ہر چیز کو مانتے ہیں قرآن وحدیث کو حق مانتے ہیں، قیامت کو بھی مانتے ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ بھی مانتے ہیں بلکہ اگر تم ان کو ملو تو اخلاق میں اپنے سے بھی اچھا پاؤ گے۔ مگر یہ کہ ختم نبوت کے منکر ہیں اس میں اختلاف کی وجہ سے کافر ہیں۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کسی کو نہیں ملنی۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے کسی کا انکار یا اس کی تاویل کرنا کفر ہے اور قیامت بھی بنیادی عقائد میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہو گی ﴿ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ مجرم قسمیں اٹھائیں گے۔ کیا قسمیں اُٹھائیں گے؟ ﴿ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ﴾ نہیں ٹھہرے وہ ایک گھڑی کے سوا۔ مجرم رب کی قسم اُٹھا کر کہیں گے کہ ہم دنیا میں صرف ایک گھنٹہ ٹھہرے ہیں۔ وہاں یہ حالت ہو گی اور یہاں انھوں نے فتور ڈالا ہوا ہے۔ ان کا یہ کہنا صحیح بھی ہے اور غلط بھی ہے۔ غلط اس لیے ہے کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴾ اسی طرح وہ اُلٹے پھیرے جاتے ہیں۔

دنیا میں صحیح راستے سے ان کو شیطان پھیرتا تھا، نفس امارہ پھیرتا تھا، ان کے مولوی، پیر اور لیڈر پھیرتے تھے۔ جیسے دنیا میں صحیح راستے سے پھیرے جاتے تھے یہاں بھی صحیح راستے سے پھیرے گئے ہیں۔ کیوں کہ ایک گھنٹہ تو نہیں بلکہ کوئی سو سال رہا

کوئی پچاس سال رہا، کوئی تیس سال رہا، کوئی اس سے کم وبیش۔ اور صحیح اس لیے کہ ہمیشہ کی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی زندگی ایک گھنٹہ بھی نہیں ہے۔ سورۃ نازعات پارہ نمبر ۳۰ میں ہے ﴿یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰىهَا﴾ "جس دن وہ لوگ اس قیامت کو دیکھیں گے (تو خیال کریں گے) کہ وہ نہیں ٹھہرے دنیا میں مگر ایک دن کا پچھلا پہر یا دوپہر کا وقت۔" کوئی کہے گا ایک دن ٹھہرے ہیں کوئی کہے گا دس دن ٹھہرے ہیں۔ کوئی ایک گھنٹہ اور کوئی پچھلا پہر اور کوئی دوپہر کا وقت۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کی زندگی کو قلت کے ساتھ تعبیر کریں گے اپنے اپنے حال کے مطابق ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ اور کہیں گے وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ﴿وَالْاِیْمَانَ﴾ اور ایمان دیا گیا۔ ایمان بہت بڑی دولت ہے۔ ایمان کی برکت سے اللہ تعالیٰ صحیح علم عطا فرماتا ہے جس کے ساتھ بندہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کرتا ہے، حلال وحرام کی تمیز کرتا ہے۔

تو جن کو علم دیا گیا ایمان دیا گیا وہ کہیں گے کہ تم غلط کہتے ہو کہ ہم ایک گھنٹہ رہے ہیں ﴿لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى یَوْمِ الْبَعْثِ﴾ البتہ تحقیق ٹھہرے تم اللہ تعالیٰ کی تحریر میں جو رب نے فیصلہ لکھا تھا اس فیصلے میں تم اُٹھنے والے دن تک ٹھہرے ہو۔ ﴿فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ﴾ پس یہ اُٹھ کھڑے ہونے کا دن ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے سب اُٹھ کھڑے ہوں گے چاہے کسی کا بدن ریزہ ریزہ ہو گیا ہو، مٹی کے ساتھ مل گیا ہو، پرندے کھا گئے ہوں، مچھلیاں کھا گئی ہوں، کیڑے مکوڑے کھا گئے ہوں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ سب اچھے بھلے انسان بن کر اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ جیسے اس وقت ایک دوسرے کو نظر آتے ہیں ایسے ہی نظر آئیں گے اور ہوں گے ننگے جیسے ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا اس لیے کہ دنیا میں کافروں نے ان کو ننگا کر کے آگ میں پھینکا تھا۔ اور دوسرے نمبر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس پہنایا جائے گا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی جزوی فضیلت ہے۔ پھر درجہ بہ درجہ سب کو لباس پہنایا جائے گا پھر سب نے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ پچاس ہزار سال کا وہ لمبا دن ہوگا۔ بعض ملحد اعتراض کرتے ہیں کہ جن کو آگ میں جلا دیا گیا یا درندے کھا گئے، شیر چیتا وغیرہ یا مچھلیاں کھا گئیں وہ کہاں سے آئیں گے؟ بھائی! ان ڈھکوسلوں سے رب کا قانون تو نہیں بدلتا۔

گنہگار کی بخشش کا واقعہ

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک آدمی بڑا گنہگار تھا کفن چور تھا۔ جس وقت اس کی وفات کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو اکٹھا کر کے کہا کہ تم مجھے قسم دو کہ میں نے جو بات کہنی ہے تم اس پر عمل کرو گے۔ بیٹوں نے کہا ابا جان! بغیر قسم کے آپ بتلائیں ہم عمل کریں گے۔ کہنے لگا نہیں قسم اٹھاؤ۔ قسم پر ان کو مجبور کر دیا۔ انھوں نے قسم اُٹھائی تو باپ نے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم نے مجھے جلا دینا ہے اور راکھ کے دو حصے کرنے ہیں۔ ایک پانی میں بہا دینا اور ایک ہوا میں اُڑا دینا۔ مجبور تھے باپ نے قسم لے کر جکڑ لیا تھا۔ والد فوت ہوا تو اولاد نے وصیت کے مطابق اس کو جلا دیا اور ہڈیاں پیس کر پانی میں بہا دیں اور آدھی

راکھ ہوا میں اڑا دی۔ اللہ تعالیٰ علیمِ کل ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اس نے ہوا اور پانی کو حکم دیا سارے ذرات اکٹھے ہوئے اور وہ بندہ بن کر کھڑا ہو گیا۔ تو رب تعالیٰ نے پوچھا اے بندے! تو نے یہ کیا حرکت کی ہے اس نے کہا اے پروردگار! آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس کوئی نیکی نہیں تھی تو یہ سب کچھ میں نے آپ کے ڈر سے کیا ہے۔ تو رب تعالیٰ کے لیے کوئی شے مشکل نہیں۔

﴿وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن تم نہیں جانتے ﴿فَيَوْمَئِذٍ﴾ پس اس دن ﴿لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ﴾ اس دن نہیں نفع دے گی ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا ان کا معذرت کرنا۔ معذرتیں کریں گے۔ کچھ کہیں گے ﴿رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا﴾ [مومنون:۱۰۶] "اے ہمارے پروردگار! ہم پر غالب آگئی ہماری بدبختی۔" ہم گمراہ لوگ تھے۔ کچھ کہیں گے ﴿رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾ [احزاب:۶۷] "اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی، سیاسی اور مذہبی لیڈروں کی انھوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔" کچھ کہیں گے ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ [ملک:۱۰] "کاش کہ ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے۔" لیکن ان کا کوئی عذر ان کو فائدہ نہیں دے گا ﴿وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ﴾ اور نہ ان کو منانے کی اجازت دی جائے گی۔ اس کا مادہ عُتْبٰی جیسے بُشْرٰی۔ اس کا معنی ہے اَلرُّجُوْعُ اِلٰى مَا يَرْضٰى "اس چیز کی طرف رجوع کرنا جس پر رب راضی ہو۔"

حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس کا معنی کرتے ہیں "اور نہ ان سے کوئی منانا چاہے۔" ان سے تو یہ مطلوب نہیں ہوگی یوں سمجھو کہ کسی مدرسے یا کالج میں شرارتی لڑکے ہوں اور ادارہ ان کو شرارت کی وجہ سے نکال دے وہ معذرت کریں تو ادارہ کہے کہ تمھیں خارج کر دیا گیا ہے تمھیں نہیں رکھیں گے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایسے ہی ان کو کہا جائے گا کہ تمھارے اُوپر دوزخ لازم ہو گئی ہے تمھاری کوئی معذرت قبول نہیں ہے۔ انہیں معذرت کا موقع نہیں دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے بیان کی ہیں لوگوں کے لیے ﴿فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اس قرآن میں ﴿مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ ہر قسم کی مثال سمجھانے کے لیے۔ تاکہ حقیقت کو سمجھیں مگر یہ لوگ ایسے ضدی ہیں ﴿وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ﴾ اور البتہ اگر آپ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! لائیں ان کے پاس کوئی نشانی ﴿لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا﴾ البتہ ضرور کہیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں۔ کیا کہیں گے ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ﴾ نہیں ہو تم مگر باطل پر چلنے والے تمھاری بات نہیں مانیں گے۔ آیت سے قرآن کی آیت بھی مراد ہو سکتی ہے اور معجزہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ مخالفوں نے کتنی نشانیاں دیکھیں مگر صاف انکار کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا

اس سے بڑی نشانی اور کیا ہو سکتی تھی کہ چودھویں رات کا چاند تھا تقریباً گیارہ بجے کا وقت تھا چاند سر پر کھڑا تھا مشرکوں

نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا اگر چاند دوٹکڑے ہو جائے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی مان لیں گے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دیکھ لو اگر اللہ تعالیٰ میری تصدیق کے لیے چاند کو دوٹکڑے کردے تو مان لو گے؟ کہنے لگے ہاں ضرور مان لیں گے۔اللہ تعالیٰ نے چاند کو دوٹکڑے کر دیا۔اس کا ایک حصہ مشرق کی طرف چلا گیا دوسرا مغرب کی طرف۔مشرق والا جبل ابوقبیس پر اور مغرب والا قُیَیْقُعَان پر۔سب نے آنکھوں کے ساتھ دیکھا۔ایک دوسرے سے پوچھتے تھے تمھیں بھی دوٹکڑے نظر آرہا ہے؟ وہ کہتا ہاں! چار قدم چل کر دوسرے سے پوچھا تجھے بھی چاند دوٹکڑے نظر آرہا ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرلانگ دوفرلانگ آگے پیچھے گئے دو ٹکڑے ہی نظر آئے مگر سورۃ القمر میں ہے ﴿وَ كَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ﴾ "اور جھٹلایا انھوں نے اور اپنی خواہشات کی پیروی کی" اور کہا ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ "یہ جادو ہے جو مسلسل چلا آرہا ہے۔" ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔اور جن میں ضد نہیں ہے وہ ہزاروں میل دور ہوتے ہوئے مسلمان ہو گئے۔

وہ اس طرح کہ بمبئی کے پاس ریاست مالا بار ہے۔وہاں کے ہندو راجہ نے چاند کو دوٹکڑے ہوتے دیکھا تو تاریخ نوٹ کی،نقشہ نوٹ کیا۔پڑھا لکھا آدمی تھا جب ۹۴ھ کے قریب مسلمان تاجر وہاں پہنچے تو اس کے ورثاء نے ڈائریاں نکال کر ان سے کہا کہ ہمارے والد نے یہ واقعہ نوٹ کیا ہے کہ فلاں تاریخ کو یہ واقعہ ہوا ہے کیا وہاں بھی نظر آیا تھا عرب کی سرزمین میں؟ مسلمان تاجروں نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کی سرزمین پر ایک نبی بھیجا ہے ان کے ہاتھ پر یہ معجزہ ظاہر ہوا تھا۔انھوں نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔تو ریاست مالا بار کے راجے آج تک مسلمان چلے آرہے ہیں انھوں نے ہزاروں میل دور ہوتے ہوئے مان لیا اور ضدیوں نے قریب ہوتے ہوئے بھی نہ مانا۔

ہندوستان کی تاریخ میں سب سے پہلی مسجد کالی کٹ میں بنی ہے۔عرب کے لوگ نمازیں پڑھتے تھے انھوں نے ان سے پوچھا کہ اگر اجازت ہو تو ہم یہاں ایک مسجد بنالیں؟ انھوں نے کہا بڑے شوق سے بناؤ۔اس وقت ان فرقوں میں ضد نہیں تھی۔آج کا ہندو توبہ،توبہ،توبہ،یہ ہندو اس وقت ہوتے تو ان بزرگوں کے قریب بھی نہ آتے جنھوں نے یہاں اسلام کے چشمے جاری کیے ہیں۔سید علی احمد علاؤ الدین صابر کلیری چشتی رحمۃ اللہ علیہ،خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر نوے ہزار ہندو مسلمان ہوئے اور علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر چالیس ہزار ہندو مسلمان ہوئے ہیں۔تب لوگ ضدی نہیں تھے اس لیے جوق در جوق لوگ مسلمان ہوئے۔فرمایا البتہ اگر آپ ان کے پاس لائیں کوئی نشانی تو وہ ضرور کہیں گے جو کافر لوگ ہیں اے مسلمانو! تم باطل پرست ہو جھوٹے ہو معاذ اللہ تعالیٰ۔

فرمایا ﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر لگاتا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو نہیں جانتے،سمجھ نہیں رکھتے۔جو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔فرمایا ﴿فَاصْبِرْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ان کی باتوں پر صبر کریں ﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔قیامت بھی حق ہے، میدان محشر بھی حق ہے،حساب کتاب کا ہونا بھی حق ہے،پل صراط بھی حق ہے،جنت اور دوزخ بھی حق ہے ﴿وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ﴾ اور

ہرگز نہ آپ کو ہلکا کریں یہ آپ کو خفیف نہ بنائیں کہ اپنی جگہ سے ہلا دیں۔ خفیف چیز ہلکی چیز اپنی جگہ سے جلدی ہل جاتی ہے اور بھاری اور وزنی چیز نہیں ہلتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ آپ کو ہلکا پھلکا نہ سمجھیں کہ اپنی جگہ سے ہلا دیں۔ جو عقائد ہم نے آپ کو بتلائے ہیں وہ مضبوط ہیں ان پر جمار ہنا ہے اپنے عقائد کو نہیں چھوڑنا یہ چاہے کچھ کہتے رہیں۔ ﴿الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ﴾ وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے قیامت پر۔ ان لوگوں کی باتوں میں نہیں آنا رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خطاب کر کے ہمیں سمجھایا ہے۔ آپ ﷺ تو خاتم المعصومین پیغمبر ہیں۔ آپ ﷺ کو کیا خطرہ تھا ہمیں سمجھایا ہے کہ حق بات کو نہیں چھوڑنا چاہے کوئی کچھ بھی کہے اور کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق پر استقامت عطا فرمائے۔

آج بروز ہفتہ ۲۷ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۹ رمئی ۲۰۱۲ء

سورۃ الروم مکمل ہوئی۔

والحمد للہ علیٰ ذالک

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، گوجرانوالا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفۡسِیۡر

سُوۡرَۃُ لُقۡمٰنَ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ اُتۡلُ مَآ اُوۡحِیَ

(۲۱)

آیاتہا ۳۴ سُوْرَۃُ لُقْمٰنَ مَکِّیَّۃٌ (۳۱) (۵۷) رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿الٓمّٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ﴾ یہ آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی ﴿هُدًى﴾ یہ کتاب ہدایت ہے ﴿وَّرَحْمَةً﴾ اور رحمت ہے ﴿لِّلْمُحْسِنِيْنَ﴾ نیکی کرنے والوں کے لیے ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ جو قائم کرتے ہیں نماز کو ﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور دیتے ہیں زکوۃ ﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ﴾ اور وہ آخرت پر ﴿هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ وہ یقین رکھتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یہی لوگ ہیں ﴿عَلٰى هُدًى﴾ ہدایت پر ﴿مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی طرف سے ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ﴾ اور لوگوں میں بعض وہ ہیں ﴿يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ جو خریدتے ہیں کھیل کی باتوں کو ﴿لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ تاکہ گمراہ کریں اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ علم کے بغیر ﴿وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا﴾ اور تاکہ بنائیں اللہ تعالیٰ کے راستے کو ٹھٹھا ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ان کے لیے عذاب ہوگا رسوا کرنے والا ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ﴾ اور جس وقت پڑھی جاتی ہیں اس پر ﴿اٰيٰتُنَا﴾ ہماری آیتیں ﴿وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا﴾ پیٹھ پھیرتا ہے تکبر کرتے ہوئے ﴿كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا﴾ گویا کہ اس نے آیات کو سنا ہی نہیں ﴿كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ﴾ گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں ﴿وَقْرًا﴾ ڈاٹ ہیں ﴿فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ پس آپ ان کو خوش خبری سنا دیں دردناک عذاب کی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ﴾ ان کے لیے باغ ہیں نعمتوں کے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے ان میں ﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا﴾ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہ غالب ہے، حکمت والا ہے۔

سورۃ لقمان کی وجہ تسمیہ اور حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف

اس سورت کا نام لقمان ہے۔ اگلے رکوع میں آئے گا ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ﴾۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہم عصر ہیں یعنی ان کا زمانہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ ایک ہے۔ یہ نبی نہیں تھے مومن، متقی، نیک، پارسا، ولی کامل اور بڑے سمجھ دار تھے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت اہم اور بڑی قیمتی نصیحتوں کو بیان فرمایا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس سے پہلے چھپن [۵۶] سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کا ستاون [۵۷] نمبر ہے اس کے چار رکوع اور

چونتیس آیتیں ہیں۔

حروفِ مقطعات کی تشریح

﴿الٓمّٓ﴾ حروف مقطعات میں سے ہے۔قرآن پاک کی انتیس [۲۹] سورتوں کی ابتدا ان حروف سے ہوئی ہے۔پھر اس میں کافی اختلاف ہے کہ ان کا کوئی معنیٰ ہے یا نہیں؟"کتاب الاسماء والصفات للبیہقی" حدیث کی کتاب ہے۔اس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے صحیح سند کے ساتھ کہ هِيَ مِنْ اسماء الله تعالى "یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔" یعنی الف بھی اللہ تعالیٰ کا نام، لام بھی اور میم بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ایک ایک حرف اللہ تعالیٰ کے ایک ایک نام پر دلالت کرتا ہے۔الف اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام پر، لام کا اشارہ لطیف کی طرف اور میم کا مالک کی طرف۔یہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔مزید اس کے متعلق تفصیل پہلے کئی جگہ گزر چکی ہے۔

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ﴾ یہ آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی، دانائی والی کتاب کی۔یہ بڑی محکم کتاب ہے۔چوں کہ ہماری زبان عربی نہیں ہے اس لیے ہم اس کی فصاحت اور بلاغت کو نہیں سمجھتے۔ان لوگوں کی زبان عربی تھی اس لیے وہ اس کا اثر مانتے تھے مگر ظالم جادو کہہ کر ٹال دیتے تھے۔کہتے تھے کہ یہ کتاب جادو سے بھری ہوئی ہے اس لیے اس کے اندر اتنا اثر ہے۔حالاں کہ یہ جادو نہیں ہے حق ہے اور بڑی کھری کتاب ہے اور اس کا بڑا مقام ہے۔اس کا پڑھنا ثواب، اس کا سمجھنا ثواب، اس پر عمل کرنا نجات، اس کو ہاتھ لگانا ثواب مگر وضو کے ساتھ، اس پر عقیدہ رکھنا ایمان۔خوش قسمت اور خوش نصیب ہیں وہ مرد اور عورتیں جنھوں نے قرآن کا لفظی ترجمہ پڑھا ہے۔میں یہ بات دعوے سے کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص قرآن پاک کا لفظی ترجمہ سمجھ لے تو وہ کفر شرک اور گمراہی کے قریب نہیں جا سکتا گمراہی اس کے قریب نہیں آئے گی۔یہ کفر، شرک، بدعات و رسومات کی بیماریاں یہ سب قرآن سے دوری کا نتیجہ ہیں۔

تو فرمایا یہ آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی ﴿هُدًى﴾ یہ نری ہدایت ہے ﴿وَّرَحْمَةً﴾ اور رحمت ہے مگر کن کے لیے ﴿لِّلْمُحْسِنِيْنَ﴾ نیکی کرنے والوں کے لیے۔کیوں کہ جب تک عمل نہیں ہوگا تو کچھ حاصل نہیں۔مثلاً: ایک آدمی سارا دن کہتا رہے کہ پانی کے ساتھ پیاس بجھتی ہے، پانی کے ساتھ پیاس بجھتی ہے اور وہ پانی پیتا نہیں ہے تو پیاس نہیں بجھے گی۔اسی طرح ایک آدمی یہ کہے کہ کھانے سے بھوک ختم ہوتی ہے مگر کھائے نہ تو بھوک ختم نہیں ہوگی۔تو جب تک قرآن پر عمل نہیں کریں گے اس وقت تک کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔اس پر عمل کرنے سے خرابیاں دور ہوں گی۔تو فرمایا کہ یہ ہدایت اور رحمت ہے نیکی کرنے والوں کے لیے۔

محسنین کی صفات

محسن لوگوں کی پہلی صفت: ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ وہ لوگ ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں۔نماز کو جماعت کے ساتھ

اپنے وقت پر ادا کرتے ہیں۔ ایمان کے بعد تمام عبادات میں سب سے اہم عبادت نماز ہے۔ قیامت والے دن مؤمن سے حقوق اللہ کے بارے میں سب سے پہلا سوال نماز کا ہوگا اَوَّلُ مَا یُحَاسَبُ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الصَّلٰوۃُ پہلا پرچہ ہی نماز کا ہوگا۔ اگر پہلے پرچے میں کامیاب ہوگیا تو اُمید ہے کہ دوسروں میں بھی کامیاب ہوگا اگر پہلے پرچے میں پھنس گیا تو پھر پھنسا ہی رہے گا۔ نماز کے قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وقت پر ادا کرے شرائط کے ساتھ۔ فرائض، واجبات اور سنن کے ساتھ ادا کرے اور باطنی طور پر خشوع وخضوع ہو۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ "اللہ تعالیٰ کی عبادت اس انداز سے کر کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ اگر یہ صفت حاصل نہ ہو تو یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں دیکھ رہا ہے۔" باطنی خشوع کے ساتھ ظاہری خشوع بھی ہو۔ قیام میں ہو تو نگاہ سجدے والی جگہ پر ہو ادھر ادھر بالکل نہ دیکھے۔ جسم اور کپڑوں کے ساتھ نہ کھیلے۔ تو محسنین کی پہلی صفت نماز کا قائم کرنا ہے۔ جو نماز نہیں پڑھتا وہ مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت نصیحت فرمائی: اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ "نماز نہ چھوڑنا اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، نماز نہ چھوڑنا اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، نماز نہ چھوڑنا اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: لَا حَظَّ فِی الْاِسْلَامِ لِمَنْ لَّمْ یُصَلِّ "جو نماز نہیں پڑھتا اس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔"

دوسری صفت: ﴿وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ﴾ اور وہ ادا کرتے ہیں زکوٰۃ۔ بدنی عبادتوں میں نماز سب سے بڑی عبادت ہے اور مالی عبادتوں میں زکوٰۃ سب سے بڑی عبادت ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ بدن کو رب تعالیٰ کی اطاعت میں لگاتے ہیں اور مال بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔

تیسری صفت: ﴿وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ﴾ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ فرمایا ان خوبیوں کا نتیجہ بھی سن لو ﴿اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ﴾ یہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے رب کی طرف سے ﴿وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔ اور لوگوں نے کامیابی کرسی اور اقتدار میں سمجھی ہے، کارخانے، کوٹھیوں اور دولت میں سمجھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیابی کے لیے یہ اوصاف ہیں جن کا ذکر ہوا ہے اور دنیا عقل منداس کو کہتی ہے جو چاند تک پہنچ چکا ہو، زہرہ ستارے پر پہنچنے کی کوشش کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے عقل مند کن لوگوں کو کہا ہے؟ ﴿الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ﴾ [آل عمران:۱۹۱] "عقل مند وہ ہیں جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے کھڑے اور بیٹھے بیٹھے اور پہلو کے بل۔" کھڑے ہیں تو رب کا ذکر کرتے ہیں بیٹھے ہیں تب رب کو یاد کرتے ہیں لیٹے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں ﴿اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ [الرعد:۲۸] "خبردار اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔" یہ مال و دولت والے چاہے جتنی دولت کما لیں ان کو اطمینان نہیں ہوتا۔ ان بے چاروں کو تو نیند نہیں آتی۔ کامیاب لوگوں کے مقابلے میں ناکام لوگوں کا ذکر ہے۔

شانِ نزول

نضر بن حارث ایک قریشی سردار تھا اور بہت بڑا تاجر تھا۔ مکہ مکرمہ کی تقریباً ہر گلی میں اس کی دکان تھی۔ اس زمانہ میں حیرہ عراق کے علاقے میں مشہور منڈی تھی جیسے آج کل ہانگ کانگ کی منڈی ہے۔ یہ حیرہ کی منڈی سے خوب صورت اور اچھی آواز والی لونڈیاں خریدتا ان کو ایرانی پہلوانوں کے قصے یاد کراتا اور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قرآن سناتے یہ قریب ہی مجمع لگا کر لونڈیوں سے گیت سنتا کہ لوگ ادھر آجائیں اور قرآن نہ سنیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ جدھر خوب صورت عورتیں ہوں اور پھر ان کی سریلی آواز ہو تو اکثریت ادھر ہی جائے گی کوئی بڑا پختہ دین دار ہو جو نہ جائے۔ اس نضر بن حارث نے قرآن پاک کی تعلیم کو ناکام کرنے کے لیے اور آپ کی مجلسوں کو ناکام بنانے کے لیے یہ طریقہ شروع کیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمت نہیں ہاری۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت کے سامنے بلند پہاڑ کی کیا حیثیت تھی۔ مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

اس آواز کو کوئی حربہ نہ روک سکا۔ نہ ندی نالے، نہ پہاڑ روک سکے وہ آواز پہنچ کر رہی اور دلوں کو مسخر کر کے رہی۔ مستدرک حاکم وغیرہ میں روایت ہے کہ حج کے موقع پر منیٰ کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریر فرمایا کرتے تھے کیوں کہ دورِ جاہلیت میں لوگ حج کرتے تھے۔ حج کا یہ سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلا آتا تھا تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریر فرماتے تو کبھی ابوجہل پہنچ جاتا تھا اور کبھی ابولہب پہنچ جاتا ہے کیوں کہ انھوں نے باری مقرر کی ہوئی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ بیس منٹ آدھا گھنٹا یا اس سے کم وبیش بیان کر لیتے تو ابوجہل کھڑا ہو کر کہتا اَیُّهَا النَّاس اے لوگو! میرا نام عمرو بن ہشام ہے اور جس کا بیان تم نے سنا ہے یہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب یہ میرا بھتیجا ہے۔ یہ صابی ہے اپنے باپ دادا کے دین سے پھر گیا ہے اور اپنے باپ دادا کے دین کا مخالف ہے۔ یہ جھوٹا ہے اس کی بات نہ ماننا۔ اور کبھی ابولہب کھڑا ہو جاتا اور کہتا میرا نام ابولہب عبدالعزیٰ ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں اور یہ میرا سگا بھتیجا ہے یہ صابی ہے اس نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے اور یہ جھوٹا ہے اس کی بات نہ ماننا اس کے پھندے میں نہ آنا۔ تو قرآن پاک کی تعلیم کو ناکام بنانے کے لیے انھوں نے بڑے حربے استعمال کیے۔

تو اس آیت کریمہ میں نضر بن حارث کا ذکر ہے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو خریدتے ہیں کھیل تماشے کی باتیں وہ قصے کہانیاں۔

رافضیوں کی خرافات

جیسے آج کل بعض جاہل قسم کے لوگ گھروں میں بی بی فاطمہ کا قصہ پڑھتے ہیں اور کسی جگہ امیر حمزہ کا قصہ پڑھا جاتا ہے۔ یہ تمام رافضیوں کی بنائی ہوئی خرافات ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ سمجھ دار عورتیں اچھی طرح سن لیں کہ بی بی فاطمہ کا

قصہ اوّل تا آخر بالکل جھوٹ ہے۔ نہ سنو اور نہ سنانے دو۔ کبھی حضرت جعفر کے کونڈے ہوتے ہیں یہ ان خبیث قوموں اور فرقوں نے لوگوں کو پھنسانے کے لیے طریقے ایجاد کیے ہوئے ہیں جیسے مرغیوں کو پکڑنے کے لیے چوگا اور دانہ ڈالتے ہیں۔ تم اپنے گھروں میں قرآن کریم رکھو اس کو پڑھو، بہشتی زیور پڑھو، تعلیم الاسلام پڑھو اور اپنے ایمان اور عمل کو بچاؤ۔ یہ جھوٹے قصے، کہانیاں نہ پڑھو، ناولوں سے پرہیز کرو۔ ان میں بے شک اُردو ادب ہوتا ہے اس کا کوئی انکار نہیں ہے لیکن دو تین بار پڑھنے کے بعد بھٹک جاؤ گے۔

تو فرمایا یہ خریدتے ہیں کھیل تماشے کی باتیں ﴿لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو گمراہ کریں علم کے بغیر۔ علم تو ان میں ہے نہیں قصے کہانیاں ہیں اور یہ جہالت کی وجہ سے سب کچھ کر رہے ہیں ﴿وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا﴾ اور تاکہ بنائیں اللہ تعالیٰ کے راستے کو ٹھٹھا۔ صحیح راستے کا مذاق اُڑاتے ہیں فرمایا ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ ان لوگوں کے لیے عذاب ہوگا رسوا کرنے والا ﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا﴾ اور جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں ﴿وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا﴾ پیٹھ پھیر لیتا ہے تکبر کرتے ہوئے ﴿كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا﴾ گویا کہ اس نے سنا ہی نہیں ہے ﴿كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا﴾ گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں ڈاٹ ہیں جس چیز سے نفرت ہو اس کے لیے آدمی ایسے ہی کرتا ہے۔

ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے جا رہے تھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بانسری کی آواز سنی کانوں میں انگلیاں دے لیں چلتے رہے۔ پوچھا آواز آ رہی ہے؟ ساتھیوں نے کہا دھیمی دھیمی آواز آ رہی ہے پھر چلتے رہے اور پوچھا کہ آواز آ رہی ہے؟ عرض کیا گیا کہ نہیں آ رہی۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں سے انگلیاں نکالیں۔ تو جس چیز سے نفرت ہو اس کو آدمی نہیں سنتا۔ تو یہ خود بھی نہیں سنتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ [حم سجدہ: ۲۶] "اور کہا کافروں نے اس قرآن کو نہ سنو اور شور مچاؤ تاکہ اور بھی کوئی نہ سنے تاکہ تم غالب آ جاؤ۔" میری اس بات کو یاد رکھنا اس وقت سب سے بڑی نیکی ہر مرد اور عورت کی یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کا ترجمہ پڑھے اور سمجھے۔ یہ صرف مولویوں کے لیے نہیں ہے سب کے لیے ہے۔

قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت ہوگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استغاثہ دائر کریں گے مقدمہ درج کرائیں گے اور فرمائیں گے اے میرے رب! ﴿إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ [فرقان: ۳۰] "بے شک میری قوم نے بنا لیا اس قرآن کو چھوڑا ہوا۔" اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ فرمایا ﴿فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ پس آپ ان کو خوش خبری سنا دیں دردناک عذاب کی۔ یہ طنز ہے۔ فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ﴾ ان کے لیے باغ ہیں نعمتوں کے ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے ان باغوں میں۔ ہمیشہ کی خوشیاں ہوں گی ہمیشہ کی نعمتیں ہوں گی۔ جو نیک بخت ایک دفعہ داخل ہو گیا پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہے گا ﴿وَعْدَ اللهِ حَقًّا﴾ رب تعالیٰ کا وعدہ سچا اور پکا ہے۔ تم ایمان لاؤ، اچھے عمل کرو اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا کہ تمھیں نعمتوں کے باغوں میں داخل کرے گا ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ

﴿الْحَكِيْمُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے، حکمت والا بھی ہے۔

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ پیدا کیا اس نے آسمانوں کو ﴿بِغَيْرِ عَمَدٍ﴾ بغیر ستونوں کے ﴿تَرَوْنَهَا﴾ جن کو تم دیکھتے ہو ﴿وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ﴾ اور ڈال دیئے اس نے زمین میں ﴿رَوَاسِيَ﴾ مضبوط پہاڑ ﴿اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ﴾ تاکہ وہ حرکت نہ کرے تمھیں لے کر ﴿وَبَثَّ فِيْهَا﴾ اور پھیلا دیئے اس نے زمین میں ﴿مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ﴾ ہر طرح کے جانور ﴿وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور اُتارا ہم نے آسمان کی طرف سے ﴿مَآءً﴾ پانی ﴿فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا﴾ پس ہم نے اُگائے ہیں زمین میں ﴿مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ﴾ ہر قسم کے عمدہ جوڑے ﴿هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں ﴿فَاَرُوْنِيْ﴾ پس تم مجھے دکھلاؤ ﴿مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ﴾ کیا پیدا کیا ہے ان لوگوں نے ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ جو اللہ تعالیٰ سے نیچے ہیں ﴿بَلِ الظّٰلِمُوْنَ﴾ بلکہ ظالم لوگ ﴿فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ کھلی گمراہی میں ہیں ﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے لقمان رحمہ اللہ تعالیٰ کو ﴿الْحِكْمَةَ﴾ دانائی ﴿اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ﴾ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو ﴿وَ مَنْ يَّشْكُرْ﴾ اور جو شخص شکر ادا کرتا ہے ﴿فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ﴾ پس پختہ بات ہے کہ وہ شکر ادا کرتا ہے اپنی جان کے لیے ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ اور جس نے ناشکری کی ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ پس بیشک اللہ تعالیٰ بے پروا، تعریفوں والا ہے ﴿وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ﴾ اور جس وقت کہا لقمان نے ﴿لِابْنِهٖ﴾ اپنے بیٹے کو ﴿وَهُوَ يَعِظُهٗ﴾ اور وہ اس کو نصیحت کر رہا تھا ﴿يٰبُنَيَّ﴾ اے میرے پیارے بیٹے! ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ نہ شرک کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ بے شک شرک البتہ بڑا ظلم ہے ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ﴾ اور ہم نے تاکیدی حکم دیا ہے انسان کو ﴿بِوَالِدَيْهِ﴾ اس کے والدین کے بارے میں ﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ﴾ اُٹھایا اس کو اس کی ماں نے ﴿وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ﴾ کمزوری پر کمزوری ﴿وَّ فِصٰلُهٗ﴾ اور اس کا دودھ چھڑانا ﴿فِيْ عَامَيْنِ﴾ دو سالوں میں ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ﴾ یہ کہ میرا شکر ادا کر ﴿وَلِوَالِدَيْكَ﴾ اور اپنے ماں باپ کا ﴿اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾ میری طرف لوٹنا ہے ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ﴾ اور اگر وہ تجھے مجبور کریں ﴿عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ﴾ اس بات پر کہ تم میرے ساتھ شریک ٹھہراؤ ﴿مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اس چیز کو جس کا تجھ کوئی علم نہیں ہے ﴿فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ پس ان کی اطاعت نہ کرنا ﴿وَصَاحِبْهُمَا﴾ اور ان کا ساتھی بنا رہنا ﴿فِي الدُّنْيَا﴾ دنیاوی معاملات میں ﴿مَعْرُوْفًا﴾ اچھے طریقہ سے ﴿وَّاتَّبِعْ﴾ اور پیروی کرنا ﴿سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ اس کے راستے کی جس نے میری طرف رجوع کیا ﴿ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر میری طرف تمھارا لوٹنا ہے ﴿فَاُنَبِّئُكُمْ﴾ پس

میں تمھیں خبر دوں گا ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ان کاموں کی جو تم کرتے تھے۔

تفسیر آیات

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ذکر فرمایا ہے کہ کوئی سمجھنا چاہے تو اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے اور اگر آنکھیں بند کرلے تو پھر سمجھنا آسان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ اس نے پیدا کیا آسمانوں کو ﴿بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾۔ عَمَدٌ عِمَاد کی جمع ہے۔ معنیٰ ہے ستون۔ بغیر ستونوں کے جن کو تم دیکھتے ہو۔ آسمانوں کے نیچے کوئی ستون نہیں ہے۔ یہ پہلا آسمان تو ہمیں نظر آتا ہے اس پر دوسرے، تیسرے، چوتھے کو پانچویں، چھٹے، ساتویں کو قیاس کرلو۔ لوگ چھوٹی سی عمارت کھڑی کرتے ہیں تو اس کے نیچے کتنی دیواریں اور ستون ہوتے ہیں لیکن اتنے بڑے آسمان اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کھڑے ہیں نیچے کوئی ستون نہیں ہے ﴿وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ﴾ اور ڈال دیئے اس نے زمین میں مضبوط پہاڑ۔ رَوَاسِیَ رَاسِیَةٌ کی جمع ہے بمعنیٰ مضبوط پہاڑ ﴿اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ﴾ تاکہ وہ زمین حرکت نہ کرے تمھیں لے کر۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا فرمائی تو اس میں اضطراب تھا، لرزش تھی۔ آج معمولی سا زلزلہ آجائے تو لوگ گھروں سے نکل کر باہر بھاگ جاتے ہیں ڈر کے مارے کہ کہیں مکان ہم پر نہ گر جائیں۔ اگر زمین میں اضطراب رہتا تو اس پر مکان کس نے بنانے تھے اور اس پر رہنا کس نے تھا؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ بڑے بڑے مضبوط پہاڑ میخوں کے طور پر اس میں ٹھونک دیئے ﴿وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ [سورۃ نبا] ﴿وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ﴾ اور پھیلا دیئے اس نے زمین میں ہر طرح کے جانور۔ چار ٹانگوں والے بھی ہیں دو ٹانگوں والے بھی ہیں اور پھر عجیب وغریب شکلیں ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیلیں ہیں ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور اُتارا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی۔ بارش برسائی بارش برسانے کے بعد ﴿فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا﴾ پس اُگائے ہم نے زمین میں ﴿مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ﴾ ہر قسم کے عمدہ جوڑے۔ زوج کا معنیٰ جوڑا بھی ہوتا ہے۔ پھلوں میں میٹھے بھی ہیں کڑوے بھی ہیں، گرم بھی ہیں ٹھنڈے بھی ہیں، مختلف رنگوں میں بھی ہیں، خشک بھی ہیں تر بھی ہیں، یہ مختلف چیزیں اللہ تعالیٰ کے سوا کس نے پیدا کی ہیں ایک زمین سے؟ اور ذائقے مختلف ہیں، رنگ مختلف ہیں، بارش کا پانی بھی سب کو ایک جیسا ملتا ہے ہوا اور سورج کی کرنیں بھی ایک جیسی ہیں یہ کس ذات کی قدرت سے ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ﴾ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزیں ﴿فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ پس تم مجھے دکھاؤ کیا پیدا کیا ہے ان لوگوں نے جو اللہ تعالیٰ سے نیچے ہیں جن کو تم نے معبود، مشکل کشا بنایا ہوا ہے انھوں نے بھی کوئی چیز پیدا کی ہے پیدا کرنا ان کے اختیار ہی میں نہیں ہے وہ کیا پیدا کر سکتے ہیں؟ سترھویں پارے کے آخری رکوع میں تم پڑھ چکے ہو ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ﴾ اے لوگو! بیان کی گئی ہے ایک مثال ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ پس تم ان کو غور سے سنو ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ "بے شک وہ لوگ جن کو تم پکارتے ہو پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے وہ

سارے مل کر ایک مکھی نہیں بنا سکتے۔" یہ اتنے بے بس ہیں اور ہر بڑی اور چھوٹی چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی قدرت کے اتنے واضح دلائل اور نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی شرک کرو تو بہت بُری بات ہے اور شرک کرنے والے بڑے ظالم ہیں ﴿بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ بلکہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

آگے اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان فرمایا ہے ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے لقمان رحمۃ اللہ علیہ کو دانائی اور سمجھ۔ ان کے باپ کا نام باعور تھا اور دادا کا نام ناحور تھا رحمہما اللہ تعالیٰ۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بہت بڑے بزرگ تھے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ پیغمبر تھے۔ ان کے سوا کوئی ان کی نبوت کا قائل نہیں ہے۔ جمہور کے نزدیک وہ پیغمبر نہیں تھے اللہ تعالیٰ کے ولی اور نیک بندے تھے۔ جاہل لوگ حقے کی اچھائی پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ حضرت لقمان کی ایجاد ہے۔ کیسے دانا تھے کہ انھوں نے حقہ ایجاد کیا۔ لیکن رب تعالیٰ ان کی حکمت اور دانائی بیان فرماتے ہیں۔ فرمایا ﴿اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ﴾ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے وہ دانا ہے اس میں سمجھ ہے عقل مندی ہے۔ پارہ نمبر ۴ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۹۱ میں اللہ تعالیٰ نے عقل مندوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں ﴿اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾ "عقل مند وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہونے کی حالت میں اور بیٹھنے کی حالت میں اور پہلو کے بل لیٹنے کی حالت میں۔" اور غور وفکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھتے ہوئے کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ "اے ہمارے پروردگار تو نے ان کو بے مقصد اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔" تو دانائی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے بے شمار دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں ان میں سے ایک یہ ہے: اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ نِعْمَةً اَوْ اَمْسٰى اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَ الشُّكْرُ "اے پروردگار! صبح سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر صبح تک جو نعمتیں آپ نے مجھے دی ہیں اور جس مخلوق کو دی ہیں آپ اکیلے نے دی ہیں آپ کے سوا کوئی دینے والا نہیں ہے آپ کا کوئی شریک نہیں ہے پس آپ کے لیے حمد ہے اور شکر ہے۔" اور شکر ادا کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ [ابراہیم: ۷] "اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں ضرور تمھیں زیادہ دوں گا۔" کتنے واضح الفاظ میں فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

فرمایا ﴿وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ﴾ اور جو شخص شکر ادا کرتا ہے پس پختہ بات ہے کہ وہ شکر ادا کرتا ہے اپنی جان کے لیے۔ اس شکر کا صلہ اس کو دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی ملے گا۔ شکر کا فائدہ بندے ہی کو ہے اللہ تعالیٰ کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اور اگر ساری مخلوق ناشکری کرے تو اللہ تعالیٰ کی شان میں کوئی کمی نہیں آئے گی ساری مخلوق باغی ہو جائے

اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ فرمایا ﴿وَ مَنْ كَفَرَ﴾ اور جس نے ناشکری کی رب تعالیٰ کی نعمتوں کی ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے وہ تمھارے شکر کا محتاج نہیں ہے ﴿حَمِیْدٌ﴾ تعریفوں والا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا نہ بھی کرو گے تو اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ وہ فی حد ذاتہٖ قابل تعریف ہے ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ﴾ [اسراء: ۴۴] "تسبیح بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔" ریت کا ایک ایک ذرہ، پانی کا ایک ایک قطرہ، درختوں کا ایک ایک پتا اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے ﴿وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ "لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔" لہٰذا اگر تم اس کا شکر ادا نہیں کرو گے تو اس کی شان میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹے کو نصیحت کرنا

﴿وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ﴾ اور جس وقت کہا لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو۔ اکثر حضرات اس کا نام ساران بتلاتے ہیں ﴿وَ هُوَ یَعِظُهٗ﴾ اور وہ اس کو نصیحت کر رہا تھا۔ نصیحت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بیٹا مشرک تھا اس کو شرک سے روکنے کے لیے نصیحت کی۔ دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ تھا تو موحد مشرک نہیں تھا اس کو مزید توحید پر پختہ کرنے کے لیے یہ سبق دیا۔ کیا نصیحت کی؟ ﴿یٰبُنَیَّ﴾ یہ تصغیر ہے پنجابی میں اس کا معنیٰ ہے اے میری پتری! بڑے پیار کا انداز ہے اے میرے پیارے بیٹے! ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ نہ شرک کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہرانا ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون میں شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ [النساء: ۴۸] "بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور بخش دے گا اس سے ورے جس کو چاہے گا۔" رب تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے کہ مشرک کو نہیں بخشے گا اور کفر و شرک کے علاوہ جو گناہ ہیں جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو تقریر قوم کو سمجھانے کے لیے فرمائی وہ پارہ نمبر ۶ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۷۲ میں موجود ہے ﴿وَ قَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ "اور کہا مسیح علیہ السلام نے اے بنی اسرائیل عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے بے شک جس نے شرک کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ پس تحقیق حرام کر دی اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت اور ٹھکانا اس کا دوزخ ہے۔"

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہرانا ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ "بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔" کئی لوگ شرک کا مفہوم ہی نہیں سمجھے۔ وہ شرک صرف بتوں کی پوجا کو سمجھتے ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کی اطاعت کرنا یہ بھی شرک ہے۔ سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۲۱ میں ہے ﴿وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴾ "اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو بے شک البتہ تم بھی شرک کرنے والے بن جاؤ گے۔" تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کی اطاعت کرنا یہ بھی شرک کی قسم ہے اور

گناہ جتنے بھی ہیں وہ شیطان کی ترغیب کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

تو شیطان کی پیروی کرنا شرک کی قسم ہے چاہے وہ وضع قطع میں ہو یا لباس میں یا خوراک میں ہو اور شرک کی ایک قسم ہے اپنی خواہش کو الٰہ بنانا۔ سورۃ جاثیہ آیت نمبر ۲۳ میں ہے ﴿ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ﴾ "کیا پس آپ نے نہیں دیکھا اس شخص کو جس نے بنا لیا الٰہ اپنی خواہش کو۔" جو اس کی خواہش کہتی ہے وہ کرتا ہے شریعت کی مخالفت میں ذاتی خواہش پر چلنے والا بھی مشرک ہے۔ اسی مضمون کو علامہ اقبال مرحوم نے بیان کیا ہے۔

نہیں ہے دہریت کیا بندہ حرص و ہوا ہونا
قیامت ہے مگر اوروں کو سمجھا دہریہ تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

از روئے قرآن ایسی خواہش پر چلنا جو شریعت کے حکم کے خلاف ہو یہ بھی شرک ہے۔ مشرک کے سینگ نہیں ہوتے وہ اچھا بھلا آدمی ہوتا ہے شیطان کی اطاعت کرنے والا مشرک ہے۔ اور جو آدمی شریعت کے خلاف اپنی مرضی پر چلتا ہے وہ بھی مشرک ہے اور شرک بہت بڑا گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ مشرکوں کو کبھی معاف نہیں کریں گے اور شرک کے علاوہ سارے گناہ معاف کر دے گا۔ آنحضرت ﷺ کی حدیث قدسی ہے۔ حدیثِ قدسی اسے کہتے ہیں کہ وہ بات اللہ تعالیٰ نے براہ راست آنحضرت ﷺ کو بتلائی ہو اس میں جبرئیل علیہ السلام کا بھی واسطہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَوْ لَقِيْتَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ ذَنْبًا لَلَقِيْتُكَ مِثْلُهَا مَغْفِرَةً "اے آدم کے بیٹے! اگر تو مجھے ملے اتنے گناہوں کے ساتھ کہ ساری زمین گناہوں سے بھری ہوئی ہو۔ مشرق سے لے کر مغرب تک شمال سے لے کر جنوب تک زمین کے فرش سے لے کر آسمان کی چھت تک تیرے گناہ ہوں میں تجھے بخش دوں گا مَا لَمْ تُشْرِكْ بِیْ شَيْئًا یہ شرط ہے کہ تو نے میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کیا ہو۔ نہ اپنے نفس کو نہ شیطان کو نہ خواہش کو۔"

تو حکیم لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا بیٹا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرنا شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اور فرمایا بیٹے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ﴾ اور ہم نے تاکیدی حکم دیا انسان کو اس کے والدین کے بارے میں ﴿ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ ﴾ اُٹھایا اس کو اس کی ماں نے اپنے پیٹ میں ﴿ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ ﴾ کمزوری سے کمزوری پر۔ پہلے بچہ پیٹ میں ہلکا ہوتا ہے تکلیف تھوڑی ہوتی ہے پھر جب بڑا ہوتا جاتا ہے تو تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔ تو تکلیف پر تکلیف کے ساتھ اس کو ماں نے پیٹ میں اُٹھایا ﴿ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَيْنِ ﴾ اور اس کا دودھ چھڑانا دو سالوں میں ہے۔ بعض پہلے بھی چھڑا دیتے ہیں۔ جس ماں نے نو ماہ پیٹ میں اُٹھایا دو سال دودھ پلایا اب یہ بچہ بڑا ہونے کے بعد ماں کو پوچھے بھی نا تو کتنا بڑا ظلم ہوگا۔

فرمایا ﴿ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَيْكَ ﴾ یہ کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا شکر بھی ادا کرو۔ اے بندے یاد رکھنا! ﴿ اِلَیَّ

﴿الْمَصِيْرُ﴾ میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے اور مجھ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اور بندے یہ بھی یاد رکھنا!﴿وَ اِنْ جَاهَدٰكَ﴾ اور اگر ماں باپ تیرے اُوپر کوشش صرف کریں تجھے مجبور کریں ﴿عَلٰۤى اَنْ﴾ اس بات پر ﴿تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ کہ میرے ساتھ شریک ٹھہراؤ ان چیزوں کو جن کا تمھیں کوئی علم نہیں ہے تو میرا فیصلہ سن لو ﴿فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ پھر ماں باپ کی اطاعت بالکل نہیں کرنی۔ ماں باپ کفر و شرک پر آمادہ کریں گناہ پر آمادہ کریں تو پھر ان کے قریب نہیں جانا ﴿وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ اور ساتھی بنا رہ ان کا دنیا کی زندگی میں اچھے طریقہ کے ساتھ۔ لباس، خوراک، رہائش، بیماری میں ان کی خدمت کرنی ہے بول چال میں نرمی برتنی ہے مگر عقیدے میں ان کا ساتھ نہیں دینا ﴿وَّ اتَّبِعْ﴾ اور اتباع کر، تقلید کر۔

تقلید اور اتباع شئی واحد ہے

تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے۔ پیروی کر، تقلید کر ﴿سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ ان لوگوں کے راستے کی جو میری طرف رجوع کرتے ہیں۔ یاد رکھنا! جتنے امام فقہاء گزرے ہیں، محدثین گزرے ہیں، مفسرین گزرے ہیں سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے ان کی بات سننے کا، ان کی پیروی کرنے کا اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا قرآن میں حکم ہے۔ رہی یہ بات کہ یہاں تو اتباع کا حکم ہے؟ تو فقہائے کرام رحمہم اللہ علیہم نے تصریح فرمائی ہے کہ: اَلْاِتِّبَاعُ وَ التَّقْلِيْدُ شَيْءٌ وَّاحِدٌ "اتباع اور تقلید دونوں ایک چیز ہیں۔" تو فرمایا ان کی پیروی اور تقلید کرو جو میری طرف رجوع کرتے ہیں ﴿ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر میری طرف تمھارا لوٹنا ہے ﴿فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پس میں تمھیں خبر دوں گا ان کاموں کی جو تم کرتے تھے کہ تم نے یہ کیا اس کا یہ پھل ہے اور یہ کیا اس کا یہ بدلہ ہے۔ اس چیز کو مت بھولنا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿يٰبُنَيَّ﴾ اے میرے پیارے بیٹے! ﴿اِنَّهَاۤ﴾ بے شک وہ برائی ﴿اِنْ تَكُ﴾ اگر ہو وہ ﴿مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ﴾ رائی کے دانے کے برابر ﴿فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ﴾ پھر ہو وہ برائی کسی چٹان میں ﴿اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ یا آسمانوں میں ﴿اَوْ فِي الْاَرْضِ﴾ یا زمین میں ﴿يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ﴾ لائے گا اس کو اللہ تعالیٰ میدان میں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین ہے، خبر دار ہے ﴿يٰبُنَيَّ﴾ اے میرے پیارے بیٹے! ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ قائم رکھو نماز کو ﴿وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اور حکم کر نیکی کا ﴿وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور روک برائی سے ﴿وَ اصْبِرْ﴾ اور صبر کر ﴿عَلٰى مَاۤ﴾ ان تکالیف پر ﴿اَصَابَكَ﴾ جو تجھے پہنچے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک یہ ﴿مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ پختہ باتوں میں سے ہے ﴿وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ﴾ اور نہ پھلا اپنے گال کو ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے سامنے ﴿وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا﴾ اور نہ چلو زمین میں اکڑتے ہوئے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يُحِبُّ﴾ نہیں پسند کرتا ﴿كُلَّ﴾

﴿مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ کسی بھی اترانے والے اور شیخی مارنے والے کو ﴿وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ﴾ اور میانہ روی اختیار کر اپنی چال میں ﴿وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ﴾ اور پست رکھو اپنی آواز کو ﴿اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ﴾ بے شک سب آوازوں میں بری آواز ﴿لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ﴾ البتہ گدھے کی آواز ہے۔

تفسیر آیات

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے ساران رحمۃ اللہ علیہ کو نصیحت کرتے ہوئے بڑی قیمتی باتیں بیان فرمائی ہیں کہ بیٹے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہرانا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں کی دعوت کا پہلا سبق ہے۔ پیغمبروں کی دعوت اسی سبق سے شروع ہوتی ہے ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ "اے میری قوم! عبادت اللہ تعالیٰ کی کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔" اور کلمے کا پہلا جز بھی یہی ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دوسرے نمبر پر والدین کے حقوق بتلائے۔ اے بیٹے! اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ماں نے تکلیف پر تکلیف اٹھائی ہے اور باپ نے بھی کمائی کے سلسلے میں بڑی تکلیف اٹھائی ہے تجھے پالا ہے ان کی خدمت کو نہ بھولنا۔ ہاں! اگر ماں باپ تمھیں شرک پر آمادہ کریں تو پھر ان کی بات نہیں ماننی۔ کوئی بھی گناہ کی بات والدین کہیں تو نہیں ماننی۔ دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔ اور میرے بیٹے! رب تعالیٰ نے فرمایا ہے جو لوگ میری طرف رجوع کرنے والے ہیں ان کا اتباع کرنا جو میرے ساتھ تعلق جوڑنے والے بندے ہیں ان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔

پہلے عقائد بتلائے آگے تصوف بتلاتے ہیں، اخلاقیات۔ لوگ تصوف کی تعریف کرنے میں بڑا اختلاف کرتے ہیں۔ تصوف کس کو کہتے ہیں؟ بعض نے کہا ہے کہ صوف کا لباس پہننے والا صوفی ہوتا ہے مگر یہ کوئی بات نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تصوف کا مطلب ہے کہ اپنے باطن کو صاف رکھے اپنے رب کے لیے اور بندوں کے لیے بھی۔ صوفی وہ ہے جس کا ظاہر و باطن صاف ہو رب تعالیٰ کے لیے اور بندوں کے لیے۔ تو تصوف کا خلاصہ یہ ہے کہ باطن کی صفائی کرنا، رب تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا، بندوں کی ہمدردی اور خیر خواہی میں کمی نہ کرنا۔

یہ باتیں یاد رکھنا! بڑی قیمتی باتیں ہیں جو لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو بتلائی ہیں۔

فرمایا ﴿یٰبُنَیَّ﴾ اے میری پتری، اے میرے پیارے بیٹے! ﴿اِنَّهَآ﴾ بے شک وہ بری خصلت، گناہ ﴿اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ﴾ اگر ہو وہ ایک دانے کے برابر ﴿مِّنْ خَرْدَلٍ﴾ رائی کے۔ اگر گناہ، بری خصلت، بری چیز رائی کے ایک دانے کے برابر بھی ہو ﴿فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ﴾ پھر ہو وہ برائی چٹان میں یعنی وہ برائی کسی چٹان میں چھپ کر کی گئی ہو ﴿اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ﴾ یا آسمانوں میں جا کر برائی کی ہو ﴿اَوْ فِی الْاَرْضِ﴾ یا زمین میں سرنگ لگا کر اس میں برائی کی ہو تو بیٹے یاد رکھنا! ﴿یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ﴾ لائے گا اس کو اللہ تعالیٰ میدان میں قیامت والے دن۔ مطلب یہ ہے کہ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی نے برائی کی چاہے

جہاں کہیں کی ہے اس کا بھی حساب ہوگا۔ اگر ہم اس نکتے پر یقین رکھیں تو بہت سی برائیوں سے بچ سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کے پابند ہو جائیں گے۔

جھوٹ چھوڑنے کی وجہ سے تمام گناہ چھوٹ گئے

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک نوجوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت! آپ بمنزلہ والدین کے ہیں آپ سے کوئی چیز چھپانی نہیں ہے۔ میرے اندر چار بری خصلتیں ہیں اور میں سب کو یک دم چھوڑ نہیں سکتا۔ ایک آدھ کے متعلق فرمائیں تو چھوڑ دوں گا باقی کے بارے میں پھر دیکھوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کون سی خصلتیں ہیں؟ کہنے لگا ایک جھوٹ ہے، دوسری زنا ہے، تیسری شراب نوشی ہے اور چوتھی جوا کھیلنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وعدہ کرتے ہو کہ ایک کو چھوڑ دو گے؟ کہنے لگا ہاں! تو فرمایا جھوٹ کو چھوڑ دو۔ اس نے کہا وعدہ ہے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ جب رات کو گھر گیا شراب پینے کا وقت آیا تو گھر والوں نے شراب کا پیالہ لا کر سامنے رکھا تو یہ سوچ میں پڑ گیا کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں جاؤں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل مجلس کی موجودگی میں پوچھیں گے کہ تو نے شراب پی ہے یا نہیں؟ اگر کہا کہ نہیں پی تو یہ جھوٹ ہوگا اور جھوٹ نہ بولنے کا وعدہ کر کے آیا ہوں اور اگر کہا کہ پی ہے تو مجرم ثابت ہو جاؤں گا۔ یہ سوچ کر گھر والوں سے کہا کہ پیالہ توڑ دو آئندہ مجھے شراب نہ دینا۔ تھوڑی دیر کے بعد جواری ساتھی آگئے یہ فکر میں پڑ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ جوا کھیلا ہے تو جھوٹ تو بولنا نہیں اقرار کروں گا تو بدنام ہو جاؤں گا۔ ساتھیوں سے کہا کہ آج کے بعد جوا کھیلنے کے لیے میرے گھر نہ آنا اور نہ ہی مجھے جوے کی دعوت دینا۔ رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد وہ عورت آگئی جس کے ساتھ بدمعاشی کرتا تھا۔ پھر وہی فکر دامن گیر ہوئی تو اس عورت کو کہا کہ واپس چلی جا اور آئندہ میرے گھر نہ آنا جو ہو چکا سو ہو چکا وہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے میں نے گناہ چھوڑ دیا ہے۔ صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر کہا: بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ حضرت! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں آپ نے مجھ سے ایک چیز نہیں سب چیزیں چھڑا دی ہیں۔ ایک جھوٹ تھا جو تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

تو آدمی میں اگر جواب دہی کی فکر پیدا ہو جائے تو گناہ چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح اگر یہ بات دماغ میں بیٹھ جائے کہ میں نے اگر ذرہ برابر بھی گناہ کیا ہے جہاں بھی کیا وہ میرے سامنے آئے گا تو آدمی تمام برائیوں سے بچ جائے گا۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چٹان میں گناہ کرتا ہے جس کا نہ کوئی دروازہ ہے، نہ کھڑکی ہے، نہ روشن دان ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے گا۔ تو اگر کوئی اس خیال سے گناہ کرتا ہے کہ میرا گناہ چھپا رہے گا تو وہ غلطی پر ہے۔ آج ظاہر نہ ہو تو کل ظاہر ہو جائے گا کل نہ ظاہر ہوا تو پرسوں ظاہر ہو جائے گا، ہفتے تک ہو جائے گا، مہینے تک ہو جائے گا۔ تو انسان جب یہ بات سمجھ لے گا اور اس کو دماغ میں بٹھا لے گا کہ گناہ ایک نہ ایک دن ظاہر ہوگا اور پھر مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے گی تو وہ گناہ سے بچنے

کی کوشش کرے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین ہے خبردار ہے۔ وہ نیتوں اور ارادوں کو جاننے والا ہے ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے۔

پہلے عقائد پھر اخلاقیات اور اب آگے عبادات کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿يٰبُنَيَّ﴾ اے میرے پیارے بیٹے! ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ نماز قائم کرو۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا نہ کوئی اُمت ایسی گزری ہے کہ جس میں نماز کا تصور نہ ہو۔ نماز ہر نبی کی شریعت میں تھی اور ہر اُمت پر تھی ہاں! یہ بات الگ ہے کہ کسی پر تھوڑی کسی پر زیادہ۔ یہ پانچ نمازیں صرف ہمیں ملی ہیں خصوصاً عشاء کی نماز۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ عشاء کی نماز پہلی اُمتوں کو نہیں ملی یہ صرف رب تعالیٰ نے تمھیں عطا فرمائی ہے۔

تو فرمایا میرے پیارے بیٹے! نماز کو نہ چھوڑنا ﴿وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اور حکم کر نیکی کا ﴿وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور روک برائی سے۔ یہ لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی اور اس اُمت کے فریضہ میں ہے امر بالمعروف نہی عن المنکر یہ اس اُمت کا فرض ہے۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۱۰ میں ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ "تم تمام اُمتوں میں سے سب سے بہتر اُمت ہو تمھیں پیدا کیا گیا ہے لوگوں کے لیے، تمھیں اپنے لیے نہیں پیدا کیا گیا کہ تم سمجھو کہ ہمارا کاروبار چل رہا ہے دکانیں چل رہی ہیں کام خوب ہو رہا ہے نہیں بلکہ تمھیں لوگوں کے فائدے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ لوگوں کا کیا کام کرو گے؟ نیکی کا حکم دینا ہے برائی سے منع کرنا ہے۔" امر بالمعروف نہی عن المنکر ہر اُمتی کا فریضہ ہے یہ صرف مولویوں کی ذمہ داری نہیں ہے۔

حدیث میں آتا ہے: بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً "بخاری شریف کی روایت ہے اگر تمھیں قرآن کریم کی ایک آیت بھی آتی ہے تو تمھارے فریضہ میں ہے کہ اس کو دوسروں تک پہنچاؤ۔" اپنی فکر کے ساتھ دوسروں کی بھی فکر کرو۔ لوگ دنیا کے پیچھے دیوانوں کی طرح پڑے ہوئے ہیں۔ تو فرمایا بیٹے کسی کو برائی کرتے دیکھو تو اس کو منع کرو ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ﴾ اور صبر کر ان تکالیف پر جو تجھے پہنچیں۔ راہِ حق میں لوگ تمھیں طعنہ دیں گے، ماریں پیٹیں گے، ذہنی تکلیف دیں گے، مگر صبر کا دامن نہ چھوڑنا، واویلا نہ کرنا، جزع فزع نہ کرنا۔

بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کو تکلیف آتی ہے تو کہتے ہیں رب جانے میں کیا گناہ کر بیٹھا ہوں۔ اپنے گناہوں کا انکار کرتا ہے معصوم بنتا ہے کہ معلوم نہیں کون سا گناہ کر بیٹھا ہوں۔ تم تو سر سے لے کر پاؤں تک گناہوں میں غرق ہو پھر کہتے ہو کہ خدا جانے کون سا گناہ کر بیٹھا ہوں۔ ہر وقت اپنے آپ کو گنہگار سمجھنا چاہیے۔ اگر ہم اپنے گناہوں کا خیال کریں تو معلوم ہو کہ ہم کتنے گنہگار ہیں اور اگر کوئی گناہ نہ بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت یہ کم گناہ ہے۔ اگر حساب کرو تو اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ تو امر بالمعروف نہی عن المنکر کے نتیجے میں تکلیفیں آئیں پھر صبر کرو۔ ویسے کوئی تکلیف آئے مالی، جانی، بیماری وغیرہ تو پھر صبر سے کام لو علاج کراؤ۔

علاج کرانا سنت ہے

علاج کرنا سنت ہے شفا اللہ تعالیٰ نے دینی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے عَلَیْکُمْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ "اللہ کے بندو تم پر لازم ہے جب بیمار ہو جاؤ تو علاج کرو۔" ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر کہا حضرت! دم کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیال فرمایا کہ اگر اس کو محض دم ہی کر دیا تو یہ سمجھے گا کہ صرف دم ہی سبب شفا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دم کرنے کے ساتھ فرمایا کہ فلاں حکیم سے جا کر دوا بھی لے لو تا کہ اس کا ذہن بن جائے کہ علاج کرانا بھی سنت ہے۔ دوا ظاہری سبب ہے اور دعا روحانی سبب ہے اور اثر دونوں میں اللہ تعالیٰ نے ڈالنا ہے۔ کوئی یہ سمجھے کہ میرے دم میں اثر ہے حاشا وکلّا! یا کوئی کہے کہ میری دوا میں اثر ہے حاشا وکلّا! اثر رب تعالیٰ نے ڈالنا ہے اس کی مرضی ہوگی تو اثر ہوگا نہ ہوگی تو کوئی اثر نہیں ہوگا۔ سنت سمجھ کے علاج کراؤ گے تو جو پیسہ خرچ کرے گا اس کا ثواب ملے گا شفا ہو یا نہ ہو۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں علاج نہ کیا تو اجر نہیں ملے گا۔

بہر حال جو تکالیف آئیں ان پر صبر کرنا چاہیے اور اس کے ازالے کی شریعت کی روشنی میں کوشش کرنی چاہیے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا یُصِیبُ مِنْہُ "جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے (عبد کا لفظ نہ بھولنا) تو اس کو کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے۔" اگر کسی مسلمان کو کوئی ذہنی، روحانی، جسمانی یا خانگی پریشانی آ جائے یا اللہ تعالیٰ کسی مصیبت میں ڈال دے اور وہ اس تکلیف پر صبر کرے تو وہ تکلیف اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور اس کی نیکی بن جاتی ہے۔ ﴿اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ بے شک یہ صبر کرنا پختہ باتوں میں سے ہے ہر آدمی کا کام نہیں ہے۔

اور اے بیٹے! ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ﴾ اور نہ پھلاؤ اپنے گال لوگوں کے سامنے۔ گال پھلانے کا مطلب ہے کہ تم کسی پر غصے کی وجہ سے منہ میں ہوا بھر کر گال پھلاؤ اور آپے سے باہر ہو جاؤ ایسا نہ کرو یہ تکبر کی علامت ہے بلکہ خندہ پیشانی سے دوسروں کی بات سنو اور اس کا جواب دو۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ تکبر کسے کہتے ہیں غمط النّاس لوگوں کو حقیر سمجھنا وَبَطَرُ الْحَقِّ اور حق بات کو ٹھکرا دینا۔ مثلاً: یہ کہے کہ چھوڑو اس کالے کو، اس بونے کو، یہ کمی برادری سے تعلق رکھتا ہے اس کی کیا حیثیت ہے۔ یہ نسبتیں ہیں سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے: لَا فَخْرَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ "عربی کو محض عربی ہونے کی وجہ سے کوئی فضیلت نہیں، کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے کُلُّکُمْ مِنْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام خاک سے پیدا کیے گئے ہیں۔"

فرمایا ﴿وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا﴾ اور نہ چلو زمین پر اتراتے ہوئے ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا کسی بھی اترانے والے شیخی مارنے والے کو۔ اور نصیحت ﴿وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ﴾ اور میانہ روی اختیار کر اپنی

چال میں۔ جب چلوتو میانہ روی اختیار کرو نہ پاگلوں کی طرح بھاگو کہ لوگ کہیں کہ اس کو کیا ہوگیا ہے اور نہ بیماروں کی طرح پاؤں گھسیٹ کر چلو درمیانی چال چلو۔ کیسی پتے کی نصیحتیں فرمائی ہیں۔ اور اے بیٹے! ﴿وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ﴾ اور پست رکھو اپنی آواز کو اتنی کہ لوگ سمجھ لیں۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر امام کے پیچھے مقتدی تھوڑے ہیں اور اس نے زیادہ بلند آواز سے قرأت کی تو فَقَدْ اَسَآءَ "اس نے برا کام کیا ہے۔" مگر آج تو مصیبت ہے کہ چاہے سامنے ایک آدمی بھی مسجد میں نہ ہو اس نے سپیکر پر سارے شہر کو جگایا ہوتا ہے۔

مسجد میں اپنی آواز کو پست رکھنا چاہیے

تفسیر مظہری وغیرہ میں ہے کہ ایک آدمی بھی مسجد میں ہو تو اُونچی آواز سے قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے کہ اس کی نماز میں خلل آئے گا۔ آج تو لوگوں نے دوسروں کو بیدار کرنا ہی عبادت سمجھا ہوا ہے۔ کسی کی نماز ہو یا نہ ہو، کوئی آرام کر رہا ہے یا نہیں، کوئی بیمار ہے، کوئی مطالعہ کر رہا ہے اس کو کسی کی کوئی پروا نہیں ہے۔

قیامت کی نشانیوں میں سے ہے رَفْعُ الْاَصْوَاتِ "آوازوں کا بلند ہونا۔" خصوصاً مسجدوں میں لوگوں کو چین نہیں لینے دیں گے۔ تو فرمایا بیٹے! اپنی آواز کو پست رکھو اس لیے کہ اُونچی آواز اگر کوئی فضیلت کی بات ہوتی تو گدھا بڑا افضل ہوتا۔ حالاں کہ ﴿اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ بے شک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی آواز ہے۔ ایسی آواز سے بات کرو جو لوگوں کے کانوں تک پہنچ جائے ویسے لوگوں کے کان نہ کھاؤ۔ پانچ دس آدمی ہیں اور تم نے ساری بستی کو بیدار کیا ہوا ہے۔ کیسی اہم نصیحتیں ہیں۔ رب تعالیٰ ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿اَلَمْ تَرَوْا﴾ کیا تم نہیں دیکھتے ﴿اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے کام میں لگا دیا ہے ﴿مَّا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَاَسْبَغَ﴾ اور اس نے مکمل کی ہیں ﴿عَلَيْكُمْ﴾ تمھارے اُوپر ﴿نِعَمَهٗ﴾ اپنی نعمتیں ﴿ظَاهِرَةً﴾ ظاہری ﴿وَّبَاطِنَةً﴾ اور باطنی ﴿وَمِنَ النَّاسِ﴾ اور لوگوں میں سے ﴿مَنْ﴾ وہ بھی ہیں ﴿يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ﴾ جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ علم کے بغیر ﴿وَّلَا هُدًى﴾ اور بغیر ہدایت کے ﴿وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾ اور نہ کوئی کتاب ہے روشنی پہنچانے والی ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ﴾ اور جب ان کو کہا جاتا ہے ﴿اتَّبِعُوْا﴾ پیروی کرو ﴿مَآ﴾ اس چیز کی ﴿اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿بَلْ نَتَّبِعُ﴾ بلکہ ہم پیروی کریں گے ﴿مَا﴾ اس چیز کی ﴿وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ پایا ہم نے جس پر اپنے آباؤ اجداد کو ﴿اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ﴾ کیا اور اگر چہ ہو شیطان ﴿يَدْعُوْهُمْ﴾ بلاتا

ہوان کو ﴿اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ شعلہ مارنے والے عذاب کی طرف ﴿وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ﴾ اور جس نے جھکا دیا اپنا چہرہ ﴿اِلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ اور وہ نیکی کرنے والا ہے ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ﴾ پس بے شک اس نے پکڑ لیا ﴿بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ مضبوط دستے کو ﴿وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہے سب کاموں کا انجام ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ اور جس نے کفر کیا ﴿فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ﴾ پس نہ غم میں ڈالے آپ کو اس کا کفر ﴿اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے ﴿فَنُنَبِّئُهُمْ﴾ پس ہم ان کو خبر دیں گے ﴿بِمَا﴾ اس کارروائی کی ﴿عَمِلُوْا﴾ جو انھوں نے کی ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيْمٌ﴾ جاننے والا ہے ﴿بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ دلوں کے رازوں کو ﴿نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا﴾ ہم ان کو فائدہ دیتے ہیں تھوڑا ﴿ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ﴾ پھر ہم ان کو مجبور کر دیں گے ﴿اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴾ سخت عذاب کی طرف ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں ﴿مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو ﴿لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ البتہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ﴾ بلکہ اکثر ان کے ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ نہیں جانتے۔

ربطِ آیات

اس سے پہلے رکوع میں حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحتوں کا ذکر تھا جن میں بنیادی طور پر انھوں نے بیٹے کو شرک سے منع کیا تھا۔ اس رکوع میں اجمالی طور پر دلیل پیش کی گئی ہے کہ رب تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی نے کیے ہیں۔

فرمایا ﴿اَلَمْ تَرَوْا﴾ کیا تم نہیں دیکھتے ﴿اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے کام میں لگا دیا ہے تمھارے تابع کر دی ہیں ﴿مَّا﴾ وہ چیزیں ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور جو چیزیں زمین میں ہیں۔ چاند سورج ستارے تمھارے کام میں لگے ہوئے ہیں، ہوا تمھارے فائدے کے لیے ہے، زمین میں میدان تمھارے فائدے کے لیے ہیں، پہاڑ تمھارے فائدے کے لیے ہیں، درخت، اناج، سبزیاں، میوے تمھارے فائدے کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ہے جس نے یہ سب چیزیں پیدا کی ہوں۔ ﴿وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ﴾۔ نِعَمَ نِعْمَةٌ کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مکمل کیں تمھارے اُوپر اپنی نعمتیں ﴿ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ ظاہری نعمتیں بھی اور باطنی نعمتیں بھی۔ ظاہری نعمتیں وہ ہیں جو دوسروں کو نظر آئیں زمین آسمان وغیرہ انسانی قد، اس کی شکل، آنکھیں، کان، ناک، ہاتھ، پاؤں، لباس، صحت وغیرہ۔ اور باطنی نعمتیں وہ ہیں جو دوسروں کو نظر نہ آئیں۔ ایمان ہے، علم ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے یہ نظر نہیں آتیں اور ہیں بڑی

نعمتیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی آدمی کی شکل وصورت سے آدمی بڑا مرعوب ہوتا ہے مگر جب وہ بات کرتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ خاموش ہی رہتا تو بہتر تھا۔ کیونکہ اس میں علم، سمجھ بوجھ، بصیرت نہیں ہے۔

تو ظاہری اور باطنی نعمتیں سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں لیکن ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ﴾ اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو ﴿يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے۔ بعض مفسرین نضر بن حارث کا ذکر کرتے ہیں یہ ایک بڑا منہ پھٹ کافر تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ امیہ بن خلف تھا۔ جس وقت توحید کا اثبات ہوتا، شرک کا رد ہوتا تو یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جھگڑا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں۔ حالاں کہ ان کے پاس نہ علم تھا ﴿وَّلَا هُدًى﴾ اور نہ ہدایت تھی ﴿وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾ اور نہ ایسی کتاب تھی جو روشنی پہنچانے والی ہو۔ علم سے مراد عقلی دلیل ہے اور ہدایت سے مراد نقلی دلیل ہے جو انبیائے کرام کی وساطت سے وحی الٰہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور تیسری چیز روشن کتاب ہے جس کے ذریعے کسی چیز کے حق میں یا اس کے خلاف دلیل دی جاسکتی ہے اور ان کے پاس ان میں سے کوئی شے بھی نہیں ہے نہ علم، نہ ہدایت اور نہ روشن کتاب اور جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں محض اپنے آباؤاجداد کی تقلید کرتے ہوئے۔

ادلہ شرعیہ چار ہیں

کسی مسئلے کے اثبات کے لیے چار دلیلوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس۔ لیکن مطلق قیاس نہیں بلکہ جو قرآن وحدیث سے کیا گیا ہو۔ ایسا قیاس اور اجتہاد جو قرآن وسنت کے خلاف ہو مردود ہے اور ہر آدمی مجتہد بھی نہیں بن سکتا بلکہ مجتہد کے لیے شرائط ہیں۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا! کہ مجتہد کے اجتہاد میں خطا بھی ہوسکتی ہے اور وہ درست بھی ہوتا ہے البتہ پیغمبر سے خطا نہیں ہوتی کہ پیغمبر معصوم ہوتا ہے جب کہ مجتہد معصوم نہیں ہوتا۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ مجتہد سے غلطی بھی ہوگئی تو وہ گناہ نہیں ہے بلکہ اس کو ایک اجر ملتا ہے بشرطیکہ مجتہد صحیح ہو پانچواں سوار نہ ہو۔ (پانچویں سوار کا واقعہ حضرت اس طرح بیان فرماتے تھے کہ چار آدمی بہترین گھوڑوں پر سوار دلی جارہے تھے۔ جب دلی پہنچنے لگے تو ایک آدمی لنگڑی گدھی پر سوار ساتھ مل گیا۔ جب وہاں پہنچے تو وہ بھی ساتھ کھڑا ہوگیا اور ظاہر یہ کیا کہ میں بہترین گھوڑے پر سوار ہو کر آیا ہوں۔ یعنی نام وروں کی فہرست میں خواہ مخواہ اپنا نام شامل کرنا۔ گویا لہو لگا کر شہیدوں میں ملنا۔ مراد اس سے مودودی صاحب ہیں۔)

ائمہ مجتہدین معصوم نہیں

اور یاد رکھنا! بعض جاہل قسم کے لوگ کہہ دیتے ہیں کہ مقلدین نے اپنے اماموں کو نبی کی گدی پر بٹھایا ہوا ہے حاشا وکلا ثم حاشا وکلا! کسی مقلد نے جو صحیح معنیٰ میں مقلد ہو وہ امام کو نبی کی گدی پر نہیں بٹھاتا پیغمبر معصوم ہے امام غیر معصوم ہے

زمین آسمان کا فرق ہے۔ تو امام پیغمبر کی گدی پر کس طرح بیٹھ سکتا ہے یا اس کو کوئی بٹھا سکتا ہے۔ اب دیکھو! ایک آدمی کو مسئلہ قرآن سے نہیں ملتا، حدیث سے نہیں ملتا، خلافت راشدہ کے دور میں بھی نہیں ملتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی نہیں ملتا اگر یہ شخص مجتہدین میں سے کسی کی بات مان لے کہ ممکن ہے اس کی بات صحیح ہو یہ ہے اہل اسلام کی تقلید کہ اس نے مجتہد کی بات پر عمل کیا ہے اور یہ بھی یاد رکھنا کہ تقلید جائز بھی ہے اور ناجائز بھی ہے۔ کل کے سبق میں تم پڑھ چکے ہو ﴿وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ "اور تقلید کر اس کی جو میری طرف رجوع کرنے والا ہے۔" تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے اور کوئی امام معصوم نہیں ہے۔ البتہ رافضیوں کا نظریہ ہے کہ امام معصوم ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شاہ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں رافضیوں کا بڑا فتنہ تھا اور یہ دہشت گرد فتنہ ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ افغانستان ہرات کے باشندے تھے اس علاقے کا حکمران شیعہ آ گیا اس نے چن چن کر علماء قتل کرائے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے خلاف فتویٰ دیا تھا ان کو ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ اس ظالم نے آپ کو یہاں چھوڑنا نہیں ہے لہٰذا آپ ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ یہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہاں بیٹھ کر انھوں نے کتابیں لکھیں وہیں فوت ہوئے اور جنت المعلیٰ میں ان کی قبر ہے۔

تو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شرک و بدعت کا بڑی سختی سے رد کیا ہے اور دوسرا شیعہ کا بڑا رد کیا ہے۔ شیعہ کے رد میں انھوں نے ایک کتاب لکھی ہے "ردّ روافض" یہ چھوٹی سی کتاب ہے فارسی زبان میں چونکہ اکثر لوگ فارسی زبان نہیں جانتے تو ہماری ترغیب سے ایک پروفیسر صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کر دیا ہے "ردّ رفض" کے نام سے۔ اس کتاب کو ضرور پڑھو۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں شیعوں کے کفر کے اصول بیان فرمائے ہیں کہ یہ شیعہ رافضی کافر کیوں ہیں۔

شیعہ کے کفر پر دلائل

پہلی دلیل کہ قرآن پاک جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس کا سارے شیعہ انکار کرتے ہیں کیا پہلے اور کیا پچھلے، سوائے ان کے چار مولویوں کے مگر ان چار نے بھی تقیہ کے طور پر مانا ہے۔ یہ سارے کہتے ہیں کہ قرآن اصلی قرآن نہیں ہے تو جو فرقہ اس قرآن کو اصلی نہ مانے وہ کیسے مسلمان ہو سکتا ہے۔ اصول کافی میں لکھا ہے: وَاللّٰهِ مَا فِيْهِ مِنْهُ حَرْفٌ وَاحِدٌ "اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اصل قرآن کا اس قرآن میں ایک حرف بھی نہیں ہے۔" اور اصول کافی کا درجہ شیعوں کے ہاں ایسے ہی ہے جیسے ہمارے ہاں بخاری شریف کا درجہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اصل قرآن کا اس موجودہ قرآن میں ایک حرف بھی نہیں ہے تو کیا وہ اصل قرآن سنسکرت میں ہے یا غیر ملکی زبان میں ہے یا چینی، لاطینی، فرانسیسی زبان میں ہے۔ اگر عربی میں ہے تو کوئی نہ کوئی حرف تو اس میں یقیناً ہوگا۔ اب جو فرقہ یہ کہے کہ اس قرآن میں اصل قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے وہ کیسے مسلمان ہو سکتا ہے؟

شیعہ کے کفر کی دوسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتے ہیں اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر

کرتا ہے وہ خود کافر ہے کیوں کہ یہ قرآن کریم کی تکذیب ہے۔ اور تیسری دلیل یہ ہے کہ یہ اماموں کو معصوم سمجھتے ہیں کہ ان سے غلطی نہیں ہوسکتی اور ان پر وحی نازل ہوتی ہے جو معصوم بھی ہو اور اس پر وحی بھی نازل ہوتی ہو تو امام اور نبی میں کیا فرق ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کشف میں میری ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تو میں نے کہا حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وسلم شیعہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا سختی کے ساتھ فرمایا احمد، یہ نام ہے شاہ ولی اللہ صاحب کا، احمد بن عبدالرحیم شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احمد! کیا کہا ہے؟ فرماتے ہیں میں سہم گیا اور کہا حضرت! میں نے یہ پوچھا ہے کہ شیعہ کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے لفظ امام پر غور نہیں کیا کہ جس کو یہ امام کہتے ہیں اس کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں۔ میری آنکھیں کھلیں تو میں نے غور کیا کہ یہ کہتے ہیں کہ امام معصوم ہوتا ہے اور اس پر وحی اُترتی ہے۔ تو جو امام کو معصوم بھی مانے اور یہ بھی کہے کہ اس پر وحی اُترتی ہے وہ کیسے مسلمان ہوسکتا ہے؟ اس لیے فرماتے ہیں کہ یہ شیعہ کافر ہیں۔

تو مقلد تو اس کو کافر کہتے ہیں جو امام کو معصوم سمجھے تو نبی کی گدی پر کس طرح بٹھا دیا۔ تو یہ لوگ لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں ان کے مغالطے میں نہ آنا۔ ناجائز تقلید ناجائز ہے، جائز جائز ہے۔ ناجائز تقلید وہ ہے جو قرآن و حدیث کے مقابلے میں ہو، خلافتِ راشدہ کے اصولوں کے خلاف ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف ہو۔ اور جائز وہ ہے جو ان میں سے کوئی بات بھی اس میں نہ ہو۔ پھر امام کی بات کو مان لینا اس لیے کہ وہ زیادہ تقویٰ اور علم والے ہیں ان کو ہم سے زیادہ دین کی سمجھ ہے مگر امام کو معصوم نہ سمجھے۔ معصوم صرف خدا کے پیغمبر ہیں۔ مشرکین مکہ ناجائز تقلید کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ﴾ اور جس وقت کہا جاتا ہے ان کو ﴿اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ پیروی کرو اس چیز کی جو نازل کی ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿بَلْ نَتَّبِعُ﴾ بلکہ ہم پیروی کریں گے ﴿مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا﴾ جس چیز پر ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ﴿اَوَ لَوْ كَانَ الشَّیْطٰنُ﴾ کیا اور اگرچہ ہو شیطان ﴿یَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِیْرِ﴾ بلاتا ہو ان کو شعلہ مارنے والے عذاب کی طرف ﴿وَ مَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ اور جس شخص نے جھکا دیا اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَ هُوَ مُحْسِنٌ﴾ اور وہ نیکی کرنے والا ہے ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ پس بے شک اس نے پکڑ لیا مضبوط دستے کو جو ہاتھ میں آجائے تو انسان گرتا نہیں ہے ﴿وَ اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹتا ہے سب کاموں کا انجام۔ وہی خالق ہے، وہی مالک ہے، وہی سب کچھ کرنے والا ہے ﴿وَ مَنْ كَفَرَ﴾ اور جس نے کفر کیا ﴿فَلَا یَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ﴾ پس نہ غم میں ڈالے آپ کو اس کا کفر۔ کیوں؟ ﴿اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ ہماری طرف ہی ان کا لوٹنا ہے ﴿فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا﴾ پس ان کو خبر دیں گے اس کارروائی کی جو انھوں نے کی ہے۔ آنا تو انھوں نے ہمارے پاس ہے ہماری عدالت میں پیشی ہونی ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے دلوں کے راز۔ ﴿نُمَتِّعُهُمْ قَلِیْلًا﴾ ہم ان کو فائدہ دیتے ہیں تھوڑا۔ کتنا عرصہ جی لیں گے؟ دس سال، بیس سال، پچاس سال، سو سال، پانچ سو سال ﴿ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ﴾ پھر ہم ان کو مجبور کر دیں گے ﴿اِلٰى عَذَابٍ غَلِیْظٍ﴾

سخت عذاب کی طرف۔ اللہ تعالیٰ بچائے اس عذاب سے یہ دنیا کی آگ برداشت نہیں ہوتی اس میں لوہا، تانبا، پتھر، ہر شے پگل جاتی ہے اور دوزخ کی آگ اس سے انہتر گنا تیز ہے ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور اگر آپ ان مشرکوں سے سوال کریں ﴿مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو ﴿لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ البتہ یہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ مشرکوں کا بھی عقیدہ تھا کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ آپ کہہ دیں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں کہ تم اقراری مجرم ہو کہ یہ تسلیم کرتے ہو کہ آسمانوں اور زمینوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ پھر دوسروں کو تم حاجت روا، مشکل کشا سمجھتے ہو جب سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں پھر دوسرا کوئی تمھارا سر درد کس طرح دُور کرتا ہے؟ ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ بلکہ اکثر ان کے نہیں جانتے، توجہ نہیں کرتے، غور نہیں کرتے، رب تعالیٰ نے جو سمجھ دی ہے اس کے مقتضیٰ پر نہیں چلتے۔ اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین]

~~~

﴿لِلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿مَا﴾ جو کچھ ہے ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الْغَنِيُّ﴾ وہ بے پرواہ ہے ﴿الْحَمِيْدُ﴾ قابل تعریف ہے ﴿وَلَوْ اَنَّ﴾ اور اگر بے شک ﴿مَا﴾ وہ چیز ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ جو زمین میں ہے ﴿مِنْ شَجَرَةٍ﴾ درخت ﴿اَقْلَامٌ﴾ یہ قلمیں بن جائیں ﴿وَّالْبَحْرُ﴾ اور سمندر ﴿يَمُدُّهٗ﴾ اس کی امداد کرے ﴿مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ اس کے بعد ﴿سَبْعَةُ اَبْحُرٍ﴾ سات سمندر ﴿مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ﴾ نہیں ختم ہوں گی اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے کلمات ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ بے شک اللہ غالب ہے، حکمت والا ہے ﴿مَا خَلْقُكُمْ﴾ نہیں ہے تمھارا پیدا کرنا ﴿وَلَا بَعْثُكُمْ﴾ اور نہ تمھارا اُٹھ کر دوبارہ کھڑا ہونا ﴿اِلَّا﴾ مگر ﴿كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ایک نفس کی طرح ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿سَمِيْعٌ﴾ سنتا ہے ﴿بَصِيْرٌ﴾ دیکھتا ہے ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اے مخاطب! کیا تم نہیں دیکھتے ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ﴾ داخل کرتا ہے رات کو ﴿فِي النَّهَارِ﴾ دن میں ﴿وَيُوْلِجُ النَّهَارَ﴾ اور داخل کرتا ہے دن کو ﴿فِي الَّيْلِ﴾ رات میں ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ﴾ اور اس نے تابع کیا سورج کو ﴿وَالْقَمَرَ﴾ اور چاند کو ﴿كُلٌّ﴾ ہر ایک ان میں سے ﴿يَّجْرِيْ﴾ چلتا ہے ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ایک مقرر وقت تک ﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ جو کچھ تم عمل کرتے ہو خبردار ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ اس لیے ﴿بِاَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الْحَقُّ﴾ وہ سچا ہے ﴿وَاَنَّ﴾ اور بے شک ﴿مَا﴾ وہ ﴿يَدْعُوْنَ﴾ جن کو پکارتے ہیں ﴿مِنْ دُوْنِهِ﴾ اس سے نیچے نیچے ﴿الْبَاطِلُ﴾ بے کار ہیں ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الْعَلِيُّ﴾ وہی بلند ہے ﴿الْكَبِيْرُ﴾ بڑی ذات ہے۔
~~~

تمام عبادتوں کی بنیاد توحید ہے

تمام عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت ایمان اور توحید ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات وصفات اور افعال میں وحدہ لاشریک تسلیم کرنا۔ نہ کوئی اس کی ذات میں شریک ہے نہ کوئی اس کی صفات میں شریک ہے نہ اس کے افعال میں کوئی شریک ہے۔ راس الطّاعة التوحید تمام عبادتوں کی بنیاد توحید ہے یہی وجہ ہے کہ موحد بے شک سر سے پاؤں تک گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو کسی نہ کسی وقت دوزخ سے نکل آئے گا۔ جہنم کے سات طبقے ہیں سب سے اُوپر والے طبقے میں اہل توحید جو گنہگار ہوں گے وہ ہوں گے۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ آخری گنہگار بھی اس سے نکل آئے گا اور وہ طبقہ بالکل خالی ہو جائے گا۔ باقی چھ طبقوں میں مجرم بدستور اور ابدالآباد یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اسی کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ لِلّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں ﴿ مَا ﴾ وہ چیزیں ﴿ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ آسمانوں میں جو کچھ ہے اس کا خالق و مالک بھی رب ہے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں اور جو کچھ زمینوں میں ہے اس کا خالق و مالک بھی رب ہی ہے اور ہر چیز اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہی متصرف ہے اور کسی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو نبوت دی، اولیاء کو ولایت دی، نیکوں کو نیکی دی، بڑے بلند درجے عطا فرمائے مگر الوہیت اور ربوبیت اور خدائی اختیارات میں سے کسی کو کچھ نہیں دیا خدائی اختیارات کا مالک صرف پروردگار ہے ﴿ وَرَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ ﴾ [سورۃ القصص] "آپ کا پروردگار پیدا کرتا ہے جو چاہے اور آپ کا رب ہی سب چیزوں پر اختیار رکھتا ہے نہیں ہے ان لوگوں کے لیے اختیار۔" مخلوق کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمینوں میں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی بے پرواہ ہے۔ تم اس کی تعریف کرو نہ کرو نہ اس کا کچھ بنتا ہے نہ بگڑتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ساری مخلوق ایک متقی آدمی کے دل پر جمع ہو جائے یعنی ساری مخلوق متقی ہو جائے تو رب تعالیٰ کی خدائی میں ایک رتی بھر اضافہ نہیں ہوگا اور خدانخواستہ ساری مخلوق عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے باغی اور نافرمان ہو جائیں تو رب تعالیٰ کی خدائی میں ایک رتی کی بھی کمی نہیں ہوتی۔ یہ تمھارے اعمال تمھارے ہی لیے فائدہ مند اور نقصان دہ ہیں وہ غنی اور صمد ہے بے پرواہ ہے اور ساری کائنات اس کی محتاج ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے ﴿ الْحَمِیْدُ ﴾ قابل تعریف ہے۔ زمین کا ایک ایک ذرہ، پانی کا ایک ایک قطرہ، درختوں کا ایک ایک پتا اس کی تسبیح بیان کرتا ہے اور یہ بات بڑے غور کے ساتھ سمجھنے والی ہے یہ زمین میں جتنے درخت پیدا ہوئے ہیں اور جہان کے فنا ہونے تک جتنے پیدا ہوں گے یہ درخت کسی اور مصرف میں نہ لائے جائیں یعنی ان کے شہتیر، بالے، دروازے وغیرہ نہ بنائے جائیں نہ ان کو جلایا جائے غرض یہ کہ جو کام لکڑی سے لیا جاتا ہے نہ لیا جائے ان درختوں کی قلمیں بنائی جائیں اور دنیا میں اتنے لمبے لمبے جنگلات ہیں اور بڑے بڑے

قدآور درخت ہیں کہ سارے جن اور انسان ان کی قلمیں بنانا شروع کریں تو قیامت تک سب کی قلمیں نہ بن سکیں۔تو اندازہ لگاؤ کہ کتنی قلمیں بنیں گی اور سارا سمندر سیاہی بن جائے اور جغرافیہ دان کہتے ہیں کہ دنیا کے سو حصوں میں سے اکہتر (۷۱) حصوں پر پانی ہے اور انتیس (۲۹) حصوں پر مخلوق آباد ہے۔تو اس سے اندازہ لگالو کہ پانی کتنا ہوگا اور ایسے سات سمندر اور، کمک اور امداد پہنچائیں اور یہ تمام سیاہی ہو اور تمام انسان اور تمام جنات اور تمام فرشتے ان قلموں کے ساتھ ان آٹھ سمندروں کی سیاہی سے رب تعالیٰ کی تعریف لکھنا شروع کر دیں انسانوں، جنوں اور فرشتوں کی زندگیاں ختم ہو جائیں اور قلمیں گھس جائیں اور آٹھ سمندروں کی سیاہی ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کا ابجد بھی ختم نہیں ہوگا افسوس ہے کہ مشرکوں نے رب تعالیٰ کی عظمت کو سمجھا ہی نہیں ہے کہ دوسروں سے مانگتے پھرتے ہیں۔

رب تعالیٰ نہ مانگنے پر ناراض ہوتا ہے

نسائی شریف میں روایت ہے مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ "جو رب تعالیٰ سے نہیں مانگتا رب اس سے سخت ناراض ہوتا ہے۔" اس کو تم اس طرح سمجھو کہ تمھارے گھروں میں بچے بچیاں ہیں تمھاری بیوی ہے وہ تم سے مانگنے کے بجائے محلے میں کسی اور کو جا کر کہیں کہ مجھے فلاں چیز چاہیے۔تمھاری بیوی، بیٹی کسی اور سے دوپٹا، کپڑے وغیرہ مانگے تو تم برداشت کر لو گے؟ غصہ آئے گا کہ نہیں آئے گا؟ جس طرح تمھیں غصہ آتا ہے اسی طرح رب تعالیٰ کو بھی غصہ آتا ہے کہ میری مخلوق کسی اور سے کیوں مانگتی ہے؟ تو جو رب سے نہیں مانگتا رب تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔اکبر مرحوم نے کہا ہے اور اچھا کہا ہے:

اسی سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبرؔ
یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

ایک اور شاعر نے کہا ہے:

دینا ہے اپنے ہاتھ سے اے بے نیاز دے
کیا مانگتا پھرے تیرا سائل جگہ جگہ

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب سوال کرو رب تعالیٰ سے سوال کرو، مدد مانگو رب سے مانگو۔اتنی قادر مطلق ذات کو چھوڑ کر بندہ کسی اور کے سامنے دامن پھیلائے تو اسے یقیناً غصہ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ﴾ اور اگر ﴿اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ﴾ بے شک جو زمین میں ہیں۔کیا؟ ﴿مِنْ شَجَرَۃٍ﴾ درخت ﴿اَقْلَامٌ﴾۔قلم کی جمع ہے یہ سارے کے سارے درخت قلمیں بن جائیں ﴿وَّالْبَحْرُ﴾ اور سمندر جو زمین کے اکہتر حصوں پر غالب ہے ﴿یَمُدُّہٗ﴾ اس کی امداد کریں ﴿مِنْۢ بَعْدِہٖ﴾ اس کے بعد ﴿سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ﴾ سات سمندر۔یہ سمندر سیاہی بن جائے اور سات سمندر اور اس کو امداد پہنچائیں سیاہی بن کر ﴿مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ﴾ نہیں ختم ہوں گے اللہ تعالیٰ کے کلمات اور اس کی

خوبیاں۔اس کی صفات لکھتے لکھتے انسانوں کی زندگیاں بھی ختم ہوجائیں، جنات بھی ختم ہوجائیں،انسان سے جنات بہت زیادہ ہیں اور جنات سے فرشتے بہت زیادہ ہیں۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر انسان کے ساتھ دس فرشتے دن کو اور دس فرشتے رات کو اس کی جان کی حفاظت کے لیے ہوتے ہیں اور چار فرشتے اعمال لکھنے والے، دو دن کے اور دو رات کے۔تو دن رات میں ایک آدمی کے ساتھ چوبیس فرشتے ہوتے ہیں اور ہر جن کے ساتھ بھی۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ سات آسمان ہیں اور ان کے اُوپر کرسی اور اس کے اُوپر عرش ہے۔ان میں ایک ہاتھ کے برابر بھی جگہ خالی نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رب تعالیٰ کی تسبیح نہ بیان کررہا ہو۔اور بخاری شریف میں روایت ہے کہ کعبۃ اللہ کے عین اوپر آسمانوں میں ایک مقام ہے جس کا نام بیت المعمور ہے جس کا ذکر ستائیسویں پارے میں ہے ستر ہزار فرشتے روزانہ اس کا طواف کرتے ہیں۔جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے یہ کررہے ہیں اور دنیا کے فنا ہونے تک کرتے رہیں گے اور جس نے ایک مرتبہ طواف کیا ہے قیامت تک اس کی دوبارہ باری نہیں آئے گی۔اس سے تم فرشتوں کی تعداد کا اندازہ لگاؤ۔یہ فرشتے بھی لکھنے میں شریک ہوجائیں پھر بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ختم نہیں ہوسکتیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ بے شک اللہ غالب ہے، حکمت والا ہے۔

آگے قیامت کا ذکر ہے۔مشرکین جیسے توحید کا انکار کرتے ہیں اسی طرح قیامت کا بھی انکار کرتے تھے اور کہتے تھے ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ [ق:۳] "کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہوجائیں گے مٹی یہ لوٹ کر آنا بہت بعید ہے۔" اور یہ بھی کہتے تھے ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَ هِيَ رَمِيْمٌ﴾ [یٰسین:۷۸] "کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالاں کہ وہ بوسیدہ ہوچکی ہوں گی۔" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے انسانو! اور اے میری مخلوق ﴿مَا خَلْقُكُمْ﴾ نہیں ہے تمھارا پیدا کرنا ﴿وَلَا بَعْثُكُمْ﴾ اور نہ تمھارا دوبارہ کھڑا ہونا ﴿اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ مگر ایک نفس کی طرح جیسے ایک نفس کا دنیا میں آنا مشکل نہیں ہے روزانہ تم دیکھتے ہو دنیا میں بچے پیدا ہوتے اور مرتے ہیں رب تعالیٰ کا ساری مخلوق کو پیدا کرنا اور فنا کردینا اور دوبارہ اٹھانا ایسے ہی ہے جیسے ایک نفس کو پیدا کرنا اور مارنا۔رب تعالیٰ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے دیکھتا ہے۔

رب تعالیٰ کی قدرت کے دلائل

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے وہ دلائل بیان فرمائے ہیں جو روزمرہ تم دیکھتے ہو پھر انکار کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اے مخاطب تم دیکھتے نہیں ہو ﴿اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے رات کو دن میں۔گرمیوں میں دن لمبے ہوجاتے ہیں راتیں چھوٹی ہوجاتی ہیں کہ رات کے حصے کاٹ کر دن میں شامل کردیئے جاتے ہیں ﴿وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔سردیوں میں راتیں لمبی ہوجاتی ہیں اور دن چھوٹے ہوجاتے ہیں یہ رب تعالیٰ کی قدرت تمھارے سامنے ہے کرو انکار کہ ایسا نہیں ہوتا؟ سمجھنا چاہو تو رب تعالیٰ کی قدرت کو سمجھنا بڑا آسان ہے مگر ضد اور ہٹ دھرمی کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے ہٹ دھرم کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں سمجھا سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھی اور ابلیس کو بھی حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو مگر ابلیس اکڑ گیا﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ﴾[الحجر: ۳۰-۳۱] "پس سجدہ کیا سب کے سب فرشتوں نے لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔" رب تعالیٰ نے فرمایا﴿ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ﴾ "اے ابلیس! تجھے کس چیز نے روکا جب میں نے تجھے حکم دیا سجدہ کرنے کا۔" کہنے لگا ﴿ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴾[اعراف: ۱۲] "میں اس سے بہتر ہوں مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا ہے جس میں روشنی اور بلندی ہے اور اس کو خاک سے جو پاؤں کے نیچے روندی جاتی ہے میں اس کو کیوں سجدہ کروں؟" پھر معاذ اللہ تعالیٰ، رب تعالیٰ کے ساتھ گلہ شکوہ کیا۔ کہنے لگا ﴿ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ﴾[اسراء: ۶۲] "مجھے بتلاؤ تو سہی، یہ ہے جس کو آپ نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔" جیسے عورتیں ایک دوسرے کو طعنے دیتی ہیں اس طرح رب تعالیٰ کو طعنہ دیا۔ اب شیطان قادر مطلق کے سامنے اکڑ گیا اس کا کیا علاج ہے؟ لیکن رب تعالیٰ نے فوراً گرفت نہیں کی کیوں کہ اس نے اختیار دیا ہے ﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾[الکہف: ۲۹] "پس جس کا جی چاہے اپنی مرضی سے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔"

فرمایا ﴿ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ﴾ اور اس نے مسخر کیا ہے سورج کو اور چاند کو، جو رفتار اور راستہ سورج اور چاند کا اس نے مقرر کر دیا ہے مجال ہے کہ اس میں وہ کوئی کمی بیشی کر سکیں راستہ بدل سکیں یا رفتار میں سستی اور تیزی لا سکیں ﴿ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ ہر ایک ان میں سے چلتا ہے مقرر میعاد تک۔ سورج بھی چلتا رہے گا اور چاند بھی چلتا رہے گا یہ رب تعالیٰ کی قدرتیں روز مرہ تم دیکھتے ہو یہی ذات مردوں کو زندہ کرے گی اور سب کا حساب کتاب ہوگا ﴿ وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ اس لیے کہ ﴿ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے سچا ہے ﴿ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ ﴾ اور بے شک وہ جن کو یہ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے پکارتے ہیں یا لات، یا منات، یا عزیٰ۔ ﴿ الْبَاطِلُ ﴾ بے فائدہ اور بے کار ہیں۔ تم ساری زندگی ان کو پکارتے رہو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ نہ وہ حاجت روا ہیں، نہ مشکل کشا ہیں، نہ دست گیر ہیں یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے اور بہت بڑی ہے اور اس کی صفات بھی جو ہمارے وہم و گمان سے بھی بالاتر ہیں۔

﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا ﴿ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ ﴾ بے شک کشتیاں چلتی ہیں ﴿ فِي الْبَحْرِ ﴾ سمندر میں ﴿ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ﴿ لِيُرِيَكُمْ ﴾ تاکہ وہ دکھائے تمھیں ﴿ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ﴾ اپنی نشانیوں میں سے ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ﴾ بے شک اس میں ﴿ لَاٰيٰتٍ ﴾ البتہ کئی نشانیاں ہیں ﴿ لِّكُلِّ صَبَّارٍ ﴾ ہر صبر کرنے والے کے لیے ﴿ شَكُوْرٍ ﴾ شکر کرنے والے کے لیے ﴿ وَ اِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ ﴾ اور جس وقت ان کو ڈھانپ لیتی ہے موج

﴿كَالظُّلَلِ﴾ سائبان کی طرح ﴿دَعَوُا اللّٰهَ﴾ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ﴿مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے دین اور اعتقاد کو ﴿فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ﴾ پس جس وقت وہ نجات دیتا ہے ﴿اِلَى الْبَرِّ﴾ خشکی کی طرف ﴿فَمِنْهُمْ﴾ پس ان میں سے بعض ﴿مُّقْتَصِدٌ﴾ درمیانی چال چلنے والے ہیں ﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ﴾ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا ﴿اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ﴾ مگر ہر وہ شخص جو وعدہ شکن ہے ﴿كَفُوْرٍ﴾ اور ناشکری کرنے والا ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿اتَّقُوْا﴾ ڈرو ﴿رَبَّكُمْ﴾ اپنے رب سے ﴿وَاخْشَوْا يَوْمًا﴾ اور خوف کرو اس دن کا ﴿لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ﴾ نہیں کام آئے گا کوئی باپ ﴿عَنْ وَّلَدِهٖ﴾ اپنے بیٹے کے لیے ﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ﴾ اور نہ کوئی بیٹا ﴿هُوَ جَازٍ﴾ وہ کفایت کرے گا ﴿عَنْ وَّالِدِهٖ﴾ اپنے باپ کے لیے ﴿شَيْـًٔا﴾ کچھ بھی ﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے ﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ﴾ پس نہ دھوکے میں ڈالے تمھیں ﴿الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی ﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ﴾ اور نہ دھوکے میں ڈالے تمھیں ﴿بِاللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿الْغَرُوْرُ﴾ دھوکے باز ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے ﴿عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ قیامت کا علم ﴿وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ اور وہ اُتارتا ہے بارش ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ﴾ اور جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے ﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ﴾ اور نہیں جانتا کوئی نفس ﴿مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ کیا کچھ کمائے گا کل ﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ﴾ اور نہیں جانتا کوئی نفس ﴿بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ کس زمین میں وہ مرے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ جاننے والا ہے ﴿خَبِيْرٌ﴾ خبر رکھنے والا ہے۔

ربط آیات

اس سے پہلے رکوع کی آخری آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے اور اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے جن کو مشکل کشا، حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں وہ بے کار ہیں کسی کے پاس کوئی اختیارات نہیں ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے کچھ دلائل بیان فرمائے ہیں کہ ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اے مخاطب تم دیکھتے نہیں ﴿اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ﴾ بے شک کشتیاں چلتی ہیں سمندر میں ﴿بِنِعْمَتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی نعمت کے ساتھ۔ آج تو خیر سائنس بڑی ترقی کر گئی ہے اور مختلف چیزیں ایجاد ہو گئی ہیں۔ اس زمانے میں کشتیاں ہوا کے ساتھ چلتی تھیں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں کشتیوں کے ساتھ بڑے بڑے کپڑے یا ٹاٹ باندھ لیتے تھے اور ہوا کے رخ پر انھیں چلاتے تھے۔ (یہی بادبان کشتیوں کی رفتار تیز کرنے اور انھیں موڑنے کے کام آتے تھے۔) اِدھر کی چیزیں اُدھر اور اُدھر کی اِدھر لے آتے تھے جیسے آج کل برآمد اور درآمد کا سلسلہ ہے یہ اس وقت بھی ہوتا تھا۔

تو فرمایا یہ کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ﴿لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ﴾ تاکہ دکھائے تمھیں اپنی قدرت کی بعض نشانیاں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں تو بے شمار ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں کشتیوں کا صحیح، سالم پار جانا اور پھر

واپس آنا اور تمھارا ان پر سفر کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے چند ایک نشانیاں ہیں ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک اس میں کئی نشانیاں ہیں ﴿لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے۔ سمندر کا سفر اُس دور میں خاصا مشکل ہوتا۔ موجوں پر موجیں آتی تھیں کشتیوں کے غرق ہونے کا خطرہ ہوتا تھا ایسے موقع پر صبر کی ضرورت پیش آتی تھی لوگ جس وقت پار جاتے تھے رب تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرتے تھے چاہے شکر ادا کرنے والے تھوڑے ہوتے تھے اس لیے دو لفظ بولے ہیں صبر کرنے والے شکر ادا کرنے والے ﴿وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ﴾ اور جب ڈھانپ لیتی تھی ان کو موج جس وقت چھا جاتی تھی ان پر سمندر کی موج ﴿كَالظُّلَلِ﴾ سائبان کی طرح ﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کو خالص کرتے ہوئے دین اور اعتقاد۔

صحاح ستہ کی کتاب نسائی شریف میں روایت ہے کہ ۸ ھ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو جتنے نامی گرامی کافر تھے سب بھاگ گئے۔ ان بھاگنے والوں میں جبّار بن اسود وحشی بن حرب صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اس زمانے میں جدہ کا وجود نہیں تھا یہ جدہ بہت بعد میں آباد ہوا ہے کعبۃ اللہ کے دروازے کی عین سیدھ میں تیس میل کی مسافت پر سمندر ہوتا تھا وہاں سے کشتیاں آتی جاتی تھیں کبھی ہفتے کے بعد کبھی مہینے کے بعد۔ عکرمہ اس ارادے سے روانہ ہوا کہ عرب کی سرزمین پر تو میں بچ نہیں سکتا حبشہ بھاگ جاؤں۔ حبشہ جانے والی کشتی میں سوار ہو گیا کشتی چند میل سمندر میں چلی کہ طوفان آ گیا لوگوں نے اپنے اپنے خداؤں کو پکارنا شروع کیا۔ کسی نے کہا یالات اغثنی کسی نے کہا یا منات اغثنی، یا عزی اغثنی اے لات میری مدد کر، اے منات میری مدد کر، اے عزّیٰ میری مدد کر۔ ملاحوں نے کہا: اِنَّ اٰلِهَتَكُمْ لَا تُغْنِيْ هٰهُنَا شَيْئًا یہ جن کو تم پکار رہے ہو یہ تمھارے حاجت روا معبود یہاں کچھ کام نہیں آ سکتے یہاں صرف اکیلے رب کو پکارو وہ تمھیں بچائے گا عکرمہ نے کہا کہ یہ سبق تو ہمیں محمد دیتے تھے اور اس سے ہم بھاگے پھر رہے ہیں اگر یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا تو پھر خشکی میں بھی کوئی نہیں بچا سکتا۔ نسائی شریف میں روایت ہے کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا تو میں ضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھوں گا۔

طوفان بہت بڑا تھا کشتی واپس آ کر کنارے لگی تو عکرمہ کی بیوی ام حکیم بغل میں کوئی چیز چھپائے ہوئے کھڑی تھی عکرمہ دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ مردوں کے علاوہ عورتوں کے ساتھ بھی کیا زیادتی ہو رہی ہے کہ میری بیوی بھاگ کر یہاں آ گئی ہے۔ پوچھا ام حکیم کیسے آئی ہو، کیا گزری؟ اس نے کہا کہ وہاں تو رحمت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے صفا کی چٹان پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اے مکہ والو! لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے، کوئی ڈانٹ نہیں، کوئی سرزنش نہیں ہے، میں نے تم سب کو معاف کر دیا ہے۔ تو وہ جو سکہ بند مشرک تھے وہ بھی انتہائی مشکل میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے مگر ظلم، حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ آج کل کے مشرک کلمہ بھی پڑھتے ہیں اور شرک میں ڈوبے ہوئے بھی ہیں اور کہتے ہیں: ؎

بگرداب بلا افتاد کشتی
مدد کن یا معین الدین چشتی
امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا غوث اعظم دست گیر

دنیا اور آخرت کی کامیابی ان سے مانگتے ہیں۔ یقین جانو! اس سے بڑا اور کوئی شرک نہیں ہے۔ فرمایا کہ جب چھا جاتی ہے ان پر موج سائبان کی طرح تو خالص اعتقاد رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں ﴿فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ﴾ پس جس وقت اللہ تعالیٰ ان کو نجات دیتا ہے خشکی کی طرف ﴿فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ﴾ پس ان میں سے بعض درمیانی چال چلتے ہیں میانہ روی اختیار کرتے ہیں کبھی رب کو پکارتے ہیں اور کبھی کسی اور کو ﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ﴾ اور نہیں انکار کرتا ہماری آیتوں کا ﴿اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ﴾ مگر ہر وہ شخص جو عدہ شکن ہے اور ناشکری کرنے والا ہے۔ ختّار کا معنیٰ ہے غدار، وعدہ شکن، وعدہ کر کے پھر جانے والا۔ جب انتہائی مصیبت میں ہوتے تو صرف رب تعالیٰ کو پکارتے اور جب کنارے لگ جاتے تو لات، منات، عزّیٰ یاد آ جاتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ﴾ اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے۔ رب تو رحمٰن، رحیم ہے اس سے ڈرنے کا کیا معنیٰ ہے؟ تو بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ یہاں عقاب کا لفظ مقدر مانتے ہیں یعنی عِقَابَ رَبِّكُمْ کا لفظ نکالتے ہیں۔ معنیٰ اس کا بھی وہی ہے۔ بعض مُخَالَفَةَ رَبِّكُمْ نکالتے ہیں کہ اپنے رب کی مخالفت سے بچو۔ کیوں کہ اگر تم نافرمانی کرو گے تو اس کے بدلے میں تمھیں سزا ہو گی لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو ﴿وَاخْشَوْا يَوْمًا﴾ اور خوف کرو اس دن کا ﴿لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ﴾ نہیں کام آئے گا باپ اپنے بیٹے کے ﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا﴾ اور نہ بیٹا کفایت کرے گا اپنے والد کی کچھ بھی۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝﴾ [سورہ عبس] "جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور بھاگے گا اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔" کوئی مجھ سے نیکی نہ مانگ لے۔ بلکہ قرآن مجید میں ہے کہ بندہ اپنے بدلے میں ان سب کو جہنم ڈالنے کے لیے تیار ہو جائے گا ﴿يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۭ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝﴾ [سورہ معارج: پارہ: ۲۹] "مجرم خواہش کرے گا کہ کاش کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کا فدیہ دے دے اور اپنی بیوی اور بھائی کا اور اپنے قبیلے کا جو اس کو پناہ دیتا تھا اور سب زمین پر رہنے والوں کو بھی فدیہ میں پیش کر دے پھر وہ اپنے آپ کو بچا لے۔"

فرمایا ﴿كَلَّا﴾ یہ حرف ردع ہے "ہرگز یہ سودا نہیں ہو گا۔" اور سورہ آل عمران آیت نمبر ۹۱ میں ہے ﴿فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ﴾ "ہرگز قبول نہیں کی جائے گی سونے کی بھری ہوئی زمین اگرچہ وہ اس کا فدیہ دے دے۔" یعنی بالفرض اگر کسی کے پاس سونے سے بھری ہوئی زمین ہو اور وہ رب تعالیٰ کے دربار میں پیش کر دے کہ یا اللہ یہ مجھ

سے لے لے اور مجھے نجات دے دے تو یہ فدیہ بھی ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور سورہ مائدہ آیت نمبر ۳۶ میں ہے ﴿وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ "اتنی زمین اور بھی سونے کی بھری ہوئی ہو تو قبول نہیں کی جائے گی اور چھٹکارا نہیں ہوگا۔"

تو ڈرو اس دن سے جس دن نہ باپ بیٹے کی طرف کفایت کرے گا اور نہ بیٹا باپ کے کام آئے گا ﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے قیامت ضرور آئے گی نیکوں کو نیکی کا بدلہ ملے گا اور بروں کو سزا ملے گی ﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ پس نہ ڈالے تمھیں دھوکے میں دنیا کی زندگی۔ یہ ناپائیدار ہے صبح ہے، شام نہیں، شام ہے، صبح نہیں، آج ہے کل نہیں، اب ہے ایک لمحے کے بعد نہیں۔ لہٰذا یہ تمھیں دھوکے میں نہ ڈالے ﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ اور ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکے باز۔ غَرُوْر غین کے فتح کے ساتھ بروزن رَسُوْل یہ صفت کا صیغہ ہے۔ اس کا معنیٰ ہے دھوکے باز۔ اور غین پر ضمہ ہو غُرُوْر تو اس کا معنیٰ ہے دھوکا۔ یہ شیطان دھوکے باز ہے اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں اور اس کے احکام کے بارے میں تمھیں بالکل دھوکے میں نہ ڈالے جو کچھ رب تعالیٰ نے تمھیں فرمایا ہے وہ برحق ہے۔ قیامت حق ہے، میدانِ محشر حق ہے، پل صراط حق ہے، میزان حق ہے، حساب حق ہے، جنت اور دوزخ حق ہیں۔

عالم الغیب خدا تعالیٰ ہے

ایک شخص تھا حارث بن عمرو۔ پہلے کافر تھا پھر مسلمان ہوگیا تھا اس نے حالت کفر میں آنحضرت ﷺ کے پاس آکر سوال کیے۔ کہنے لگا میں نے آپ سے چند سوال کرنے ہیں آپ مجھے ان کا تسلی بخش جواب دیں۔ کہنے لگا میں کاشت کار ہوں اگر بارش نہ ہو میری فصل نہیں ہوتی مجھے یہ بتلائیں کہ بارش کب ہوگی؟ دوسری بات یہ ہے کہ میری بیوی حاملہ ہے مجھے یہ بتلائیں کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی ہوگی؟ میرا تیسرا سوال یہ ہے کہ میں مروں گا کہاں؟ اور چوتھا سوال یہ ہے کل میں کیا کروں گا؟ اور یہ بتلائیں کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

فرمایا کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کا علم۔ اجمالی طور پر تو قیامت کا علم سب جانتے ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی جیسے ہمیں تمھیں یقین ہے کہ ہمیں موت ضرور آئے گی لیکن کس وقت آئے گی؟ اس کا کسی کو علم نہیں ہے۔ حیرت الٰہ آبادی کا شعر ہے:

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کے ہیں، کل کی خبر نہیں

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منیٰ کے مقام پر مسجد خیف میں کھڑے ہو کر تقریر فرمائی اور یہ بھی روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے تاکہ لوگ دیکھ بھی لیں اور اچھی طرح سن بھی لیں فرمایا: خُذُوْا عَنِّيْ مَنَاسِكَكُمْ "مجھ سے تم احکام حج سیکھ لو۔" ہو سکتا ہے آئندہ سال میری ملاقات نہ ہو لَعَلِّيْ لَا اَلْقَاكُمْ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ تقریر کے بعد

بعض نے پوچھا حضرت! آپ کو کوئی اشارہ ہوا ہے فرمایا نہیں۔موت ایک راز ہے رب تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا میں نے قرینوں سے سمجھا ہے کہ میری وفات قریب ہے۔ایک قرینہ بخاری شریف میں موجود ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رمضان میں میرے ساتھ ایک دور کرتے تھے اور اس دفعہ دو بار دور کیا اس سے میں نے اخذ کیا ہے کہ میری وفات کا وقت قریب ہے۔

مجمع الزوائد میں یہ روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا محترم ہیں کہ آسمان سے بڑی مضبوط رسیاں اتری ہیں اور زمین میں کنڈے ہیں ان کو پکڑ رہی ہیں اور ساری زمین کو کھینچ کر آسمان تک لے گئی ہیں۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپؐ نے فرمایا چچا جان! تمھارے بھتیجے کے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قرائن سے اخذ فرمایا کہ میری موت قریب ہے ورنہ موت کا وقت اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور خلیفہ ابوجعفر منصور کا خواب

تفسیر مظہری، ابوسعود، معالم التنزیل، مدارک، تفسیرات احمدیہ مشہور تفسیریں ہیں۔ان سب میں یہ واقعہ موجود ہے۔
ابوجعفر خلیفہ بنو عباس بہت ذہین اور زیرک آدمی تھا کچھ علم کے ساتھ بھی تعلق اور مناسبت رکھتا تھا مگر بادشاہ تھا غصہ اس میں بہت تھا۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس نے مختلف اوقات میں برہنہ کر کے ڈیڑھ سو کوڑے لگوائے ہیں اس جرم میں کہ تم وزارت عظمیٰ کا عہدہ قبول کر لو۔ملک کے وزیر اعظم بن جاؤ اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کر دیا۔بہت بڑا ملک تھا عرب سے کاشغر تک سرحد تھی ترپن (۵۳) لاکھ مربع میل کا حکمران تھا۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اس ظالم حکومت کا معاون بننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔یہ بات تم خود سمجھتے ہو کہ ظالم کو ظلم کرنے والے ہی مطلوب ہوتے ہیں۔اس جرم میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو قید کیا اور روزانہ برہنہ کر کے کوڑے مارے جاتے تھے۔

بالآخر جیل ہی میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی جیل میں ان کو زہر دیا گیا تھا۔ایک کارندہ آیا اس نے آ کر اطلاع دی کہ حضرت! آپ کو زہر دینے کا پروگرام بن گیا ہے اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیوں کہ میں ملازم ہوں۔زہر کا پیالہ لایا گیا کہ پیو۔فرمایا: اِنِّیْ لَاَعْلَمُ مَا فِیْهِ "بے شک میں جانتا ہو جو کچھ اس میں ہے۔" میں خودکشی کو حرام سمجھتا ہوں خود نہیں پیوں گا۔چنانچہ ان کو گرا کر زبردستی ان کے منہ میں زہر کا پیالہ انڈیل دیا گیا سجدے کی حالت میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روح پرواز کر گئی۔

خیر یہ تو بعد کا واقعہ ہے جو واقعہ میں سنانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ابوجعفر نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا عزرائیل علیہ السلام کو، کہنے لگا مجھے بتلاؤ کہ میری زندگی کتنی باقی ہے؟ تو ملک الموت نے ہاتھ کی پانچ انگلیاں کھڑی کر دیں۔تم نے آج کل پنجے کا نشان بسوں اور مکانوں پر دیکھا ہوگا یہ شیعہ کی علامت ہے۔اس سے وہ پنج تن پاک مراد لیتے ہیں۔وہ ہمارے ہی بزرگ ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید۔شیعوں نے جو عقائد گھڑے ہوئے ہیں ان کے ساتھ ان کی کوئی نسبت نہیں ہے۔وزیر اعظم پاکستان رہی ہیں بے نظیر، ان کی کوٹھی پر بھی یہی پنجہ لگا ہوا ہے میں نے اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھا ہے کراچی میں۔اور کالا جھنڈا بھی لگا ہوا تھا۔یہ لوگ

بڑی جرأت کے ساتھ اپنا عقیدہ بیان کرتے ہیں اور ہمارے لیڈر اپنے آپ کو سنی کہلانے میں صم بکم عمی ہیں۔ اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور ان کے افسر بھی اپنے باطل فرقے کی پوری رعایت کرتے ہیں۔ تو خیر ملک الموت نے ابوجعفر کے سامنے پنجہ کر دیا۔ ابوجعفر منصور نے محققین بلائے تعبیر کے لیے۔ کسی نے کہا پانچ دن زندہ رہو گے کسی نے کہا پانچ مہینے زندہ رہو گے کسی نے کہا پانچ سال زندہ رہو گے مگر وہ ان کی تعبیروں سے مطمئن نہ ہوا۔ کہنے لگا نعمان بن ثابت، یہ امام صاحب کا نام ہے، کو بلاؤ۔ ثابت والد کا نام اور ان کے دادا کا نام تھا زُوطی۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حنیفہ ان کی لڑکی تھی اور اس کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کو ابوحنیفہ کہا جاتا ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ حنیفہ ان کی کوئی لڑکی نہیں تھی ابوحنیفہ کا معنٰی ہے ملت حنفیہ والا۔ اب، اخ کے لفظ کی اضافت جب غیر ذوالعقول کی طرف ہو تو اس کا معنٰی ہوتا ہے والا۔ ابن الوقت کا معنٰی ہے وقت پاس کرنے والا اَخُ الْخَیْر کا معنٰی ہے خیر والا۔ ابو الشر کا معنٰی ہے شر والا۔ ابوحنیفہ کا معنٰی ہے ملت حنفیہ کو سنبھالنے والا۔ ملت حنفیہ پر چلنے والا۔

امام صاحب تشریف لائے تو منصور نے اپنا خواب سنایا اور دوسرے حضرات نے جو تعبیریں بتائی تھیں وہ بھی بتائیں۔ ان تفسیروں میں لکھا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کَذَبَ کُلُّھُمْ "سب نے غلط کہا ہے۔" درحقیقت ملک الموت نے بتلایا ہے کہ موت ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم رب تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

تو فرمایا قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی اس کا صحیح وقت اس کے بغیر کوئی نہیں جانتا ﴿وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ﴾ اور وہ اُتارتا ہے بارش۔ بارش اُتارنے کا وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہ ہمارے محکمہ موسمیات والے تھوک کے حساب سے جھوٹ بولتے رہتے ہیں کہتے کچھ ہیں اور ہوتا کچھ ہے ﴿وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ﴾ اور جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے۔ قطعی علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے ﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا﴾ اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کیا کمائے گا کل۔ کئی پروگرام بنتے ہیں اور دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ کئی دفعہ براتیں جاتی ہیں اور واپس میتیں اُٹھا کر لاتی ہیں۔ کیا معلوم قسمت میں خوشی نصیب ہوگی یا غم؟ ﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ اسی لیے فقہائے کرام رحمہم اللہ لکھتے ہیں کہ کفن ساتھ رکھنا چاہیے اور زندگی میں اپنی قبر بنانا مکروہ ہے کیوں کہ معلوم نہیں کہاں مرنا ہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے خبردار ہے۔

آج بروز اتوار ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ بمطابق یکم جولائی ۲۰۱۲ء پندرھویں جلد مکمل ہوئی۔

والحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذالك

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، گوجرانوالا